سسپنس ڈائجسٹ کا مشہور سلسلہ
دیوتا

"نہیں، یہ دوسرا ڈرائیور ہے۔"

"اچھی بات ہے۔ تم اس سے باتیں کرو۔ میں اس دوران اس کے دماغ پر دستک دوں گا۔"

"نہیں اب رہنے دو۔ میں مرنے کے خوف سے ٹیلی پیتھی جاننے والے فرہاد کو تنظیم والوں کے سامنے زندہ نہیں کرنا چاہتی۔"

"اب نخرے نہ کرو، چلو ڈرائیور کو مخاطب کرو۔"

"میں نہیں کروں گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں ایک جھٹکے سے کہا: "مگر میں ڈرائیور کو مخاطب کر رہی ہوں ۔۔۔ ڈرائیور سنو ......"

یہی بات بے اختیار اس کی زبان سے نکل گئی۔ ڈرائیور نے اس سے پوچھا۔

"یس مادام! فرمائیے۔"

"کچھ نہیں" وہ جھلا کر بولی: "میں نے تمہیں مخاطب نہیں کیا ہے۔"

ڈرائیور خاموشی سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا ۔۔ میں نے کہا۔

"سونیا! جھنجلانا فضول ہے۔ میں ڈرائیور کی آواز سن چکا ہوں۔ اور اب اس کے دماغ پر دستک دینے ......"

میری بات پوری ہونے سے پہلے جھونپڑی کے دروازے پر منزا کی ماں کی آواز سنائی دی۔ وہ مجھے پکار رہی تھی۔ میں نے سونیا سے کہا۔

"سوری ۔۔ میری تنہائی میں ایک بوڑھی عورت آ رہی ہے میں ذرا اس کی بات سن لوں۔ پھر تمہارے ڈرائیور کی خبر لیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں کھول دیں۔ کرسی سے اٹھ کر دروازے تک آیا پھر اسے کھول دیا۔ بوڑھی عورت اپنے ہاتھوں میں مٹھائی سے بھری ہوئی تھالی لئے کھڑی تھی۔ وہ کمرے میں آتی ہوئی کچھ کہنے لگی۔ میں اس کی بولی سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اس کی خوشیاں دیکھ کر سمجھ سکتا تھا۔ کہ وہ بیٹی کے سہاگن بننے کی خوشی میں میرے لئے مٹھائی لائی ہے۔

اس نے مٹھائی کی تھالی لکڑی کے صندوق پر رکھ دی تھی میں جلد از جلد اسے ٹالنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اسے خوش کرنے کے لئے شکریہ ادا کرنے کے انداز میں میں نے اپنا سر جھکا یا۔ پھر ایک مٹھائی کا ٹکڑا کھانے کے لئے اٹھایا بوڑھی عورت نے فوراً ہی میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے پوچھا۔

"کیا یہ میرے لئے نہیں ہے؟"

وہ میری بات نہ سمجھ سکی۔ اپنی زبان سے کچھ بولنے لگی۔ بڑی مشکل تھی۔ میں سونیا کو چھوڑ کر اس کے ساتھ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا مگر اسے دھتکار کر اس کی جھونپڑی سے نہیں بھگا سکتا تھا۔ پھر یہ بڑی غیر اخلاقی حرکت تھی۔ کہ ایک ماں اپنی سہاگن بیٹی کی خوشیوں میں مجھے شریک کرنے آئے اور میں اس کا احترام نہ کروں۔

آخر میں نے اشاروں کی زبان میں اسے سمجھایا کہ مجھے اس کی زبان سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ پھر اس نے بھی سمجھایا کہ ٹھہرو! میں سمجھاتی ہوں۔ اس کے بعد اس نے فرش پر چٹائی بچھائی پھر اس پر مٹھائی کی تھالی رکھی۔ اسی وقت نامودا اور منزا دولہا دلہن کے

لباس میں وہاں پہنچ گئے۔ ناموداں نے کہا۔

"ہمارے ہاں شادی بیاہ کی ایک رسم ایسی ہے جسے دلہن کا بھائی ادا کرتا ہے۔"

اس وقت میں ایک بہن کا بھائی بن کر مصیبت میں پڑ گیا تھا میں نے بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے بتاؤ، وہ رسم کیا ہے؟"

ناموداں اپنی دلہن کا ہاتھ تھام کر چٹائی پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ میں ان دونوں کے سامنے بیٹھ گیا۔ مٹھائی کی تھالی ہمارے درمیان تھی۔ ناموداں نے مجھ سے کہا۔

"اب آپ مٹھائی اٹھا کر مجھے اپنے ہاتھ سے کھلائیں۔"

میں نے اسے کھلاتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیسی رسم ہے میں نہیں سمجھ سکا۔"

"میں سمجھاتا ہوں۔ دلہن کا بھائی اپنے بہنوئی کو زیادہ سے زیادہ مٹھائی کھلاتا ہے تاکہ دولہا تمام عمر اس کی بہن کے لئے میٹھا بن کر رہے۔"

میں نے پوچھا۔ "اگر تم زیادہ مٹھائی کھانے سے انکار کردو تو ——؟"

"میں کیوں انکار کروں گا۔ میں تو مٹھائی کا شوقین ہوں آپ کھلاتے جائیں میں کھاتا جاؤں گا۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا —— بس ہوگئی چھٹی —— ادھر سونیا انتظار کر رہی ہوگی اور یہ نہیں سوچے گی کہ میں ادھر الجھا دیا گیا ہوں میں نے سوچا کہ صرف ایک منٹ کے لئے سونیا سے رابطہ قائم کرکے اپنی وقتی مجبوری بیان کردوں۔ مگر ناموداں نے پھر باتوں میں الجھا دیا —— میں نے کہا۔

"میں دل سے چاہتا ہوں کہ تم میری بہن کے لئے سدا میٹھے رہو لیکن اتنی مٹھائی کھاؤ گے تو بدہضمی ہو جائے گی۔"

اس نے کہا۔ "مجبوری ہے۔ یہ رسم تو پوری کرنی ہوگی۔"

میں بھی مجبور تھا۔ اس رسم سے نجات حاصل کرنے کے لئے میں اس کے منہ میں جلدی جلدی مٹھائی ٹھونسنے لگا۔ منزا منہ چھپا کر ہنسنے لگی۔ اس کی ماں بھی قہقہے لگا رہی تھی۔ وہ ان کے لئے ہنسنے کا اور میرے لئے رونے کا موقع تھا۔ آخر ناموداں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"بس! اب میں نہیں کھا سکوں گا۔ میرے پیٹ میں گڑبڑ.... ہو رہی ہے۔"

وہ فوراً ہی اٹھ کر باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ منزا کو اس کی ماں دوسرے کمرے میں لے گئی۔ پھر وہ میرے کھانے پینے کے لئے کچھ نمکین چیزیں لائی۔ میں نے کھانے کا سامان رکھ کر اسے اشاروں میں سمجھایا کہ میں اپنے کمرے کا دروازہ بند کر رہا ہوں۔ اب یہاں کوئی نہ آئے۔

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ میں دروازے کو اندر سے بند کرکے ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ پھر آنکھیں بند کرنے کے بعد سونیا کو دیکھنے لگا اس کی سوچ کے ذریعے پتہ چل رہا تھا۔ کہ اب وہ کار کی پچھلی سیٹ نہیں ہے بلکہ ایک ایسی گاڑی میں بیڈ پر لیٹی ہوئی ہے جو ایک چوکور ڈبے کی طرح بند ہے۔ میں نے کہا۔

"سونیا! میں واپس آگیا ہوں۔ اس وقت تم کہاں ہو؟"

"اتنی دیر بعد خبر لے رہے ہو کیا تمہارے چاہنے والے پیچھا چھوڑ رہے تھے ——؟"

"ہاں! بس یہ سمجھ لو کہ بڑی مشکلوں سے پیچھا چھڑایا ہے مجھے بتاؤ تم کہاں ہو ——؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی کہ اس وقت کہاں سے گزر رہی ہوں گاڑی کا یہ ڈبہ چاروں طرف سے بند ہے میں ایک ایمبولنس میں چھپ کر فرار ہو رہی ہوں ——"

میں نے چونک کر پوچھا۔

"کیا کہا تم نے؟ فرار ہو رہی ہو ——؟"

"ہاں۔ تم ساتھ چھوڑ گئے تو میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے کار کی پچھلی سیٹ پر ذرا آگے کھسک کر اچانک ہی ڈرائیور کی گردن دبوچ لی۔ اس کے ہاتھوں میں اسٹیئرنگ بہک گیا۔ گاڑی ایک جھٹکے سے رکی تو پیچھے آنے والی کار بھی رکتے رکتے دوسری طرف گھوم گئی۔ میں کار کا دروازہ کھول کر فٹ پاتھ پر آئی اور دو کانوں کی درمیانی گلی میں بھاگتی چلی گئی ——"

میں نے پوچھا —— "کیا ان لوگوں نے فائرنگ نہیں کی؟"

"وہ کس طرح فائرنگ کرسکتے تھے۔ دور دور تک دکانیں کھلی تھیں، مردوں، عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ میں نے سوچ سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ وہ ایسی جگہ تھی کہ میں تقریباً بیس منٹ تک تعاقب کرنے والوں کو چکر دیتی رہی۔ پھر ایک سپر مارکیٹ کے پیچھے ایک وسیع پارک میں پہنچ گئی۔ پارک کے دوسری طرف ایک بڑا سا اسپتال تھا۔ جب میں اسپتال کے کمپاؤنڈ میں پہنچی تو ایک ایمبولنس کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے یہاں ایمبولنس کے اندر آکر دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔"

"لیکن یہ ایمبولنس کہاں جارہی ہے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کامن سنس کی بات ہے۔ اسپتال سے نکلنے والی خالی ایمبولنس کسی مریض کو کہیں سے لانے جاتی ہے۔ یہ گاڑی بھی یقیناً کسی مریض کو کسی رہائش گاہ سے لے کر اسپتال واپس جائے گی۔ جب یہ کہیں رکے گی تو میں گاڑی کے پچھلے حصے سے نکل کر ڈرائیور کا شکریہ ادا کردوں گی ——"

"سونیا! تم نے تو کمال کردیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ سپر ماسٹر کی تنظیم کے لوگ اتنے نالائق ہوں گے۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "تم رائی کو پربت بنا دیتے ہو۔ مانا کہ اس تنظیم کے لوگ بے حد خطرناک ہوتے ہیں مگر چالاک اور خطرناک لوگ بھی بعض اوقات لاپرواہ ہو جاتے ہیں۔ پھر میں نے بھی تو انہیں ایک بھرے پُرے بازار میں ڈاج دیا تھا۔ جہاں وہ نہ تو گولیاں چلا سکتے تھے اور نہ مجھ سے زور زبردستی کرسکتے تھے۔ اسی لئے وہ چپ چاپ تعاقب کرتے رہے.....؟"

میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ انہوں نے تمہیں اسپتال کے کمپاؤنڈ میں نہیں دیکھا تھا۔؟"

"ہاں یقین ہے۔ ایمبولنس میں چھپنے سے پہلے میں نے چاروں طرف دیکھ لیا تھا کوئی دور تک نظر نہیں آیا۔ اگر وہ دیکھ لیتے تو ایمبولنس کو اسپتال کے کمپاؤنڈ سے نکلنے نہ دیتے۔ پہلی فرصت میں مجھے اس ایمبولنس سے نکال کر لے جاتے۔"

میں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اب تمہیں ایمبولنس سے نکلنے کے بعد کوئی اچھی سی پناہ گاہ تلاش کرنی ہوگی۔ اگر کہیں میک اپ کے ذریعے چہرے میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے کا موقع مل جائے تو پھر دشمن تمہیں پہچان نہیں سکیں گے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ تم دیکھتے جاؤ کہ میں کیا کرتی ہوں اور کس طرح انہیں الّو بناتی ہوں۔"

آزادی حاصل کرکے کسے خوشی نہیں ہوتی۔ وہ بھی خوش ہو رہی تھی پھر اس کی سوچ نے بتایا کہ ایمبولنس کی رفتار سست ہو رہی ہے اب وہ رکنے والی ہے۔ سونیا بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایمبولنس کسی مکان کے سامنے رکے گی۔ ڈرائیور مکان کے دروازے پر مکینوں کو اطلاع دینے جائے گا۔ اسی وقت وہ ایمبولنس کا پچھلا دروازہ کھول کر نکل جائے گی۔

ایک منٹ کے بعد ہی ایمبولنس رک گئی۔ سونیا نے اسٹیئرنگ سیٹ کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی۔ پھر جب اسے یقین ہوگیا کہ ڈرائیور مکان کے دروازے کی طرف جا چکا ہے تو اس نے ایمبولنس کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ کھلے ہوئے دروازے کے باہر دو نوجوان اسٹین گن لئے کھڑے ہوئے تھے۔ سونیا کا کلیجہ دھک سے ہوگیا۔ ایک نوجوان نے کہا۔

"شکریہ مادام! آپ نے ایمبولنس میں شرارت نہیں کی۔ آرام سے لیٹ کر یہاں تک آگئیں.....؟"

سونیا نچلا ہونٹ دانتوں تلے داب کر ایمبولنس سے باہر آگئی۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ دور تک ویرانی ہے قریب ہی ایک طیارہ نظر آرہا ہے۔ طیارے کے زینے کے پاس بھی ایک مسلح نوجوان کھڑا ہوا ہے اسے مخاطب کرنے والے نوجوان نے کہا۔

"مادام! آپ کی خاطر اسپتال کی ایمبولنس کو چرا کر یہاں لانا پڑا۔ اب آپ چپ چاپ طیارے میں جا کر بیٹھ جائیں ہمیں کسی طرح کی زیادتی پر مجبور نہ کریں۔"

وہ طیارے کی طرف جانے لگی۔ میں نے اسے تسلی دی۔

"سونیا! فکر نہ کرو۔ ادھیت تو ہوتی ہی رہتی ہے۔ تم فرار ہونے میں کامیاب ہوگئی تھیں۔ بس ایک بھول ہوگئی۔ تمہیں ایمبولنس میں چھپنے کے بعد یہ بھی دیکھنا چاہئے تھا کہ اس ایمبولنس کو اسپتال کا کوئی ڈرائیور لے جارہا ہے یا نہیں۔ بہرحال گرتے ہیں شہسوار ہی میدانِ جنگ میں..... پرواہ نہ کرو۔"

طیارے کے اندر پہنچ کر اس کی سوچ نے کہا۔

"فرہاد! یہ کوئی مسافر بردار طیارہ نہیں ہے۔ ایسے طیارے صرف جنگی سامان لے جانے یا فوجیوں کو پیراشوٹ کے ذریعے کہیں اتارنے کے کام آتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ لوگ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟"

میں نے پوچھا۔ "طیارے میں کتنے لوگ ہیں؟"

"چھ مسلح نوجوان ہیں۔ یہ لوگ طیارے کی دونوں طرف کی دیواروں سے لگی ہوئی سیٹوں پر بیٹھے ہیں۔ یہ لوگ مجھے بھی بیٹھنے کے لئے کہہ رہے ہیں ——"

"تو پھر آرام سے بیٹھ جاؤ۔ جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔"

وہ ایک طرف بیٹھتی ہوئی بولی۔

"میں طیارے کے آخری سرے پر ایک بھاری بھرکم شخص کو دیکھ رہی ہوں۔ وہ دوسری طرف منہ کئے بیٹھا ہے۔ ہاں —— اب وہ میری طرف پلٹ رہا ہے۔ اوہ یہ تو......؟"

وہ ایک لمحہ کے لئے ٹھٹھک گئی۔ دوسرے لمحہ اس کی سوچ نے بتایا کہ ماسٹر چمپیزی غرّا کر اسے دیکھ رہا ہے۔ پھر وہ اسے پہچانتے ہی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اسی وقت مسلح نوجوانوں نے اپنی اسٹین گنوں کا رخ اس کی طرف کردیا ایک نوجوان نے کہا۔

"ماسٹر! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ خاموشی سے سفر کریں گے۔"

ماسٹر چمپیزی نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔

"مجھے یہ نہیں بتایا گیا تھا۔ کہ یہ کتیا بھی میرے ساتھ ہی سفر کرے گی ——"

سونیا نے بڑے تحمل سے کہا۔

"ارے تمہارے ماسٹر کی بینائی کمزور ہے اسے عورت کی جگہ کتیا نظر آرہی ہے۔"

اس سے پہلے کہ چمپیزی اس پر چھلانگ لگاتا، چار نوجوانوں نے اسے چاروں طرف سے دبوچ لیا۔ اسی وقت طیارہ حرکت میں آکر رن وے پر دوڑنے لگا۔ ایک نوجوان نے سونیا کی طرف اسٹین گن کا رخ کرتے ہوئے کہا۔

"مادام! آپ اپنی جگہ خاموش بیٹھی رہیں اور ماسٹر کو اشتعال نہ دلائیں اور ماسٹر آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔ مادام سونیا آپ کے ساتھ اس لئے سفر کر رہی ہیں کہ آپ دونوں کی منزل ایک ہے۔ آپ منزل پر.....؟"

اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی طیارہ فضا میں بلند ہوا اور وہ سب گرتے اور پھسلتے ہوئے آخری راستے پر چلے گئے۔ سونیا پہلے ہی سیفٹی بیلٹ باندھ چکی تھی۔ اس لئے وہ حفاظت سے بیٹھی ہوئی ان کے گرنے اور پھسلنے کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ سنبھل کر اپنے اپنے سیفٹی بیلٹ کے پاس پہنچ گئے۔ ماسٹر چمپیزی بیلٹ باندھنے کی بجائے اسے دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھا رہا۔ اور سونیا کو گھورتا رہا سونیا نے مجھ سے کہا۔

"فرہاد! مجھے اس بن مانس کی اولاد پر بہت غصہ آ رہا ہے جی چاہتا ہے، یہیں دو دو ہاتھ کر لوں۔"

"صبر کرو میری جان! اگر تم بھی چمپیزی کی طرح غصہ دکھاؤ گی تو تم دونوں میں فرق کیا رہ جائے گا۔ کیا تم ایسے وقت میری طرح سنجیدگی اور ٹھنڈے دماغ سے کام نہیں لے سکتیں۔ آخر تم نے میری محبت میں رہ کر کیا سیکھا ہے ---؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بولی۔

"ہاں مجھے اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھنا چاہئے۔ میرا خیال ہے جب سے گرلاش نے مجھے بیمار بنایا ہے تب ہی سے میرے مزاج میں گرمی آگئی ہے کئی بار مجھے احساس ہوا کہ میں تمہیں بھی غصہ دکھاتی رہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں سونیا! اب تو تم نارمل ہو۔ میری ہدایات پر عمل کرتی رہو تو تمہارے دماغ سے گرمی نکل جایا کرے گی۔"

آدھے گھنٹے کے بعد ایک نوجوان نے تمام لوگوں کے سامنے کھانے کی ایک ایک ٹرے پیش کی۔ سونیا کھانا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ اسے پیٹ بھر لینا چاہئے۔ پتہ نہیں سفر کے اختتام پر کیا ہونے والا ہے وہ اپنے سامنے ٹرے رکھ کر کھانے لگی۔ سب سے زیادہ خوراک چمپیزی کی تھی۔ اس کے سامنے بکرے کی دو رانیں اور وہسکی کی دو بوتلیں تھیں وہ پیتا رہا تھا سالم ران کو دانتوں سے ادھیڑ کر چبا رہا تھا۔ سونیا سوچ رہی تھی۔

"بالکل جانور ہے میں اس کا مقابلہ کیسے کروں گی میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے اور میرے آہنی ناخن بھی چھین لئے گئے ہیں۔"

میں نے کہا "تم فکر نہ کرو۔ اطمینان سے پیٹ بھرتی رہو۔ میں اس درندے سے نمٹ لوں گا۔"

اتنے میں پائلٹ روم سے کسی نے مائک کے ذریعہ کہا۔

"ہمارا جہاز جرمنی کی سرحد پار کر چکا ہے۔ اب ہم ڈنمارک سے گزر رہے ہیں۔ ہماری منزل گرین لینڈ کا شمالی حصہ ہے منطقہ بارہ شمالی کا یہ حصہ اتنا سرد ہے کہ وہاں سال بھر برف جمی رہتی ہے۔ اس ویران اور بنجر علاقہ سے انسانوں کا گزر نہیں ہوتا۔ جہاں انسان نہیں ہوتے۔ وہاں اناج نہیں ہوتا۔ وہاں آگ نہیں جلتی۔ وہاں صرف موت پکارتی ہے۔ صبح پانچ بجے تک مادام سونیا اور ماسٹر چمپیزی کو موت کی اس آخری منزل پر پہنچا دیا جائے گا۔"

یہ سنتے ہی سونیا نے پریشان ہو کر کہا۔

"فرہاد! میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کمینہ ٹی ماسٹر مجھے سردی سے ٹھٹھر کر مرنے کے لئے اس برفانی علاقہ میں بھیجے گا مجھے تو ابھی سے سردی لگ رہی ہے۔ خدا کے لئے کچھ کرو ---"

میں خود پریشان ہو گیا تھا اور کسی صورت میں یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ سونیا وہاں جا کر پھنس جائے۔ سونیا نے میری خاموشی سے گھبرا کر آواز دی۔

"فرہاد! تم کہاں ہو؟ ایسے وقت ساتھ چھوڑ کر نہ جاؤ۔"

"میں تمہارے پاس موجود ہوں سونیا! اور تمہارے بچاؤ کی تدبیر سوچ رہا ہوں۔"

"سوچنا کیا ہے۔ اب تو ٹیلی پیتھی کو کام میں لاؤ۔ یوگا آرمی کے لوگ اس جہاز میں نہیں ہوں گے۔"

میں نے کہا "یوگا آرمی کے لوگ ہوں گے تب بھی میں ٹیلی پیتھی کا ہتھیار آزماؤں گا۔ لیکن اس سے پہلے ہر پہلو پر غور کرنا چاہئے۔ میں نے مائک کے ذریعے پائلٹ کی آواز سنی ہے۔ میں اس کے دماغ کو کنٹرول کر سکتا ہوں۔ اسے جہاز کا راستہ بدلنے پر مجبور کر سکتا ہوں۔ اگر وہ مجبور نہ ہوا تو اس کے دماغ میں ہلچل مچا سکتا ہوں۔ لیکن اس طرح جہاز کہیں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اور اس جہاز میں تم بھی موجود ہو۔"

سونیا نے کہا "پائلٹ کو صرف اس حد تک کنٹرول کرو کہ وہ تمہاری مرضی کے مطابق جہاز کا رخ بدل دے۔"

میں نے پھر اسے سمجھایا۔

"جہاز اپنی منزل مقصود سے پلٹ کر کسی بھی ملک میں جائے گا تو پائلٹ یہی بیان دے گا کہ فلائنگ کے دوران اس کی دماغی حالت درست نہیں تھی۔ تنظیم کے ماسٹروں کو شبہ ہو گا کہ ایک نارمل پائلٹ کی سوچیں کیسے بدل گئی تھیں۔ اگر پائلٹ کو ماسٹروں تک پہنچنے سے پہلے ہی مار ڈالا جائے۔ تو اس کے ساتھ جہاز میں سفر کرنے والے چھ مسلح جوانوں اور ماسٹر چمپیزی کو بھی ختم کرنا ہو گا۔ جہاز بخیریت کسی ملک میں پہنچ جائے اور اس کے بعد جہاز کے سب لوگ مارے جائیں اور صرف تم زندہ سلامت رہ جاؤ۔ تو یہ بھی شبہ کی بات ہو گی۔"

اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کیا بات ہے فرہاد! پہلے تم ہر پہلو پر غور نہیں کرتے تھے۔ بے خوف و خطر آگ اور خون کے دریاؤں سے گزر جاتے تھے۔ اب تمہیں کیا ہو گیا ہے ---؟"

"میری جان! پہلے میں جسمانی طور پر تمہارے ساتھ ہوتا تھا جو خطرات پیش آتے تھے انہیں میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر ان کی نزی و گرمی کو سمجھ کر ان کا مقابلہ کرتا تھا۔ لیکن اب حالات مختلف ہیں۔ میں صرف دماغی طور پر تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جس حد تک دیکھتی اور سوچتی ہو اسی حد تک میں تمہارے موجودہ ماحول کو سمجھتا ہوں۔"

میں نے اسے اچھی طرح سمجھانے کے لئے پچھلی ناکامی کی مثال دی۔

"اب یہی دیکھو سونیا! کہ ایمبولنس میں چھپنے کے بعد تم آس پاس کی دنیا سے غافل ہو گئی تھیں۔ اگر تم ایمبولنس میں سفر کرنے کے دوران باہر دیکھتیں تو میں بھی تمہاری سوچ کے ذریعے دشمنوں کی چال کو سمجھ لیتا۔ لیکن تم نے ہر طرف سے اطمینان ظاہر کر کے مجھے بھی مطمئن کر دیا تھا۔"

وہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔

"واقعی یہاں میں صرف اپنی آنکھ سے دیکھتی ہوں میرے ساتھ فرہاد کی دوررس نگاہیں نہیں ہیں۔ یہاں میں صرف اپنے دماغ سے سوچتی ہوں اور جو سوچتی ہوں، فرہاد اسی کی روشنی میں مجھے مشورے دیتا ہے میں یہ کیوں بھول گئی کہ آزمائش کی گھڑیوں میں میرا فرہاد حیرت انگیز ذہانت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ پتہ نہیں میرے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔"

"سونیا! تمہارے دماغ کو کچھ نہیں ہوا۔ صرف پریشان ہونا اور غصہ کرنا چھوڑ دو۔"

"ہاں اب میں اپنے دماغ کو پرسکون رکھنے کی کوشش کروں گی۔"

"بہتر ہے کہ اب تم سکون سے سو جاؤ۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ کیا ان حالات میں نیند آسکتی ہے؟"

"کیوں نہیں آسکتی۔ ان حالات کو سمجھ کر ہی تمہیں سونا چاہئے پائلٹ کی اطلاع کے مطابق صبح پانچ بجے سفر ختم ہو گا۔ تمہیں چار بجے تک نیند پوری کرنی چاہئے۔ پھر پتہ نہیں کب سونے کا موقع ملے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں سونے کی کوشش کرتی ہوں۔"

"پہلے ایک نظر چمپیزی پر ڈالو۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ دیکھنے اور سوچنے لگی تو مجھے پتہ چلا کہ وہ وہسکی کی دونوں بوتلیں خالی کرنے کے بعد مدہوشی میں جھوم رہا تھا۔ مسلح نوجوانوں نے اس کو سیفٹی بیلٹ سے باندھ دیا تھا۔ میں نے کہا۔

"میں اس کے مدہوش دماغ میں جھانک کر دیکھوں گا۔ اب تم آنکھیں بند کر دو۔"

سونیا نے خود کو کمبل میں اچھی طرح لپیٹ لیا۔ پھر آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگی۔ میں اس کے دماغ میں ہولے ہولے کہنے لگا۔

"میں سو رہی ہوں۔ میرا ذہن پرسکون ہے۔ آنے والی مصیبتیں اپنے وقت پر آئیں گی۔ نیند کو بھی اپنے وقت پر آنا چاہئے۔ اور مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں سو رہی ہوں۔ میں سو رہی ہوں......"

پانچ منٹ کے بعد وہ گہری نیند میں ڈوب گئی۔ اسے خیال خوانی کی لوری دینے کے بعد میں چمپیزی کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ یوگا کے ماسٹر تن رنگ نے درست کہا تھا کہ شراب اور شباب میں مست رہنے والے یوگا کی مشقوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چمپیزی اگر کامیاب ہوتا تو میرے اس کے دماغ میں جھانکتے ہی وہ سانسوں کے الارم سے چونک جاتا۔ لیکن وہ بے حس رہا اور میری سوچ کی لہریں اس کے نشیلے دماغ کو پڑھنے لگیں۔

نشے کے باعث اس کی سوچیں بے ترتیب تھیں۔ میں اس کے دماغ سے اس کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ آرام کا وقت تھا۔ میں بھی تھوڑی نیند پوری کر کے پیش آنے والے خطرات کا سامنا کرنے کے لئے تازہ دم ہو جاتا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ چمپیزی کو گہری نیند سلا دیا جائے۔ تاکہ وہ سونیا کو سونے کے دوران کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"ہاں مسٹر میں نے بہت زیادہ پی لی ہے۔ اب مجھے سو جانا چاہئے......"

"نو۔ نو...." وہ نشے میں بڑبڑانے لگا۔ "میں جاگتا رہوں گا جب یہ پہریدار سو جائیں گے تو میں اس سالی کے پہلے کپڑے اتاروں گا پھر اس کی کھال اتاروں گا۔ پھر اس کی بوٹیاں چباؤں گا پھر اس کی ہڈیاں......"

میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا۔

"کل صبح سونیا کی بوٹیاں چبانے کا بہت موقع ملے گا۔ کیونکہ اس ویران علاقے میں وہ میرے ساتھ تنہا ہو گی۔ کوئی مجھے روکنے والا نہ ہو گا اس لئے ابھی آرام سے سو جانا چاہئے۔ اور میں سو رہا ہوں۔ میری آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔"

اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں نے ذرا سی دیر میں اس کے دماغ کو تھپک تھپک کر سلا دیا۔ اور اس کے خوابیدہ ذہن کو سمجھا دیا کہ صبح چار بجے سے پہلے اس کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ اس کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد میں نے آنکھیں کھولیں۔ سامنے لکڑی کے صندوق پر کھانے کے لئے کچھ نمکین چیزیں اور مٹھائیاں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے پیٹ بھر کر کھایا۔ پانی پیا۔ پھر ایک سگریٹ سلگا کر آنکھیں بند کرتے ہوئے جہاز کے پائلٹ کی آواز اور گفتگو کے لہجے کو یاد کرنے لگا۔ چند لمحوں میں میری سوچ اس کا لہجہ اختیار کر کے اس کے دماغ میں پہنچ گئی۔

یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ پائلٹ کا تعلق یوگا آرمی سے نہیں تھا میں بآسانی اس کی سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی۔ کہ جہاز کو ہیٹر کے ذریعے گرم رکھا گیا ہے ورنہ باہر ایسی غضب کی سردی ہو گی کہ دل کی دھڑکنیں برف کی طرح جم جائیں گی۔ میں نے اس

کی سوچ میں کہا۔

"بے چاری سونیا۔ جہاز سے باہر نکلتے ہی اس کی قلفی جم جائے گی۔"

اس کی سوچ نے کہا۔

"ہاں! اسے گرم کپڑے دیئے جائیں گے۔ اس کے باوجود وہ سردی برداشت نہیں کر سکے گی۔"

میں نے کہا "دیکھوں تو جہاز کہاں سے گزر رہا ہے۔"

وہ فاصلہ بتانے والے آلے کو دیکھنے لگا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ جہاز ناروے کی سرحد پار کر چکا ہے۔ اور اب آئس لینڈ کی طرف جا رہا ہے۔ رات کے ایک بجے وہ آئس لینڈ سے گزریں گے۔ تین بجے گرین لینڈ کی فضا میں پرواز کریں گے۔ جہاز قطب شمالی کی طرف جائے گا پھر سونیا اور چمپیزی کو پیراشوٹ کے ذریعے ۸۰ عرض البلد اور ۳۰ طول البلد کے درمیانی علاقہ میں اتارا جائے گا۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"سونیا کو تو موت کی سزا دینے کے لئے اس سرد جہنم میں پھینکا جائے گا لیکن ماسٹر چمپیزی بھی تو سرد عذاب میں مبتلا ہو گا۔ کیا وہ ایک ہفتہ تک وہاں زندہ رہ سکے گا؟"

"آں۔" اس کی سوچ نے کہا "وہ کیوں زندہ نہیں رہے گا وہاں ہمارے آدمی اسے پناہ دیں گے۔"

یہ میرے لئے نئی اطلاع تھی کہ اس برفانی علاقے میں تنظیم کے کچھ لوگ پہلے سے موجود ہوں گے۔ میں توجہ سے اس کے دماغ کو پڑھنے لگا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی۔ کہ اس برفانی علاقہ کے شمال مغرب کی طرف برف کی تہہ میں چھپے ہوئے دو کیبن ہیں۔ ایک کیبن میں پانچ آدمی اور دوسرے چھوٹے کیبن میں ایک درجن قطبی کتے رہتے ہیں۔ جو برف گاڑی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کھینچ کر لے جاتے ہیں۔

اس سرد جہنم کے کیبن میں جو پانچ آدمی ہیں انہیں زندگی گزارنے کی تمام سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔ تنظیم کے وہ لوگ ایک بہت بڑے ملک کی طرف سے ایٹمی دھماکوں کے سلسلے میں وہاں پر قیام کرتے ہیں ان میں سے ایک ماہر موسمیات ہے۔ دوسرا سائنسدان ہے جو ایٹمی دھماکوں کے نتائج ریکارڈ کرتا ہے۔ باقی تین بہت ہی تجربہ کار فوجی جوان ہیں جو بہترین فائیٹر اور نشانہ باز ہیں۔ وہ تینوں سائنسدان کے باڈی گارڈ ہیں۔

پائلٹ کی سوچ سے پتہ چل رہا تھا کہ ماسٹر چمپیزی کو بھی سزا دینے کے لئے وہاں بھیجا جا رہا تھا۔ اس نے ایک بار سپر ماسٹر کی موجودگی میں گستاخی کی تھی۔ اس کی گرم مزاجی سے دوسرے ماسٹر بھی نالاں تھے اگر چمپیزی کو یہ معلوم ہو جاتا کہ اسے سزا کے طور پر اس سرد علاقے میں بھیجا جا رہا ہے تو وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرتا۔ اس مرتبہ اسے کو یہ سمجھایا گیا تھا کہ اس کی خواہش کے مطابق سونیا کو فنکار کرنے کے لئے اس علاقہ میں چھوڑا جا رہا ہے پھر ایک ہفتہ بعد اسے واپس بلا لیا جائے گا۔

اور اسے واپس بلانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ ارادہ یہ تھا کہ اسے اس سرد علاقے میں رکھ کر اس کے دماغ کی گرمی ختم کی جائے۔ سپر ماسٹر بہت ہی ٹھنڈے دماغ سے اپنے آدمیوں کو ان کی غلطیوں کی سزا دیتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"لیکن ماسٹر چمپیزی جیسا سر پھرا درندہ وہاں قیدی بن کر نہیں رہے گا۔ وہ غصے کی حالت میں کیبن کے ان پانچوں آدمیوں کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔"

پائلٹ اپنے طور پر سوچنے لگا۔

"وہ نقصان پہنچا سکے گا یا نہیں، یہ سوچنا میرا کام نہیں ہے سپر ماسٹر کچھ سوچ کر اسے اس جہنم میں پھینک رہا ہے۔ پتہ نہیں، میں یہ سب کچھ کیوں سوچ رہا ہوں۔ مجھے اپنی میریا کے متعلق سوچنا چاہئے۔ وہ میری واپسی کا انتظار کر رہی ہو گی۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا۔

"الو کے پٹھے تم میری سونیا کو سرد جہنم میں پہنچا کر اپنی میریا کی گرم باہوں میں نہیں جا سکو گے......"

میں نے آنکھیں کھول کر اپنی جھونپڑی کو دیکھا۔ پھر رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ میں جھولے پر آکر لیٹ گیا پھر آنکھیں بند کر کے اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ ٹھیک تین بجے میری آنکھ کھل جائے۔ میں اس معاملے میں خوش نصیب ہوں کہ مجھے ہر حال میں نیند آ جاتی ہے اور میں وقت کی پابندی سے سوتا اور جاگتا ہوں۔

ٹھیک تین بجے میری آنکھ کھل گئی۔ جھونپڑی میں لالٹین روشن تھی۔ سونے سے پہلے میں اسے بجھانا بھول گیا تھا۔ جھونپڑی کے باہر دور تک رات کی تاریکی اور سناٹا تھا۔ میں جھولے سے اتر کر باتھ روم میں گیا۔ جب وہاں سے واپس آیا تو دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول دیا۔ منزا کی ماں ایک بڑے سے مگ میں گرما گرم چائے لئے کھڑی تھی اس نے اشانٹی کی زبان میں کہا۔ کمرے میں لالٹین روشن ہے وہ یہ سوچ کر کہ میں جاگ رہا ہوں، میرے لئے چائے لے آئی۔

واقعی اس وقت چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ میں نے بھی اشانٹی کی زبان میں اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد اسے سمجھایا کہ میں چائے پینے کے بعد سو جاؤں گا۔ اور کل دیر تک سوتا رہوں گا۔ اس لئے کوئی مجھے جگانے نہ آئے۔ وہ میری باتیں سمجھ کر چلی گئی۔ میں دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد ایزی چیئر پر آکر بیٹھ گیا۔ اس وقت چار بجنے میں بیس منٹ باقی تھے۔ میں لالٹین کو بجھا کر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

وہ اب تک گہری اور پرسکون نیند کے مزے لے رہی تھی میں

نے بڑے پیار سے کہا۔

"میری جان! اب اس دماغ میں خواب نہیں فرہاد ہے چلو اب بیدار ہو جاؤ۔"

وہ خواب میں میری آواز سن کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"فرہاد! تم میرے قریب ہو۔ میرے قریب ہی رہو۔ میں بیدار نہیں ہونا چاہتی۔ آنکھ کھلتے ہی تم چلے جاؤ گے۔"

"جانِ من مجبوری ہے۔ اب جاگتے رہنے کا وقت آگیا ہے شاباش آنکھیں کھول دو۔"

اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ پھر اسے ہوش آیا کہ وہ خواب کی جنت میں نہیں بلکہ کسی جہنم میں جانے کے لئے جہاز میں سفر کر رہی ہے۔ میں نے کہا۔

"سونیا! گھبراؤ نہیں، میں تمہارے پاس ہوں۔"

"شکریہ فرہاد!" وہ مطمئن ہو کر چمپیزی کی جانب دیکھنے لگی۔

دو نوجوان اسے جھنجھوڑ کر بیدار کر رہے تھے۔ میں نے اپنے رسٹ واچ کو دیکھا۔ ابھی چار بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ میں نے اسے اپنا معمول بنا کر چار بجے تک سونے کے لئے حکم دیا تھا لہٰذا وہ پانچ منٹ سے پہلے بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک نوجوان نے سونیا کی طرف ایک پیالی کافی بڑھاتے ہوئے کہا۔

"مادام! آپ ایک گھنٹہ کی مہمان ہیں۔ کچھ اور کھانے پینے کی خواہش ہو تو طلب کریں۔"

سونیا نے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ! یہ کافی، کافی ہے۔"

نوجوان نے بڑی آہستگی سے کہا۔

"مادام! میں آپ سے بہت متاثر ہوں آپ ایسے وقت میں زندہ دلی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ مجھے دلیر عورتیں پسند ہیں۔"

"صرف پسند کرتے ہو، یا ان کے کام بھی آتے ہو۔؟"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گیا مادام! لیکن مجھے افسوس ہے میں اپنے ماسٹر کا وفادار ہوں۔ آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں ہے......" سونیا کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی لیکن مائک پر پائلٹ کی آواز سنائی دی۔

"ہم وقت مقررہ پر اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے مادام سونیا اور ماسٹر چمپیزی آپ ہم سے رخصت ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔"

ایک نوجوان سونیا کے پاس ایک بڑا سا تھیلا لے آیا۔ پھر اسے کھولتے ہوئے بولا۔

"آپ کے لئے کچھ ضروری چیزیں اور گرم لباس ہیں۔ آپ انہیں فوراً پہن لیں۔"

سونیا نے دور چمپیزی کی طرف دیکھا۔ وہ بیدار ہو گیا تھا۔ اور لباس بدل رہا تھا۔ وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر لباس پہننے لگی اس نے اپنی پتلون کے اوپر ایک اور پتلون پہنی۔ جو برفانی ریچھ کی کھال سے بنائی گئی تھی۔ جیکٹ کے اوپر اس نے فر کا کوٹ پہنا۔ پھر ربر سول کے جوتے اتار کر سیل (دریائی بچھڑے) کی کھال کے بنے ہوئے لمبے جوتے پہننے لگی۔

اس لباس کے باعث اس کا بدن اچھی طرح گرم ہو گیا تھا۔ اسے ایک پیالی کافی اور دی گئی جب وہ کافی پینے لگی۔ تو ایک نوجوان نے اس کے پاس ایک ٹارچ اور لوہے کی ایک سلاخ رکھتے ہوئے کہا۔

"سپر ماسٹر کا حکم ہے کہ آپ کو کوئی ہتھیار نہ دیا جائے۔ صرف یہ آہنی سلاخ اس لئے دی جا رہی ہے کہ برفیلی زمین قدم قدم پر خطرناک ہوتی ہے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اگلے قدم پر ٹھوس برف ہو گی یا بھربھری برف کی تہہ میں گہری کھائی ہو گی۔ آپ اس آہنی سلاخ سے راستہ ٹٹول کر آگے بڑھ سکیں گی۔"

سونیا کی سوچ نے مجھ سے کہا۔

"سن رہے ہو فرہاد! مجھے کیسی جگہ پھینکا جا رہا ہے پیچھے وہ درندہ چمپیزی ہو گا۔ اور آگے قدم قدم پر خطرناک گڑھے ہوں گے۔"

"میں سن رہا ہوں سونیا! مگر اس بات کا اطمینان ہے۔ کہ راستوں کو سمجھنے کے لئے تمہارے پاس ٹارچ اور آہنی سلاخ ہو گی۔ تم صرف آگے بڑھتے وقت محتاط رہنا۔ پیچھے آنے والے چمپیزی سے میں نمٹ لوں گا۔" اتنے میں پھر پائلٹ کی آواز سنائی دی۔

"مادام سونیا اور ماسٹر چمپیزی! ٹھیک پندرہ منٹ بعد آپ دونوں کے لئے جہاز کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ آپ پیراشوٹ کے ساتھ تیار رہیں۔"

سونیا نے اسنو ماسک پہن لیا۔ اس ماسک میں وہ سر سے گردن تک چھپ گئی تھی۔ اب اس کا چہرہ اور اس کے کان سرد ہواؤں سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ آنکھوں کو برف کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس نے اسکائی لائٹ کا چشمہ پہن لیا۔ ٹارچ اور آہنی سلاخ کو کمر کے بیلٹ سے باندھ لیا۔ دو نوجوان پیراشوٹ کا فولڈ کیا ہوا کٹ اس کی پشت پر رکھ کر اس کے سینے اور کمر سے باندھنے لگے۔

چمپیزی کے ساتھ بھی یہی کیا جا رہا تھا۔ لیکن اس کے پاس سونیا سے زیادہ سامان تھا۔ اس کے ہولسٹر میں ایک ریوالور تھا۔ اور کمر کے دوسری طرف ٹارچ اور ٹیلی سکوپ (دوربین) لگی ہوئی گن لٹک رہی تھی۔ اس کے لئے کھانے پینے اور آگ جلانے کا سامان، آئل بیگ اور برف گاڑی کو ایک الگ پیراشوٹ کے ذریعے جہاز سے گرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔

ٹھیک پندرہ منٹ بعد جہاز کا دروازہ کھولتے ہوئے پہلے سونیا

کو باہر چھلانگ لگانے کے لئے کہا گیا۔ میں نے اسے حوصلہ دیا۔

"کم آن سونیا! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چھلانگ لگا کر تین سیکنڈ کے بعد پیراشوٹ کا ہک کھول دینا......"

حوصلہ پاتے ہی اس نے چھلانگ لگا دی۔ باہر ایسی تیز ہوا اور انجانی پستی تھی کہ اس کا دم الجھنے لگا۔ میں نے فوراً ہی اس کی سوچ کو کنٹرول میں لے کر کہا۔

"میں نے سانس روک لی ہے۔ اب میری سانسیں نہیں الجھیں گی۔ میں پیراشوٹ کھول رہی ہوں......"

اس سوچ کے مطابق وہ عمل کر رہی تھی۔ پیراشوٹ کے کھلتے ہی پستی میں گرنے کی رفتار سست پڑ گئی۔ وہ اعتدال سے سانس لینے لگی۔ اس کے چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی آسمان کہاں ہے، زمین کدھر ہے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس سناٹے میں صرف طیارے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ چمپیزی کو اور اس کے سامان کو اتارنے کے لئے ایک محدود دائرے میں چکر کاٹ رہا تھا۔

جب سونیا کے پاؤں برف کی ٹھوس سطح سے ٹکرائے تو مجھے اطمینان ہوا۔ وہ اوندھے منہ گر پڑی تھی۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے سہارا دیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بخیریت زمین پر پہنچ گئی ہوں مجھے فوراً ہی پیراشوٹ کی بندشوں سے آزاد ہونا چاہئے۔"

اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ سردی سے کانپ رہی ہے گرم لباس اسنو ماسک، چمڑے کے دستانے اور سیل کے گرم جوتے اس سرد علاقہ میں پہلے جیسے حرارت بخش نہیں تھے۔ ایسی جگہ جہاں حدِ نظر تک برف ہی برف ہو۔ زمین نظر نہ آتی ہو۔ حتیٰ کہ آسمان بھی دکھائی نہ دیتا ہو وہاں یہ دنیا صرف ایک برف خانہ لگتی ہے سونیا کو بھی یوں لگ رہا تھا جیسے اسے برف کی ایک وسیع قبر میں دفن کر دیا گیا ہو۔

وہ پیراشوٹ سے آزاد ہونے کے بعد اپنے سینے پر دونوں ہاتھوں کی قینچی بنائے تھر تھر کانپ رہی تھی اور مجھ سے کہہ رہی تھی۔ "فرہاد! یہاں آتے ہی میں سمجھ گئی ہوں کہ میری موت اسی جگہ لکھی ہے۔ مجھ میں سردی سے کانپنے کی بھی سکت نہیں ہے۔ میرا سینہ دکھ رہا ہے۔"

"سونیا تم نہ کہو، تب بھی میں تمہارے دماغ سے تمہاری سرد تکلیفوں کو سمجھ رہا ہوں۔ اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں کہ تم میں قوتِ برداشت بہت زیادہ ہے۔ تم عام عورتوں کی طرح کمزوری ظاہر نہ کرو۔ مجھے تھوڑی دیر کے لئے اجازت دو! اور تم اسی جگہ کھڑی رہو۔ میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے فوراً ہی پائلٹ کی خبر لی۔ اس کی سوچ نے بتایا کہ طیارے کے دوسرے چکر پر چمپیزی نے چھلانگ لگائی تھی تیسرے چکر پر اس کا سامان پیراشوٹ سے باندھ کر گرایا گیا تھا۔ اور اب طیارہ چوتھا اور آخری چکر کاٹ کر واپس جانا چاہتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"ایک چکر اور......"

"نہیں ـــ" اس کی سوچ نے انکار کیا "اب واپس جانا چاہئے۔"

میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا تو جہاز ڈگمگانے لگا۔ اس نے اپنے سر کو جھٹک کر سنبھلنے کی کوشش کی۔ میں کب اسے سنبھلنے کا موقع دے سکتا تھا۔ جہاز اس کے کنٹرول میں تھا اور اس کا دماغ میرے کنٹرول میں تھا۔ میں اس کے دماغ کو جہاں موڑتا تھا جہاز ادھر مڑ جاتا تھا۔ کبھی دائیں، کبھی بائیں، کبھی فضا میں کروٹیں بدلتا تھا۔ میں اس کے دماغ کے مائیکروفون سے مسلح نوجوان افراد کی چیخیں سن رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اس سے پوچھ رہے تھے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

وہ تمام نوجوان سیفٹی بیلٹ سے بندھے ہوئے تھے وہ بیلٹ کھول کر پائلٹ روم کے دروازے تک نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ جہاز قلابازیاں کھا رہا تھا۔ میں زیادہ دیر تک یہ تماشہ نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ مجھے سونیا کی فکر تھی۔ میں نے آخری بار پائلٹ کے دماغ کو مجبور کیا۔ کہ وہ طیارے کو نیچے لے جائے۔ برف کے صحرا میں جہاز کے بخیریت اترنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تیزی سے نیچے آیا۔ پھر برف کی ٹھوس سطح کو توڑتا ہوا کچھ آگے جا کر برف میں دھنس گیا۔

جہاز میں بیٹھنے والے فی الحال بخیریت تھے پائلٹ بے ہوش ہو گیا تھا۔ میں یہی چاہتا تھا کہ وہ اس علاقہ میں زندہ رہیں تاکہ سونیا کو سرد عذاب میں مبتلا کرنے والے خود سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں یا کیبن تک پہنچ کر ٹرانسمیٹر سے امداد طلب کریں اس طرح کھانے پینے اور زندگی گزارنے کا تمام سامان وہاں پہنچے گا اور سونیا اس میں سے اپنا حصہ جھپٹ لیا کرے گی۔

میں سونیا کے پاس واپس آ گیا۔ وہ اسی طرح اپنے سینے پر ـــ دونوں ہاتھوں کی قینچی بنائے کھڑی ہوئی تھی۔ اور خود اپنے دماغ کو سمجھا رہی تھی کہ وہ بزدل اور کمزور نہیں ہے اس غضب ناک سردی کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ میں نے کہا۔

"ہاں سونیا! ابتدا میں ہر مصیبت ناقابلِ برداشت معلوم ہوتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ برداشت کی عادت ہو جاتی ہے۔ ایک شاعر نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے" مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں ...... لہٰذا اب ہاتھ پاؤں کو حرکت دو۔ چپ چاپ کھڑی رہو گی تو برف کی طرح جم جاؤ گی۔"

وہ آگے بڑھنے کے لئے اپنی کمر سے آہنی سلاخ کو علیحدہ کرتی

ہوئی بولی۔

"میرے چاروں طرف سفید دھند چھائی ہوئی ہے۔ آگے پیچھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ میں کہاں جاؤں؟"

میں نے کہا "ٹارچ کی روشنی میں کسی بھی سمت بڑھتی رہو تاکہ جسمانی حرکت سے حرارت پیدا ہوتی رہے۔ میں چمپیزی کی خبر لیتا ہوں اور یہ معلوم کرتا ہوں کہ وہ کس طرح راستے کا تعین کرتا ہے۔"

چند لمحے بعد میں سونیا سے رخصت ہو کر چمپیزی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سامان کا بنڈل کھول کر انہیں برف گاڑی میں رکھ رہا تھا اس سامان میں طبی امداد کے لئے فرسٹ ایڈ باکس بھی تھا اور ایک چھوٹے سے پیکٹ میں قطب نما تھا جس کے ذریعے وہ شمال مغرب کی طرف جاتے ہوئے کیبن کی سمت معلوم کر سکتا تھا ایک پیکٹ میں ایک مقناطیسی آلہ بھی تھا۔ جب اس نے آلہ کو ہاتھ میں لے کر دیکھا تو اس کی مقناطیسی سوئی اس طرف گھومی ہوئی تھی۔ جہاں لوہے کی سلاخ تھی اور لوہے کی سلاخ سونیا کے پاس تھی۔

تب پتہ چلا کہ وہ کس طرح کامیابی سے سونیا کا تعاقب کرتا ہوا اس کے پاس پہنچے گا۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"ہا ہا ہا۔ سالی بچ کر کہاں جائے گی۔ پہلے اس بوتل سے پی لوں۔ پھر اس کا خون پیوں گا۔ ہا ہا ہا ہا......"

وہ بوتل کھول کر پھر اسے منہ سے لگا کر پینے لگا۔ میں نے اس کے دماغ میں ایک سوال پیدا کیا۔

"مقناطیسی آلے کی سوئی صرف سونیا کی آہنی سلاخ کی نشاندہی کیوں کر رہی ہے آخر میرے پاس بھی تو فولاد سے بنا ہوا ریوالور اور گن موجود ہے۔ مقناطیسی سوئی اس فولاد کی طرف کیوں نہیں ہے......"

اس نے چند گھونٹ غٹا غٹ پینے کے بعد کہا۔

"سالا پیتے ہی دماغ میں الٹی سیدھی بات آنے لگی۔ بھلا سوئی میری طرف کیوں رہے گی ریوالور اور گن چمڑے کے ہولسٹر اور تھیلے میں ہیں۔ برف گاڑی اینٹی میگنیٹک ہے اس لئے یہ مقناطیسی سوئی صرف اس آہنی سلاخ کی نشاندہی کرے گی، جو سونیا کے پاس ہے۔"

یہ سوچتے ہوئے اس نے پھر بوتل منہ سے لگائی اور چند گھونٹ پینے کے بعد سونیا کو گالی دینا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کی سوچ میں کہا۔ "سونیا کتنا پیارا نام ہے۔ جیسے یہ نام میری بہن کا ہو۔"

اس نے ایک دم سے جھلا کر بوتل پٹخ دی۔ پھر چیخ کر بولا۔

"میری کوئی بہن نہیں ہے۔"

"ماں تو ضرور ہو گی ـــ؟"

"میری کوئی ماں نہیں ہے۔"

"پھر میں پیدا کیسے ہوا؟" میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ کر غم و غصے سے کانپنے لگا غم و غصہ کا یہ مطلب ہوا کہ اسے غصے کے علاوہ کسی بات کا غم بھی تھا۔ میں نے اس کے اندر بیٹھ کر پہلی بار اس بے رحم درندے کو ذرا پگھلتے دیکھا۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ اور دماغ کہہ رہا تھا۔

"میری کوئی ماں نہیں ہے۔ آہ...... پتہ نہیں مجھے کس نے پیدا کیا اور کیوں مجھے ایک گندی نالی میں پھینک کر چلی گئی۔ چلی گئی۔ چلی گئی۔"

اس کی آواز برف کے صحرا میں یہاں سے وہاں تک گونجنے لگی۔

"مجھے عورت ذات سے نفرت ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ماں کا یہ مقدس رشتہ کیا ہوتا ہے۔ ہوتا ہے۔ تا ہے۔ تا ہے......"

آواز کی بازگشت زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا رہی تھی۔ وہ اچانک ہی برف کی ٹھنڈی گود میں گر کر رونے لگا۔ کیونکہ ایک ننھے منے چمپیزی کو گود کی گرمی نہیں ملی تھی۔ اس کے لئے دنیا کا ہر رشتہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ انسان کیسا ہی درندہ ہو، کیسا ہی پتھر ہو، کوئی صدمہ یا محرومی اسے ضرور ایک دن رلاتی ہے۔ مگر کوئی بھی غم ہو۔ وہ اڑتے ہوئے بادل کی طرح گزر جاتا ہے وہ پھر بوتل اٹھا کر غم غلط کرنے لگا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"مجھے یہاں سے اٹھنا چاہئے۔ اگر میں اس کا تعاقب نہیں کروں گا تو وہ کہیں دور نکل جائے گی۔"

وہ آدھی بوتل خالی کرنے کے بعد اٹھ گیا۔ اس نے بوتل کو برف گاڑی کے سامان میں رکھا۔ پھر چرمی لگام کو دونوں شانے اور بغل میں لے کر اس گاڑی کو کھینچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ مقناطیسی آلہ کی سوئی کو دیکھتا جا رہا تھا۔ میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر پوچھا۔

"میری جان! کیا حال ہے ـــ؟"

وہ آہنی سلاخ کی نوک کو برف پر مارتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔

"مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ کیا میرے دماغ میں بیٹھ کر تم میری تکلیف کا احساس نہیں کر سکتے ـــ؟"

"سونیا! آزمائش کی گھڑیوں میں تم نے کب تکلیفیں برداشت نہیں کیں ـــ؟"

"اب تک ہم لہو میں حرارت پیدا کرنے والی آزمائشوں سے گزرتے رہے۔ لیکن یہ آزمائش ایسی ہے کہ سر کی چوٹی سے پاؤں کی ایڑی تک نام کو بھی حرارت نہیں ہے ـــ" اس نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود تمہارے اندر پہلے جیسی کپکپاہٹ نہیں ہے سردی اپنی جگہ ہے مگر تم میں برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا ہو چکا ہے۔"

"ہاں موت کو سامنے دیکھ کر یوں بھی حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چمپیزی کے متعلق بتاؤ۔ وہ کس طرح اس اندھے ماحول میں میرا تعاقب کرے گا؟"

میں نے اسے مقناطیسی آلہ کے متعلق بتاتے ہوئے کہا۔

"تم آہنی سلاخ کو نہیں پھینک سکتیں۔ تمہیں اس کے سہارے آگے

بڑھناہے لہٰذا چمپنزی کو اپنے قریب آنے دو۔ اس سے تو مقابلہ کرنا ہی ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کے تمام سامان پر تمہارا قبضہ ہو جائے۔"

"دیکھو کیا ہوتا ہے؟ تم سوچتے کچھ ہو، ہوتا کچھ ہے۔ ہم دونوں کبھی یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سپر ماسٹر ہمیں اس سرد جہنم میں جھونک دے گا۔"

وہ بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ نفسیاتی طور پر وہ مسلسل بڑبڑاتی ہوئی سردی کے احساس کو مٹا رہی تھی۔ میں نے اسے چھوڑ کر طیارے کے پائلٹ کی طرف توجہ دی۔ لیکن اس کے دماغ نے میری سوچ کی لہروں کو قبول نہیں کیا۔ وہ سرد موت کی تاریکی میں گم ہو گیا تھا۔

جس نوجوان نے سونیا کو جہاز میں کافی پلائی تھی اور اس نے کہا تھا۔ "مادام! میں آپ سے بہت متاثر ہوں" میں اس نوجوان کے دماغ میں جھانکنے لگا وہ جہاز کے اندر کمبل میں سر سے پاؤں تک لپٹا ہوا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس کے چار ساتھیوں کی بھی وہی حالت تھی باقی ایک ساتھی اس وقت مر گیا تھا۔ جب وہ سیفٹی بیلٹ سے آزاد ہو کر پائلٹ روم کی طرف جا رہا تھا اور ایسے ہی وقت جہاز برف کی سطح سے ٹکرا کر دھنس گیا تھا۔ یعنی چھ مسلح جوانوں میں اب پانچ رہ گئے تھے، اور وہ سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ جہاز سے باہر نکلنے کی ہمت نہیں تھی۔ ان کے پاس کمبل اور گرم جوڑے تھے۔ مگر اس برفانی علاقہ کا وہ مخصوص لباس نہیں تھا، جو سونیا اور چمپنزی نے پہن رکھا تھا۔

اگر انہیں معلوم ہوتا کہ جہاز کو حادثہ پیش آئے گا تو وہ تمام انتظامات کے ساتھ آتے انہوں نے تو یہ سوچا تھا کہ سونیا اور چمپنزی کو اس جہنم میں چھوڑنے کے بعد وہ کسی گرم ملک کی جنت میں واپس چلے جائیں گے لیکن اب جہاز سے باہر نکلتے ہی سرد موت ان پر جھپٹنے والی تھی باہر نہ نکلنے کی صورت میں انہیں بھوکوں مرنا پڑتا۔ کیونکہ جہاز میں کھانے کا سامان وافر مقدار میں نہیں تھا۔ ویسے ایک امید تھی کہ کیمپ کے لوگوں نے جہاز کے گرنے کی آواز سنی ہوگی تو ضرور ان کی مدد کے لئے پہنچیں گے۔

میں انہیں ان کے حال میں چھوڑ کر سونیا کے پاس آیا۔ وہ ایک جگہ کھڑی ہوئی چاروں طرف نظریں دوڑا رہی تھی سورج نکلنے کا وقت گزر چکا تھا۔ لیکن وہاں سورج نظر نہیں آ رہا تھا۔ دور افق تک برف کی سفیدی چمکیلے ذرات کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس افق کے پار انسانوں کی کوئی مہذب دنیا ہے اس بات کا یقین نہیں آتا تھا۔

اچانک سونیا ٹھٹھک گئی اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ دور ایک دھندلی سی روشنی نظر آ رہی ہے شاید وہ ٹارچ کی روشنی ہے۔ میں نے فوراً ہی چمپنزی کے پاس پہنچ کر دیکھا وہ ادھر ٹارچ کی روشنی پھینک رہا تھا جدھر مقناطیسی آلہ کی سوئی سونیا کی نشاندہی کر رہی تھی۔ میں نے سونیا کے پاس آ کر کہا۔ "سونیا! چمپنزی تمہاری طرف آ رہا ہے۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں خود انجانے میں اسی کی طرف بڑھتی جا رہی تھی۔"

"تم جہاں ہو، وہیں کھڑی رہو۔ میں چمپنزی کی خبر لیتا ہوں۔"

میں چمپنزی کے دماغ میں آ کر بیٹھ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا۔

"مجھے ٹارچ روشن نہیں کرنا چاہئے۔ سونیا ہوشیار ہو جائے گی اتنی روشنی تو ہے کہ میں مقناطیسی سوئی کو دیکھ سکتا ہوں۔" میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔

"کیا یہ میری جوانمردی ہے کہ میں ایک تنہا اور بے یار و مددگار عورت پر حملہ کروں۔۔۔؟"

اس نے دانت پیس کر کہا۔

"کوئی عورت قابلِ رحم نہیں ہوتی۔ یہ عورتیں مجھ جیسے لوگوں کو جنم دے کر اس دنیا میں ذلیل ہونے کے لئے چھوڑ دیتی ہیں۔"

میں نے اس کی مثبت سوچ میں سمجھایا۔

"لیکن مجھے یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ میں ایک عورت کی وجہ سے دنیا کی تمام عورتوں سے انتقام لے رہا ہوں اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ اپنی پیدا کرنے والی کی توہین کر کے میں خود کو ماں کی گالی دے رہا ہوں۔"

وہ ایسے لرز گیا جیسے پہلی بار گالی کھانے کا احساس ہوا ہو۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کہا۔

"جس ماں کو میں برا کہتا ہوں، اس کی مجبوریوں کے متعلق نہیں سوچتا ہوں۔"

"میں کیا سوچوں۔ جبکہ میں نے اسے کبھی دیکھا نہیں۔۔۔۔۔"

"نہ ماں کو دیکھا۔ نہ اس کی مجبوریاں دیکھیں۔ لیکن اس دنیا کی کسی ماں کا دکھ دیکھ کر یہ سمجھ سکتا ہوں کہ بڑی اذیتوں سے پیدا کرنے کے بعد کوئی ماں اپنی اولاد کو کیوں چھوڑ دیتی ہے یا دنیا والے کیوں چھڑا دیتے ہیں۔۔۔؟"

وہ دور خلا میں دیکھنے لگا۔ اسے یاد آ رہا تھا۔ ایک بار اس نے ایک ایسی عورت کو دیکھا تھا۔ جو اپنی چھاتی پیٹ کر اور بالوں کو نوچ کر اپنے گمشدہ بچے کو آواز دیتی تھی۔ چمپنزی کو مثبت انداز میں سوچتے دیکھ کر میں نے سونیا سے کہا۔ "سونیا! چمپنزی کو بڑے پیار سے آوازیں دو۔"

وہ حیرانی سے بولی "تمہارا دماغ درست ہے۔ کیا میں دشمن کو آواز دے کر اپنی موت کو بلاؤں۔۔۔؟"

"نہیں سونیا! میں دماغ میں جھانکتا ہوں آج ایک ٹوٹے ہوئے اور بکھرے ہوئے درندے کے دل میں جھانک رہا ہوں میرے مشورے پر فوراً عمل کرو۔ اسے آواز دو۔۔۔۔۔۔"

اس نے ماسک کا ہڈ اٹھا کر آواز دی۔ میں چمپنزی کے دل میں بیٹھ گیا۔ اس وقت برف کے صحرا میں ایک عورت کی آواز بھٹک رہی تھی۔

"چمپنزی۔۔۔ ای۔۔۔ ای۔۔۔ ای۔۔۔۔"

میں نے چمپنزی کی سوچ میں کہا۔

"یہ کیسی آواز ہے؟ شاید وہ عورت اپنے گمشدہ بچے کو تلاش کر رہی ہے۔۔۔۔"

وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا۔

"لیکن وہ میرا نام لے رہی ہے۔ مجھے پکار رہی ہے۔۔۔۔"

سونیا نے پھر پکارا۔ میں نے کہا۔

"ہاں! وہی آواز ہے۔ وہی میرا نام ہے میری ماں کی آواز کیسی تھی۔ میں نے کبھی نہیں سنی۔ شاید اس صحرا میں اس کی روح میرے لئے بھٹک رہی ہے۔"

"آں، ہاں۔ شاید یہی بات ہے۔ میں اس سے پوچھوں گا کہ اس نے مجھے کیوں چھوڑ دیا تھا۔ اور اب اس صحرا میں مجھے کیوں پکار رہی ہے۔۔۔؟"

وہ ٹارچ روشن کر کے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اس بار سونیا نے میری ہدایت کے مطابق ممتا بھرے لہجہ میں پکارا۔

"چمپنزی۔ ای۔۔۔ میرے بیٹے۔۔ اے۔ اے۔ اے۔۔۔۔"

سونیا کا خیال تھا کہ دشمن اس کی آواز کی سمت فائر کرے گا لیکن یہ دیکھ کر اس کی حیرانی کی انتہا نہ رہی۔ جب جواباً ایک بکھرے ہوئے درندے نے آواز دی۔

"ماں۔ ماں۔ آں۔ آں۔۔۔ آ۔ آ۔ آ۔۔۔ آ رہا ہوں۔۔۔۔۔ میں آ رہا ہوں ماں۔۔۔!"

کوئی بھی جاندار ہو۔ وہ اپنے جنم کے سب سے پہلے رشتے کی جانب کھنچا جاتا ہے۔ گائے کا بچھڑا ہو یا آدمی کا بچہ، وہ سب سے پہلے ماں کے دودھ کی طرف لپکتا ہے۔ دودھ کو دوسرے لفظوں میں پیار کا پہلا چٹخارہ کہتے ہیں۔ اس چٹخارے کو چمپنزی جیسا درندہ بھی نہ بھول سکا۔

اس درندے کے اندر بے طرح اضطراب پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کبھی اِدھر کبھی اُدھر گھوم گھوم کر دیکھ رہا تھا کہ اُسے آوازیں دینے والی ماں کہاں ہے۔ دور تک برف کی سفیدی اور ٹھنڈک کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر یہ کہ وہاں۔۔۔۔۔۔۔ زیادہ دور تک دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا برف کے ذرات سفید دھند کی طرح پھیلے ہوئے تھے۔ وہ تقریباً بیس گز کے فاصلے پر کھڑی ہوئی سونیا کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔

سونیا جیسی جوان عورت چمپنزی جیسے دیوہیکل انسان کو اپنا بیٹا کبھی نہیں کہہ سکتی تھی۔ حالانکہ اسے ماں بننے کی بڑی آرزو تھی۔ بحالت مجبوری وہ جاپان میں ایک لے پالک بچے کو چھوڑ آئی تھی۔ اب اُس برفانی علاقہ میں بھی مجبوری تھی کہ وہ چمپنزی کو بیٹا کہے۔ کسی سے دوستی کرنے کے لئے تو انسان ناجائز رشتے بھی قائم کر لیتا ہے۔ اور ماں بیٹے کا رشتہ تو بہت ہی مقدس ہوتا ہے۔ سونیا نے سردی سے کانپتے ہوئے سوچ کے ذریعہ مجھ سے کہا۔

"فرہاد! یہ کیا مذاق ہے۔ تم چمپنزی کی کھوپڑی کو کس طرح گھما رہے ہو کہ وہ مجھے ماں کہہ کر پکار رہا ہے۔ جبکہ وہ تھوڑی دیر پہلے مجھے چیر پھاڑ کر رکھ دینا چاہتا تھا؟"

میں نے کہا۔ "سونیا! وہ سر پھرا جدھر گھوم رہا ہے، میں اُسے گھما رہا ہوں۔ مجھے اُس کی سوچ سے پتہ چلا ہے کہ اس کی ماں نے اُسے جنم دے کر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے ماں کی صورت کبھی نہیں دیکھی۔ وہ صرف تم سے ہی نہیں، دُنیا کی تمام عورتوں سے نفرت کرتا ہے میں نے اس نفرت کو محبت کی راہ پر موڑ دیا ہے۔"

سونیا کی سوچ نے کہا۔

"نفرت کو محبت میں بدلنا ایک نیک عمل ہے لیکن اُس درندے کا کیا ٹھکانہ؟ اُس کی ذہنی رَو بہکے گی تو وہ اچانک ہی مجھے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اُسے مار ڈالنا بہتر ہے۔"

"سونیا! اُسے مار ڈالنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ مگر ذرا سوچو تو اُس کے مرنے کے بعد تم وہاں بالکل تنہا رہ جاؤ گی بہتر یہ ہے کہ وہ زندہ رہے اور تمہارا محافظ بن کر رہے۔ چلو اُسے آواز دو۔ میں اُس کے پاس جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں چمپنزی کے دماغ میں واپس آ گیا۔ اس لمحہ سونیا نے اُسے آواز دی۔

"چم۔ پے۔ زی۔ میرے بیٹے! تم کہاں ہو۔ او۔ او۔"

چمپنزی نے پھر دھڑکتے ہوئے دل سے سوچا۔

"ہاں۔ سچ مچ میری ہی ماں ہے۔ اسی لئے تو میرا نام لیکر مجھے پکار رہی ہے۔ مگر یہ آواز تو چاروں طرف گونج رہی ہے۔ میں اُسے کہاں تلاش کروں؟"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔

"میں بھی کیسا احمق ہوں۔ میں اس مقناطیسی آلہ کے ذریعہ وہاں تک پہنچ سکتا ہوں۔" اس نے مقناطیسی آلہ کو دیکھ کر کہا۔

"اس آلے کی سوئی تو اُس آہنی سلاخ کی نشاندہی کر رہی ہے، جو سونیا کے ہاتھ میں ہے۔" میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا۔

"تو کیا ہوا۔ مجھے اُسی طرف جانا چاہیئے۔ ہو سکتا ہے کہ سونیا نے بھی میری ماں کی آواز سنی ہو۔ اُس سے کچھ نہ کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

وہ قائل ہو کر مقناطیسی آلہ کی سوئی کو دیکھتا ہوا آگے

بڑھنے لگا۔ میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا۔
" تیار رہو۔ وہ آرہا ہے۔ اب تمہارے دماغ سے صرف میری سوچ ابھرے گی۔ تم اُسی کے مطابق اُس سے باتیں کرتی رہنا۔"
ایک منٹ بعد ہی وہ سونیا سے چند قدم کے فاصلہ پر آکر ٹھہر گیا۔ برف کے غبار میں وہ دونوں ایک دوسرے کو دُھندلے دُھندلے سے دکھائی دے رہے تھے۔ چمپینزی نے سوچا۔
" مجھے فوراً ہی ریوالور نکال کر اسے للکارنا چاہیئے ورنہ یہ چند قدم کے فاصلہ تک بھی بھاگے گی تو نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔"
میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
" ریوالور نکالنا ضروری نہیں ہے وہ نہتی ہے۔ اور پھر اپنی جگہ کھڑی ہوئی ہے۔ میں اس سے پوچھتا ہوں کہ....."
وہ پوچھنے لگا۔" یو ڈرٹی گرل! کیا تم نے یہاں کسی عورت کی آواز سنی ہے؟"
سونیا میری سوچ کے مطابق کہنے لگی۔
" اپنی آواز کون نہیں سنتا۔ مجھے پہچانو۔ میں ہی تمہیں آواز دے رہی تھی بیٹے......"
اُس نے چونک کر سونیا کو دیکھا۔ پھر غصہ سے کہا۔
" بکواس مت کرو۔ کیا اپنی موت کو سامنے دیکھ کر مجھے بیٹا کہہ رہی ہو؟"
" نہیں، ایک ماں اپنے نادان بچے سے ڈر کر نہیں محبت سے مجبور ہو کر اُسے پکارتی ہے۔"
" کیا تم مجھے بیوقوف اور پاگل سمجھتی ہو؟ میری ماں تو کوئی بوڑھی عورت ہوگی اور تم جوان ہو۔ میں احمق نہیں ہوں کہ تمہارے فریب میں آجاؤں۔"
" مجھے خوشی ہے کہ میرا بیٹا احمق نہیں ہے۔ تم سمجھدار ہو۔ مجھ سے یہ پوچھو کہ میں عام ماؤں کی طرح بوڑھی کیوں نظر نہیں آتی؟"
" اچھا بتاؤ؟ مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"
" بچے اپنی ماں کو دھمکیاں نہیں دیتے۔ بری بات ہے۔"
وہ غصہ سے تلملا کر آگے بڑھا۔
" الو کی پٹھی مجھے باتوں میں الجھا رہی ہے۔ میں تیرا گلا گھونٹ دوں گا۔"
سونیا اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی۔ چمپینزی قریب پہنچ کر گلا گھونٹنے سے پہلے اس کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کرنا چاہتا تھا۔ صحیح نشانہ اسی وقت لگتا ہے، جب دماغ ہاتھوں کو صحیح ٹارگٹ بتائے۔ میں نے اس کا دماغ بن کر اُسے بتایا کہ سونیا کا چہرہ ایک اینچ آگے ہے۔ لہٰذا اُس کا ہاتھ سونیا کے چہرے کے سامنے سے طمانچہ مارے بغیر گھوم گیا۔ اُس نے جھلا کر دوسری بار ہاتھ چلایا۔ دوسری بار بھی اسے ناکامی ہوئی۔ سونیا نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔
" میرے بچے! مجھے مارنا تو دور کی بات ہے۔ تم مجھے چھو بھی نہیں سکو گے۔ اس لئے کہ تمہارے سامنے تمہاری ماں کی روح کھڑی ہے۔"
اس نے بے یقینی سے سونیا کو دیکھا۔ پھر سوچنے لگا
" میں کیسے یقین کر لوں کہ یہ ایک روح ہے۔ جبکہ یہ سونیا میرے سامنے مجسم ہے۔"
میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
" بے شک یہ مجسم نظر آتی ہے۔ لیکن میں طمانچے نہیں مار سکا۔ میرا ہاتھ اس کے چہرے پر سے یوں گذر گیا جیسے دھوئیں سے گذر جاتا ہے۔ اب میں اسے چھو کر دیکھتا ہوں۔"
اُس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے اُس کے دماغ سے سمجھایا کہ سونیا کا دایاں شانہ ذرا ادھر دائیں طرف ہے اس کا بڑھتا ہوا ہاتھ سونیا کے شانے سے ذرا ہٹ کر فضا کو ٹٹولنے لگا۔ اس ناکامی کے باعث وہ بوکھلا کر اُس کے چاروں طرف گھومنے اور اُسے چھو لینے کی کوشش کرنے لگا وہ بڑی تیزی سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ مگر جسم کا کوئی عمل دماغ سے زیادہ تیزی نہیں دکھا سکتا۔ اس کی تیزی دماغ کے تابع فرمان تھی اور اس کا دماغ میرے کنٹرول میں تھا۔
آخر وہ تھک کر ذرا پیچھے ہو گیا اور برف گاڑی پر بیٹھ کر ہانپنے لگا۔ اب وہ شکست خوردہ انداز میں سوچ رہا تھا۔
" واقعی یہ تو کوئی روح معلوم ہوتی ہے لیکن جب اس نے طیارے سے چھلانگ لگائی تھی تو اس وقت سونیا کا ٹھوس جسم تھا۔ اب یہ روح کیسے بن گئی؟"
اُس نے سونیا کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔
" کیا تم سونیا نہیں ہو؟"
سونیا نے کہا۔" کون سونیا؟ میں کسی سونیا کو نہیں جانتی۔"
وہ حیرانی سے بولا۔
" تعجب ہے۔ تم نے فرینکفرٹ سے یہاں تک میرے ساتھ طیارے میں سفر کیا تھا۔"

سونیا اُس کے قریب جاتی ہوئی بولی۔
" اچھا تم اِس جسم کو سونیا کہہ رہے ہو۔ مجھے بتاؤ کیا اِس جسم کا نام سونیا تھا؟"
" تھا نہیں ہے۔ تمہاری باتیں مجھے الجھا رہی ہیں۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ تم کون ہو؟"
سونیا گہری سنجیدگی سے کہنے لگی۔
" تم یقین کرو یا نہ کرو۔ میں پچیس برس سے اپنے بیٹے کی تلاش میں یہاں بھٹک رہی ہوں۔ اور تم میرے بیٹے ہو۔"
" پچیس برس سے؟" اُس نے حیرانی اور بے یقینی سے پوچھا۔" کیا تم دنیا کے کسی اور علاقہ میں مجھے تلاش نہیں کر سکتی تھیں؟ اس سرد علاقے میں کیوں بھٹک رہی ہو۔"
سونیا نے بڑے ہی گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔
" کیا تم نہیں جانتے کہ بہت سی چیزوں کو فریج میں یا برف خانہ میں، یا کسی سرد جگہ حفاظت کے لئے رکھا جاتا ہے؟ میری روح اسی سرد علاقہ میں محفوظ رہ سکتی تھی۔ میں اس انتظار میں تھی کہ مجھے کسی عورت کا مردہ جسم ملے گا تو میں اُس میں سما جاؤں گی۔ مگر یہ ایسا سرد علاقہ ہے کہ یہاں سے کسی عورت کا گذر نہیں ہوا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں نے اس جسم کو مردہ دیکھا جسے تم سونیا کہتے ہو۔ یہ سردی سے ٹھٹھر کر مر گئی تھی۔"
" اوہ۔!" چمپینزی شدید حیرانی سے اُسے دیکھنے لگا۔" تو تم اب سونیا نہیں ہو۔ مم۔ میری۔ میری ماں ہو؟"
" ہاں میں رہی ہوں جسے تم ماں کہنے سے انکار کرتے ہو۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ جس بیٹے کے لئے میں بھٹک رہی ہوں وہ مجھے جوان روپ میں دیکھ کر دشمن بن جائے گا۔ میں نے اپنی خوشی سے یہ جوانی قبول نہیں کی۔ اتفاق سے ایک جوان عورت کا جسم مل گیا تو میں کیا کروں؟"
وہ قدرے نادم ہو کر بولا۔
" سوری ممی! میں آپ کا نہیں اس عورت کا دشمن تھا جس کے جسم میں آپ مجھ سے ملنے آئی ہیں۔"
وہ ذرا قریب آکر بولی۔
" اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دونوں غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ تم مجھے سونیا سمجھ کر دشمن بن گئے اور میں تمھیں نافرمان بیٹا سمجھتی رہی۔"
چمپینزی نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔
" ممی! میں کتنا بدنصیب ہوں کہ پچیس برس کے بعد آپ کے قریب آکر آپ کو چھو نہیں سکتا۔ آپ کے سینے سے نہیں لگ سکتا۔"
" کیوں نہیں میرے بیٹے؟ ماں کا سینہ صرف تمہارے لئے ہے۔ تم مجھے اس لئے ہاتھ نہ لگا سکے کہ گستاخ بن گئے تھے۔ اب تو ایک فرمانبردار بیٹے ہو۔ آؤ..."
سونیا نے آگے بڑھ کر اُس کے سر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ برف گاڑی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس لئے سینے سے لگ گیا۔ ورنہ وہ تو ایسا قد آور تھا کہ سونیا اُس کے سینے تک نہ پہنچ سکتی۔ ایسے مقام پر ایک حقیقت روشن ہوتی ہے کہ مرد کتنا ہی قد آور ہو وہ اپنی ماں کے قد سے کبھی اونچا نہیں ہوتا۔
وہ بات بات پر غرانے والا درندہ۔ وہ بددماغ چمپینزی ماں کے سینے سے لگتے ہی بچوں کی طرح سسک سسک کر رونے لگا۔
" ممی! آپ نے مجھے کیوں پیدا کیا؟ آپ نے مجھے کیوں دنیا کی ٹھوکروں میں چھوڑ دیا۔ میں پچیس برس تک آپ کی گود کے لئے ترستا رہا اور دنیا والوں پر برستا رہا۔ میں انسان سے درندہ بن گیا ممی...."
یہ بات اُس نے ایسے کرب سے کہی کہ سونیا کی آنکھوں میں بھی بے اختیار آنسو آگئے۔ وہ آنسوؤں میں بھیگ کر بولی۔
" میرے بچے! اب میں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ اب دُنیا کی کوئی طاقت تجھے مجھ سے جدا نہیں کر سکے گی۔"
چمپینزی نے اُس کی آغوش سے الگ ہو کر پوچھا۔
" پہلے کس نے جدا کیا تھا؟ مجھے بتاؤ ممی! میں اُس دشمن کو ایسی موت ماروں گا کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں گے۔"
" صبر کرو بیٹے! میں تمہیں اپنے دشمن تک ضرور پہنچاؤں گی۔ مگر پہلے ہمیں اس علاقہ سے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔"
وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر کہنے لگا۔
" ایک ہفتہ بعد ایک طیارہ مجھے یہاں سے واپس لے جانے آئے گا۔ میں آپ کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ ابھی ہمیں شمال مغرب کی جانب بڑھنا ہوگا۔ وہاں کسی جگہ دو کیبن ہیں، جہاں کچھ لوگ رہتے ہیں۔ آپ وہاں آرام سے ایک ہفتہ گذار سکیں گی۔"
سونیا نے کہا۔" جب تک میں ایک آزاد روح تھی۔ یہاں کے سرد موسم کے اثر سے آزاد تھی۔ اب اِس

جسم میں سمانے کے بعد ناقابلِ برداشت سردی لگ رہی ہے۔"

" آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کو سردی سے بچاؤں گا فی الحال آپ کافی پئیں۔"

اُس نے لکڑی کی ایک پیٹی کھول کر بڑا سا تھرماس نکالا۔ پھر ایک مگ میں کافی انڈیل کر اُسے اپنی ممی کی طرف بڑھا دیا۔ دنیا کے اس برف خانہ میں گرما گرم کافی بہت بڑی نعمت تھی۔ میں نے پوچھا۔

" کیوں سونیا! کیسی رہی۔ مزہ آرہا ہے؟"

" کمال ہے فرہاد! تم نے اس جنگلی کو میرے لئے رحمت کا فرشتہ بنا دیا ہے۔"

" میری جان! میں نے سنا تھا کہ پیار کی آنچ سے پتھر پگھل جاتے ہیں۔ میں چمپیزی جیسی چٹان کو آزما رہا تھا کہ یہ بات کہاں تک درست ہے۔ دیکھ لو۔ میرا تجربہ کامیاب رہا۔"

" واقعی اب مجھے بھی چمپیزی پر بڑا پیار آرہا ہے۔ ابھی میری آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔"

میں نے کہا۔" میں بھی اس بات پر رو رہا تھا کہ تم نے مجھے ایک دلیرِ قامت بیٹے کا باپ بنا دیا ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ چمپیزی نے مسکرا کر پوچھا۔

" ممی! آپ کس بات پر ہنس رہی ہیں۔"

وہ ذرا ٹھٹھک گئی۔ پھر میری سوچ کے مطابق بولی۔

" میں گرما گرم کافی پیتے ہوئے خیال ہی خیال میں دشمنوں تک پہنچ گئی تھی اور دیکھ رہی تھی کہ میرا بیٹا ان کی کیسی پٹائی کر رہا ہے۔ ان کے مار کھانے اور رونے پر مجھے ہنسی آگئی۔"

چمپیزی نے اپنے چٹان جیسے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

" ممی! آپ ایک دن سچ مچ دشمنوں کے سامنے قہقہے لگائیں گی اور وہ آپ سے زندگی کی بھیک مانگتے رہیں گے۔"

باتوں کے دوران اُس نے برف گاڑی کے سامان کو ترتیب سے رکھ کر اس پر ترپال اور کمبل بچھا دیا تھا۔ ایک بستر تیار کرنے کے بعد اُس نے کہا۔

" ممی! آپ یہاں آرام سے لیٹ جائیں۔ اب ہمارا سفر شروع ہوگا۔"

سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔

" برف گاڑی میں پہلے دنیا بھر کا سامان ہے۔ پھر میں بھی یہاں لیٹ جاؤں گی تو تم اتنا وزن کتنی دور تک کھینچتے ہوئے لے جاؤ گے؟"

اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے سونیا کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کہا۔

" ممی! دنیا نے مجھے آپ کے بازوؤں میں کھیلنے نہیں دیا۔ مگر میں آپ کو اپنے بازوؤں کے پالنے میں سلایا کروں گا ہا ہا ہا ہا ہا۔۔۔"

اس نے سونیا کو سلیج (برف گاڑی) پر لٹا دیا۔ پھر اُس پر دو کمبل اور اُس کے اوپر برفانی ریچھ کی کھال ڈال کر اُس کی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا۔

" او کے ممی! اب یہ اتنی بڑی دنیا صرف ماں بیٹے کی ہے۔ آپ آرام سے لیٹی رہیں۔ راستے میں جو آئے گا۔ میں ٹھوکروں سے اڑاتا جاؤں گا۔۔۔"

ہا ہا ہا ہا۔ اُس نے سلیج کی رسیوں کو تھام لیا۔ ہا ہا ہا ہا۔ اُس نے رسیوں کو اپنے لئے لگام بنا لیا۔ ہا ہا ہا ہا۔ ماں کے لئے بیٹا جانور بھی بن سکتا ہے۔ وہ بھرپور قہقہے لگاتا ہوا برف کی سطح پر گاڑی کھینچتا ہوا شیر کی طرح گرجتا جا رہا تھا، ہٹ جاؤ، میری ماں کی سواری آرہی ہے۔"

میں سونیا کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ ایک بوڑھا بیٹا اس کا محافظ بن گیا تھا۔ اب اُسے سردی سے بھوک سے اور دشمنوں سے بچانے کی ذمہ داری چمپیزی نے اپنے سر لے لی تھی۔ ادھر سے اطمینان ہوتے ہی میں نے سوچا کہ سپر ماسٹر کے ان مسلح جوانوں کی خبر لی جائے، جو طیارے کے اندر سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔

طیارہ برف میں دھنسا ہوا تھا۔ باہر نکلنے کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔ اُس کی چابیاں ایک نوجوان کے پاس تھیں۔ لیکن وہ دروازہ کھول کر باہر جانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ باہر برف کے اُس جہنم میں ستر درجہ انجماد کی سردی تھی۔ طیارے سے نکلتے ہی وہ برف کے بے جان مجسمے بن کر رہ جاتے۔

نہ جائے رفتن، نہ پائے ماندن والی بات تھی۔ ایک نوجوان نے بری طرح کانپتے ہوئے پوچھا۔

" رابرٹ ہم یہاں کب تک پڑے رہیں گے۔"

" جب تک کہ بیرونی امداد ہم تک نہیں پہنچتی۔ ہمیں صبر کرنا ہوگا۔"

" صبر کرنا اور بات ہے۔ ایسی تکلیف برداشت کرنا اور بات ہے۔ بائی گاڈ قوتِ برداشت جواب دے رہی ہے۔"

" جب جواب دیدے تو مر جانا۔ میں تمہارے مرنے کا تماشہ دیکھوں گا آرتھر!"

آرتھر کے پاس بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے غصہ سے کہا۔

" رابرٹ! تمہیں ہمارا لیڈر اس لئے نہیں بنایا گیا ہے کہ ایسے وقت تم دشمنوں کی طرح سنگدلی کا مظاہرہ کرو۔"

رابرٹ نے اُس کے منہ پر تھوکنے کے انداز میں کہا۔

" چپ سُور کے بچے! میں مرنے والے سوروں کا لیڈر نہیں بن سکتا۔"

جسے گالی دی گئی تھی، وہ کمبل کو ایک طرف پھینک کر اُچھل پڑا۔ پھر ریوالور نکال کر بولا۔

" رابرٹ! میں تجھے گولی مار دوں گا۔"

رابرٹ نے بھی کمبل کو ایک طرف ہٹا کر کہا۔

" یہ تو کوئی جوانمردی نہ ہوئی۔ اگر یہ آزمانا چاہتے ہو کہ میں لیڈر بننے کے قابل ہوں یا نہیں تو ریوالور پھینک کر مقابلہ کرو۔"

آرتھر نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔

" آپس میں لڑنا دانشمندی نہیں ہے۔"

" دانشمندی ....." رابرٹ نے آرتھر کو بھی گالی دیتے ہوئے کہا۔" تم بزدل ہو۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں تمہاری ماں نے نہیں، کسی گدھی نے دودھ پلایا ہے۔"

آرتھر نے یکبارگی اچھل کر رابرٹ کے سینے پر لات ماری۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار سے ٹکرا گیا۔ آرتھر کے ساتھی نے بھی اُس پر چھلانگ لگائی۔ مگر خالی دیوار سے ٹکرا گیا رابرٹ پھرتی سے اپنی پوزیشن بدل کر آرتھر سے کِکے بازی میں مصروف ہو گیا تھا۔

وہاں پانچ نوجوان تھے۔ تین جوانوں کو لڑتے دیکھکر باقی دو نے بیچ بچاؤ کی کوشش کی۔ اس کوشش میں وہ بھی مار کھا گئے۔ اب وہ بزدل تو نہیں تھے کہ مار کھا کر بیٹھ جاتے۔ وہ بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ذرا سی دیر میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ طیارے کی محدود فضا میں چیخ و پکار کی آوازیں گونجنے لگیں۔

ہا۔ ہا... کوئی مار رہا تھا۔ ہائے۔ ہائے... کوئی مار کھا رہا تھا۔ ہوُ۔ وا۔ وا۔۔۔ کوئی حملہ کر رہا تھا۔ اُنہ۔ اُف۔ دھڑام

.... کوئی دیواروں سے اور سامان سے ٹکرا کر گر رہا تھا۔ وہ سب جیسے پاگل ہو گئے تھے۔ ان کی خواہش یہی تھی کہ مارتے رہیں یا مار کھاتے رہیں۔ بعض حالات میں انسان کو حیوان بننے میں بڑا مزہ آتا ہے۔

پھر رابرٹ نے اچانک ہی اسٹین گن اٹھا کر انہیں للکارا "..... ہالٹ!"

ایکدم سے سناٹا چھا گیا۔ جو جہاں تھا وہیں کھڑا رہ گیا۔ اب اُس محدود فضا میں صرف جوانوں کے ہانپنے کی گرم سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔ رابرٹ نے کہا۔

" آرتھر اور مائیک! میں معافی چاہتا ہوں کہ تم دونوں کو گالیاں دیں۔ لہو گرم رکھنے کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اب تم لوگوں کو سردی نہیں لگ رہی ہوگی۔"

یہ کہہ کر رابرٹ نے اسٹین گن کو ایک طرف رکھ دیا وہ سب حیرانی سے اپنے آپ کو ٹٹولنے لگے۔ واقعی وہ اپنے اندر حرارت محسوس کر رہے تھے۔ پھر وہ خوشی سے چیختے ہوئے ناچنے لگے۔

" براوو مسٹر رابرٹ! تم صحیح معنوں میں ایک ذہین لیڈر ہو۔"

رابرٹ نے کہا۔" اب تم میں سے ایک جوان کافی تیار کرے۔ ہم پائلٹ کی خبر لیتے ہیں۔"

وہ ایک نوجوان کے ساتھ پائلٹ روم کا دروازہ کھول کر دوسری طرف گیا تو سرد ہوا کے جھونکے آنے لگے اس حصے کی ونڈ اسکرین ٹوٹ گئی تھی اور اب پائلٹ کی لاش پر برف جم رہی تھی۔ وہ زیادہ دیر تک سردی میں نہ ٹھہر سکے۔ واپس آکر دروازے کو بند کر دیا تھا۔ کافی پینے کے دوران مائیک نے پوچھا۔

" ہم کس طرح مدد حاصل کرنے کے لئے کس سے رابطہ قائم کریں گے؟ ہمارے پاس ٹرانسمٹر بھی نہیں ہے۔"

رابرٹ نے کہا۔" بس ایک ہی امید ہے کہ یہاں

کیبن والوں نے طیارے کے گرنے کی آواز سنی ہوگی وہ ہماری مدد کے لئے آسکتے ہیں۔"

"اور اگر کیبن کا کوئی شخص یہاں نہ آئے تو۔؟"

رابرٹ نے ناگواری سے جواب دیا۔

"احمقانہ سوال نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ ہم بیرونی مدد کے محتاج ہیں۔ ان کمبلوں کو لپیٹ کر باہر نہیں نکل سکتے۔ ہمیں امید پر زندہ رہنا ہوگا۔ یا پھر مرجانا ہوگا۔ اس کے علاوہ کسی کے ذہن میں کوئی تدبیر ہے تو مجھے بتائے؟"

سب خاموش ہوکر سوچنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد ایک نے کہا۔

"اگر چمپینزی یہاں تک پہنچ جائے تو ہمارے کام آسکتا ہے۔ وہ کیبن تک جاکر ہمارے لئے مدد حاصل کرے گا۔"

دوسرے نے کہا "پتہ نہیں وہ پاگل کا بچہ کہاں ہوگا۔؟"

"سونیا سے آنکھ مچولی کھیل رہا ہوگا۔ وہ چالاک عورت آسانی سے اس کے ہاتھ نہ آئے گی۔"

رابرٹ نے ایک زور کا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"سپر ماسٹر کے سامنے بڑے بڑوں کی چالاکی دھری رہ جاتی ہے۔ سونیا جیسی چالاک عورت یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس کے ہاتھ میں آہنی سلاخ کیوں پکڑائی گئی ہے۔"

ایک نے کہا "گڑھے اور کھائیاں معلوم کرنے کے لئے....."

"نہیں یہ پہاڑی علاقہ نہیں ہے کہ یہاں گڑھے اور کھائیاں ہوں گی۔ یہ منطقہ باردہ شمالی کا میدانی علاقہ ہے یہاں کی زمین مسطح ہے۔ برف کے اونچے نیچے ٹیلے اور راستے ہیں مگر گڑھے نہیں ہیں چمپینزی مقناطیسی آلے کے ذریعے اس آہنی سلاخ تک پہنچ کر سونیا کو برف میں دفن کرچکا ہوگا۔"

آرتھر نے کہا "واقعی سپر ماسٹر کی ذہانت کا جواب نہیں ہے مگر وہ چمپینزی شکار کھیلنے کے بعد کیبن کی طرف جائے گا۔ شاید اس نے طیارے کے گرنے کی آواز سنی ہو....."

رابرٹ نے یک بیک چونک کر کہا۔

"وہ ادھر آسکتا ہے۔ طیارے کا ڈھانچہ فولاد کا ہے مقناطیسی آلے کی سوئی ادھر ہوگی تو وہ اس طرف آئے گا۔"

آرتھر نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ شکار کھیلنے کے بعد اس پاگل نے مقناطیسی آلے کو بیکار سمجھ کر پھینک دیا ہو۔"

مائیک نے بگڑ کر کہا۔

"آرتھر! تم مایوس کرنے والی باتیں نہ کرو۔"

"تم سب حوصلہ پیدا کرنے والی باتیں کررہے ہو۔ کم از کم مجھے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے دو۔"

ایک نوجوان نے کمبل کو اپنے اطراف اچھی طرح لپیٹتے ہوئے کہا۔

"کیا مصیبت ہے۔ پھر سردی لگ رہی ہے۔ گرم کافی پینے کے بعد بھی یوں لگتا ہے جیسے شربت پیا ہو۔"

رابرٹ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قہقہہ لگا کر کہا۔

"یہ اُلّو کا پٹھا ہے۔ ہا ہا ہا ہا۔ میں تم لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ اس اُلّو کی ہنسی اُڑاؤ....."

سب اس کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگے۔ حالانکہ انہیں بھی سردی لگ رہی تھی۔ وہ اس پر انگلی اٹھا کر کہنے لگے۔

"اُلّو..... انسانوں کے جنگل میں ایک اُلّو کمبل اوڑھے بیٹھا ہے۔"

اُلّو نے ان کی طرف انگلی اٹھا کر ہنستے ہوئے کہا۔

"لوگ اپنے جیسے اُلّو کو دیکھ کر ہی ہنسا کرتے ہیں۔ ہا ہا ہا ہا....."

پھر ایک دم سے ہا ہا ہا ہا شروع ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے پر آوازیں کس رہے تھے اور پھیپھڑوں کی پوری قوت سے قہقہے لگا رہے تھے۔ سرد ہوا پھیپھڑوں سے گرم..... سانسیں بنکر خارج ہورہی تھی اور انہیں قدرے حرارت پہنچا رہی تھی۔ انسان پر ایسا وقت بھی آتا ہے۔ جب موت سے بچنے کے لئے کوئی ہتھیار ان کے کام نہیں آتا۔ اپنی حالتِ زار پر صرف قہقہے لگانے پڑتے ہیں۔

میں سونیا کی طرف واپس آگیا۔ وہ برف گاڑی پر آرام سے بیٹھی ہوئی سفر کررہی تھی۔ چمپینزی گاڑی کو برف کی سطح سے کھینچتا ہوا اور سردی سے لڑنے کے لئے زور زور سے بے ڈھنگی آواز میں گاتا ہوا چلا آرہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

"ہیلو سونیا! کیا حال ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"بڑے آرام سے ہوں اور اپنے بیٹے کا گانا سُن رہی ہوں۔"

مَیں نے کہا "بیچارہ سردی سے بچنے کے لئے کب

تک گاتا رہے گا۔ تم اُس سے باتیں کرو۔"

"باتیں کرنے کے لئے اسنو ماسک کا ہڈ اٹھانا پڑتا ہو پھر برف کے ذرّات چہرے پر آکر چبھنے لگتے ہیں کوئی بہت ضروری بات کرنی ہو تو بتاؤ۔ میں یہ تکلیف گوارا کرلوں گی۔"

"کوئی ضروری بات نہیں ہے۔ تم آرام سے لیٹی رہو میں اُس کے پاس جارہا ہوں۔"

دوسرے ہی لمحہ میں چمپینزی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ گاتا گنگناتا۔ اِدھر اُدھر دیکھتا۔ گاڑی کو کھینچتا جارہا تھا اس کی آنکھوں پر اسکائی لائٹ کا چشمہ تھا۔ اس کے شیشوں کو برف کے ذرّات چھپانا چاہتے تو وہ آستین سے انہیں صاف کرتا جاتا۔ اُس کے چاروں طرف، یہاں سے وہاں تک زمین سے آسمان تک برف ہی برف تھی۔ وہ دنیا اتنی تنگ اور سکڑی ہوئی نظر آتی تھی جیسے انہیں سرد مٹھی میں بند کردیا گیا ہو۔

وہ آگے بڑھنے کے دوران کبھی کبھی قطب نما کو دیکھ لیتا تھا۔ اور کیبن کی سمت معلوم کرتا رہتا تھا۔ میں نے اُس کی سوچ میں پوچھا۔

"وہ مقناطیسی آلہ میں نے کہاں رکھا ہے؟"

"آں..." وہ اپنی جیبیں اور کمر ٹٹولنے لگا۔ پھر اس کی سوچ نے کہا۔

"اوہ یاد آیا۔ میں نے اُسے لکڑی کی پیٹی میں رکھ دیا ہے۔ اب اُس کی ضرورت ہی کیا رہ گئی ہے؟"

میں سوچنے لگا کہ چمپینزی اور سونیا کو کیبن کی طرف جانا چاہیئے یا جہاز کی طرف؟ اگر وہ طیارے کی طرف جائیں گے تو رابرٹ اور اس کے ساتھی سونیا کو زندہ دیکھ لیں گے صرف یہی نہیں، بلکہ سونیا اور چمپینزی کی دوستی کو خطرہ سمجھ کر پہلی فرصت میں ان پر گولیاں چلائیں گے۔

اور اگر وہ دونوں کیبن کی طرف جائیں گے تو اُس وقت تک کیبن کے کچھ لوگ شاید گرنے والے طیارے کی تلاش میں نکل پڑیں گے۔ رابرٹ سے ملاقات ہوگی تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ سونیا کو موت کی سزا دینے کے لئے وہاں بھیجا گیا تھا۔ ایسی صورت میں کیبن والے بھی سونیا کو زندہ دیکھ کر چمپینزی کو بھی دشمن سمجھ لیں گے۔

اس علاقہ کی مختصر سی آبادی میں جہاں دشمن ہی دشمن تھے، وہاں سونیا اُن سے چھپ کر نہیں رہ سکتی تھی۔ لہٰذا چمپینزی کو اس خطرے کا احساس دلانا ضروری تھا۔ میں نے

کہا۔ "سونیا! اب اپنے چہرے سے اسنو ماسک کا ہُڈ اٹھانے کی زحمت گوارا کرو اور یہ معلوم کرو کہ چمپینزی نے طیارے کے گرنے کی آواز سنی ہے یا نہیں؟"

سونیا سلیج پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ پھر اُس نے ہُڈ کو اوپر اٹھا کر آواز دی "چمپینزی!"

"یس ممی؟" وہ چلتے چلتے رک گیا۔

"کیا تم نے طیارے کے گرنے کی آواز سنی ہے؟"

"یس ممی! سنی ہے۔"

سونیا نے میری سوچ کے مطابق پوچھا۔

"پھر تم اُدھر کیوں نہیں جاتے؟"

"وہاں جاکر کیا ہوگا؟ طیارے کے حادثے میں کوئی زندہ نہیں بچتا۔ اگر وہاں کوئی بچا بھی ہوگا تو سردی سے ٹھٹھر کر مرگیا ہوگا۔"

سونیا نے کہا "ہمیں یہی معلوم کرنا ہے کہ وہاں کوئی زندہ بچا ہے یا نہیں۔"

چمپینزی نے قریب آکر پوچھا۔

"ممی! ہمیں ان کی زندگی اور موت سے کیا لینا ہے؟"

"چمپینزی اگر وہ مرگئے ہوں تو بہتر ہے۔ اگر زندہ ہیں تو میرے لئے خطرہ بن جائیں گے۔"

"وہ کیسے؟"

"ایسے کہ تمہاری ماں سونیا کے جسم میں ہے۔ جب وہ سونیا تمہاری دشمن تھی تو اُن کی بھی دشمن....."

اس نے سونیا کا ہاتھ عقیدت سے تھام کر کہا۔

"نہیں ممی! اب یہ ہاتھ، یہ صورت اور یہ جسم میرے لئے مقدّس ہے۔ یہ وجود دشمن نہیں۔ میرے لئے سایہ دار درخت ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو۔ مگر تمہارے ساتھی یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ سونیا مرچکی ہے اور میں تمہاری ماں ہوں۔"

"جو میری ماں کو تسلیم نہیں کرے گا۔ میں اُسے موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔"

"یہ تو میں بھی کرسکتی ہوں۔ سونیا کے جسم میں آکر مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے میں جوڈو کراٹے جانتی ہوں۔"

"ہاں ممی! وہ بہت ہی خطرناک فائٹر سمجھی جاتی تھی۔"

"لیکن صرف فائٹر بننے سے کیا ہوتا ہے۔ کیا طیارے کے لوگ مسلح نہیں ہوں گے؟"

"ہاں۔ اُن کے پاس ریوالور اور اسٹین گنیں ہیں۔"

" تو پھر تمہیں ذرا عقل سے سوچنا چاہیئے کہ وہ مجھے سونیا کے روپ میں دیکھ کر یہی سمجھیں گے کہ تم نے سونیا سے دوستی کر لی ہے اور ان کے دشمن بن گئے ہو۔"
" میں انہیں سمجھاؤں گا کہ تم میری ممی ہو۔"
" او ہو چمپینزی! تم مسٹر بیٹے ہو، اس لئے تم نے یقین کر لیا یہی سائنسی دور میں سانس لینے والے مادہ پرست لوگ یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ تمہاری ماں کی روح سونیا کے جسم میں سما گئی ہے۔"
وہ چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر جھلا کر بولا۔
" ان کی ایسی کی تیسی۔ جب وہ آپ کی عزت نہیں کریں گے تو کیا میں انہیں زندہ چھوڑ دوں گا؟"
" لیکن مسلح دشمنوں کے سامنے جانے سے پہلے تمہیں یہ یقین کر لینا چاہیئے کہ وہ ہر حال میں دشمن ہیں اور اُن کے لئے معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔"
" ممی! میں دوست اور دشمن کو نہیں جانتا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ ان کے لئے معافی کی گنجائش نہیں ہوگی۔"
" شاباش! اب طیارے کی طرف چلو۔"
" میں کیا جانوں طیارہ کہاں جا کر گرا ہے؟"
" بیٹے! مقناطیسی آلہ نکالو۔ اُس کی سوئی فولادی طیارے کی نشاندہی کرے گی۔"
" او ہو ہو۔ میں تو اسے بھول ہی گیا تھا۔" اس نے سونیا کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر کہا۔" ممی آپ ذرا کھڑی ہو جائیں میں لکڑی کی پیٹی سے مقناطیسی آلہ نکالوں گا۔"
سونیا نے اس کی گردن میں باہیں ڈال کر اسکی پیشانی کو چومتے ہوئے کہا
" میرا بیٹا۔ مجھے پھول کی طرح اٹھا لیتا ہے۔"
" ہا ہا ہا ہا..." اُس نے ہنستے ہوئے کہا۔
" میں تنہا ایک بھاری ٹرک کو ایک طرف سے اٹھا کر دوسری طرف الٹ دیتا ہوں۔ ہا ہا ہا ہا...."
سونیا اُس کے بازوؤں سے اُتر کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کمبل وغیرہ ایک طرف ہٹا کر لکڑی کی پیٹی سے مقناطیسی آلے کو نکالتے ہوئے بولا۔
" جانتی ہیں ممی؟ سونیا کو بیوقوف بنا کر اُسے آہنی سلاخ دی گئی تھی کہ وہ راستہ ٹٹول کر چلے گی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ میں مقناطیسی آلے کے ذریعے آہنی سلاخ تک پہنچ سکتا ہوں۔ مگر افسوس میرے پہنچنے سے پہلے ہی وہ کتیا مر گئی۔"
" کیا کہا؟" سونیا نے گرج کر پوچھا۔
" آں۔ میں۔ میں تو سونیا کو کہہ رہا ہوں ممی...."
" بیوقوف! اب یہ جسم میرا ہے۔ سونیا کو گالی دو گے تو وہ گالی مجھے لگے گی۔"
وہ توبہ کے انداز میں اپنا منہ پیٹنے لگا۔ پھر برف پر دو زانو ہو کر اس کے قدموں سے لپٹتے ہوئے بولا۔
" مجھے معاف کر دیجئے ممی! میرے دماغ میں کیچڑ ہے کوئی بات کہہ دیتا ہوں، تب سمجھ میں آتی ہے کہ وہ غلط ہے۔ آئندہ میں سونیا کے خلاف کچھ نہیں کہوں گا۔"
" اچھا اب اُٹھو۔ آگے بڑھو۔ ہم کب تک اس کھلی فضا میں رہیں گے۔ ہمیں جلد از جلد کیبن یا طیارے کے اندر پہنچ کر گرم فضا میں سانس لینا چاہیئے۔"
تھوڑی دیر بعد وہ گاڑی کھینچتا ہوا آگے بڑھنے لگا اس بار سونیا اُس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اُس آہنی سلاخ کو برف میں دفن کر دیا گیا تھا۔ اس لئے مقناطیسی آلہ کی سوئی اب اُدھر گھوم گئی تھی، جدھر وہ طیارہ برف میں دھنسا ہوا تھا۔ میں نے کہا۔
" سونیا! جب تم طیارے کے قریب پہنچ جاؤ تو چمپینزی سے کہنا کہ وہ اندر جائے اور ان سے کہے کہ اُس نے سونیا کو تو مار ڈالا ہے۔ مگر اب اس کی روح اس کا پیچھا کر رہی ہے۔"
سونیا نے چمپینزی کو مخاطب کیا۔
" دیکھو چمپینزی! اگر طیارے کے لوگ زندہ پائے جائیں گے تو میں اُن کا سامنا نہیں کروں گی۔ پہلے تم اُنکے پاس جا کر یہ معلوم کرنا کہ وہ روحانی عمل کو مانتے ہیں یا نہیں؟"
" ٹھیک ہے۔ پہلے میں جا کر کہوں گا۔ میری ممی سونیا کے روپ میں زندہ ہو گئی ہیں۔ بتاؤ تم لوگ ممی کی عزت کرو گے یا نہیں؟"
" ایسے تو وہ کبھی یقین نہیں کریں گے اور عزت بھی نہیں کریں گے۔ پھر تمہیں غصہ آ جائے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اتنے لوگوں سے تنہا لڑنا شروع کر دو۔"
" پھر میں کیا کروں؟"
" تم ان سے کہو گے کہ تم نے سونیا کو مار ڈالا ہے، مگر اُس کی روح تمہارا پیچھا کر رہی ہے۔"

" آں۔" وہ ٹھٹھک کر سونیا کو سر سے پاؤں تک دیکھنے لگا اُس کی سوچ کہہ رہی تھی۔
" یہ سر سے پاؤں تک سونیا ہی ہے۔ کہیں یہ میری ماں بن کر مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہی ہے؟"
اس کی ذہنی رو پھر بہک گئی۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔
" میں عجیب پاگل ہوں۔ اس کے سینے سے لگ کر مجھے ممتا کی چھاؤں مل جاتی ہے۔ پھر بھی میں نالائق ہوں۔ ایک ماں کی پاکیزہ گود میں جا کر بھی شبہ کر رہا ہوں...... ہاں مگر شبہ دور ہو جائے تو بہتر ہے۔ میں ممی سے پوچھتا ہوں کہ میں کہاں پیدا ہوا تھا؟"
میں نے کہا۔" لیکن ممی جو جواب دیں گی۔ اُس کی تصدیق کیسے ہوگی؟ میں خود اپنے متعلق کس حد تک جانتا ہوں۔"
" اس حد تک جانتا ہوں کہ میری پرورش کرنے والی ایک عورت جس کا نام گریشیا تھا، اُس نے مجھے بارہ برس کی عمر تک اپنے پاس رکھا۔ اُس نے بتایا کہ میری ماں نے مجھے....."
وہ سوچ رہا تھا۔ اپنی ماں کے متعلق وہ تمام باتیں یاد کر رہا تھا۔ جنہیں وہ سونیا سے پوچھنے والا تھا۔ وہ باتیں اس لئے یاد کر رہا تھا کہ اپنی ماں اور دوسری عورتوں سے نفرت کرنے کے دوران وہ بہت سی باتیں بھول گیا تھا۔
سونیا نے پوچھا۔
" تم خاموش کیوں ہو گئے؟"
" ممی! میں سوچ رہا ہوں کہ آپ نے مجھے کہاں جنم دیا تھا اور کیوں چھوڑ کر چلی گئی تھیں؟"
سونیا میری سوچ کے ساتھ ساتھ کہنے لگی۔
" بیٹے! جب میں موجود ہوں تو مجھ سے پوچھو۔ سوچنے کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے بڑے مصائب کا سامنا کرتے ہوئے تمہیں جنم دیا ہے۔ تمہارے باپ کے رشتے دار یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں تمہیں جنم دوں۔ تمہارے سوتیلے بھائی اپنے باپ کی جائیداد میں تمہیں حصہ دار نہیں بنانا چاہتے تھے۔ رشتہ داروں کے بہکانے پر تمہارا باپ مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا..."
سونیا چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی۔ پھر بولی۔
" میں وہاں سے جان بچا کر بھاگی۔ تمہاری پیدائش کا وقت قریب آ چکا تھا۔ تکلیف کی شدت سے بُرا حال تھا۔ مگر بہر حال میں تمہیں قاتلوں سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی۔ جہاں تک میری قوت برداشت ساتھ دے سکتی تھی میں بھاگتی چلی گئی۔ آخر ایک تنگ گلی سے گزرنے کے دوران لڑکھڑا کر گر پڑی۔ چند لمحات کے بعد ہی میں نے وہیں گندی نالی کے پاس تمہیں جنم دیا تھا۔ میرے چیخنے اور تمہارے رونے کی آواز سُن کر ایک قریبی مکان کا دروازہ کھلا۔ پھر ایک عورت باہر آئی۔ اس کا نام گریشیا تھا...."
میں نے سونیا کو پھر تھوڑی دیر خاموش رہنے کے لئے کہا۔ پھر چمپینزی کے تاثرات معلوم کئے۔ اب وہ سونیا سے بہت زیادہ متاثر تھا۔ کیونکہ جو کچھ وہ جانتا تھا۔ وہی سب کچھ بتا رہی تھی۔ اس نے پوچھا۔
" ممی! آپ مجھے مدر گریشیا کے پاس چھوڑ کر کیوں چلی گئیں؟"
" بیٹے! جس رات میں نے تمھیں جنم دیا۔ اس وقت طوفان اور بارش کا زور تھا۔ محلے والوں کو پتہ نہ چلا کہ میں نے کس بے بسی کے عالم میں تمہیں جنم دیا ہے۔ دوسرے دن گریشیا نے اپنے پڑوسیوں کو بتایا کہ میں اس کی بہن ہوں۔ اس لئے یہ بات تمہارے دشمنوں تک نہ پہنچ سکی کہ ایک فرار ہونے والی عورت نے کسی گلی میں ایک بچے کو جنم دیا ہے۔ میں دو ماہ تک تمہارے ساتھ گریشیا کے ہاں چھپی رہی۔ ایک اتوار کو میں چرچ کی طرف جا رہی تھی کہ تمہارے سوتیلے بھائی نے مجھے دیکھ لیا میں چرچ کے دوسرے دروازے سے نکل کر بھاگنے لگی۔"
چمپینزی نے کہا۔" لیکن مدر گریشیا نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ دشمنوں نے آپ کو چرچ میں دیکھ لیا تھا۔"
سونیا نے پوچھا۔" گریشیا نے کیا بتایا ہے تمہیں؟"

"انہوں نے دو طرح کی باتیں کی ہیں۔ پہلے تو وہ آپ کو مظلوم کہتی تھیں لیکن جب آپ مجھے چھوڑ کر چلی گئیں۔ تو وہ کہنے لگیں کہ کوئی آپ کا اور میرا دشمن نہیں تھا۔ آپ نے گناہ کیا تھا۔ پھر اُس گناہ کے بوجھ کو مدر گریشیا کے گھر چھوڑ کر بھاگ گئیں۔"

"بیٹے! میں ایسے حالات میں بھاگی تھی کہ گریشیا کا مجھ سے بدظن ہونا لازمی تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ میں تمہارے جائز حقوق کے لئے تمہارے باپ کو عدالت میں چیلنج کروں۔ میں نے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ مگر دوسرے ہی دن تمہارے سوتیلے بھائی نے چرچ سے میرا پیچھا کیا۔ اس سے پہلے کہ مجھے فرار ہونے کے لئے کوئی ٹیکسی ملتی۔ اس کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا۔ پھر وہ مجھے ایک ویران حویلی میں لے گئے۔ وہاں مجھے ناقابلِ برداشت اذیتیں دیتے رہے اور پوچھتے رہے کہ بچہ کہاں ہے؟ آخر میں دو دن اور دو راتوں تک اذیتیں برداشت کرتے کرتے مر گئی۔"

چمپینزی دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچے اور دانت پیسنے لگا۔ پھر یکبارگی گرجنے لگا۔

"میں انہیں ایسی ایسی اذیتیں دے کر زندہ رکھوں گا کہ وہ ہر لمحہ آپ سے موت کی بھیک مانگتے رہیں گے۔ ممی! مجھے بتایئے۔ وہ راستہ کہاں ہے، جو ان کی شہ رگ تک جاتا ہے....."

"یوں غصہ دکھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ہمارے پر نہیں ہیں کہ پرواز کرتے ہوئے وہاں پہنچ جائیں۔ آخر جلد بازی کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہم ماں بیٹے مل چکے ہیں۔ ہم اس علاقے سے نکلتے ہی دشمنوں کی خیریت پوچھیں گے۔"

وہ کسی قدر شانت ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ اُس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"میں کس قدر کمینہ ہوں۔ اپنی ماں کو گناہگار سمجھ رہا تھا۔ اور اب یہ بھی شبہ کر رہا تھا کہ یہ میری ماں نہیں ہے مجھ جیسا احمق تو کوئی نہ ہوگا۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا کہ ممی کی زبان سے اپنے متعلق وہی باتیں سن لیں، جو مجھے معلوم تھیں اب تو میں نشہ کی حالت میں بھی ماں کی ممتا اور خلوص پر شک نہیں کروں گا۔"

اس کے دماغ کی کوئی کل درست نہیں تھی بعض اوقات وہ اچانک ہی کوئی بات سوچتا اور فوراً ہی اُس پر عمل کرتا تھا اچانک ہی وہ اچھل کر سونیا کی طرف پلٹ گیا۔ سونیا گھبرا کر پیچھے ہٹتی ہوئی بولی "کیا بات ہے؟"

اس کا سوال پورا ہونے سے پہلے وہ اوندھے منہ برف پر گر پڑا۔ پھر اُس کے قدموں سے لپٹ کر گڑگڑا کر کہنے لگا۔

"ممی! مجھے معاف کر دیجئے۔ میں آپ پر شبہ کر رہا تھا کہ آپ میری ممی نہیں ہیں۔"

سونیا نے دانت پیستے ہوئے سوچا۔

"میں نے کس پاگل کے بچے کو اپنا بچہ بنایا ہے کمبخت نے مجھے ڈرا کر رکھ دیا۔ پتہ نہیں اس کے ساتھ کیسے نبھے گی....."

پھر وہ جبراً مسکراتی ہوئی بولی۔

"تم ایک نہیں ہزار بار شبہ کرو۔ میں تمہاری ماں ہوں، ماں ہی رہوں گی۔"

"ممی! آپ نے مجھے معاف کر دیا۔؟"

"دل و جان سے معاف کیا۔ چلو اٹھو۔ اگر تم اسی طرح قدم قدم پر قدموں سے لپٹتے رہو گے تو ہم اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکیں گے۔"

اُس نے اٹھ کر اپنے لباس پر سے برف جھاڑی۔ پھر سلیج کی لگاموں کو تھام کر آگے بڑھنے لگا۔ اس کے دل میں سونیا کی طرف سے ایسا یقین اور اعتماد پیدا ہو گیا تھا کہ اب کوئی اس اعتماد کو متزلزل نہیں کر سکتا تھا۔ سونیا آگے بڑھنے کے دوران دور تک دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

کیسی ویرانی اور سناٹا ہے۔ نہ رات کی تاریکی ہے، نہ دن کا اجالا۔ میں نے سنا تھا کہ دنیا کے اس حصے میں چھ ماہ تک رات رہتی ہے اور چھ ماہ تک سورج کی ہلکی سی روشنی یہاں پہنچتی ہے۔ شاید ان دنوں چھ ماہ کا ایک دن گذر رہا ہے۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی کے کسی موڑ پر یہاں پہنچ جاؤں گی۔"

واقعی ایسی ویران جگہ یوں لگتا ہے جیسے برف کی قبر میں سے گذر رہے ہوں۔ وہاں نہ انسان نظر آتے تھے، نہ جانور اور نہ ہی ایک درخت بھی دکھائی دیتا تھا۔ ایسے ویرانے اور سناٹے میں اچانک زندگی کے آثار پیدا ہوئے سونیا اور چمپینزی ٹھٹھک کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اسنو ماسک ہٹا کر آوازیں سننے لگے۔

دور کہیں سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور وہ آوازیں آتی جا رہی تھیں۔ چمپینزی نے سلیج کی لگام چھوڑ دی۔ ہولسٹر سے ریوالور نکال کر سونیا کے حوالے کر دیا۔

"ممی! آپ اسے بس یونہی احتیاطاً رکھ لیں۔ میری کوشش یہی ہوگی کہ آپ کو گولی چلانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ میں آنے والوں سے نمٹ لوں گا۔"

اُس نے اپنی کمر سے ٹیلی سکوپ لگی ہوئی گن نکالی۔ پھر آواز کی سمت کا اندازہ کرتے ہوئے دوربین سے دیکھنے لگا دوربین ـــــ دور تک دکھائی تو دے رہا تھا لیکن برف کی سفید دھند میں بمشکل پندرہ بیس قدم کے فاصلے تک ہی دیکھا جا سکتا تھا۔ سونیا نے پوچھا۔

"کیا اس علاقے میں کتے پائے جاتے ہیں؟"

چمپینزی نے جواب دیا۔

"پالتو کتے ہیں۔ برف گاڑی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ کھینچ کر لے جاتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ سلیج کو کھینچتے ہوئے ادھر آ رہے ہیں۔ اُس سلیج پر آدمی بھی ہوں گے؟"

"ہاں۔ یہ لوگ یقیناً اپنے کیبن سے نکل کر آ رہے ہیں.... وہ دیکھو۔"

چمپینزی نے اسکائی لائٹ کا چشمہ پیشانی پر رکھ لیا تھا اور اس کی ایک آنکھ دوربین سے لگی ہوئی تھی۔ سونیا نے اُدھر دیکھا۔ جدھر چمپینزی کی گن کا رُخ تھا۔ برف کے غبار میں کچھ دھندلے سائے متحرک تھے۔ کتوں کی آوازیں بہت قریب سنائی دے رہی تھیں۔ پھر ایک برف گاڑی نظر آئی جس پر دو شخص بیٹھے ہوئے تھے۔

کتّا گاڑی کے سوار چمپینزی اور سونیا کے دائیں طرف نظر آئے تھے اور اب بائیں طرف بڑھتے جا رہے تھے مقناطیسی آلے کا کانٹا بھی بائیں طرف تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ طیارے کی طرف جا رہے ہیں چمپینزی نے انہیں آواز دی۔

"ہے۔ یو۔ ہالٹ... !"

اُس کی آواز گولی کی طرح سنسناتی ہوئی دُور تک گئی۔ پھر وہ برف گاڑی آہستہ آہستہ رُکنے لگی۔ دوسری جانب سے ایک شخص نے پوچھا۔

"ہُو از دیئر..... وہاں کون ہے۔ ہے۔ اے۔ اے"

اب بہت دیر بعد اس ویرانے میں انسانی آوازیں گونج رہی تھیں۔ چمپینزی نے جواب دیا۔

"چمپینزی فرام فرینکفرٹ....."

"دوسرا کون ہے؟"

سونیا کے چہرے پر اسکائی لائٹ کا چشمہ اور اسنو ماسک تھا۔ لباس بھی مردوں جیسا تھا۔ اس لئے وہ پہچانی نہیں جاتی تھی۔ میں نے چمپینزی کی سوچ میں جواب دیا۔

"یہ میرا ایک دوست ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تم سونیا نام کی ایک عورت کو ہلاک کرنے کے بعد تنہا کیبن کی طرف آؤ گے۔ مگر ایک دوست کا اضافہ کیسے ہو گیا؟"

چمپینزی نے کہا "میں قریب آ کر تمہارے سوالوں کے جواب دوں گا"

"ہالٹ۔ قریب آنے سے پہلے اپنے ہتھیار پھینک دو۔"

چمپینزی نے کہا "ہم دوست ہیں اور دوستوں سے ہتھیار پھینکنے کے لئے نہیں کہا جاتا۔"

"نو آرگومنٹس۔ حکم کی تعمیل کرو۔ اور ہتھیار پھینک کر ادھر آؤ۔"

میں نے سونیا سے کہا۔

"چمپینزی کو سمجھاؤ کہ ہتھیار پھینک دے۔"

سونیا نے اپنا ریوالور سلیج پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"برخوردار! اُن کا حکم مان لو۔ ورنہ وہ خطرہ محسوس کرتے ہی بھاگ جائیں گے۔ پھر اپنی پوری ٹیم کے ساتھ واپس آئیں گے۔"

چمپینزی ماں کا حکم نہیں ٹال سکتا تھا۔ اُس نے پریشان ہو کر کہا۔

"ممی! ہم بالکل نہتے ہو کر ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ کو سونیا کے روپ میں دیکھ کر وہ میرے بھی دشمن بن جائیں گے۔"

"دشمن بننے دو۔ جب میں تمہاری پیدائش کے وقت تمہیں دشمنوں سے بچاتی رہی تو کیا اب تمہاری حفاظت نہیں کروں گی؟"

اس نے اپنی گن کو سلیج پر پھینکتے ہوئے کہا۔

"اب میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اب میں آپ کی حفاظت کروں گا۔"

پھر اُس نے چیخ کر اطلاع دی۔

"ہم نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں اور اب دونوں ہاتھ اٹھائے آ رہے ہیں۔"

میں چمپینزی اور سونیا کو چھوڑ کر اُس شخص کی آواز اور لہجے تک پہنچ گیا۔ وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔

"جرمنی سے ماسٹر نے اطلاع دی تھی کہ چمپینزی ایک

عورت کو ہلاک کرنے کے بعد ہمارے پاس آئے گا۔ یہ بھی کہا گیا تھا کہ وہ عورت لومڑی کی طرح مکار ہے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اُس عورت نے کسی طرح جمپیزی کو ٹریپ کیا ہو۔ اسی لئے وہاں ایک کی بجائے دو نظر آرہے ہیں۔"

اس کے ساتھی نے تائید کی۔

" ہاں۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ اُس عورت نے جمپیزی کو ریوالور کی زد میں رکھا ہو۔ ہاں بالکل یہی بات ہے۔ وہ دیکھو جمپیزی دونوں ہاتھ اٹھائے آگے ہے اور وہ اس کے پیچھے چل رہی ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ للکارتے ہوئے بولا۔

" اے۔ تم دونوں آگے پیچھے نہیں، بلکہ شانہ بشانہ آگے بڑھو۔ کم آن۔ ہری اپ ....."

وہ دونوں اپنی اپنی رائفل سنبھال کر کھڑے ہو گئے جمپیزی اور سونیا شانہ بشانہ چلتے ہوئے اُن کے سامنے آگئے۔ ایک نے آگے بڑھ کر اُن کی تلاشی لی کہ کہیں کوئی ہتھیار چھپا کر نہ رکھا گیا ہو۔ سونیا کی تلاشی لیتے وقت پتہ چل گیا کہ وہ عورت ہے۔ اُس شخص نے غرا کر جمپیزی سے پوچھا۔

" تم نے کہا تھا کہ یہ تمہارا دوست ہے؟"

جمپیزی نے جواب دیا۔

" بے شک۔ اس دنیا میں ماں سے بڑھ کر کوئی دوست نہیں ہوتا۔ یہ میری ممی ہیں۔"

" کیا۔ ؟" اُن دونوں نے بیک وقت حیرانی سے پوچھا۔ پھر سونیا کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اسنو ماسک کے باعث اس کا چہرہ واضح نہیں تھا۔ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا۔

" سیلر! ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جمپیزی آدھے دماغ کا آدمی ہے۔ اب یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ اس ویرانے میں ایسا پاگل ہی اپنی ماں کو ساتھ لا سکتا ہے۔"

سیلر نے اپنے چشمہ کے شیشہ پر سے برف کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

" مارلن! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ اپنی ماں کو اپنے ساتھ یہاں کس طرح لے آیا۔ جبکہ ماسٹر کے حکم کے مطابق اسے تنہا آنا چاہیئے تھا۔ مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آتا ہے۔"

سیلر نے اپنی رائفل کا رُخ سونیا کی طرف کرتے ہوئے کہا۔

" اے بوڑھی اماں! اپنے چہرے پر سے ماسک ہٹاؤ۔"

سونیا نے صرف ماسک کا ہڈ اٹھا کر کہا۔

" میں برف کے اس طوفان میں ماسک نہیں اتار سکتی، تم اسی طرح دیدار کر لو۔"

سیلر اور مارلن نے ٹارچ کی روشنی سے اُس کے چہرے کو دیکھا۔ پھر ایک نے حیرت سے چیخ کر کہا۔

" جمپیزی یو فول! یہ تو نوجوان عورت ہے۔ تمہیں ماں بنانے کے لئے بوڑھی عورت نہیں ملی؟"

جمپیزی نے پوچھا۔ کیا مائیں جوان نہیں ہوتیں؟"

" ہوتی ہیں۔ مگر یہ جوان عورت تو تمہاری ماں کی بجائے بیٹی معلوم ہو رہی ہے۔ تم ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ سچ سچ بتاؤ۔ یہ کون ہے؟"

" سچی بات اس دنیا میں تسلیم نہیں کی جاتی۔ پھر بھی میں بتا رہا ہوں۔ دراصل میری ممی پچیس برس پہلے مر چکی تھیں۔ اُن کی روح مجھ سے ملنے کے لئے بے چین تھی۔ آج سونیا طیارے سے چھلانگ لگانے کے بعد سردی سے ٹھٹھر کر مر گئی۔ ایسے ہی وقت میری ممی کی روح اس کے مردہ جسم میں سما گئی۔"

مارلن نے چیخ کر پوچھا۔

" یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ کیا یہ وہی سونیا ہے جسے تم یہاں ہلاک کرنے آئے ہو؟"

" جی نہیں سونیا تو مر چکی ہے۔ یہ تو صرف سونیا کا جسم ہے۔ ورنہ حقیقتاً یہ میری ممی ہیں۔"

مارلن نے غصہ سے کہا۔

" یو نان سنس! تمہارے متعلق صحیح اطلاع دی گئی ہے کہ تم نیم پاگل ہو۔ مگر ہم پاگل نہیں ہیں۔ ہم ابھی تمہاری اس فراڈ ممی کو گولی سے اڑا دیں گے۔"

اُس وقت میں کبھی مارلن اور کبھی سیلر کے دماغ میں جھانک رہا تھا۔ اس لئے مجھے جمپیزی کو کنٹرول کرنے کا موقع مل۔ مارلن کی زبان سے یہ سنتے ہی کہ ممی کو گولی ماردی جائے گی۔ اس نے ایک دم سے مارلن پر چھلانگ لگائی۔ ایسے وقت ٹریگر پر انگلی کا دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ جمپیزی کی حماقت سے گولی خود اُسے یا سونیا کو لگ سکتی تھی۔

مگر ہوا یوں کہ میں مارلن کے دماغ میں تھا۔ جمپیزی کے اچانک حملہ کرنے سے وہ بوکھلا کر فائر کرنا چاہتا تھا میں نے اُس کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا تو اس کا ہاتھ سیلر کی طرف گھوم گیا۔ سیلر کی چیخ کے ساتھ ہی اس کی رائفل

چھوٹ کر گر پڑی۔ دوسری طرف فائرنگ کی آواز سنتے ہی جمپیزی اچھل کر زخمی سیلر پر گر پڑا ایسی سچویشن میں سونیا اپنے اصل روپ میں آجاتی ہے۔ اُس نے بجلی کی سی تیزی سے مارلن پر چھلانگ لگائی لیکن اتنے بھاری بھرکم لباس میں وہ اندازہ نہ کر سکی کہ چھلانگ لگانے کے لئے معمول سے کچھ زیادہ قوت صرف کرنی پڑے گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مارلن سے ٹکرا گئی اور اُس کے ساتھ برف گاڑی پر آکر گر پڑی۔

برف گاڑی کی لگام کو جھٹکا پہنچا تو اُس سے بندھے ہوئے کتے بدک کر بھاگنے لگے۔ جمپیزی نے فوراً ہی سیلر کی رائفل اٹھائی۔ اُس کی ممی برف گاڑی پر اُس سے دور ہوتی جا رہی تھی اور مارلن اُس سے لڑنے میں مصروف تھا۔ جمپیزی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ مارلن کو کس طرح نشانہ بنائے۔ اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے ہی برف گاڑی دور ہوتی ہوئی برف کی دھند میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

جمپیزی نے چہرے پر سے ہڈ کو اٹھا کر چیخنا شروع کیا۔ "ممی۔ امی۔ امی۔ امی ....."

اُس کی آواز گونج رہی تھی۔ مجھے سونیا کی فکر تھی۔ اس لئے میں اُسے چیختا چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں سونیا کے آس پاس برفیلے مناظر تیزی سے گذرتے جا رہے تھے۔ تیز رفتاری سے بھاگتی ہوئی برف گاڑی پر سونیا اور مارلن کے درمیان مکے بازی ہو رہی تھی۔ ان کے جسموں پر اونی اور چمڑوں کے لباس تھے۔ چہروں پر ماسک چڑھا ہوا تھا۔ اس لئے مکے بازی سے کسی کو نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔

ایسے وقت مجھے یہ معلوم کرنا تھا کہ مارلن کس طرح سونیا پر قابو پانا چاہتا ہے۔ بات سیدھی سی تھی کہ میں اُس کے دماغ کو جھٹکا پہنچاتا تو وہ برف گاڑی سے باہر چلا جاتا لیکن وہ شاعر نے جو کہا ہے کہ جھپٹنا پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا۔ لہو گرم رکھنے کا ہے ایک بہانہ ..... لہٰذا میں نے سونیا کو اپنا لہو گرم رکھنے کے لئے چھوڑ دیا۔ پھر یہ کہ وہ بڑی جی داری سے لڑ رہی تھی۔ جب کوئی اپنے طور پر جدوجہد میں مصروف ہو تو اُسے اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کے لئے آزاد چھوڑ دینا چاہیئے۔

مارلن کی خوش فہمی ختم ہو چکی تھی۔ پہلے اس نے سوچا تھا کہ ایک عورت کو فوراً ہی قابو میں کر لے گا۔ مگر وہ عورت تو ایک بلا تھی، جو لہرا اچھالنے کے بعد ہی پیچھا چھوڑتی تھی آخر مارلن نے پریشان ہو کر سوچا کہ مکے بازی اور داؤ پیچ سے کام نہیں چلے گا۔ صرف اپنی قوت سے کام لینا ہو گا۔ کسی طرح اسے نیچے گرا کر اس کی گردن کو دبوچنا ہو گا۔ میں نے سونیا سے کہا۔

" وہ تمہیں گرا کر تمہاری گردن دبوچنا چاہتا ہے۔"

یہ سنتے ہی سونیا لڑتے لڑتے گر پڑی۔ اُسے چھا جانے کا موقع دیا۔ مارلن بڑی پھرتی سے اُس پر آیا لیکن اس کے دونوں پاؤں پر ایک لمحہ کے لئے ٹھہر گیا۔ دوسرے لمحے وہ فضا میں بلند ہو کر برف گاڑی کے باہر چلا گیا۔ سونیا نے اس کی دونوں ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لیں۔ اب وہ گاڑی کے باہر برف پر اوندھے منہ گھسٹتا جا رہا تھا۔ وہ نہ تو گاڑی کی طرف واپس آسکتا تھا اور نہ ہی گاڑی سے الگ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ سونیا نے اس کی دونوں ٹانگیں مضبوطی سے پکڑ لی تھیں۔

کتے بے تحاشہ بھاگتے جا رہے تھے۔ یعنی گاڑی کے آگے چھ عدد کتے تھے اور گاڑی کے پیچھے کتوں کا مالک گھسٹ رہا تھا۔ اُس کے بوجھ سے برف ریزہ ریزہ ہو کر جھاگ کی طرح اڑ رہی تھی۔ پہلے تو اُس کے چہرے کا ماسک کا ہڈ علیحدہ ہوا۔ پھر اُس کا چہرہ برف کی سطح سے رگڑ کھاتے ہوئے گذرنے لگا وہ چیختے ہوئے اپنے سر کو اِدھر اُدھر گھما رہا تھا۔ مگر کب تک؟ وہ جس طرف سر گھماتا تھا، اسی طرف چہرے کی جلد کو برف چھیل کر رکھ دیتی تھی۔

ایک منٹ کے بعد ہی اس کی آواز مر گئی۔ جسم ساکت ہو گیا۔ سونیا اس کی ٹانگیں چھوڑ کر بیٹھ گئی۔ پھر لگام تھام کر کتوں کو روکنے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد کتے اس کے کنٹرول میں آگئے۔ وہ گاڑی کو واپس موڑ کر جب مارلن کے پاس پہنچی تو اس وقت تک مارلن کا چہرہ اس کے وجود سے مٹ چکا تھا۔ ٹھوس برف سے ٹکرا کر اسکی ناک اکھڑ گئی تھی۔ چہرے کی کھال کی جگہ گوشت کے لوتھڑے اور ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ سترو درجہ انجماد کے علاقہ میں زخموں سے خون نہیں رستا۔ زخموں سے ابھرتے ہی جم جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر بھی لہو کی پپڑیاں جم گئی تھیں۔ میں نے کہا۔ " سونیا! اُس کا لباس اور جوتے اتار کر رکھ لو۔ یہ چیزیں کہیں کام آسکتی ہیں۔"

وہ میری ہدایت پر عمل کرنے لگی۔ اُس نے پوچھا " اب میں کدھر جاؤں۔ یہاں تو ہر طرف ایک سا منظر ہے۔ برف کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ پتہ نہیں میں نے جمپیزی

کو کہاں چھوڑا ہے۔ میں چمپینزی کی بو سونگھنا چاہتی ہوں مگر ہوا کی رفتار طوفانی ہے۔ شاید وہ ہوا کی مخالف سمت میں ہے۔ اس لئے اس کی بو نہیں مل رہی ہے۔"

میں نے کہا۔" ذرا چند قدم اِدھر اُدھر جاکر دیکھو جہاں سے آئی ہو۔ اس راستے پہ برف گاڑی کے نشانات نظر آسکتے ہیں۔"

اُس نے مارلن کے کپڑے اور جوتوں کو سلیج پر رکھا پھر تھوڑی دور تک برف کی سطح پر ادھر ادھر چلتی رہی ایسے ایک جگہ گاڑی کے نشانات نظر آئے۔ وہ سلیج پہ آ کر بیٹھ گئی۔ پھر کتوں کی لگام تھام کر گاڑی کو اُس راستے پہ موڑ دیا۔ حدِّ نظر تک وہ نشانات نظر آرہے تھے لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھتی گئی، نشانات مٹتے گئے۔ تب یہ بات سمجھ میں آئی کہ برف کی سطح پر صرف تازہ نشانات نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد خواہ نقشِ قدم ہوں، خواہ گڑھے ہوں وہ سب برف سے پُر ہو جاتے ہیں۔

"اب کیا ہوگا؟" سونیا نے پوچھا۔

میں نے کہا۔" ذرا ٹھہرو۔ میں چمپینزی اور سیلر کی خبر لے کر آتا ہوں۔"

وہ ایسا علاقہ تھا کہ مسافر راہ سے بے راہ ہو جاتے تھے۔ مخصوص حالات میں کبھی قطب نما اور کبھی مقناطیسی آلے کے ذریعہ منزل کا پتہ معلوم ہو جاتا تھا۔ اور سونیا کے پاس وہ دونوں چیزیں بھی نہیں تھیں۔ میں نے چمپینزی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ۔ اپنی ممی کے لئے پریشان تھا۔ ممی اب تک واپس نہیں آئی تھی۔ لہٰذا وہ اپنا غصہ سیلر پہ اتار رہا تھا۔

سیلر کی ایک ٹانگ پر گولی لگی تھی۔ وہ اپنی ٹانگ پکڑے برف پر بیٹھا ہوا تھا۔ چمپینزی نے اُسے ایک ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"میری ممی ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ اگر اُنہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں تم سب کا قیمہ بنا کر رکھ دوں گا۔"

سیلر نے تکلیف سے کراہتے ہوئے کہا۔

"آجائیں گے۔ وہ لوگ واپس آجائیں گے تم انسانیت کا ثبوت دو۔ ہماری سلیج میں فرسٹ ایڈ باکس تھا۔ وہ ان کے ساتھ چلا گیا۔ تمہارے سامان میں طبی امداد کی دوائیں ضرور ہوں گی۔ فار کرائسٹ سیک وہ دوائیں نکالو۔ میں تکلیف سے مرا جا رہا ہوں..."

"جب تک ممی نہیں آئیں گی۔ میں تمہارے تڑپنے کا تماشہ دیکھتا رہوں گا۔"

میں نے چمپینزی کی سوچ میں کہا۔

"اگر یہ تڑپ تڑپ کر مر جائے گا تو میں کیبن والوں کے متعلق معلومات حاصل نہیں کر سکوں گا۔ اپنا مقصد حاصل ہونے تک اسے زندہ رکھنا چاہیئے۔"

اس نے غصہ سے بھڑک کر کہا۔

"ارے واہ ان حرامزادوں کی وجہ سے میری ممی مجھ سے بچھڑ گئیں اور میں اس کا علاج کروں اور اس کی تیمارداری اور خدمت کروں.... کبھی نہیں۔ میں اور پانچ منٹ تک ممی کا انتظار کروں گا۔ پھر اسے گولی مار دوں گا۔"

وہ عجیب اڑیل بھینسا تھا۔ بڑی مشکلوں سے قابو میں آتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا۔

"مگر میں ممی کے لئے اتنا فکر مند کیوں رہوں۔ کیا میں نے نہیں دیکھا ہے کہ ان کے پاس روحانی قوتیں ہیں۔ میں بھی پہلی بار دشمن بن کر انہیں نقصان نہ پہنچا سکا۔ کوئی انہیں دشمن بن کر ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ وہ مارلن جیسے دشمن کو زندہ نہیں چھوڑیں گی۔"

اس خیال سے وہ مطمئن ہو کر سوچنے لگا۔

"ہاں۔ میری ممی کا تو کوئی جواب نہیں ہے۔ مجھے اُن کے لئے پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔"

پریشانی دور ہوتے ہی اُس نے قہقہہ لگا کر سیلر سے کہا۔

"تمہارا ساتھی میری ممی کے ہاتھوں مر چکا ہوگا۔ اب میں تمہارا علاج کروں گا۔"

وہ قہقہے لگاتا ہوا اپنے سامان سے فرسٹ ایڈ باکس نکالنے لگا۔ پھر اُس نے قریب آکر کہا۔

"سیلر! میں اس لئے تمہارے کام آرہا ہوں کہ تم ہمارے کام آؤ گے۔ اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور کسی مقام پہ دھوکہ دینے کی کوشش کی تو میں....."

سیلر نے جلدی سے کہا۔

"نن۔ نہیں۔ میں کبھی دھوکہ نہیں دوں گا۔ تم جو کہو گے، وہ کروں گا...."

مگر اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ وہ چمپینزی کو کیبن میں پہنچانے کے بعد انتقام لے گا۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔

"مارلن اگر سونیا کے ہاتھوں ہلاک ہو جائے گا تو سونیا اِدھر واپس کیسے آئے گی۔ اگر نہیں آئے گی تو یہ پاگل کا بچہ مجھے مار ڈالے گا۔"

"آں۔ ہاں۔" وہ اپنے طور پہ گھبرا کر سوچنے لگا۔" اوّل تو مارلن ایسا کمزور نہیں ہے کہ ایک عورت سے مار کھا جائے وہ میری مدد کے لئے ضرور آئے گا۔"

میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا۔

"ہاں ضرور آئے گا لیکن تاریک پہلو پہ بھی نظر رکھنا چاہیئے۔ یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ سونیا مارلن پہ غالب آسکتی ہے۔"

اس کی سوچ نے کہا۔" تو پھر غالب آکر بھی بُری طرح پھنسے گی۔ اس علاقہ میں ہم جیسے لوگوں کو بھی راستوں کا علم نہیں ہوتا۔ ہم باہر نکلنے کے بعد کیبن کے ریڈیو آپریٹر سے ٹرانسمٹر کے ذریعہ رابطہ قائم کرتے ہیں اور جب ہمیں کیبن کی طرف واپس جانا ہوتا ہے تو ہم کتوں کی لگام ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کتے اپنی پناہ گاہ میں رکھی ہوئی خوراک کو سونگھ کر ہمیں کیبن تک پہنچا دیتے ہیں۔"

مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ کیبن تک کس طرح پہنچا جاسکتا ہے فی الحال میں سونیا کو کیبن کی طرف جانے کا مشورہ نہیں دے سکتا تھا۔ میں نے سیلر کی سوچ میں کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہونے والا ہے۔ اگر سلیج کے کتے سونیا کو کیبن کی طرف لیجائیں گے۔ تو پھر میں کیبن کا راستہ کیسے معلوم کروں گا؟"

وہ اپنا سر پیٹتے ہوئے سوچنے لگا۔

"یہ میں کیسی احمقانہ باتیں سوچ رہا ہوں۔ جبکہ میں جانتا ہوں کہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کیبن والوں کو اطلاع دوں گا تو وہ مجھے واپس لے جانے کے لئے کتوں کی راہنمائی میں میرے پاس پہنچ جائیں گے۔"

یہ سوچتے ہی اُس نے ایک زور کی چیخ ماری۔ پتہ چلا کہ چمپینزی بڑی بےرحمی سے اس کی ٹانگ سے گولی نکال رہا تھا۔ میں نے اسے اُس کے حال پہ چھوڑ دیا۔ پھر سونیا کو دیکھنے لگا۔ وہ سلیج پر بیٹھی تیزی سے کہیں چلی جارہی تھی میں نے پوچھا۔

"یہ تم کہاں جارہی ہو؟"

اس نے جواب دیا۔" ابھی کچھ کہہ نہیں سکتی۔ میں نے کتوں کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی ہے۔ یہ خود ہی بھاگے جارہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ سیلر کو پہچانتے ہیں۔ اسی طرف جارہے ہیں۔"

"نہیں سونیا! انہیں فوراً روکو۔ انہیں ڈھیل دی جائے تو یہ سیدھے کیبن کی طرف جاتے رہیں گے۔"

وہ لگام کو کھینچ کر انہیں روکنے کی کوشش کرنے لگی گاڑی رکتے رکتے ذرا اور دور چلی گئی۔ تب اُس نے حدِّ نظر تک دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"فرہاد! یہ تو کمال ہو گیا!"

دوسروں کی دیکھنے والی آنکھیں اور سوچنے والا دماغ مجھے پلک جھپکتے ہی بتا دیتا ہے کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں اور وہ کس بات پر حیران ہیں۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"کون سا کمال ہو گیا میری جان؟"

وہ جوشیلے انداز میں بولی۔

"مجھے وہ طیارہ نظر آرہا ہے۔ میں طیارے کے قریب پہنچ گئی ہوں۔"

"ویری گڈ۔ ایک منزل طے ہو گئی۔ میں چمپینزی کو وہاں پہنچا دوں گا۔"

"اُس کے آنے تک میں کیا کروں؟"

"میں نے پوچھا دیپک راگ آتا ہے۔؟"

اُس نے پوچھا۔" یہ دیپک راگ کیا ہوتا ہے۔؟"

"یہ آگ لگانے والا گانا ہے۔ اگر تم تان لگاؤ گی تو چاروں طرف دیئے جل اٹھیں گے۔ پھر تمہیں سردی نہیں لگے گی۔"

"ہاں تم میرا مذاق اڑاؤ گے۔ کیونکہ خود بڑے آرام سے کہیں بیٹھے یا لیٹے ہو۔"

"تم نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا کہ میں منیلا کے گرم علاقے میں ہوں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے اور چمپینزی کے دماغ میں آشیانہ بنانے کے دوران خود کو برفانی علاقہ میں پا رہا ہوں۔ تم لوگوں کے احساسات کو اپنا کر خود بھی سردی سے ٹھٹھر رہا ہوں۔ کیونکہ انسان اپنے دماغ سے زمانے کی سردی گرمی محسوس کرتا ہے اور میرا دماغ تم لوگوں کے پاس ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تمہارے خیال کے مطابق میں آرام سے نہیں ہوں۔"

"تم یہ دماغ کے کھیل مجھے نہ سمجھاؤ۔ یہاں میں کب تک لگام تھامے بیٹھی رہوں گی۔ اگر ڈھیل دوں گی تو یہ کتے پھر بھاگنے لگیں گے۔"

"جانِ من! لگام کو مضبوطی کے ساتھ سلیج سے باندھ دو۔ تاکہ انہیں ڈھیل نہ ملے۔ اگر سلیج میں رسیاں یا چمڑے کے تسمے ہوں تو کتوں کے پچھلے دو دو پاؤں باندھ دو۔ پھر وہ کہیں نہیں جاسکیں گے۔"

"کیا خوب مشورہ دے رہے ہو۔ کیا وہ مجھے نہیں کاٹیں

گے ؟"

"انسان انسان کو کاٹتا ہے۔ وہ تو پھر کتے ہیں۔ کوشش کرنے میں کیا ہرج ہے ؟ اب میں چمپینزی کو تمہاری طرف روانہ کرتا ہوں۔"

میں اُس سے رخصت ہو کر چمپینزی کے پاس آ گیا وہ اناڑی ڈاکٹر بن کر سیلر کا آپریشن کر رہا تھا۔ اس کی ٹانگ سے گولی نکل چکی تھی۔ مگر وہ بے چارہ بیہوش ہو چکا تھا میں نے چمپینزی کی سوچ میں کہا۔

"یہ بیہوش ہو چکا ہے۔ مجھے اس کی تلاشی لینی چاہیئے۔ شاید کوئی کام کی چیز نکل آئے۔"

وہ تلاشی لینے لگا۔ میرا مقصد تھا کہ سیلر کے پاس ٹرانسمٹر نہ رہے۔ وہ مقصد پورا ہو گیا۔ چمپینزی نے اس کی جیب سے پاکٹ سائز ٹرانسمٹر نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اُس کی دوسری جیب سے مقناطیسی آلہ برآمد ہوا۔ وہ اس آلے کی مدد سے طیارے کی طرف جا رہے تھے۔ چمپینزی نے اسے بھی رکھ لیا۔ پھر وہ سونیا کے لئے سوچنے لگا۔

"ممی کہاں رہ گئیں ؟ ابھی تک کیوں نہیں آئیں ؟ میں انہیں کہاں تلاش کروں ؟"

"میں پھر پریشان ہو رہا ہوں۔ ممی بظاہر سونیا کے روپ میں ہیں لیکن دراصل وہ ایک روح ہیں۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

اس کی سوچ نے کہا۔

"ایک روح کے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہئے پہلی بار انہوں نے مجھے پکارا تھا۔ اب کیوں نہیں پکارتیں؟"

اس کی سوچ پڑھ کر میں اُلجھ گیا۔ وہ درست سوچ رہا تھا۔ مگر جتنی دانائی سے وہ سوچ رہا تھا۔ اتنی ہی زیادہ وہ احمق بنایا جا سکتا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"شاید میں انہیں آواز دوں تو اُن کی طرف سے جواب مل سکتا ہے....."

یہ خیال آتے ہی وہ زور زور سے چیخنے لگا۔ ممی۔ ممی کی آواز چاروں طرف گونجنے لگی۔ میں نے سونیا کا لہجہ اختیار کر کے اُس کے دماغ میں اُسے پکارا۔

"چمپینزی۔۔۔ میرے بیٹے۔۔۔۔ تمہاری پکار سے ماں کا کلیجہ ہلنے لگا ہے۔ مجھے آواز نہ دو۔ میں خیریت سے ہوں..."

وہ خوش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اُس نے پوچھا۔

"ممی ! آپ کہاں ہیں ؟ میرے پاس کیوں نہیں آتیں ؟"

میں نے سونیا کی طرف سے جواب دیا۔

"بیٹے ! میں انسانی جسم میں پناہ لینے کے بعد مجبور ہو گئی ہوں۔ سونیا کا یہ جسم کسی راہنمائی کے بغیر تمہارے پاس نہیں آ سکے گا۔"

"کیسی عجیب بات ہے ممی ! آپ یہاں نہیں آ سکتیں مگر آپ کی آواز میرے دماغ میں گونج رہی ہے۔"

"ہاں بیٹے ! ماں کی یہ آواز صرف تم ہی سن سکتے ہو۔ یہ روحانی قوتیں بھی عجیب ہوتی ہیں۔ میں خود نہیں سمجھ سکتی تمہیں کیسے سمجھاؤں ؟ بہر حال میں طیارے کے قریب پہنچ گئی ہوں تم مقناطیسی آلے کی مدد سے یہاں فوراً چلے آؤ۔ میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"او کے ممی ! میں آ رہا ہوں...."

وہ بیہوش سیلر کو کاندھے پر لاد کر سلیج کے پاس آیا پھر اُسے سلیج کے سامان پر لٹا دیا۔ اس نے اور سونیا نے مارلن کے حکم پر جو ہتھیار پھینکے تھے۔ انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ تاکہ وہ سیلر کے ہاتھ نہ لگیں۔ پھر اُس نے مقناطیسی آلے کی سوئی کو دیکھا۔ اُس کے بعد سلیج کی لگام تھام کر طیارے کی سمت بڑھنے لگا۔

میں اس سے پہلے ہی سوچ کی رفتار سے سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ کتوں کے پچھلے پاؤں باندھ چکی تھی۔ میں نے پوچھا۔ "ہیلو ! کام ہو گیا ؟"

"ہو گیا۔۔۔ میں تو ڈر رہی تھی کہ یہ کاٹیں گے۔ مگر یہ بڑی شرافت سے پیش آئے۔"

"یہ اپنے رشتے داروں کے ساتھ اسی طرح پیش آتے ہیں۔"

"اے بکواس نہ کرو۔ اگر تم سامنے ہوتے تو کوئی چیز پھینک کر مارتی ...."

"اتنی دور سے بھی پھینک سکتی ہو۔ میں ایک ہائے کے ساتھ مر جاؤں گا۔"

وہ مسکرانے لگی۔ پھر سنجیدگی سے بولی۔

"فرہاد ! ایسی باتیں نہ کرو کہ تمہاری قربت کے لمحات یاد آ جائیں۔ میں بے چین ہو جاتی ہوں۔ مجھے ان ہنگاموں میں الجھا رہنے دو۔ پتہ نہیں کب ملیں گے۔"

"یہ سب ملنے کی ہی کوششیں ہیں۔ جب بھی خدا کو منظور ہو گا۔ ہم اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے" وہ ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہو گئی۔ میں نے کہا۔

"دنیا کے گرم علاقوں میں سرد آہیں بھری جاتی ہیں تمہیں وہاں گرم آہیں بھرنی چاہئیں۔"

وہ مسکرا کر سر جھٹکتی ہوئی بولی۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"اور میں تمہیں فراق کی ماری محبوبہ کے موڈ میں دیکھنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ چلو ذرا ہنس کر دکھاؤ۔۔۔"

"میں نہیں ہنسوں گی۔ کوئی زبردستی ہے ؟"

"اس کا جواب تمہیں ابھی مل جاتا ہے۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس کی زنانہ سوچ میں ہنسنا شروع کیا۔ اب وہ اپنے دماغ کو نہیں روک سکتی تھی۔ بے اختیار ہنسنے لگی۔ ہنسنے کے دوران اس نے خود پر قابو پانا چاہا۔ میں نے کہا۔ "اب میں منہ کھول کر ہا ہا ہا ہا۔۔۔"

وہ بے ساختہ منہ کھول کر قہقہے لگانے لگی۔ ہی ہی ی۔۔۔ ہو ہو ہو۔۔۔ ہاہاہا۔۔۔ اُس نے ہنستے ہنستے پیٹ پکڑ لیا۔ پھر شکست خوردہ انداز میں سر جھٹکتی ہوئی بولی۔

"بس کرو۔ بس کرو فرہاد کے بچے ...."

میں نے اُس کے دماغ کو آزاد چھوڑ دیا۔ وہ گہری گہری سانس لیتی ہوئی بولی۔

"یہ کیا بدمعاشی ہے ؟"

"میں یہ ثابت کر رہا ہوں کہ وفادار عورتیں اپنے مرد کے ساتھ روتی ہیں اور اپنے مرد کے ساتھ ہنستی ہیں۔ جیسا کہ تم نہ چاہنے کے باوجود میرے ساتھ ہنس رہی تھیں۔"

وہ فضا میں گھونسہ دکھاتی ہوئی بولی۔

"میرا بس چلے تو میں تمہارے اس ٹیلی پیتھی والے دماغ کو ایک گھونسے میں توڑ دوں۔"

میں رومانی انداز میں پھر فقرہ چست کرنا چاہتا تھا۔ پھر خیال آیا کہ وہ سنجیدہ ہو جائے گی۔ اور خیالوں کی سیج پر بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہے گی۔ میں نے اُس سے کہا

"اچھا اب میں تمہیں زبردستی نہیں ہنساؤں گا۔ چلو ایک بار اپنی خوشی سے میرے لئے ہنس دو۔"

"جب میں تمہارے لئے روتی ہوں تو ہنس بھی سکتی ہوں۔ ہاہاہا۔۔۔"

جیسے وہ دل کھول کر اپنے آپ کو میرے حوالے کر دیتی تھی۔ اسی طرح دل کھول کر میرے لئے ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔

"میں تمہاری اس مترنم ہنسی کو اپنے دل کی تجوری میں رکھ کر اب تھوڑی دیر کے لئے تم سے رخصت ہوتا ہوں۔"

"اب تمہارا دماغ کہاں جا رہا ہے ؟"

"جہاں میرا جسم ہے۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ مجھے اپنے ماحول کی بھی خبر رکھنی چاہیئے۔"

"ہاں یہ تو ضروری ہے۔"

"دیکھو سونیا ! مجھے واپسی میں دیر بھی ہو سکتی ہے اس لئے تم ضروری باتیں ذہن نشین کر لو۔ پہلی بات یہ کہ میں نے چمپینزی کے دماغ میں اس کی ممی بن کر یہ خبر پہنچائی ہے کہ تم طیارے کے پاس پہنچ چکی ہو۔ لہٰذا وہ آتا ہی ہو گا۔

دوسری بات یہ کہ چمپینزی کے پاس ٹرانسمٹر ہے اُس کے ذریعہ کیبن والوں سے رابطہ قائم ہو سکتا ہے۔ اُسے تم اپنے پاس حفاظت سے رکھو۔ چمپینزی سے ریوالور بھی لے لو۔

تیسری بات یہ کہ سیلر جب تک کام کا آدمی ہے اُسے زندہ رکھو۔ میں اس کی سوچ پڑھ چکا ہوں۔ اُس سے کبھی وفاداری کی امید نہ رکھنا۔

چوتھی بات یہ کہ تم کبھی طیارے کے اندر نہ جانا۔ مارلن کا جو لباس اور جوتے تم نے حاصل کئے ہیں۔ انہیں چمپینزی کے ہاتھ میں طیارے میں بھیجنا تاکہ طیارے کے مسلح جوانوں میں سے کوئی ایک ہی جوان وہ لباس اور جوتے پہن کر باہر آ سکے۔ اس طرح تم ایک ایک دشمن کو باری باری شکار کر سکو گی۔

سونیا نے کہا۔ "ہاں یہ اچھی پلاننگ ہے۔ میں اس پر عمل کروں گی۔"

"اچھا تو پھر جاؤں ؟"

"ہائے ! کس دل سے کہوں کہ جاؤ۔" پھر اس کے پھڑکتے ہوئے لبوں نے میری ٹیلی پیتھی کا منہ چوم لیا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دماغ کی اسکرین سے برفانی علاقے کے مناظر گم ہو گئے۔

بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی ایک جھونپڑی تھی جھونپڑی کے ایک کمرے کی ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ایک جالی دار جھولا تنا ہوا تھا۔ اُس جھولے پر میں آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ مجھے یہاں آکر یوں لگا جیسے میں کسی ایئر کنڈیشنڈ کمرے سے نکل کر باہر کی گرم فضا میں سانس لے رہا ہوں۔ ٹیلی پیتھی کے موسم اسی طرح پلک جھپکتے ہی بدل جاتے ہیں۔

میں نے تھوڑی دیر اس جھولے میں لیٹ کر منزا کو یاد کیا۔ جو میری منہ بولی بہن تھی اور دلہن بن کر اس جھونپڑی سے رخصت ہو چکی تھی۔ پھر میں نے سوچا کہ اس کے شوہر ناموادا کے دماغ میں جھانک کر دیکھوں۔ شاید وہ میرے متعلق اپنا فیصلہ بدل رہا ہو۔ پھر یہ خیال آیا کہ ابھی پچھلی رات منزا اس کی دلہن بنی ہے۔ وہ لوگ پیار بھرا وقت گذار رہے ہوں گے۔ مجھے ان کے دماغ میں نہیں جھانکنا چاہیئے۔

میں جھولے سے اُتر کر کھڑکی کے پاس آیا۔ اُسے کھول کر دیکھا تو باہر دھوپ چمک رہی تھی۔ میری رسٹ واچ دن کے دس بجا رہی تھی۔ میں نے کھڑکی دوبارہ بند کر دی۔ وہاں سے چلتا ہوا باتھ روم میں گیا۔ پندرہ منٹ بعد باتھ روم سے نکل کر دوسرے کمرے میں پہنچا۔ منزا کی بوڑھی ماں نے مجھے دیکھتے ہی اشاروں کی زبان میں پوچھا۔

"کچھ کھاؤ گے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ میں نے اُسے پانچ ڈالر نکال کر دیئے۔ تاکہ وہ میرے لئے سگریٹ منگوا دے اُس نے اشاروں میں بتایا کہ پیسوں کی ضرورت نہیں ہے ناموادا میری ضرورت کی ہر چیز یہاں فراہم کر چکا ہے کھانے کے بعد میں نے بوڑھی عورت کو اشاروں میں سمجھایا کہ اب میں پھر آرام کرنے جا رہا ہوں۔ میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔

میں ویسے بھی منزا اور ناموادا کی طرف سے مطمئن تھا کہ وہ ہنی مون منانے میں مصروف رہیں گے۔ شاید وہ چار روز ادھر کا رُخ نہ کریں۔ میں نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کیا۔ پھر ایک سگریٹ سلگا کر ایزی چیئر پر بیٹھ گیا۔ وقت بڑا مہربان تھا۔ مجھے دماغ کی اسکرین پر تماشے دیکھنے کی اجازت دے رہا تھا۔ لہٰذا میں آنکھیں بند کرکے اپنی سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

اس بار میں نے سونیا کو اپنی آمد کی اطلاع نہیں " یہ تو بہت اچھا ہوا ممی کہ آپ کو سونیا کا جسم مل گیا۔
ارادہ یہ تھا کہ چپ چاپ تماشہ دیکھتا رہوں گا۔ سونیا ہمیں آپ کی طرف سے مطمئن رہوں گا۔ مگر یہ بات سمجھ
سے اپنے طور پر کس طرح نمٹتی ہے، یہ بھی دیکھتا رہا ہمیں آئی کہ میں پہلی بار آپ کو ہاتھ کیوں نہیں لگا سکتا
علاقے میں پہنچتے ہی میں نے سونیا کے دماغ سے چمپینزی... اوہ ہاں۔ یاد آگیا۔ تیری بھی کھوپڑی کیا ہے۔ میں
آواز سنی۔ وہ دور سے اپنی ممی کو پکار رہا تھا۔ وقت اپنی ممی سے گستاخی کر رہا تھا۔ اب کبھی نہیں کروں
وہ چمپینزی کی آواز سن کر چاروں طرف دیکھ...."
اندازہ کرنے لگی کہ وہ کس سمت سے آ رہا ہے۔ پھر سونیا نے مسکرا کر پوچھا۔
جواب دیا۔ "اب تم بتاؤ۔ سیلر کہاں ہے؟"
"چم پے زی.... میرے بیٹے! میں طیارے کے میں نے اُس کے پاؤں سے گولی نکالی تو وہ بیہوش
موجود ہوں۔ تم شاید طیارے کے دوسری طرف ہوگیا۔ اب ہوش میں ہے اور سلیج پر آرام سے لیٹا ہوا
دروازے کی طرف آجاؤ...." اُس کے پاس ایک ٹرانسمیٹر اور مقناطیسی آلہ تھا۔
"میں نے چمپینزی کے پاس پہنچ کر دیکھا۔ سونیا نے رکھ لیا ہے۔"
درست تھا۔ وہ طیارے کے قریب پہنچ کر بھٹک رہا وہ دونوں چیزیں مجھے دے دو۔ اور ایک
سونیا نے سمجھایا تو اُسے عقل آئی کہ طیارے کے چاروں طرف بھی...."
گشت کرنا چاہیئے۔ وہ برف گاڑی کو کھینچتا ہوا، طیارے چمپینزی نے بلا چون و چرا سب کچھ اُسے دیدیا۔ پھر
اگلے حصّہ کی طرف سے گھوم کر دروازے سے کچھ فاصلے ... نے کہا۔
تو اُسے برف کی دھند میں لپٹی ہوئی سونیا نظر آگئی۔ "اب تم طیارے کے دروازے پر جاکر دستک دو
"او مائی ڈارلنگ ممی ...." وہ دوڑتا ہوا آیا اور انہیں یہ بتاؤ کہ تم نے سونیا کو مار ڈالا ہے اور اب اس
کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر قہقہے لگاتا ہوا بولا۔ طرح تمہارا پیچھا کر رہی ہے...."
میری ممی کتنی دلیر ہیں۔ مجھے بتایئے ممی! آپ نے یہاں میں سونیا اور چمپینزی کو چھوڑ کر طیارے کے اندر
کس طرح پیچھا چھڑایا۔ یقیناً آپ نے روحانی عمل کیا گیا۔ وہاں رابرٹ، آرتھر اور مائیک کے علاوہ دو
اسے ہلاک کیا ہوگا۔" ان تھے، جن کے نام میں نہیں جان سکا۔ وہ پانچوں
سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ ن طیارے کے اندر ادھر سے اُدھر چل رہے تھے
"نہیں بیٹے! ایک مادّی جسم میں سمانے کے بعد ورسے باتیں کر رہے تھے تاکہ ان کے بدن میں
روحانی قوتوں سے کام نہیں لے سکتی۔ میں حیران ہی بہت حرارت پہنچتی رہے۔ آرتھر نے اپنی ٹیم کے
سونیا کیسی خطرناک فائٹر تھی۔ دیکھو نا، جسم تو اسی نے کہا۔
لڑنے والے ہاتھ پاؤں بھی اس کے ہیں اور یہ تیز "رابرٹ! ہم یہاں چھ گھنٹے گزار چکے ہیں۔ اب تک
والا دماغ بھی اس کا ہے۔ بس اس دماغ سے رائے ہماری مدد کے لئے نہیں آیا۔ کیا کیبن والوں نے
گئے۔ یہ دونوں ہاتھ اُس کی مرمت کرتے رہے۔ ہوائی جہاز کے گرنے کی آواز نہیں سُنی ہے؟"
نے مجھے سمجھایا کہ مارلن کو دونوں ٹانگوں پر رکھ کر رابرٹ نے پریشان ہو کر کہا۔
باہر پھینکتے وقت اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لینی چاہئیں کیبن تک ضرور آواز پہنچی ہوگی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ
میں نے دماغ کی ہدایت پر عمل کیا تو مارلن سلیج کے ہمیں نظر انداز کیوں کر رہے ہیں۔ کوئی بات نہیں
برف پر اوندھے منہ گھسٹتا چلا گیا...." ہر ایک گھنٹہ انتظار کروں گا۔ اس کے بعد میں
وہ کہتی رہی۔ چمپینزی سنتا رہا کہ مارلن برف...."
سطح سے کس طرح رگڑ کھاتا ہوا مر گیا۔ تمام باتیں اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی باہر سے آواز
بعد اس نے کہا۔ ی۔ کوئی دروازے کو پیٹ رہا تھا۔ وہ سب خوشی

سے اچھل پڑے "آگئے۔ وہ لوگ آگئے ...."

مائیک جیب سے چابیاں نکالتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ رابرٹ نے اسٹین گن سنبھال لی۔ ایک نوجوان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"رابرٹ! اس علاقہ میں ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے کیا تم اسٹین گن سے آنے والے دوستوں کا استقبال کرو گے؟"

رابرٹ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"کون جانتا ہے کہ آنے والا وقت دوست ہوتا ہے یا دشمن؟ کیا اپنے علاقے میں، اپنے گھر میں اپنے ہی دشمن نہیں ہوتے؟ میری بات سمجھ میں نہ آئے تو اتنا ہی سمجھ لو کہ میں محتاط رہنے کا عادی ہوں۔"

دروازہ کھل گیا۔ اُس کے ساتھ ہی تیز ہوا کا جھونکے اور برف کے ذرّات اندر آنے لگے۔ باہر کی دھند میں ایک دیو قامت انسان نظر آ رہا تھا۔ اسنو ماسک کے باعث وہ چہرے سے پہچانا نہیں جاتا تھا لیکن ان لوگوں نے اس کے ڈیل ڈول سے اُسے پہچان لیا۔ رابرٹ نے بلند آواز سے پوچھا۔

"چمپینزی! یہ تم ہو؟"

اُس نے چہرے سے ہُڈ اٹھا کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے فوراً اندر آنے دو۔ میں بہت مصیبت میں گرفتار ہوں۔"

طیارہ برف میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کے باوجود اس کا دروازہ تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر تھا۔ چمپینزی اتنا وزنی لباس پہن کر اپنے دو سو اسی پونڈ کا وزن لے کر اوپر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ اس کے لئے جہاز کی ایک لانبی سیٹ کا تختہ اکھاڑا گیا۔ پھر اُسے دروازے سے برف کی سطح تک بچھا دیا گیا۔ جب وہ اندر آگیا تو فوراً ہی دروازے کو بند کر دیا گیا۔ کیونکہ باہر سے آنے والی سرد ہوا ناقابلِ برداشت تھی۔ رابرٹ نے پوچھا۔

"تمہیں کیبن کی طرف جانا تھا۔ یہاں کیسے آگئے؟"

چمپینزی نے مارلن کا لباس اور جوتے ان کے آگے پھینکتے ہوئے کہا۔

"باہر موت میرا تعاقب کر رہی ہے۔ میں بھٹکتا ہوا یہاں آگیا ہوں۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟ صاف صاف کہو؟"

"میں کیا کہوں۔ جبکہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے

مجھے سردی لگ رہی ہے۔ کافی پلاؤ۔"

اس کے لئے فوراً ہی تھرماس سے کافی نکالی گئی۔ رابرٹ نے پوچھا۔

"کیا تم نے سونیا کو ہلاک کر دیا؟"

"کر دیا..." اُس نے کافی کا ایک گھونٹ لیا۔

"پھر تم پریشان کیوں ہو؟ موت کس طرح تمہارا تعاقب کر رہی ہے؟"

اُس نے ایک اور گھونٹ پینے کے بعد کہا۔

"موت تو بعد میں آئے گی۔ ابھی تو اس کی رُوح پیچھا کر رہی ہے۔"

"کیا بک رہے ہو؟" رابرٹ نے ڈانٹ کر پوچھا۔ چمپینزی نے کافی کی پیالی کو فرش پر پٹخ کر غصّہ سے کہا۔

"اے تم مجھے ڈانٹ رہے ہو۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

رابرٹ کو فوراً ہی عقل آ گئی کہ اس کے سامنے ایک پاگل ہاتھی ہے۔ اسے چاپلوسی سے رام کرنا ہوگا۔ اُس نے فوراً ہی عاجزی سے کہا۔

"سوری ماسٹر چمپینزی! مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مگر دیکھو نا، تم ایسی بات کر رہے ہو، جسے کوئی بھی ذہین آدمی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ روح کوئی چیز نہیں ہوتی۔"

"نہیں ہوتی ہوگی۔ مگر سونیا کی روح باہر موجود ہے۔"

کیا مطلب؟" وہ سب ہی چونک کر بند دروازے کی جانب دیکھنے لگے۔ بند دروازے کے باہر سونیا نظر نہیں آ سکتی تھی لیکن وہ لوگ تصور میں اس مصیبت کو پھر زندہ دیکھ رہے تھے۔ رابرٹ نے پھر خوشامدانہ لہجہ میں کہا۔

"ماسٹر چمپینزی! تم بہت سمجھدار ہو۔ مصیبت کے وقت کبھی پریشان نہیں ہوتے۔ اب بھی تمہیں پورے ہوش و حواس کے ساتھ گفتگو کرنی چاہیئے۔"

"میں پورے ہوش و حواس میں ہوں۔ یقین نہ ہو تو باہر جا کر دیکھ لو۔"

"ہم دیکھیں گے۔ اگر سونیا موجود ہوگی تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ تم نے اُسے ہلاک نہیں کیا ہے۔"

"کیا میں جھوٹ کہتا ہوں۔ میں اپنے ان دو ہاتھوں سے اس وقت تک اُس کا گلا گھونٹتا رہا۔ جب تک کہ اُس کا دم نہیں نکل گیا۔ یہ ہاتھ فولاد کے ہیں۔ یقین نہ آئے تو کوئی اپنی گردن پیش کرے۔"

وہ گلا گھونٹنے کے انداز میں اپنے فولادی ہا[تھ] کو آگے بڑھا کر ایک ایک کا منہ تکنے لگا۔ سب [سہم] گئے۔ آرتھر نے کہا۔

"ماسٹر! ہمیں تمہاری طاقت کا اندازہ ہے [لیکن یہ] بھی ہو سکتا ہے کہ گلا گھونٹنے کے دوران سونیا نے [سانس] روک لی ہو۔ اور تمہیں دھوکہ دینے کے لئے مردہ [بن گئی ہو]۔"

"کبھی نہیں۔ اسے مار ڈالنے کے بعد میں نے [اس کی] نبض دیکھی تھی۔ میں اناڑی نہیں ہوں، میں نے اُسے [برف] میں دفن کر دیا تھا۔ پھر آدھ گھنٹہ تک وہاں کھڑا رہا۔ [کیا کوئی برف] کی قبر میں آدھ گھنٹہ تک سانس روک سکتی ہے۔؟"

وہ سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ [...] کے دماغ میں موجود تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"یہ پاگل کا بچہ ہمارا دماغ خراب کرنے آ گیا ہے۔ کیسے یقین کروں کہ سونیا کا گلا گھونٹنے کے بعد اور [دفن] کرنے کے بعد بھی وہ زندہ ہو گئی۔ اُسے ہلاک کرنے [کے] دوران چمپینزی سے ضرور کوئی غلطی ہو گئی ہے۔"

آرتھر نے چمپینزی سے پوچھا۔

"اچھا تو آدھ گھنٹے بعد وہ برف کی قبر سے [زندہ نکل] آئی؟"

چمپینزی نے جواب دیا۔

"نہیں، میں آدھ گھنٹہ بعد وہاں سے آگے بڑھ [کر تھوڑی] دور جانے کے بعد میں نے دیکھا۔ وہ چند قدموں [کے فاصلے] پر میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ میں اُسے دیکھ کر [...] وہ میرے قریب آتی ہوئی بولی۔

"تم مجھے نہیں مار سکتے۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر [...] کے بعد اب میری روح اپنے تمام دشمنوں سے انتقا[م] لے گی۔"

چمپینزی نے ٹیلسکوپ لگی ہوئی گن کو ہاتھوں [میں] لے کر کہا۔

"پھر میں نے اپنی یہ گن سنبھال لی۔ وہ میرے قر[یب] تھی۔ میرا نشانہ چوک نہیں سکتا تھا۔ میں نے اُس [...] کا نشانہ لے کر فائر کیا۔ مگر یہ دیکھ کر میری حیرانی کی [انتہا] نہ رہی کہ وہ زندہ کھڑی رہی تھی۔"

رابرٹ کے سوا تمام سننے والوں نے یوں سان[س روک] لی تھیں جیسے یہ واقعہ ان کی نگاہوں کے سامنے ہو ر[ہا ہو]۔

رابرٹ بہت ہی مضبوط قوتِ ارادی کا مالک تھا۔ اپنے نظریات سے ہٹ کر کبھی کسی روح کی موجودگی تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ مائیک نے پوچھا۔

"ماسٹر! ہو سکتا ہے کہ تمہارا نشانہ چوک گیا ہو؟"

"ہاں۔ میں نے بھی یہی سوچ کر پھر پے درپے فائرنگ کی۔ مگر وہ میرے سامنے قہقہے لگاتی رہی۔"

رابرٹ چپ چاپ اُسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا اُس آہستگی سے پوچھا۔

"ماسٹر چمپینزی! تمہارا ریوالور کہاں ہے؟"

"سونیا کے پاس ہے۔"

"تم نے اُسے دیا ہے؟"

"ہاں۔ نن۔ نہیں۔ اُس نے مجھ سے چھین لیا۔۔۔"

"اچھا تو وہ روح ریوالور چلانا جانتی ہے؟"

"ہاں۔ جانتی ہے۔"

"تو پھر اس نے تمہیں زندہ کیوں چھوڑ دیا؟"

"وہ کہتی ہے کہ پہلے تم سب کو ہلاک کرے گی، آخر میں مجھے مارے گی۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو طیارے سے باہر نکالوں۔"

"اگر ہم باہر جانے سے انکار کریں تو؟"

چمپینزی نے پوچھا۔ "مگر ہم یہاں کب تک قید رہ سکتے ہیں؟"

رابرٹ نے کہا۔ "جب تک کیبن سے مدد نہ پہنچے۔"

"اُس امداد کو تو اُس نے باہر ہی ختم کر دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ لوگ پھر ایک بار چونک کر چمپینزی کو تکنے لگے۔

"مطلب یہ کہ کیبن سے دو شخص سلیج پر بیٹھ کر ادھر آ رہے تھے۔ سونیا نے ان کا راستہ روک لیا۔ ان میں سے ایک کا نام سیلر ہے اور دوسرے کا نام مارلن تھا۔ اُس نے سیلر کی ٹانگ پر گولی چلائی۔ پھر مارلن سے مقابلہ کرتے وقت سلیج پر گر پڑی۔ وہ دونوں سلیج پر لڑتے ہوئے دور چلے گئے۔ میں نے موقعہ پا کر سیلر کی ٹانگ سے گولی نکالی پھر اسے اپنے سلیج پر ڈال کر یہاں بھاگتا چلا آیا۔"

"اچھا تو سونیا، مارلن سے لڑتی ہوئی کہیں دور چلی گئی ہے؟"

"نہیں۔ وہ تو میرا پیچھا چھوڑنا ہی نہیں چاہتی۔ میرے آنے سے پہلے ہی وہ یہاں پہنچ گئی۔ اُس نے مارلن کے کپڑے اور جوتے مجھے دیکر کہا کہ یہ میں تم لوگوں تک پہنچا دوں۔"

وہ سب فرش پر پڑے ہوئے کپڑے اور جوتوں کو پریشانی سے دیکھنے لگے۔ رابرٹ نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ماسٹر چمپینزی! روحوں کے متعلق تمہارا اپنا ایک عقیدہ ہے۔ میں اس سے انکار کروں گا تو تم ناراض ہو جاؤ گے۔ لہٰذا میں تمہارے عقیدہ کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے نظریات کے مطابق اپنے ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ سونیا ابھی تک زندہ ہے۔ روح کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ نادیدہ شئے ہے۔ اُسے کوئی چھو نہیں سکتا جبکہ سونیا مارلن سے باقاعدہ لڑتی رہی تھی۔ بہرحال میں ماسٹر چمپینزی کے سامنے اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اب ہم میں سے ایک آدمی یہ لباس اور جوتے پہن کر باہر جائے گا۔ ماسٹر چمپینزی! تم اپنا اسنو ماسک اور چشمہ ہمیں دے دو۔"

چمپینزی اپنے چہرے سے اسنو ماسک اتارنے لگا۔ رابرٹ نے باہر جانے کے لئے آرتھر کا انتخاب کیا۔ آرتھر جہاز کے ایک گوشہ میں جا کر کپڑے پہننے لگا۔ رابرٹ نے قریب آ کر سرگوشی میں کہا۔

"آرتھر! مجھے شبہ ہے کہ وہ مکّار عورت چمپینزی کو بیوقوف بنا رہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اُس نے بڑی مکاری سے اس پاگل کو دوست بنا لیا ہو۔ باہر سونیا سے سامنا ہو تو اُسے دھمکی دینا کہ اگر وہ تمہیں ہلاک کرے گی تو طیارے کے اندر اس کے دوست چمپینزی کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ شاید اس دھمکی سے ہمارا کام بن جائے اور وہ ہتھیار پھینک دے۔"

بلاشبہ رابرٹ بہت ذہین تھا کہ چمپینزی جیسے احمق کی جان بچانے کے لئے سونیا ہتھیار نہیں پھینکے گی۔ لیکن وہ اس سوچ کے برعکس پلاننگ کر رہا تھا۔ اور یہ تو میں ہی سمجھ سکتا تھا کہ سونیا نے اگرچہ مکاری سے چمپینزی کو بیٹا بنایا تھا۔ تاہم اس رشتے کو نبھاتے وقت وہ مکار نہیں بن سکتی تھی۔ وقت آنے پر چمپینزی کے لئے ہتھیار بھی پھینک سکتی تھی۔

آرتھر لباس، جوتے اور اسنو ماسک پہننے کے بعد دروازے پر آ گیا۔ اس کے لئے دروازہ کھول دیا گیا

پھر وہ اپنے ایک ساتھی سے اسٹین گن لے کر باہر جانے لگا چمپینزی پریشان ہو کر سوچ رہا تھا کہ اسٹین گن سے اُس کی ممی کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"میرے چہرے سے پریشانی ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ رابرٹ بہت چالاک ہے۔ میری پریشانی کو بھانپ لے گا۔ مجھے بالکل مطمئن رہنا چاہیئے۔ ممی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ اپنے آپ پر قابو پانے لگا۔ اس کی طرف سے مطمئن ہو کر میں طیارے کے باہر آرتھر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ باہر ایسی تیز ہوائیں چل رہی تھیں جیسے کوئی بدروح سسکتی اور کراہتی ہوئی گزر رہی ہو۔ سونیا نے شاید آرتھر کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے بڑے ہی ڈراؤنے انداز میں آوازیں نکال رہی تھی: "ہوُ۔ اُو۔ وُو۔ وُو۔۔۔"

آرتھر سہم کر رُک گیا۔ نیم تاریکی۔ نیم دھندلی روشنی وہ ہوا سسک رہی تھی۔ یا کسی بدروح کا بلاوا تھا: "ہو اُو۔ اُو۔ آؤ۔ او۔ او۔۔۔ آؤ۔۔۔"

وہ چند قدم آگے بڑھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے موت برف کے دھندلکے میں چھپی ہوئی اس کا انتظار کر رہی ہو۔ مشکل یہ تھی کہ برف کی سطح پر موت کے قدموں کی چاپ سُنائی نہیں دے سکتی تھی۔

وہ کچھ اور آگے بڑھا تو اُسے سامان سے بھرا ہوا سلیج نظر آیا۔ اُسے دیکھتے ہی اُس نے منہ کو اٹھا کر آواز دی "سونیا۔ یا۔ آ۔ آ۔ آ۔۔۔"

اُس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ مگر سونیا نظر نہیں آئی۔ وہ اور آگے بڑھ گیا۔ اب اُس سلیج پر کوئی لیٹا ہوا نظر آرہا تھا۔ اس نے پھر آواز دی۔

"کون ہے۔ اٹھ کر سامنے آؤ۔ اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر رکھو۔"

لیکن سلیج پر لیٹنے والے نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی آرتھر نے اسٹین گن کا رُخ اس کی جانب کرتے ہوئے۔ قریب آکر دیکھا۔ چمپینزی کے بیان کے مطابق وہ سیلر ہی ہو سکتا تھا۔ اُس نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو وہ سردی سے اکڑ کر مر چکا تھا۔ اور اب اس کی لاش پر آہستہ آہستہ برف جم رہی تھی۔ آرتھر نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر سوچا۔

"بیچارہ زخم کی تاب نہ لاکر مر گیا۔ اب اس کا لباس اور چہرے کا ماسک وغیرہ اتار لینا چاہیئے۔ یہ چیزیں اپنے ساتھیوں کے کام آئیں گی۔"

میں نہیں چاہتا تھا کہ دشمنوں کو دو لباس ملیں اور بیک وقت دو آدمی سونیا سے مقابلہ کرنے باہر آئیں۔ میں اُسے روکنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک اس کے ہاتھ پر ایک زبردست ٹھوکر پڑی۔ اسٹین گن اس کی گرفت سے نکل کر برف گاڑی کے دوسری طرف چلی گئی۔

وہ موت جو اپنے قدموں کی چاپ نہیں سناتی، سلیج کے دائیں طرف کھڑی ہوئی تھی۔ آرتھر نے بڑی پھرتی سے اُس پر چھلانگ لگائی۔ یوں تو انسان نظر تا بلندی کی طرف چھلانگ لگاتا ہے لیکن جب وہ پستی میں آیا تو اُس کے پاؤں اپنے وجود کے بوجھ سے برف میں ٹخنوں تک دھنس گئے اس سے پہلے کہ وہ برف کی سرد بندشوں سے نکلتا۔ اس کی گردن کے نیچے ایک کراٹے کا زبردست ہاتھ پڑا۔ وہ آگے کی طرف جھک گیا۔ پھر پیچھے سے ایک لات پڑی تو اس کے قدم اکھڑ گئے اور وہ اوندھے منہ برف کی سطح کو چومنے لگا۔

وہ بزدل اور کمزور نہیں تھا۔ لیکن اس کے اور موت کے درمیان یہ فرق تھا کہ موت تقریباً آٹھ گھنٹے سے کھلے برفانی ماحول کی عادی ہو گئی تھی اور وہ پہلی بار طیارے سے باہر آکر سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ مار کھاتے وقت ایک طرح سے مزہ آرہا تھا کیونکہ بدن میں حرارت پہنچ رہی تھی۔

اب کی بار وہ بڑی پھرتی سے حملہ کرنے کے لئے اٹھا۔ کچھ پینترے بدل بدل کر چاروں طرف گھومنے لگا۔ مگر وہ حملہ کس پر کرتا؟ موت پھر آنکھ مچولی کھیل رہی تھی۔ کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ اُس نے سوچا۔ موقع غنیمت ہے، برف گاڑی کے دوسری طرف جا کر اپنی اسٹین گن اُٹھا لینی چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی وہ دوڑتا ہوا تیزی سے اُدھر گیا۔ اتنی ہی تیزی سے گاڑی کی دوسری طرف موت اچھل کر کھڑی ہو گئی اسٹین گن کا دستہ ہتھوڑے کی طرح اُس کے سینے پر لگا۔۔۔ اُس کے بعد ہتھوڑے برستے ہی چلے گئے۔

طیارے کے اندر گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ وہ سب بے چینی سے آرتھر کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے باہر کا منظر دیکھنے کے لئے وہاں مسافر بردار طیارے کی طرح کھڑکیاں نہیں تھیں۔ اُس طیارے میں پیراشوٹ کے ذریعہ اترنے کے لئے ایک دروازہ اور گھٹن سے بچنے کے لئے چھت پر ایک وینٹی لیٹر تھا۔ جس پر برف جم گئی تھی

وہاں سے بھی دیکھنے کی کوشش کی جاتی تو صرف آسمان نظر آتا۔ ساؤنڈ پروف طیارے میں باہر کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔ آدھ گھنٹہ بعد ایک نوجوان نے بے چین ہو کر کہا۔

"کیا بات ہے۔ آرتھر ابھی تک واپس نہیں آیا؟"

میں چمپینزی کے دماغ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فخریہ انداز میں مسکرانا چاہتا تھا۔ میں نے فوراً ہی سمجھایا۔

"میں پھر حماقت کر رہا ہوں۔ مجھے بہت زیادہ محتاط رہنا چاہیئے۔ میری ممی بازیاں جیتتی رہیں گی تب بھی مجھے خوش ہونے کے بجائے ان لوگوں کے سامنے کبھی غصہ اور کبھی خوف کا اظہار کرنا چاہیئے۔"

میرے سمجھانے کا اس پر اثر ہوا۔ وہ پھر سنبھل گیا۔ رابرٹ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

"ہمیں ذرا سا دروازہ کھول کر دیکھنا چاہیئے۔۔۔"

اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی۔ وہ سب دوڑتے ہوئے دروازے پر آگئے۔ باہر کی سرد ہوا سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے اطراف کمبل اچھی طرح لپیٹ لئے تھے۔ چمپینزی گھبرا رہا تھا کہ دروازے پر دستک دینے سونیا نہیں آئے گی۔ آرتھر ہی واپس آیا ہے۔ اور اس کی واپسی کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ اس کی ممی پر غالب آگیا ہے۔

دروازہ کھل گیا۔ چمپینزی کا خیال درست نکلا۔ دروازے کے باہر آرتھر کھڑا ہوا تھا جو لباس وہ پہن کر گیا تھا۔ اب وہ سلیقے سے تہہ کئے جانے کے بعد اس کے دونوں ہاتھوں پر رکھا ہوا تھا۔ لباس کے اوپر چشمہ، اسنو ماسک اور جوتے رکھے ہوئے تھے۔ یہ تمام چیزیں وہ اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اور خود ننگا کھڑا ہوا تھا۔

وہ ننگا اس لئے تھا کہ زمانے کی سردی گرمی سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو گیا تھا۔ موت اس کی اکڑی ہوئی لاش کو گھٹنوں تک برف میں دھنسا کر چلی گئی تھی۔ لباس اور جوتے وغیرہ اس لئے واپس کئے گئے تھے کہ اب کوئی دوسرا آئے!

آرتھر۔ تھر تھر۔ تھر تھر۔ ایک نوجوان تھر تھر کانپنے لگا۔ ایسی عبرتناک موت دیکھ کر سب ہی کے ذہن کو جھٹکا پہنچا تھا۔ چند لمحوں کے لئے سب ہی بھول گئے کہ وہ کھلے دروازے پر سرد ہواؤں کے مقابل کھڑے ہیں۔ رابرٹ اچانک ہی غصے سے چیخنے لگا۔

"شیطان کی بچی! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

باہر سے جواب سنائی دیا۔

"شیطان کے بچے! کیا تم مجھے زندہ چھوڑنے کیلئے لائے تھے؟ میں تو کب کی مر چکی ہوں۔ تمہارا مقصد پورا ہو گیا۔ اب میری روح اپنا مقصد پورا کرے گی۔"

رابرٹ بڑی مکاری سے مسکرا رہا تھا۔ اُس نے وہ سمت معلوم کر لی تھی۔ جہاں سے سونیا کی آواز آرہی تھی اُس نے آہستگی سے کہا۔

"ماسٹر چمپینزی! اپنی گن جلدی سے ادھر دو۔ میں نے معلوم کر لیا ہے کہ وہ کہاں کھڑی ہوئی ہے۔"

چمپینزی ذرا سا ہچکچایا۔ لیکن میں نے اس کے دماغ کو فوراً ہی کنٹرول کیا۔ پھر میں جو چاہتا تھا وہی ہوا چمپینزی اُسے اپنی گن دینے کے لئے آگے بڑھا۔ پھر اس نے اچانک ہی پلٹ کر طیارے کے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ دونوں لکڑی کے تختے پر سے لڑھکتے ہوئے آرتھر کی لاش سے ٹکرائے۔ پھر اُس لاش کے ساتھ برف کی سطح پر بکھر گئے۔ لاش کا تحفہ لباس جوتے، چشمہ اور اسنو ماسک ادھر اُدھر بکھر گئے۔ میں نے چمپینزی کے دماغ میں کہا۔

"فوراً اسنو ماسک پہننا چاہیئے۔۔۔"

اُسے یہ ترغیب دے کر میں نے سونیا سے کہا۔

"ہری اپ سونیا! دروازے پر فائرنگ کرو۔"

اُس نے فائرنگ کی نتیجہ یہ ہوا کہ طیارے کا دروازہ فوراً ہی بند کر دیا گیا۔ اندر لڑائی جھگڑے کی آواز آئی۔ شاید وہاں دو پارٹیاں بن گئی تھیں۔ ایک پارٹی اپنے لیڈر رابرٹ کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ دوسری پارٹی اپنی حفاظت کو ترجیح دے رہی تھی۔ میں ان کے ارادوں کو بعد میں بھی سمجھ سکتا تھا اس لئے طیارے کے باہر سونیا کے دماغ میں موجود رہا۔

جس وقت چمپینزی رابرٹ سے لپٹ کر باہر آیا۔ اسی وقت اس کی گن ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ چمپینزی اسنو ماسک کی طرف لپکا۔ اور رابرٹ نے گن کی طرف چھلانگ لگائی۔ میں نے سونیا سے کہا۔

"رابرٹ کو دیکھو۔ اُسے گن اٹھانے کا موقع نہ دو۔"

سونیا نے اسٹین گن کا برسٹ مارا۔ رابرٹ گن کے پاس پہنچ کر اُسے اٹھا رہا تھا۔ پھر چیخ مار کر پیچھے کی طرف اُلٹ گیا۔ اسٹین گن کی گولیاں دائیں سے بائیں برف کے ذرات کو تڑا تڑ جھاگ کی طرح اڑاتی ہوئی اور رابرٹ

کی دائیں کلائی کو چھیدتی ہوئی چپ ہو گئیں چند لمحوں کے لئے سناٹا چھا گیا۔

رابرٹ میں اب کراہنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ اسٹین گن نے تو اُسے صرف ذرا سا زخمی کیا تھا لیکن سردی اُسے مار رہی تھی۔ لپٹا ہوا کمبل اُس سے دور جا پڑا تھا۔ اُس نے سردی سے بچنے کے لئے کمبل کو حاصل کرنے کے بجائے قوتِ ارادی سے کام لیتے ہوئے گن کی طرف چھلانگ لگائی تھی۔ کمبل سے دور ہو گیا تھا اور گن بھی حاصل نہ ہو سکی تھی۔ اور اگر کمبل مل بھی جاتا تو ستر درجہ انجماد کے برف خانہ میں اُسے چٹکی بھر حرارت بھی نہ ملتی۔

سونیا آگے بڑھ کر اُس کے قریب آئی۔ رابرٹ کا جسم سرد موت کی آغوش میں اکڑ رہا تھا۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ چہرے سے شدید کرب ظاہر ہو رہا تھا۔ سونیا نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

" سوری رابرٹ! میں عورت ہوں۔ میرے اندر ممتا ہے۔ اس کے باوجود سانپ کو دودھ نہیں پلاتی۔ میں تم پر اتنا احسان کر رہی ہوں کہ زندگی کے آخری لمحات میں تمہیں اس کرب سے نجات دلا رہی ہوں۔"

یہ کہتے ہی اُس نے اسٹین گن کی گولیوں سے اُسے چھلنی کر دیا۔ یہ ظلم، یہ سنگدلی، یہی سونیا کی بھیانک خوبیاں تھیں۔ اُس نے دشمنوں سے ہمدردی کرنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ میں نے کہا۔

" اب ذرا انتظار کرو۔ میں طیارے کا دروازہ کھلواتا ہوں۔"

میں سونیا کو چھوڑ کر طیارے کے اندر جانا چاہتا تھا اُسی لمحہ سونیا کی جیب سے ہلکی ہلکی سیٹی کی آواز سنائی دی ٹرانسمٹر سے اشارہ موصول ہو رہا تھا۔ سونیا نے جیب سے ٹرانسمٹر کو نکالا۔ میں نے کہا۔

" اسے چمپینزی کو دے دو۔ وہ باتیں کریگا۔"

اُس نے ٹرانسمٹر چمپینزی کو دے دیا۔ چمپینزی نے ریسیونگ بٹن کو آن کیا تو آواز آئی۔

" ہیلو۔ ہیلو۔ ریڈیو آپریٹر کالنگ ..... سیلر تمہاری طرف سے ابھی تک کوئی اطلاع کیوں نہیں ملی۔ ہیلو ہیلو۔ فوراً جواب دیا جائے ہمارے حساب سے اب تمہارے ٹرانسمٹر کی بیٹری سرد ہونے والی ہے۔ اوور ....."

میں نے چمپینزی کی سوچ میں کہا۔

" مجھے اس طرح جواب دینا چاہیئے کہ ان کی سمجھ میں نہ آئے۔ میں سرگوشی میں بولوں گا۔"

اُس نے کالنگ بٹن کو آن کیا پھر میری سوچ کے مطابق اس کے حلق سے آواز نکلنے لگی۔

" ہیلو گھر رغرلو سیلر گھر رغراں۔ چی۔ کنگ گھر ررغرر رر ....."

دوسری طرف سے پریشان ہو کر کہا گیا۔

" اونچی آواز میں بولو۔ تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں۔ اوور۔"

چمپینزی نے پھر اُسی انداز میں بولنا شروع کیا۔ آپریٹر نے بیزاری سے کہا۔

" کیا مصیبت ہے۔ میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ بیٹری ڈاؤن ہو چکی ہو گی۔ اگر میری آواز سنائی دے رہی ہے تو، لو میں چیخ کر بول رہا ہوں۔ فوراً واپس چلے آؤ۔"

ٹرانسمٹر خاموش ہو گیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔

" چمپینزی سے ٹرانسمٹر واپس لے لو۔ اگر وہ دوبارہ اُسے چھیڑے گا تو مصیبت آ جائے گی۔ اب میں کیبن کے اندر ریڈیو آپریٹر کے دماغ میں پہنچ رہا ہوں۔"

" ٹھہرو فرہاد! یہ بتاؤ۔ کیا میں ان لوگوں کو دروازہ کھولنے پر مجبور کر دوں؟"

" کیا ضرورت ہے میری جان! طیارے کے اندر صرف تین ہی مسلح افراد ہیں۔ انہیں خود فیصلہ کرنے دو کہ وہ کہاں مرنا چاہتے ہیں۔ طیارے کے اندر یا باہر؟"

" اچھی بات ہے۔ تم کتنی دیر میں واپس آؤ گے۔"

" میں کہہ نہیں سکتا۔ اب میں ایسے کیبن میں پہنچنے والا ہوں، جہاں بڑے بڑے ملکوں کے سیکرٹ ایجنٹ بھی نہ پہنچ سکے۔ تمہاری سہولت کے لئے مجھے وہاں بہت سی معلومات حاصل کرنی ہوں گی۔ اُس وقت تک تم پیرا... کے سامان سے کھانا نکال کر پیٹ پوجا کرو۔ اوکے سوفار ....."

اُس سے رخصت ہو کر میں نے آنکھیں کھول دیں ایک آر۔ سی۔ اے ٹرانسمٹر تھا۔ اُس پاس مقیاس الہوا اور میں اُسی بالٹی کی جھونپڑی میں ایک ایسی جیپ میں مقیاس الموسم جیسے مختلف آلات تھے۔ ایک آلے سے پتہ ہوا تھا۔ منطقہ بارہ شمالی کے اس خفیہ کیبن میں جانے سے پہلے مجھے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ ایٹمی دھماکہ کرنے والے ان سائنسدانوں اور سیاستدانوں کو چھیڑنا مناسب ہے۔ کیا سونیا چپ چاپ اُس علاقے سے دور نکل جائے؟

چپ چاپ وہاں سے نکل جانے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ وہ کتوں کی گاڑی میں بیٹھ کر قطب نما کی مدد سے جنوب کی طرف بڑھتی چلی جاتی۔ پھر کسی انسانی آبادی میں پہنچ جاتی لیکن جنوب کی سمت ہموار میدان تھے یا اونچا نیچا پہاڑی علاقہ تھا، یہ ہم نہیں جانتے تھے۔ کسی گائیڈ کے بغیر وہاں سے آگے بڑھنا دانشمندی نہیں تھی۔

اس خیال کو رد کرنے کے بعد میں نے انتقام لینے کے انداز میں سوچا۔ سپر ماسٹر نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اُسے سونیا کا بھی دوست بننا چاہیئے تھا۔ لیکن اُس نے سونیا کو بالکل ہی بے دست و پا سمجھ کر اس علاقہ میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ وہ تنہا عورت یا تو چمپینزی کے ہاتھوں مر جائے گی یا بھوکی پیاسی سردی میں ٹھٹھر کر ختم ہو جائے گی۔ اور اگر بہت زیادہ دلیری اور چالاکی دکھائے گی تو کیبن والے اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

اس کی پلاننگ اپنی جگہ بہت ہی مکمل اور مستحکم تھی کیونکہ سونیا کی مدد کے لئے فرہاد زندہ نہیں تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ اب اُس تنظیم کے تمام ماسٹروں کے دل میں سونیا کی دہشت بٹھاؤں گا۔ وہ لوگ ایک بار پھر اُس علاقے میں جزیرہ کورائی کی عبرتناک تباہی کا منظر دیکھیں گے۔ اور یہ تسلیم کریں گے کہ فرہاد کی طرح سونیا بھی لوہے کا چنا ہے، جسے وہ چبا نہیں سکیں گے۔

میں ایک سگریٹ سلگا کر بہت دیر تک سوچتا رہا پھر سگریٹ کو بجھانے کے بعد بچھونے پر آ کر لیٹ گیا کیبن کا رخ کرنے سے پہلے میں نے سونیا کی خبر لی۔ چمپینزی کے سامان میں کھانے کے جو سر بند ڈبے تھے وہ تمام کھانے سردی سے جم کر ٹھوس ہو گئے تھے۔ انہیں گرم کرنے کے لئے آئل برنر کام نہیں کر رہا تھا۔ مجبوراً وہ سوکھے میوے کھا کر گذارا کر رہے تھے۔ میں انہیں اُن کے حال پر چھوڑ کر ریڈیو آپریٹر کے دماغ میں پہنچ گیا۔

اُس وقت وہ کافی پی رہا تھا۔ اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ چل رہا تھا کہ باہر ستر میل فی گھنٹے کی رفتار سے ہوا چل رہی ہے۔ وہ ایک ریوالونگ چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اُس کی سوچ کے دوران آہستہ آہستہ دوسری طرف گھما دیا تاکہ اس کی آنکھوں اور دماغ سے اُس کیبن کا جائزہ لے سکوں۔

وہ کیبن برف کی سطح سے نیچے زمین کے اندر بنا ہوا تھا۔ اُس کی دیواریں لکڑی کی تھیں۔ اور وہاں بجلی کے بلب روشن تھے۔ کہیں بہت دور سے جنریٹر کی ہلکی ہلکی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔ جس طرح ریل گاڑی میں اوپری برتھ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہاں چھت کے قریب دیوار کے ساتھ ایک برتھ بنا ہوا تھا جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ہیٹر کے باعث کمرہ گرم تھا۔ اس چھوٹے سے کمرے میں وہی ایک شخص نظر آیا۔ میری معلومات کے مطابق وہاں ایک ماہر موسمیات۔ ایک سائنسداں اور تین اس کے باڈی گارڈز کو موجود ہونا چاہیئے تھا۔ میں نے طیارے کے پائلٹ سے یہی معلوم کیا تھا۔

اب موجودہ حساب یہ تھا کہ مارلن اور سیلر مارے گئے تھے۔ شاید وہ دونوں سائنسداں کے باڈی گارڈز تھے اس طرح اُس کیبن میں ایک ہی باڈی گارڈ ہو گا، اور جو ریڈیو آپریٹر تھا، وہی ماہر موسمیات بھی تھا۔ یہ بات خود اس کا دماغ کہہ رہا تھا لیکن میں یہ کیسے معلوم کر سکتا تھا کہ وہ سائنسداں کہاں ہے۔ جب تک اس کا نام معلوم نہ ہوتا۔ میں ریڈیو آپریٹر کے دماغ میں اس کا ذکر نہیں چھیڑ سکتا تھا۔ پتہ نہیں وہ سائنسداں کو کیا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔؟

آخر میں نے سوچا کہ اُس ریڈیو آپریٹر کو اُس کمرے سے اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے جانا چاہیئے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

" یہاں کیسی تنہائی ہے۔ کوئی بات کرنے والا بھی نہیں ہے۔"

" اونہہ۔" اُس کے سوچ نے کہا۔" یہاں تو تنہا ہی گزرنا ہے بلکہ بارہ گھنٹے کی ڈیوٹی دینی پڑتی ہے۔ اب چار گھنٹے بعد دوسرا آپریٹر آ کر میری جگہ لے گا۔ تب میں اس کمرے سے نکل سکوں گا۔ اب کی بار ایٹمی دھماکہ ہونے کے بعد میں ایک ماہ کی چھٹی لے کر میکسیکو جاؤں گا۔"

اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ اس کے علاوہ بھی ایک اور ریڈیو آپریٹر ہے۔ اور موجودہ آپریٹر چار گھنٹے سے پہلے اُس کمرے سے باہر نہیں جائے گا۔ اب اُسے دوسری طرف سے گھیرنے کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

" پتہ نہیں مارلن اور سیلر اس وقت کہاں ہوں گے۔ اُن کے ٹرانسمیٹر کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی ہے۔ اب اُن سے رابطہ کیسے قائم ہو گا؟"

"جیسے بھی ہو۔ میں ان کی فکر کیوں کروں؟ میں نے ڈاکٹر ڈان اسمتھ کو اطلاع دے دی ہے۔ اب وہی فکر کرے گا۔"

اس کے بعد وہ پھر میکسیکو کے بارے میں سوچنے لگا۔ جہاں کا موسم گرم ہوتا تھا اور اس کی محبوبہ موسم کی گرمی اور بڑھا دیتی تھی۔ میں بیزار ہو کر سوچنے لگا کہ وہ الو کا پٹھا کسی طرح میری راہ پر نہیں لگ رہا ہے۔ اسے کسی طرح کمرے سے باہر جانا ہوگا۔ یا دوسرے لوگوں کو اس کمرے میں بلانا ہوگا۔ میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا۔

"کافی مزے دار ہے۔ ایک پیالی اور پینی چاہیئے۔"

وہ مان گیا۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر ہیٹر کے پاس گیا۔ ہیٹر پر کیتلی رکھی ہوئی تھی اس کا سلگتا ہوا تار ایسے سرخ تھا۔ جیسے کسی دوشیزہ نے دہکتے ہوئے انگارے جیسی سرخی ہونٹوں پر لگا رکھی ہو۔ میں نے ریڈیو آپریٹر سے کہا۔

"یہ میری میکسیکن محبوبہ کے دہکتے ہونٹ ہیں۔"

اس کی سوچ نے کہا۔

"ہاں۔ مگر یہ آگ ہے۔ ایک دوشیزہ کے لبوں کی طرح جلاتی ہے۔"

میں نے کہا۔ ان لبوں کو چھو لینے میں کیا حرج ہے؟"

اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتا۔ میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ "میں چھو رہا ہوں . . . ."

اور اس نے بے اختیار ہیٹر کی آگ کو چھو لیا پھر اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی۔ وہ پیچھے کی جانب اچھل کر فرش پر گر پڑا۔ اس کے چیخنے کے چند لمحے بعد ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ دو مسلح افراد کمرے میں آئے۔ ایک نے پوچھا۔

"کیا ہوا مسٹر مورلیو؟"

ریڈیو آپریٹر مورلیو نے اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے سوختہ ہاتھ کو تھام کر کراہتے ہوئے کہا۔

"میں ہیٹر پر سے کیتلی اٹھا رہا تھا۔ میرا ہاتھ جل گیا۔"

آنے والوں نے ہیٹر کی جانب دیکھا۔ وہاں کیتلی جوں کی توں رکھی ہوئی تھی۔ ایک نے کہا۔

"تعجب ہے کیتلی اپنی جگہ رکھی ہوئی ہے۔ کیا تم اپنی محبوبہ کی یاد میں گم ہو گئے تھے؟"

وہ جھینپ کر تکلیف سے جھلاتے ہوئے بولا

"مذاق نہ کرو۔ فرسٹ ایڈ باکس لے آؤ۔"

وہ دونوں ہنستے ہوئے دوسرے کمرے میں

میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ میں دونوں میں سے کسی بھی دماغ میں بیٹھ کر اس زیرِ زمین خفیہ اڈے میں جا تھا۔ ان میں سے ایک فرسٹ ایڈ باکس لانے جا رہا دوسرے کی سوچ نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں۔ جن کے یہ وہی ڈاکٹر ڈان اسمتھ ہو سکتا تھا جس کا نام کی سوچ میں سنا تھا۔

وہ مسلح گارڈ ایک کیبن کا دروازہ کھول کر پھر اس نے کہا۔

"ڈاکٹر! مورلیو کا ہاتھ جل گیا ہے۔ چیخ سنی تھی۔"

ادھیڑ عمر کا ڈاکٹر ایک آرام دہ کرسی پر بیٹھا اس نے ڈانٹ کر کہا۔

"ایڈیٹ! پوری بات کہا کرو۔ وہ کیسے جل گیا

اس ایڈیٹ نے پوری بات بتائی۔ کہا۔

"یہ مورلیو بھی ایڈیٹ ہے۔ اب وہ کیسے کرے گا۔ اسے ریسٹ لینے دو۔ اس کی ڈیوٹی ایڈیٹ کو دو۔"

وہ باہر چلا گیا۔ میں ڈاکٹر کی دماغی آنکھ اس بڑے سے کمرے کو دیکھنے لگا۔ اس طیارے پائلٹ کی معلومات غلط تھیں۔ کیونکہ وہ زیرِ زمین اڈہ محض ایک کیبن نہیں تھا۔ نہ معلوم وہ کہاں تک سرنگ کی طرح پھیلا ہوا تھا۔ اور وہاں تین سو نہ جانے کتنے مسلح گارڈز تھے۔ اس کمرے کی دیوار بہت سے نقشے آویزاں تھے۔ ایک دنیا کا نقشہ نقشہ میں گرین آئی لینڈز کے ایک سمندر پر بڑا سا دائرہ بنا ہوا تھا۔ اس دائرہ کے اندر پچیس دسمبر تھا۔ میں نے ڈاکٹر کو سوچنے پر مجبور کیا۔

"پچیس دسمبر تو مسیح کی پیدائش کا دن ہے؟"

وہ ہنستے ہوئے سوچنے لگا۔

"ہا ہا ہا۔ اسی دن ایٹمی دھماکہ ہو گا۔ مسیح سچائی لئے صلیب پر چڑھا تھا۔ ہم ایٹمی تجربات کے لئے کے لوگوں کو صلیب پر چڑھائیں گے۔ خواہ مخواہ آباد

رہی ہے۔ یہاں صرف ہم جیسے باصلاحیت لوگوں کو زندہ رہنا چاہیئے۔ باقی کیڑے مکوڑوں کو مر جانا چاہیئے۔"

میں سمجھ گیا کہ دنیا کے نقشہ میں جہاں سرخ دائرہ بنایا گیا ہے، وہاں پچیس دسمبر کو ایٹمی دھماکہ کیا جائے گا۔ میں آہستہ آہستہ اس کی سوچ کو کریدنے لگا۔ اور آہستہ آہستہ اس کی سوچ کی گرہیں کھلتی چلی گئیں۔ میری معلومات میں اضافہ ہوا کہ اس زیرِ زمین اڈہ میں ایسی مشینیں نصب کی گئی ہیں جن کے ذریعہ وہاں سے ایک ہزار میل کی دوری پر گرین آئی لینڈز کے سمندر میں دھماکہ کیا جائے گا۔

کچھ نئے تجربات کے بعد جو ایٹم بم تیار کیا گیا تھا اسے کسی گرم ملک میں نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اسی لئے اس سرد علاقہ میں اسے اسٹور کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر ڈان اسمتھ سوچنے کے دوران ان مشینوں کو تصور میں آپریٹ کر رہا تھا۔ اور تصور میں دیکھ رہا تھا کہ مختلف بٹنوں کو دبانے سے کس طرح ایک راکٹ نما بم زمین دوز کولڈ اسٹور سے اوپر اٹھتا ہوا، برف کی سطح سے بلند ہو کر فضا میں تیزی سے پرواز کرتا ہے اور اپنے ٹارگٹ پر پہنچ کر برسٹ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد میں نے دیوار کے دوسرے نقشہ کی طرف اسے متوجہ کیا۔ وہ گرین لینڈ کے شمالی حصہ کا نقشہ تھا۔ اسے دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ جنوب کی سمت پانچسو میل دور ایک شہر آباد ہے۔ ان کے کھانے پینے اور دوسری ضروریات کا سامان وہیں سے آتا تھا۔ آمد و رفت کے لئے دو سو میل تک برف گاڑیاں استعمال کی جاتی تھیں اس کے بعد ایک پختہ سڑک شروع ہوتی تھی۔ وہاں ایک بڑا سا موٹر گیراج تھا۔ باقی تین سو میل کا سفر کار کے ذریعے طے ہوتا تھا۔

بندھائے ہوئے کتے دو سو میل تک کا راستہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے باوجود سنگ میل کے طور پر آہنی ستون نصب کئے گئے تھے۔ جن پر برف جم جاتی تھی اور وہ ستون کے بجائے برف کے ٹیلے دکھائی دیتے تھے۔ سونیا کو اس علاقے سے نکالنے کے لئے گرین لینڈ کا نقشہ اور سفر کے متعلق معلومات لازمی تھیں۔ اسی لئے میں ڈاکٹر ڈان اسمتھ کی سوچ کے ساتھ اپنا سر کھپا رہا تھا۔ ڈاکٹر نے سوچنے کے دوران گھڑی دیکھی۔ پھر پریشان ہو گیا۔

"یہ لوگ ابھی تک واپس کیوں نہیں آئے؟"

اس نے انٹر کام کا بٹن دبا کر پوچھا۔

"کیا مارلن اور سیلر کے متعلق اطلاع مل رہی ہے؟"

"یس سر! بہت افسوسناک اطلاع ہے۔ مارلن اور سیلر مارے گئے ہیں۔"

"وہاٹ؟" اس نے چیخ کر پوچھا۔ "مارے گئے کا مطلب ہوتا ہے کسی نے انہیں مار دیا۔ ایڈیٹ! پوری بات کہا کرو۔"

اطلاع دینے والا ایڈیٹ پوری بات کہنے لگا۔

"سر! ہمارے اسکیٹر کا بیان ہے کہ یہاں بھیجا جانے والا چمپینزی غدار بن گیا ہے۔ سونیا نام کی جس عورت کو قتل کرنا چاہیئے تھا۔ اس کا وہ دوست بن گیا ہے۔ ان دونوں نے مارلن، سیلر اور طیارے کے دو جوانوں کو ہلاک کیا ہے۔ اب ہمارے اسکیٹ انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"ایڈیٹ! ان سے کہو کہ انہیں گرفتار کرنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ انہیں فوراً گولی مار دیں۔ میں اپنے مشن کی تکمیل سے پہلے یہاں کسی دشمن کا سایہ دیکھنا بھی پسند نہیں کروں گا۔"

اس کی باتیں سنتے ہی میں فوراً سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ برف گاڑی پر بیٹھی ہوئی تھی اور کتے اس گاڑی کو تیزی سے بھگائے لئے جا رہے تھے۔ چمپینزی اس کی طرف پشت کئے اسٹین گن سے گولیاں برسا رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

"سونیا! یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"شکر ہے کہ تم نے ہمیں یاد کیا۔ ہم پر جو گذر رہی ہے، یہ تم اب سمجھ ہی رہے ہو۔"

"میری جان! تم نادان بچی نہیں ہو کہ ہمیشہ میری انگلی پکڑتی رہو۔"

"تم خود ہی میرے دماغ میں آ گھستے ہو۔ اسی لئے میں تمہارے سہارے کی عادی ہو جاتی ہوں۔ تم انگلی نہ بڑھاؤ تو میں کبھی انگلی نہ پکڑوں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا اب غصہ تھوک دو۔ یہ بتاؤ کہ ان کتوں کو کہاں دوڑائے لئے جا رہی ہو؟"

"میں خود نہیں جانتی کہ یہ کتے مجھے کہاں لے جا رہے

ہیں۔ چند اسکیٹروں نے ہمیں طیارے کے قریب چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ وہ پاؤں میں اسکیٹ باندھے ہاتھوں میں اسٹک تھامے برف پر پھسلتے ہوئے ہم سے کچھ فاصلے پر آکر رُک گئے تھے۔ انہوں نے سلیج کے قریب سیلر کی لاش دیکھ لی تھی۔ ایک نے پوچھا۔

"مارلن کہاں ہے؟ اور وہاں طیارے کے پاس دو لاشیں اور نظر آرہی ہیں۔ یہ کون لوگ تھے اور تم دونوں کون ہو؟"

اب میں ان کی باتوں کا کیا جواب دیتی۔ میں سوچ کے ذریعہ تمہیں پکارتی رہی۔ مجھے اور چمپینزی کو خاموش دیکھ کر ایک اسکیٹر نے کہا۔

"تمہاری خاموشی بتا رہی ہے کہ تم دونوں قاتل ہو۔"

میں نے سوچا کہ انکار کرنا فضول ہے۔ طیارے کے اندر جو لوگ ہیں۔ وہ ہمارے خلاف گواہی دیں گے میں اسٹین گن سیدھی کرتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ میں نے اس طرح قتل کیا ہے....."

گولیاں چلتے ہی دو شخص اوندھے منہ گرے۔ باقی تیزی سے اسکیٹ کرتے ہوئے برف کی دُھند میں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں چمپینزی کے ساتھ دوڑتی ہوئی کتوں کے پاس آئی۔ اُسے اسٹین گن دیکر کتوں کے پاؤں کھولے۔ اس کے بعد ہم دونوں اس سلیج پر بیٹھ گئے اب یہ کتے پتہ نہیں ہمیں کہاں لئے جا رہے ہیں۔

اسکیٹنگ کرنے والے دشمن ہمارا تعاقب کر رہے ہیں۔ برف کے دھند میں وہ نظر نہیں آرہے ہیں۔ کبھی کبھی کسی کی وارننگ سنائی دیتی ہے۔ ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم خود کو گرفتاری کے لئے پیش کردیں۔ اب میں کیا کروں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ کتے ہمیں کیبن کی طرف لے جا رہے ہوں۔

سونیا کی باتیں سننے کے بعد میں نے کہا۔

"تم حدِ نظر تک دیکھو اور بتاؤ۔ کیا تمہیں کہیں آہنی ستون نظر آرہا ہے؟"

"کیسی بات پوچھ رہے ہو فرہاد! اس علاقہ میں آہنی ستون ہوگا تو برف میں چھپ گیا ہوگا۔"

"ہاں تو برف کا اونچا ٹیلہ نظر آئے گا۔"

"ایسے کہو نا۔ ایسے کئی ٹیلے ہمارے قریب سے گذر چکے ہیں۔"

"سونیا! جسے ہم اب تک کیبن کہتے رہے وہ دراصل ایک زمین دوز خفیہ اڈہ ہے۔ وہاں سے ایک ا[illegible] میل کے فاصلے پر تقریباً دو سو میل یہ برف کے ٹیلے ہ[illegible] اُس کے بعد ایک موٹر گیراج ہے۔ وہاں سے تین سو[illegible] دور ایک شہر تک جانے کا راستہ آسان ہے۔ میرے [illegible] کا مطلب یہ ہے کہ تم برف کے ٹیلوں کے قریب سے گذ[illegible] ہوئی یا تو زمین دوز اڈے کی طرف جا رہی ہو۔ یا پھر ج[illegible] کی سمت سفر کر رہی ہو۔"

سونیا نے جواب دیا۔

"آخر وہ زمین دوز اڈہ کتنی دور ہے؟ یہ کتے بھاگتے ہی چلے جا رہے ہیں .... یہ لو۔ اب یہ آہستہ آ[illegible] رُک رہے ہیں۔ اس طرح تو دشمن پھر ہمیں چاروں طر[illegible] سے گھیر لیں گے۔"

میں نے کہا۔ "محتاط رہو۔ میں تعاقب کرنے والا[illegible] کے دماغ تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بہتر ہے تم چیخ کر انہیں مخاطب کرو۔ میں ان کی آواز سنوں گا[illegible]"

سونیا نے چمپینزی سے کہا۔

"بیٹے! دشمن کہیں چھپے ہوئے ہیں۔ انہیں مخاطب کرو۔ پھر اُن کی آواز کی سمت فائر کرو۔"

چمپینزی نے نادیدہ دشمنوں کو آواز دی۔ [illegible] انتظار کرنے لگا۔ جواباً کوئی آواز سنائی نہیں دے [illegible] تھی۔ میں نے سونیا سے کہا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ محتاط رہو۔ [illegible] دوسری طرف سے کوشش کرتا ہوں۔"

اُسے تسلی دیکر میں زمین دوز اڈے کے اس ش[illegible] کے دماغ میں پہونچ گیا جس نے ڈاکٹر کو مارلن او[illegible] کے مرنے کی اطلاع دی تھی۔ وہ شخص دوسرا ریڈیو آ[illegible] تھا۔ جو مورلی کی جگہ آیا تھا۔ اُس وقت وہ ٹرانسمیٹ[illegible] کسی کی رپورٹ سن رہا تھا۔ رپورٹ یہ تھی۔

"وہ دونوں ہاتھ نہیں آرہے۔ دراصل کتے[illegible] جنوب کی سمت بھاگ رہے ہیں۔ ہم نے اس ل[illegible] دیدی ہے کہ کتے اپنی عادت کے مطابق دس میل [illegible] جانے کے بعد ستانے کے لئے رک جاتے ہیں۔ اب وہ رُک گئے ہیں۔ پندرہ بیس منٹ سے پہلے آگے نہیں بڑھیں گے۔ ہمیں فوراً بتایا جائے کہ انہیں [illegible] طرح گرفتار کریں۔ اُن کے پاس اسٹین گن ہے اور ہما[illegible] پاس رائفلیں ہیں۔ پھر اسکیٹنگ کے دوران ہمارے ہا[illegible]

میں اسٹکس ہوتی ہیں۔ ہم رائفل پکڑ کر فائرنگ نہیں کر سکتے .... اوور۔"

ریڈیو آپریٹر نے کہا کہ ابھی وہ ڈاکٹر سے پوچھ کر جواب دے گا۔ اُس نے انٹرکام کے ذریعے رابطہ قائم کیا۔ پھر ڈاکٹر کو رپورٹ سنائی۔ ڈاکٹر نے کہا۔

"ایڈیٹ! اُن سے کہو کہ مزید تعاقب نہ کریں۔ چمپینزی اور سونیا جیسے غداروں کو گرفتار کرکے یہاں لانا خطرے والی بات ہوگی۔ میں یہاں کسی دشمن کو برداشت نہیں کرسکتا۔ بہتر ہے کہ وہ دونوں جنوب کی سمت بڑھتے چلے جائیں۔ بورنیو کے موٹر گیراج میں اطلاع پہنچاؤ کہ دو غدار وہاں پہنچنے والے ہیں۔ بلکہ وہ کتے انہیں وہاں پہنچانے والے ہیں۔ انہیں دیکھتے ہی شوٹ کردیا جائے ..... ایڈیٹ!"

ریڈیو آپریٹر نے تعاقب کرنے والے اسکیٹروں کو ڈاکٹر کا حکم سنادیا۔ پھر وہ دِل ہی دل میں حساب کرنے لگا کہ سونیا اور چمپینزی کب تک بورنیو کے موٹر گیراج تک پہونچ سکیں گے۔ اُس کے بعد وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے رابطہ قائم کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے ہیلر نام کے ایک شخص کو کال کیا۔

"ہیلو ہیلر! میں یہ افسوسناک خبر سنا رہا ہوں کہ تمہارا بھائی سیلر قتل کردیا گیا ہے۔ اس کے دو قاتل فرار ہوکر تمہاری طرف آرہے ہیں۔ تقریباً دس گھنٹے کے بعد وہاں پہنچیں گے۔ اپنے مسلح آدمیوں کو بتادو کہ قاتلوں کے پاس اسٹین گن ہے۔ ان سے محتاط رہ کر انہیں شکار کریں۔"

میں اُس کے جواب میں ہیلر کی آواز سُن رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے بھائی کے قاتلوں کو گالیاں دے رہا تھا بیچارے کو یہ نہیں معلوم تھا کہ میں سوچ کی سرنگ سے گذرتا ہوا اُس کے دماغ تک پہنچ رہا ہوں۔ اُس وقت میں نے ہیلر کو چھوڑ دیا۔ وقت آنے پر اُس سے نمٹا جاسکتا تھا۔ میں سونیا کو دیکھنے لگا۔ سلیج کے کتے پھر دوڑنے لگے تھے۔ سونیا سوچ رہی تھی۔

"فرہاد پھر کہاں غائب ہوگیا۔ مجھے یہ تو معلوم ہو کہ یہ سفر جاری رکھنا چاہیئے یا کتوں کو روک دیا جائے تعاقب کرنے والوں کی آوازیں بھی سنائی نہیں دے رہی ہیں ایسے ہی وقت فرہاد پر غصہ آتا ہے۔"

غصہ کی بات آتے ہی وہ مسکرا کر سوچنے لگی۔

"اپنے مرد کو غصہ دکھاتے ہوئے کتنا مزہ آتا ہے۔ وہ فرہاد جسے تقدیر غصہ نہیں دکھا سکتی۔ وہ میرا غصہ برداشت کرلیتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف میں ہی ایک ایسی عورت ہوں جسے وہ اپنا سمجھتا ہے۔"

میں اُس کی سوچ پڑھ کر مسکرانے لگا۔ عورتیں اپنے مرد کی محکوم ضرور ہوتی ہیں مگر کبھی کبھی اُن پر حکومت جتا کر اس لئے فخر کرتی ہیں کہ یہ ان کا حق ہوتا ہے۔ وہ زیادہ دیر تک نہ سوچ سکی۔ چمپینزی نے پوچھا۔

"ممی! یہ کتے ہمیں کہاں لے جا رہے ہیں؟"

میں سونیا کو بتا چکا تھا۔ اس نے انجان بنکر کہا۔

"پتہ نہیں ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"تو پھر انہیں روکیئے۔"

"روکنے کے بعد ہم کہاں جائیں گے۔ نہ جانے دشمن کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ کتے ہمیں جتنی دور لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔"

"لیکن ممی! ہم دور جاکر کھائیں گے کیا؟ کھانے پینے کا سامان تو وہاں طیارے کے پاس رہ گیا ہے۔"

سونیا فکر مند ہوکر سوچنے لگی۔

"واقعی ہم کھائیں گے کیا؟ ابھی تو پیٹ بھرا ہے۔ فرہاد نے کہا تھا کہ کسی موٹر گیراج تک پہنچنے کے لئے ہمیں دو سو میل کا سفر کرنا ہوگا۔ پتہ نہیں یہ کتے کب تک چلتے رہیں گے اور ہمیں کب تک وہاں پہنچائیں گے۔"

میں نے اُسے مخاطب کیا۔

"ہیلو سونیا! فکر نہ کرو۔ تقریباً دس گھنٹے کے بعد تم وہاں پہنچ جاؤگی۔ اُس جگہ کا نام بورنیو ہے۔"

"فرہاد! کیا تم تعاقب کرنے والوں تک پہونچ گئے ہو؟"

"ہاں۔ اُن کی بھی فکر نہ کرو۔ وہ واپس چلے گئے ہیں۔"

"تعجب ہے۔ انہوں نے بڑی شرافت کا ثبوت دیا ہے۔"

"ہاں۔ شرافت کا ثبوت اس طرح دیا ہے کہ جس سیلر نام کے آدمی کو تم لوگوں نے مارا ہے اس کا بھائی ہیلر بورنیو میں رہتا ہے۔ اسے اطلاع دیدی گئی ہے کہ اُس کے بھائی کے قاتل وہاں پہنچنے والے ہیں وہ اپنے مسلح آدمیوں کے ساتھ تم دونوں کا استقبال کرے گا۔"

سونیا نے ناراض ہوکر پوچھا۔

"تم نے انہیں یہ موقع کیوں دیا کہ وہ ہیلر تک ہماری آمد کی اطلاع پہنچاتے؟"
"دیکھو تم پھر غصہ دکھا رہی ہو۔"
"میرے غصے کا اثر تم پر نہیں ہوتا۔"
"ایسا نہ کہو۔ اتنی بڑی دنیا میں صرف تم ہی ایک عورت ایسی ہو جس کے غصے سے فرہاد ڈرتا ہے۔"
وہ خوش ہو کر مسکرانے لگی۔ میں نے کہا۔
"یہ فرہاد اس طرح ڈرتا ہے کہ تمہیں غصہ کی بجائے مسکرانے پر مجبور کر دیتا ہے۔"
اُسے اچانک ہی خیال آیا کہ وہ مسکرا رہی ہے اور وہ بھی میرے بیوقوف بنانے پر مسکرا رہی ہے۔ پہلے تو وہ جھلا گئی۔ پھر بے بسی سے بولی۔
"تم ایک پل میں اِدھر کی سوچ کو اُدھر کر دیتے ہو۔ اب میں تمہیں کیا کہوں۔ جاؤ اپنا سمجھ کر معاف کر دیا۔"
اُسی وقت چمپینزی نے اچانک ہی زور کا قہقہہ لگایا۔ سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔
"تم کس بات پر ہنس رہے ہو؟"
"اوہ ممی! مجھے آرتھر یاد آ گیا۔ آپ نے کس طرح اُسے ننگا کر کے برف میں دھنسا کر کھڑا کر دیا تھا۔ اُسی وقت میرا دل چاہتا تھا کہ زور کا قہقہہ لگاؤں لیکن دماغ میں یہ بات آئی کہ ہنسوں گا تو رابرٹ وغیرہ مجھ پر شبہ کریں گے۔ اس لئے بعد میں قہقہہ لگاؤں گا ہا ہا ہا......"
وہ کمبخت اُس وقت کی روکی ہوئی ہنسی پھیپھڑوں سے نکال رہا تھا۔ میں نے کہا۔
"سونیا! مبارک ہو۔ تم نے بڑے شاہکار بچے کو جنم دیا ہے۔"
"اے فضول باتیں کرو گے تو اچھا نہ ہو گا۔ تم ہی نے مجبور کیا تھا کہ میں اُسے بیٹا بناؤں۔"
"مجبور تو ہر مرد کرتا ہے۔ پیدا کرنے کی ذمہ دار عورت ہوتی ہے۔"
"کیا تم دوسری کوئی بات نہیں کر سکتے؟"
"ہر اچھے والدین کو اپنی اولاد کی ہی باتیں کرنی چاہئیں۔"
"فرہاد! یہاں سے جاؤ۔ اور ہیلر کی خبر لو کیوں وقت ضائع کر رہے ہو۔"
"اچھا۔ میں جا رہا ہوں۔"
لیکن میں نہیں گیا۔ وہ چند لمحے تک خاموش رہی پھر بولی۔ "فرہاد! کیا تم چلے گئے؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ مجھے پھر ایک بار پکارنے کے بعد سوچنے لگی۔
"او گاڈ! وہ چلا جاتا ہے تو ایسا لگتا ہے جیسے میں اندر سے خالی ہو گئی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں کہ عورت کے وجود سے دنیا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ مرد نہ ہو تو عورت یہ دُنیا لے کر کیا کرے گی...... کچھ نہیں۔"
میں مسکراتا ہوا اس کے دماغ سے نکل گیا۔ ابھی سونیا بورنیو تک ایک طویل فاصلہ طے کرنے والی تھی۔ راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ کوئی دشمن نہیں تھا۔ ٹرینڈ کئے ہوئے گتے کبھی رُکتے ہوئے اور کبھی بھاگتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچنا جانتے تھے۔ اس لئے میں اُس کی طرف سے مطمئن ہو کر بانس کی جھونپڑی میں واپس آ گیا۔
اپنے آس پاس کے ماحول پر بھی نظر رکھنا لازمی تھا۔ پتہ نہیں منزا اور نامودا کہاں چلے گئے تھے۔ منزا کی بوڑھی ماں سے کچھ پوچھنا فضول تھا۔ اُس کی زبان سمجھ میں نہ آتی۔ نامودا کے دماغ میں جھانکنا مناسب نہیں تھا۔ پتہ نہیں میاں بیوی کیسا وقت گذار رہے ہوں گے۔ میں اخلاقی حدود میں رہ کر سوچ رہا تھا۔ اور دماغ سمجھا رہا تھا کہ غفلت ہمیشہ مصیبت کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا کسی کو اپنا سمجھ کر اس سے غافل نہیں رہنا چاہیئے۔
میری زندگی میں اکثر ایسے واقعات پیش آئے کہ جن سے میں ذرا بھی مطمئن ہوا۔ وہی میری بے اطمینانی کا سبب بنتے رہے۔ میں نے اخلاقیات کو بالائے طاق رکھ کر نامودا کے دماغ میں جھانکا۔ وہ سمندر کے کنارے ایک کاٹج کے برآمدے میں کھڑا ہوا منزا کو دیکھ رہا تھا۔ منزا ساحل سمندر کی لہروں سے کھیل رہی تھی۔ جب وہ نامودا کی طرف دیکھ کر مسکراتی وہ بھی جواباً مسکراتا ہوا سوچنے لگتا۔
"منزا کتنی معصوم ہے۔ یہ نہیں جانتی کہ میں مجرمانہ زندگی گذار رہا ہوں۔ یہ وقت کتنی خوبصورتی سے گذر رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوائیں، سمندر کا کنارہ، منزا کی طرح شوخ و شریر لہریں۔ یہاں کتنا حسن ہے۔ جی چاہتا ہے ساری زندگی اسی جگہ منزا کی بانہوں میں گذار دوں۔"
میں نے اُس کے دماغ میں حسرت بھری سرد آہ بھری اور کہا۔
"یہ حسرت کہاں پوری ہو گی؟ ایک ہفتہ بعد پھر مجرموں کے ماحول میں پہنچنا ہو گا۔ اور اپنے ساتھ مونٹو کو بھی لے

جانا ہو گا۔"
اس کے دماغ میں مونٹو کا نام آتے ہی وہ میرے متعلق سوچنے لگا۔ کیونکہ میں مونٹو کے روپ میں اس کا اعتماد حاصل کر رہا تھا۔ اس کی سوچ نے کہا۔
"بوڑھی اماں کہہ رہی تھی کہ مونٹو دن رات اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند رکھتا ہے۔ کبھی ایزی چیئر پر بیٹھتا ہے۔ کبھی جھولے میں لیٹا رہتا ہے۔ اُس نے کبھی اس بات کی شکایت نہیں کی کہ وہ اُس قید سے بیزار ہو گیا ہے۔"
میں نے اس کے دماغ میں تجسس پیدا کیا۔
"آخر وہ دن رات کمرے میں بند رہ کر کیا کرتا رہتا ہے۔"
اس کی دوسری سوچ نے کہا۔
"بیچارہ! بند کمرے میں اور کیا کرے گا۔ بیٹھا سگریٹ پیئے گا یا جھولے میں لیٹا رہے گا۔ ویسے میرے ساتھی احتیاطاً اُس کی نگرانی کرتے رہتے ہیں کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائے۔"
اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ نامودا مجھ پر بھروسہ کرتا ہے۔ صرف اس کے ساتھی احتیاطاً میرا خیال رکھتے ہیں ان کی طرف سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے میں پھر ان کی طرف سے مطمئن ہو گیا۔ میں نے جھونپڑی کے دوسرے کمرے میں آ کر منزا کی ماں سے اشاروں میں کہا کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ اُس نے پھر میرے سامنے جھینگے اور کیکڑے کا سالن رکھ دیا۔
میں نے کیکڑے ہٹا دیئے۔ جھینگے اور روٹیوں سے پیٹ بھرا۔ پھر اشارے سے چائے طلب کی۔ پندرہ منٹ بعد چائے مل گئی۔ میں آرام سے چائے سگریٹ پینے میں وقت ضائع کر رہا تھا۔ کبھی کبھی سونیا کی خبر لیتا رہتا تھا۔ پھر تقریباً آٹھ گھنٹے کے بعد میں نے اپنے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کیا اور جھولے پر آرام سے لیٹ کر بورنیو کے موٹر گیراج میں ہیلر کے پاس پہنچ گیا۔
وہ گیراج نہیں بلکہ درختوں سے کاٹی ہوئی شہتیر سے بنا ہوا کاٹج تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس کے آس پاس اور چھ کاٹج ہیں اور دو موٹر گیراج ہیں۔ جن میں چار ویگن کاریں موجود رہتی ہیں۔ اُس وقت میں ہیلر کے دماغ سے صرف ایک آئینے کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ وہ خود آئینے کے سامنے لباس بدل رہا تھا۔ بعض اوقات نہ دیکھنے

والا منظر بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "بُری بات ہے۔ لباس بدلتے وقت آئینہ نہیں دیکھنا چاہیئے......"
وہ بے اختیار آئینے کی طرف سے منہ پھیر کر لباس پہننے لگا۔ منہ پھیرتے ہی سوچ بھی پھر گئی۔ اب اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ سامنے ایک آرام دہ پلنگ ہے اور اس پلنگ پر بھی ایک حسینہ لباس پہن رہی ہے۔ دُنیا کا کوئی حمام اتنا ننگا نہیں ہوتا، جتنا کہ دماغ کا حمام ہوتا ہے۔ میں اُس کے دماغ سے تھوڑی دیر کے لئے باہر چلا گیا میں نے سونیا کے پاس پہنچ کر کہا۔
"آٹھ گھنٹے گذر چکے ہیں۔ تم بورنیو کے قریب پہنچ رہی ہو۔"
"فرہاد! بھوک سے بُرا حال ہے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ سرد علاقے میں بھوک زیادہ لگتی ہے۔"
"فکر نہ کرو۔ منزل قریب آ رہی ہے۔ کچھ نہ کچھ کھانے پینے کے لئے مل جائے گا۔"
"بورنیو کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ تم نے اب تک کیا معلومات حاصل کی ہیں۔"
"ابھی تک اتنا ہی جانتا ہوں کہ وہاں ایک کمرے میں ہیلر ہے۔ ایک حسین لڑکی بھی ہے اور دو لوئز......"
میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اُس نے جلدی سے پوچھا۔
"دو لوئز کیا؟ اوہ۔ اچھا تو تم ایسی جگہ کیوں پہنچ جاتے ہو؟"
"میں تو معلومات حاصل کرنے گیا تھا۔ اب تم غصہ نہ دکھانا۔"
وہ ہنستی ہوئی بولی "تم دانستہ اُن کی تنہائی میں نہیں گئے تھے۔ اس لئے غصہ نہیں دکھاؤں گی۔ ویسے یہ کتنی دیر کی بات ہے؟"
میں نے جھوٹ کہا۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ اب مجھے وہاں جانا چاہیئے۔ یہ تو معلوم ہو کہ وہ تمہیں کس طرح گھیرنا چاہتے ہیں۔
میں اُس سے رخصت ہو کر پھر ہیلر کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اب وہ کاٹج کے باہر برآمدے میں کھڑا ہوا تھا۔ اس کے سامنے برآمدے کی ریلنگ کے دوسری طرف چار مسلح جوان تھے۔ ایک کہہ رہا تھا۔
"مسٹر ہیلر! تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ یہاں

سے دو میل کے فاصلہ پر بارودی سرنگ بچھائی گئی ہے برف گاڑی اُس پر سے گذرے گی تو ان دونوں کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔"

"ویری گڈ۔" ہیلر نے کہا۔ "ہمیں ان کے بچاؤ یا فرار کے لئے ذرا سی بھی گنجائش نہیں رکھنی چاہئے۔ فرض کرو۔ اگر کتے راستے میں بیمار ہو جائیں۔ یا کسی وجہ سے وہ سلیج میں بیٹھ کر ادھر نہ آئیں۔ یا وہ برف گاڑی ٹوٹ جائے تو کیا ہوگا؟"

دوسرے جوان نے کہا۔ "وہ دونوں راستے سے بھٹک جائیں گے۔ کیونکہ یہ راستہ صرف کتے ہی جانتے ہیں۔"

ہیلر نے کہا" ہاں۔ میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔ وہ راستے سے بھٹک کر کسی دوسری سمت سے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ جہاں بارودی سرنگ بچھائی گئی ہے وہاں سے چند فرلانگ آگے تم چاروں اپنا محاذ بناؤ اگر وہ تمہارے ہاتھوں مارے گئے تو برف گاڑی بارودی دھماکے سے تباہ نہیں ہوگی۔ کتے بھی ہمارے کام آنے کے لئے زندہ رہیں گے۔"

پھر اُس نے کاٹیج کے اندرونی دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔ "شیلا! کم آن۔ ہم جا رہے ہیں۔"

شیلا نام کی وہی حسینہ پتلون اور جیکٹ پہنے، اپنے شانہ سے ایک رائفل لٹکائے کاٹیج سے باہر آگئی۔ وہ سب ایک ویگن کار میں آ گئے۔ اُس علاقہ میں ہوا اتنی تیز نہیں تھی اور نہ ہی برف کے ذرات اُڑتے تھے لیکن وہاں کا میدانی علاقہ بھی برف سے ڈھکا رہتا تھا۔ جانوروں کی کھال سے بنے ہوئے کپڑے ضروری تھے مگر اسنو ماسک کی ضرورت پیش نہیں آتی تھی۔

ہیلر گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ اُس کے پاس بیٹھی ہوئی شیلا نے پوچھا۔

"ہیلر! کیا وہ دونوں اتنے ہی خطرناک ہیں، جتنے کہ تم لوگ محتاط اور منظم نظر آ رہے ہو؟"

"ہاں۔ پہلے مجھے اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ وہ دونوں میرے بھائی سیلر کے قاتل ہیں۔ بعد میں پھر مجھے ٹرانسمٹر سے اطلاع دی گئی۔ مجھے ان کے نام بتائے گئے۔ ان میں سے ایک ہماری تنظیم کا ماسٹر جمپیزی ہے۔"

"مائی گڈنس۔" شیلا نے کہا۔ "ہماری تنظیم کا ماسٹر ہمارا دشمن ہو گیا؟"

ہیلر نے کہا۔ "دوسرا نام تو سنو.... نہیں بلکہ بوجھو وہ تمہاری بہت ہی پسندیدہ ہستی ہے۔ تم اُس کے گن گاتی رہتی ہو۔ وہی ہستی دشمن بن کر آ رہی ہے۔ بوجھو وہ کون ہے؟"

شیلا ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگی۔ ہیلر نے کہا۔

"میں اشارہ دیتا ہوں۔ تقریباً چوبیس گھنٹے پہلے تم نے اس کا ذکر کیا تھا۔"

شیلا حیرانی سے اچھل کر ہیلر سے ذرا دور ہو گئی، پھر بے یقینی سے بولی: "کیا مادام سونیا آ رہی ہیں؟"

ہیلر نے ناگواری سے کہا۔

"تنظیم سے غداری کرنے والی کو مادام نہ کہو۔"

"اچھا نہیں کہوں گی۔ میری بات کا جواب دو۔ کیا مادام سونیا.... نہیں مادام نہیں۔ صرف سونیا.... کیا سونیا آ رہی ہے؟"

"ہاں اُس کی موت اُسے یہاں کھینچ کر لا رہی ہے۔"

وہ خاموش رہی۔ میں ہیلر کے دماغ سے نکل کر اس کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اپنے ماضی کو یاد کر رہی تھی کہ اب سے دو سال پہلے وہ مادام سونیا کے ماتحت کام کرتی تھی۔ اور اس کی صلاحیتوں سے بے حد متاثر تھی۔ پھر اس کی مادام ماسٹر لیوشے کے ساتھ کسی مشن پر چلی گئی۔ کچھ عرصہ بعد خبر ملی کہ وہ فرہاد علی تیمور سے مل گئی ہے۔ پہلے تو فرہاد کی کوئی اہمیت نہیں تھی لیکن جب انہوں نے جزیرہ گوائی کی کروڑوں ڈالر کی مشینوں کو تباہ کر دیا تو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تنظیم کے افراد میں بے چینی پھیل گئی۔ اب شاید ہی کوئی ایسا ہو جو سونیا اور فرہاد کا نام نہ جانتا ہو۔

وہ سوچ رہی تھی اور اُس کے اندر چھپا چھپا سا جوش اور ولولہ پیدا ہو رہا تھا۔ وہ اپنی مادام کو دوبارہ دیکھنے کے لئے بے چین ہو رہی تھی۔ اُس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہیلر! سونیا اُس علاقہ میں کیسے پہنچ گئی۔ جہاں ہمیں بھی جانے کی اجازت نہیں ہے؟"

ہیلر نے جواب دیا

"ریڈیو آپریٹر نے مجھے صرف اتنا بتایا ہے کہ سونیا کو اُس علاقہ میں ہلاک کرنے کے لئے ایک طیارے کے ذریعہ بھیجا گیا تھا۔ وہ طیارہ وہیں گر کر تباہ ہو گیا۔ ماسٹر جمپیزی اُسے موت کی سزا دینا چاہتا تھا۔ مگر وہ بھی اس کے ساتھ مل کر غدار بن گیا۔ اب وہ دونوں اُدھر تباہی پھیلا کر ادھر آ رہے ہیں۔"

شیلا نے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"گاڑی روکو۔ میں کاٹیج واپس جاؤں گی۔"

ہیلر نے گاڑی روک کر پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ واپس کیوں جا رہی ہو؟"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی ہوئی بولی۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اپنی سلامتی کے لئے سونیا سے نہ ٹکراؤ تو تم نہیں مانو گے۔ میرا مذاق اڑاؤ گے۔"

اُس کی بات سنتے ہی گاڑی میں بیٹھے ہوئے تمام افراد ہنسنے لگے۔ ایک نے کہا۔

"ہم نے اپنی تنظیم میں اتنی بزدل لڑکی اور کہیں نہیں دیکھی۔"

دوسرے نے کہا۔ "یہ اپنی مادام کی موت کا نظارہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے جا رہی ہے۔"

ہیلر نے پوچھا۔ "کیا واقعی تم اپنی جان بچانے کے لئے بھاگ رہی ہو؟ ارے میں اسے چیونٹی کی طرح مسل دوں گا۔"

شیلا نے باری باری ہر ایک کے چہرے کو دیکھا پھر بڑے اعتماد سے بولی۔

"میں صرف کھانا تیار کرنے جا رہی ہوں۔ مادام سونیا بھوکی پیاسی آئیں گی۔"

اُس نے ایک جھٹکے سے گاڑی کے دروازے کو بند کیا۔ پھر کوئی جواب سنے بغیر کاٹیج کی طرف واپس چلی گئی۔ گاڑی کے اندر پھر ایک بار قہقہے بلند ہوئے ہیلر نے عقب نما آئینہ میں شیلا کو جاتے دیکھ کر "نان سنس" کہا پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔

دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ گاڑی سے اتر گئے۔ ہیلر کا ایک ساتھی بتانے لگا کہ کس طرح بارودی سرنگ بچھائی گئی ہے۔ جیسے ہی برف گاڑی سڑک کے اُس حصے سے گذرے گی۔ ان کا ایک آدمی بارودی تار سے منسلک ہونے والے ڈائنا مائٹ باکس کے ہینڈل کو پش کر دے گا۔ اس مقصد کے لئے ایک آدمی وہاں چھوڑ دیا گیا۔

وہاں سے دو فرلانگ کے فاصلے پر برف کو کھود کر ایک گڑھا بنایا گیا تھا جس میں ڈائنا مائٹ کو آپریٹ کرنے والا چھپ کر بیٹھ سکتا تھا۔ ورنہ اس میدانی علاقہ میں دور دور تک چھپنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ اُس کے آگے چار فرلانگ کے فاصلے پر باقی تین مسلح جوان اپنے لئے گڑھے کھودنے لگے۔ تاکہ وہاں چھپ کر فائرنگ کر سکیں۔ واقعی وہ اپنے لئے گڑھے کھود رہے تھے۔

ہیلر وہاں سے گاڑی واپس لے گیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ گاڑی کو گیراج میں واپس لے جائے گا تاکہ سونیا اور جمپیزی کو وہ گاڑی دور سے نظر نہ آئے پھر وہ گیراج سے واپس ایک میل کے فاصلے سے جب فائرنگ کی یا بارودی دھماکے کی آواز سنائی دے گی اور دشمنوں کی موت کا یقین ہو جائے گا تو وہ اُنکی لاشیں دیکھنے جائے گا۔

میں اُسے چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اور اُسے بتانے لگا کہ ہیلر نے اس کے لئے کس طرح جال بچھایا ہے۔ سونیا نے تمام باتیں سننے کے بعد پوچھا۔

"فرہاد! مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ میں ان تین مسلح آدمیوں کے بنائے ہوئے محاذ کے قریب پہنچ گئی ہوں؟"

ہاں، یہ تو میں بھول ہی گیا تھا کہ اس برفانی میدان میں کسی خاص جگہ کی نشاندہی کے لئے کوئی مخصوص نشان نہیں ہوتا تھا۔ نہ کوئی مکان تھا، نہ درخت نہ پودے تھے کاٹیج وہاں سے دو میل کے فاصلے پر تھے، اس لئے سونیا کو نظر نہیں آسکتے تھے۔ میں نے کہا۔

"سونیا! ابھی میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ تمہیں کس طرح گائیڈ کروں؟ مجھے ذرا سوچنے دو۔ اس وقت تک کتوں کی لگام کھینچتی رہو۔ تاکہ وہ تیز رفتاری سے اِدھر نہ آئیں۔"

"اچھی بات ہے۔ میں اب آہستہ آ رہی ہوں۔"

میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے تھوڑی دیر تک سوچتے رہنے کے بعد یہی بات سمجھ میں آئی کہ ہیلر وغیرہ سے مجھے ہی نمٹنا چاہئے۔ ورنہ وہ دور سے برف گاڑی کو دیکھتے ہی فائرنگ شروع کر دیں گے۔ دشمن اپنے کھودے ہوئے گڑھے میں محفوظ رہیں گے۔ سونیا اور جمپیزی کھلے میدان میں اِدھر سے اُدھر بھاگنے کے سوا کچھ نہ کر سکیں گے۔ وہ چھپنے والوں پر فائرنگ بھی نہ کر سکیں گے۔ بلکہ وہ خود گولیوں کا نشانہ بن جائیں گے۔

حالات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد میں نے ہیلر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ گاڑی کو گیراج میں رکھنے کے بعد کاٹیج کے اندر جا رہا تھا۔ شیلا نے جو فیصلہ سنایا تھا۔ اس پر باورچی خانہ میں جا کر عمل کر رہی تھی

ہیلر نے اُسے ناگواری سے دیکھ کر پوچھا۔
"شیلا! یہ کیا حماقت ہے۔ تم تو کیا تھی اس کالی بلا کے لئے کھانا تیار کر رہی ہو؟"
"ہیلر! یہ حماقت نہیں ہے۔ میں تمہاری بھلائی چاہتی ہوں۔ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو آؤ، اس کے لئے کچھ پکانے میں میری مدد کرو۔"
"یو شٹ اپ۔ تم خود اپنے انجام سے بے خبر ہو۔ سونیا اور جیپیزی کو قتل کرنے کے بعد جب یہ رپورٹ سپر ماسٹر کے پاس جائے گی۔ تو یہ لوگ رپورٹ میں یہ بھی لکھیں گے کہ تم سونیا کی حمایت کر رہی تھیں اور اُس کے استقبال کے لئے کھانے کا اہتمام کیا تھا۔ اس کے بعد تم خود ہی سمجھ لو کہ تمہیں کیسی سزائیں دی جائیں گی۔"
شیلا نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے انداز میں جواب دیا۔ "بعض اوقات حالات کا جائزہ لینے کے باوجود ہمیں ... اپنا انجام سمجھ میں نہیں آتا۔ صاف بات یہ ہے کہ تم مجھے سپر ماسٹر کے عتاب سے نہیں بچا سکو گے اور میں تمہیں مادام کے ہاتھوں نہیں بچا سکوں گی۔ ایک دوسرے کو نصیحت کرنا فضول ہے۔"
وہ غصہ میں جھنجھلاتا ہوا کچن سے باہر آیا۔ پھر کاٹیج سے باہر جانے لگا۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔
"مجھے بارودی سرنگ سے آگے جا کر یہ دیکھنا چاہیئے تھا کہ وہ تینوں کس طرح محاذ بنا رہے ہیں؟"
وہ چلتے چلتے ٹھٹھک گیا۔ پھر اُس کی سوچ نے کہا۔
"واقعی میں نے اُن سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ تینوں ایک ہی جگہ سے حملے کریں گے یا تین مختلف جگہ محاذ بنائیں گے۔"
میں نے کہا۔ "اگر وہ تینوں ایک جگہ سے فائرنگ کریں گے تو دشمن کی اسٹین گن کے ایک ہی برسٹ میں بیک وقت تینوں صاف ہو جائیں گے۔"
اس کی سوچ نے پریشان ہو کر کہا۔
"نہیں، مجھے فوراً ہی ان کے پاس پہنچنا چاہیئے۔ اوہ! کیا مصیبت ہے۔ اتنی دور جانے کے لئے پھر گاڑی نکالنی ہو گی۔"
اُس نے گیراج میں پہنچ کر پھر وہی گاڑی نکالی۔ محاذ کی طرف جاتے ہوئے اُس نے گھڑی دیکھی۔ اُس کے حساب سے سونیا اور جیپیزی کو وہاں پہنچنے کے لئے صرف آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا۔ میرے حساب سے وہ دو گھنٹہ سے قبل وہاں نہ آتے۔ کیونکہ سونیا نے کشتی کی رفتار سست کر دی تھی۔
وہ گاڑی کو تیزی سے ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔ سڑک کے اطراف میں برف بہت اونچائی تک جمی ہوئی تھی۔ ہیلر کے ماتحت وقتاً فوقتاً سڑک پر سے برف ہٹاتے رہتے تھے۔ تاکہ گاڑی کے لئے راستہ صاف رہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
"کیا مجھے وہ جگہ یاد ہے۔ جہاں بارودی سرنگ بچھائی گئی ہے؟"
ہیلر یاد کرنے لگا۔ دو میل کا فاصلہ طے ہو نے پر تو اُس نے گھبرا کر گاڑی کی رفتار سست کر دی۔ پھر ایک جگہ وہ گاڑی کو روک کر باہر آیا۔ اور دونوں ہاتھ منہ کے اطراف رکھ کر چیختے ہوئے پوچھنے لگا۔
"یو۔ کیڈی! کیا یہاں بارودی سرنگ کا کوئی خطرہ ہے؟"
کیڈی ڈائنا مائٹ باکس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے گڑھے سے سر نکال کر دوربین سے دور سڑک پر کھڑی ہوئی ویگن کار کو دیکھا۔ اُس کے حساب کے مطابق ویگن کار ٹھیک ٹارگٹ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اُس نے چیخ کر جواب دیا۔
"ہیلر! تمہاری گاڑی ٹھیک اُسی جگہ کھڑی ہے۔ بہتر ہے کہ اُسے آگے یا پیچھے لے جاؤ۔"
ہیلر کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی۔
"میں نے بھی کہاں گاڑی لا کر کھڑی کی ہے۔"
پھر اُس نے چیخ کر کہا۔ "کیڈی! بی کیرفل۔ میں گاڑی آگے بڑھا رہا ہوں۔"
اُس نے اطمینان دلایا۔ "فکر نہ کرو۔ میں محتاط ہوں تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ آرام سے گاڑی میں بیٹھ کر جاؤ۔"
ہیلر جلدی سے گاڑی کے پاس آیا۔ پھر اس کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھنے لگا۔ میں نے کیڈی کو دیکھا۔ اُس کے سامنے ڈائنا مائٹ باکس رکھا ہوا تھا۔ اُس کا ہینڈل اوپر کی طرف اٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
"پیچھے آہٹ سی سنائی دے رہی ہے۔ کہیں سونیا راستہ بدل کر تو نہیں آ رہی ہے۔"
وہ دوسری طرف گھوم کر دوربین سے دیکھنے لگا۔ اس طرح ڈائنا مائٹ باکس اس کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے اس کے دماغ میں ایک جھٹکے سے کہا۔
"ہائے میں بیٹھ گیا۔"
وہ ایک جھٹکے سے باکس پر بیٹھا۔ پھر اس کے وزن سے ہینڈل کے دبتے ہی ایک زوردار دھماکہ سنائی دیا۔ وہ گھبرا کر اچھل پڑا۔ فوراً ہی دوربین لگا کر دیکھنے لگا۔ مگر وہاں نظر کیا آتا؟ وہاں تو برف ریزہ ریزہ ہو کر کئی فٹ کی بلندی تک اُڑ رہی تھی۔ تمام ماحول برف کی دُھند میں گم ہو گیا تھا۔
کیڈی کے دل میں اب تک دھماکے ہو رہے تھے وہ خوف سے لرز رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔
"مم۔ میں نے یہ۔ یہ کیا کیا؟ میں اس منحوس باکس پر خود نہیں بیٹھا۔ بس جیسے سر چکرا گیا ہو۔ نہیں شاید میں باکس پر گر پڑا تھا۔ جو کچھ بھی ہو۔ جوڈی اور براؤن وغیرہ میری بات کا یقین نہیں کریں گے وہ مجھے ہیلر کا قاتل کہیں گے۔" میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔
"ہاں۔ یہ واقعہ ایسا ہے کہ میرا باپ بھی میری بے گناہی کا یقین نہیں کرے گا۔ مجھے اب جوڈی وغیرہ سے نمٹنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔"
اُس نے فوراً ہی دوربین کو چھوڑ کر اپنی رائفل اٹھالی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے۔ میں محتاط رہوں گا۔ اگر وہ میری بے گناہی کا یقین نہیں کریں گے تو مجھے ماسٹر کے سامنے قاتل کی حیثیت سے پیش کریں گے۔ مجھے سزائے موت دی جائے گی۔ بہتر ہے کہ میں اسی جگہ اپنی زندگی کے لئے لڑوں۔"
میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
"ایک طریقہ اور ہے۔ اگر میں دانشمندی سے کام لوں تو سونیا کا ساتھ دے کر ماسٹروں کے قہر و غضب سے بچ سکتا ہوں۔ شیلا بھی اس کی حمایت کر رہی ہے۔"
وہ اس خیال سے متفق ہو رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ کر شیلا کے پاس جانا چاہیئے۔ اُس وقت تک برف کا غبار چھٹ گیا تھا۔ اور ویگن کار سے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ پانی بن کر بہنے والی برف بھی ان شعلوں کو نہیں بجھا سکی تھی۔ اتنے میں براؤن کی آواز سنائی دی۔
"کیڈی! تم کہاں ہو؟ یہ دھماکہ کیسے ہو گیا؟ یہ گاڑی یہاں کون لایا تھا؟"
کیڈی نے کہا۔ "میرے دوستو! میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں اچانک ہی ڈائنا مائٹ باکس پر گر پڑا تھا۔ اسی وقت ہیلر گاڑی لے کر وہاں سے گذر رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر اُسے ہلاک نہیں کیا ہے...."
دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا۔
"یہ کیا بکواس کر رہے ہو؟ سیدھی طرح باہر آ جاؤ۔ جب تک تمہاری بے گناہی ثابت نہیں ہو گی۔ تم حراست میں رہو گے۔" میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
"میں اتنا احمق نہیں ہوں کہ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کر دوں۔ میری بے گناہی کبھی ثابت نہیں ہو سکے گی۔ مجھے فائر کرنا چاہیئے۔"
یہ سوچتے ہی اُس نے گڑھے سے اُبھر کر فائر کر دیا اُس کے ایک ساتھی کی چیخ سنائی دی۔ جوڈی اور براؤن کہیں چھپنے کے لئے بھاگے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کیڈی کو محض دھمکی دینے سے وہ فائر کر دے گا۔ کیڈی پر ان کا اعتماد درست تھا۔ وہ بیچارہ تو میری سوچ کی انگلیوں سے ٹریگر دبا رہا تھا۔
اُس نے دوسری بار ٹریگر کو دبایا۔ جوڈی چیخ مار کر برف پر اوندھے منہ گر پڑا۔ تیسرے فائر تک براؤن بھاگتا ہوا شوٹنگ رینج سے آگے نکل گیا۔ وہ بے تحاشہ کاٹیج کی طرف بھاگتا جا رہا تھا۔ کیڈی گڑھے سے نکل کر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ کچھ آگے جا کر اُس نے پھر فائر کیا۔ براؤن کو گولی تو نہیں لگی۔ مگر وہ لڑکھڑا کر گر پڑا پھر لڑھکتا ہوا برف کی اونچائی سے پختہ سڑک پر پہنچ گیا۔
کیڈی دوڑتے دوڑتے ٹھٹھک گیا۔ کیونکہ براؤن سڑک پر پہنچ کر برف کے پیچھے چھپ گیا تھا اور وہ خود کھلی جگہ پر تھا۔ اُس نے بھی سڑک تک پہنچنے کے لئے دوڑ لگائی تب میں نے اس کے دماغ میں بیٹھ کر دیکھا کہ جسم پر گولی لگنے سے آخری وقت دماغ کیسے کرب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اور آدمی کیسے تڑپ تڑپ کر مرتا ہے۔ کیڈی برف

کی سیج پر سرد پڑ چکا تھا۔

اس کے مرتے ہی براؤن سڑک پر تنہا کھڑا ہو کر ادھر اُدھر پریشانی سے دیکھنے لگا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ جو اپنے تھے، وہ اپنوں کے ہاتھوں کیسے مر گئے سب فنا ہو گئے۔ اب وہ تنہا سونیا اور چمپینزی کا مقابلہ کیسے کرے گا؟

ہاتھوں میں رائفل ہو تو تنہا دو چار کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے لیکن فرہاد کی موت کے بعد اب ان کے دلوں پر سونیا کی دہشت طاری تھی۔ پہلے شیلا کی بات پر براؤن نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ قہقہہ لگایا تھا۔ اب تنہا مقابلہ کی بات آئی تو وہ اپنے آپ پر ہنسنا چاہتا تھا پھر اُس نے سوچا کہ فوراً ہی کاٹیج پہنچکر ٹرانسمیٹر کے ذریعہ اپنے ماسٹر کو اطلاع دینی چاہیئے۔ اور ہو سکے تو گیراج سے ایک گاڑی لیکر وہاں سے فرار ہو جانا چاہیئے۔ یہ سوچتے ہی وہ کاٹیج کی طرف بھاگنے لگا۔

میں نے اُس سے پہلے ہی کاٹیج میں پہنچکر دیکھا۔ شیلا اپنی رائفل اٹھائے برآمدے میں آکر دور سے ہونے والی فائرنگ کی آواز سن رہی تھی۔ اُس نے پہلے زوردار دھماکہ کی آواز سنی تب یہ سوچ کر دل بیٹھ گیا تھا کہ سونیا کی برف گاڑی بارودی دھماکے کی زد میں آگئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے فائرنگ کی آواز سنی تو اس خیال سے اطمینان ہوا کہ سونیا یقیناً زندہ ہوگی۔ تب ہی فائرنگ ہو رہی ہے۔ شیلا یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ساتھی آپس ہی میں رائفل کی گولیاں تقسیم کر رہے ہیں۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"مادام پر قابو پانا ہیلر جیسے لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ ایسے وقت مجھے مادام کی کچھ مدد کرنی چاہیئے"

شیلا کی سوچ نے کہا: "مگر میں کیسے مدد کر سکتی ہوں میرے پاس رائفل ہے۔ مگر میں کھلی جگہ جاؤں گی تو کسی کی گولی کا نشانہ بن جاؤں گی۔"

میں نے کہا: "ہاں۔ آگے جانے میں خطرہ ہے۔ مگر ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کوئی مادام سے جان بچا کر یہاں آئے اور یہاں کاٹیج میں چھپ کر مادام کو نقصان پہنچانا چاہے۔"

"ہاں" اس کی سوچ نے ایک لمبی سی ہاں کے ساتھ کہا: "ٹھیک ہے۔ میں یہاں کھڑی رہوں گی۔ کوئی یہاں آئے گا تو گولی سے اڑا دوں گی...."

براؤن بھاگتا آرہا تھا۔ اُس کی سانس پھول رہی تھی۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اُس نے کاٹیج کے قریب پہنچ کر کہا۔

"شیلا! بہت بری خبر ہے۔ ہمارے تمام ساتھی مارے گئے ہیں۔"

"تم کیوں زندہ ہو؟"

شیلا نے گولی داغ دی۔ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ تمام ساتھی کیسے مارے گئے۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کی مادام نے ہی اتنا بڑا شکار کھیلا ہے۔ بہرحال میں نے میدان صاف کرنے کے بعد سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے برف گاڑی کو روک لیا تھا۔ اور میرا انتظار کر رہی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"ہیلو سونیا! تم رک کیوں گئیں؟"

"میں آگے کیسے بڑھوں۔ کچھ فاصلے پر دھواں دکھائی دے رہا ہے۔ کیا تم نے کہیں آگ لگا دی ہے؟"

"ہاں۔ آگے بڑھو۔ دھواں دکھائی دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم قریب پہنچ گئی ہو۔"

وہ کتوں کو تیزی سے دوڑانے لگی۔ میں اُسے بتلانے لگا کہ دشمن کس طرح مارے گئے ہیں اور اب وہ شیلا جرأت کی مداح ہے۔ کاٹیج میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔ آدھ گھنٹہ بعد وہ جلی ہوئی ویگن کار کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے کہا۔

"اب وہاں سے دو میل کے فاصلہ پر کاٹیج ہے لیکن دھماکے کے باعث راستے میں گڑھا پڑ گیا ہے۔ اب تم سلیج اور کتوں کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھو۔"

اس نے اور چمپینزی نے دو میل کا سفر پیدل طے کیا۔ شیلا نے انہیں دیکھتے ہی خوش ہو کر دونوں بانہیں پھیلاتے ہوئے کہا۔

"مادام خوش آمدید۔ اگر آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتی ہیں تو میں آج بھی آپ کے سامنے معمولی لڑکی ہوں۔ آپ کی ماتحت ہوں۔"

سونیا نے اُسے گلے لگا کر کہا۔

"شیلا! میں تم پر بھروسہ کرتی ہوں۔ اور یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے میرے لئے کھانے کا اہتمام کیا ہے؟"

شیلا نے شدید حیرانی سے پوچھا۔

"آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اوہ سمجھ گئی۔ آپ کے فرہاد صاحب ٹیلی پیتھی جانتے ہیں۔ انہوں نے آپ کو...."

سونیا نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا: "تم غلط سمجھ رہی ہو۔ اچھے کھانوں کی خوشبو یہاں تک آرہی ہے، ویسے فرہاد صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ جاپان کی ایک سینٹرل جیل میں انہیں گولی مار دی گئی ہے۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔ ان کی موت پر پوری ایک فلم تیار کی گئی ہے۔ وہ فلم سپر ماسٹر کے پاس ہے۔"

"لیکن مادام! آپ کے چہرے سے فرہاد صاحب کے لئے دکھ ظاہر نہیں ہو رہا ہے۔"

"شیلا! عورت اپنا دکھ اپنے دل میں چھپا کر رکھتی ہے۔ بھئی تم باتیں ہی کرو گی یا کاٹیج میں چلنے کے لئے بھی کہو گی۔"

"سوری مادام! تشریف لایئے۔ اب تو یہاں آپ کی حکومت ہے۔"

وہ شیلا اور چمپینزی کے ساتھ کاٹیج میں جانے لگی۔ میں نے کہا۔

"سونیا! جس قدر جلد ممکن ہو۔ کھانے پینے سے فارغ ہو جاؤ۔ تمہیں وہاں سے بھی فوراً بھاگنا ہوگا۔"

"کیوں؟ تم مجھے آرام نہیں کرنے دو گے؟ کھانے کے بعد نیند ضرور آئے گی۔"

"سو جاؤ گی تو پھر ہمیشہ کے لئے سوتی رہ جاؤ گی۔ ہیلر کی طرف سے اطلاع نہیں ملے گی تو وہاں تنظیم کی دوسری ٹیم پہنچے گی۔"

"یہ دشمن تو ہمیشہ پیچھے لگے رہیں گے۔ تم چاہو تو مجھے تھوڑی دیر سونے کی فرصت دے سکتے ہو۔"

"میں تمہارے دماغ سے تمہاری تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ تم بہت زیادہ نڈھال نہیں ہو۔ ابھی کم از کم تین سو میل کا سفر طے کر سکتی ہو۔ جب تم یہ تین سو میل کا فاصلہ طے کر لو گی تو وہاں قیامت کے دھماکے ہوں گے۔ پتہ نہیں ان دھماکوں کے نتیجے میں کیسی تباہی مچے گی۔ تمہیں جلد از جلد وہاں سے دور نکل جانا چاہیئے۔"

سونیا کی سوچ بڑبڑا رہی تھی۔

"دھماکہ۔ قیامت کے دھماکے۔ اوہ سمجھ گئی۔ فرہاد! تم ایٹمی دھماکے کی بات کر رہے ہو۔ اوہ گاڈ! تم کیسی تباہی پھیلانا چاہتے ہو۔ سپر ماسٹر اتنا زبردست نقصان برداشت نہیں کر سکے گا۔۔۔"

میں اس کی سوچ پڑھ کر مسکرانے لگا۔

شیلا نے بڑی جلدی میں کھانے تیار کئے تھے مگر وہ بہت لذیذ تھے۔ سونیا، شیلا اور چمپینزی ایک چھوٹی سی میز کے اطراف بیٹھے ہوئے کھانے میں مصروف تھے۔ چمپینزی چپ چپ سا تھا۔ شاید اس لئے کہ جب دو عورتیں آپس میں بولنا شروع کرتی ہیں تو پھر کسی تیسرے کو بولنے کا موقع نہیں دیتیں۔

سونیا نے کہا: "شیلا تم اپنے ماسٹر چمپینزی سے شاید پہلے بھی مل چکی ہو۔"

"نہیں مادام! میں نے ماسٹر کا نام سنا تھا۔ لیکن ملنے کا آج ہی اتفاق ہوا ہے۔"

وہ پہاڑ جیسے چمپینزی کو تعریفی نظروں سے دیکھ رہی تھی چمپینزی نے غرّا کر کہا۔

"مجھے اس طرح گھور کر نہ دیکھو۔ میں عورتوں کو پسند نہیں کرتا۔"

شیلا نادم سی ہو گئی۔ سونیا نے کہا۔

"چمپینزی! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ کیا تم مجھے پسند نہیں کرتے ہو؟"

"میں تو آپ کو دل و جان سے چاہتا ہوں۔ آپ کی بات اور ہے۔"

"میری بات اور کیوں ہے؟ میں بھی تو عورت ہوں۔"

"لیکن آپ میری ممی ہیں۔"

شیلا چونک کر کبھی سونیا کو اور کبھی چمپینزی کو دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی مادام سونیا دیو ہیکل چمپینزی کی ممی کیسے ہو سکتی ہے۔ سونیا کہہ رہی تھی۔

"ہاں! میں تمہاری ماں ہوں۔ عورت ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو، بیوی ہو یا محبوبہ ہو۔ وہ ہر رشتہ میں قابلِ عزت ہوتی ہے کیا تم شیلا کی عزت نہیں کرو گے؟"

"ممی! آپ کہتی ہیں۔ اس لئے ضرور کروں گا۔"

"صرف میرے کہنے سے نہیں۔ ذرا اپنی عقل سے بھی سوچ کر کام کیا کرو۔ ہماری دنیا میں تمام مرد برے نہیں ہوتے اور تمام عورتیں بھی بری نہیں ہوتیں۔ جو عورت مکار اور فریبی ہو اس سے تم نفرت کرو۔ شیلا ایسی نہیں ہے....."

چمپینزی نے سونیا کو گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ممی! اس شیلا کو سونیا پہچانتی تھی۔ آپ تو میری ممی ہیں آپ کیسے جانتی ہیں کہ شیلا ایسی نہیں ہے ویسی ہے؟"

سونیا ایک ذرا بوکھلا سی گئی۔ چمپینزی نے کہا۔

"میں بہت دیر سے آپ دونوں کی باتیں سن رہا ہوں۔ آپ ماضی کے اس دور کی باتیں کر رہی ہیں جب یہ لڑکی سونیا کے ماتحت تھی آپ اس دور کی ایک ایک بات جانتی ہیں۔ آپ نے شیلا کو یہ بھی بتایا ہے کہ فرہاد علی تیمور کو جاپان کی ایک سینٹرل جیل میں گولی مار دی گئی ہے

اور اس کی فلم سپر ماسٹر کے پاس موجود ہے۔ یہ تمام باتیں سونیا جانتی تھی لیکن آپ کیسے جانتی ہیں۔؟"

میں دماغ کی اسکرین پر چپ چاپ انہیں دیکھ رہا تھا اور ان کی باتیں بھی سن رہا تھا۔ میں نے سونیا کو ہدایت دی وہ میری ہدایت کے مطابق کہنے لگی۔

"چمپیزی! تمہاری باتوں سے پتہ چل رہا ہے کہ تم پھر اپنی ماں پر شبہ کر رہے ہو۔"

"آپ جو کچھ بھی سمجھیں۔ جو بات میری سمجھ میں نہیں آرہی ہے' وہ پوچھ رہا ہوں۔"

سونیا نے کہا: "پہلے خود سوچو۔ اپنی عقل سے پوچھو۔ میں بعد میں تمہیں سمجھاؤں گی۔"

اس نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"یہ اتنا سا کھانا ہے۔ میں تم دونوں کا حصہ کھالوں تب بھی پیٹ نہیں بھرے گا۔ ایسے میں عقل کیا کام کرسکتی ہے"

شیلا نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ماسٹر! مجھے آپ کی خوراک کا اندازہ نہیں تھا۔ یہاں مختلف جانوروں کے تازہ گوشت اسٹاک کئے گئے ہیں۔ میں آپ کے لئے زیادہ سے زیادہ گوشت بھون کر لاتی ہوں۔"

وہ وہاں سے چلی گئی۔ سونیا نے میری ہدایت کے مطابق چمپیزی کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں شیلا کے سامنے یہ باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تم تنہائی میں یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ تمہاری دشمن ہوں۔"

"ممی! میں نے یہ تو نہیں کہا تھا میں صرف یہ پوچھ رہا تھا کہ جو باتیں سونیا جانتی تھی، وہ آپ کیسے جانتی ہیں۔؟"

"میں تمہاری ماں ہوں۔ میں جوڈو کراٹے نہیں جانتی تھی لیکن میں نے بھاگتے ہوئے سلیج پر بارلن سے مقابلہ کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میرے پاس سونیا کا صرف جسم ہی نہیں، اس کا دماغ بھی ہے۔ میری روح ہی میں سمانے کے بعد یہ جسم اور دماغ پھر زندہ ہوگیا ہے۔ میری چال، میری گفتگو کا لہجہ سونیا کا ہے میرے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ دراصل سونیا کے دماغ سے نکلتی ہے۔"

چمپیزی نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔

"اوہ ممی! اب سمجھ میں آگیا۔ سونیا کے دماغ میں پہلے کی باتیں محفوظ تھیں۔ اب وہی باتیں آپ کو یاد آجاتی ہیں۔ اور آپ سونیا کے دماغ سے اور اس کی آنکھوں سے سونیا کے پچھلے شناساؤں کو پہچان لیتی ہیں جیسا کہ آپ نے شیلا کو پہچان لیا۔"

"ہاں! اب تمہاری سمجھ میں یہ باتیں آرہی ہیں۔"

وہ سر جھکا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ سونیا نے پوچھا۔

"اب تمہیں کون سی بات کھٹک رہی ہے؟"

"اوہ۔ یہ۔ میں یہ سوچ رہا ہوں کہ آپ کے پاس سونیا کا جسم ہے اور اس کا دماغ ہے۔ پھر آپ کا اپنا دماغ کہاں ہے؟ ظاہر ہے پچیس برس پہلے آپ کا دماغ آپ کے جسم کے ساتھ مر گیا ہوگا۔ پھر آپ نے میری پیدائش کا واقعہ مجھے کیسے سنایا؟"

سونیا پھر لوکھلا گئی۔ میں نے اسے جلدی سے سنبھالا۔ وہ میری راہنمائی میں کہنے لگی۔

"انسان کی روح اس کے جسم اور اس کے دماغ سے زیادہ طاقتور ہوتی ہے۔ کیا تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ روح نکل جائے تو دماغ خالی ہو جائے؟"

اس نے تائید میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں! اصل میں روح کی قوت ہوتی ہے۔"

"پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ میرے اس موجودہ دماغ کو جسے سونیا کا ماضی یاد ہے۔ ویسے ہی میری روح کو میرا اپنا ماضی یاد ہے۔ تم ذرا اور وضاحت سے سمجھ لو کہ دماغ روح کا محتاج ہوتا ہے لیکن روح دماغ کی محتاج نہیں ہوتی۔ سونیا کے دماغ کو اپنی باتیں یاد ہیں۔ میری روح کو اپنی باتیں یاد ہیں......"

چمپیزی اچانک کرسی کو پیچھے دھکیل کر میز کے نیچے گھسنے لگا۔ سونیا نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم ڈائننگ ٹیبل کے نیچے کیوں جا رہے ہو۔؟"

دوسرے ہی لمحے سونیا کو اپنے سوال کا جواب مل گیا۔ کرسی پر بیٹھ کر میز پر کھانے کے دوران پاؤں میز کے نیچے رہتے ہیں۔ چمپیزی وہاں پہنچ کر اپنی ممی کے پیروں سے لپٹ گیا تھا۔

"ممی مجھے معاف کر دیجئے۔ میں بہت بڑا گدھا ہوں۔ آپ کو سمجھنے میں غلطی کرتا ہوں۔"

سونیا کو ہنسی آگئی۔ اس نے مجھ سے کہا۔

"فرہاد! ایسا ہوشمند پاگل میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے اس کے ساتھ کب تک ماں بیٹے کا رشتہ چلے گا۔"

"جب تک چل سکتا ہے، یاد رکھو سونیا! تم اس درندے کو ممتا کے ہی انسان بنا کر رکھ سکتی ہو۔"

"اُف! یہ میرے پیروں سے بری طرح لپٹا ہوا ہے۔ اس کم بخت کو اپنی قوتوں کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میری ٹانگیں ٹوٹ جائیں گی۔"

"اپنے پاؤں چھڑانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اسے فوراً معاف کر دو۔"

سونیا نے کہا: "چمپیزی! میں تمہیں ایک شرط پر معاف کروں گی تم جلدی سے باہر نکلو۔"

سونیا نے اطمینان کی سانس لی۔ کیونکہ وہ اس کی ٹانگیں چھوڑ کر میز کے نیچے سے باہر آرہا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیکھو چمپیزی! پہلے وعدہ کرو کہ اب کسی عورت سے خواہ مخواہ نفرت نہیں کرو گے۔"

"نہیں کروں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"اور تم شیلا سے محبت کرو گے۔"

"آں۔ مم۔ مگر اس عورت سے محبت کیسے کروں گا؟"

"پھر وہی بات؟ میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔"

"اچھا کروں گا۔ ضرور کروں گا۔ مگر سچ کہتا ہوں ممی مجھے محبت کرنی نہیں آتی۔ آپ مجھے سکھا دیں۔"

"بیٹے! میں عورت ہوں اور عورت کی نگاہوں کو خوب سمجھتی ہوں شیلا تمہیں محبت سے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ تم بھی اسے پیار سے دیکھ کر مسکراؤ۔"

"آپ کہتی ہیں تو ضرور مسکراؤں گا۔"

سونیا نے اسے نمونہ کے طور پر مسکرانے کے لئے کہا۔ وہ بڑے بڑے دانت نکال کر مسکرانے لگا۔

"ارے شیلا تو ڈر جائے گی۔ ذرا انسان کی طرح مسکراؤ۔ یعنی مسکراتے وقت منہ کھولنا ضروری نہیں ہے۔ اگر تمہارا منہ کھل ہی جاتا ہے تو کوشش کرو کہ ذرا سا کھلے۔ دیکھو یوں......"

سونیا اسے سکھانے لگی۔ میں نے کہا۔

"سونیا! وقت ضائع نہ کرو۔ وہاں سے جلد آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔"

"فرہاد! کھانے کے بعد تھکن اور بڑھ گئی ہے۔ میں پچھلی رات سے جاگ رہی ہوں۔ فار گاڈ سیک، مجھے سونے کا موقع دو تاکہ میں تازہ دم ہو کر آگے بڑھ سکوں۔"

میں نے محسوس کیا کہ واقعی کھانے کے بعد اسے خمار چڑھ رہا ہے اس کا جسم اور دماغ دونوں ہی تھکے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا۔

"اچھا شیلا سے کہو کہ وہ تمہارے سونے تک جاگتی رہے۔ کسی ماسٹر کی ٹرانسمیٹر کال آئے تو ان سے کہہ دے کہ سونیا اور چمپیزی اب تک وہاں نہیں پہنچے ہیں۔ ہیلر اور اس کے ساتھی ان دونوں کو گھیرنے کے لئے وہاں سے چار میل کے فاصلے پر گئے ہیں۔ اس طرح کسی ماسٹر کو یہ شبہ نہیں ہوگا کہ تم وہاں پہنچ کر آرام کر رہی ہو۔ وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ تم چمپیزی کے ساتھ برفانی علاقے میں کہیں بھٹک گئی ہو۔"

"تھینک یو فرہاد! میں شیلا کو اچھی طرح سمجھا دوں گی۔"

وہ وہاں سے اٹھ کر چمپیزی کے ساتھ شیلا کی طرف جاتی ہوئی بولی "چمپیزی! تم شیلا کے پاس پہنچ کر مسکراتے ہوئے کہنا۔ ہیلو شیلا! تم میرے لئے تکلیف اٹھا رہی ہو۔ میں گوشت بھوننے میں تمہاری مدد کروں!...... بولو کہو گے نا؟"

"جی ہاں۔ کھانے پینے کے معاملے میں میں اس کی مدد بھی کروں گا۔ محبت بھی کروں گا، اور مسکراؤں گا بھی...... ایسے!"

وہ مسکرانے لگا۔ کچن میں پہنچ کر اس نے سونیا کی ہدایت پر عمل کیا۔ شیلا نے خوش ہو کر کہا۔

"ماسٹر! آپ کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔"

سونیا نے کہا: "شیلا! یہ نہ تو تمہارا ماسٹر ہے، نہ تم کسی کی ملازمہ ہو۔ تم دونوں آج سے آپس میں دوست ہو، چمپیزی! چلو آگے بڑھ کر دوستی کی ابتدا کرو۔"

چمپیزی نے شیلا کے قریب آکر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ سونیا نے کہا۔

"بیٹے! مرد سے دوستی کرنے کے لئے مصافحہ کیا جاتا ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ عورت سے دوستی کی ابتدا کیسے ہوتی ہے؟ یہ تو مغربی ممالک کے بچے بھی جانتے ہیں کہ پہلے عورت کی تعریف میں چند فقرے کہے جاتے ہیں۔ پھر اسے بازوؤں میں لے کر چوما جاتا ہے دوستی اور محبت کا یہ طریقہ مغربی تہذیب کے عین مطابق ہے۔ نہ اس طریقہ کو برا سمجھا جاتا ہے، نہ شرمایا جاتا ہے۔ لیکن چمپیزی ہچکچانے لگا۔ سونیا نے اسے گھور کر دیکھا تو اس نے شیلا کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔

"شیلا! تم بہت۔ وہ ہو۔ کیا کہتے ہیں اسے۔ ہاں۔ بہت حسین ہو۔"

وہ گڑبڑانے لگا۔ کیونکہ شیلا کا گورا گورا ہاتھ بہت ملائم اور اس برفانی علاقہ میں رہنے کے باوجود گرم گرم سا تھا۔ بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ سونیا نے کہا۔

"آگے کہو۔ تم نے اسے حسین کہا ہے تو حسن کی مثال دو۔ بہت سے لوگ محبوبہ کے چہرے کو چاند کہتے ہیں۔ بہت سے لوگ اسے پھول کی طرح دلکش کہتے ہیں۔ تم بھی کہو۔"

وہ سوچ سوچ کر کہنے لگا۔

"شیلا۔ شیلا۔ تم بہت حسین ہو۔ تم بھونے ہوئے گوشت کی طرح دل نشین ہو۔ میرا جی چاہتا......"

شیلا شرماتے شرماتے کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ سونیا نے کہا۔

"تم محبت کے مکالمے نہ ادا کرو تو بہتر ہے۔"

چمپیزی اپنے اندر ایک عجیب طرح کی سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ اور نہ جانے کیوں وہ پہلے سے بہت اچھی لگی۔ وہ بڑے ہی جذباتی انداز میں مسکرا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی نیلی آنکھیں اور دیکھنے کا انداز بھی اچھا لگ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شیلا ایک دم سے ایک نئی ہستی بن گئی ہے اور ابھی ابھی اس کے لئے آسمان سے

اتر کر آئی ہے۔

وہ جاننا چاہتا تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے اور وہ اچھی کیوں لگ رہی ہے؟ سونیا نے پوچھا۔

"لولو جمپیزی! کیا عورت قابلِ نفرت ہوتی ہے؟"

"نہیں ممی! میں حیران ہوں کہ آپ کے حکم پر عمل کرنے سے شیلا کتنی حسین لگ رہی ہے۔ جی چاہتا ہے ساری زندگی اسے پیار کرتا رہوں۔"

"ساری زندگی کا فیصلہ تنہا نہ کرو۔ پہلے عورت سے پوچھ کر اس کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر وہ راضی نہ ہو تو کبھی اپنی توہین نہ سمجھو ۔۔۔ اور نہ ہی غصہ دکھاؤ۔"

شیلا نے کہا ۔۔ "مادام! میں آپ کا احسان کبھی نہیں بھولوں گی آپ نے مجھے جمپیزی جیسے مرد کا سہارا دیا ہے۔ اور جمپیزی! میں اپنی آخری سانس تک تم سے وفا کروں گی۔"

جمپیزی نے خوش ہو کر اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ سونیا نے کچن سے باہر آ کر شیلا کو آواز دی۔

"شیلا! تھوڑی دیر کے لئے یہاں آؤ۔ اور مجھے سونے کے لئے کمرہ دکھاؤ۔"

اسے کچن سے باہر آنے میں پانچ منٹ لگ گئے۔ وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ سونیا ایک خواب گاہ کی طرف جاتے ہوئے اسے سمجھانے لگی۔

"شیلا! میں تم پر بھروسہ کر کے سونے جا رہی ہوں۔ کیا تم میری خاطر جاگتی رہو گی۔۔؟"

"مادام! آپ اطمینان سے سوتی رہیں۔ کسی خطرے کا احساس ہو گا تو میں آپ کو جگا دوں گی۔"

"ٹرانسمیٹر پر کال آئے تو کہہ دینا کہ سونیا اور جمپیزی ابھی تک یہاں نہیں آئے ہیں۔ ہیلر اور دوسرے ساتھی یہاں سے چار میل کے فاصلے پر انہیں گھیرنے گئے ہیں۔"

"جی بہت اچھا، میں یہی کہوں گی۔"

"جمپیزی کو بھی جلد ہی سلا دینے کی کوشش کرنا۔ وہ بھی پچھلی رات سے جاگ رہا ہے حالانکہ یہاں دن اور رات کا پتہ نہیں چلتا۔ اتنا تو پتہ ہے کہ ہم پچھلے چھتیس گھنٹوں سے جاگ رہے ہیں۔ اور ہاں اگر جمپیزی تمہیں پریشان کرے تو بس اتنی سی دھمکی دینا کہ تم اس کی ممی سے شکایت کرو گی۔ وہ بالکل سیدھا ہو جائے گا۔"

"مادام! آپ اس کی ممی کیسے بن گئیں؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ تم اس سے پوچھ لینا۔ مگر یاد رکھو۔ وہ ہم ماں بیٹے کے بارے میں جیسی بھی ناقابلِ یقین بات کہے۔ تم بلا حیل و حجت یقین کرتی جانا ورنہ وہ برا مان جائے گا۔"

وہ شیلا کو تمام باتیں سمجھانے کے بعد خواب گاہ کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے لگی۔ شیلا جمپیزی کے پاس چلی گئی۔ میں نے کہا۔

"سونیا! تم نے بیٹے کو بہلانے کے لئے اسے بڑا ہی خوبصورت کھلونا دیا ہے۔"

وہ مسکراتی ہوئی بستر پر لیٹ کر بولی۔

"بیٹا جوان ہو گیا ہے۔ میں بہو کی فکر نہیں کروں گی تو اور کون کرے گا۔ شیلا کافی سمجھدار ہے۔ میں ماں بن کر اور وہ محبوبہ بن کر اسے رفتہ رفتہ مکمل انسان بنا دیں گے۔۔۔۔۔۔ بس اب مجھے سونے کی اجازت دو۔"

میں نے اجازت دے دی۔ عام حالات میں سونا چاہو تو فوراً ہی نیند نہیں آتی۔ فکر اور پریشانیاں گھیرے رہتی ہیں۔ سونیا ۔۔۔ تو ہمیشہ ہی دشمنوں میں گھری رہتی تھی۔ اس کے باوجود چونکہ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ اس لئے آنکھ بند کرنے کے تھوڑی ہی دیر بعد گہری نیند میں ڈوب گئی۔

اس کے بعد میں نے سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ سونیا آرام سے سو گئی تھی۔ جمپیزی اور شیلا کے دماغوں میں جھانکنا تضیع اوقات کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ شیلا پر بھروسہ تھا کہ وہ جاگ کر اپنی مادام کی حفاظت کرتی رہے گی۔ اور کوئی خطرہ پیش آتے ہی سونیا کو ہوشیار کر دے گی اور خفیہ زمین دوز اڈے کے ڈاکٹر ڈولن اسمتھ سے بھی یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اپنے اہم مشن کو چھوڑ کر سونیا اور جمپیزی کی فکر کرے گا۔ اور خواہ مخواہ ان کا تعاقب کرنے کے لئے اپنے اہم آدمیوں کو لورینو کی طرف روانہ کرے گا

ہر طرف سے اطمینان تھا اس لئے میں برفانی علاقہ سے ہزاروں میل دور منیلا کے گرم علاقہ کی ایک جھونپڑی میں واپس آ گیا۔

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میں جھونپڑی کے جس کمرے میں تھا، وہاں گہری تاریکی تھی۔ جیسا کہ میں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ وہ جھونپڑی میری منہ بولی بہن منزا کی تھی۔ وہ ناموِدا کے ساتھ بیاہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں اس کے جالی دار جھولے میں لیٹا ہوا تھا۔ سوچ کی نگری سے واپس آ کر میں جھولے سے اتر گیا۔ پھر تاریکی میں اندازے کے مطابق چلتا ہوا لکڑی کے صندوق کے پاس آیا۔ وہاں سے دیا سلائی اٹھائی اور صندوق پر رکھی ہوئی لالٹین روشن کر دی۔

میری رسٹ واچ گیارہ بجا رہی تھی۔ میں نے دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں دیکھا۔ لالٹین کی روشنی اس کمرے میں پہنچ رہی تھی۔ وہاں منزا کی بوڑھی ماں خوابِ غفلت میں نظر آئی۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ مگر اتنی زیادہ بھوک نہیں تھی کہ ایک بوڑھی عورت کی نیند خراب کر دیتا۔ میں نے اپنے کمرے میں واپس آ کر دروازہ بند کر دیا۔

جھونپڑی کے اندر اور باہر رات کا گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ جب میں ایزی چیئر پر بیٹھ کر ایک سگریٹ سلگانے لگا تو اچانک ہی اس سناٹے

میں ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں ایک دم سے ساکت ہو کر غور کرنے لگا کہ وہ کیسی آواز تھی۔ دوسری بار پھر آواز آئی۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ جالی دار جھولے کے پاس جو کھڑکی تھی اسے کوئی آہستہ آہستہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

میں دبے قدموں چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا اور دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بانس کی کھپچیوں سے بنی ہوئی دیوار اتنی کمزور تھی کہ میں اسے ایک زور دار لٹھ سے توڑ کر باہر پہنچ سکتا تھا۔ میں وہاں دم سادھے کھڑا رہا۔ دیوار کے دوسری جانب کسی کی گہری گہری سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر کسی نے سرگوشی میں کچھ کہا۔ جواب میں دوسری سرگوشی سنائی دی۔

وہ مقامی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ میں ان کی زبان نہیں سمجھ سکتا تھا مگر ان کی باتوں کے دوران ناموِدا کا نام آیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ناموِدا کے ساتھی ہیں جو احتیاطاً میری نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ وہ شاید کھڑکی سے یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ میں اتنی رات کو لالٹین جلا کر کیا کر رہا ہوں۔

کھڑکی اندر سے بند تھی۔ وہ اسے کھول نہ سکے۔ البتہ بانس کے ایک پٹ کو ذرا سا ہٹا کر وہ دونوں کمرے میں باری باری جھانکنے لگے۔ ان کی بدلتی ہوئی پوزیشن سے میں اندازہ کر رہا تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ میں انہیں کمرے میں نظر نہیں آ رہا تھا۔ تقریباً وہ ایک گھنٹہ تک تھوڑے تھوڑے وقفے سے جھانکتے رہے۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ اگر میں باتھ روم میں ہوں تو پھر کمرے میں ضرور واپس آؤں گا۔

پھر وہ مایوس ہو کر کمرے کے دروازے پر آئے اور اسے زور زور سے پیٹنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے منزا کی ماں کی بڑبڑاہٹ سنی۔ میں کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے قدموں کی چاپ میرے کمرے کے قریب آئی پھر دروازہ کھل گیا۔ دو نوجوان ہاتھوں میں رائفلیں لئے میرے سامنے کھڑے تھے۔ وہ مجھے کمرے میں موجود پا کر حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ میں نے انگریزی زبان میں پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ اتنی رات گئے میرے کمرے میں کیوں آئے ہو؟"

وہ دونوں دانت نکال کر جبراً مسکرانے لگے۔ پھر ایک نے سر جھکا کر مقامی زبان میں کچھ کہا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ اتنی رات کو آنے اور مجھے پریشان کرنے کی معافی چاہتے ہیں۔ میں نے جواباً مسکرا کر اپنا سر جھکایا گویا انہیں معاف کر رہا ہوں۔ وہ دونوں واپس دروازے پر گئے وہاں سے پلٹ کر پھر میرے چہرے کو حیرانی سے دیکھا۔ اس کے بعد دروازہ بند کر کے واپس چلے گئے۔

کاش کہ میں ان کی زبان کسی حد تک سمجھ لیتا۔ چونکہ نہیں سمجھ سکتا تھا اس لئے دھوکا کھا گیا۔ میں یہ سوچ کر مسکرا رہا تھا کہ کھڑکی کے پاس چھپ کر میں نے انہیں بے وقوف بنایا ہے وہ مجھے کمرے میں نہ پا کر دروازے کے راستے آئے تو میں کمرے میں موجود تھا۔ اسی لئے وہ بار بار مجھے حیرانی سے دیکھ رہے تھے۔

مگر بات کچھ اور تھی۔ جیسا کہ قارئین جانتے ہیں۔ اُن دنوں میں مونٹو کے میک اپ میں تھا اور وہ میک اپ پائیدار نہیں تھا۔ اسی لئے میں غسل بھی نہیں کرتا تھا۔ لیکن احتیاط کے باوجود کہیں نہ کہیں غلطی ہو جاتی ہے۔ پتہ نہیں سوچ کی نگری میں سونیا کے ساتھ وقت گزارنے کے دوران میں نے کب اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا ہو گا یا رومال سے پسینہ پونچھا ہو گا ایسے ہی وقت مونٹو کی آدھی مونچھ اکھڑ کر کہیں گر گئی تھی۔ مجھے آدھی مونچھ کی کمی کا احساس تک نہ ہوا۔ اس کمرے میں آئینہ بھی نہیں تھا۔ ورنہ مجھے پتہ چل جاتا۔

بہرحال یہ مجھے بعد میں پتہ چلا کہ وہ دونوں مجھے حیرانی سے کیوں دیکھ رہے تھے۔ ان کے جانے کے بعد میں نے مطمئن ہو کر سوچا کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ جنہیں میں دشمن سمجھ رہا تھا وہ ناموِدا کے ساتھی نکلے۔ اور ناموِدا میرا دشمن نہیں تھا۔

جہاں تک احتیاط لازمی ہے میں ضرور محتاط رہتا تھا میں نے اپنی تسلی کے لئے ناموِدا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اب میں کیسے سمجھ لیتا کہ جو گہری نیند سو رہا ہے، وہ اپنے ساتھیوں کی رپورٹ پر میرے لئے مصیبت بن سکتا ہے۔ میں خود اپنی آدھی مونچھ کے متعلق نہیں جانتا تھا۔ پھر اس کے ساتھیوں پر کیسے شبہ کرتا کہ وہ اپنے لیڈر کو میرے خلاف کون سی رپورٹ دینے جا رہے ہیں۔ ان کی مقامی زبان نے بھی مجھے اندھیرے میں رکھا۔

ان حالات میں میری جگہ کوئی بھی قابل اور باصلاحیت شخص ہوتا وہ بھی حالات کا تجزیہ کرنے میں غلطی ضرور کرتا۔ میں مطمئن ہو کر جھولے پر آ کر لیٹ گیا۔ آدھی رات گزر رہی تھی۔ ادھر سونیا سو رہی تھی۔ ادھر میں آرام سے سو جانا چاہتا تھا۔ میں نے دماغ کو ہدایت دی کہ میں صبح پانچ بجے تک گہری نیند سوتا رہوں۔ پانچ بجے سے پہلے میری آنکھ نہ کھلے۔ یہ ہدایت دینے کے بعد میں نے آنکھیں بند کر لیں ایک منٹ کے اندر ہی میں گہری نیند میں ڈوب گیا۔

پھر خبر نہ ہوئی کہ یہ دنیا کیا ہے اور یہاں کیا ہو رہا ہے؟ جو باتیں مجھے بعد میں ناموِدا سے معلوم ہوئیں، وہ میں پہلے ہی بیان کر رہا ہوں۔

ناموِدا کے دونوں ساتھی میرے کمرے سے جانے کے بعد باہر پہنچ کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ میری اکھڑی ہوئی مونچھ نے مجھے مشکوک بنا دیا تھا۔ ان میں سے ایک میری نگرانی کے لئے وہیں دروازے پر کھڑا رہا تاکہ مجھے فرار ہونے سے روکے۔ دوسرا ساتھی سمندر کے کنارے گیا۔ وہاں ناموِدا ایک ہٹ کرائے پر لے کر ہنی مون منا رہا تھا۔ لیکن اس وقت سو رہا تھا اس کے ساتھی نے اسے آواز دے کر ہٹ کے باہر بلایا پھر اسے بتایا کہ جسے وہ لوگ مونٹو سمجھ رہے ہیں، وہ مونٹو نہیں کوئی اور ہی شخص ہے۔

ناموِدا نے پوچھا "تم لوگوں نے غور سے دیکھا تھا کہ اس کی ایک طرف کی مونچھ اکھڑی ہوئی تھی۔ سچ سچ بتاؤ آج تم لوگوں نے کتنی

رکھتی پی ہے۔"

اس کے ساتھی نے اپنے کان پکڑ کر کہا۔

"ہم نے پی ضرور تھی۔ مگر نشہ میں نہیں ہیں۔ آپ دیر نہ کریں ورنہ وہ فرار ہو جائے گا۔ وہ ہیں شروع ہی سے پُراسرار لگتا ہے۔ ہمیشہ کمرے میں بند رہتا ہے منزا کی ماں کو بھی کمرے میں آنے نہیں دیتا۔ شام ہی سے اس نے کمرے میں اندھیرا کر رکھا تھا۔ آدھی رات کے بعد اس نے لالٹین جلائی ہم ایک گھنٹہ تک کھڑکی سے جھانکتے رہے سوتا نظر نہیں آیا۔ وہ ایک گھنٹہ تک بند کمرے میں کیا کر سکتا ہے۔؟ اس کے پیچھے کوئی بہت بڑا راز ہے۔"

ناموداً نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا۔

"یہاں منزا اکیلی ہے۔ تم میرے آنے تک یہاں رہو۔ منزا کی آنکھ کھل جائے تو اسے بہروپئے مونٹو کے بارے میں کچھ نہ بتانا۔ وہ اسے سگے بھائی سے زیادہ چاہتی ہے۔ تمہاری باتوں کا یقین نہیں کرے گی۔"

یہ کہہ کر ناموداً جیپ کار میں بیٹھ کر اپنے دوسرے چار ساتھیوں کے پاس گیا۔ انہیں مسلح ہونے کے لئے کہا پھر انہیں ساتھ لے کر میرے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں بے خبر سو رہا تھا وہ میرے بستر کے چاروں طرف راٖئفلیں تان کر کھڑے ہو گئے۔ ناموداً نے قریب آکر میرے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر مجھے آواز دی۔

"مونٹو اٹھو......"

لیکن میں اٹھ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ میں نے اپنے دماغ کو ہدایت دی تھی کہ پانچ بجے سے پہلے میری آنکھ نہ کھلے۔ اس لئے اس کی آواز میرے کان نہیں سن سکتے تھے۔ اس نے مجھے بیدار کرنے کے لئے میری آدھی مونچھ ایک جھٹکے سے نوچ کر پھینک دی۔ میں بے حس پڑا رہا۔ اس نے مجھے جھنجھوڑ کر آواز دی۔ کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ میں نیند کے دوران اس قدر مردہ بن جاتا ہوں۔ پہلے تو انہوں نے سوچا کہ میں مر چکا ہوں۔ ان میں سے کوئی میری نبض ٹٹولنے اور کوئی میرے دل کی دھڑکنیں سننے لگا۔ میں بالکل ٹھیک تھا زندہ تھا۔ سانسیں لے رہا تھا۔ بے خبر سو رہا تھا۔ ایسا تو کوئی نہیں سوتا۔ جسم کو ذرا بھی جھٹکا لگے تو سونے والا ہڑبڑا کر اٹھ جاتا ہے۔ مگر میرا دماغ صبح پانچ بجے سے پہلے جسم کے جھٹکوں کو تو کیا زلزلے کے جھٹکوں کو بھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔

بعض اوقات انسان کی ذرا سی بے احتیاطی اسے موت کے دہانے تک لے جاتی ہے اب سے پہلے میں نے اسی جھونپڑی میں ایک رات سونے سے پہلے دماغ کو ہدایت دی تھی۔ کہ جب تک دروازے کو کوئی آہٹ نہ ہو، میری آنکھ نہ کھلے۔ اس کے بعد میں دوسرے دن دوپہر تک سوتا رہ گیا دوپہر کو میری منہ بولی بہن منزا دروازے پر آئی تو آہٹ سے میری آنکھ کھل گئی۔ اگر ایسا ہوتا کہ کسی ناگہانی آفت کے باعث جھونپڑی کے مکین کہیں بھاگ جاتے تو میں نہ جانے کب تک سوتا رہ جاتا اور سوتے سوتے ہی مر جاتا۔

دوسری غلطی وہ ہو چکی تھی میں نے ہر طرف سے مطمئن ہو کر دماغ کو سمجھا دیا تھا کہ صبح پانچ بجے سے پہلے میری آنکھ نہ کھلے۔ لہٰذا اب تو کانٹوں کے بستر پر بھی آنکھ نہیں کھل سکتی تھی۔ ناموداً نے جھنجھلا کر کہا۔

"مونٹو! تم نیند کا بہانہ کر رہے ہو۔ تمہارے حق میں یہ بہتر ہو گا کہ فوراً آنکھیں کھول کر مجھ سے باتیں کرو۔"

میرے آنکھ نہ کھولنے پر اس نے چاقو کھول لیا۔ پھر اس کا تیز نوکدار پھل میری گردن میں چبھو کر کہا۔

"میں آخری بار تم سے کہتا ہوں، اٹھ جاؤ......"

اس نے بڑی حیرانی سے دیکھا۔ جہاں میری گردن میں چاقو کی نوک چبھ رہی تھی وہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ لیکن میری نیند میں فرق نہیں آیا تھا۔ اس نے شدید حیرانی سے کہا۔

"ایسی حالت میں تو مردے بھی ہڑبڑا کر بیٹھ جائیں۔ مگر اس کی نیند ناقابل فہم ہے۔"

ان میں سے ایک نے ناموداً سے کہا۔

"اس بہروپئے کی اصلی صورت دیکھنی چاہئے۔ میرا خیال ہے نقلی ہیں تو چہرہ بھی نقلی ہو گا۔"

ناموداً نے تائید میں سر ہلا کر میرے چہرے کو ٹٹولنا شروع کیا اس کے ساتھیوں نے شیونگ کریم سے، صابن اور پانی سے میرے چہرے کو رگڑ رگڑ کر صاف کیا۔ پھر میرا اصلی چہرہ سامنے آتے ہی وہ ایک دم سے چونک گئے۔ انہوں نے جیسے کسی جن یا بھوت کو دیکھ لیا ہو۔ وہ سب گھبرا کر مجھ سے ذرا دور ہٹ گئے۔ ایک نے کہا۔

"ناموداً یہ۔ یہ تو۔ وہی معلوم ہوتا ہے۔"

ناموداً نے کہا: "معلوم کیا ہوتا ہے، بالکل وہی ہے فرہاد علی تیمور۔"

"مگر تم نے ہانگ کانگ سے آکر یہ خبر سنائی تھی کہ فرہاد مر چکا ہے۔"

ناموداً نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہانگ کانگ چھوڑنے سے پہلے میں ریڈ پاور کے ایک دفتر میں گیا تھا۔ وہاں باس کی میز پر فرہاد علی تیمور کا فائل کھلا ہوا تھا۔ باس ٹیلی فون پر باسک بین سے باتیں کرتے ہوئے بڑی بے یقینی سے کہہ رہے تھے کہ فرہاد ماسٹروں کی تنظیم میں زلزلہ سمجھا جاتا تھا۔ میں نہیں مانتا کہ وہ اتنی آسانی سے مر گیا ہو گا۔ یہ کہہ کر وہ دوسری طرف کی باتیں سننے لگا۔ پھر اس نے جواباً کہا۔ میں مانتا ہوں کہ جاپان میں جو ہمارے جاسوس ہیں۔ وہ غلط رپورٹ نہیں بھیج سکتے۔ مگر یہ بھی تو سوچو کہ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی ماسٹروں کی تنظیم کے بڑے بڑے دماغ اسے نقصان نہ پہنچا سکے۔ جاپان کے فوجیوں نے کیا خاک اسے مارا ہو گا۔ میں یقین نہیں کر سکتا......"

ناموداً یہ کہہ کر میرے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"اب میں باس کی باتوں کا یقین کرتا ہوں۔ یہ زندہ ہے۔ اور ہمارے سامنے ہے۔"

"ناموداً! جیسا کہ ہم سنتے آئے ہیں۔ یہ بہت خطرناک ہے ہمیں اس سے پہلے کہ یہ آنکھ کھولے اور ہمارے لئے خطرہ بن جائے۔ ہمیں ہمیشہ کے لئے اس کی آنکھیں بند کر دینا چاہئے۔"

ناموداً اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے گہری سنجیدگی سے سوچنے لگا پھر اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ دوستو! کیوں نہ ہم اس خطرے سے کھیلنے کی جرأت کریں۔"

اس کے ساتھیوں نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ ایک نے پوچھا۔

"ناموداً ہوش میں ہو جس خطرے سے دنیا کی دو بڑی تنظیمیں گھبراتی ہیں۔ تم اس سے کھیلنا چاہتے ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"دوستو! دنیا کی بڑی تنظیموں نے فرہاد کو اپنی ذہانت سے، اپنی طاقت سے اور خطرناک ہتھیاروں سے مارنا یا زیر کرنا چاہا، اور ناکام رہے کیونکہ وہ فرہاد کی کمزوری کو نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن میں سمجھ گیا ہوں۔"

"ناموداً کھل کر بات کرو۔ تم فرہاد کی کس کمزوری کو سمجھ گئے ہو؟"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔ ہم یہاں کل پانچ ساتھی ہیں۔ اگر ہم یہ راز کبھی زبان پر نہ لائیں کہ فرہاد زندہ ہے تو ہم اس کے ذریعے بہت سی دولت حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ہم راز داری کی قسم کھاتے ہیں تم اپنا منصوبہ بتاؤ۔"

ناموداً نے کہا: "میرا منصوبہ یہ ہے کہ میں فرہاد کو اپنی مٹھی میں رکھوں گا۔ یہ مجبور ہو کر ٹیلی پیتھی کے ذریعے ہماری رہنمائی کرے گا ہم بڑے بڑے کارنامے دکھا کر ریڈ پاور میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کریں گے۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا کہ مردہ فرہاد ہماری پشت پر کام کر رہا ہے۔"

"لیکن ناموداً یہ تو بتاؤ کہ فرہاد جیسا شخص تمہارے سامنے مجبور کیسے ہو جائے گا۔؟"

"ایسے کہ......" اس نے زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "فرہاد کی بہن میری بیوی ہے جو شخص دلیر اور خطرناک ہونے کے باوجود اس قدر شریف ہو کہ پرائی لڑکی کو بہن بنا لے، اس کے جیسا غیرت مند کوئی نہ ہو گا وہ اپنی بہن منزا کی خوشی کے لئے اور اس کے سہاگ کی سلامتی کے لئے میرے کام آتا رہے گا۔ انکار کی صورت میں میں اس کی بہن کا جینا حرام کر دوں گا۔ ہا ہا ہا ہا۔"

اس کے ساتھی بھی اس کے ساتھ قہقہے لگانے لگے۔

"بہت خوب ناموداً۔ تم نے فرہاد کی بہت بڑی کمزوری پکڑی ہے۔ تمہارا جواب نہیں ہے۔"

ناموداً نے کہا: "اب مجھے یاد آرہا ہے کہ یہ اسی طرح گہری نیند سونے کا عادی ہے۔ منزا نے مجھے بتایا تھا۔ ایک بار یہ پوری ایک رات اور دوسرے دن دوپہر تک سوتا رہا تھا۔ ہمیں اس کی نیند سے فائدہ اٹھا کر اسے چپ چاپ یہاں سے لے جانا چاہئے۔ جاؤ ایک اسٹریچر لے کر آؤ۔ صبح ہوتے ہی اس کا چہرہ بدلنے کے لئے ماسک اور میک اپ کا سامان لے آنا۔ اتنا عظیم انسان روپ بدلنے کے بعد میرا ماتحت بن کر رہے گا۔"

میں بے خبر سو رہا تھا۔ بہ الفاظ دیگر مجھے عارضی موت آگئی تھی۔ اور وہ لوگ میرے اطراف کھڑے ہو کر مجھے تابع فرمان بنا کر رکھنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یہ تمام باتیں مجھے کچھ تو ناموداً نے بعد میں بتائیں اور کچھ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس کے دماغ سے یہ تفصیلات معلوم کیں۔

بہر حال وہ لوگ مجھے اسٹریچر پر ڈال کر سمندر کے کنارے ناموداً کے ہٹ میں لے گئے۔ ناموداً نے منزا کو نیند سے جگایا۔ پھر اسے دوسرے کمرے میں لے آیا۔ جہاں مجھے ایک بستر پر ڈال دیا گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"منزا! اسے پہچانو، یہ کون ہے۔؟"

منزا نے کہا: "ہماری تنہائی میں یہ تم کسے لے آئے ہو؟ میں اسے نہیں پہچانتی۔ البتہ اس کا لباس بالکل وہی ہے میرے بھائی مونٹو نے ایسا ہی لباس پہنا ہوا ہے۔"

"یہ تمہارا بھائی مونٹو ہے۔"

منزا نے اپنے شوہر کا بازو تھام کر جبراً ہنستے ہوئے کہا۔

"تم نے اتنی رات کو مذاق کرنے کے لئے میری نیند خراب کی ہے۔"

"میری جان! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ یہ بہروپیہ ہے۔ اپنا چہرہ اور نام بدل کر اب تک ہمیں دھوکہ دے رہا تھا۔"

"جس شخص نے مجھے بہن کہا۔ تم اسے دھوکے باز نہ کہو — مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔"

"اچھا۔ میں تمہیں تکلیف پہنچانے والی بات نہیں کہوں گا۔ مگر جب یہ نیند سے بیدار ہو گا تو تم اس کی آواز اور اس کے لہجے سے پہچان لو گی کہ یہی تمہارا بھائی ہے۔ صرف اس کی صورت بدل گئی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کیا چکر ہے۔"

"منزا! میں نے سہاگ رات کی صبح تمہیں بتا دیا تھا کہ میں مجرمانہ زندگی گزار رہا ہوں۔ تمہارے سامنے یہ جو آنکھیں بند کئے سو رہا ہے اسے دنیا کے تقریباً تمام مجرم پہچانتے ہیں۔ میں بھی اسے جانتا ہوں یہ اپنی جان بچانے کی خاطر بھیس بدل کر تمہاری جھونپڑی میں آیا تھا۔"

"مجھے یقین نہیں آتا اور میں تمہیں جھوٹا بھی نہیں کہہ سکتی۔ اگر یہ وہی مونٹو ہے اور اب بدل گیا ہے تو میری محبت نہیں بدلے گی وہ مجھے بہن کہہ کر میری عزت کا محافظ بن گیا تھا۔ وہ کسی بھی روپ میں آئے گا۔ تو میرا بھائی ہی رہے گا۔"

پھر وہ ناموداً کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"جب تک تم نے مجھ سے شادی نہیں کی تھی، اپنی حقیقت مجھ سے چھپاتے رہے۔ مجھ سے کہتے تھے کہ ہانگ کانگ پورٹ میں قلی کا کام کرتے ہو۔ سہاگ رات گزارنے کے بعد تم سمجھ گئے کہ میں اپنا سب کچھ تمہیں دینے کے بعد تم سے نفرت نہیں کروں گی۔ اس لئے تم نے اپنی اصلیت

ظاہر کر دی۔ تم خود ہی سوچو کہ تمہاری اہمیت بدلنے کے بعد بھی میں تم سے والہانہ محبت کرتی ہوں۔ پھر بھائی کا چہرہ بدل جانے سے اس سے محبت کیوں نہیں کروں گی۔"

ناموڈا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی میں چاہتا ہوں کہ تم اس سے اتنی محبت کرو، اتنی محبت کرو کہ یہ بہن کی خاطر میرا غلام بن جائے۔"

"یہ کیا کہہ رہے ہو ناموڈا! کیا تم میرے بھائی کو واقعی غلام بنانا چاہتے ہو۔؟"

"ہاں! اس میں تمہارا بھی فائدہ ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں اتنی دولت ملے گی کہ اتنی دولت تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔"

"اگر میرے بھائی کی مرضی کے خلاف یہ دولت ملے گی تو میں اسے ٹھکرا دوں گی۔"

"ہوش کی باتیں کرو منزا۔ اور ابھی اس بات کا فیصلہ کرو کہ تم شوہر کو زیادہ چاہتی ہو یا بھائی کو؟"

"تم مجھے کیسے امتحان میں ڈال رہے ہو۔ ناپ تول کر نہ تو شوہر سے محبت کی جاتی ہے' نہ بھائی سے۔ تم دونوں میرے لئے برابر ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ شوہر سے جو محبت کی جاتی ہے وہ عبادت کے درجے تک پہنچتی ہے۔"

"بس پھر ٹھیک ہے۔ یہ بات یاد رکھنا کہ شوہر کے احکام کی تعمیل کر کے تم عبادت کے درجے تک پہنچ سکتی ہو اور انکار کر کے صرف مجھ سے طلاق لے سکتی ہو۔"

وہ گھبرا کر اس سے لپٹ گئی۔

"نہیں ناموڈا۔ ایسی بات زبان پر نہ لاؤ۔ تم مجھے چھوڑ دو گے تو میں مر جاؤں گی۔"

اس نے مسکرا کر اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھے کتنا چاہتی ہو۔ تم کبھی مجھے چھوڑنے والا کام نہیں کرو گی۔"

وہ اپنے طور پر منزا کو اپنی طرف جھکا رہا تھا۔ کیونکہ منزا کے ساتھ میرے بھی جھکنے کی توقع تھی۔ اور وہ بے چاری بھولے ہولے بڑبڑا رہی تھی کہ ناموڈا نے اسے نیند سے نہیں جگایا ہے، بلکہ وہ ایک بھیانک خواب دیکھ رہی تھی۔

●

اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھا ٹھیک پانچ بجے تھے۔ وقت دیکھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ جگہ بدل گئی ہے میں تو جالی دار جھولے میں سو رہا تھا۔ لیکن وہاں جھولا نہیں تھا۔ میں ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا ہٹ کے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ اور میرے کان سمندر کی لہروں کا شور سن رہے تھے۔

میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر کے سوچا۔ کیا یہ خواب ہے؟ اس کے بعد آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہ خواب نہیں تھا۔ میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بائیں طرف سمندر کا شور سنائی دے رہا تھا۔ میں نے بستر سے اتر کر بائیں طرف کی کھڑکی کھول دی۔ صبح کے دھندلے سے اجالے میں سمندر کی ڈوبتی ابھرتی لہریں ساحل کی طرف آ رہی تھیں اور جا رہی تھیں۔ ہٹ کے برآمدے میں دو مسلح نوجوان مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی سلام کرنے کے انداز میں مسکراتے ہوئے سر کو جھکایا۔ جواباً میں نے بھی ویسا ہی کیا۔ اس کے بعد بستر پر آکر بیٹھ گیا۔

اتنا تو میں نے سمجھ لیا تھا کہ وہ ناموڈا کے ساتھی ہیں۔ اس لئے اب ان کے لیڈر کے دماغ میں جھانکنا ضروری ہو گیا تھا۔ میں نے اس کا دھیان کیا وہ پاس والے کمرے میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ منزا اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ اس وقت تک مجھے یہ نہیں معلوم ہوا تھا۔ کہ میرا روپ بدل چکا ہے اور میں فرہاد کے اصلی روپ میں آ چکا ہوں۔

اس کمرے میں آئینہ نہیں تھا۔ اور میں اپنا چہرہ آپ نہیں دیکھ سکتا تھا ناموڈا کی سوچ سے پتہ چلا کہ وہ مجھے فرہاد کی حیثیت سے جانتا ہے میں چونک کر اپنے چہرے کو ٹٹولنے لگا۔ میری ناک کے سائز سے مونٹو کی مونچھیں غائب تھیں یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ وہ میرے بہروپ کو سمجھ چکے ہیں۔ پھر میں آہستہ آہستہ ناموڈا کے ذہن کو کریدنے لگا۔

اب وہ سوچ رہا تھا اور تصور میں دیکھ رہا تھا کہ آدھی رات کے بعد اس کے ایک ساتھی نے اسے آکر خبر دی تھی کہ مونٹو بہروپیہ ہے وہ چار مسلح ساتھیوں کے ساتھ جھونپڑی میں میرے پاس آیا۔ پھر وہاں سے یہاں ہٹ میں مجھے لانے تک جو کچھ ہوا۔ اس کی فلم اس کے دماغ میں چلتی رہی۔ اور میں دیکھتا رہا۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ کس طرح بہن کے رشتے کو سامنے لاکر مجھے کمزور بنانا چاہتا تھا۔ یہ بات میرے لئے بڑی تشویشناک تھی۔ بے چاری منزا شوہر اور بھائی کے رشتوں کے درمیان بری طرح الجھ گئی تھی۔ وہ شوہر کو اس کی غلط حرکتوں سے نہیں روک سکتی تھی۔ اور دوسری طرف میری بے حد عزت کرتی تھی۔ نہ اسے چھوڑ سکتی تھی، نہ میری محبت سے انکار کر سکتی تھی۔ اس وقت میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ناموڈا کے ساتھ کیسا سلوک کروں۔

واقعی میری ایک دکھتی رگ اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ وہ جیسا بھی تھا میری بہن کا سہاگ تھا۔ میں اسے شرافت سے سمجھا سکتا تھا دشمن بن کر اسے نقصان پہنچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کوئی بھی محبت کرنے والا بھائی اپنی بہن کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔

میں نے گھڑی دیکھی آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا مجھے سونیا کی بھی فکر تھی اس لئے میں نے اپنی فکر چھوڑ دی۔ کہ تھوڑی دیر بعد اپنے حالات سے نمٹ لیا جائے گا۔ یہ سوچ کر میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ اب تک گہری نیند سو رہی تھی۔ مگر کہاں سو رہی تھی؟ یہ معلوم کرنا ضروری تھا کیونکہ ابھی ابھی مجھے یہ تجربہ ہو چکا تھا۔ کہ سونے کے دوران جگہ بدل جاتی ہے سونیا

کے ساتھ بھی یہی ہو سکتا تھا۔

معلوم کرنے کے لئے میں نے جمپیزی کی خبر لی۔ وہ بھی اطمینان سے خراٹے لے رہا تھا۔ آخر میں شیلا کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ اپنے وعدے کے مطابق جاگ رہی تھی۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد کاٹیج کے چاروں طرف چکر لگا کر دور دور تک دیکھتی رہتی تھی۔ تاکہ تنظیم کا کوئی آدمی اچانک ہی وہاں نہ پہنچ جائے۔ اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ ٹرانسمیٹر کال آئی تھی۔ اس نے اطمینان بخش جواب دے دیا کہ سونیا اور جمپیزی ابھی تک وہاں نہیں پہنچے ہیں۔ ہیلر اور دوسرے ساتھی انہیں ٹریپ کرنے کے لئے وہاں سے چار میل کے فاصلے پر گئے ہیں اس لئے ہیلر کے بجائے وہ ٹرانسمیٹر پر گفتگو کر رہی ہے۔

یہاں تک حالات تسلی بخش تھے۔ البتہ یہ یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ٹرانسمیٹر پر گفتگو کرنے والا ماسٹر شیلا کی باتوں سے کہاں تک مطمئن ہوا ہے فی الحال پریشانی کی بات نہیں تھی اس لئے میں وہاں سے واپس آ گیا۔

میرے سامنے کھڑکی کے باہر سمندر کی لہریں شور مچا رہی تھیں میرے دماغ میں بھی دو باتیں شور مچا رہی تھیں ایک سب سے اہم اور ناقابل برداشت بات یہ تھی کہ ناموڈا اور اس کے چار ساتھی مجھے میرے اصلی روپ میں دیکھ چکے تھے میں نے خود کو مردہ ثابت کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلے تھے بہت بڑا ڈرامہ کھیلا تھا۔ اور یہ لوگ دوسرے قسم کے لوگ میرے اتنے بڑے مشن کو ناکام بنا دیں۔ یا میرے راز دار بن کر مجھے بلیک میل کرنا چاہیں۔ یہ میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

دوسری بات منزا کا رشتہ تھا۔ جو مجھے ناموڈا کے سامنے کمزور بنا رہا تھا۔ یوں تو لوگ اپنے تھوڑے سے فائدہ کی خاطر خون کے رشتوں کو بھی ٹھکرا دیتے ہیں اور منزا سے صرف زبان کا رشتہ تھا۔ اگر میں بھائی بہن کے اس رشتے کو توڑ دیتا اور ناموڈا کو اپنی زندگی کے راز کے ساتھ دفن کر دیتا تو کوئی میرا کیا بگاڑ لیتا۔ کسی کو پتہ ہی نہ چلتا کہ میں نے خود غرض بن کر بہن کا سہاگ اجاڑ دیا ہے۔

مگر نہیں، ابھی ہماری دنیا میں ایسے باضمیر انسان موجود ہیں جو زبان سے کسی کو ماں، بہن یا بیٹی کہنے کے بعد ان کی خاطر خود ذلت کی پستیوں میں گر جاتے ہیں۔ ان کے سہاگ اور سلامتی کے لئے غلامی کی زنجیریں پہن لیتے ہیں۔ میں ایسے ہی باضمیر انسانوں کی صف میں کھڑا ہونا چاہتا تھا۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ اپنی بہن کے لئے ناموڈا کا ماتحت بن جاؤں گا۔ انشاء اللہ یہ ماتحتی اسے بڑی مہنگی پڑے گی۔

میرا دوسرا فیصلہ یہ تھا کہ فرہاد کو دوبارہ زندہ دیکھنے والے زندہ نہیں رہیں گے۔ میں صرف ناموڈا کو ڈھیل دوں گا۔ اس طرح کہ وہ کسی۔۔ دشمن کے ہاتھوں میں نہ جائے۔ دشمنوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر یا ان کے ہاتھوں ذلتیں برداشت نہ کرتے ہوئے کہیں میرا راز فاش نہ کر دے۔ منزا کے سہاگ کو ڈھیل دینے کے لئے میں ناموڈا کے دماغ کو حتی الامکان اپنے کنٹرول میں رکھوں گا۔

میں اپنے فیصلوں سے مطمئن ہو کر بستر پر لیٹ گیا۔ اب میں چاہتا تھا کہ ناموڈا میرے پاس آئے۔ میں نے اس کی سوچ کو اپنی گرفت میں لیا اس وقت اس کا ایک ساتھی اس کے کمرے میں پہنچ کر اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ ناموڈا نے بستر سے اٹھتے ہوئے منزا سے کچھ کہا۔ کہنے کے دوران میرا نام آیا تھا مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ میری طرف آ رہے ہیں۔

ایک منٹ کے بعد ہی میرے کمرے کا دروازہ کھلا۔ ناموڈا دروازے پر مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک آئینہ تھا اس کے ساتھ منزا کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے تذبذب سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مجھے بدلے ہوئے روپ میں اپنا بھائی تسلیم کرنے سے ہچکچا رہی ہے۔ ناموڈا سوچ رہا تھا کہ میں اس سے بہت سارے سوالات کروں گا۔ کم از کم یہی پوچھوں گا کہ میری جگہ کیسے تبدیل ہو گئی میری خاموشی نے اسے مایوس کر دیا۔ تاہم وہ مسکراتا ہوا میرے قریب آیا اور آئینہ میرے سامنے کر دیا۔ وہ ڈرامائی انداز میں یہ بتانا چاہتا تھا کہ میرا فرہاد والا روپ ظاہر ہو چکا ہے۔ بے چارے کو پھر مایوسی ہوئی میں نے اس کے ہاتھ سے آئینہ لے کر بستر پر ایک طرف پھینک دیا۔ اس نے کہا۔

"بعض لوگ آئینہ سے ڈرتے ہیں۔"

میں نے بستر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، بعض لوگ اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ انہیں آئینہ دیکھنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔"

ناموڈا کی طنزیہ مسکراہٹ بجھ گئی۔ میں نے اپنی بہن کو مخاطب کیا۔

"کیوں منزا! مجھے پہچان رہی ہو؟"

اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ ناموڈا نے اس کا ترجمہ کیا۔

"یہ کہہ رہی ہے کہ اسے یقین نہیں آتا کہ اتنا عظیم انسان اس کا بھائی ہے۔"

میں نے بہت ہی آسان انگریزی میں ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"میری بہن! میں وہی مونٹو ہوں جس نے تمہارے سر پر حیا کا آنچل رکھا تھا۔ میرا دل اور دماغ اسی بھائی کا ہے۔ صرف نام اور چہرہ بدل گئے ہیں۔"

وہ مسکرا کر مجھے ایسی محبت سے دیکھنے لگی، جو صرف بہن کا حصہ ہوتی ہے۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو وہ میرا ہاتھ تھام کر میرے پاس بیٹھ گئی ناموڈا نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"مسٹر فرہاد! کیا تم اپنی داستان سنانا پسند کرو گے؟"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ مجھے فرہاد کی حیثیت سے کیسے جانتے ہو۔ کیا تم نے میری تصویر کہیں دیکھی ہے؟"

ناموڈا بتانے لگا کہ ریڈ پاور کی تنظیم سے اس کا تعلق ہے۔ اسی تنظیم میں اس نے میرا ذکر سنا تھا اور تصویر بھی دیکھی تھی۔ میرے لئے یہ اطلاع بڑی دلچسپ تھی کہ ریڈ پاور کا ماسک مین مجھ میں دلچسپی لے رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

"تمہارا ماسک مین مجھ سے کیا چاہتا ہے۔؟"

"میں ریڈ پاور کا ایک معمولی آدمی ہوں اور ماسک مین ایک پراسرار شخصیت کا نام ہے اس کی باتیں وہی جانتا ہے کہ وہ تمہاری ذات سے

دلچسپی کیوں لے رہا تھا۔ لیکن اس کی دلچسپی سے مجھے تمہاری اہمیت کا اندازہ ہو گیا۔ پھر رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ تم نے ماسٹرول کی تنظیم کو کتنا زبردست نقصان پہنچایا ہے۔"

میں نے پوچھا: "تم اتنی معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھ سے کیا چاہتے ہو ۔۔۔ ؟"

"میں ریڈ پاور میں کوئی بہت بڑا عہدہ حاصل کرنا چاہتا ہوں سنا ہے تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو اور اس کے ذریعے دشمنوں کی نیندیں حرام کر دیتے ہو۔ فرہاد! شہرت اور دولت حاصل کرنا تمہارے لئے معمولی سی بات ہے اگر تم میری مدد کرو تو میرا بھی بہت نام ہو گا۔ تمہاری بہن کی زندگی بھی عیش و آرام سے گزرے گی۔"

"اس دنیا میں ایسے لوگ زیادہ ہیں۔ جو دوسروں کے کاندھوں پر بندوق رکھ کر چلاتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہر بھائی یہی چاہتا ہے کہ اس کی بہن ہنستی کھیلتی زندگی گزارے میں اپنی بہن کے قدموں میں دولت کا ڈھیر لگا دوں گا۔ شرط یہ ہے کہ تم مجرمانہ زندگی سے باز آجاؤ۔ ریڈ پاور میں بڑا عہدہ حاصل کرنا کمال کی بات نہیں ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دوسروں کو نصیحت اور خود کو فضیحت والی بات ہے۔ تم خود مجرمانہ زندگی گزار رہے ہو۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"میں دلدل میں دھنس گیا ہوں۔ اس لئے دوسروں کو اس دلدل سے نکالنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ ٹیلی پیتھی کا علم اپنے چچا اور چچی سے انتقام لینے کے لئے حاصل کیا تھا۔ میں نے بعد میں توبہ کی۔ اس لئے کہ انسان کو دنیا کا کوئی بھی علم تخریبی مقاصد کے لئے نہیں سیکھنا چاہئے۔ میں نے اپنا راستہ بدل دیا۔ لیکن خیال خوانی کے ذریعے پتہ چلا کہ بیرونی ممالک کے جاسوس میرے ملک کا ایک اہم راز چرا کر لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ علم ہونے کے بعد مجھ جیسا کوئی بھی محب وطن خاموش نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ میں جاسوسوں کے پیچھے پڑ گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ یہ ماسٹرول کی خطرناک تنظیم ہے جو دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے لئے اپنے مفاد کی خاطر تخریبی کارروائیاں کرتی رہتی ہے۔

بہر حال میں اب تک ان سے الجھا ہوا ہوں۔ انہیں فریب دینے کے لئے خود کو مردہ بنا لیا ہے۔ وہ تنظیم جو امن پسند ممالک میں جنگ اور جرائم کے بیج بوتی ہے، میں اسے ایک دن جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔ اس نیک مقصد کے لئے اگر میں مجرم کہلاتا ہوں تو مجھے اس کا افسوس نہیں ہے۔ لیکن ناموڈا تمہارا مقصد صرف نام اور دولت حاصل کرنا ہے۔ اس لئے میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ مجرمانہ زندگی سے باز آجاؤ۔"

ناموڈا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر کہا۔

"تمہاری طرح میں بھی ایک لمبی تقریر کر سکتا ہوں اور یہ ثابت کر سکتا ہوں۔ کہ جرائم سے جو دولت مجھے حاصل ہو گی میں اس سے عزیزوں کی مدد کروں گا۔ اور سخی لیڈر کہلاؤں گا۔ اس طرح میرے جرائم کا مقصد بھی نیک ہو گا۔ دیکھو فرہاد! ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ نصیحت نہ کرو۔"

وہ اپنی ضد سے یہ سمجھا رہا تھا کہ اس پر نصیحت اثر نہیں کرے گی۔ میں نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ اب نصیحت نہیں کروں گا۔ بتاؤ تمہارا پروگرام کیا ہے ۔۔؟"

وہ فاتحانہ انداز میں ہنستے ہوئے بولا۔

"واقعی تم سمجھ دار ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم پھر روپ بدل لو۔ فرہاد علی تیمور کی شخصیت کو میرے اور میرے ساتھیوں کے علاوہ کوئی اور پہچان سکے!"

میں نے پوچھا: "تمہارے ساتھی اس راز کو کب تک اپنے سینے میں چھپا کر رکھیں گے؟"

"جب تک کہ میں چاہوں گا۔"

وہ ڈکٹیٹر بن کر باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے، آگے کہو۔"

اس نے کہا "ریڈ پاور تنظیم میں سب سے بڑا عہدہ ماسک مین کا ہے اس کے ماتحت جو باصلاحیت لوگ ہوتے ہیں۔ وہ ہمارے باس کہلاتے ہیں۔ ایک باس کی طرف سے مجھے حکم ملا ہے کہ میں یہاں ایک ہفتہ رہوں دو دن گزر چکے ہیں۔ اب چھ دن بعد ہم یہاں سے ہانگ کانگ جائیں گے تم اپنا چہرہ بدل لو۔ تاکہ تمہیں کوئی پہچان نہ سکے۔ وہاں تم ہمیشہ میرے اور منزا کے ساتھ رہو گے۔ اس طرح کہ لوگ تمہیں ایک معمولی اور بے ضرر سا آدمی سمجھتے رہیں۔ ماسک مین کی طرف سے مجھے جو بھی اہم کام دیا جائے گا تم پس پردہ وہ کرو گے۔ کامیابی کے بعد وہ کارنامہ مجھ سے منسوب ہو گا۔ دیکھو میں اپنے لئے نہیں، تمہاری بہن کی بہتری کے لئے کہہ رہا ہوں۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں۔ میں سب سمجھ رہا ہوں۔ میں منزا کی بہتری کے لئے تمہارا کام کروں گا۔ تم بھی میرا ایک چھوٹا سا کام کرو مجھے چینی زبان بہت اچھی لگتی ہے۔ یہ مجھے سکھا دو۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ تم آج ہی سے سیکھنا شروع کر دو۔"

اس نے اپنے چاروں ساتھیوں کو کمرے میں طلب کیا پھر ایک ساتھی سے کہا کہ شہر جا کر میرے لئے میک اپ کا سامان اور چینی زبان سیکھنے کے لئے کاپی قلم لے آئے۔ میں نے اس سے کہا۔

"تم اپنے چاروں ساتھیوں کا تعارف کراؤ۔ تاکہ ہم سب ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔"

ناموڈا نے باری باری ان سے تعارف کرایا۔ پتہ چلا کہ ان میں

دو ساتھی انگریزی جانتے ہیں اور اردو بالکل کورے ہیں۔ ناموڈا نے کہا۔

"فرہاد! ہم نے ٹیلی پیتھی کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔ لیکن اس علم کو عملی طور پر کبھی نہیں دیکھا ہماری خواہش ہے کہ تم ہماری سوچ پڑھ کر سناؤ۔"

میں نے کہا: "لوگ ٹیلی پیتھی کو اتنا بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ یہ علم حقیقت کے بجائے افسانہ بن جاتا ہے۔ یعنی یہ کوئی جادو نہیں ہے کہ میں منتر پڑھوں اور فوراً تمہارے دماغ کی باتیں سن لوں۔ کسی کا دماغ پڑھنے کے لئے مجھے بہت سی تیاریاں کرنی پڑتی ہیں۔"

"کیسی تیاریاں؟" ان لوگوں کی دلچسپی بڑھ گئی۔

میں نے بات بنائی: "تم نے سنا ہو گا کہ ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی سیکھنے والے اپنے سامنے ایک شمع جلا کر اس کی لو کو تکتے رہتے ہیں۔"

"ہاں۔ ہم نے سنا ہے۔"

"اور یہ بھی سنا ہو گا کہ شمال سے مقناطیسی ہوائیں چلتی ہیں۔"

"نہیں! یہ ہم نہیں جانتے۔"

"جاننا چاہئے۔ یہ تو عام سی بات ہے۔ قطب نما کی سوئی اسی لئے شمال کی جانب رہتی ہے کہ وہاں سے مقناطیسی ہوائیں اس سوئی کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ بہر حال میں کسی کے دماغ کو پڑھنے کے لئے پہلے کسی کمرے میں بند ہو جاتا ہوں۔ پھر شمال کی جانب پالتی مار کر بیٹھ جاتا ہوں پھر شمع روشن کرتا ہوں۔ اس کی لو پر نظریں جما دیتا ہوں۔ اس کے بعد اس شخص کا دھیان کرتا ہوں۔ جس کے دماغ تک پہنچنا ہوتا ہے۔"

میں نے خیال خوانی کا ایک لمبا سلسلہ سمجھا دیا۔ تاکہ وہ مجھ پر شبہ نہ کریں کہ میں ہر وقت ان کی سوچ کو پڑھتا رہتا ہوں۔ ناموڈا نے کہا۔

"میں تمہارے لئے موم بتیاں منگوا دیتا ہوں۔ ان میں سے ایک موم بتی میں تمہیں دوں گا۔ آج تم اپنی ٹیلی پیتھی کا کمال ہمیں دکھانا۔ دیکھو فرہاد! میں محتاط رہنے کا عادی ہوں۔ اس لئے تمام موم بتیاں میرے پاس رہیں گی۔ میں نہیں چاہوں گا۔ کہ تم میری لاعلمی میں میری سوچ کو پڑھو۔ جب کسی دشمن کے خیال کو پڑھنا ہو گا۔ تو میں خود تمہارے سامنے ایک موم بتی روشن کر دوں گا۔"

میں نے بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس یہی ایک ٹیلی پیتھی کا ہتھیار ہے۔ تم مجھے اس سے بھی محروم کر دینا چاہتے ہو۔ آخر تم مجھے اس قدر مجبور کیوں بنا رہے ہو۔"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں مجبور نہیں، دوست بنا رہا ہوں۔ اس طرح میں تم پر بھروسہ کروں گا۔ اور ہماری دوستی مستحکم ہوتی جائے گی۔"

"ناموڈا صاف لفظوں میں کہو کہ مجھے قیدی بنا کر زنجیر میں جکڑ رہے ہو۔"

وہ بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ میں دوستی کہتا ہوں۔ تم اسے غلامی سمجھتے ہو۔ اب یہ جو کچھ بھی ہو۔ تم ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکو گے۔ اس لئے کہ یہی۔ بی ہری۔ تم اپنی بہن کا کچھ تو خیال کرو گے۔"

میں نے شکست تسلیم کرنے کے انداز میں ایک گہری سانس لی۔ پھر منزا کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب تک میری کوئی بہن نہیں تھی۔ اسے بہن بنانے کے بعد پتہ چل رہا ہے کہ بھائی کتنے مجبور ہوتے ہیں۔ اب میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ تم بھی بار بار میری بہن کا حوالہ نہ دو۔ میں چپ چاپ تمہارے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

اس نے خوش ہو کر میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"شاباش! اب ہماری دوستی پائیدار ہو گی۔"

پھر اس نے منزا سے کہا کہ میرے لئے ناشتہ لائے۔ میں اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا۔ اور اس دوران ناموڈا کی سوچ کو پڑھتا رہا۔ وہ اپنے دو ساتھیوں کو شہر بھیج رہا تھا ان دونوں میں ایک انگریزی جانتا تھا اور دوسرا نہیں جانتا تھا۔ اسی طرح اس ہٹ میں باقی دو ساتھی جو رہ جاتے ان میں بھی ایک انگریزی زبان سے واقف تھا۔ اور دوسرا صرف مقامی زبان جانتا تھا۔ جب میں غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا تو ناموڈا نے دوسرا لباس پہننے کے لئے دیا۔ لباس پہننے کے بعد منزا ناشتہ لے آئی پھر ناشتہ کرنے کے دوران میں نے سوست سنا دشمنوں کی خبر لی۔

ناموڈا کے دونوں ساتھی ہٹ کے برآمدے میں بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ تاش کا کھیل اکثر دوستانہ انداز میں شروع ہوتا ہے اور کم دبیش دشمنی پر ختم ہوتا ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے دشمن نہیں بن سکتے تھے۔ لیکن میں نے بنا دیا۔ جو شخص انگریزی جانتا تھا میں اس کے دماغ میں یہ بات بٹھاتا رہا کہ اس کا ساتھی کھیل میں بے ایمانی کر رہا ہے۔ وہ اپنے ساتھی کو بات بات پر گالیاں دینے لگا۔ جواباً اسے بھی گالیاں سننی پڑیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔

میں کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا اور ناموڈا میرے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے کمرے سے ڈانٹ کر کہا کہ وہ لڑائی جھگڑا نہ کریں۔ لیکن اس وقت تک جھگڑا کلائمکس تک پہنچ گیا تھا ایک نے چاقو نکال لیا تھا، دوسرے نے بچاؤ کے لئے ریوالور نکال لیا۔ میں نے ریوالور والے کے دماغ میں چیخ کر کہا۔

"مجھے چاقو کے حملے سے بچنے کے لئے فائر کرنا چاہئے ۔۔۔۔ فائر"

اسی لمحہ ٹھائیں کی زوردار آواز سنائی دی۔ ناموڈا کے ساتھ میں بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور گھبرا کر بولا۔

"یہ کس نے فائر کیا ہے؟"

ناموڈا دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچا۔ وہاں مقامی زبان جاننے والا مردہ پڑا ہوا تھا۔ دوسرے نے گھبرا کر کہا۔

"نن۔ ناموڈا۔ یہ مجھ پر چاقو سے حملہ کر رہا تھا۔ اگر میں حفاظت نہ کرتا تو یہ مجھے مار ڈالتا۔"

ناموڈا نے غصے سے چیخ کر پوچھا۔

"یو بلڈی فول۔! تم نے جھگڑا کیوں کیا؟"

"میں نے نہیں کیا۔ یہی بے ایمانی کر رہا تھا۔ میں نے سمجھایا تو گالیاں دینے لگا۔ میں ٹھیک طرح نہیں کہہ سکتا کہ یہ جھگڑا اس حد تک کیسے بڑھ گیا۔ یہ میرا بہت اچھا دوست تھا ناموڈا۔ میرا جی چاہتا ہے، خود کو گولی مار لوں۔"

مجھے بلیک میل کرنے والوں میں ایک کی زندگی ہمیشہ کے لئے بلیک ہو چکی تھی۔ ناموڈا ریوالور والے ساتھی کو گالیاں دے رہا تھا اور مار رہا تھا لیکن اسے جان سے نہیں مار سکتا تھا۔ اپنے ساتھیوں میں ایک اور کی کمی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لاش کو گھسیٹ کر کمرے میں لے آئے۔ منزا نے لاش کو دیکھتے ہی چیخنا چاہا۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ پھر اسے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ وہ دونوں باہر پانی لے جا کر برآمدے سے خون کے دھبے مٹا رہے تھے۔ آس پاس کے ہٹس والوں کے لئے فائرنگ کی آواز زیادہ تشویشناک نہیں تھی۔ کیونکہ وہاں آبی پرندوں کو شکار کرنے کے لئے فائرنگ ہوتی رہتی تھی۔

جب تک وہ دونوں لاش کو چھپانے کے جتن کرتے رہے۔ میں وہاں سے دوران کے دو ساتھیوں کو دیکھتا رہا۔ وہ دونوں جیپ کار میں بیٹھے جا رہے تھے۔ جس راستے سے وہ گزر رہے تھے۔ وہ بہت تنگ اور دشوار گزار تھا۔ ایک طرف اونچی اونچی چٹانیں تھیں دوسری طرف گہری پستی میں سمندر موجیں مار رہا تھا۔ جیپ کار میرے کنٹرول میں آ گئی۔ کیونکہ کار ڈرائیو کرنے والے کا دماغ میری مٹھی میں تھا۔

پہلے میں نے اسے سمجھایا کہ شہر جلد پہنچنے کے لئے رفتار ذرا تیز کرنی چاہئے۔ وہ ایسے راستہ پر تیز رفتاری نہیں دکھا سکتا تھا۔ اور دماغ کے حکم سے انکار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دماغ تو جسم کو اتنی مہلت ہی نہیں دیتا کہ حکم کے بعد ہاتھ پاؤں ایک ساعت کے لئے بھی ٹھہر سکیں۔ لہٰذا رفتار بڑھ گئی۔ میں نے ایک جھٹکے سے کہا۔

"میں اسٹیئرنگ بائیں طرف گھما رہا ہوں۔"

جیپ کار ایک جھٹکے سے بائیں طرف گھومی۔ راستے سے بے راستہ ہوئی۔ پھر مجھے اس کی چیخیں سنائی دیں۔ میں یہ نہ جان سکا کہ گاڑی کس طرح فضا میں اچھل کر سمندر کی گہرائی میں گئی۔ کیونکہ جس کا دماغ میں کنٹرول کر رہا تھا۔ وہ سمندر کی گہرائی میں پہنچنے سے پہلے ہی بدحواس ہو بیٹھا تھا۔ مجھے کیا پڑی تھی کہ اس کے حواس سنبھال کرتا۔ میں سمندر کے کنارے ہٹ میں واپس آ گیا۔

منزا دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے رو رہی تھی۔ میں نے آسان سی انگریزی میں اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔

"منزا چپ ہو جاؤ۔ مجرمانہ زندگی گزارنے والے شوہر کے ساتھ رہ کر ابھی نہ جانے تم کتنی لاشیں دیکھو گی۔"

وہ آنسو پونچھتی ہوئی میرا منہ تکنے لگی۔ میں نے کہا۔

"ہاں منزا! ایسی زندگی گزارنے والوں کے سامنے مہلک ہتھیار، لاشیں، پولیس اور ہتھکڑیاں، اور پھر پھانسی کا پھندا جیسی چیزیں رہتی ہیں۔ اپنے دل کو مضبوط کرو۔"

وہ افسوس کا اظہار کرتی ہوئی مرنے والے کے بارے میں بولی۔

"وہ بہت اچھا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے میرے لئے چائے گرم کی تھی۔ میری بڑی عزت کرتا تھا میرے بھائی وہ بہت اچھا تھا"

میں چپ رہا۔ ایک نادان بہن کے لئے جو بہت اچھا تھا، وہ اس بھائی کے لئے حد درجہ خطرناک تھا۔ میں منزا کو کمرے میں چھوڑ کر ہٹ کے پچھلے حصہ میں آیا۔ ہٹ کا تمام فرش لکڑی کے تختوں سے بنایا گیا تھا۔ ناموڈا نے اپنے ساتھی کی مدد سے لکڑی کے تختے اکھاڑ کر اس کے نیچے ریتیلی زمین کو گہرائی تک کھودا تھا۔ پھر لاش کو دفن کر کے ریت برابر کرنے کے بعد لکڑی کے تختے اسی طرح دوبارہ لگا دیئے تھے۔ اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔

"فرہاد میں تمہیں بلا تا رہا۔ تم ہماری مدد کے لئے نہیں آئے۔ یہ خود سری پسند نہیں ہے۔"

میں نے کہا: "میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن ایسے وقت نہیں، جب میری بہن کی آنکھوں میں آنسو آ رہے ہوں۔ پہلے میں آنسو پونچھوں گا۔ پھر کسی کی بات سنوں گا۔"

ناموڈا نے قائل ہو کر کہا۔

"آئی سی۔ میں بھول گیا تھا کہ منزا رو رہی تھی۔ اس کے پاس تمہاری موجودگی ضروری تھی۔"

ہم منزا کے پاس کمرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ ناموڈا اپنے ساتھی کی اچانک موت پر افسوس ظاہر کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کہا۔

"مجھے اجازت دو۔ میں سونا چاہتا ہوں۔"

اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"تم کتنا سوتے ہو اور کیسی گہری نیند سوتے ہو؟ چاقو کی نوک چبھونے کے بعد بھی نہیں اٹھتے۔؟"

میں نے اپنی گردن کے معمولی سے زخم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر میں مر جاؤں گا تو تم دولت کا مزہ خواب دیکھتے رہ جاؤ گے۔"

"میں تمہاری اہمیت سمجھتا ہوں۔ اسی لئے تمہیں نیند کی حالت میں بھی قتل نہیں کر سکتا۔ تم نے جواب نہیں دیا کہ اتنی گہری نیند کیسے سوتے ہو۔؟"

"یہ میری پیدائشی عادت ہے۔ کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ میں دو دو راتیں نہیں سوتا۔ اور کبھی سونے کا ایسا دورہ پڑ جاتا ہے کہ مُردوں جیسی نیند میں گم ہو جاتا ہوں۔ فی الحال میں اس وقت تک سونا چاہتا ہوں جب تک کہ تمہارے دو ساتھی شہر سے واپس نہ آ جائیں۔ ویسے وہ کب تک واپس آ جائیں گے۔؟"

"ایک گھنٹہ گزر چکا ہے۔ میرا خیال ہے دو ڈھائی گھنٹے میں واپس آ جائیں گے؟"

"اچھی بات ہے۔ ان کے آنے کے بعد ہی موم بتی جلے گی۔ پھر میں ٹیلی پیتھی کا تماشہ دکھاؤں گا۔"

میں اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ناموڈا اپنے ساتھی سے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

"یہ بظاہر تو کوئی باکمال شخص نظر نہیں آتا۔ صرف اتنی سی بات ہے کہ قد آور اور صحت مند ہے اور شخصیت پرکشش ہے۔ ایسے لوگ اپنی دلفریب شخصیت سے خواہ مخواہ مرعوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ بڑے باکمال ہیں۔ کیا تمہیں اس شخص میں کچھ نظر آتا ہے؟"

اس کے ساتھی نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ویسے تو کچھ نظر نہیں آتا۔ جب موم بتی آئے گی تو اس کی اصلیت کا پتہ چل جائے گا۔"

"ہاں۔ ہمیں دو ڈھائی گھنٹے تک انتظار کرنا ہوگا۔"

مجھے اطمینان ہو گیا کہ ابھی وہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کریں گے اور میرے کمرے میں نہیں آئیں گے۔ میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ پھر سونیا کا دھیان کیا۔ چشم زدن میں میری سوچ کی لہروں نے اس کے دماغ کو چھو لیا۔ پھر میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کیونکہ سونیا وہاں نہیں تھی۔ جہاں میں نے اسے چھوڑا تھا۔

اب سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے وہ شیلا کے کاٹیج میں سو رہی تھی اور اب ایک طیارے میں سفر کر رہی تھی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ شیلا اور چمپیزی بھی اسی طیارے میں موجود ہیں۔ ایک ایئر ہوسٹس ان کے سامنے کھانے کی ٹرے رکھ رہی ہے۔ اس ایئر ہوسٹس کے علاوہ کوئی اور دوست یا دشمن وہاں نہیں تھا۔

میں نے سونیا کے دماغ پر دستک دی۔

"ہیلو سونیا! تم ناراض ہو رہی ہو گی۔ کہ میں اتنی دیر تک تم سے غافل رہا۔؟"

اس نے بڑی نرم مزاجی کا ثبوت دیا۔

"نہیں فرہاد! تم مجھ سے غافل نہیں رہ سکتے۔ تمہاری اپنی کوئی مجبوری ہو گی۔"

"بڑے ہی ٹھنڈے دماغ سے باتیں کر رہی ہو۔"

"اس لئے کہ غلطی میری ہے۔ تم نے سمجھایا تھا کہ مجھے وہاں آرام نہیں کرنا چاہئے۔ دشمنوں کے کسی اڈے کو فتح کرنے کے بعد یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ دشمن دوبارہ وہاں قدم نہیں رکھیں گے۔ میں نے تمہاری بات نہیں مانی۔ خرگوش کی نیند سوتی رہی۔ اور دشمنوں نے اچانک ہی چاروں طرف سے گھیر لیا۔"

میں نے پوچھا: "شیلا کہاں تھی۔ کیا وہ بھی سو گئی تھی۔؟"

"نہیں، وہ بے چاری بڑی مستعدی سے پہرہ دے رہی تھی۔ مگر ہمارا وہ بیٹا پہلے عورتوں سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اب اچانک ہی بہت زیادہ بالغ ہو گیا ہے۔ شیلا نے مجھے بتایا کہ وہ اچھا خاصا سو رہا تھا اچانک آنکھ کھلتے ہی باہر آ گیا۔ پھر شیلا کو اٹھا کر اندر لے آیا۔ وہ کہتی رہی کہ مادام ناراض ہو جائیں گی۔ مجھے اپنا فرض ادا کرنے دو۔ لیکن اس نے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے دروازہ بند کر لیا۔"

میں نے کہا: "ماں آرام سے سو رہی تھی۔ بیٹا عیش کر رہا تھا۔ ایسے میں دشمن بڑی آسانی سے غالب آ جاتے ہیں۔ اچھا تو پھر کیا ہوا۔؟"

"ہوا یہ کہ انہوں نے چاروں طرف سے ہمارے کاٹیج کو گھیر لیا۔ ریتیلی زمین پر قدموں کی چاپ سنائی نہیں دیتی۔ جب وہ کاٹیج کے برآمدے میں آئے تو شیلا چونک گئی۔ چمپیزی کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ باہر سے کوئی کہہ رہا تھا۔

"شیلا! ہم یہاں سے دو میل تک اپنے آدمیوں کی لاشیں دیکھ چکے ہیں۔ چونکہ تمہاری لاش نہیں ملی اس لئے تم سونیا اور چمپیزی کے سائے میں زندہ ہو۔ بہتر ہے کہ پہلی آواز میں باہر آ جاؤ۔"

اس کی آواز سن کر میری بھی آنکھ کھل گئی۔ سب سے پہلے میں نے سوچ کے ذریعے تمہیں پکارا۔ تاکہ تم مجھے کاٹیج کے باہر کی سچویشن بتا سکو۔ مگر تم حاضر نہیں تھے۔ باہر سے پھر آواز آنے لگی۔

"سونیا! ہم تعداد میں دس ہیں۔ ہمارے پاس مشین گنیں، ہینڈ گرینیڈ اور ٹیئر شیل ہیں کاٹیج چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔ تم لوگوں کی کوئی تدبیر کام نہیں آئے گی۔ زندہ سلامت باہر آ جاؤ۔ یا پھر کاٹیج کے اندر مرنا پسند کر لو۔"

مجھے چمپیزی کی آواز سنائی دی۔ وہ دوسرے کمرے سے کہہ رہا تھا۔

"ممی! حکم دو۔ میں ان سے لڑتے لڑتے مر جاؤں گا مگر تمہارے لئے فرار کا راستہ کھول دوں گا۔"

میں نے سختی سے انکار کیا اور اسے حکم دیا۔

"نہیں چمپیزی! ہتھیار پھینک کر باہر نکلو۔ میں بھی باہر آ رہی ہوں۔"

وہ دشمنوں کے سامنے جھکنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اسے مجبور کر دیا۔ ساری زندگی آگ اور بارود سے کھیلتے گزر رہی ہے میرے تجربات نے سمجھا دیا کہ مقابلہ کرنا خواہ مخواہ موت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ فی الحال دشمنوں کے سامنے جھک جانے سے آئندہ کسی وقت فرار کا موقع مل سکتا ہے۔ تم پر بھی تکیہ تھا کہ تم جلد یا بدیر میری مدد کے

لئے پہنچ جاؤ گے۔

ہم تینوں ہتھیار پھینک کر کاٹیج سے باہر آ گئے۔ انہوں نے گیراج سے تین گاڑیاں نکالیں۔ ہم تینوں کے ہاتھ پشت پر باندھ کر ہمیں الگ الگ گاڑی میں بٹھایا۔ پھر چھ مسلح جوان ہمیں وہاں سے تقریباً پینتالیس میل کے فاصلے پر لے گئے۔ اس کے بعد ہمارے ہاتھ کھول کر اس طیارے میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ تم میری سوچ کے ذریعے دیکھ سکتے ہو۔ اس طیارے میں صرف ایک ایئر ہوسٹس ہے۔ باقی لوگ اسی کاٹیج کی طرف واپس جا چکے ہیں جب طیارہ بلندی پر پرواز کرنے لگا تو میں نے ایئر ہوسٹس سے پوچھا۔

"تم ہمیں کہاں لے جا رہی ہو۔؟"

اس نے جواب دیا: "مغربی جرمنی۔ فرینکفرٹ......!"

یعنی دنیا گول ہے۔ جہاں سے میں موت کی سزا پانے کے لئے چلی تھی پھر اسی جگہ واپس جا رہی ہوں۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا تم مجھے جانتی ہو۔؟"

وہ مسکرا کر بولی: "سونیا اور فرہاد کو تنظیم کا ہر فرد جانتا ہے۔"

"پھر تو تم یہ بھی جانتی ہو گی کہ مجھے موت کی سزا دی گئی تھی۔"

"ہاں جانتی ہوں۔"

"پھر تم لوگ مجھے زندہ واپس کیوں لے جا رہے ہو؟ جبکہ مجھے موت کی سزا دی جا چکی ہے۔ مجھے تو کاٹیج سے نکلتے ہی گولی ماری جا سکتی تھی۔"

"ماسٹر کا حکم تھا کہ تمہیں اور چمپیزی کو زندہ واپس لایا جائے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ تم نے موت کی سزا سے بچنے کے لئے چمپیزی جیسے درندے کو دوست کیسے بنایا۔؟ اور ہمارا جہاز اس برفانی علاقہ میں کیسے تباہ ہو گیا۔؟"

"جہاز کیسے تباہ ہو گیا۔ یہ تو جہاز میں بیٹھنے والے ہی بتا سکتے ہیں اس کی تباہی سے بہت پہلے میں نے اور چمپیزی نے پیراشوٹ باندھ کر چھلانگ لگائی تھی۔"

"یہ تو ماسٹر بھی جانتے ہیں کہ تم دونوں نے پہلے چھلانگ لگائی ہے اسی لئے تو بعد میں ان لوگوں کو ہلاک کیا ہے۔ جو طیارے میں زندہ بچ گئے تھے۔"

"میں نے صرف دو آدمیوں کو ہلاک کیا۔ وہ طیارے سے باہر میرے مقابلہ پر آئے تھے۔"

"میں جانتی ہوں۔ میں فرینکفرٹ کے ماسٹر کی اسسٹنٹ ہوں۔ تمہارے متعلق تمام رپورٹ ماسٹر تک پہنچ گئی۔ میں صاف گوئی سے کام لوں گی اور یہ کہوں گی۔ کہ تمہارے زندہ بچ نکلنے کے پیچھے ٹیلی پیتھی کام کر رہی ہے۔"

میں نے اسے حیرانی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔؟"

اس نے مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ ناممکن تو نہیں ہے۔ تم تقریباً دو سال تک فرہاد کے ساتھ دن رات وقت گزارتی رہی ہو۔ اتنی لمبی مدت میں کیا تم نے اس سے یہ علم نہیں سیکھا ہو گا۔؟"

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"میں نے ایسا کون سا کارنامہ دکھایا ہے۔ جس سے تمہیں یا تمہارے ماسٹر کو شبہ ہو رہا ہے۔؟"

"ایک نہیں کئی کارنامے ہیں۔ اس طیارے میں کوئی خرابی نہیں تھی اور طیارے کا پائلٹ پندرہ برس کی فلائنگ کا تجربہ رکھتا تھا۔ تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے اس کے دماغ میں خرابی پیدا کر دی۔ اسی طرح تم نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے چمپیزی جیسے خونخوار کے اندر اپنے لئے محبت اور دوستی پیدا کر دی۔"

"بہت خوب!" میں نے کہا: "کسی بہت بڑے حادثے کی وجہ سمجھ میں نہ آئے تو یہی کہتی رہنا کہ کسی ٹیلی پیتھی جاننے والے کی شرارت ہے۔ یہ تو اچھا ہوا کہ تمہارے ماسٹروں کو فرہاد کی موت کا ڈھکا منظر ثبوت مل گیا ہے ورنہ یہ کہا جاتا کہ فرہاد کہیں چھپ کر یہ تماشے کر رہا ہے۔ بہر حال اس بے چارے کو تو اب کوئی زندہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس کی صلاحیتوں کو مجھ سے منسوب کیا جا رہا ہے۔"

"اگر یہ جھوٹ ہے تو بتاؤ چمپیزی تمہارا دوست کیسے بن گیا؟"

"وہ دوست نہیں میرا بیٹا ہے۔"

ایئر ہوسٹس نے ناگواری سے کہا۔

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

میں نے اسے یقین دلانے کے لئے چمپیزی کو مخاطب کیا۔ اس نے جواباً پوچھا۔ "یس ممی۔"

وہ دور ایک پچھلی سیٹ پر ———— بیٹھا تھا۔

میں نے کہا۔

"بیٹے! یہ بی بی یقین نہیں کر رہی ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں۔"

چمپیزی کے بجائے شیلا نے جواب دیا۔

"یہ ہم انسانوں کی بہت بڑی ٹریجڈی ہے۔ کسی جوان عورت کو داشتہ بناؤ تو یقین کر لیتے ہیں۔ اسے ماں یا بہن بناؤ تو اس کی نیک نیتی پر شبہ کرتے ہیں۔"

ایئر ہوسٹس نے کہا: "سونیا اور چمپیزی دونوں ہم عمر ہیں کوئی پاگل ہی اسے ماں بیٹا سمجھ سکتا ہے۔ چمپیزی! کیا تمہیں اس لئے ماسٹر بنایا گیا تھا کہ تم سونیا کے ہاتھوں بے وقوف بنو۔؟"

چمپیزی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف تم ہو کہ میری ممی کو سونیا سمجھ رہی ہو۔ سونیا تو برفانی علاقہ میں پہنچتے ہی مر گئی تھی۔"

ایئر ہوسٹس نے چونک کر بڑے غور سے سونیا کو دیکھا۔ پھر پوچھا۔

"کیا تم کوئی اور ہو؟ سونیا کے میک اپ میں ہو۔؟"

"نہیں! چمپیزی نے کہا: "جسے تم غور سے دیکھ رہی ہو، وہ سونیا کا جسم ہے۔ وہ برفانی علاقے میں مردہ ہو چکا تھا۔ پھر اس میں میری ماں کی روح سما گئی۔ تم سونیا سمجھ کر دھوکہ کھا رہی ہو۔ دراصل یہ میری ممی ہیں۔"

"چمپیزی! تمہیں جو سمجھایا جاتا ہے، تم وہی سمجھ لیتے ہو پتہ نہیں سپر ماسٹر نے کیا سوچ کر تمہیں ماسٹر بنا دیا تھا۔ سونیا! ٹیلی پیتھی کے علم میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ اچھی قوتِ ارادی کے مالک کو بھی یہ علم پاگل بنا دیتا ہے۔ تم نے سوچ کے ذریعے اس کے دماغ میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ جس سونیا کو یہ ہلاک کرنا چاہتا تھا، وہ مر چکی ہے۔ اب اس کے مردہ جسم میں اس کی ماں آ کر بیٹھ گئی ہے۔

سونیا! تمہارا جواب نہیں ہے۔ تم انسانی نفسیات کو خوب سمجھتی ہو۔ تم نے دیکھا کہ چمپیزی جوان عورتوں سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس لئے تم نے ماں بن کر متاثر کیا۔ اے چمپیزی! تمہارے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہے تو سوچو کہ تمہاری ہم عمر نوجوان عورت تمہاری ماں کیسے بن سکتی ہے۔؟"

چمپیزی نے لقمہ چباتے ہوئے جواب دیا۔

"روح کی کوئی عمر نہیں ہوتی۔ تم ماں بیٹے کے رشتہ پر اعتراض نہ کرو ورنہ مجھے ہاتھ پاؤں کا غصہ آ جائے گا۔"

میں نے ایئر ہوسٹس سے پوچھا۔

"تم ہمارے درمیان تنہا ہو۔ کیا تمہیں ہم سے ڈر نہیں لگتا۔؟"

اس نے کہا: "اس کا جواب میرے دماغ کی تختی پر لکھا ہے۔ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے پڑھ لو۔"

وہ میرے پیچھے پڑ گئی تھی کہ میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ میں نے شرارتاً مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور سوچا کہ وہ ہمارے پاس تنہا کیوں بھیجی گئی ہے۔ چونکہ میں اس تنظیم میں رہ چکی تھی اس لئے ان کے لائن آف ایکشن کو سمجھتی تھی۔ پھر یہ بھی تجربہ تھا کہ وہ چوری چھپے ہماری باتیں خفیہ مائیک کے ذریعے سنتے اور ریکارڈ کرتے ہیں۔ لہٰذا میں نے کہا۔

"جب تم ضد کر رہی ہو تو سنو! تمہارے ماسٹر نے تمہیں سمجھایا ہے کہ سونیا اور فرہاد کسی کمزور عورت کو نقصان نہیں پہنچاتے۔ اور اپنی سلامتی کے لئے ایسے لوگوں کو یرغمال نہیں بناتے، جن کی کوئی اہمیت نہیں ہو۔ اور تنظیم میں تمہاری اہمیت صرف اتنی ہے کہ تم اپنے ماسٹر کی داشتہ ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی۔

"آخر تم نے میری سوچ پڑھ لی۔ آگے کہو۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آگے کیا کہوں۔ میری یہ تمام باتیں پائلٹ روم میں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔"

اتنا کہہ کر سونیا کی سوچ ذرا تھم گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔

"فرہاد! تم سن رہے ہو نا۔؟"

"ہاں میری جان! میں تمہارے دماغ میں موجود ہوں۔ تم سوچتی رہو۔ میں سنتا جا رہا ہوں۔ ویسے یہ عجیب الٹا چکر چل گیا ہے۔ وہ تمہیں ٹیلی پیتھی کی ماہر سمجھنے لگے ہیں۔"

"آگے تو سنو فرہاد! میں جو شرارت کر رہی تھی، وہ ان کے لئے سنجیدگی تھی۔ کبھی کبھی تو یوں ہوتا ہے کہ اپنے دماغ سے کوئی بات سوچ کر کہو تو وہ سچ ہو جاتی ہے میں نے ایئر ہوسٹس سے یونہی کہہ دیا۔ پائلٹ روم میں تمہارا ماسٹر موجود ہے۔"

یہ بات اس لئے کہی کہ میری خیال خوانی جھوٹی ہو جائے۔ مگر یہ بات سچ نکلی تھوڑی دیر بعد پائلٹ روم کا دروازہ کھلا۔ پھر فرینکفرٹ کا وہی ماسٹر نظر آیا، جس کے متعلق ابھی میں نے خیال خوانی کا مظاہرہ کیا تھا اس نے ریوالور کا رخ میری جانب کرتے ہوئے کہا۔

"سونیا! آخر تمہاری اصلیت ظاہر ہو گئی۔ ہمیں پہلے ہی اس پہلو پر غور کرنا چاہئے تھا، کہ تم نے دو برس تک فرہاد کی گود میں کھیلتے کھیلتے ٹیلی پیتھی کا علم سیکھ لیا ہو گا۔ تم نے اسی علم کے بھروسہ پر سپر ماسٹر سے کہا تھا کہ تم اپنی پسند کی موت مرنا چاہتی ہو۔ یعنی تمہیں سو گز کے فاصلے تک فرار ہونے کا موقع دیا جاتا اس کے بعد تنظیم کے افراد تمہیں شکار کرتے تمہیں تو یقین تھا کہ تم ٹیلی پیتھی کے ذریعے تعاقب کرنے والوں کا کباڑا کر دیتیں۔

ایسے وقت سپر ماسٹر نے اپنی ذہانت کا ثبوت دیا۔ تمہاری بات مان لی۔ مگر برفانی علاقہ میں تمہیں شکار کرنے کے لئے چمپیزی کو بھیجا وہاں تم نے چمپیزی کی دکھتی رگ کو پکڑ لیا۔ اس کی سوچ کے ذریعے اس کی تمام ہسٹری شیٹ پڑھ لی کہ اس کی ماں نے اسے کس طرح جنم دیا اور وہ اب تک عورتوں سے نفرت کرنے کے باوجود ماں کی محبت کا پیاسا ہے۔

یہ نکتہ ہمارے لئے قابلِ غور ہے کہ چمپیزی کے متعلق تم کچھ نہیں جانتی تھیں پھر اس کی یہ کمزوری تم نے کیسے جان لی کہ تم اسے ماں کا پیار دے کر ہی اپنا تابع فرمان بنا سکتی ہو۔؟ چمپیزی کے ماضی کے متعلق صرف چند ماسٹر جانتے ہیں۔ اتنی ڈھکی چھپی بات تم نے خیال خوانی کے ذریعے ہی معلوم کی ہے۔

دوسرا قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جس طیارے میں تمہیں سزائے موت کے لئے بھیجا گیا تھا۔ وہ بالکل ٹھیک تھا۔ اس کا پائلٹ تجربہ کار اور صحیح الدماغ تھا۔ تم نے خیال خوانی کے ذریعے اس کا دماغ خراب کر دیا اس طرح وہ جہاز اس برفانی علاقے میں گر گیا۔

اور یہ تو ابھی کی بات ہے کہ میں تمہاری نظروں کے سامنے نہیں آیا تھا، پائلٹ روم میں چھپا ہوا تھا۔ مگر اس حیرت انگیز علم نے تمہیں بتا دیا کہ میں موجود ہوں اور تمہاری باتیں ریکارڈ کر رہا ہوں۔

اب میں مجبور ہو کر تمہارے سامنے آگیا ہوں۔ تم میرے دماغ کو جھٹکے پہنچا کر میرے ہاتھ سے ریوالور گرا سکتی ہو۔ مجھے اور میری محبوبہ کو پاگل بنا سکتی ہو، لیکن یہ یقین کر لو کہ اس جہاز کے پائلٹ کو اپنا آلۂ کار نہیں بنا سکو گی۔ کیونکہ وہ اپنی آواز تمہیں نہیں سنائے گا اور نہ ہی پائلٹ روم کا دروازہ کھولے گا۔ یہ طیارہ جہاں لینڈ کرے گا۔ وہاں اتنے مسلح جوان ہوں گے کہ تم بیک وقت تمام جوانوں کے دماغ سے نہیں کھیل سکو گی۔ وہاں تمہیں پکڑ کر فوج کے حوالے کر دیا جائے گا۔

جب سے تمہاری خیال خوانی کے متعلق شبہ ہوا ہے۔ تب سے سپر ماسٹر نے سختی سے تمہاری ذات میں دلچسپی لے رہا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم تمہیں گولی نہ ماریں۔ پہلے تمہاری خیال خوانی کی تصدیق کریں پھر اس کے سامنے تمہیں حاضر کریں۔

اب تم سے توقع ہے کہ تم کوئی ہنگامہ نہیں کرو گی۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ اب تم سزائے موت پانے کے لئے نہیں بلکہ سپر ماسٹر سے دوستی کا معاہدہ کرنے جا رہی ہو۔ اب ہمیں دوست بن کر یہ سفر طے کرنا چاہئے۔"

یہ کہہ کر ماسٹر نے ریوالور کو ہولسٹر میں رکھ لیا۔ پھر ہمارے درمیان کافی کا دور چلنے لگا میں ٹیلی پیتھی کے سلسلہ میں بالکل خاموش رہی۔ میں سوچ رہی تھی کہ جب یہ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو کیوں نہ آئندہ بھی انہیں مبتلا رکھا جائے۔ میں تم سے مشورہ کرنے کے لئے بہت دیر سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ اب بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو۔۔۔؟"

سونیا یہ کہہ کر خاموش ہو گئی میں نے کہا۔

"سونیا! تمہارے طیارے کے پائلٹ سے میں دماغی رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ وہ دروازہ کھول کر نہ تمہارے سامنے آئے گا نہ اپنی آواز سنائے گا اور نہ ہی میں تمہارے ذریعے اس کم بخت تک پہنچ سکوں گا۔

میں ماسٹر اور اس کی محبوبہ کو ذہنی اذیتیں پہنچاؤں گا، تب بھی پائلٹ ان کی مدد کے لئے اسٹیرنگ چھوڑ کر نہیں آئے گا۔ ایسی صورت میں یہ بات یقینی ہے کہ وہ تمہیں اپنی منزل تک ضرور پہنچائیں گے وہاں بہ لوگا فوج کے کئی جوان ہوں گے۔ وہ ٹیلی پیتھی کے اثرات سے بچتے ہوئے تمہیں سپر ماسٹر تک پہنچا دیں گے۔

اب یہی ایک راستہ رہ گیا ہے کہ ان کی غلط فہمیوں سے فائدہ اٹھایا جائے۔ فی الحال تم ٹیلی پیتھی کی ملکہ بن جاؤ۔ اب میری کوشش یہی ہو گی کہ میں تمہارے دماغ سے زیادہ دیر کے لئے دور نہ جاؤں۔ جب سپر ماسٹر کے سامنے تم جاؤ گی تو میں تمہاری طرف سے ٹیلی پیتھی کا ایسا مظاہرہ کروں گا کہ وہ سچ مچ تم سے دوستی کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اچھا اب تم ماسٹر کو مخاطب کرو۔ میں اس کی سوچ پڑھ کر معلوم کروں گا کہ اس نے دوستی کے متعلق کہاں تک درست کہا ہے۔"

سونیا نے کہا۔ "ماسٹر تا ئٹ میں گیا ہے۔ میں اس کی محبوبہ کو مخاطب کرتی ہوں۔"

اس نے ایئر ہوسٹس کو مخاطب کیا۔

"سنو! تمہارا نام کیا ہے۔۔؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میری سوچ پڑھ کر معلوم کر لو۔"

ایئر ہوسٹس کی آواز سنتے ہی میں نے اس کے دماغ تک چھلانگ لگائی۔ پھر اس کی سوچ میں کہا۔

"میں سونیا کو کیوں بتاؤں کہ میرا نام۔۔۔۔۔۔"

اس کی سوچ نے بے اختیار روانی میں کہا۔ "میرلن ہے۔۔۔ میرلن اسٹاک۔۔۔۔۔"

میں نے سونیا کو بتا دیا۔ سونیا نے مسکرا کر اسے کہا۔

"اچھا تو تمہارا نام میرلن اسٹاک ہے۔"

میرلن نے خوشی سے تالی بجا کر کہا۔

"ہائے سونیا! یہ کتنا عجیب علم ہے۔ تم نے کتنی آسانی سے میرا نام معلوم کر لیا۔"

سونیا نے کہا۔ "میں ہمیشہ کسی کی سوچ نہیں پڑھتی۔ آئندہ میرے علم کو نہ آزمانا۔"

اتنے میں ماسٹر ٹائلٹ سے آگیا۔ میرلن نے کہا۔

"ماسٹر موزیل! ابھی سونیا نے میری سوچ پڑھ کر میرا نام بتایا ہے۔"

ماسٹر موزیل مسکراتے ہوئے ایک سیٹ پر بیٹھ گیا۔ پھر ایک سگریٹ نکال کر سلگاتے ہوئے بولا۔

"اسی صلاحیت کے باعث سونیا ہماری تنظیم میں سپر مادام بننے والی ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے سگریٹ کا ایک کش لگایا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"میں نے سونیا کی چھپائی ہوئی صلاحیت کو ظاہر کر کے ایک اچھا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تنظیم میں میرا ریکارڈ بہتر ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تو یقینی بات ہے کہ سپر ماسٹر سونیا کی اس صلاحیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے ہم اسے مادام کا عہدہ دے گا۔ یہ ٹیلی پیتھی بہت ہی خطرناک چیز ہے۔ آں ہاں تو بھول ہی گیا۔ کہیں یہ سونیا میری سوچ تو نہیں پڑھ رہی ہے۔"

اس نے چونک کر سونیا کی جانب دیکھا۔ میں نے سونیا کی سوچ بن کر مجھ لہ وہ فوراً ہی مسکرا کر بولی۔

"ماسٹر! گھبراؤ نہیں۔ اب میں تمہاری سوچ نہیں پڑھوں گی۔"

ماسٹر موزیل جھینپ کر مسکرانے لگا۔ میں نے سونیا سے کہا۔

"ابھی ماسٹر سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ سپر ماسٹر تمہیں سپر مادام بنائے گا۔ اب تم اطمینان سے سفر کرو۔ اور اس سے پوچھو کہ یہ طیارہ کب منزل پر پہنچے گا۔۔۔؟"

سونیا نے ماسٹر سے پوچھا۔ اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے اندازے کے مطابق ہم تین گھنٹے کے اندر وہاں پہنچ جائیں گے۔ کیا تمہیں بھوک لگ رہی ہے۔۔۔؟"

چیپری نے دوسرے کہا۔

"ماسٹر! کھانے کی بات مجھ سے پوچھو۔ کیا بھنا ہوا مسلم بکرا مل سکے گا۔۔؟"

اس کی فرمائش پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ میں نے کہا۔

"سونیا! تین گھنٹے تک تم اطمینان سے رہو گی اس لئے مجھے اجازت دو۔ اس دوران میں تمہاری خبر لیتا رہوں گا۔"

میں اس سے رخصت ہو کر سمندر کے کنارے ناموداکے سٹ میں آگیا۔ باہر لہروں کا شور سنائی دے رہا تھا میرے کمرے میں پُرسکون خاموشی تھی۔ دوسرے کمرے سے بھی آواز نہیں آ رہی تھی۔ میں نے نامودا کی سوچ پڑھی۔ پتہ چلا کہ وہ میرے کمرے کے باہر دیوار سے لگا کھڑا ہے۔ دیواریں بانس کی پھپچیوں سے بنائی گئی تھیں۔ اور وہ ایک چھوٹے سوراخ سے کمرے میں جھانک کر مجھے دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا۔

"یہ بہت دیر سے بستر پر ساکت بیٹھا ہوا سامنے والی دیوار کو گھور رہا ہے۔ ذرا بھی حرکت نہیں کر رہا ہے۔ کیا یہ کسی عمل میں مصروف ہے۔۔؟"

واقعی میں بہت دیر سے بستر پر ساکت و جامد تھا۔ سوچ کے ذریعے سونیا کے ساتھ طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ اور یہ بھول گیا تھا کہ نامودا وغیرہ مجھے اس حال میں دیکھ کر میرے متعلق شبہ میں مبتلا ہو سکتے ہیں بہرحال میں نامودا کے دماغ میں موجود تھا۔ وہ میرے کمرے کی دیوار سے دور ہٹ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ وہاں اس کا ساتھی چائے پی رہا تھا۔ اس نے پوچھا۔

"منزا کہاں ہے۔۔۔؟"

"وہ ساحل پر چہل قدمی کے لئے گئی ہے۔ یہ بتاؤ فرہاد کیا کر رہا ہے؟"

نامودا نے تشویش بھرے لہجہ میں کہا۔

"یہ شخص بہت ہی پُراسرار ہے۔ میں بیس منٹ تک چھپ کر اسے دیکھتا رہا ہوں۔ مجھے یوں لگا کہ وہ مراقبے میں ہے اور کوئی عمل کر رہا ہے۔"

"نامودا۔ یہ گہرا آدمی ہے۔ ہم سے بہت کچھ چھپا رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے کمرے میں ٹیلی پیتھی کا کوئی عمل کر رہا ہو۔"

"لیکن وہ تو کہتا ہے کہ موم بتی کے بغیر وہ عمل نہیں ہوتا۔"

"شاید اس نے ہمیں بے وقوف بنایا ہو۔"

نامودا نے غصے سے کہا۔

"اگر وہ بے وقوف بنا رہا ہے تو میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

اس کے ساتھی نے چاقو نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"اس سے پہلے کہ وہ ہمیں بے وقوف بنا کر کسی مصیبت میں مبتلا کرے اسے ٹھکانے لگا دینا چاہئے۔"

نامودا چاقو ہاتھ میں لے کر سوچنے لگا۔

"فرہاد اپنی خاموشی اور تابعداری کے پیچھے یقیناً کوئی گہری چال چل رہا ہو گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ منزا سے بہت زیادہ غیرت مند بھائی بن کر محبت نہ کرتا ہو۔ صرف ہمارے پاس وقتی طور پر چھپ کر رہنے کے لئے بھائی بہن کی محبت کا ناٹک کھیل رہا ہو۔ مجھے اس خطرے کو نہیں پالنا چاہئے۔"

میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ لوگ میری ٹیلی پیتھی کے متعلق سوچتے وقت یہ بھول جاتے ہیں کہ فرہاد ان کی سوچ پڑھ رہا ہو گا۔ یا تو وہ خود کو اسپیشل قسم کی چیز سمجھتے ہیں جن کے دماغ تک میں پہنچ نہیں سکتا۔ یا پھر آپ ہی آپ سوچ کی روانی میں بہہ جاتے ہیں۔ دماغی سوچ میں اتنی قوت ہے کہ انسان خیالوں میں ڈوب کر اپنے آس پاس کی دنیا سے غافل ہو جاتا ہے۔

میں نے نامودا کی سوچ میں کہا۔

"واقعی فرہاد کا زندہ رہنا میرے لئے خطرناک ہے۔ اس کی ٹیلی پیتھی کی ایسی کی تیسی۔۔۔۔۔۔"

اس کی سوچ نے کہا۔

"صرف ایک بات کا افسوس ہو گا کہ میں اس کی ٹیلی پیتھی کے ذریعہ دولت حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

وہ مجھے قتل کرنے سے ہچکچا رہا تھا۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ وہ میرا قاتل بن جانے کا فیصلہ کر لے۔ میں اسے سوچ کے ذریعے بھڑکا رہا تھا۔ جب وہ میری جان لینے پر بالکل آمادہ ہو گیا تو میں نے اس کی سوچ میں کہا۔۔۔۔۔!

"یہ اچھا موقع ہے۔ منزا باہر گئی ہوئی ہے۔ فرہاد کو مارنے کے بعد فوراً اسے دفن کر دیا جائے گا۔ پھر میں منزا سے کہوں گا کہ وہ تمہارا بھائی دھوکے باز نکلا۔ ہمیں دھوکہ دے کر فرار ہو گیا۔"

نامودا کی سوچ نے قائل ہو کر کہا۔

"ہاں! یہ اچھی تدبیر ہے۔ منزا اپنے فریبی بھائی کے لئے افسوس کرے گی۔ پھر اسے صبر آ جائے گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"بہتر ہے کہ فرہاد کو مارنے سے پہلے وہی گڑھا دوبارہ کھود لیا جائے۔ جہاں ابھی ہم نے ایک لاش دفن کی ہے۔ لاش کو سامنے رکھ کر قبر کھودتے وقت ہاتھ پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔"

یہ مشورہ معقول تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو لے کر ہٹ کے پچھلے حصہ میں گیا۔ پھر فرش کے تختے اکھاڑنے لگا۔ میں نے منزا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا اس کی سوچ اجنبی تھی۔ اس کے باوجود اس کے ماحول کا پتہ چل گیا۔ وہ ساحلی ریسٹورانٹ میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ اور سمندر کا نظارہ کر رہی تھی۔ وہ بے چاری کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کا شوہر اس کے بھائی کے لئے قبر کھود رہا ہے۔

جب لکڑی کے تختوں کے نیچے قبر تیار ہو گئی تو ناموڈا اپنے ساتھی کے ساتھ تختوں کے اوپر ہٹ کے فرش پر آگیا۔ اس نے کہا۔
"فرہاد شہ زور معلوم ہوتا ہے۔ شاید میں چاقو سے اسے ہلاک نہ کرسکوں۔ لیکن شوٹ کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ بار بار ہمارے ہٹ سے فائرنگ کی آواز باہر جائے گی تو لوگوں کو شبہ ہوگا۔"
اس کے ساتھی نے پوچھا۔
"پھر کیا کیا جائے ـــــ؟"
میں ناموڈا کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ پھر میں نے جو کہا اس نے وہی کیا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھ کر اپنے ساتھی سے بولا۔
"ہم دونوں اس کے پاس جائیں گے۔ تم پیچھے سے اسے پکڑ لینا میں آگے سے اس طرح اس کے سینے میں چاقو گھونپ دوں گا۔"
اس نے دوسرا قدم آگے بڑھا کر چاقو گھونپنے کا عملی نمونہ دکھایا اس کے ساتھی کے دیدے پھیل گئے۔ وہ ایک ہچکی لے کر فرش پر گرا دوسری ہچکی تک تڑپتا رہا۔ تیسری ہچکی میں ٹھنڈا پڑ گیا۔ چند لمحوں تک ناموڈا کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے کیا ہو چکا ہے؟ اور اس کے ہاتھوں سے کیسے ہوا ہے؟ پھر اسے یقین ہو گیا کہ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے ساتھی کو ہلاک کیا ہے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر دیوار کے سہارے کھڑا ہو گیا۔ میں نے کمرے سے باہر آکر پوچھا۔
"بیٹے ناموڈا کیا سوچ رہے ہو۔ اب اس لاش کو فوراً چھپاؤ۔"
اس نے چونک کر مجھے دیکھا۔ پھر غصے میں میری طرف بڑھنے لگا۔
"میں تمہیں مارنا چاہتا تھا۔ اب بھی میں تمہیں......"
میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا دیا۔ وہ لڑکھڑا کر فرش پر گر پڑا۔
"اٹھو! تم ٹیلی پیتھی کے کمالات دیکھنا چاہتے تھے ـــ میں دکھا رہا ہوں ـــ"
وہ بے یقینی سے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا۔
"کک کیا ٹیلی پیتھی ایسی ہوتی ہے ـ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔"
میں نے کہا۔ "میں یقین دلاتا ہوں۔ دیکھو تم فرش پر بیٹھے ہو ابھی ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ گے۔"
میری مرضی کے مطابق اس کے دماغ نے کھڑے ہونے کے لئے کہا۔ وہ بے اختیار کھڑا ہو گیا۔ میں نے کہا۔
"اب تم قلابازی کھاؤ گے۔"
اس نے دوسرے ہی لمحے قلابازی کھائی۔ تیسری بار دماغ کے حکم پر اس نے دیوار سے سر کو ٹکرایا۔ آخر اس نے گھبرا کر گڑگڑا کر التجا کی۔
"فار گاڈ سیک ـ مجھے معاف کردو۔ ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔"
میں نے کہا۔ "پھر جلدی سے اٹھو اور اس لاش کو دفن کر دو۔"
وہ فوراً میرے حکم کی تعمیل کرنے لگا۔ میں نے کہا۔
"یہاں جتنے ریوالور، رائفل اور چاقو ہیں وہ تمام چیزیں بھی لاش کے ساتھ دفن کر دو۔ میں کوئی ہتھیار پسند نہیں کرتا۔"
وہ ہتھیار جمع کرنے کے لئے دوسرے کمروں میں گیا۔ اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ چھپ کر مجھ پر فائر کرے۔ میں نے کہا۔
"ناموڈا! فائر کرنے کی حماقت نہ کرنا۔ میں تمہاری سوچ پڑھ رہا ہوں۔"
اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ خوف سے کانپتا ہوا بولا۔
"مم۔ معاف کردو۔ اب تمہارے خلاف نہیں سوچوں گا۔"
اس نے تمام ہتھیار لا کر گڑھے میں ڈال دیئے۔ جس طرح انسان دوسروں سے چھپ کر کوئی کام کرتا ہے۔ اس طرح ناموڈا کی چھپی ہوئی سوچ کہہ رہی تھی کہ اس نے اپنے سوٹ کیس میں ایک ریوالور چھوڑ دیا ہے۔ میں نے کہا۔
"بیٹے! جاؤ اور سوٹ کیس سے وہ ریوالور نکال کر لاؤ۔"
وہ گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر دوڑتا ہوا کمرے میں گیا اور سوٹ کیس سے ریوالور لا کر اس گڑھے میں ڈال دیا۔ پھر نیچے اتر کر گڑھے کی مٹی برابر کی اور پھر آکر فرش کے تختوں کو ان کی جگہ جما کر رکھا۔ اس کے بعد جھاڑو اور پانی لے کر فرش کو دھونے لگا۔ میں نے کہا۔
"تمہارے دو ساتھی جو شہر گئے تھے۔ ان کی جیپ کار پہاڑی راستے سے بھٹک کر سمندر میں گر گئی ہے اب وہ دونوں کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"
وہ پھر خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے اسے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"فرہاد زندہ ہے، اس راز کو جاننے والا کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا۔ میں نے تمہارے چار ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ اب ایک زندہ تم رہ گئے ہو۔ بتاؤ کیسی موت پسند کرتے ہو؟"
وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے قدموں پر گر پڑا۔
"مجھے معاف کردو۔ میں تمہاری بہن کا سہاگ ہوں۔"
"اسی لئے تم ابھی تک سانس لے رہے ہو۔ چلو میں تمہیں اتنی رعایت دیتا ہوں کہ تمہیں اپاہج بنا دیتا ہوں۔ ایسی صورت میں بھی میری بہن کا سہاگ سلامت ہی رہے گا۔"
وہ ایک دم سے گڑگڑا کر میرے قدموں میں سر رکھنا چاہتا تھا میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ آپ ہی آپ سیدھا بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔
"میرے قدموں پر سر نہ رکھو۔ خدا کو پہچانتے ہو تو صرف اسی معبود کے آگے جھکو۔ میں تمہیں ایک شرط پر معاف کرسکتا ہوں۔"
"میں ہر شرط مان لوں گا۔ میں تمہارا غلام ہوں۔"
میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہم سب تاش کے باون پتے ہیں۔ حالات کی ہر چال پر بادشاہ اور غلام کے پتے اپنی جگہ بدلتے رہتے ہیں۔ میری شرط یہ ہے کہ آئندہ تم کبھی میرے خلاف نہ سوچنا۔ اب میں تمہیں وارننگ نہیں دوں گا۔ تمہاری دشمن سوچ کو پڑھتے ہی تمہیں اپاہج بنا دوں گا۔"
"ایسا ظلم نہ کرو فرہاد! دیکھو تمہارا دماغ بہت بڑا ہے تم سمجھ سکتے ہو کہ انسان کے دماغ میں اکثر غلط سوچیں آتی ہیں۔ وہ ایسی سوچوں کو دماغ سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تم مجھے بھی موقع دیا کرو کہ میں دیانتداری سے تمہارے خلاف پیدا ہونے والی سوچوں سے لڑتا رہوں۔"
وہ درست کہہ رہا تھا۔ اکثر شریف انسانوں کے دماغ میں بھی یہ باتیں آتی ہیں۔ کہ ہم اپنے دشمن کو قتل کر دیں۔ مگر وہ ایسی باتوں کو دماغ سے نکال دیتے ہیں۔ میں نے کہا۔
"اچھی بات ہے۔ جب تک تم مخالف سوچوں سے لڑتے رہو گے میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر ان سوچوں سے ہار کر جس گھڑی دشمن بنو گے۔ وہ تمہارے لئے قیامت کی گھڑی ہوگی۔"
"میری توبہ! میں نہیں جانتا تھا کہ ٹیلی پیتھی اتنی خطرناک چیز ہے میری کھوپڑی کے اندر دماغ ہل کر رہ گیا ہے۔"
"اب اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ۔ منزا ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی ہے اس سے کہو کہ تمہارے دو ساتھی جو شہر گئے ہیں۔ ان کا اب تک کوئی پتہ نہیں ہے۔ تیسرا ساتھی بھی اچانک کہیں چلا گیا ہے۔ اس لئے اب تم ضروری سامان لانے شہر جا رہے ہو۔"
"کیا مجھے شہر جانا ہوگا ـ؟"
"کیا نہیں جاؤ گے ـ؟"
"جاؤں گا۔ تم حکم دو گے تو ضرور جاؤں گا۔ تمہارے لئے میک اپ کا سامان، چینی زبان سیکھنے کے لئے کاپی قلم اور نئے لباس اور جوتے لے آؤں گا۔"
"تمہارے پاس رقم نہ ہو تو مجھ سے امریکن ڈالر لے لو۔"
"میرے پاس ایک ہزار برطانوی پونڈ ہیں۔ یہاں کے دکان دار برطانوی کرنسی لے لیتے ہیں۔"
ہم باتیں کرتے ہوئے ہٹ کے باہر آئے۔ ناموڈا نے کہا۔
"ایک بات تو میں بھول ہی گیا۔ اب ہمارے پاس جیپ کار نہیں ہے میں شہر کیسے جاؤں گا۔"
میں آس پاس دور دور تک دیکھنے لگا۔ منزا واپس آرہی تھی۔ میں نے کہا۔
"یہاں تو بے شمار ہٹس ہیں۔ ان میں سب ہی دولت مند رہتے ہوں گے۔ نئے اور پرانے ماڈل کی گاڑیاں بھی نظر آرہی ہیں۔ آؤ میں تمہارے لئے گاڑی کا انتظام کر دیتا ہوں۔"
ہم آگے بڑھے۔ منزا ہمارے قریب آگئی۔ پھر وہ ناموڈا کے ساتھ آگے آگے چلنے لگی۔ وہ دونوں مقامی زبان میں گفتگو کر رہے تھے میں ننگے پاؤں ریت پر چل رہا تھا۔ سمندر کی لہریں ہنستی کھیلتی آکر میرے قدموں سے لپٹ رہی تھیں، پھر پرسکون ہو کر واپس جا رہی تھیں۔ بہت عرصہ سے میں نے سمندر کے پانی سے غسل نہیں کیا تھا۔ اب اس کی منہ زور لہروں سے کھیلنے کی خواہش ہو رہی تھی۔ ناموڈا نے پلٹ کر کہا۔
"فرہاد! یہ منزا ضد کر رہی ہے۔ کہتی ہے میرے ساتھ شہر جائے گی۔"
"میری بہن کی ضد پوری کرو۔ شہر لے جاؤ۔ اس کی بھی تفریح ہو جائے گی۔"
"لیکن اب دوپہر ہو چکی ہے۔ واپسی میں رات ہو جائے گی۔"
"کوئی بات نہیں آج رات منزا کی ماں کے ہاں گزار لینا۔ صبح واپس آجانا۔"
ناموڈا نے بے یقینی سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"کیا تمہیں مجھ پر اتنا بھروسہ ہے۔ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ کل صبح تک مجھے تم سے بہت دور بھاگ جانے کا موقع مل جائے گا۔"
وہ کم بخت ٹیلی پیتھی کے متعلق اس حد تک نہیں جانتا تھا کہ سوچ کی لہریں دنیا کے آخری سرے تک اس کا پیچھا کر سکتی ہیں۔ میں نے کہا۔
"ناموڈا! میں جانتا ہوں کہ تم دل کے بہت اچھے ہو۔ میں تم پر اندھا اعتماد کرتا ہوں۔"
اس نے خوش ہو کر میرے بازو کو تھام لیا۔
"فرہاد! میں تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچاؤں گا۔ کل صبح تک منزا کے ساتھ واپس آجاؤں گا۔ لیکن گاڑی کا انتظام کیسے کرو گے ـ؟"
"تم منزا سے باتیں کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"
میں انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔ سب سے پہلے میں نے سونیا کی خیریت معلوم کی۔ وہ چمپینزی اور شیلا کے ساتھ ہنس بول رہی تھی۔ ان کا سفر جاری تھا۔ میں پھر اپنی طرف لوٹ آیا۔ ایک ہٹ کے سامنے سرخ رنگ کی کار کھڑی تھی۔ دو خوش پوشش دولت مند اس میں بیٹھ کر کہیں جانے والے تھے۔ میں نے قریب پہنچ کر عاجزی سے پوچھا۔
"کیا مجھے شہر تک لفٹ مل سکتی ہے؟"
دونوں نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر ایک نے انکار کرتے ہوئے کہا۔
"سوری ـ"
وہ کار میں بیٹھ گئے۔ میں نے کھڑکی پر جھک کر رازدارانہ انداز میں کہا۔
"آپ نے میرا مطلب نہیں سمجھا۔ میں اپنے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ ایک نہایت ہی حسین لڑکی ہے۔ آپ چاہیں تو وہ آپ کے ساتھ......"
میں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ دونوں نے معنی خیز انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر ایک نے پوچھا۔

"کیا تم سپلائی کرتے ہو۔۔؟"
میں نے ہچکچاتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔
"یس جناب! آپ جیسے مہربانوں کی خدمت کرتا ہوں۔ آپ یقین کریں ایسی حسین چیز آپ نے پہلے کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔"
"کہاں ہے؟" دونوں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔
"ابھی آ جائے گی۔ کیا آپ اسے شہر لے جائیں گے۔۔؟"
"ہاں! اسے لے آؤ۔"
اتنے میں سامنے والے ہٹ سے ایک نوجوان لڑکی نے پوچھا۔
"ڈیڈی! آپ ابھی تک نہیں گئے۔"
کار کے اسٹیئرنگ پر بیٹھے ہوئے شخص نے کہا۔
"بیٹی! بس اب جا رہا ہوں۔" پھر اس نے مجھ سے کہا۔ "آؤ گاڑی میں بیٹھ کر چلو۔ پہلے ہم دیکھیں گے کہ وہ کیسی ہے۔۔؟"
میں نے کہا۔ "دیکھنا کیا ہے۔ بس آپ کی بیٹی جیسی ہے۔"
"کیا بکتے ہو۔۔؟"
"بکتا نہیں عرض کرتا ہوں۔ آپ اتنی حسین بیٹی رکھ کر دوسرے کی بیٹی کو پہلو میں بٹھا کر کیوں لے جانا چاہتے ہیں۔۔؟ دیکھئے نا، اپنی چیز تو......؟"
میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ کار اسٹارٹ کر چکا تھا۔ پھر وہ کار تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں اس کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ مجھے گالیاں بکتا جا رہا تھا۔ میں نے اس کا کچھ نہیں بگاڑا۔ کیونکہ جتنی بڑی وہ گالی کھا چکا تھا۔ اس کے سامنے تمام گالیاں بے اثر ہو جاتی ہیں۔
جانے والے کی لڑکی ہٹ کے برآمدے میں کھڑی مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں اسے نظرانداز کر کے آگے بڑھ گیا۔ دو ہٹس کے بعد تیسرے ہٹ کے برآمدے میں ایک بوڑھی عورت پریشان حال کھڑی ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔ پھر مجھ سے بولی۔
"بیٹے! یہاں کوئی ڈاکٹر مل سکتا ہے۔ میرے شوہر کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"
میں نے کہا۔ "ماں جی! یہاں تو شاید ہی کوئی ڈاکٹر ملے۔ مجھے اپنے شوہر کے پاس لے چلیں۔"
میں اس کے ساتھ اس کے ہٹ میں پہنچا۔ ایک بوڑھا شخص بستر پر لیٹا ہوا تکلیف سے بے چین ہو رہا تھا میرے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے السر کی بیماری ہے۔ ناف کے پاس درد کی ٹیسیں اٹھ رہی ہیں میں نے کہا۔
"میں مسلمان ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک نام سے تمہاری تکلیف میں کمی کر سکتا ہوں۔"
وہ مجھے احسان مندی سے دیکھنے لگا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے دل ہی دل میں کہا۔۔۔

"میرے معبود! تو بڑے جلال والا ہے، بڑی شان وا
والا اور بڑی رحمت والا ہے۔ تو رحمان ہے، رحیم ہے، کریم
سب سے عظیم ہے۔ تو نے بیماریاں دی ہیں تو بیماریوں کا علاج
تو نے مجھے ایسا مسیحا بنایا ہے کہ میں بیمار خیالوں کی نبض
میں تیرا نام لے کر اس بوڑھے کے کام آ رہا ہوں۔"
یہ کہہ کر میں نے اس بوڑھے کے دماغ سے رابطہ قائم
بھی جسمانی تکلیف ہو اس تکلیف کو دماغ محسوس کراتا ہے اگر
ہو جائے تو تکلیف کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے
میں ڈاکٹر نیند کا انجکشن دے کر مریض کو سلا دیتے ہیں۔
میں اسے خیال خوانی کا انجکشن لگانے لگا۔ اس کی
گرفت میں لے کر اس کی سوچ میں کہنے لگا۔
"مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔ مگر اب کم ہے۔ ہاں پہلے سے
لیکن میرا سر کیوں چکرا رہا ہے۔ وہ ایسا لگ رہا ہے جیسے
اس کا سر ہولے ہولے چکرا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں
میں نے کہا۔
"ہاں مجھے آنکھیں بند رکھنا چاہئے۔ مجھے شاید نیند آ
ہاں نیند آ رہی ہے میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے
کی طرح ہلکا ہو گیا ہوں۔ میں سو رہا ہوں۔ میں سو رہا ہوں
سات، چھ، پانچ، چار، چار۔۔۔ چا۔۔۔۔ چا۔۔۔۔"
وہ سو گیا۔ میں نے بوڑھی عورت کو کمرے سے باہر آ
کیا۔ پھر باہر آ کر اس سے کہا۔
"آپ کے شوہر سکون سے سو رہے ہیں۔ السر کی
انہیں دوائیں ساتھ رکھنی چاہئیں۔"
"ہم دوائیں لائے تھے۔ ان میں سے کچھ ختم ہو گئیں
تو کمال کر دیا۔ تمہارا اسلام مذہب ہے یا جادو۔۔؟"
"نہیں ماں جی! ہمارے مذہب میں جادو حرام ہے
آخری رسولؐ پر عقیدے کی سچائی کا نام اسلام ہے۔"
"بیٹے! اس شہر میں میرا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ وہی اپنے باپ
کرتا ہے۔ مجھے کار چلانی نہیں آتی۔ ورنہ میں لے جا کر یہاں
"ماں جی! میری بہن اور بہنوئی شہر جانا چاہتے ہیں
اپنے بیٹے کا پتہ بتا دیں۔ اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں تو وہ
گاڑی لے جائیں گے۔ پھر آپ کا بیٹا اس گاڑی میں یہاں
"بیٹے! تم تو فرشتہ بن کر آئے ہو۔ میں تم پر بھروسہ
گی تو پھر کس پر کروں گی۔۔؟ جاؤ اپنی بہن اور بہنوئی کو
میں نے دور کھڑے ہوئے ماموا کو اشارہ کیا۔ وہ
ساتھ آنے لگا۔ ماں جی نے پوچھا۔
"کون سے ہٹ میں رہتے ہو۔۔؟"

"سولہ نمبر کے ہٹ میں ــــ"

"ارے سولہ ہٹ ہمارا ہی ہے۔ ہم نے ناموُدا نام کے آدمی کو کرائے پر دیا ہے۔ ہاں! یہ جو اپنی بیوی کے ساتھ آ رہا ہے۔ یہی ہمارا کرایہ دار ہے۔"

منزا اور ناموُدا قریب آ گئے۔ ماں جی نے منزا سے کہا۔

"بیٹی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ فرشتہ تمہارا بھائی ہے۔ تم میری گاڑی لے جاؤ۔"

پھر وہ ناموُدا کو اپنے ڈاکٹر بیٹے کا پتہ بتانے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ناموُدا منزا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ میں نے کہا۔

"ماں جی! میں جا رہا ہوں۔ یہیں آس پاس رہوں گا۔ آپ کے شوہر کو کوئی تکلیف ہو تو مجھے فوراً بلا لیں۔"

میں جانے لگا تو اس نے کہا۔

"اب میں ہٹ کا کرایہ نہیں لوں گی۔ تم میرے بہت اچھے بیٹے ہو۔"

میں مسکرا کر شکریہ ادا کرتا ہوا دُور نکل گیا۔ ریسٹورنٹ کے سامنے پہنچ کر خیال آیا کہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ بھوک لگ رہی تھی۔ اس لئے میں ریسٹورنٹ کے لان میں ایک میز کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ بیرے نے آ کر مینو سامنے رکھا۔ میں نے اسے کھول کر کھانے کا انتخاب کیا۔ وہ آرڈر لے کر چلا گیا۔

میرے سامنے آسمان کے آخری کنارے کو سمندر چھو رہا تھا۔ بڑی ہی لطیف اور سبک ہوائیں چل رہی تھیں۔ دُور دُور تک ناریل کے قد آور درخت جھوم رہے تھے۔ مرد، عورتیں اور بچے ناریل توڑ کر اس کا ٹھنڈا میٹھا پانی پی رہے تھے۔ انگریز، جاپانی اور چینی دوشیزائیں صرف انڈر ویئر اور بریزیئر پہنے سمندر کی لہروں سے کھیل رہی تھیں۔ کچھ لوگ ملٹی کلر کی چھتریوں کے سائے میں پکنک منا رہے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے بڑا ہی رنگین اور رومانی منظر تھا۔ اور ایسے رومان پرور ماحول میں میں بالکل تنہا تھا۔

میں نے تنہائی سے بھاگ کر سونیا کو پکارا۔ وہ طیارے میں بخیریت تھی۔ اور میں ہزاروں میل کی دُوری سے اسے چھو نہیں سکتا تھا۔ میں مایوس ہو کر پھر سمندر کے ساحل پر واپس آ گیا۔ بیرا میرے سامنے ڈشیں رکھ رہا تھا۔ میں کھانے سے بہلنے لگا۔

کھانا بہت عمدہ اور لذیذ تھا۔ اگر کوئی ساتھی ہوتی تو کھانا اور بھی لذیذ ہو جاتا۔ اس رومانی ماحول کا نظارہ کچھ اور حسین ہو جاتا۔ اور شور مچاتی ہوئی لہریں اپنا لہجہ بدل کر گیت گانے لگتیں۔ میں گرم گرم کھانا ٹھنڈی ٹھنڈی آہوں کے ساتھ کھاتا رہا۔

آخری لقمہ چباتے ہوئے میں نے سمندر کی جانب دیکھا۔ اسی وقت مچلتی ہوئی لہروں کی گود سے ایک مچلتی ہوئی دوشیزہ ابھری۔ یوں لگا جیسے سمندر نے اسے میرے لئے جنم دیا ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔ یا حیرت! وہ واقعی میری طرف آ رہی تھی۔ میں سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ میری میز کے پاس آئی۔ پھر میرے پاس آئی۔ پھر میرے پیچھے سے گھوم کر دوسری میز پر ایک نوجوان کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔

ہت تیری ایسی کی تیسی۔ میں نے اسے کن انکھیوں سے دیکھا۔ دوڑ کر آنے کے باعث اس کا سینہ ہانپ رہا تھا۔ نوجوان نے لیمن کا گلاس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"تم سمندر سے ڈرتی ہو۔ اسی لئے ساحل پر سے بھاگ آئیں۔"

وہ لیمن کی ایک چسکی لے کر بولی۔

"ہائے واہ! میں کتنی دور تک گئی تھی۔ دیکھتے نہیں پوری کی پوری بھیگ گئی ہوں۔"

"ایسے تو تم نلکے کے پانی سے بھی بھیگ سکتی ہو۔ لیکنی ڈارلنگ تم میری طرح سمندر میں دور تک نہیں جا سکتیں۔"

وہ ناراض ہو کر بولی۔

"تمہیں تو ڈینگیں مارنے کی عادت ہے۔ اگر ہمت ہے تو ابھی تک تیر کر دکھاؤ ــــ"

"تم مجھے چیلنج کر رہی ہو۔" وہ میز پر گلاس پٹخ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں ابھی دکھاتا ہوں کہ میں کیا ہوں ــــ؟"

وہ جانے لگا۔ لڑکی نے جلدی سے اٹھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

"ڈیئر! میں مذاق کر رہی تھی۔ نہ جاؤ مجھے ڈر لگتا ہے!"

"تم عورت ہو اس لئے ڈرتی ہو۔ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ مرد کس طرح سمندر کا سینہ چیرتے ہیں۔"

وہ ہاتھ جھٹک کر چلا گیا۔ لڑکی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے ساحل کی طرف جاتے دیکھ رہی تھی میرے سامنے اس کا سراپا تھا۔ اور اتنے خوب پردہ تھا کہ پہلی۔ اس کا سراپا شرما رہا تھا۔

ایک خیال آیا کہ اگر اس کا نوجوان ساتھی ڈوب جائے گا تو اس حسینہ کی میری دوستی ہو جائے گی۔ وہ اتنی حسین تھی کہ اس کے لئے اپنے رقیب کو قتل کر سکتا تھا۔ اس کا محبوب سمندر سے لڑنے کے لئے پہنچ گیا تھا۔ میں خیال خوانی کے ذریعے اس کے دل کی دھڑکنیں سن رہا تھا۔ جس طرح دل ہی دل میں اپنے محبوب کی سلامتی کے لئے دعائیں کر رہی تھی اس سے پتہ چلتا تھا کہ وہ دل اور دماغ کی گہرائیوں سے اسے چاہتی تھی۔ میں اس کے محبوب کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ لہروں تک پہنچ کر گھبرا رہا تھا۔ وہ تیرنا جانتا تھا۔ مگر تیرنا اور بات ہے اور سمندر میں دور تک جانا اور بات ہے اس کے لئے مہارت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس نوجوان میں حوصلہ نہیں تھا۔

مجبوری یہ تھی کہ وہ محبوبہ کے سامنے دعوے کر چکا تھا اور نظروں میں بزدل نہیں بننا چاہتا تھا۔ اس نے پلٹ کر محبوبہ کو دیکھا جبراً مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا۔ اس کے بعد آگے بڑھتا چلا گیا۔ پہلے سے سوچا تھا کہ زیادہ دُور نہیں جائے گا۔ بس کسی حد تک اپنا دعویٰ پورا کرے گا۔ مگر ایک نوجوان اس سے بہت آگے جا کر سمندر سے کھیل رہا تھا۔ اگر وہ اتنی دُور بھی نہ جاتا تو واپسی میں محبوبہ کے طعنے سننے پڑتے۔ اس لئے وہ اور آگے بڑھ گیا۔

تب لہروں کا ایک زوردار ریلا ساحل کی طرف سے واپس آیا اور اسے اچھال کر اتنی دُور لے گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ گہرے پانی میں ڈوبا، پھر ابھرا اور ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ لڑکی چیختی ہوئی سمندر کی طرف بھاگنے لگی۔

"ہیلپ۔ بچاؤ۔ ہیلپ۔ میرا ساتھی ڈوب رہا ہے۔"

میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھا ہے۔ اگر جلد ہی کوئی مدد کے لئے نہ پہنچا تو شاید اس کی لاش بھی نہیں ملے گی۔ ایک قیامت اور بھی کہ اتنی دور کوئی بھی مدد کے لئے فوراً ہی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور میں بھی اپنی جگہ جم کر بیٹھا ہوا تھا۔

اپنی جگہ سے اٹھنا ضروری نہیں تھا۔ میں نے اس کے دماغ کو گرفت میں لے کر کہا۔

"میں ڈوب نہیں رہا، تیر رہا ہوں۔ میں اپنے ہوش و حواس میں ہوں میں تیراکی کے مکمل قواعد کے مطابق ہاتھ پاؤں چلا رہا ہوں۔ ہاتھ اس طرح اور پاؤں اس طرح......"

میں نے اس کے ہوش و حواس بحال کر دیئے۔ اور دماغ سے خوف دور کرتا رہا اس کو نکالتا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بے جگری سے تیرتا ہوا ساحل کی طرف آنے لگا۔ جو لوگ اس کی مدد کے لئے جانے والے تھے وہ رک گئے۔ ایک منہ زور لہر اسے ساحل پر پہنچا چکی تھی۔

لڑکی خوش ہو کر دوڑتی ہوئی اس کے پاس گئی اور اس سے لپٹ گئی۔ مجھے بھی اس لڑکی کو حاصل کر کے اتنی خوشی نہ ہوتی، جتنی کہ اب ہو رہی تھی۔ کیونکہ میں ڈبن کو واپس لا کر اسے ایک محبوب کا تحفہ دے رہا تھا۔ ڈبن نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"تم کیا سمجھ رہی تھیں کہ میں ڈوب رہا ہوں ــــ"

"ہاں تم اناڑیوں کی طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔"

"ارے! وہ تو میں تمہیں ڈرا رہا تھا۔ سمندر سے کھیلنا تو میری ہابی ہے۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا دنیا میں ایسے احمقوں کی کمی نہیں ہے جو موت کے منہ سے نکل آنے کے بعد بھی اپنی عورتوں کے سامنے ڈینگیں مارنے سے باز نہیں آتے۔

میں اس ہٹلر کے دماغ سے نکل آیا۔ بیرا میرے سامنے سے پلیٹیں اٹھا رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"صاحب! اور کچھ شوق کریں گے۔؟"

میں نے کہا ــــ "ہاں! کافی لے آؤ ــــ"

میں نے اس کی بات پر دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ پھر راز داری سے بولا ــــ

"کچھ اور شوق کریں گے ــــ؟"

"آں ــــ" میں نے اسے چونک کر دیکھا۔ پھر کہا۔ "نہیں، صرف کافی کا شوق ہے۔"

وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ میں سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ ہماری دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک حسین بکھرا پڑا ہے۔ کوئی حسن ضرورت کے بازار میں بک جاتا ہے۔ اور کوئی حسن ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کی ساری دولت بھی اسے خرید نہیں سکتی۔ اسے ڈبن جیسے خوش نصیبوں کی محبت ہی خرید سکتی ہے۔

ڈبن کی محبوبہ چلی گئی۔ دوسری میز پر دوسری آ گئی۔ دوسری چین کی گڑیا تھی۔ وہ پاکٹ سائز کی دوشیزہ نارنجی رنگ کے بلاؤز اور سیاہ اسکرٹ میں تازہ بہ تازہ پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ اس کا قد اس کا چہرہ اور اس کی جوانی، سب ہی کچھ پاکٹ سائز تھا۔ چینی دوشیزائیں گوری اجلی ہوتی ہیں، مگر زردی مائل ہوتی ہیں۔ وہ زرد پھول جذبات کے گلدان میں سجائے جانے کے قابل تھا۔

لیکن وہ حسینہ بھی تنہا نہیں تھی۔ اس کے سامنے میز کے دوسری طرف ایک قد آور انگریز بیٹھا ہوا تھا۔ وہ نیلی پتلون اور زرد رنگ کی بنیان پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ٹھوس جسم، چہرے کی سختی اور پھیلے ہوئے جبڑے دیکھ کر پتہ چلتا تھا کہ وہ بڑا ہی بے رحم اور کینہ پرور انسان ہے۔ اس نے ایک بار سر گھما کر میری جانب رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ کیونکہ میں بھی اس کے قد کے برابر تھا اور ڈیل ڈول میں اس سے کم نہیں تھا۔ جب اس سے میری نظریں ٹکرائیں تو وہ حقارت سے "پھو" کہہ کر اپنی حسین ساتھی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ہماری میزوں کے درمیان تقریباً دس قدم کا فاصلہ تھا۔ ان کی باتیں سنائی نہیں دے سکتی تھیں۔ لیکن میں سن سکتا تھا۔ وہ میز پر جھک کر غراتی ہوئی سرگوشی میں لڑکی سے کہہ رہا تھا۔

"میٹوُن! میں ایک ہی بات بار بار سمجھانے کا عادی نہیں ہوں اس طرح رونی صورت بنا کر نہ بیٹھو۔ فوراً مسکراؤ۔"

وہ آنسو بھرے لہجے میں بولی۔

"اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کیا تم مسکرا سکتے ہو ــــ؟"

"مجھ پر مصیبت لانے والا ابھی کوئی پیدا نہیں ہوا ہے مجھ سے بحث نہ کرو، ورنہ دونوں ہاتھوں سے تمہیں کپڑے کی طرح نچوڑ کر رکھ دوں گا۔"

اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنے فولادی پنجے دکھائے۔ وہ خوفزدہ ہو کر جبراً مسکرانے لگی۔ اسی وقت ایک بیرا ایک ٹرے میں بیئر کی بوتل ایک گلاس اور لڑکی کے لئے دوسرے گلاس میں اورنج اسکواش لے آیا۔ میرے سامنے بھی کافی آ گئی تھی۔ میں نے بیرے سے کہا کر بل لے آئے پھر کافی کی چسکیاں لینے لگا۔

مے لوڈن خاموشی سے اورینج اسکواشن کے گلاس کو تک رہی تھی۔ وہ سخت لہجے میں بولا۔

"خاموش کیوں بیٹھی ہو۔ گلاس اٹھا کر پیئو۔"

وہ عاجزی سے بولی۔

"ڈائمنڈ! مجھے کھانا پینا اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ زبردستی نہ کرو۔"

ڈائمنڈ نے غصے سے کہا۔

"میں یہاں ریسٹورنٹ میں تمہیں لا کر پچھتا رہا ہوں۔ لوگ تمہارے اس موڈ کو دیکھ کر کیا سوچیں گے۔؟"

"تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔؟"

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ وہ مرغا یہیں کہیں ہوگا۔ وہ شراب و شباب کا رسیا ہے۔ تمہیں دیکھتے ہی تم پر مر مٹے گا۔"

"ڈائمنڈ! میں تمہیں تمہارا تمہارا مدبر کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھے بکنے والی چیز نہ بناؤ۔ میں نے آج تک کسی مرد سے دوستی نہیں کی۔ میں یہ کام نہیں کر سکوں گی۔"

"تمہارا باپ بھی کرے گا۔" اس نے غصہ سے میز پر ہاتھ مارا۔ اس کا ہاتھ ایسا بھاری بھرکم تھا کہ میز پر رکھی ہوئی تمام چیزیں اچھل کر ادھر ادھر گر پڑیں۔ ریسٹورنٹ کے سبھی لوگ ان دونوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ بیرا دوڑتا ہوا آیا۔ ڈائمنڈ نے کہا۔

"میز صاف کرو۔ اور یہی آرڈر دوبارہ سرو کرو۔ ہری اپ۔"

وہ جلدی جلدی میز صاف کرنے لگا۔ دو ہٹے کٹے جوان ڈائمنڈ کے سامنے آکر تن کر کھڑے ہو گئے۔ ایک کے ہاتھ میں آہنی سلاخ تھی اس نے سلاخ کا آخری سرا ڈائمنڈ کے سینے پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"اے مسٹر! تم کون ہو۔ اور یہ کیا حرکت کر رہے ہو۔؟"

ڈائمنڈ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

"یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ اور جو میرے معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے میں اسے آئندہ بولنے کے قابل نہیں رکھتا۔"

یہ کہتے ہی اس نے بڑی پھرتی سے ایک لِک ماری اور آہنی سلاخ چھین کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ان جوانوں سے بولا۔

"ذرا ادھر دیکھو کہ میں تم دونوں کو کس طرح توڑ مروڑ سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے آہنی سلاخ کے دونوں سروں کو تھام کر موڑنا شروع کیا اس کے بازوؤں کی مچھلیاں سخت ہو رہی تھیں، ابھر رہی تھیں لوگ حیرانی سے اور دونوں جوان پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔ آہنی سلاخ آہستہ آہستہ درمیان سے خم کھا رہی تھی۔ پھر وہ اس طرح مڑ گئی کہ اس کے دونوں سرے آپس میں مل گئے۔ اس کے بعد اس نے سلاخ کو جوانوں کے پاس پھینک کر پوچھا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔؟"

ان دونوں نے ایک دوسرے کو بزدلی سے دیکھا۔ پھر سر جھکا کر چپ ہو گئے۔ مے لوڈن پرس سے رومال نکال کر اپنے چہرے سے پسینہ پونچھنے لگی۔ ڈائمنڈ نے اپنی جگہ بیٹھتے ہوئے کہا۔

"تم پہلے بھی دیکھ چکی ہو اور سمجھ چکی ہو کہ میں فولاد ہوں۔ گوشت پوست کے انسان میرے ہاتھوں میں پس کر رہ جاتے ہیں [illegible] لئے یہ سوچ کر میرے حکم سے انکار نہ کرو۔ کہ تمہاری مدد کے لئے کوئی آسمان سے اتر کر آئے گا۔"

میں نے آس پاس دیکھا۔ ایک قریبی میز پر ایک صاحب [illegible] بید کی چھڑی لئے بیٹھے تھے۔ میں نے ان کے پاس جا کر وہ چھڑی [illegible] دیر کے لئے طلب کی۔ انہوں نے دے دی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے [illegible] ذرا ہلایا تو وہ کسی دوشیزہ کی کمر کی طرح لچکنے لگی۔ میں اسے لے [illegible] ڈائمنڈ کے سامنے پہنچ گیا۔ پھر بلند آواز سے بولا۔

"معزز حاضرین و ناظرین! اس دنیا میں ایک سے بڑھ کر ایک فولا[illegible] انسان موجود ہیں۔ میں بھی آپ کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کر رہا ہوں۔ غور سے دیکھئے......"

یہ کہہ کر میں نے بید کی چھڑی کے دونوں سروں کو تھام لیا اور [illegible] اس طرح آہستہ آہستہ موڑنے لگا جیسے اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کر [illegible] ہوں۔ بید میں تو اتنی لچک ہوتی ہے کہ اسے دو ڈھائی برس کا بچہ بھی [illegible] سکتا ہے۔ میرے احمقانہ مظاہرے پر چاروں طرف سے قہقہے [illegible] ہونے لگے۔

بڑی محنت کے بعد بید کی چھڑی مڑ گئی۔ اور اس کے دونوں سرے مل گئے تو لوگ اس مذاق سے محظوظ ہونے کے لئے تالیاں بجانے لگے۔ میں نے چاروں طرف جھک جھک کر شکریہ ادا کیا۔ ڈائمنڈ مسکرا رہا تھا۔ مے لوڈن پریشان تھی۔ اس لئے صرف حیرانی سے مجھے [illegible] رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"معزز حاضرین و ناظرین! یہ فولاد کو موڑنے والا شخص [illegible] سیدھا نہیں کر سکتا تھا۔ آپ نے دیکھا کہ میں نے چھڑی کو موڑنے [illegible] بعد دوبارہ سیدھا کر دیا (حالانکہ وہ خود بخود سیدھی ہو جاتی ہے۔) [illegible] ایک بار اور تالیاں......"

تالیاں اور قہقہے گونجنے لگے۔ میں نے کہا۔

"اب آپ خاموش ہو کر اس بید کی آواز کو سنیں......"

میں نے بید کو فضا میں اوپر سے نیچے لہرایا۔ شائیں۔ شا[illegible] کی آواز دور تک پھیلنے لگی۔ میں نے کہا۔

"یہ اوپر سے نیچے کی آواز تھی۔ اب سنیئے کہ دائیں سے [illegible] کیسی آواز آتی ہے۔"

میں نے بید کو فضا میں دائیں سے بائیں لہرایا۔ دائیں طرف [illegible] کی آواز تھی اور بائیں طرف ڈائمنڈ کی چیخ سنائی دی۔ کیونکہ [illegible] اس کے منہ پر پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر کرسی سمیت پیچھے الٹ گ[illegible]

تمام لوگ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور دور جانے لگے۔ کیونکہ میں خطرے کو دعوت دے چکا تھا۔

ڈائمنڈ جس بری طرح سے گر اٹھا تھا۔ یہ میں اس کی سوچ سے سمجھ رہا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر غراتے ہوئے بولا۔

"اچھا تو تم میرے ہاتھوں مرنے آئے ہو۔؟"

وہ اپنے فولادی ہاتھ بڑھا کر میری طرف بڑھنے لگا۔ وہ بید کو پکڑنا چاہتا تھا۔ میں ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر تلوار لڑنے کے انداز میں بید کو سنبھال رہا تھا۔ اس نے اچانک مجھ پر چھلانگ لگائی۔ لیکن یہ اچانک والی بات دوسروں کے لئے ہو سکتی تھی۔ مجھے تو اس کی سوچ بتا دیتی تھی کہ وہ کون سا قدم اٹھانا چاہتا ہے۔ نتیجہ ظاہر تھا وہ چھلانگ لگا کر مجھ پر آنے کے بجائے میرے پیچھے والی میز پر اوندھے منہ گرا میز اس کے بوجھ سے ٹوٹ گئی۔

وہ پھر بجلی کی سی تیزی سے اٹھا۔ دوسری بجلی سے شائیں شائیں کی آواز لپکی اس کے دائیں بائیں گالوں پر بید کی سرخ لکیریں پڑیں وہ پھر گر پڑا سر کو جھٹک کر زخمی شیر کی طرح گرجنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی بید بھی اِدھر سے اُدھر جھٹک رہی تھی۔ اس کے دماغ کے اندر بجلیاں کوند رہی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ اندھا ہو گیا ہے۔ اور اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔

میں ہاتھ روک کر پیچھے ہٹ گیا۔ جب اسے مار کھانے سے فرصت ملی اور اس نے سر اٹھایا تو اسے دیکھنے والے کانپ گئے۔ اس کے چہرے کی کھال ادھڑ گئی تھی۔ وہ لہو سے ایسا بھیگ رہا تھا کہ آنکھیں نہیں کھول سکتا تھا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو بے ہوش ہو جاتا۔ مگر وہ اب بھی تکلیف کی شدت سے کبھی غرا رہا تھا اور کبھی کراہ رہا تھا۔ پھر وہ فرش پر سے اٹھنے لگا۔

مے لوڈن تیزی سے میرے قریب آئی پھر خوفزدہ سی سرگوشی میں بولی۔

"بھاگ جاؤ! یہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ شیطان ہے۔ اور شیطان نہ کبھی مرتا ہے، نہ کبھی شکست تسلیم کرتا ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں تمہیں بہت دیر سے پریشان دیکھ رہا تھا۔ تم اتنی حسین ہو کہ کوئی بھی تمہاری پریشانی سے لڑنے کے لئے شیطان سے ٹکرا سکتا ہے۔ اس لئے مجھے ہی اس سے ٹکرانے دو۔"

اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے احسان مندی بھی جھلک رہی تھی۔ اور دہشت بھی نمایاں تھی۔ ڈائمنڈ ایک رومال سے آنکھوں میں اترنے والے خون کو پونچھ رہا تھا۔ جب اسے نظر آنے لگا تو وہ مجھے دیکھ کر پھر غرایا۔ اور میری طرف بڑھنے لگا۔

میں نے مے لوڈن کو پیچھے ہٹا دیا۔ اسی وقت ڈائمنڈ نے مجھ پر حملہ کیا۔ کراٹے کے کتنے ہی ہاتھ دکھانے کی کوشش کی۔ ناکامی د...

جھنجھلاہٹ میں وہ اپنی تکلیف کو بھول گیا تھا۔ پینترے بدل بدل کر حملے کر رہا تھا۔ میں نے بید کو استعمال نہیں کیا اور نہ ہی جوابی حملہ کیا۔ میں صرف اپنا بچاؤ کرتا رہا۔ میرے لڑنے کے اس انداز نے اسے پاگل بنا دیا تھا۔

جب وہ متواتر حملوں کے باوجود مجھے ہاتھ بھی نہ لگا سکا تو گالیاں دینے لگا۔ میں گالیاں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کیا۔ وہ پیچھے کی جانب لڑکھڑایا۔ میں نے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ پھر ایک جھٹکے سے پوری قوت کے ساتھ اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ کم بخت بہت ہی وزنی تھا۔ میں نے آہستہ آہستہ سر سے بلند کیا۔ پھر فضا میں اچھال دیا۔ وہ ریسٹورنٹ کے لان کے باہر ریت پر جا گرا۔ اتنے میں ریسٹورنٹ کا مالک چار سپاہیوں کو لے کر آ گیا اس نے مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے تو کمال کر دیا۔ یہ بدمعاش اکثر گرمیوں کے موسم میں ادھر آتا ہے۔ اور ہمیشہ مجھے نقصان پہنچاتا ہے۔ اب تک یہ نہ جانے کتنے لوگوں کی پٹائی کر چکا ہے۔ آج پہلی بار آپ نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے آپ بتائیں میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔؟"

میں نے کہا۔ "اگر آپ مجھے یہ پولیس وغیرہ کے جھمیلے سے بچا لیں تو مہربانی ہوگی۔"

"مہربانی کی کیا بات ہے۔ آپ آرام سے یہاں بیٹھیں۔ یہاں سب ہی آپ کی حمایت میں بولیں گے۔"

وہ لان کے باہر گیا۔ وہاں سپاہی ڈائمنڈ کو ایک اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔ مے لوڈن دور کھڑی بہت دیر سے مجھے دیکھے جا رہی تھی۔ جب میں نے اسے دیکھا تو وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی میرے پاس آئی پھر بولی۔

"میرا نام مے لوڈن ہے۔"

"میرا نام فر......" میں نام بتاتے بتاتے رک گیا کہ فرہاد تو دشمنوں کے لئے مر چکا ہے۔ میں نے کہا۔ "میرا نام فرید ہے۔"

مے لوڈن نے پلٹ کر ڈائمنڈ کی طرف دیکھا۔ وہ اسٹریچر پر جا رہا تھا۔ پھر وہ میری طرف گھوم کر بولی۔

"وہ پھر آئے گا۔"

"ضرور آئے، مگر اپنے ساتھ اسٹریچر لائے۔"

وہ چند لمحوں تک پریشانی سے سوچتی رہی کہ اس شخص نے میری خاطر ڈائمنڈ کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ پھر اس نے پوچھا۔

"کیا واقعی تم نے مجھے پریشان دیکھ کر اسے چھیڑا ہے۔"

"ہاں! میں نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ تم کسی وجہ سے اس کے سامنے مجبور اور بے بس ہو۔"

وہ سوچنے لگی۔ "اوہ، اس نے میرے متعلق کس قدر صحیح اندازہ

لگا یا ہے حالانکہ مجھ سے وہ دور بیٹھا ہوا تھا۔"

پھر وہ بولی ــــ "مسٹر فرید! میں تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے میری مجبوری سمجھ لی۔ کیا آپ میری ایک بات مانیں گے۔؟"

"ضرور! آؤ ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

"میں تم سے یہی بات منوانا چاہتی ہوں کہ تم مجھ سے باتیں نہ کرو۔ میرے قریب نہ آؤ۔ جتنی جلدی ممکن ہو یہ جگہ چھوڑ کر کہیں دور چلے جاؤ۔"

"اگر مجھے بھاگنا ہوتا تو میں تمہارے قریب نہ آتا۔ مجھے اپنی مجبوریاں بتاؤ۔"

"میں نہیں بتاؤں گی۔ مجھے تمہاری ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہی وہ تیزی سے پلٹ کر جانے لگی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"ہاں! میں یہی رویہ اختیار کروں گی۔ فرید ضدی معلوم ہوتا ہے مگر کب تک میرا پیچھا کرے گا۔ میں اس سے کتراؤں گی اور ڈائمنڈ کا ساتھ دوں گی تو یہ میرا خیال چھوڑ دے گا۔"

اس نے ذرا دور جانے کے بعد پلٹ کر مجھے دیکھا۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا۔ میرا یہ رویہ اس کی توقع کے خلاف تھا۔ مگر اس نے اپنے طور پر میرے متعلق سوچا۔

"یہ خوددار ہے ــــ میں نے ایک بار انکار کیا تو اس نے واقعی منہ پھیر لیا۔ چلو اچھا ہے۔ اگر یہ اسی طرح منہ پھیر کر کہیں چلا جائے تو ڈائمنڈ سے محفوظ رہے گا۔"

مجھے مے یون کی یہ ادا بہت اچھی لگی۔ وہ میری بھلائی کے لئے مجھ سے پیچھا چھڑا رہی تھی۔ لہٰذا پیچھا چھڑا لیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میں اس کے دماغ میں موجود رہتا۔ لیکن ابھی وقت نہیں تھا۔ سونیا کے سفر کے تین گھنٹے گزر چکے تھے۔ مجھے اس کی خبر لینی تھی۔ میں بل ادا کرنے کاؤنٹر پر گیا۔ کاؤنٹر گرل نے انکار کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"باس کا حکم ہے کہ تم سے کھانے کی قیمت نہ لی جائے۔ تمہارا نام کیا ہے۔؟"

میں نے نام بتایا۔ وہ بولی۔

"مسٹر فرید! میں تمہارے ساتھ وقت گزار سکتی ہوں۔ شام کو میری ڈیوٹی ختم ہو جائے گی۔"

میں نے اسے ٹالنے کے لئے کہا۔

"اگر فرصت ملی تو میں شام کو تمہیں لینے آؤں گا۔ بائی......"

میں ریسٹورنٹ کے باہر آ کر سمندر کے کنارے چلنے لگا۔ کچھ آگے جا کر میں نے سونیا کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ماسٹر موزیل کو دیکھ رہی تھی۔ اور ماسٹر موزیل اپنی رسٹ واچ کو دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"سوا تین گھنٹے گزر چکے ہیں۔ اب تک ہمیں فرینکفرٹ پہنچ جانا چاہئے تھا۔"

سونیا نے کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"باہر آسمان صاف ہے۔ اگر موسم خراب ہوتا تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ پائلٹ نے رفتار سست کر دی ہے یا راستہ بدل کر ایک لمبا چکر کاٹ کر منزل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن پرواز میں موسم ٹھیک ہو تو سب ٹھیک ہے۔ پھر دیر کیوں ہو رہی ہے؟"

ماسٹر موزیل پریشانی سے پائلٹ روم کے دروازے کو دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پائلٹ کو مخاطب کیا گیا تو وہ جواب نہیں دے گا کیونکہ سونیا اس کے دماغ تک پہنچ جائے گی۔

میں نے سونیا کو بتایا کہ ماسٹر کیا سوچ رہا ہے۔ سونیا نے کہا۔

"ماسٹر! میں پائلٹ کے دماغ تک نہیں جاؤں گی۔ تم اس سے کہو کہ ایک کاغذ پر صرف اتنا لکھ دے کہ ہمیں منزل تک پہنچنے میں دیر کیوں ہو رہی ہے۔ پھر وہ کاغذ کسی طرح دروازے کے ادھر پھینک دے۔"

ماسٹر نے دروازے پر جا کر دستک دی۔ پھر وہی بات پائلٹ سے کی۔ اس کے بعد وہ سب انتظار کرنے لگے۔ میں بھی سمندر کے ساحل پر ٹہلتا ہوا انتظار کر رہا تھا۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ لیکن پائلٹ روم سے کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ ماسٹر نے دروازہ پیٹ پیٹ کر کہا۔

"ہارورڈ! تم خاموش کیوں ہو۔ تم اگر لکھ کر دو گے تو سونیا تمہارے دماغ تک نہیں پہنچ سکے گی۔ فوراً جواب دو۔"

وہ پھر انتظار کرنے لگا۔ میں نے کہا۔

"سونیا! کچھ گڑبڑ معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں مرزا د! پائلٹ ہارورڈ نے کسی خاص وجہ سے خاموشی اختیار کی ہے۔"

اتنے میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دروازے کے نیچے سے رینگ کر آیا۔ ماسٹر نے اسے بلند آواز سے پڑھا۔

"اور دو گھنٹے انتظار کرو۔"

اتنا کہہ کر ماسٹر بڑبڑانے لگا۔

"اس کا مطلب کیا ہوا۔ فرینکفرٹ پہنچنے کے لئے کبھی اتنا وقت نہیں لگتا۔"

وہ پھر دروازہ پیٹنے لگا۔

"ہارورڈ! یہ کیا مذاق ہے۔ دو گھنٹے لیٹ پہنچنے کی وجہ لکھ کر بھیجو!"

دس منٹ گزر گئے۔ پندرہ منٹ گزر گئے۔ کوئی جواب نہ آیا۔ سونیا نے پوچھا۔

"ماسٹر! یہ ہارورڈ تمہاری تنظیم میں کتنے عرصہ سے ہے؟"

"پانچ برس سے۔ اس کا ریکارڈ ہمیشہ اچھا رہا ہے۔"

سونیا نے سر جھٹک کر کہا۔

"اب اس کے ریکارڈ کو بھول جاؤ۔ کبھی تنظیم میں میرا ریکارڈ بھی اچھا تھا۔ میں نے مرزا د کی خاطر بغاوت کی۔ یہ ہارورڈ کسی سونیا کے

لئے راستہ بدل چکا ہے۔"

"نہیں! ہارورڈ ایسا نہیں کر سکتا۔" ماسٹر پھر دروازے پر طبلہ بجانے لگا۔

میں نے کہا "سونیا! یہ بہت پرانی کہاوت ہے کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا، اب یہ طے ہے کہ تم سپر ماسٹر کی طرف نہیں جا رہی ہو اس کرۂ ارض کے کسی اجنبی علاقے میں کچھ نئے ہنگامے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

"ہاں مرزا د! آنے والا وقت کیسا ہی ہو، اس سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ تم آرام کرو۔ ابھی دو گھنٹے تک ہم سب بخیریت رہیں گے۔"

میں اس سے رخصت ہو کر سمندر کے ساحل پر حاضر ہو گیا۔ میں سوچ کی نگری سے گزرتے گزرتے سمندر کے کنارے بہت دور تک نکل آیا تھا تمام ہٹس اور انسانی آبادی پیچھے رہ گئی تھی۔ میں ایک ناریل کے درخت سے ٹیک لگا کر ریت پر بیٹھ گیا۔ وہاں تنہائی تھی، سکون تھا، کوئی مداخلت کرنے والا نہیں تھا۔ میں مے یون کے دماغ میں جا کر بیٹھ گیا۔

وہ ایک ہٹ کے کمرے میں ایک بستر کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ بستر پر ڈائمنڈ پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ پٹیوں سے اس طرح چھپا ہوا تھا کہ صرف آنکھیں دیکھنے کے لئے، ناک سانس لینے کے لئے، اور منہ کھانے کے لئے کھلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں پھر بھی مے یون ایک کنیز کی طرح چپ چاپ وہاں کھڑی ہوئی تھی اور سوچ رہی تھی۔

"پتہ نہیں یہ شیطان آنکھ کھول کر مجھ سے کیا پوچھے گا۔ کہیں اپنی شکست کا سارا غصہ مجھ پر نہ اتارے۔"

میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔

"آخر میں اس شیطان سے اتنا ڈرتی کیوں ہوں ــــ؟"

"آں ــــ؟" اس کی سوچ نے کہا "کیوں نہ ڈروں؟ اگر میں نے اس کے کسی حکم سے انکار کیا تو یہ میرے بوڑھے باپ کو قتل کر دیگا میری بہنوں کی زندگی برباد کر دے گا۔"

انسان جو سوچتا ہے۔ اس سوچ کا تصور قائم ہوتا ہے۔ دماغی آنکھوں کے سامنے وہ منظر آ جاتا ہے۔ مے یون کی دماغ کی اسکرین پر سوچ کی فلم چلنے لگی۔ ہانگ کانگ کے مغرب میں کولون کی بندرگاہ پر اس کے ماہی گیر باپ کی کشتی نظر آ رہی تھی۔ وہ کشتی اس کا مکان بھی تھی۔ ساحلی علاقوں میں بے شمار چینی باشندے اپنی زندگی کے دن رات کشتی میں گزارتے ہیں۔ ہانگ کانگ کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ وہاں انسان کیڑے مکوڑوں کی طرح رینگتے نظر آتے ہیں۔ زمین پر رہنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس لئے انہوں نے سمندر کے سینے پر کشتیوں کے مکانات بنا لئے ہیں۔

مے یون کا باپ وقت سے پہلے اس لئے بوڑھا ہو گیا کہ اس کا کوئی بیٹا نہیں تھا۔ تین بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام سے یون، منجھلی کا نام مے یون تھا۔ چھوٹی بہن کو وہ لوگ پیار سے مونا پکارتے تھے۔ سے یون، ملازمت کرنے اور مے یون پڑھنے کے لئے شہر جاتی تھیں۔ اس کی تعلیم کے اخراجات بڑی بہن برداشت کرتی تھی۔ وہ چھوٹا سا خاندان سب کی اچھائیوں میں شریک ہوتا تھا اور برائیوں سے دور رہتا تھا مگر ایک دن اچانک ہی مے یون پر یہ انکشاف ہوا کہ اتنی غربت اور تنگدستی کے باوجود اس کی بڑی بہن اس کی تعلیم کے اخراجات کہاں سے پورے کرتی ہے۔

مے یون انگریزی کی دس جماعتیں پاس کر چکی تھی اور سے یون کی شادی ہونے والی تھی۔ ایسے ہی وقت مے یون کے راستے میں ڈائمنڈ آ گیا۔ وہ دسویں جماعت کی سند لے کر اسکول سے واپس آ رہی تھی کہ ڈائمنڈ نے پیچھے سے آواز دی۔

"لڑکی! سنو، میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں کسی اجنبی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔ ڈائمنڈ نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ مدد کے لئے چیخنا چاہتی تھی، مگر اس کی آواز حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ کیونکہ ڈائمنڈ اسے دوسرے ہاتھ سے ایک تصویر دکھا رہا تھا تصویر میں اس کی بہن سے یون ایک مرد کے ساتھ بے لباس نظر آ رہی تھی ڈائمنڈ نے کہا۔

"تمہارا نام مے یون ہے اور اس تصویر میں تمہاری ایک بہن ہے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ کیونکہ ایک بلیک میلر کو سب کچھ جاننا پڑتا ہے تمہاری بہن کی ایسی درجنوں تصویریں میری جیب میں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں عقل آ گئی ہو گی۔ اور تم میرے ساتھ کسی اچھے ہوٹل میں بیٹھ کر باتیں کرو گی۔"

مے یون کا سر چکرا رہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کی بہن اس قدر بے حیائی پر اتر آئے گی۔ اسے سے یون پر غصہ آ رہا تھا اور یہ بھی خیال آ رہا تھا کہ سے یون کے ہونے والے شوہر کے ہاتھوں میں یہ تصویریں پہنچیں گی تو پھر اس غریب خاندان کی نیک نامی خاک میں مل جائے گی۔ تینوں بہنیں رشتوں کے انتظار میں بدنام زندگی گزارتی رہیں گی اور بوڑھا باپ صدمے سے مر جائے گا۔

ایک شاندار ہوٹل کے کیبن میں پہنچ کر ڈائمنڈ نے تمام تصویریں اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"انہیں غور سے دیکھ لو، یہ جعلی تصویریں نہیں ہیں۔ ان تمام کے نیگیٹو میرے پاس موجود ہیں۔"

مے یون کو بہن کی ایسی تصویریں دیکھتے ہوئے شرم آ رہی تھی۔ مگر یہ دیکھنا پڑا کہ تصویروں میں واقعی اس کی بہن ہے، یا کسی فاحشہ کے بدن پر سے یون کی تصویر کی گردن جوڑ دی گئی ہے۔ مگر تصویریں بالکل صاف اور واضح تھیں۔ اس کی اپنی بہن کی تھیں۔ مے یون نے پوچھا۔

"تم کون ہو ــــ؟ اور تم نے یہ تصویریں کہاں سے حاصل کی ہیں؟"

ڈائمنڈ نے کہا "ان تصویروں میں جو مرد نظر آ رہا ہے۔ وہ یہاں کا ایک دولت مند ہندوستانی ہے۔ اس کا نام تلک چند ہے یہ مشرقی

لوگ عیاشش بھی ہوتے ہیں اور اپنی بدنامی سے بھی ڈرتے ہیں۔ مجھ جیسا بلیک میلر ایسے ہی لوگوں کی تاک میں رہتا ہے۔ یہ تمہاری بہن کو پھانس کر ایک کاٹیج میں لے گیا۔ میں عین وقت پہ کیمرہ لے کر پہنچ گیا۔ وہ چھپنا چاہتے تھے۔ میں نے ریوالور دکھا کر پہلے دونوں کی اچھی طرح پٹائی کی پھر انہیں دھمکی دی کہ اگر وہ میری مرضی کے مطابق تصویریں نہیں کھنچوائیں گے تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔

تلک چند خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے مجھے بڑی سے بڑی رقم کا لالچ دیا۔ میں نے کہا لین دین کی بات بعد میں ہوگی پہلے میرے حکم پر عمل کرو۔ اگر تصویر میں ذرا بھی خوف یا شرم کا اظہار ہوا تو میں دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مختصر یہ کہ میں نے اپنی مند پوری کر لی۔ یہ تمام تصویریں اتار لیں۔ اس کے بعد میں نے ان سے پوچھا۔ بولو کیا کہتے ہو؟ تلک چند نے کہا۔

"تم یہ تصویریں ضائع کر دو۔ میں تمہیں بیس ہزار پونڈ دوں گا۔"

میں نے کہا۔ یہ رقم تو تم یوں بھی ہر ماہ دیتے رہو گے۔ ورنہ میں ان رنگین تصویروں کی البم شائع کر کے عیاشوں کے چور بازار میں فروخت کر دوں گا۔"

تمہاری بہن رے یون میرے قدموں پر گر کر کہنے لگی۔

"میں بازاری عورت نہیں ہوں۔ یہ دولت مند مجھے اکثر بلاتا تھا مگر میں نہیں جاتی تھی۔ پھر اس نے ناراض ہو کر مجھے ملازمت سے نکال دیا۔ میں دل برداشتہ اپنی کشتی میں پہنچی تو باپ سخت بیمار تھا اور میری بہن امتحان کی فیس کے لئے پیسے مانگ رہی تھی۔ میں نے انہیں یہ نہیں بتایا کہ میری ملازمت ختم ہو گئی ہے۔ میں انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میری خاموشی سے بھوک بیماری اور دوسری بیمار ضرورتوں کا علاج نہیں ہو سکتا تھا۔ ان سب کا علاج میرے باس تلک چند کے پاس تھا اس لئے دوسرے دن یعنی آج میں اس کے پاس آ کر جھک گئی یہ میری زندگی کی پہلی مجبوری ہے۔ خدا کے لئے اسے کاٹیج سے باہر نہ لے جاؤ۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے کہا۔

"میں فولادی انسان ہوں۔ مجھ پر آنسو اثر نہیں کرتے تم غریب ہو اور مجبور ہو۔ اس لئے اتنی مہربانی کروں گا کہ تمہیں بلیک میل نہیں کروں گا۔"

ڈائمنڈ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ مے یون نے تصویریں واپس کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو ۔۔۔؟"

اس نے مسکرا کر کہا۔

"میں زبان کا دھنی ہوں۔ میں نے وعدے کے مطابق تمہاری بہن کو بلیک میل نہیں کیا۔ میرا نام ڈائمنڈ ہے اور میں ہیرے کا انتخاب کرتا ہوں تم میرے لئے ایک بیش قیمت ہیرا ہو۔ میرے لئے تم عیاش دولت مندوں کی تجوریاں کھول سکتی ہو ....."

"بکواس مت کرو! میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔"

"پہلے ایسی کوئی نہیں ہوتی، حالات کے جوتے پڑتے ہیں تو سب ایسی ہو جاتی ہیں۔ میں اب تک نرمی سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہیں رفتہ رفتہ پتہ چلے گا کہ میں کتنا سخت اور سنگدل ہوں۔ تم سیدھی طرح بتاؤ کہ میرے ساتھ چلو گی یا تمہاری بہن کی شادی روک دوں۔ تمہارے باپ کو قتل کر دوں اور تمہاری چھوٹی بہن کو ٹیکسی بنا کر فٹ پاتھ پر پہنچا دوں۔"

پھر ایک بار مے یون کا سر چکرانے لگا۔ وہ اپنے حالات پر بڑی سنجیدگی سے غور کر رہی تھی۔ پہلے بہن پر غصہ آیا تھا۔ اب اس کی عزت بڑھ گئی تھی۔ اس نے بہن کر دس جماعتیں پاس کرانے کے لئے بیمار باپ کے علاج کے لئے چپ چاپ کتنی بڑی قربانی دی تھی۔ قربانی اسی کو کہتے ہیں کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کب کس نے اپنی گردن کٹا لی، یا اپنی عزت لٹا دی۔

اچانک مے یون نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی خاموشی سے قربانی دے گی۔ اس نے ڈائمنڈ سے پوچھا۔

"اگر میں تمہارے ساتھ مرنے کے لئے چلوں تو کیا تم میری دونوں بہنوں کا پیچھا چھوڑ دو گے؟"

"میں زبان کا دھنی ہوں جب تک تم میرے اشاروں پر چلتی رہو گی میں تمہاری بہنوں پر اپنا سایہ بھی نہیں پڑنے دوں گا۔ انکار کی صورت میں [illegible] ہوں کہ میں کیا کر گزروں گا۔"

"[illegible] مجھے کہاں لے جاؤ گے ۔۔۔؟"

مے یون کو اپنے اس سوال کا جواب مل چکا تھا۔ ڈائمنڈ اسے ہانگ کانگ سے منیلا لایا۔ پھر وہاں سے یہاں سمندر کے کنارے لے آیا۔ اس کے ساتھ رہ کر مے یون ہمیشہ ڈرتی رہتی تھی کہ پتہ نہیں وہ کب اس کی عزت پر حملہ کرے گا اور وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

لیکن اس معاملے میں ڈائمنڈ نے بڑی شرافت کا ثبوت دیا تھا اس نے مے یون کو کبھی اپنے پہلو میں وقت گزارنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسے صرف شراب اور قمار بازی سے دلچسپی تھی۔ مے یون کے لئے تو وہ کسی بہت ہی بزدل دولت مند کو پھانسنے کے لئے وہاں آیا تھا۔ اور وہ خوف اور شرم سے سوچ رہی تھی کہ وہ گھڑی کیسی قیامت کی ہوگی۔ جب کوئی اس کی عزت کی طرف ہاتھ بڑھائے گا۔

بے شک وہ باحیا اور نیک لڑکی تھی۔ اب تک کوئی مرد اس کی زندگی میں نہیں آیا تھا۔ وہ صرف اسکول کی کتابوں سے دوستی کرتی تھی۔ آخری بار دسویں جماعت کی سند لے کر اسکول سے نکلی تو اسے گھر جانا نصیب نہ ہوا۔ بوڑھے باپ نے اور دونوں بہنوں نے یہ سمجھا ہو گا کہ کسی نے مے یون کو اغوا کیا ہے۔ وہ پولیس کے ذریعے اسے تلاش کر رہے ہوں گے۔

مے یون کے دماغ کی اسکرین پر جو فلم چل رہی تھی، میں اسے دیکھ

رہا تھا وہ اپنے باپ کی نیک نامی اور بہنوں کی عزت سنبھال رکھنے کے لئے چپ کا زہر پی رہی تھی۔ اس نے مجھے بھی نہیں بتایا کہ وہ کن حالات سے گزر رہی ہے، اور کس قدر مجبور ہو کر اپنی عزت کے سب سے اہم سرمائے کو لٹانے والی ہے۔ اور اس کے تصور سے ہی وہ اندر ہی اندر مرتی رہتی تھی۔

اس وقت ہٹ کے کمرے میں گہری خاموشی تھی۔ ڈائمنڈ پٹیوں سے بندھا ہوا بستر پر پڑا تھا۔ اور مے یون ایک زرخرید لونڈی کی طرح بستر کے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے تھوڑی دیر کے لئے اسے چھوڑ دیا اور ڈائمنڈ کے دماغ میں جھانکنے لگا۔

اس کی آنکھیں بند تھیں مگر وہ جاگ رہا تھا۔ یہ سمجھ رہا تھا کہ مے یون اس کے قریب کھڑی ہوئی ہے۔ وہ ندامت اور غصے سے آنکھیں نہیں کھول رہا تھا۔ کیونکہ زندگی میں پہلی بار کسی عورت کے سامنے اس کی بری طرح پٹائی ہوئی تھی وہ غصہ میں بند آنکھوں کے پیچھے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اور خیال ہی خیال میں میری پٹائی کر رہا تھا۔ خیالوں کی دنیا میں دشمن بہت کمزور نظر آتا ہے۔ اس لئے وہ بڑی آسانی سے میرا گلا گھونٹ کر مجھے مار رہا تھا میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"میرے سوچنے سے وہ نہیں مرے گا۔ کم بخت بہت پھرتیلا ہے ایک بید کی چھڑی سے اس نے کتنا زبردست کام دکھایا ہے۔"

اس کی سوچ نے کہا۔ "میں خوب سمجھ گیا ہوں۔ وہ جسمانی طور پر میری طرح طاقتور نہیں ہے۔ صرف پھرتیلا ہے۔ اسی لئے میرے حملوں سے بچتا رہا۔ مگر اب نہیں بچے گا۔ میں نے سپاہیوں کو بھاری رشوت دے کر اپنی جان چھڑا لی ہے۔ اور ان سے یہ معلوم کر لیا ہے کہ وہ دشمن سولہ نمبر کے ہٹ میں رہتا ہے۔ آج رات جب وہ کاٹیج میں سو رہا ہو گا تو ایسے وقت اس میں پھرتی نہیں ہو گی۔ میں اسے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے شوٹ کر دوں گا۔"

یہ سوچتے ہوئے اس نے آنکھیں کھول کر مے یون کو دیکھا وہ خوف سے لرزنے لگی۔ اس نے تکلیف سے کراہتے ہوئے پوچھا۔

"وہ کہاں ہے ۔۔۔؟"

"کون ۔۔۔؟" مے یون نے انجان بن کر پوچھا۔

"وہی دشمن، جس کی موت میں اپنے ہاتھوں سے لکھوں گا۔"

"میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہو گا۔ اس نے مجھے روکنے کی کوشش کی تھی۔ مگر میں تمہارے پاس چلی آئی۔"

"جاؤ اسے تلاش کرو اور اس سے دوستی کرو۔"

"مم، میں۔ کیا میں تمہارے دشمن سے دوستی کروں ۔۔۔؟"

"ہاں۔ دوستی کرو اور اسے محبت کے جال میں الجھاؤ۔ اس سے وعدہ کرو کہ آج کی رات تم اسی کے ہٹ میں گزارو گی۔"

"نن۔ نہیں ڈائمنڈ! میری شرم رکھ لو۔ مجھے بازاری عورتوں جیسا کام کرنے پر مجبور نہ کرو۔"

"بکواس مت کرو۔ یہ نہ سوچو کہ میں مرنے والا ہوں اور آئندہ تمہاری بہنوں تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ میں بہت سخت جان ہوں۔ پتہ نہیں ابھی میرے ہاتھوں کتنوں کی موت لکھی ہوئی ہے۔ تم مجھ سے بحث نہ کرو۔ وہ سولہ نمبر کے ہٹ میں رہتا ہے۔ آج رات اسے تمہارے ساتھ اسی ہٹ میں رہنا چاہئے۔ بس اب یہاں سے جاؤ۔"

وہ سر جھکا کر باہر چلی گئی۔ میں نے ڈائمنڈ کی سوچ میں کہا۔

"کہیں یہ لڑکی میرے خلاف ہو کر دشمن سے نہ مل جائے۔"

اس کی سوچ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جب تک بلیک میلنگ کا مواد میرے قبضہ میں ہے یہ میری مخالفت نہیں کرے گی میرے قدموں میں لوٹتی رہے گی۔"

وہ سوچنے لگا۔ دماغ کی اسکرین پر دیکھنے لگا کہ مے یون کی تمام تصویریں اور نیگیٹو اس کے علاوہ دوسروں کے خلاف بلیک میلنگ کا دوسرا مواد بھی ایک بریف کیس میں موجود ہیں۔ اور وہ بریف کیس اس مچان پر رکھا ہوا ہے جو اس کے کمرے میں بستر کے اوپر چھت سے ذرا نیچے بنی ہوئی ہے۔

بس اتنا ہی کافی تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل گیا اور مے یون کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنے ہٹ کے باہر کھڑی سوچ رہی تھی کہ مجھے کہاں تلاش کرے گی۔ اسے محبت کرنی بھی نہیں آتی، وہ مجھے کس طرح محبت کے جال میں پھانسے گی۔ مجھے اس کی معصومیت پر بڑا پیار آیا۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعے ہٹ کی طرف گھمایا۔ تاکہ وہ ڈائمنڈ کے ہٹ کا نمبر پڑھے اور اس نے نمبر معلوم ہونے کے باوجود دوبارہ اسے پڑھ لیا۔

مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ بلیک میلر پچپن نمبر کے ہٹ میں آرام فرما رہا ہے۔ میں اس طرف بڑھنے لگا۔ مے یون میری تلاش میں ریسٹورنٹ کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے اسے جانے دیا۔ اسے چھوڑ کر ڈائمنڈ کی خبر لی اس کی سوچ میں کہا۔

"تھوڑی دیر بعد شام ہونے والی ہے۔ پھر رات ہو گی۔ وہ دشمن شاید آدھی رات سے پہلے نہیں سوئے گا۔ ابھی اسے ہلاک کرنے کے لئے بہت وقت ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ کیوں نہ تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤں۔"

وہ قائل ہو گیا۔ کیونکہ واقعی اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ میں اس کے ہٹ کے پیچھے پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ اور خیال خوانی کی لوری دے کر اسے سلانے لگا۔ کیونکہ وہ خود ہی سونا چاہتا تھا۔ اس لئے جلد ہی نیند میں ڈوب گیا۔ میں ہٹ کے پیچھے سے گھوم کر برآمدے میں آیا۔ پھر اس کے کمرے میں پہنچ گیا۔ وہ اپنے بستر پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ میں چاہتا تو اسے قتل کر کے ہمیشہ کے لئے قصہ تمام کر دیتا۔

یہ تو میں نے طے کر لیا تھا کہ اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا لیکن سوئے ہوئے دشمن پر حملہ کرنا مردانگی نہیں ہوتی۔ اگر وہ جاگتا ہوتا تب بھی میں اسے ڈھیل دے دیتا۔ کیونکہ وہ بری طرح زخمی تھا۔ پھر یہ کہ دشمن کو مارنے سے زیادہ لطف اس بات پر آتا ہے کہ وہ زندہ رہ کر جھنجھلاہٹ میں مبتلا رہے۔ رات کو میرے ہٹ میں جائے تو میں نہ ملوں۔ مچان پر نظر ڈالے، تو بریف کیس نہ ملے۔ مے یون کو آواز دے تو وہ مظلوم لڑکی میری پناہ میں ہو۔

بلیے وقت اس کی دہشت اور دیوانگی قابلِ دید ہوتی۔

میں نے اس کے بستر پر چڑھ کر مچان پر ہاتھ ڈالا۔ پھر بریف کیس اٹھا کر بستر سے اتر گیا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ میں اس کمرے سے نکل کر برآمدے میں آیا۔ پھر ریسٹورنٹ کی طرف جانے لگا۔ کیونکہ مے یون ادھر گئی تھی۔ راستے میں مجھے خیال آیا کہ میں ناموسا کی طرف سے بالکل ہی غافل ہو گیا ہوں اور یہ بہت بڑی حماقت ہے۔ میں نے فوراً ہی اس کی سوچ کو پڑھا وہ کار ڈرائیو کرتا ہوا شہر پہنچ گیا تھا۔ منزا اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اور اب وہ دونوں بیمار بوڑھے کے ڈاکٹر بیٹے کے مکان کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے دو چار بار ناموسا کے ذہن کو کریدا۔ اس کے دماغ میں اپنے خلاف سوچیں پیدا کیں۔ مگر وہ مجھ سے اس قدر دہشت زدہ تھا کہ اس نے ہر مخالف سوچ کو ٹھکرا دیا۔ وہ دل ہی دل میں توبہ کرتا رہا۔ اور سوچ کے ذریعے مجھ سے معافی مانگتا رہا۔

میں نے مطمئن ہو کر اسے آزاد چھوڑ دیا۔ پھر اپنی سونیا کو آواز دی۔ اس نے کہا: "ایک گھنٹہ اور بیس منٹ گزر چکے ہیں ابھی تک خیریت ہے — چالیس منٹ کے بعد پتہ چلے گا کہ پائلٹ ہارورڈ ہمیں کس منزل پر پہنچاتا ہے:"

"اچھی بات ہے سونیا! میں ٹھیک چالیسویں منٹ پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"سنو فرہاد! یہ چمپنزی ابھی قابو سے باہر ہو گیا تھا۔ یہ پائلٹ روم کا دروازہ توڑنا چاہتا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے ڈانٹ ڈپٹ کر اپنے پاس بٹھایا ہے۔"

"ہاں! وہ صرف ماں کی ہی ڈانٹ سن کر آدمی بن سکتا ہے۔ پائلٹ روم کا دروازہ نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ ہارورڈ خود کو خطرے میں دیکھ کر طیارے کو تباہی کی طرف لے جائے گا۔ تم اپنے ضدی بچے کو اپنے ہی پاس بٹھا کر رکھو اچھا خدا حافظ۔"

اس وقت تک میں ریسٹورنٹ کے قریب پہنچ گیا تھا۔ وہاں لان میں مے یون نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچ کے رابطے سے معلوم کیا وہ ریسٹورنٹ کے اندرونی حصے میں مجھے تلاش کرنے گئی تھی۔ میں سر جھکا کر تیزی سے چلتا ہوا ریسٹورنٹ سے ذرا آگے نکل گیا۔ کیونکہ وہاں کی کاؤنٹر گرل مجھ سے شام کو ملنا چاہتی تھی اور شام ہو چکی تھی۔ میں آگے جا کر ریسٹورنٹ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ تاکہ مے یون مجھے دیکھ لے۔

ایسا ہی ہوا۔ اس نے لان میں آ کر دور تک نظر دوڑائی تو میں اسے نظر آ گیا۔ میں اس کی طرف سے انجان بنا ہوا تھا۔ وہ میری طرف آنے لگی۔ میں پلٹ کر جانے لگا۔ پھر اس نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ لیکن اس کے پاؤں چھوٹے تھے اور میں لانبے ڈگ بھر رہا تھا۔ اس طرح ہم ریسٹورنٹ سے بہت دور نکل آئے اس نے ہانپتے ہوئے آواز دی

"مسٹر فرید — !"

میں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر پلٹ کر جانے لگا۔ اسی کے ساتھ ہی میں نے اس کے دماغ میں کہا۔

"اوہ میں نے فرید سے کہا تھا کہ مجھے اس کی ہمدردی کی ضرو نہیں ہے۔ اسی لئے وہ ناراض ہے۔ پہلے میں اس سے منہ پھیر کر گئی اب وہ مجھ سے منہ پھیر کر جا رہا ہے۔"

اس کے دماغ میں یہ بات آتے ہی وہ زور زور سے کہنے لا

"مسٹر فرید! مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں"

میں ٹھہر گیا۔ وہ میرے پیچھے دوڑتے دوڑتے تھک گئی تھی آہستہ آہستہ آنے لگی میرے قریب پہنچتے ہی وہ بریف کیس کو دیکھ ٹھٹھک گئی۔ اس نے حیرانی سے کہا۔

"یہ — یہ ڈائمنڈ کا بریف کیس ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے م"

"میں ڈائمنڈ کی مزاج پرسی کو گیا تھا — وہ سو رہا تھا۔ میں مچان سے یہ بریف کیس کھول کر دیکھا تو اس میں بلیک میلنگ کا خزا نظر آیا......"

"بلیک میلنگ!" وہ چونک کر بولی: "اس۔ اس میں کیا کیا کچھ تصویریں ہیں —؟"

"ہاں۔ اس میں بہت سی ننگی تصویریں ہیں۔"

"اوہ —" وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔

میں نے کہا: "اس بریف کیس میں تمہارے خلاف کچھ نہ ہے۔ تم کیوں رو رہی ہو —؟" وہ روتی ہوئی سوچ رہی تھی

"میں اس شخص کو کیسے بتاؤں کہ اس بریف کیس میں سب کچھ ہی خلاف ہے۔ کیونکہ میری بہن کی عزت میری عزت ہے۔ میرے خاندان کی عزت ہے۔ میں فرید سے کس منہ سے کہوں کہ اس میں بہن کی تصویریں ہیں —"

میں نے اس کی سوچ پڑھنے کے بعد کہا۔

"مے یون! تم مجھ سے منہ پھیر کر اس لئے چلی گئی تھیں کہ اپنی کچھ نہیں بتانا چاہتی تھیں۔ مگر اب میں بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔"

"کیا —؟" اس نے گھبرا کر اپنے منہ پر سے ہاتھ ہٹا لیا۔ اس چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔

میں نے کہا: "تم مجھے ڈائمنڈ جیسے خطرناک آدمی سے دور جانے کا مشورہ دے رہی تھیں۔ اس سے میں نے سمجھ لیا کہ تم بہت اچھی ہو۔ دوسروں کو خطرات اور مصائب سے بچاتی ہو۔ شاید اس بریف میں تمہاری کسی سہیلی کی تصویریں ہیں۔ تم اسے بدنامی سے بچانے کی شرم رکھنے کے لئے آنسو بہا رہی ہو۔ کیوں یہی بات ہے نا —؟"

اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا کر کہا۔

"ہاں — ہاں — میں کسی کی بربادی نہیں چاہتی۔ مجھ سے میری کا نام نہ پوچھو۔ اگر تم بھی بلیک میلر نہیں ہو۔ ایک اچھے انسان ہو تو بریف کیس کو آگ لگا دو۔"

"یہاں آگ لگائی جائے گی تو لوگ شبہ کریں گے۔ اور قریب ہی جیسے ہی آؤ یہاں سے دور چلیں۔ میں تمہاری خواہش پوری کرد

اس نے مجھے حیرت اور مسرت سے دیکھا۔ پھر میرے ساتھ چلنے لگی اس کے دماغ میں یہ شبہ کروٹ لے رہا تھا، کہ شاید میں اسے دھوکہ دے کر ویرانے کی طرف لے جا رہا ہوں۔ وہ یہ سوچ رہی تھی۔

"بریف کیس میں جو کچھ ہے اس سے فرید لاکھوں روپے کما سکتا ہے۔ لیکن یہ مجھ سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کر رہا ہے۔ کیا میں اسے فرشتہ سمجھ لوں۔"

اس نے سوچتے ہوئے پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ اب وہ یہ سوچ کر ڈر رہی تھی کہ ڈائمنڈ پیچھا کرتے ہوئے نہ پہنچ جائے۔ اس نے کہا۔

"مسٹر فرید! ذرا جلدی چلو۔ کہیں وہ شیطان نہ آ جائے۔"

"گھبراؤ نہیں۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ اگر جاگے گا تب بھی اس کے دماغ میں یہ بات نہیں آئے گی کہ کوئی اس کے کمرے میں گھس کر، اس کے بستر پر چڑھ کر مچان سے بریف کیس لے جا سکتا ہے۔ وہ صرف تمہیں تلاش کرے گا۔"

"مجھے تلاش نہیں کرے گا۔ وہ بہت کمینہ ہے۔ اس نے مجھے تمہارے پاس خود ہی بھیجا ہے کہ آج رات میں کسی طرح تمہیں تمہارے ہٹ میں لے جاؤں۔ وہاں تمہیں باتوں میں الجھاؤں۔ پھر وہ تمہیں قتل کرنے وہاں آئے گا۔"

"پھر تو تمہیں اطمینان ہونا چاہئے کہ وہ ادھر نہیں آئے گا۔"

یہ کہہ کر میں نے گھڑی دیکھی۔ چالیس منٹ پورے ہو چکے تھے۔ میں نے فوراً ہی سونیا کے دماغ کو چھو لیا۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ طیارہ کسی جگہ اترنے کے لئے چکر کاٹ رہا ہے۔ سب لوگ سیفٹی بیلٹ باندھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اب مجھے سونیا کے ساتھ رہنا تھا۔ میں نے مے یون سے کہا: "ہم کافی دور آ گئے ہیں۔ یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا ہے تم یہ بریف کیس لے کر اور جتنی دور جا سکتی ہو چلی جاؤ۔ میں یہاں بیٹھ کر آبادی کی طرف دیکھتا رہوں گا۔ کوئی آئے گا تو میں تمہیں فوراً خبر کر دوں گا۔"

میں نے اسے بریف کیس دیا۔ آگ لگانے کے لئے ماچس دی — بریف کیس کی چابی نہیں تھی۔ یوں کہئے کہ میں چابی حاصل کرنا بھول گیا تھا میں نے جیب سے پھل کاٹنے کا چاقو نکال کر اسے دیا اور کہا۔

"چابی نہیں ہے۔ شاید کہیں گر گئی ہے۔ اس چاقو سے بریف کیس کی چمڑے کی چار دیواری آسانی سے کٹ جائے گی۔ اب تم جاؤ۔"

وہ تمام چیزیں لے کر آگے بڑھ گئی۔ میں ریت پر بیٹھ کر سونیا کے دماغ میں جھانکنے لگا۔

ایک طویل پرواز کے بعد طیارہ زمین پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ سب لوگ سیفٹی بیلٹ کھولنے کے بعد طیارے کی مختلف کھڑکیوں سے جھانک کر دیکھ رہے تھے۔ طیارے کے ایک طرف دور تک ہموار میدان تھا ہرے بھرے درخت نظر آ رہے تھے۔ طیارے کے دوسری طرف میدان اور سبز پہاڑ دکھائی دے رہے تھے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون سی جگہ ہے۔ کیونکہ میدان، پہاڑ، جنگل، زمین اور آسمان تقریباً ہر ملک میں ہوتے ہیں میں نے کہا۔

"سونیا! کہاں پہنچ گئی ہو؟ ماسٹر موزیل سے پوچھو، کیا وہ اس جگہ کو پہچان سکتا ہے؟"

سونیا نے ماسٹر سے پوچھا۔ اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ کم بخت ہارورڈ بھی طیارے سے باہر نہیں نکل رہا ہے۔ اور میں بھول گیا تھا۔ اب تو ہارورڈ بھی طیارے سے باہر نہیں نکل سکتا۔"

"کیوں؟" سونیا نے پوچھا: "کیوں نہیں نکل سکتا؟"

ماسٹر نے کہا: "جہاں سے اس طیارے نے پرواز شروع کی تھی وہاں اس کے بیرونی دروازے مقفل کئے گئے تھے ان بیرونی دروازوں کی دوسری چابیاں فرینکفرٹ کے ایئرپورٹ پر ہیں۔ یہاں یہ دروازے کھل نہیں سکتے۔"

سونیا نے مجھ سے کہا: "اب کہو فرہاد —؟"

میں نے کہا: "پائلٹ ہارورڈ کو بھی یہ بات معلوم ہوگی کہ وہ دروازے فرینکفرٹ کے ہوائی اڈے پر کھل سکتے ہیں۔ لہٰذا وہ جان بوجھ کر اسی طیارے میں قید رہنے کے لئے اس ویرانے میں لینڈ نہ کرتا وہ جس خاموشی اور صبر سے بیٹھا ہوا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اسے اپنے لوگوں کا انتظار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی کو وہاں پہنچنے کی اطلاع دے چکا ہو —"

سونیا نے تائید کی۔ مجھے چمپنزی کی آواز سنائی دی۔

"ممی! آپ مجھے اجازت کیوں نہیں دیتیں۔ میں دروازوں کو توڑ دوں گا۔ میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں کہ آپ کا بیٹا کتنا طاقتور ہے۔"

"میں جانتی ہوں۔ تم دروازوں کو توڑ سکتے ہو۔ مگر خاموش بیٹھے رہو۔"

"آپ مجھے بزدل بنا رہی ہیں —"

"نہیں — میں چاہتی ہوں جب ماں پر کوئی مصیبت آئے تب بیٹا اپنی طاقت کا مظاہرہ کرے۔ ابھی مجھ پر کوئی مصیبت نہیں آئی ہے —"

"ممی! آپ عجیب ہیں۔ مصیبت کو مصیبت نہیں سمجھ رہی ہیں۔ اچھا تو پھر میں بھی آپ کا بیٹا ہوں۔ مصیبت کو مصیبت نہیں سمجھوں گا۔"

"شاباش! اب خاموش رہو۔ مجھے ذرا سوچنے دو۔"

"فرہاد! یہ تو عجیب سچویشن ہے۔ نہ یہ جگہ سمجھ میں آتی ہے نہ دشمن سمجھ میں آتے ہیں —" سونیا نے مجھ سے کہا۔

میں نے کہا: "تمہارا سفر اندھا تھا۔ تمہاری منزل اندھی ہے پتہ نہیں تقدیر تمہیں دنیا کے کس خطے میں لے آئی ہے۔ میں خیال خوانی سے انسانوں کا جغرافیہ پڑھ سکتا ہوں۔ اس خطے کا جغرافیہ نہیں پڑھ سکتا۔ ذرا صبر کرو اور دیکھو کہ کیا ظہور میں آتا ہے۔"

طیارے کے اندر سب کے دلوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ میں سونیا کی سوچ کے ذریعے ماسٹر موزیل اور اس کی داشتہ میرلن کو دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں کبھی طیارے کی دائیں اور کبھی بائیں کھڑکی کے پار دیکھ رہے تھے۔ کسی طرح معلوم کرنا چاہتے تھے کہ وہ کس جہنم میں پہنچ گئے ہیں۔ ایسے وقت جہنم کے متعلق ہی سوچا جا سکتا تھا، کیونکہ کوئی دشمن کسی کو جنت کی طرف نہیں لے جاتا۔

چمپیزی اپنی ممی کے پاس سے اٹھ کر شیلا کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسے کہہ رہا تھا۔

"جب ممی کہہ رہی ہیں کہ کوئی مصیبت نہیں ہے تو پھر دروازہ توڑنا فضول ہے۔ تم اپنی اداؤں سے مجھے توڑ دو۔"

شیلا نے ہنستے ہوئے اس کی گردن میں اپنی باہیں ڈال دیں ماسٹر موزیل نے ناگواری سے پوچھا۔

"سونیا! تم نے چمپیزی کو یہ کیا سمجھا دیا ہے؟ کیا ہم مصیبت میں گرفتار نہیں ہیں؟"

"میں یہی سمجھتی ہوں۔" سونیا نے کہا "اگر یہ غلط ہے تو تم ہی بتاؤ کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہیں ——؟"

ماسٹر موزیل نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ پھر پوچھا۔

"کیا یہ مصیبت نہیں ہے کہ طیارے کا پائلٹ ہمارا دشمن بن گیا؟ یہ ایسی جگہ لے آیا ہے، جو ہمارے لئے جہنم بن سکتی ہے۔ اگر اس کے حامی یہاں پہنچ گئے تو ہمیں گولی مار سکتے ہیں۔ اور تم کہتی ہو کوئی مصیبت نہیں ہے۔"

سونیا نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"ماسٹر! میری زندگی کی ڈکشنری میں مصیبت کا لفظ نہیں ہے۔ کیونکہ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہو گئیں میرے یہ تجربات تو تمہارے سامنے ہیں۔ تم نے خود مجھے برفانی علاقہ میں بھیج کر مشکلات میں الجھایا تھا۔ دیکھ لو میں آج بھی تمہارے سامنے زندہ سلامت بیٹھی ہوئی ہوں۔"

ماسٹر نادم سا ہو کر بولا۔

"سونیا! وہ باتیں بھول جاؤ۔ اس وقت ہم دشمن تھے۔ مگر اب دوست ہیں۔"

"لیکن ماسٹر! پائلٹ ہارورڈ تمہارا دوست نہیں ہو گا۔ طیارے کا اغوا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ ہارورڈ اپنے بچوں کے کھیلنے کے لئے یہ جہاز یہاں لایا ہو۔"

"ہاں! میں سمجھ رہا ہوں کہ اس اغوا کے پیچھے کوئی بہت بڑا مقصد ہے۔ اور ہارورڈ کے پیچھے جو دشمن ہیں، وہ جانے پہچانے ہیں۔"

ماسٹر موزیل کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ ریڈ پاور کی خفیہ تنظیم پر شبہ کر رہا ہے۔ میں نے سونیا کو اس کی سوچ بتا دی۔ سونیا نے مسکرا کر پوچھا۔

"ماسٹر! تم ریڈ پاور کے متعلق سوچ رہے ہو؟"

اس نے چونک کر سونیا کو دیکھا۔ وہ ذرا دیر کے لئے بھول گیا کہ سونیا سوچ پڑھ سکتی ہے۔ اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"آں۔ ہاں! ریڈ پاور کے لوگ ہم سے اکثر ٹکراتے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہو چلا ہے کہ ہارورڈ اسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے۔"

سونیا نے کہا "اگر یہ بات ہے تو سمجھ لو کہ چمپیزی، شیلا اور میرے لئے کوئی مصیبت نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارا تعلق کسی تنظیم سے نہیں ہے تم اور میرلن دشمن تنظیم کے اہم افراد ہو۔ اس لئے یہ لوگ تمہیں گولی مار دیں گے۔"

میرلن گھبرا کر ماسٹر کے بازو سے لگ گئی۔ ماسٹر نے کہا۔

"سونیا! تم میرلن کو خوفزدہ نہ کرو۔"

"میں تم دونوں کو آنے والی مصیبت سے آگاہ کر رہی ہوں دیکھو تم نے ہارورڈ کو بہت پہلے بتا دیا تھا کہ سونیا شاید ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔"

"ہاں! میں نے شبہ ظاہر کیا تھا۔ سپر ماسٹر بھی یہی کہتا ہے کہ فرہاد نے تمہیں یہ علم سکھایا ہو گا۔ اسی لئے تم خطرات سے بچ نکلتی ہو۔ میں نے ہارورڈ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ تمہارے سامنے نہ آئے اور نہ ہی اپنی آواز تمہیں سنائے۔ کیونکہ وہ جہاز کا ناخدا ہے۔ اسے تم سے محفوظ رہنا چاہئے۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے مجھے جس جال میں پھانس کر سپر ماسٹر کے پاس پہنچانا چاہا تھا، ہارورڈ تمہیں اسی جال میں پھانس کر یہاں لے آیا ہے۔ اس طیارے میں تم نے میری گفتگو ریکارڈ کی ہے۔ میں نے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ سب کچھ ہارورڈ کے علم میں ہے۔ وہ سمجھ گیا ہے کہ ماسٹروں کی تنظیم میں میری اہمیت کتنی بڑھ گئی ہے۔ میری یہی اہمیت ریڈ پاورز میں بھی ہو گی۔ اس لئے ہارورڈ اور اس کے آدمی مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے بلکہ اپنی تنظیم کے کسی سربراہ کے پاس لے جائیں گے۔"

ماسٹر موزیل کا منہ لٹک گیا۔ اس نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"سونیا! تم دنیا کے جس حصہ میں جاؤ گی، وہاں تمہاری قدر ہو گی مگر میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ سپر ماسٹر سے زیادہ تمہاری قدر کوئی نہ کرے گا۔ تم چاہو تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے یہاں سے بچ کر نکل سکتی ہو اور ہمیں بھی بچا سکتی ہو۔ تمہارے لئے یہ معمولی سی بات ہے۔"

"ماسٹر موزیل! جب تم سپر ماسٹر کی طرف سے مجھے موت کا پیغام سنا رہے تھے اور مجھے برفانی علاقہ میں بھیج رہے تھے اس وقت میں نے تم سے زندگی کی بھیک نہیں مانگی تھی۔ تم خوشامد کیوں کر رہے ہو؟"

"تم حیرت انگیز صلاحیتوں کی مالک ہو۔ اس لئے تم کسی کی خوشامد نہیں کرتی ہو میرے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہے جس سے ناگہانی مصیبتوں سے بچ سکوں۔"

"پھر تم میں ایسی کون سی صلاحیت ہے جس کی بنا پر ماسٹر بنائے گئے ہو؟"

"میں نے اپنی ذہانت سے ماسٹر کا عہدہ حاصل کیا ہے۔ میں ان ماسٹروں میں سے ایک ہوں۔ جو سپر ماسٹر کے اہم منصوبوں پر تبصرہ کرتے ہیں اور ان میں ترمیم کرتے ہیں۔"

"سپر ماسٹر کے تمام منصوبے سیاسی نوعیت کے ہوتے ہیں یعنی دوسرے تمام ممالک کے راز چرانا، انہیں اپنے مفاد کی خاطر بلیک میل کرنا، اور وہاں اپنی پسند کی حکومت قائم کرنا۔ جس ملک میں تمہاری سیاسی قوت کمزور پڑ رہی ہو۔ اور تمہارے ایجنٹ الیکشن میں ہارنے والے ہوں وہاں ہنگامے کھڑے کر دینا۔ یہی سب تم لوگوں کے منصوبے ہوتے ہیں۔ تم آج تک سپر ماسٹر کی تخریبی کارروائیوں میں شریک رہے ہو۔ آج یہ بھی دیکھ لو کہ تمہاری خرابی کیسے ہوتی ہے؟"

ماسٹر موزیل دل ہی دل میں سونیا کو گالیاں دے رہا تھا۔ سونیا نے میری مدد کے ذریعے کہا۔

"موزیل کمینے! میں تمہارے دماغ میں چکرانے والی گالیاں سن رہی ہوں۔"

"آں۔ نن۔ نہیں۔ میں تو خود کو گالیاں........"

سونیا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"چمپیزی! اس کتے کی جیب سے ریوالور نکال لو۔"

ماں کا حکم ایسا تھا، جیسے سوئچ دباتے ہی کرنٹ آ گیا ہو۔ وہ اچھل کر ماسٹر موزیل کے سامنے پہنچ گیا۔ اسے جیب سے ریوالور نکالنے کا موقع نہیں دیا۔ ویسے میں بھی اسے موقع نہ دیتا۔ اگر وہ ریوالور نکالتا تو اسے دماغی جھٹکے پہنچنے لگتے۔ چمپیزی نے اسے ایک ہاتھ کے حصار میں دبوچ کر اس کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ پھر اس نے پوچھا۔

"ممی! گولی مار دوں ——؟"

"نہیں، اتنا ہی کافی ہے۔ اسے چھوڑ دو۔ اور ریوالور اپنے پاس رکھو۔"

وہ ریوالور لے کر شیلا کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا نے کہا۔

"موزیل! میری دوسری مصروفیات بھی ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے دماغ میں نہیں جھانک سکتی۔ اس لئے احتیاطاً تم سے ریوالور لے لیا ہے۔"

میرلن نے اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر کہا۔

"سونیا! میں تمہیں جیسس کرائسٹ کا واسطہ دیتی ہوں۔ مجھے بچا لو۔ میں اس عمر میں مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اس دنیا کو اچھی طرح دیکھ لینے دو۔"

یہ کہتے کہتے وہ رونے لگی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"مائی گاڈ! سونیا کسی طرح راضی ہو جائے۔ مجھے دشمنوں سے بچا لے۔ ابھی میں اس کی خوشامد کر رہی ہوں۔ کبھی میرا وقت آئے گا تو میں سونیا کو اپنے آگے جھکاؤں گی۔"

میرلن چونک کر سوچنے لگی۔

"آں۔ یہ میں کیا سوچ رہی ہوں۔ میں اور سونیا جیسی خطرناک عورت کا مقابلہ کروں اور اسے اپنے آگے جھکاؤں۔ یہ ناممکن ہے۔ اگر آج سونیا نے مجھے بچا لیا تو میں ساری عمر اس کی خادمہ بن کر گزار دوں گی۔ اتنا تو یقین ہے کہ اس کی خادمہ بن کر بھی عیش و عشرت میں زندگی گزرے گی، مگر بات ابھی کی ہے۔ میں وہ الفاظ کہاں سے لاؤں، جو سونیا کو موم کر سکیں۔"

وہ سوچ رہی تھی اور رو رہی تھی۔ میں نے سونیا کو اس کی سوچ بتائی۔ سونیا نے کہا۔

"میرلن! میں نہیں جانتی کہ آنے والا وقت کیا رنگ دکھائے گا، اور ہمیں کن حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ویسے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اب تمہیں اپنی پناہ میں رکھوں گی۔"

وہ خوش ہو کر سونیا کے قدموں سے لپٹ گئی۔ اور اسے دعائیں دینے لگی۔ سونیا نے کہا۔

"چلو آنسو پونچھو اور شیلا کے پاس جا کر بیٹھو۔"

وہ آنسو پونچھ کر شیلا اور چمپیزی کے پاس جانے لگی۔ چمپیزی نے میرلن کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"ممی! یہ بھی میرے لئے ہے؟"

سونیا نے پلٹ کر دیکھا۔ پھر ڈانٹ کر کہا۔

"چھوڑ دو اس کا ہاتھ، گدھے کہیں کے۔ صرف شیلا تمہاری بیوی بنے گی۔ اگر تم کسی دوسری لڑکی کو بری نیت سے دیکھو گے تو میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔"

فرمانبردار بیٹے نے فوراً ہی میرلن کا ہاتھ چھوڑ کر شیلا کا ہاتھ پکڑ لیا سونیا نے مجھ سے کہا۔

"فرہاد! کھڑکی کے باہر ابھی تک کوئی نظر نہیں آ رہا ہے۔ پتہ نہیں کب تک انتظار کرنا ہو گا۔"

میں نے کہا "صرف انتظار کرو گی تو بور ہو جاؤ گی۔ وہاں اب تمہارے تین ساتھی ہیں۔ ان سے ہنسنے بولنے میں وقت گزارو۔ اور تھوڑی دیر کے لئے مجھے بھی چھٹی دو۔ میں اپنے آس پاس کی بھی خبر لوں گا......"

میں اس سے رخصت ہو کر اپنی دنیا میں واپس آ گیا۔

فی الحال میری دنیا میں تنہائی تھی اور اندھیرا تھا۔ لیکن ایسا اندھیرا نہیں تھا کہ کچھ دکھائی نہ دیتا۔ دور بہت دور جہاں آسمان اور سمندر گلے مل رہے تھے، وہاں سے چاند آگ کے گولے کی طرح طلوع ہو رہا تھا۔ چاند کی سرخی سمندر کی لہروں کو سرخی مائل بنا رہی تھی۔

میں ٹھنڈی ریت پر بیٹھا ہوا تھا۔ ساحل پر بنے ہوئے ہٹس اور

وہاں کی آبادی مجھ سے بہت دور رہ گئی تھی۔ صرف ایک بستی مجھ سے ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ اور وہ تھی چینی حسینہ مے یون۔۔۔۔۔

مے یون کا خیال آتے ہی ساحلی ریسٹورنٹ یاد آیا، جہاں پہلی بار میں نے اس پاکٹ سائز حسینہ کو دیکھا تھا۔ وہ بلیک میلر ڈائمنڈ کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ اب اس بلیک میلر کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ وہ تمام تصویریں میں نے مے یون کے حوالے کر دی تھیں تاکہ وہ انہیں جلا ڈالے۔

میں نے مے یون کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ریت پر دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ڈائمنڈ کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ جس کے لب چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ اس کے اندر جتنی شرمناک تصویریں تھیں انہیں مے یون نے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ سمندر کو چھو کر آنے والی ہوائیں اس راکھ کو اڑا رہی تھیں۔ اور مے یون فرطِ مسرت سے رو رہی تھی۔

آسمان اور سمندر کے سنگم پر چاند پوری طرح طلوع ہو گیا تھا۔ اس کی چاندنی مے یون کے آنسوؤں میں چمک رہی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ ریت پر ٹیک کر سجدہ کرنے کے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"اے عظیم بدھا! تیرے بعد میں نے آج ایک اور انسان کی عظمت دیکھی ہے۔ فرید (فرہاد) عظیم ہے۔ تیری تعلیمات کی قسم! میں فرید کو کبھی نہیں بھلا سکوں گی۔ اس نے کتنی ہی بدنام ہونے والی عورتوں کو تباہی سے بچا لیا ہے۔ میری بہن نے یون کی شرم رکھ لی ہے۔ اب اس کا سہاگ نہیں اجڑے گا۔

اے سکھ اور شانتی کے دیوتا! ڈائمنڈ جیسے شیطان سے فرید کو محفوظ رکھ۔ وہ شیطان میری جان لے لے، مگر فرید تک نہ پہنچے۔ کیونکہ اس دنیا کی مظلوم ہستیوں کو فرید جیسے دیوتا کی ضرورت ہے۔ اسے زندہ رہنا چاہئے۔ یہ میری آخری دعا ہے تو فرید کو سلامت رکھ۔ اس کے بعد میں تجھ سے کچھ نہیں مانگوں گی۔۔۔۔۔"

وہ جب تک مہاتما بدھ کو مخاطب کر کے میری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہی میں اسے چھوڑ کر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں ابھی تک خیریت تھی۔ طیارے میں سب ہی یہ انتظار کر رہے تھے کہ باہر سے لوگ دروازہ کھولنے یا توڑنے آئیں گے۔ میں نے کہا۔

"سونیا! یہاں رات ہو چکی ہے۔ تمہارے ہاں ابھی دن ہے۔ شاید سہ پہر ہے"

"ہاں! اس وقت تین بج کر پینتالیس منٹ ہوئے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم مزید ایک گھنٹہ انتظار کرو۔ اگر باہر کی طرف سے کوئی نہ آئے تو جمپیری سے کہو کہ دروازہ توڑ دے۔ بیرونی دروازہ نہ سہی۔ پائلٹ روم کا دروازہ ایسا ہوتا ہے جسے جمپیری جیسا فولادی انسان توڑ سکتا ہے۔"

"ہاں فرہاد! میں ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ اندھیرا ہونے تک ہمیں یہاں نہیں رہنا چاہئے۔ اس سے پہلے ہی کسی طرح یہاں سے نکل جائیں تو بہتر ہو گا۔"

سونیا سے تھوڑی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ پھر میں واپس ساحل پر آ گیا۔ دور چاندنی میں مے یون سائے کی طرح نظر آ رہی تھی۔ میں نے معلوم کیا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اور وہ میری طرف آ رہی تھی۔ میں چپ چاپ ریت پر بیٹھا رہا۔ وہ ریوالور ڈائمنڈ کے بریف کیس میں تھا۔ اس نے میرے سامنے آ کر ریوالور کو ریت پر پھینک دیا۔ پھر میرے سامنے دوزانو ہو کر بولی۔

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارا اصلی روپ کیا ہے؟"

میں ایک دم سے چونک گیا۔ کیا وہ فرہاد کا روپ پہچانتی ہے؟ میں نے تو اسے اپنا نام فرید بتایا تھا۔ وہ میرے پیروں کو چھو کر بولی۔

"فرید! تمہارا اصلی روپ یہ ہے کہ تم دیوتا ہو اور انسان کے روپ میں آئے ہو۔"

میں نے اطمینان کی سانس لی۔ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے پیروں سے اٹھا کر کہا۔

"مے یون! ہم سب انسان ہیں۔ اگر ہم دوسروں کے ساتھ نیکی کریں تو دیوتا اور دیوی بن سکتے ہیں۔ تو ہمیں ایسا بننے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔"

"تم بہت اچھی باتیں کرتے ہو فرید! صرف باتیں ہی نہیں اچھے کام بھی کرتے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں تمہارے لئے کیا کروں؟ تمہارے لئے کیسی کون سی قربانی دوں کہ میرا دل مسرتوں سے بھر جائے۔ تم مجھ سے کوئی کام لو۔ بولو میں کیا خدمت کروں؟"

اس کے نازک اور ملائم سے ہاتھ میرے ہاتھوں میں تھے۔ زندگی میں پہلی بار ایک چینی دوشیزہ کے ہاتھوں کی نرمی و گرمی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔

"میں تم سے جو کہوں گا مان لو گی ۔۔۔؟"

اچانک اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ شرمائی سی اور سہمی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی کہ نہ جانے میں کون سی بات کہنے والا ہوں۔ وہ ہچکچاتی ہوئی بولی۔۔۔

"آں۔ ہاں۔ تم دیوتا ہو۔ میں داسی ہوں۔ جو بولو گے، مان لوں گی۔"

میں نے کہا "مجھے تمہاری چینی زبان بہت پیاری لگتی ہے۔ اپنی زبان مجھے سکھاؤ گی؟"

وہ خوشی سے کھل گئی۔ اس تنہائی میں، ویرانے میں اور سناٹے میں کوئی اس کی مدد کے لئے نہیں آ سکتا تھا۔ میں اس سے کوئی بھی بات منوا سکتا تھا۔ لیکن میں نے ایک دوست کی طرح اسے تحفظ دیا۔ یہ کہ میں نے اس کی مادری زبان سیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ایسے میں

خوشی سے پاگل کیوں نہ ہوتی۔ اس نے میری دونوں ہتھیلیوں کو اپنے رخساروں پر رکھ لیا اور کہا۔

"فرید! تم کہاں سے میری زندگی میں آ گئے ہو۔ چند گھنٹوں کی ملاقات میں اپنوں سے زیادہ اپنے لگ رہے ہو۔ میں تمہیں اپنی زبان سکھاؤں گی اور اچھی طرح سکھاؤں گی۔ چلو اب ہم واپس۔۔۔۔۔"

وہ آبادی کی طرف واپس جانے کے لئے کہتے کہتے رک گئی۔ اسے یاد آ گیا کہ واپس جائیں گے تو ڈائمنڈ کہیں نہ کہیں ٹکرائے گا۔ اس نے کہا۔

"اوہ، تم نے مجھے اتنی خوشیاں دی ہیں کہ میں تھوڑی دیر کے لئے ملے غم اور سارے خطرات کو بھول گئی۔ فرید تم میری ایک بات مانو گے۔۔؟"

میں نے اسے اپنے پاس ریت پر بٹھاتے ہوئے کہا "ہاں بولو۔"

"آج کی رات تم اپنے ہٹ میں نہ گزارو۔ ڈائمنڈ وہاں تمہیں قتل کرنے کے ارادے سے جائے گا۔"

یہ تو میں پہلے سے جانتا تھا۔ اور میری پلاننگ یہ تھی کہ وہ خالی ہٹ میں جا کر ناکام لوٹے گا۔ پھر اسے اپنا بریف کیس نہیں ملے گا تو غصہ سے پاگل ہو جائے گا۔ میں نے کہا۔

"میں اس شرط پر تمہاری بات مانوں گا کہ اب تم ڈائمنڈ سے نہیں ڈرو گی۔ اور اس کے پاس واپس نہیں جاؤ گی۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔

"فرید! میں مجبور ہوں۔ میں اس کے پاس واپس نہیں جاؤں گی، تو وہ میرے بوڑھے باپ کو قتل کر دے گا۔ مجھے چھوڑ کر میری بہنوں کے پیچھے پڑ جائے گا۔"

میں بہت پہلے ہی اس کی سوچ کے ذریعے معلوم کر چکا تھا کہ وہ ہانگ کانگ سے آئی ہے۔ اس کا باپ اور دو بہنیں وہاں ایک کشتی میں زندگی گزارتے ہیں۔ میں نے انجان بن کر پوچھا۔

"میں تمہارے باپ اور تمہاری بہنوں کی حفاظت کروں گا۔ مجھے بتاؤ وہ کہاں ہیں۔۔؟"

"نہیں، میں تمہیں اس شیطان سے ٹکرانے نہیں دوں گی۔ یہ دیکھو یہ ریوالور اس کے بریف کیس میں تھا۔ تم اسے لے کر کہیں دور چلے جاؤ۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم اتنی دلیر ہو کر شیطان سے نمٹتی رہو گی۔ اور میں اس سے دور ایک بزدل کی طرح بھاگ جاؤں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔ میں تمہاری زندگی چاہتی ہوں۔"

"نہیں! تم مجھے اپنے پاس سے بھگانا چاہتی ہو۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ پہلی بار جب میں نے تمہیں پریشان دیکھ کر ڈھونڈ نکالی کی تو اس کے بعد تم بے رخی سے منہ پھیر کر چلی گئیں۔ ابھی میں نے دوسری عورتوں کو بدنامی سے بچانے کے لئے تمام شرمناک تصویریں تمہارے حوالے کریں۔ تم نے انہیں جلا دیا۔ مجھے نیکی کا بدلہ یہ مل رہا ہے کہ تم بڑی خوبصورتی سے مجھے بھگا کر مجھ سے پیچھا چھڑا رہی ہو۔"

وہ "نہیں نہیں" کے انداز میں بار بار سر ہلانے لگی۔ وہ بے چاری تو مجھے بھگا کر زیادہ سے زیادہ اپنی عقیدت کا اظہار کرنا چاہتی تھی کہ وہ آئندہ بھی دوسروں کی بھلائی کے لئے مجھے ڈائمنڈ جیسے شیطان سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے لیکن میں اس کی اس ادا کو نفرت سمجھ رہا تھا۔ یا دوسرے لفظوں میں جان بوجھ کر اسے پریشان کر رہا تھا۔ وہ اچانک میرے پاس سے اٹھ کر پیچھے ہٹ کر بولی۔

"میں۔۔۔۔ میں مر سکتی ہوں، مگر تم سے نفرت نہیں کر سکتی۔ میں تمہیں اتنا چاہتی ہوں۔ اتنا چاہتی ہوں کہ آج تک اپنے آپ کو بھی اتنا نہیں چاہا۔ میں تمہیں ڈائمنڈ کے سامنے نہیں جانے دوں گی۔ میں تمہارے پاس رہوں گی تو وہ تمہارے پاس آئے گا۔ نہیں۔ نہیں، میں کبھی اسے تمہارے پاس نہیں آنے دوں گی۔۔۔۔۔"

یہ کہتے ہی وہ مجھ سے دور بھاگنے لگی۔ وہ ڈائمنڈ کی طرف جا رہی تھی۔ اس سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ بریف کیس وہ چرا کر لے گئی تھی۔ اس نے تمام تصویریں اور نیگیٹو جلا دیئے ہیں۔ اب ڈائمنڈ اسے مار ڈالے۔ اس کے باپ کو مار ڈالے اور اس کی دوسری بہنوں سے عداوت کرے۔ کوئی بات نہیں۔ اس کا سارا خاندان عزت کی موت مر جائے گا۔ مگر ڈائمنڈ کے پاس بدنام کرنے کے لئے کوئی ثبوت نہ ہو گا۔

وہ سوچتی جا رہی تھی۔ دوڑتی جا رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"ہائے میرے پاؤں ادھر ادھر ہو رہے ہیں۔"

اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ ریت پر اوندھے منہ گر پڑی۔ میں نے پھر اس کی سوچ میں کہا۔

"میں کیسی نادان ہوں۔ جو مجھے اس شیطان سے نجات دلانا چاہتا ہے میں آئندہ اس کی مدد حاصل کرنے سے انکار کر رہی ہوں۔"

وہ چیخنے لگی "نہیں نہیں۔ ڈائمنڈ اسے مار ڈالے گا۔ میں اس سے مدد نہیں لوں گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا۔

"میرے چیخنے، رونے اور بھاگ آنے سے بات نہیں بنے گی۔ فرید ضدی ہے۔ وہ اپنے ہٹ میں ضرور جائے گا۔ تاکہ ڈائمنڈ سے سامنا ہو۔ اگر ہٹ میں نہ جائے تب بھی اس ساحلی علاقہ میں ان دونوں کا سامنا ضرور ہو گا۔"

وہ ریت پر سے سر اٹھا کر سوچنے لگی۔

"ہاں میرے بھاگ آنے سے بات نہیں بنے گی۔ جب میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میرے خاندان کے لوگ عزت کی موت مر جائیں گے۔ اور ڈائمنڈ اب کسی کو بدنام نہیں کر سکے گا، تو پھر مجھے صرف فرید کے لئے سوچنا

چاہئے کہ میں اسے کس طرح شیطان سے دور لے جا سکتی ہوں۔ کس طرح اس شریف آدمی کو زندہ سلامت رکھ سکتی ہوں۔"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر پلٹ کر آہستہ آہستہ میری طرف آنے لگی۔ اب وہ مجھے بہلا پھسلا کر اس علاقہ سے دور لے جانا چاہتی تھی میں ریت پر چاروں شانے چت لیٹ گیا۔ چاندنی راتوں میں سمندر کی لہریں بہت زیادہ مچلتی ہیں اور اچھلتی ہیں اور ساحل پر بہت دور تک لہراتی چلی جاتی ہے۔ وہ لہریں کبھی کبھی میرے قدموں تک آتی تھیں۔ پھر میرے ننگے پاؤں کو چھو کر واپس مڑ جاتی تھیں۔

مے لوئن میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ کچھ کہنے سے پہلے سوچ رہی تھی کہ اپنی بات کس طرح کہے۔ چاند اس کی پشت پر تھا اور اس کا سایہ مجھ پر آ رہا تھا۔ وہ ریت پر دوزانو ہو کر بولی۔

"میں تمہاری بات مانوں گی۔ ڈائمنڈ کے پاس نہیں جاؤں گی۔ چلو فرید! ہم یہاں سے کہیں دور چلے جائیں۔"

میں نے کہا "ہاں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں سے ہانگ کانگ چلا جاؤں۔ تم چلو گی۔؟"

وہ گھبرا گئی۔ کیونکہ ڈائمنڈ اسے یہاں نہ پا کر ہانگ کانگ جاتا۔ تاکہ اس کے باپ کو اور بہنوں کو پریشان کرے۔ میں بھی وہاں جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ ایسے میں وہاں ہمارا ٹکراؤ لازمی تھا۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔

"فرید! ابھی ہم اتنی دور نہیں جائیں گے۔ کچھ عرصہ اسی طرف فارموسا میں رہیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ مگر آج کی رات کہاں گزاریں گے؟"

"آں؟" وہ سوچنے لگی۔ چاندنی رات میں جتنی دور تک نظر آتا تھا، اتنی دور تک دیکھنے لگی۔ ایک طرف بہت دور شہر کی ٹمٹماتی ہوئی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ دوسری طرف ویرانی اور سناٹا تھا — میں نے کہا۔

"ہم روشنیوں کے شہر جائیں گے تو ڈائمنڈ سے ضرور سامنا ہوگا لہٰذا ہمیں ویرانی کی طرف جانا چاہئے۔ ہو سکتا ہے آگے کہیں ماہی گیروں کی بستی ہو۔"

وہ سوچنے لگی۔ اسے ویرانی کی طرف جاتے ہوئے ڈر لگ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"ہم اس جگہ رات گزاریں گے۔ صبح کسی بستی کی تلاش میں جائیں گے۔"

"کیا یہاں ڈائمنڈ نہیں آئے گا؟"

"نہیں! تم تو جانتے ہو کہ وہ بری طرح زخمی ہے۔ وہ تمہارے ہٹ تک انتقاماً جا سکتا ہے بستی سے اتنی دور نہیں آ سکتا۔ پھر یہ کہ میں جاگتی رہوں گی۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ کوئی خطرہ پیش آیا تو میں تمہیں جگا دوں گی۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم تو مجھے ننھا بچہ سمجھ رہی ہو۔ کبھی مجھے دشمن سے دور بھگاتی ہو کبھی اپنی پناہ میں سلا دینا چاہتی ہو۔ آئندہ تم کبھی اپنے بچے کی ماں بنو گی تو وہ بچہ ایک مثالی ماں کی گود پائے گا۔"

وہ سر جھکا کر شرمانے لگی۔ کنواری لڑکیوں کے سامنے بچے کی بات کہو تو ان کے تصور میں فوراً بچے کا ہونے والا باپ آ جاتا ہے۔ مے لوئن کے تصور میں بھی کوئی آئیڈیل آنے والا تھا۔ اس نے جلدی سے سر کو جھٹک کر مجھے دیکھا پھر نظریں گھما کر سمندر کو دیکھنے لگی۔

اپنی زندگی میں آنے والا محبوب یا شوہر سمندر کی طرح وشال ہوتا ہے۔ ذہن پر اس طرح چھا جاتا ہے کہ اس کے قد کا دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا۔ اسے ایک کنارے سے پکارو تو لہروں کی طرح گنگناتا اور گدگداتا ہوا اپنی وسعت میں گم کر دیتا ہے۔ وہ خواب زدہ نظروں سے چاندنی میں بھیگے ہوئے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ ہولے سے یوں کانپ گئی جیسے خیالی سمندر نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہو۔ حالانکہ میں اس کا ہاتھ تھام کر پوچھ رہا تھا

"کیا تم نے کبھی کھلے آسمان کے نیچے کسی ویرانے میں رات گزاری ہے؟"

اس نے سر جھکا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں! میں نے کسی بھی اجنبی کے ساتھ کبھی اپنی زندگی کا ایک دن بھی نہیں گزارا۔ اور آج یہ۔ یہ رات......"

وہ کہتے کہتے الجھ گئی۔ وہ شرما رہی تھی، مجھ سے خوفزدہ بھی تھی، اور مجھ سے متاثر بھی تھی۔ یہ سوچتی تھی کہ کہیں میں اس کی کسی بات کا برا نہ مان جاؤں۔ اس نے ہچکچاتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

"یہ رات میں۔ تمہارے قریب۔ گزارنے والی ہوں۔ میں کیا میں تم پر بھروسہ کروں؟"

"یہ جواب تو سب ہی دیں گے کہ ہاں بھروسہ کرو۔ اس کا صحیح جواب صبح ملے گا۔ جب یہ رات گزر چکی ہوگی۔"

سمندر کی لہریں تیزی سے آئیں اور ہمارے پاؤں بھگو کر چلی گئیں ہم دونوں اٹھ کر ذرا دور چلے گئے۔ پورے چاند کی کشش کے باعث سمندر غضب ناک ہو گیا تھا اور لہریں ساحل پر دور تک دھاوا بول رہی تھیں۔ مے لوئن ایک جگہ ریت پر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔

"تم یہاں اطمینان سے لیٹی رہو۔ میں تمہاری نظروں میں رہوں گا مگر دور رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں اس سے بیس قدم کے فاصلے پر چلا گیا۔ اب سونیا کے پاس جانے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں آرام سے ریت پر لیٹ گیا۔ ایک نظر مے لوئن پر ڈالی۔ وہ بھی مطمئن ہو کر لیٹ گئی تھی۔ پھر میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ طیارے کے بیرونی دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ باہر سے کوئی ڈرل مشین کے ذریعے دروازے کے مقفل حصہ کو کاٹنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں نے پوچھا۔

"ہیلو سونیا! کیا قصہ ہے؟"

اس نے جواب دیا۔

"پائلٹ ہارورڈ کے مددگار آ گئے ہیں۔ وہ طیارے کے چاروں طرف اسٹین گنیں لئے کھڑے ہیں۔ وہ دیکھو دروازہ کھل رہا ہے۔"

میں اس کی سوچ کے ذریعے وہاں کے حالات سمجھنے لگا۔ طیارے کا دروازہ کھلتے ہی باہر سے کسی نے کہا۔

"ماسٹر موزیل! ہماری اطلاع کے مطابق تمہارے پاس ایک ریوالور ہے اسے ہمارے آدمی کے حوالے کر دو۔"

سونیا نے کہا "جمپیری! ماسٹر کا ریوالور ان کے حوالے کر دو۔"

جمپیری نے ماں کے حکم کی تعمیل کی۔ دو آدمیوں نے سب کی جامہ تلاشی لی صرف سونیا کو چھوڑ دیا گیا۔ کوئی اس کے قریب نہیں گیا۔ پھر ان کا ایک لیڈر طیارے میں آیا اس نے سونیا کے سامنے پہنچ کر ادب سے کہا۔

"مادام سونیا! میں ریڈ پاور کے عظیم سربراہ ماسک مین کی جانب سے دوستی کا پیغام لایا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ ہمارے دوستانہ جذبے کی قدر کریں گی۔"

سونیا نے ملکہ عالم کے انداز میں فخر سے گردن اونچی کی پھر کہا "سونیا دشمنوں کی بدترین دشمن اور دوستوں کی بہترین دوست ثابت ہوتی رہی ہے۔ جب تک مجھے اور میرے ساتھیوں کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں تمہارے ماسک مین کی دوست بن کر رہوں گی۔"

لیڈر نے کہا "آپ اپنے ساتھیوں کے نام بتائیں۔ ہم انہیں کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔"

سونیا نے جواب دیا "ماسٹر موزیل کے سوا سب میرے اپنے ہیں۔"

لیڈر کا اشارہ پاتے ہی دو آدمی ماسٹر موزیل کو پکڑ کر باہر لے گئے۔ اس کے بعد لیڈر نے قدرے جھک کر کہا۔

"اب ہم رومانیہ کی سرزمین پر آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ تشریف لائیے۔"

سونیا بڑی شانِ بے نیازی سے چلتی ہوئی دروازے پر آئی۔ پھر سیڑھیاں اترنے لگی۔ آس پاس کھڑے ہوئے مسلح جوان فوجی انداز میں الرٹ ہو گئے تھے۔ سونیا کے پیچھے شیلا، میرلن اور جمپیری چل رہے تھے ان تینوں کو ایک الگ کار میں بٹھایا گیا۔ جمپیری نے کہا۔

"ممی میں آپ کو اجنبی لوگوں میں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔"

"بیٹے! فکر نہ کرو۔ کوئی خطرہ پیش آنے سے پہلے ہی ہم ماں بیٹے مل جائیں گے۔ جاؤ شیلا اور میرلن کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔"

جمپیری کو تو ماں کا حکم ماننا ہی پڑتا تھا۔ مگر وہ لیڈر حیرانی سے کبھی سونیا اور کبھی جمپیری کو دیکھنے لگا، اور سوچنے لگا۔

"یہ کیا تماشہ ہے؟ کیا مادام سونیا واقعی اس دیو ہیکل جوان کی ماں ہے؟ مجھے مادام سے زیادہ باتیں کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ورنہ میں یہ سوال ضرور کرتا......"

اس نے سونیا کے لئے ایئر کنڈیشنڈ کیڈی لاک کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ کار کے اندر یوڈی کلون کی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ ریکارڈ پلیئر سے ہلکی ہلکی موسیقی کی آواز ابھر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ قافلہ ایک طرف روانہ ہو گیا۔ میں لیڈر کی سوچ پڑھتا جا رہا تھا، اور سونیا کو بتاتا جا رہا تھا۔ وہ "کلیج" نامی علاقہ سے گزر رہے تھے اور ان کی منزل رومانیہ کا دارالحکومت تھی۔ اس شہر کا نام بخارسٹ تھا۔

جب وہ کچھ دور نکل آئے تو ایئر کنڈیشنڈ کار کی موسیقی ختم ہو گئی اس کے بعد ریکارڈ پلیئر سے ایک مرد کی آواز ابھرنے لگی۔

"مادام سونیا! ریڈ پاور کے ماسک مین کا سرخ سلام! آج کا دن ریڈ پاور کی تاریخ میں یادگار دن ہوگا۔ آپ کی آمد سے ہماری ایک دیرینہ خواہش پوری ہو رہی ہے۔ ہم نے جاپان میں فرہاد کو سنبھالنے کی آخری حد تک کوششیں کیں۔ ماسٹروں کی تنظیم کے جوانوں نے اسپتال کو گھیر رکھا تھا اور ہمارے جوانوں نے سنٹرل جیل کے اطراف مورچہ بنایا تھا۔ دنیا کی یہ دو بڑی تنظیمیں فرہاد کو اپنے اپنے طور پر زندہ سلامت رکھنا اور اس سے دوستی کرنا چاہتی تھیں۔ مگر افسوس جاپان کے فوجی اسے ہیلی کوپٹر میں جیل کے اندر لے گئے۔ ہماری فائرنگ اور ہنگاموں کے باوجود فرہاد کو شوٹ کر دیا گیا۔ ہمیں افسوس ہے۔

ہم فرہاد کو کبھی اپنا مہمان نہ بنا سکے۔ لیکن مادام سونیا کے روپ میں فرہاد آج بھی زندہ ہے۔ آج ہی ہارورڈ نے طیارے کو اغوا کرتے کے دوران اس بات کا انکشاف کیا کہ فرہاد کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزارنے کے دوران آپ نے ٹیلی پیتھی کا علم سیکھا ہے۔ اس علم کے ذریعے آپ نے سپر ماسٹر کی دی ہوئی سزائے موت سے خود کو محفوظ رکھا ہے اور یہ کہ آپ طیارے میں بھی اس علم کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

مادام! آپ نے سپر ماسٹر کی خود غرضی اور طوطا چشمی دیکھ لی کہ اس نے آپ کی قدر نہیں کی۔ آج سے آپ ہماری مہمان ہیں۔ ویسے تو.... قیدیوں کو بھی طنزیہ انداز میں مہمان کہا جاتا ہے لیکن ہم آپ کو قیدی بنا کر رکھنے کی حماقت نہیں کریں گے۔ آپ جب چاہیں گی، پوری آزادی سے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا سکیں گی۔

میں کل صبح دس بجے آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اپنی خوشی سے وقت دے سکیں تو ٹیلی پیتھی کے ذریعے مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔ فقط آپ کے جواب کا منتظر۔ ماسک مین......"

میں نے ماسک مین کی آواز سننے کے بعد اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچایا۔ پھر پلک جھپکتے ہی ایک ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پہنچ گیا۔ ماسک مین روسی شراب واڈکا سے اپنے دماغ کو گرمی پہنچا رہا تھا۔ اس کے سامنے مختلف صوفوں پر پانچ ادھیڑ عمر کے افراد نظر آ رہے تھے۔ کوئی شراب پی رہا تھا کوئی سگار کے کش لگا رہا

تھا۔ وہ لوگ کچھ بے چینی سے نظر آ رہے تھے۔ ماسک مین نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"مادام سونیا نے اب تک میری ریکارڈ کی ہوئی آواز سن لی ہو گی۔ اب مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے جواب ملنا چاہئے۔"

ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے ماسک مین کو مخاطب کیا۔

"مسٹر زدریچ! ٹیلی پیتھی کے متعلق میری معلومات بہت وسیع ہیں۔ میں نے جوانی میں یہ علم سیکھنے کی کوشش کی تھی مگر پاگل ہوتے ہوتے بچ گیا۔ بہرحال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مادام سونیا ریکارڈ پلیئر کی آواز سن کر تمہارے دماغ تک پہنچیں گی تو تمہیں یقین نہیں آئے گا کہ مادام بول رہی ہیں۔ تم اسے اپنے ہی دماغ کی سوچ سمجھو گے۔"

زدریچ نے اس سے سوال کیا۔

"مسٹر جوزف وسکی! آپ مجھے بتائیں کہ میں اپنے دماغ میں مادام کی موجودگی کیسے محسوس کروں گا۔؟"

میں نے سونیا کی طرف سے جوزف وسکی کے دماغ کو ہلکا سا جھٹکا پہنچایا۔ تاکہ وہ جواب نہ دے۔ پھر میں نے کہا۔

"مسٹر جوزف وسکی! میں سونیا بول رہی ہوں۔ زدریچ سے کہو کہ اب میں اس کے سوال کا جواب بن کر اس کے دماغ میں پہنچ رہی ہوں۔"

پہلے تو جوزف وسکی کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ پھر اس نے جوشیلے انداز میں کہا۔

"مسٹر زدریچ! مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے مادام میرے دماغ میں بول رہی ہیں اور اب زدریچ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا۔

"مسٹر! میں سونیا بول رہی ہوں۔ کیا تمہیں یقین آ رہا ہے؟"

وہ اپنا سر کھجاتے ہوئے جوزف وسکی سے بولا۔

"ہاں! ابھی میری سوچ زنانہ لہجے میں بول رہی تھی۔ مگر یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ مادام بول رہی ہیں ۔۔۔؟"

زدریچ کے جواب میں میں نے جوزف وسکی سے کہا۔

"تم زدریچ سے کہو کہ اس کے ہاتھ میں جو شراب کا گلاس ہے اسے وہ بائیں طرف کی دیوار پر ابھی مارے گا۔"

جوزف وسکی نے میری سوچ کے مطابق زدریچ کو یہ بات بتائی زدریچ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! کیا میرا دماغ خراب ہے کہ میں یہ گلاس اس دیوار پر۔ ہا۔ ہا۔ ہا ہا ہا ہا ......؟"

میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی اس کی سوچ میں قہقہہ بھر دیا۔ اب اس کا دماغ میرے کنٹرول میں تھا۔ اور میں اس کی سوچ میں کہہ رہا تھا۔

"ہا ہا ہا ہا۔ میں پاگل نہیں ہوں کہ یہ گلاس اس دیوار پر ہا ہا ہا ہا۔ اور اگر میں ایسا کروں بھی تو میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ لو میں پھینک رہا ......!"

اس نے زور سے گلاس کو دیوار پر مار دیا۔ وہاں سب ہی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ زدریچ کے دماغ کو میں نے آزاد کر دیا تھا۔ اب وہ حیرانی سے منہ کھولے دیوار کو اور ٹوٹے ہوئے گلاس کو دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"جب کسی کا جام چھلک جائے اور شیشہ چھنکے، جب کسی کی ہڈی ٹوٹے، جب دھماکوں کی زبان سے زندگی موت سے ٹکرائے تو سمجھ لیا کرنا کہ سونیا پہنچ گئی ہے۔ لو اب بھی یقین آیا یا نہیں ۔۔۔؟"

زدریچ نے جلدی سے سر ہلا کر کہا۔

"ہاں یقین آ گیا۔ بالکل آ گیا۔ مادام! آپ ناراض نہ ہوں۔ سوچ کے ذریعے گفتگو کرنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس لئے مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

میں نے کہا۔ "زدریچ! مجھے جھوٹ اور فریب سے نفرت ہے لہٰذا اعتراف کرو کہ تم ماسک مین نہیں ہو۔"

اس کی سوچ نے پوچھا۔ "مادام! آپ یہ کیسے کہہ سکتی ہیں کہ میں ماسک مین نہیں ہوں ۔۔۔؟"

میں نے کہا۔ "اتنی بڑی تنظیم کا سربراہ اتنا احمق نہیں ہو سکتا کہ ایک ٹیلی پیتھی جاننے والی کو براہ راست مخاطب کرے۔ اگر کہو تو میں تمہارے دماغ کو کرید کر حقیقت اگلوا لوں؟"

وہ سوچنے لگا کہ سونیا کو چیلنج نہیں کرنا چاہئے۔ ماسک مین کا حکم ہے کہ اسے ناراض نہ کیا جائے۔ اگر ہم اسے دوست بنانے میں ناکام رہے تو ہمیں سخت سزائیں دی جائیں گی ......

وہ روانی میں سوچتا چلا گیا۔ چونکہ پہلی بار ٹیلی پیتھی کو عملی طور پر دیکھا تھا۔ اس لئے اپنی دانست میں چھپ کر سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے چونک کر سوچ کے ذریعے سونیا کو آواز دی۔ اسے شبہ ہوا کہ اس کے تمام خیالات پڑھ لئے گئے ہیں۔ میں نے جواب نہیں دیا۔ اسے شبہ میں مبتلا کر کے چھوڑ دیا۔ پھر میں نے جوزف وسکی سے کہا۔

"میں سونیا بول رہی ہوں۔ تم اپنے باقی چار ساتھیوں سے کہو کہ وہ اپنی زبان سے اپنا اپنا تعارف کرائیں۔"

تھوڑی دیر بعد ہی یہ خواہش پوری کی گئی۔ سب اپنی اپنی آواز میں اپنا اپنا تعارف کرانے لگے۔ مقصد یہی تھا کہ میں ان کی آواز کے ذریعے ان کے دماغ تک بھی پہنچ جاؤں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے دماغ کو ٹٹولا۔ یہ بھی معلوم کیا کہ سونیا بخارسیٹ کے شہر میں کب تک پہنچے گی۔ پھر میں نے سونیا کو زدریچ اور اس کے باقی پانچ ادھیڑ عمر کے ساتھیوں کے بارے میں بتا دیا کہ ان میں سے کوئی ماسک مین نہیں ہے

وہ سب ریڈ پاور کی تنظیم میں باس کہلاتے تھے اور مختلف ممالک سے وہاں آئے ہوئے تھے کچھ اور ممالک سے کچھ اور باس وہاں آنے والے تھے ایسے ہی وقت سونیا بھی اس شہر میں پہنچائی جا رہی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ ۹ بجے رات کو اس شہر میں پہنچے گی۔ وہ لوگ دس بجے رات کو شی سوار شہر میں دو گھنٹے کے لئے رکیں گے۔ وہاں ہوٹل اسٹورا میں رات کا کھانا کھائیں گے۔ پھر آگے بڑھ جائیں گے۔

میں نے سونیا کو سمجھا دیا کہ وہاں جتنے باس ہیں وہ سب سونیا سے اس لئے مرعوب ہیں کہ ماسک مین سونیا کو کسی صورت میں ناراض کرنا یا کھونا نہیں چاہتا ہے۔ لہٰذا سونیا کو اب کل صبح دس بجے تک بے فکری سے سونا اور آرام سے وقت گزارنا چاہئے۔ اگر کوئی ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کرنے کی درخواست کرے تو اسے سختی سے انکار کر دینا چاہئے۔

تمام باتیں سمجھانے کے بعد میں نے سونیا سے کہا۔

"میری جان! اب یہاں میرے آرام کا وقت ہے۔ میں جا رہا ہوں مگر تمہاری خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔"

یہ کہہ کر میں پھر سمندر کے کنارے واپس آ گیا۔

ٹھنڈی ریت پر مجھ سے بیس قدم کے فاصلے پر مے یون لیٹی ہوئی تھی۔ اتنی دور سے یہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے لیکن میں معلوم کر سکتا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی اور بار بار اپنے تصور میں آنے والی ان شرمناک تصویروں کو جھٹک رہی تھی۔ اپنے دماغ سے نکال رہی تھی۔

وہ سیدھی سادی سی شرمیلی لڑکی تھی۔ وہ جوان تھی اور جوانی کے تقاضوں کو سمجھتی تھی۔ اس کے باوجود اس نے کبھی گناہ کے خیال کو دل میں جگہ نہیں دی۔ لیکن بعض حالات میں دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ جو تصویریں جلتے وقت وہ دیکھ چکی تھی، اب وہ اس کے دماغ میں جل رہی تھیں اور وہ پریشان ہو کر اس آگ کو اپنے دماغ سے نوچ کر پھینکنے کی کوشش کر رہی تھی۔

مجھے اس کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ میں چاہتا تو اس کی آگ کو اور بھڑکا سکتا تھا۔ کیونکہ وہ چینی دوشیزہ مجھے اچھی لگ رہی تھی۔ لیکن جو سنبھلنا چاہتی ہو، اسے نہ سنبھالنا کھلی شیطانیت ہے۔ اس وقت تک وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ کبھی سمندر کی طرف، کبھی میری طرف دیکھ رہی تھی میں اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دماغ کی اسکرین پر شیطان کو دیکھ رہا تھا۔ میں اس شیطان سے لڑنے کے لئے وہاں پہنچ گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"ریت ٹھنڈی ہے۔ ہوا سبک رفتار ہے اور میں پرسکون ہوں۔ میرے دل میں بے چینی نہیں ہے۔"

مے یون نے دل کی جگہ سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچا۔

"میں بے چین ہوں۔ میرے دماغ میں گناہ کا تصور کیوں آیا۔ مجھے مر جانا چاہئے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"آگ کہنے سے منہ نہیں جلتا۔ اسی طرح گناہ کا خیال آنے سے میں گناہ گار نہیں بن جاؤں گی۔ بشرطیکہ میں اس خیال سے لڑتی رہوں۔ اگر میری نگاہوں کے سامنے وہ شرمناک تصویریں آتی ہیں تو مجھے سوچنا چاہئے کہ یہ بے شرمی ہمارے ارادے کی کمزوریوں سے پھیلتی ہے۔ شیطان بھڑکانے والی منفی سوچیں پیدا کرتا ہے میں انسان ہوں۔ مجھے مثبت انداز میں سوچنا چاہئے کہ جذبے چاند کی طرح اجلے اور شفاف ہوں۔ میں سمندر کی طرح گہری ہوں۔ شیطان اس میں کتنی ہی گندگی پھینکے۔ وہ معصومیت کے گہرے سمندر میں ڈوبتی اور گم ہوتی چلی جائیں گی......"

اگر ہمارے دماغ میں مثبت سوچ اتنی طاقتور ہو کہ وہ منفی سوچ کو ابھرنے کا موقع نہ دے تو شیطان کبھی سر نہ اٹھائے۔ ویسے بھی شیطان بنفس نفیس ورغلانے نہیں آتا۔ ہماری منفی سوچ کا دوسرا نام ہی شیطان ہے۔

میں مثبت انداز میں مے یون کی سوچ میں اتنی دیر تک بولتا رہا کہ اس کا اندرونی اضطراب بالکل ہی ختم ہو گیا۔ اور وہ حیرانی سے سوچنے لگی۔

"یہ ابھی مجھے کیا ہو گیا تھا؟ لعنت ہے ایسی تصویروں پر جو شریف لڑکیوں کی قوت ارادی کو کمزور بنا دیتی ہیں۔ اب میں ایسی کمزوریوں کو دماغ میں جگہ نہیں دوں گی۔"

اس نے خوش ہو کر ایک انگڑائی لی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر سمندر کی طرف جانے لگی۔ جب لہریں اس کے قدموں کو چومنے لگیں تو وہ رک گئی۔ میں نے اپنی کلائی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ تو وقت رک گیا تھا گھڑی کے کانٹے ٹھہر گئے تھے۔ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کتنی رات گزر گئی ہے۔

میں گھڑی میں چابی دینے لگا۔ لوگ ریڈیو سے ٹائم ملاتے ہیں۔ میں اس ویرانے میں کیا کرتا؟ میں نے بہت دور بیٹھے ہوئے ریسٹورنٹ کے مالک کو چھیڑا۔ اس کے دماغ کے ریڈیو کو آن کیا۔ وہ ریسٹورنٹ بند کر رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"ذرا اپنی گھڑی میں وقت دیکھنا چاہئے ۔۔۔"

ریسٹورنٹ کے مالک نے اپنی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اس کی سوچ نے کہا۔ "گیارہ بج کر گیارہ منٹ ......"

میں اپنی گھڑی کی سوئیوں کو گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر لے آیا وقت کی نبض پر انگلی رکھ دی، وقت چلنے لگا۔

میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مے یون سمندر کی لہروں سے کھیل رہی تھی اپنے ہاتھ پاؤں سے سرد پانی کو چھو کر ٹھنڈک محسوس کر رہی تھی۔ میں نے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔ پھر اس کے کش لگانے لگا۔ ماچس کی تیلی روشن ہوتے ہی مے یون نے مجھے پلٹ کر دیکھا۔ پھر قریب آتی ہوئی بولی۔

"میں سمجھ رہی تھی کہ تم سو رہے ہو؟"

"اور میں سمجھ رہا تھا کہ تم سو رہی ہو؟"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی چہکتے ہوئے پنچھی کی طرح ساحل ساحل لہر لہر گنگناتی چلی گئی۔

"فرید! ہم دونوں سو نہ سکے۔ جانتے ہو کیوں ——؟"

"کیوں؟" میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"اس لئے کہ میری دانست میں تم سو رہے تھے، میں پہرہ دے رہی تھی۔ تمہاری دانست میں میں سو رہی تھی اور تم میری حفاظت کے لئے جاگ رہے تھے۔ ہے نا یہی بات؟"

"ہاں، بات تو یہی ہے۔ مگر مے لیون ہم دونوں کس رشتے سے ایک دوسرے کی اتنی فکر کر رہے ہیں۔؟"

"آں۔ ہاں سوچو تو کوئی رشتہ نہیں ہے، سمجھو تو سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہارے متعلق اتنا زیادہ کیوں سوچتی ہوں۔ کیا تمہاری سمجھ میں آتا ہے، کہ تم اتنا زیادہ میرا خیال کیوں رکھتے ہو——؟"

"اس لئے کہ تم بہت اچھی ہو، برائی کو جلا دیتی ہو۔ بہت حسین ہو مگر اپنے حسن پر میل نہیں آنے دیتیں۔ تم ایک نازک سی معصوم کلی ہو۔ جہاں تک مجھ سے ممکن ہو گا، میں تمہاری حفاظت کروں گا میرا رشتہ ایک محافظ کا رشتہ ہے۔"

وہ بولی —— "اب میری سمجھ میں بھی آ گیا۔ میں تمہاری زندگی کی دعائیں اسی لئے مانگتی ہوں کہ تمہارے دم قدم سے ہماری دنیا کی گندی تصویریں جلتی رہیں اور لڑکیاں تمہیں دیوتا سمجھ کر پوجتی رہیں اسی لئے میں دعا مانگتی ہوں۔ میرا رشتہ دعا کا رشتہ ہے۔ جو زمین سے اٹھ کر آسمان تک جاتا ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے میری طرف دونوں ہاتھ بڑھائے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے انہیں تھام لیا۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ ہمارے درمیان نصف شب کی ہوائیں سرگوشیاں کرتی گزر رہی تھیں۔ ایسے وقت میں چاہتا تھا کہ اس کے خیالات معلوم کروں مگر اس کا موقع نہیں ملا۔ وہ اچانک ہی چیخ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

ہم سے ذرا دور کچھ ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے ناریل کے درخت سے کوئی چیز ٹکرائی ہو۔ میرا ہاتھ فوراً ہی ریوالور تک پہنچ گیا میں نے دور تک اِدھر اُدھر دیکھا۔ ناریل کے درختوں کے جھنڈ میں تاریکی تھی۔ چاندنی وہاں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ جہاں تک نظریں کام کرتی تھیں، وہاں تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا وہ سہم کر بولی۔

"ف ف فرید! ڈائمنڈ آ گیا ہے۔"

میں نے فوراً ہی اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ہمارے قریب نہیں، بلکہ اپنے ہٹ میں تھا۔ اور غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے مے لیون کو گالیاں دے رہا تھا۔ کیونکہ اسے بریف کیس کی گمشدگی کا علم ہو چکا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق مے لیون اسے چرا کر لے گئی تھی۔ اب وہ ایک بڑا سا چاقو لے کر سولہ نمبر ہٹ کی طرف جا رہا تھا۔ تاکہ مجھے اور مے لیون کو قتل کر دے۔

میں اس کے دماغ سے لوٹ آیا۔ کیونکہ مجھے اپنے آس پاس کی خبر رکھنی تھی۔ ڈائمنڈ کی ناکامی کو میں سمجھتا تھا۔ کہ سولہ نمبر کا ہٹ اسے خالی ملے گا۔ میں اور مے لیون اس ویرانے میں تھے۔ ناموداا اور منزا شہر گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ وہ دوسرے دن آئیں گے۔ میں نے مے لیون کی پشت کو تھپکتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں، ڈائمنڈ یہاں خالی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ کیونکہ اس کا ریوالور ہمارے پاس ہے۔"

ریوالور کی بات سن کر اسے ذرا اطمینان ہوا۔ پھر بھی وہ سہمی سہمی سی مجھ سے لپٹی رہی۔ میری عجیب حالت تھی۔ میں دور تک محتاط نظروں سے دیکھ رہا تھا

میں شیطان نہیں ہوں میں فرشتہ بھی نہیں ہوں۔ صرف ایک انسان ہوں۔ لڑکھڑا جاؤں، یہ دوسری بات ہے۔ مگر سنبھلنے کی کوشش ضرور کرتا ہوں۔ میں نے کہا۔

"مے لیون دل سے خوف نکال دو۔ دیکھو کوئی نہیں ہے۔ شاید ادھر سے کوئی جانور گزر رہا ہے۔"

اتنی آسانی سے اس کا خوف دور نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ مجھ سے الگ تو نہ ہوئی۔ البتہ سر اٹھا کر دور تک دیکھنے لگی۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی

"ہاں! کوئی نہیں ہے۔ کوئی تو نظر نہیں آ رہا ہے۔ وہ شیطان کیا جانے کہ ہم کتنی دور بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں خواہ مخواہ ڈر گئی تھی۔"

اس نے اطمینان کی سانس لے کر میرے شانے پر سر رکھ دیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ وہ چٹان کے سائے میں چھپی ہوئی ہے اور بہت دیر سے اس کی سانسیں چٹان سے ٹکرا رہی ہیں۔ اچانک ہی اس کا دل دھڑکنے لگا۔

وہ ہڑبڑا کر الگ ہو گئی۔ پیچھے ریت پر جا کر گر پڑی۔ اس نے پریشان ہو کر مجھے دیکھا تو کھلی آنکھوں میں چاندنی اتر آئی۔ اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ اس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ ریت کو مٹھی میں لے کر بھینچ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ مجھ سے کتنی دور بھاگ جائے۔

ایسے ہی وقت انسان اپنے شریر جذبوں سے بھاگنا چاہتا ہے مگر بھاگ نہیں پاتا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ مے لیون کی طرح میں بھی ان جذبوں سے کتراؤں گا۔ اس فیصلے کے مطابق میں اس سے بے نیاز ہو کر ریت پر لیٹ گیا۔ اور اس سے بہت دور سونیا کے پاس پہنچ گیا۔

سونیا ایئر کنڈیشنڈ کیڈلاک کی آرام دہ سیٹ پر نیم دراز تھی۔

اور سونے کا ارادہ کر رہی تھی۔ اس کا طویل سفر ابھی تک جاری تھا۔ وہاں کے وقت کے مطابق دو بجے رات تک اور یہاں کے وقت کے مطابق صبح چھ بجے تک وہ سفر جاری رہتا۔ میں نے سونیا کو مخاطب نہیں کیا۔ اسے تھوڑی دیر سونے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر میں نے جمپیری، شیلا اور میرلن کی خبر لی۔ ان کی گاڑی کیڈلاک کے پیچھے جا رہی تھی۔ اور وہ تینوں بخیریت تھے۔ پھر میں نے اس قافلے کے لیڈر کے ذہن کو ٹٹولا کہ کہیں اس کے دماغ میں سونیا کے خلاف کوئی سوچ پیدا نہ ہو رہی ہو۔ مگر ایسی کوئی بات نہ تھی۔ وہ سب سونیا سے مرعوب تھے اور اسے کسی قسم کی شکایت کا موقع دینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

بہرحال سونیا کے اطراف میرا کوئی کام نہ تھا۔ میں اپنے ماحول میں واپس آ گیا۔ واپس آتے ہی مجھے ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دیں۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مے لیون میرے قریب بیٹھی رو رہی تھی۔

"مے لیون!" میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ اچانک تم کیوں رو رہی ہو——؟"

اس نے جواب نہیں دیا۔ اپنی سسکیوں پر قابو پانے لگی۔ میں اس کے دماغ کو ٹٹولتا تو رونے کی وجہ معلوم ہو جاتی۔ مگر میں اس کی زبان سے سننا چاہتا تھا۔ میں نے اس کے قریب جھک کر پوچھا۔

"مے لیون! مجھے نہیں بتاؤ گی؟ کیا تمہیں کوئی تکلیف ہے؟"

اس نے "نہیں" کے انداز میں سر ہلایا۔

"پھر کیا بات ہے؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"تم۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔" وہ پھر رونے لگی۔

"ارے! تو اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ کیا میں اچھا لگتا ہوں تو تمہیں تکلیف ہوتی ہے۔"

"نہیں۔ ہاں۔ ہوتی ہے۔ ہو رہی ہے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا ہے۔ بڑی گھبراہٹ سی ہو رہی ہے۔ میں کیا کروں؟"

"بہت آسان علاج ہے۔ ابھی تمہاری گھبراہٹ ختم ہو جائے گی۔ تم مجھے فوراً ہی دشمن سمجھ کر گالی دو......"

"نہیں......" وہ تڑپ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ "ایسا نہ کہو۔ تمہارے لئے بُری بات آنے سے پہلے میں اپنی زبان جلا ڈالوں گی۔"

"تعجب ہے۔ مجھ سے تکلیف بھی پہنچتی ہے۔ میں اچھا بھی لگتا ہوں۔ اوہو، میں سمجھ گیا۔ تم اس بات سے خوفزدہ ہو کہ تم محبت سے ڈرتی ہو۔ اور وہ محبت خود بخود تمہارے دل میں پیدا ہو رہی ہے۔"

"فرید! تم سچ مچ دیوتا ہو۔ جو بات میں سمجھا نہیں سکتی تھی، وہ تم نے سمجھ لی۔ میں کیا کروں؟"

"محبت سے ڈرنا چھوڑ دو۔"

"مگر ایک جوان لڑکی کا ایک جوان مرد سے محبت کرنا اچھی بات نہیں ہے۔ یہ بات میں بہت دیر سے سوچ رہی تھی۔ مگر میں کیا کروں؟ تم سے لگ کر ہی سکون مل رہا ہے۔"

میں چند لمحوں تک خاموش رہا۔ کیونکہ مجھے بھی سکون مل رہا تھا لیکن اسے اچھے بُرے کی پہچان کرا دینا، میرا فرض تھا۔ میں نے کہا۔

"مے لیون! محبت ایک خوبصورت جذبہ ہے۔ مگر یہ تنہائی، سناٹا، ٹھنڈی ریت اور جذبات سے بپھرے ہوئے سمندر کا جوش یہ سب محبت کو دوسری سمت لے جائیں گے۔ تم سمجھتی ہو نا؟"

وہ سمجھتی تھی۔ بالکل ہی نادان بچی نہیں تھی —— وہ ہولے سے بولی۔

"وعدہ کرو فرید! مجھے کبھی نہیں چھوڑو گے۔ ساری زندگی ساتھ دو گے۔"

"مے لیون! تم اچھائی کو سمجھتی ہو۔ میری سچائی کو بھی سمجھو میں ساری زندگی ساتھ نہیں دے سکوں گا۔"

اسے ایسے جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ فوراً ہی مجھ سے الگ ہو گئی۔ پہلے تو اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر بولی۔

"اچھا میں سمجھ گئی۔ میں تمہارے معیار کی لڑکی نہیں ہوں۔"

"تم اتنی حسین اور بلند معیار کی لڑکی ہو کہ میں نے تمہارے جیسی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔"

"تو پھر میں یہ سمجھوں کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے۔"

"نہیں! میں ایک مسافر ہوں۔ میری کوئی منزل نہیں ہے۔ جس کی منزل نہ ہو وہ بھلا شادی کیسے کرے گا۔؟ کہاں گھر بسائے گا۔؟"

"اوہ! یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ تم کس ملک سے تعلق رکھتے ہو اور یہاں کیسے آ گئے۔؟"

میں اسے اپنی اصلیت نہیں بتا سکتا تھا۔ میں نے جھوٹ کہا۔

"میں اپنے متعلق کچھ نہیں جانتا کہ کس ملک میں پیدا ہوا اور میرے والدین کون تھے۔ جب ہوش سنبھالا تو خود کو جاپان میں دیکھا۔ میں نے نگر نگر کی سیر کی ہے۔ بہت سی مصیبتوں اور آزمائشوں سے گزرتا آیا ہوں اور ابھی دنیا کو آخری سرے تک دیکھنے کے لئے صبح شام چلتا رہوں گا۔"

"تم ایک جگہ ٹھہر کیوں نہیں جاتے؟"

"میں بہتا ہوا دریا ہوں، ٹھہر جانا میری فطرت کے خلاف ہے مے لیون! میری زندگی میں بہت سی عورتیں آئی ہیں۔ میں وقت کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ پیچھے رہ گئیں۔ میں چاہتا تو تم سے یہ باتیں چھپا لیتا۔ تم سے بھی کھیل کر آگے بڑھ جاتا اور تم پیچھے رہ جاتیں۔ مگر تمہاری نیکی اور معصومیت نے مجھے متاثر کیا ہے۔ تم بہت نازک ہو تمہیں محبت کا بہلاوا دے کر جاؤں گا تو تم ٹوٹ جاؤ گی۔"

وہ چپ چاپ ریت پر بیٹھی سر جھکائے سنتی رہی۔ اپنی مٹھی میں ریت کو سمیٹ کر بھینچتی رہی۔ میں نے کہا۔

"بہتر ہے کہ محبت میں اتنی دور نہ جاؤ کہ واپس نہ آسکو۔ اور اگر واپس آؤ بھی تو صدمہ برداشت نہ کرسکو۔"

اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر آہستگی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی اب میں اس کے دماغ کو اور دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ وہ مجھ سے دور جارہی تھی۔ اس کے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے، وہ جذبوں میں دھنستی جارہی تھی۔ پھر وہ چند قدم کے فاصلے پر جاکر بیٹھ گئی۔

"آہ! میں کیا کروں؟" وہ سوچنے لگی۔ "میں واپس آگئی ہوں مگر میرا دل، میرا دماغ اور میری روح سب کچھ اس کے پاس ہے۔ میں کیسی کمزور ہوں کہ بہک رہی تھی، وہ کیسا شہ زور ہے کہ اس نے مجھے سنبھال لیا۔ وہ ہر بار مجھ پر اپنی شخصیت کی گہری چھاپ لگا دیتا ہے اب میں ایسے شخص کو کیسے بھول جاؤں؟ کیسے دور ہوجاؤں؟"

وہ ریت پر اوندھے منہ لیٹ کر رونے لگی۔ میں نے بروقت ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا تھا۔ جو لڑکی محبت کے ابتدائی مرحلہ میں جدائی برداشت نہ کرسکے اور رونا شروع کردے۔ وہ میری دائمی جدائی کا وقت آتے ہی صدمہ سے مرجائے گی۔ میں ایسی نیک سیرت اور معصوم لڑکی کی زندگی سے نہیں کھیل سکتا تھا۔ اس لئے ذرا سنگدل بن کر اسے رونے کے لئے چھوڑ دیا۔

میں نے سوچا تھوڑی دیر بعد اسے سمجھاؤں گا۔ تھوڑا وقت گزارنے کے لئے میں نے سگریٹ نکالا۔ مگر اسے سلگانا نصیب نہ ہوا۔ میری گردن پر اچانک ہی ریوالور کی نال آکر ٹھہر گئی۔ پھر غراہٹ سنائی دی۔

"خبردار! ذرا بھی حرکت کی تو گولی ماردوں گا......"

ایک میرے پیچھے تھا۔ دوسرے نے میرے سامنے سے میرا ریوالور اٹھالیا۔ تیسرا میرے بائیں آکر کھڑا ہوگیا۔ مے یون نے آوازیں سن کر سر اٹھایا۔ پھر چیخ پڑی۔ اس کے جواب میں ایک عورت کی آواز سنائی دی۔

"لڑکی چلاؤ مت۔ ورنہ تمہارے آدمی کو گولی ماردی جائے گی۔"

مے یون نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے۔ کیونکہ وہ میری سلامتی چاہتی تھی۔ میں نے اس عورت کی طرف دیکھا ظاہر ہے کہ تین مرد رات کے وقت اس ویرانے میں کسی بدصورت عورت کو لے کر نہیں آسکتے تھے۔ وہ حسین بھی تھی اور اسمارٹ بھی۔

میں اسے صرف دیکھ نہیں رہا تھا۔ اس کی سوچ کو بھی پڑھ کر مطمئن ہوگیا تھا۔ کہ وہ سب اسمگلر ہیں۔ ان میں سے ایک نے پوچھا

"تم لوگ کون ہو؟ یہاں اتنی رات کو کیا کررہے ہو؟"

میں نے مے یون کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

"وہ رو رہی تھی۔ میں سن رہا تھا۔"

"زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔"

ڈانٹنے والے نے میرے منہ پر الٹا ہاتھ رسید کرنا چاہا۔ جو فضا لہرا کر رہ گیا۔ کیونکہ میں بیٹھک لگا کر پھر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا تھا۔ ایک نے حیرانی سے کہا۔

"ارے یہ تو وہی مسخرا ہے جس نے بید سے اس فولادی انسان کی پٹائی کی تھی۔"

میں نے اس شخص کو پہچاننے کی کوشش کی۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھ سے کہا۔

"مسٹر میں وہی ہوں۔ میں آہنی سلاخ لے کر اس فولادی انسان سے ٹکرانے گیا تھا۔ مگر اس نے دونوں ہاتھوں سے لوہے کی سلاخ کو موڑ دیا تھا۔"

مجھے یاد آگیا۔ وہ ریسٹورنٹ میں ڈائمنڈ پر رعب جمانے گیا پھر ڈر کر خود ہی بھاگ گیا۔ اس نے اس حسین عورت کو مخاطب کیا۔

"لیڈی سارا! میں نے آپ سے اسی جوان کا ذکر کیا تھا۔"

لیڈی سارا کی بھنویں تن گئیں۔ حسن کچھ اور غضبناک ہوگیا۔ وہ سر سے پاؤں تک دیکھتی ہوئی بولی۔

"آدمی کے بجائے پہاڑ معلوم ہوتے ہو۔ مجھے یقین نہیں آتا اس ڈیل ڈول میں اتنے پھرتیلے ہو۔ جتنی کہ میں تعریفیں سن چکی ہوں"

یہ کہتے ہی اس نے فلائنگ کک ماری۔ اچانک ہی فضا میں میرے پاس آئی۔ پھر میری جگہ سے گزرتی ہوئی دور ریت پر جاکر شانے چت ہوگئی۔ مگر یہ ثابت ہوگیا کہ بڑی زوردار ہے۔ گرتے بھی جانتی ہے۔ دوسرے ہی لمحہ وہ جمناسٹک کے کرتب کھاتی ہوئی قلابازی کھا کر کھڑی ہوگئی۔ اب وہ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہی میں نے کہا۔

"میں اپنے پھرتیلے پن کا یقین دلاؤں گا تو تمہارے ساتھی کر دیں گے۔"

وہ آنکھیں سکیڑ کر بولی۔

"یہ مت بھولو کہ تمہارے آس پاس ریوالور ہیں۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاتھی کے دانت ہیں۔ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے تجربے سے کہتا ہوں کہ مجھ پر گولی نہیں چلائی جائے گی۔"

حالانکہ میں خیال خوانی کے ذریعے ان کے ارادوں کو سمجھ تھا۔ لیڈی سارا نے کہا۔

"تم ذہین بھی ہو۔ مجھے بتاؤ کہ ہم تمہیں گولی کیوں نہیں ماریں گے۔؟"

"اس لئے کہ فائرنگ کی آواز رات کے سناٹے میں آباد

جائے گی۔ پھر وہاں کے لوگ خصوصاً قانون کے محافظ ادھر آجائیں گے۔"

لیڈی سارا کی بھنویں پھر تن گئیں۔ اس نے اپنی حیرانی کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"قانون کے محافظ ہمارا کیا بگاڑلیں گے؟"

میں نے اس کے ایک ساتھی کی طرف اشارہ کرکے جھوٹ کہا۔

"میں نے شام کے وقت تمہارے اس آدمی کو ریسٹورنٹ کے پیچھے دیکھا تھا۔ یہ ایک عورت سے رومانس کررہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ آج رات ہمارا مال بلیک پورٹ سے جائے گا۔ مجھے کافی رقم ملے گی۔ پھر میں تمہارے لئے گہنے بنوا دوں گا۔"

سب اپنے اس ساتھی کو گھور کر دیکھنے لگے۔ اس نے جھلا کر کہا۔

"یہ۔ یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں نے کسی بھی عورت سے یہ بات نہیں کہی۔ میں۔ میں......"

"شٹ اپ!" لیڈی سارا نے ڈانٹ کر کہا۔ "اگر تم نے کسی سے نہیں کہا۔ تو یہ بات اس شخص تک کیسے پہنچ گئی۔ کیا یہ جادوگر ہے؟"

"لیڈی سارا، میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے......"

لیڈی سارا نے حکم دیا کہ اس کی آواز بند کی جائے۔ ایک ساتھی نے قسم کھانے والے کی کنپٹی پر ریوالور کی نال رکھ دی۔ وہ ایک دم سے چپ ہوگیا پھر لیڈی سارا نے مجھ سے پوچھا۔

"میرے ماتحت نے کسی سے صرف مال لے جانے کی بات کہی تھی تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ وہ مال قانون کے خلاف ہوگا۔؟"

میں نے کہا۔ "اس کا جواب میں سب کے سامنے نہیں دے سکتا۔"

وہ بولی۔ "یہاں سب اپنے ہی لوگ ہیں۔"

"ہاں تمہارے اپنے بھروسے کے آدمی ہیں۔ اور بھروسے کے ایک آدمی کی حماقت سے بات مجھ تک پہنچ گئی۔ لیڈی سارا بہت زیادہ اعتماد اچھا نہیں ہوتا۔ مجھ سے جواب چاہتی ہو تو تنہائی میں باتیں کرو۔"

وہ تنہائی میں باتیں نہیں کرسکتی تھی۔ کیونکہ میرا پھرتیلا پن دیکھ چکی تھی۔ اس نے پوچھا۔

"کیا تم انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان جانتے ہو۔؟"

میں نے اسے بتایا کہ اردو اور جاپانی جانتا ہوں۔ اس نے جاپانی زبان میں کہا۔

"میں یہ زبان سمجھتی ہوں۔ تم میرے سوال کا جواب دو۔"

میں نے کہا۔ "میرے ساتھ یہ جو چینی دوشیزہ ہے۔ یہ بہت معصوم اور نیک لڑکی ہے۔ میں اس کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں بھی اسمگلروں کے ساتھ رہ چکا ہوں۔ تمہارے ساتھی نے اپنی محبوبہ کے سامنے بلیک پورٹ کی بات کہی تھی۔ اسمگلروں کی اصطلاح میں ــــ بلیک پورٹ سمندر کے اس ساحل کو کہا جاتا ہے، جہاں سے اسمگلنگ کا مال درآمد یا برآمد کیا جاتا ہے۔ اس طرح میں نے سمجھ لیا کہ تم سب میری ہی برادری کے لوگ ہو۔"

اس نے پوچھا۔ "تمہارا تعلق کس بندرگاہ سے ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "ہندوستان کے دریائے ہگلی سے ہم برما اور تھائی لینڈ جرس لے جاتے تھے اور واپسی میں تھائی لینڈ سے افیون لاتے تھے۔ آج سے بیس دن پہلے زبردست پولیس مقابلہ ہوا۔ ہمارے بہت سے آدمی مارے گئے۔ کچھ جان بچا کر بھاگے۔ میں بھاگ کر یہاں پناہ لینے آگیا......"

میں لیڈی سارا کی فطرت اور پیشے کے مطابق ایسے معقول جواب دے رہا تھا کہ وہ متاثر ہوگئی۔ اس نے پوچھا۔

"اب یہاں سے کہاں جاؤ گے؟"

میں نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔

"ابھی عیش کررہا ہوں۔ لیکن میری عیاشی کا اس معصوم لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ بےچاری ایک بلیک میلر کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ میں اس کے رشتہ داروں کے پاس اسے ہانگ کانگ پہنچانے کے بعد اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی منصوبہ بناؤں گا۔"

اس نے پوچھا۔ "اس لڑکی کو ہانگ کانگ کیسے لے جاؤ گے؟"

"جیسے اسمگلنگ کا مال لے جایا کرتا تھا۔"

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"یہ ہندوستان اور تھائی لینڈ کا سمندر نہیں ہے۔ یہاں بڑے بڑے اسمگلروں کا پتا پانی ہوجاتا ہے۔"

"ہوتا ہوگا۔ ابھی تم نے اور تمہارے ساتھیوں نے اس خشکی پر میرا پھرتیلا پن اور ذہانت دیکھی ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ میں ایک فولادی انسان کو صرف ایک بید کی چھڑی پر کیسے نچاتا ہوں لیڈی سارا! جس روز میں سمندر کی چھاتی پر سوار ہوکر نکلوں گا۔ اس روز دیکھ لینا کہ فارموسا کے کوسٹ گارڈز سے لے کر ہانگ کانگ کی برطانوی بحری پولیس تک کیسی کھلبلی مچے گی۔"

لیڈی سارا کو چپ لگ گئی۔ باتوں کے دوران وقفہ ملتا تھا تو میں اس کی سوچ کو پڑھتا جاتا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ کام کرنے کی آفر دینا چاہتی تھی۔ آخر اس نے کہہ دیا۔

"اگر تم چاہو تو ابھی میرے ساتھ اس لڑکی کو لے کر ہانگ کانگ جاسکتے ہو۔"

"تم مجھ پر یہ مہربانی کیوں کررہی ہو۔؟"

"میں تمہارے کام آنا چاہتی ہوں۔ تم میرے کام آنا۔ اگر کام کے آدمی ثابت ہوئے تو دولت تمہارے قدم چومے گی۔"

میں نے مے یون کی طرف دیکھا۔ اس نے پوچھا۔

"فرید! کیا بات ہے۔ یہ تم جاپانی زبان میں کیا باتیں کر...

رہے ہو ——؟"
میں نے کہا: "لیڈی سارا سے میری دوستی ہو رہی ہے۔ یہ تمہیں ہانگ کانگ پہنچا دے گی۔"
"میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔"
"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔ پھر ہم ڈائمنڈ سے بہت دُور چلے جائیں گے۔"
وہ راضی ہو کر میرے بازو سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ اب منزا اور نامودا کا خیال تھا۔ نامودا کو یہاں چھوڑ کر جانا دانش مندی نہیں تھی۔ کیونکہ وہ فرہاد کی شخصیت سے واقف ہو گیا تھا۔ اگرچہ اب تک فرمانبرداری دکھا رہا تھا، تاہم میں اس پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔
لیڈی سارا نے پوچھا: "کیا سوچ رہے ہو؟"
میں نے کہا: "یہاں میری ایک بہن اور بھائی ہیں۔ میں ان کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ تم نے جو آفر دیا ہے۔ اس کے متعلق بھی مجھے کچھ سوچنے کا موقع دو ——"
وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھتی ہوئی بولی۔
"ابھی ایک بجا ہے۔ ہماری لانچ یہاں سے تین گھنٹے کے بعد روانہ ہو گی۔ اچھی طرح سوچ لو۔ آؤ ہم لانچ کی طرف چلتے ہیں۔"
مے یوُن نے میرا ہاتھ تھام لیا۔ ہم دونوں لیڈی سارا کی ٹیم کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ میں تیزی سے سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ مے یوُن کو ہانگ کانگ پہنچانے کا یہ اچھا موقع ہاتھ آیا تھا۔ لیکن اس طرح نامودا چھوٹ جاتا۔ اگر نامودا کے لئے وہاں رُک جاتا تو مے یوُن بھی میرا ساتھ نہ چھوڑتی۔ اور اس کے ساتھ رہتے ہوئے ڈر لگتا تھا کہ پتہ نہیں کب اس کی قربت سے بہک جاؤں۔ اور میں اُسے اپنی قربت کا ایسا روگ نہیں لگانا چاہتا تھا، کہ جسے وہ کبھی نہ بھلا سکے۔
آخر میں نے فیصلہ کیا کہ وہ جیسی یہاں آئی تھی، ویسی ہی معصومیت کے ساتھ میں اسے واپس پہنچاؤں گا۔ اور نامودا کو سوچ کے ذریعے دیکھتا اور پرکھتا رہوں گا۔ اگر اس نے کسی کو میری اصلیت بتانا چاہی تو اسے سخت سزائیں دوں گا۔ ویسے بھی وہ پہلی بار سزا پاکر راہِ راست پر آ گیا تھا۔ شاید آئندہ سزا پانے کی حماقت نہ کرے ......
ایک خیال آیا کہ اس کے دماغ پر دستک دوں اور اس کے چند خیالات پڑھوں مگر یہ مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ وہ منزا کے ساتھ تھا۔ اور رات کے وقت میں ان کی تنہائی میں نہیں جانا چاہتا تھا۔
لیڈی سارا نے پوچھا۔
"جن کے متعلق تم سوچ رہے ہو۔ کیا وہ تمہارے سگے بہن بھائی ہیں ——؟"
"نہیں، اس دنیا میں کوئی میرا سگا نہیں ہے۔ ان سے صرف زبان کا رشتہ ہے۔"
"تعجب ہے تم زبان کے رشتوں کے لئے اتنی سنجیدگی سے سوچ رہے ہو ——"
"ایک با اصول انسان کے آگے سب سے زیادہ اہمیت زبان کی ہوتی ہے۔ اگر میں زبان کا رشتہ توڑوں گا تو میں نے تمہارے ساتھ بھی کام کرنے کے لئے زبان دی ہے۔ یہاں بھی زبان سے پھر جاؤں گا۔ کیا تم اسے پسند کرو گی ——؟"
وہ جھینپ کر بولی۔
"تم نے مجھے لاجواب کر دیا۔ واقعی میں نے بڑی بے تکی بات کہی تھی۔ اچھا جلدی سے فیصلہ سناؤ۔ کیا انہیں چھوڑ کر میرے ساتھ چل رہے ہو ——؟"
"ہاں، میں ساری زندگی یہاں نہیں گزار سکتا۔ کبھی تو انہیں چھوڑ کر جانا ہی پڑتا۔ میں خط و کتابت کے ذریعے ان سے رابطہ قائم رکھوں گا۔"
"ویری گڈ! تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے۔ میرے پاپا تم سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔"
"تمہارے پاپا کہاں ہیں ——؟"
وہ شوخی سے مسکرا کر بولی۔
"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ میرے پاپا اتنے گریٹ ہیں کہ ان سے اچانک ہی مل کر تمہیں خوشی ہو گی۔"
وہ پہلے سے نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اس کا تو باپ بھی بتانے پر مجبور ہو جاتا۔ میں آنکھ کا اندھا بن کر اسجانی منزل کی طرف نہیں جا سکتا تھا۔ میں خاموش ہو کر اس کی سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنے لگا۔ چند لمحے بعد وہ بڑے فخر سے اپنے پاپا کے متعلق سوچ رہی تھی اور میں سن رہا تھا۔
اس کے پاپا کی زندگی دنیا کے مختلف سمندروں میں گزر رہی تھی پہلے وہ برٹش نیوی میں تھا۔ پھر وہ ایک پرائیویٹ کمپنی کے جہاز میں کپتان بن گیا۔ ایک بار مڈل ایسٹ کی خلیج سے سونا اسمگل کرتا ہوا پکڑا گیا۔ لیکن سزا پانے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ اس دوران وہ جتنی دولت کما چکا تھا۔ اس کے سہارے اس نے ایک لانچ خریدی۔ اپنے جاں نثاروں کی ایک ٹیم بنائی۔ پھر اسمگلنگ کے دھندے میں نکل پڑا۔ پچیس برس کے عرصہ میں، وہ صرف دو بار گرفتار ہوا۔ ایک بار ایک سال اور دوسری بار تین سال کی قید بامشقت کی سزائیں پائیں۔ سزا پانے کے دوران بھی اس کی لانچیں سمندر میں دوڑتی رہیں۔ اس کی بیوی جسے وہ ایران سے اسمگل کر کے لایا تھا، بہت ہی حسین اور

تیز طرار تھی۔ اور اس کے مزاج کے مطابق ڈھل گئی تھی۔ وہ اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں بحری پولیس کو پریشان کرتی رہتی تھی۔
وہ تمام ممالک کی بحری پولیس کے ریکارڈ میں "سمندری عقاب" کہلاتا تھا۔ دوسری بار سزا پانے کے بعد پھر وہ کبھی ہاتھ نہ آیا۔ کیونکہ اس عرصہ میں اس نے ہر بندرگاہ کے رشوت خور پولیس آفیسروں سے دوستی کر لی تھی۔ سب سے زیادہ سہولت ہانگ کانگ کی بندرگاہ پر تھی اس لئے وہ اپنی بیٹی سارا کو ہانگ کانگ سے فارموسا تک اسمگلنگ کی ٹریننگ دے رہا تھا۔ سارا کی ماں مر چکی تھی۔ باپ نے بیٹی کو بچپن ہی سے بیٹا بنا کر پرورش کی تھی۔ اسے جوڈو کراٹے، رائفل شوٹنگ، اور خنجر زنی وغیرہ سکھانے کے لئے چین کے نامور استادوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اور یہ میں دیکھ ہی چکا تھا کہ وہ کتنی زبردست فلائنگ کک مارتی ہے۔ وہ تو میں خیال خوانی کے ذریعے بچ گیا تھا۔ ورنہ اس کے جسم میں بجلیاں بھری تھیں۔ جمناسٹک کی مشقیں کرنے والے بدن کے پیچ و خم قابلِ دید تھے۔
وہ میری مرضی کے مطابق اپنے پاپا کے بارے میں سوچنے کے دوران آگے نکل گئی تھی۔ مے یوُن برابر میرے ساتھ چل رہی تھی وہ آہستگی سے بولی۔
"یہ لیڈی سارا تمہیں اچھی لگ رہی ہے نا؟"
مے یوُن کے حاسد لہجے نے بتا دیا کہ وہ میرے ساتھ کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ میں نے کہا۔
"ہاں۔ سارا اچھی لگتی ہے۔ جب تک کسی میں کوئی برائی نظر نہ آئے، اسے اچھا ہی کہنا چاہئے۔"
"تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر یہ اچھی نہیں ہے۔"
"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ یہ بری ہے۔ مجھے بھی بتاؤ تاکہ میں —— ہوشیار رہوں۔"
وہ چند لمحے سوچ کر بولی۔
"دنیا کی ہر عورت اس حد تک ٹیلی پیتھی جانتی ہے کہ وہ اپنے جیسی دوسری عورت کے دماغ کو پڑھ لیتی ہے، یا اس کے ارادوں کو بھانپ لیتی ہے۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ یہ لیڈی سارا تمہاری طرف جھک رہی ہے۔"
کمال ہے، میں ٹیلی پیتھی جاننے والا، سارا کے دماغ کو اس زاویے سے نہیں پڑھ رہا تھا۔ اور وہ مے یوُن مجھ سے پہلے پڑھ چکی تھی۔ وہ کہاں تک درست ہے —— یہ میں بعد میں سارا کی سوچ سے اگلوا لیتا۔ فی الحال میں مے یوُن سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ میرے متعلق غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ میں نے کہا۔
"سارا میری طرف مائل ہو گی تو میں اسے سمجھا دوں گا۔ اگر وہ تمہاری طرح سمجھدار لڑکی ہوگی تو میرا خیال دل سے نکال دے گی۔ ورنہ میں بھی ایک انسان ہوں اور تنہائی میں ایک وقتی ساتھی کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔"
مے یوُن کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ جب میں نے ایک وقتی ساتھی کی بات کہی تو وہ تصور میں ساتھی بن کر میری خیالی تنہائی میں پہنچ گئی۔ انسان تصور میں کہاں کہاں پہنچ جاتا ہے۔ جس محبوب سے شرماتا ہے اور اخلاقی پابندیوں میں رہ کر کتراتا ہے۔ تصور میں تمام پابندیوں کو توڑ کر محبوب کی آغوش میں خود کو پاتا ہے۔
جب وہ تصور کی دنیا سے نکلی تو اسے میری بات بہت بُری لگی۔ اس نے کہا۔
"فرہاد! تم نے جو وقتی ساتھی کی بات کہی۔ ایسا عیاش طبیعت کے لوگ کہتے ہیں۔ تم دیوتا ہو، تمہیں کسی ایک کا ہاتھ تھام کر ساری عمر ساتھ نبھانا چاہئے۔"
"تم مجھے دیوتا کہتی ہو اور بھول جاتی ہو کہ میں نیکی اور بدی کے درمیان سے گزرنے والا انسان ہوں۔ میری نیکی یہ ہے کہ میں تمہاری جیسی نیک لڑکیوں کو نہیں بہکاتا۔ میرا بُرا پہلو یہ ہے کہ کبھی کبھی حالات اور ضروریات سے مجبور ہو جاتا ہوں۔ ایسے وقت بھی میں اتنی نیکی ضرور کرتا ہوں کہ بند لفافہ کو کھول کر کبھی اس کا خط نہیں پڑھتا۔ ہاں لفافہ کھلا ہو تو پڑھ لیتا ہوں۔"
وہ چپ رہ کر سوچنے لگی۔
"میں کیا جواب دوں۔ میں لڑکی ہوں، ایسے موضوع پر کھل کر بحث نہیں کر سکتی۔ فرہاد ایک بات کے پیچھے ہزاروں ڈھکی چھپی باتیں کہہ جاتا ہے۔ مجھے ایسی باتیں کرنی نہیں آتیں۔"
اس نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔
"فرہاد! بعض لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کے دل اور جذبات صرف ایک ہی مرد کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر وہ مرد ایسی کسی لڑکی کی قدر کیوں نہیں کرتا۔"
"قدر کرنا اسے کہتے ہیں کہ وہ ایسی لڑکی کو کھلونا نہ سمجھے۔ اسے سمجھائے کہ وہ کسی پردیسی یا کسی خانہ بدوش کو اپنا محبوب نہ بنائے۔ جیسا کہ میں نے تمہیں سمجھایا ہے۔ تمہیں اس راستے پر آگے بڑھنے سے پہلے واپس جانے کا راستہ دکھایا ہے۔ کیا میں نے بحیثیت مرد، تمہاری قدر نہیں کی ہے ——؟"
اکثر لڑکیاں اپنی قدر کسی اور طرح کرانا چاہتی ہیں —— میں مے یوُن کے دل کی وہ بات سمجھ رہا تھا جسے وہ زبان سے سمجھا نہیں سکتی تھی۔ بے چاری جذبات اور اخلاقیات کے درمیان اُلجھ کر رہ گئی تھی ——
باتیں کرنے اور خیالات پڑھنے میں پتہ ہی نہ چلا کہ ہم کتنی دور نکل آئے ہیں۔ ہم ایسی جگہ رک گئے، جہاں کچھ کشتیاں سمندر میں جا رہی تھیں اور کچھ سمندر سے واپس آ رہی تھیں۔ ساحل پر لہریں غضبناک

تیں۔ کشتیوں کو سمندر میں لے جاتے وقت خاصی دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔ لیڈی سارا کے بہت سے ماتحت، ماہی گیروں کے ساتھ مل کر سمندر سے لڑ رہے تھے اور کشتیاں لے جا رہے تھے۔ ایک طرف ایک شخص کھڑا حساب کتاب میں مصروف تھا۔ لیڈی سارا نے پوچھا۔

"اور کتنا مال رہ گیا ہے ــــ؟"

اس نے ادب سے سلام کرتے ہوئے جواب دیا۔

"بس یہ آخری کھیپ ہے۔ آپ کے پپا کئی بار آپ کو پوچھ چکے ہیں۔ آپ فوراً چلی جائیں۔"

ان کی لانچ سمندر میں کہیں بہت دور کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں تک پہنچنے کا طریقہ یہ تھا کہ کشتی پر جانے والے افراد ساحل پر کشتی کو چاروں طرف سے تھام کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ جب لہریں ساحل پر آتیں اور کشتی زمین کو چھوڑ کر پانی کی سطح پر آ جاتی تو اس پر سوار ہونے سے پہلے وہ کشتی کو لے کر سمندر کی طرف دوڑتے چلے جاتے۔ ایسے وقت ساحل سے واپس آنے والی لہریں اپنی طرف سے بھی انہیں سمندر کی طرف دھکیل کر لے جاتیں۔ پھر اس سے پہلے کہ لہریں دوسری بار ساحل کی طرف جائیں۔ وہ سب اچھل کر کشتی پر سوار ہوتے ہی چپو سنبھال لیتے۔ پھر کشتی کو کھیتے ہوئے سمندر کے سینے پر آگے بڑھتے چلے جاتے۔

ہم نے مے لوئن کو کشتی کے درمیانی حصہ میں بٹھا دیا۔ کشتی کے اگلے حصے کو دو آدمی، اور پچھلے حصے کو میں اور سارا تھام کر کھڑے ہو گئے۔ پھر لہریں آئیں۔ کشتی اوپر کو اٹھی اور ہم سب سمندر کی طرف دوڑتے چلے گئے۔ ایسے طریقۂ کار کو بیان کر دینا اور بات ہے۔ اور عملی طور سے گزرنا اور بات ہے۔ کشتی کو لہروں کی مخالف سمت لے کر دوڑتے وقت پتہ چلتا ہے کہ سمندر کیسا غضبناک اور طاقتور ہوتا ہے ذرا بھی قدم اکھڑ جائیں تو لہریں انسان کو تنکے کی طرح اچھال کر پھینک دیتی ہیں۔

اگر میں تنہا ہوتا تو شاید تنکے کی طرح واپس ساحل پر پہنچ جاتا۔ کیونکہ وہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ مگر خیریت ہوئی کہ کشتی کے آس پاس تین تجربہ کار بندے تھے۔ ان میں سارا قابل تحسین تھی۔ میں نے پہلی بار ایک حسین دوشیزہ کو سمندر کی قوتوں سے ٹکراتے دیکھا۔ وہ خود پھنکارتی ہوئی ایک لہر تھی۔ تارپیڈو کی طرح سمندر کے وجود میں سرنگ بناتی ہوئی گزرتی تھی۔ عورتوں کی کمزوری اور نزاکتیں اسے چھو کر بھی نہیں گزر رہی تھی۔

جب ہم کشتی کو لے کر دوڑتے گئے تو پانی پہلے ہماری پنڈلیوں تک تھا۔ پھر بڑی تیز رفتاری سے ہماری کمر تک آیا۔ پھر سینے تک آیا۔ اس وقت تک میں ثابت قدمی سے ان کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ جب پانی گردن تک پہنچا تو میرے قدم اکھڑ گئے۔ سمندر کا دماغ نہیں ہوتا۔ ورنہ میں شیلی پیتھی کے ذریعے اس کی تہہ میں اپنے قدم جما لیتا۔

خدا کو عزت رکھنی تھی میرے قدم اکھڑنے کے چند لمحے بعد ہی ساحل سے واپس آنے والی لہروں نے ہمیں سمندر کی طرف دھکیل دیا۔ سب ہی نے کشتی پر چھلانگ لگائی۔ میں نے بھی سارا کے پاس پہنچ کر چپو سنبھال لیا۔ ہمارے ہانپنے کی آوازیں ایسی تھیں جیسے سمندر کے جواب میں پھنکار رہے ہوں۔ سارا کا سینہ دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ چہرہ ایسے سرخ ہو گیا تھا جیسے لوہا آگ میں تپ رہا ہو۔

چپو چلانے کے دوران میں نے اسے دیکھا تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔ اس کے چہرے پر ایسی خوشی تھی۔ جیسے سہاگنوں کے چہروں پر ہوتی ہے۔ سہاگنیں اپنے شوہروں سے زیر ہو کر خوش ہوتی ہیں۔ وہ سمندر پر زبر ہو کر زبردست خوشیاں جیت لیتی تھی۔ میں نے سونیا کے بعد وہ دوسری عورت دیکھی، جو مخالف قوتوں کو شکست دے کر آسودگی حاصل کرتی تھی۔

تقریباً آدھ گھنٹے تک چپو چلاتے رہنے کے بعد ہم اس لانچ کے پاس پہنچے۔ اسے لانچ کہنا مناسب نہ تھا۔ وہ اپنی جسامت میں ایک چھوٹے بحری جہاز کے برابر تھی۔ یوں لگتا تھا کہ سمندر کے بیچ خشکی کا ایک بلند ٹیلا ابھر آیا ہو۔ اس کی بلندی سے رسّے کی سیڑھی لٹک رہی تھی۔ پہلے مے لوئن کو اوپر بھیجا گیا۔ پھر ہم یکے بعد دیگرے اوپر پہنچ گئے۔ ہمارے سامنے دو قدم کے فاصلے پر سمندری عقاب کھڑا ہوا تھا۔

وہ قد و قامت میں میرے برابر تھا۔ بڑھاپے میں اس کی صحت قابلِ رشک تھی۔ اگر بال سفید نہ ہوتے تو اسے کوئی بوڑھا نہ کہتا۔ وہ سارا کو بیٹا کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اس نے بیٹی کو "ہیلو مائی سن" کہہ کر اس کی پشت پر ایک دھپ جمائی تو سارا نے تیزی سے پلٹ کر باپ کے سینے پر کراٹے کا ایک ہاتھ مارا۔ وہ ذرا سا لڑکھڑایا۔ مگر جوابی حملہ کرنے میں دیر نہیں کی۔ اس نے سارا کے شانے پر باکسنگ کا ایک پنچ دیا۔ وہ جہاز کے رسّے کو پکڑ کر جھول گئی۔ مار کھا کر گرنے کے بجائے جھولتی ہوئی ایک کک مارنے لگی۔ بوڑھے عقاب نے پھرتی سے ذرا ہٹ کر خود کو بچایا پھر چیخ کر کہا۔

"اے تم بے ایمانی کر رہی ہو۔ ہمارے معاہدے میں یہ نہیں ہے کہ باپ کو لات ماری جائے۔"

سارا نے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کہا۔

"معاہدے کی ایسی کی تیسی۔ آپ نے آتے ہی لڑائی شروع کر دی مجھے سانس لینے کی مہلت تو ملنی چاہیے۔ اب میں آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔"

بوڑھے عقاب نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"نہیں بیٹے! بس اب دوستی......"

وہ ہنستی ہوئی آئی۔ پھر باپ کی گردن میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔ مے لوئن حیرانی سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ وہ کیسے باپ بیٹی ہیں ابھی لڑ رہے تھے۔ ابھی گلے مل رہے ہیں۔ بوڑھے عقاب نے ہماری

طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"یہ دونوں کون ہیں ــــ؟"

سارا ہمارا تعارف کرانے لگی۔ بوڑھے عقاب نے عقابی نظروں سے مجھے دیکھ کر مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ہاتھ بڑھایا تو وہ مصافحہ طویل ہو گیا۔ بوڑھا اپنے آہنی پنجوں کی قوت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ جواباً میرا پنجہ فولاد بن گیا تھا۔

"اوہو ہو ہو۔ ہا۔ ہا۔ ہا......" وہ مضحکہ اڑانے کے انداز میں ہنسنے لگا۔ سارا نے کہا۔

"فرید! اِٹ اِز اونلی اے جوک۔ یہ صرف مذاق ہے۔ میں نہ کہتی تھی کہ میرے پپا بہت گریٹ ہیں۔"

میں اس کے پپا کی سوچ پڑھ رہا تھا۔ وہ یقیناً ایک زندہ دل انسان تھا۔ ہر لمحہ اپنی بیٹی کو خوش رکھنا جانتا تھا۔ اس وقت بھی وہ بیٹی کو تماشہ دکھا کر خوش کرنا چاہتا تھا۔ کہ تم جسے بہت زیادہ ذہین اور پھرتیلا سمجھ رہی ہو، وہ تمہارے باپ کے سامنے کچھ نہیں ہے۔

اب میرے مصافحہ کی پختگی سے اسے یقین ہو گیا کہ میں موم کا مجسمہ نہیں ہوں۔ اس نے دوسری تدبیر کی۔ مجھے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ارادہ یہ تھا کہ جب میں اسے اپنی طرف کھینچوں گا تو وہ ڈھیل دے کر میری طرف گرنے کے طور پر آئے گا۔ پھر تیزی سے پلٹ کر مجھے پیٹھ پر لاد کر دھوبی پلٹ مارتے ہوئے اپنی بیٹی کے قدموں پر پہنچا دے گا۔

میں نے اس سے پہلے ہی خود کو ڈھیل دے کر اس کے پاس پہنچایا پھر تیزی سے پلٹ کر اسے پیٹھ پر لاد کر بڑے آرام سے سارا کے پاس فرش پر چھوڑ دیا۔ وہ چاروں شانے چت ہو کر دیدے پھیلا کر بولا۔

"ہائی!" پھر اس نے بیٹھ کر سارا سے کہا۔

"جانتی ہو بیٹے کیا ہوا؟ دراصل میں تمہاری ماں کی حسین یادوں میں کھو گیا تھا۔"

سارا نے پاؤں پٹخ کر کہا۔

"اوہ پپا! آپ مجھ سے بھی شکست کھا کر یہی کہتے ہیں۔ ممی اتنی یاد آتی ہیں تو آپ دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتے ــ؟"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر مجھے گھونسہ دکھا کر بولا۔

"اچھا بچو! اب میں دوسری شادی کرنے کے بعد تم سے مقابلہ کروں گا۔"

میں نے ہنستے ہوئے دونوں بازو پھیلائے۔ اس نے قہقہہ لگا کر مجھے گلے لگا لیا۔ پھر میری پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

"شاباش جوان! میری طرح ہنستے کھیلتے رہو۔ پتہ نہیں پیش آنے والے خطرات کب ہماری ہنسی چھین لیں۔ تب تک زندگی کے کسی قہقہے کو خالی نہ جانے دو۔ میں تمہیں خوش آمدید کہوں گا۔"

میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مجھے اتنا خوشگوار ماحول ملے گا۔ اور وہ سمندری عقاب جو بحری پولیس کے ریکارڈ میں خطرناک اور ناقابلِ گرفت سمجھا جاتا ہے، وہ اپنی بیٹی اور بیٹی کے دوستوں کے سامنے اس قدر زندہ دل ہو گا۔ ہم کیبنوں کی طرف جانے لگے۔ سارا نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"پپا! تین بج گئے۔ کیا آپ نے آفیسر کو رخصت کر دیا ہے؟"

"نہیں، وہ میرے کیبن میں وہسکی پی رہا ہے۔ ہم ابھی اس کا حصہ اسے دے کر رخصت کر دیں گے۔"

میں نے آفیسر کے متعلق پوچھا تو پتہ چلا کہ وہ کوسٹ گارڈز کا ایک آفیسر ہے۔ فارموسا کے بلیک پورٹ سے مال لے جانے کے لئے اسے دس ہزار ڈالر دینے پڑتے ہیں۔ سارا کے پپا نے ایک ملازم کو ایک کیبن کھولنے کا حکم دیا۔ پھر مے لوئن سے کہا۔

"بیٹی! یہ کیبن تمہارے لئے ہے۔ تم یہاں آرام کرو۔ بستر کے سرہانے کال بیل ہے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو، بٹن دبا دینا۔ تمہاری خدمت کے لئے ایک خادمہ حاضر ہو جائے گی۔"

مے لوئن مجھے دیکھنے لگی۔ وہ مجھے چھوڑ کر تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی دوسرے لفظوں میں وہ مجھے سارا کے ساتھ جاتے نہیں دیکھ سکتی تھی ــــ میں نے کہا۔

"میں تم سے زیادہ دور نہیں رہوں گا۔ ابھی آ جاؤں گا، جاؤ آرام کرو ــــ"

سمندری عقاب نے کہا۔

"اگر یہ تم سے دور نہیں رہ سکتی ہے تو پھر یہ ساتھ والا کیبن تمہارا ہو گا۔ کیوں بیٹی! اب تو مطمئن ہو ــ؟"

وہ شکریہ ادا کر کے اپنے کیبن میں چلی گئی۔ عقاب نے آگے بڑھتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"میں تمہیں پورے جہاز کی سیر کراؤں گا۔ یہاں تمہیں کھانے پینے اور گولہ بارود سے لے کر اسنو پاؤڈر تک ضرورت کی ہر چیز ملے گی۔ پینے کے لئے ہر قسم کی شراب ہے۔ تم کون سی پیتے ہو ــ؟"

"میں شراب نہیں پیتا۔"

"واقعی ــ؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "پھر دشمنوں سے کس طرح لڑتے ہو ــــ؟"

"شراب کی گرمی سے نہیں، لہو کی حرارت سے لڑتا ہوں۔"

"اوہو ہو ہو۔ بڑے مستقل مزاج معلوم ہوتے ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے کن انکھیوں سے اپنی بیٹی کو دیکھا۔ پھر جلدی سے میری طرف جھک کر دھیرے سے بولا۔

"یہاں ایک سے ایک طرح دار حسینائیں بھی ہیں۔"

سارا چلتے چلتے رک گئی۔ پھر غصے سے بولی۔

"پپا! میں سب سن رہی ہوں۔ آپ ایک شریف آدمی کو بہکا

رہے ہیں۔ معلوم ہے فرید نے فارموسا میں ایک جوان لڑکی کو بہن بنایا۔ اور یہ جو چینی لڑکی ساتھ آئی ہے۔ اسے عزت آبرو سے اس کے گھر پہنچا رہا ہے آپ سے کتنی بار کہا ہے کہ دوسری شادی کر لیں۔ مجھے غصہ آئے گا تو آپ کی تمام حسیناؤں کو سمندر میں پھینک دوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ اپنے کیبن میں چلی گئی۔ پاپا نے مجھے مایوسی سے دیکھ کر پوچھا۔

"کیا واقعی تم شریف یعنی واہیات قسم کے جوان ہو ۔۔۔؟"

میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"آپ یہ بتائیں۔ آپ کے یہاں رنگ رلیاں منانے سے بیٹی پر کیا اثر پڑتا ہوگا ۔۔؟"

اس نے سارا کے کیبن کے بند دروازے کو دیکھ کر کہا۔

"کیا یہ بیٹی ہے؟ آہ فرید! میری زندگی کی سب سے بڑی ٹریجڈی یہ ہے کہ میں نے اسے بیٹا بنانے کی کوشش کی۔ یہ سچ مچ بیٹا بن گئی۔ اسے عورت کا کوئی جذبہ چھو کر نہیں گزرتا۔ میں نے کئی بار اسے سمجھایا منایا کہ کسی خوبرو جوان سے شادی کر لے۔ مگر یہ غصہ سے انکار کر دیتی ہے۔"

"آخر انکار کی وجہ؟" میں نے پوچھا۔ "کیا مردوں سے نفرت کرتی ہے ۔۔؟"

"نفرت نہیں، دوستی کرتی ہے۔ کہتی ہے، میں خود مرد ہوں، کسی مرد سے شادی کرنے کا خیال مضحکہ خیز ہے۔ دراصل مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں نے اس انداز میں اس کی پرورش کی ہے کہ بچپن ہی سے اس کے اندر نسوانی حِس ختم ہو گئی۔ یقین نہ ہو تو کبھی تم اس سے شادی کی درخواست کر کے دیکھو۔"

"میں ایسی حماقت نہیں کروں گا۔"

"کیوں ۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"اس لئے کہ سارا کی طرح میرے دماغ میں بھی شادی کا خانہ خالی ہے۔ وہ پُر نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں نہیں ہو سکتا ۔۔؟"

"اس لئے کہ جو لوگ مہماتی زندگی گزارتے ہیں، وہ بیوی بچوں کی زنجیروں میں خود کو باندھ کر نہیں رکھ سکتے۔ آپ نے جب سارا کو بھی ایسا بنا ہی دیا ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔"

"میں نے چھوڑ ہی دیا ہے۔ وہ تو میں تمہاری بات کا جواب دے رہا تھا کہ میری رنگ رلیوں کا اس لڑکی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہ مجھے اور میری محبوباؤں کو نظر انداز کر دیتی ہے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ میری اماں جان ہے۔ اور اپنے بچے کی غلطیوں کو معاف کر رہی ہے۔"

میں نے ہنستے ہوئے کہا: "آپ دونوں باپ بیٹی کا جواب نہیں ہے۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اس نے ایک کیبن کے سامنے رک کر کہا۔

"یہ میرا کیبن ہے ۔۔۔ اندر آؤ۔"

وہ دروازہ کھول کر اندر گیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔ وہ کیبن خوبصورت اور آرام دہ تھا کہ وہاں پہنچتے ہی آرام سے ہاتھ پاؤں پھیلا کر بیٹھنے کو دل چاہتا تھا۔ ایک کرسی پر ایک پولیس آفیسر نیلی وردی میں نظر آیا۔ وہ وہسکی سے شغل کر رہا تھا۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر بوڑھے عقاب سے کہا۔

"اب میں اٹھنے ہی والا تھا۔ مجھے واپس جانا چاہئے۔"

"ہاں۔ آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ میں ابھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ ذرا ایک منٹ ...."

بوڑھا عقاب آہنی سیف کے پاس جا کر اسے کھولنے لگا۔ میں اس رشوت خور آفیسر کی بے چینی دیکھ رہا تھا۔ وہ سیف کی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے کبھی دولت دیکھی نہ ہو۔ میرے دل میں آیا کہ ایسے لالچی انسانوں کی سوچ بھی پڑھنی چاہئے۔ لہٰذا میں دوسرے ہی لمحہ اس کے دماغ کی بند کتاب کو کھول کر پڑھنے لگا۔

یہ ٹیلی پیتھی کا علم نہ ہوتا تو میں کہاں ہوتا؟ شاید دشمن اب تک مجھے منوں مٹی کے نیچے سُلا چکے ہوتے، اور میں دوسروں کے کام کے لئے زندہ نہ رہتا۔ میں نے اچانک ہی بوڑھے عقاب سے پوچھا۔

"کیا آپ کے سیف میں تھوڑا بہت زہر ہے؟"

بوڑھے عقاب نے پلٹ کر ہنستے ہوئے پوچھا۔

"کیا زہر کھانے کا ارادہ ہے ۔۔۔؟"

اتنے میں سارا آ گئی۔ اس نے بیٹھ کر کہا۔

"تو تمہارا یہ دوست بھری جوانی میں زہر مانگ رہا ہے۔"

میں نے کہا: "میں مانگ نہیں رہا ہوں، پوچھ رہا ہوں۔ اگر آپ نے یہاں زہر رکھا ہو تو مجھے بتائیں ۔۔؟"

بوڑھے عقاب نے کہا۔

"ابھی میرے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔ اس لئے میں اپنے کیبن میں زہر نہیں رکھتا۔"

میں نے آفیسر کو مخاطب کیا۔

"کیا آپ کے پاس زہر ہے ۔۔؟"

وہ بگڑ کر کرسی سے اٹھ گیا۔

"یہ کیا بکواس ہے۔ آپ یہ کس پاگل آدمی کو یہاں لے آئے ہیں۔ آپ مجھے فوراً رخصت کریں۔"

میں نے کہا: "آفیسر آرام سے بیٹھو۔ میں اس کیبن میں زہر کی بو محسوس کر رہا ہوں جب تک میں اس زہر کو تلاش نہیں کروں گا۔ تم اس کیبن سے نہیں جاؤ گے۔"

میری سنجیدگی اور بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر دونوں باپ بیٹی بھی چونک گئے۔ سارا نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا تم ماہر سمیات ہو کہ زہر کی بو پہچان لیتے ہو ۔۔؟"

میں نے واٹر کولر کا ڈھکنا کھولتے ہوئے کہا۔

"پہلے میں اپنا کام کر لوں۔ پھر تمہارے سوال کا جواب دوں گا۔"

میں نے کولر کے پانی کو سونگھا۔ پھر اسے بند کر کے وہسکی کی کھلی ہوئی بوتل کی طرف جانے لگا۔ اس دوران میں آفیسر کے دماغ میں بھی موجود تھا جیسے وہ گھبرا کر ریوالور نکالنے کے لئے ہولسٹر کی طرف ہاتھ لے گیا۔ میں نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لستے لئے نیچے فرش پر آیا۔ ریوالور ہولسٹر سے نکل چکا تھا۔ مگر میری گرفت میں تھا۔ میں نے اس کی نال آفیسر کی پسلی سے لگا کر کہا۔

"سارا! وہسکی کی بوتل سے ایک جام بنا کر آفیسر کو پیش کرو۔ یہ ہمیں بتلائے گا کہ زہر کا ذائقہ کیا ہوتا ہے ۔۔؟"

دونوں باپ بیٹی کی سمجھ میں بات آ گئی۔ انہوں نے حیرانی سے ہمیں دیکھا۔ میں آفیسر کے ساتھ فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر سارا آگے بڑھ کر ایک جام بنانے لگی۔ آفیسر نے گڑگڑا کر کہا۔

"نن۔ نہیں۔ میں نہیں پیوں گا۔"

"ابھی تو تم اس بوتل سے پی رہے تھے ۔۔؟"

وہ جواب نہیں دینا چاہتا تھا۔ میں نے ریوالور کی نال اس کی کنپٹی پر رکھ دی۔ سارا جام لے کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ تب اس نے کہا۔

"میں نے اپنے لئے آخری جام بنانے کے بعد بوتل میں زہر ملا دیا تھا میں اپنے سامنے سی ایگل (عقاب) کو پینے کا موقع نہ دیتا۔ جلدی رخصت ہونے کے بہانے اسے جہاز کے عرشہ تک لے جاتا۔ وہاں سے میں کشتی میں سوار ہو کر ساحل کی طرف چلا جاتا۔ اس کے بعد اب۔ اب ۔۔۔ میں کیا کہوں ...."

سارا نے کہا: "اس کے بعد پاپا یہاں آتے اور اس بوتل سے چند گھونٹ پی کر ہمیشہ کی نیند سو جاتے ۔۔۔"

عقاب نے کہا: "بیٹے! ذرا یہ جام اسے پلا کر تو دیکھو کہ تمہارا باپ ہمیشہ کی نیند کیسے سو جاتا ۔۔؟"

"نہیں!" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "مجھے معاف کر دو ایگل! آئندہ میں تمہارا وفادار بن کر رہوں گا۔"

عقاب نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو پھر وفاداری دکھاؤ۔ یہ بتاؤ کہ مجھے مارنا کیوں چاہتے تھے ......؟"

اس نے جواب دیا: "مجھے حکومت کی طرف سے انعام ملتا۔ ترقی ملتی۔ تم گرفت میں نہیں آتے تھے۔ اس لئے تمہیں اس طرح مارنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔"

اس نے بوڑھے عقاب کو قائل کر دیا، مگر اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ وہ حکومت کا وفادار نہیں ہے۔ بات کچھ اور ہے۔ میں نے کہا۔

"آفیسر! تمہاری باتوں میں صداقت نہیں ہے۔ اگر تم حکومت کے وفادار ہوتے تو ایک عرصے سے اسمگلروں کا مال نہ کھاتے۔ حکومت تمہیں سونے کا تمغہ اور مالی نہ ایک آدھ سو ڈالر کی ترقی دے گی۔ جبکہ تم ایگل سے ہزاروں ڈالر حاصل کرتے رہتے ہو۔ تم اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ سونے کا انڈا دینے والی بطخ کو یونہی ذبح کر دو ۔۔۔"

سارا اور عقاب دونوں میرے دلائل کو تسلیم کرتے ہوئے تائید میں سر ہلا رہے تھے۔ آفیسر کے ہاتھ پاؤں مارے دہشت کے کانپ رہے تھے مگر وہ کچھ کہنا نہیں چاہتا تھا۔ عقاب نے کہا۔

"تم میرے قاتل بن کر آئے ہو۔ کیا تمہیں بھیجنے والوں نے یہ نہیں بتایا کہ میں اپنے دشمنوں کو کیسی اذیتیں دے کر ان کی زبان کھلواتا ہوں دیکھو میں تین تک گنتا ہوں۔ اگر تم نے زبان نہ کھولی تو میں تمہارے جسم سے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کاٹوں گا اور تمہیں تمہارا گوشت کھلاتا جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر عقاب نے اپنے بستر کے سرہانے سے ایک لمبا چاقو نکال کر اسے کھولتے ہوئے کہا: "ایک۔ دو ...."

"بتاتا ہوں۔ ابھی بتاتا ہوں۔ مجھے پرنس موڈی نے بھیجا ہے۔ اس نے مجھے ایک لاکھ ڈالر دیئے ہیں۔ میں اتنی بڑی رقم کا کبھی خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب وہ رقم میرے ہاتھوں میں آئی تو میں یہ بھول گیا کہ پرنس موڈی کا منصوبہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن منصوبہ ایسا جامع اور مکمل تھا کہ تم مجھ پر شبہ نہیں کر سکتے تھے۔ پچھلے چار سال سے میری تمہاری دوستی ہے، سمجھوتہ ہے۔ تم مجھے اپنے کیبن میں لا کر بٹھاتے ہو اور میرے لئے بوتل کھول دیتے ہو۔ میں تمہارے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر بڑی کامیابی سے یہاں سے جا رہا تھا۔ مگر نہ جانے یہ زہر سونگھنے والا کہاں سے آ گیا۔"

دونوں باپ بیٹی مجھے احسان مندی سے دیکھنے لگے۔ میں نے اس سے کہا۔

"کام کی بات کرو۔ یہ بتاؤ ایگل کی موت سے پرنس موڈی کیا فائدہ حاصل کرے گا ۔۔؟"

عقاب نے کہا: "میں بتاتا ہوں۔ وہ مجھے مار کر سمندر پر سے میری حکمرانی ختم کرنا چاہتا ہے۔"

سارا نے کہا: "ایک بات اور ہے۔ پرنس موڈی نے مجھ سے شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ میں نے انکار کیا تو وہ زبردستی پر اتر آیا۔ مجبوراً مجھے اس کی پٹائی کرنی پڑی۔ وہ اس ذلت کا بھی انتقام لینا چاہتا ہے۔"

آفیسر نے کہا: "ہاں یہی بات ہے۔ کل رات کو یہ جہاز جب کولون کی بندرگاہ پر پہنچے گا تو ان کے منصوبے کے مطابق جہاز سے ایگل کی لاش اتاری جائے گی۔ دستور کے مطابق لاش کے لئے قبرستان سے گاڑی آئے گی۔ سارا اپنے باپ کی لاش کے ساتھ اس گاڑی میں جائے گی اور پرنس موڈی کے اڈے پر پہنچ جائے گی۔ کیونکہ اس گاڑی کا ڈرائیور اور دو مسلح جوان سب ہی

مونڈی کے اپنے آدمی ہوں گے ۔۔۔"

عقاب نے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہوں ۔ اس نے بڑی زبردست پلاننگ کی ہے ۔ تم حرام کی اولاد! تم اس پلاننگ میں اپنے حصے کا کام کر ہی چکے ہو۔ تم نے تو وہسکی میں زہر ملا دیا اور میں اسے پی کر مر چکا ہوں۔ اب میں اپنی لاش پرنس مونڈی کے پاس پہنچاؤں گا۔"

آفیسر کا چہرہ ایسے زرد پڑ گیا تھا، جیسے بدن کا تمام خون خشک ہو چکا ہو۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کی موت یقینی ہے۔ عقاب نے بستر کے سرہانے جا کر کال بیل کا بٹن دبایا۔ ذرا سی دیر میں ایک ملازم حاضر ہو گیا وہ اپنے آقا کا حکم سن کر واپس گیا۔ پھر چار مسلح جوانوں کو ساتھ لے آیا۔ عقاب نے آفیسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اسے زندہ رکھنا ہے۔ اس بات کا خاص خیال رکھو کہ یہ خودکشی کرنے کے لئے سمندر میں چھلانگ نہ لگائے۔ ہانگ کانگ میں اس کی لاش ہمارے کام آئے گی۔"

دو جوانوں نے اس کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھ دیئے۔ پھر چاروں اسے کاندھے پر اٹھا کر لے گئے۔ سارا نے وہسکی کی بوتل اور جام ملازم کو دے کر کہا۔

"یہ سب سمندر میں پھینک دو۔ اپنے مالک کا جھوٹا سمجھ کر پی نہ جانا۔ یہ زہر ہے۔"

ملازم بوتل اور جام لے کر وہاں سے چلا گیا۔ عقاب نے دوسری بوتل نکال کر اپنے لئے ایک پیگ بناتے ہوئے کہا۔

"فرید! آج تم نہ ہوتے تو میں اپنی زندگی کا یہ جام پینے کے لئے زندہ نہ رہتا۔ مجھے بتاؤ۔ کیا واقعی تم زہر کی بُو سونگھ لیتے ہو؟"

میں نے کہا۔ "میری سونگھنے کی حس بہت تیز ہے۔ میں کسی بھی چیز کو ایک بار سونگھنے کے بعد پھر کبھی نہیں بھولتا۔ وہ دوبارہ کہیں بھی چھپا کر رکھی گئی ہو۔ میں اس کی بُو پا کر اس جگہ تک پہنچ جاتا ہوں۔"

دونوں مجھے حیرانی اور بے یقینی سے دیکھنے لگے۔ سارا نے پوچھا۔

"کیا تم پھر اپنی اس صلاحیت کا مظاہرہ کر سکتے ہو؟"

"ہاں۔ تم باپ بیٹی میں سے کوئی بھی کہیں جا کر چھپ جائے۔ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

عقاب نے شدید حیرانی سے پوچھا۔

"کیا تم انسانوں کی بُو بھی سونگھ لیتے ہو۔۔؟"

میں نے لا پرواہی سے شانے اچکا کر کہا۔

"آپ آزما کر دیکھ لیں۔"

اس نے جام خالی کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا میں باہر جا رہا ہوں۔ سارا تم پندرہ منٹ کے بعد فرید کے ساتھ نکلنا۔ اس سے پہلے یہ باہر نہ آئے۔"

یہ کہہ کر اس نے بوتل اور گلاس الماری میں بند کئے۔ تاکہ کوئی زہر نہ ملا دے۔ پھر وہ باہر چلا گیا۔ میں جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا[illegible] اور دماغ کی اسکرین پر عقاب کو دیکھ رہا تھا۔ سارا نے پوچھا۔

"تم نے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تمہارے اندر یہ صلاحیت ہے؟ واقعی تم پاپا تک پہنچ جاؤ گے۔؟"

"اگر پہلے بتا دیتا تو تمہیں یقین نہ آتا۔ جیسے اب بھی نہیں آ رہا ہے۔"

اس نے تائید میں سر ہلایا۔ اس کا باپ کیبن سے ڈرائیور کو جہاز چلانے کا حکم دے رہا تھا۔ بہت سے جوان لنگر اٹھا رہے [illegible] پھر وہ اپنی گھڑی میں وقت دیکھ کر نچلے حصہ میں چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ پندرہ منٹ پورے ہوتے ہی جب میں سارا کے ساتھ کیبن سے باہر آؤں تو وہ نچلے حصہ کے دوسرے زینے سے واپس اوپر آئے گا۔ پھر اپنے [illegible] میں آ کر چھپ جائے گا۔

عقاب کے ارادے کو سمجھ لینے کے بعد میں سارا کی سوچ پڑھنے [illegible] میں اسے نہیں دیکھ رہا تھا وہ مجھے گہری نظروں سے دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

"یہ بہت گہرا ہے۔ پہلے پتہ چلا کہ یہ مسخرا ہے اور اس میں ٹھہراؤ [illegible] ہے۔ پھر اس کی ذہانت کا پتہ چلا۔ پاپا سے دو دو ہاتھ کرتے وقت اس نے لڑنے کے فن کا بھی مظاہرہ کیا۔ اب سونگھنے والی حیرت انگیز صلاحیت کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ پتہ نہیں اس کے اندر اور کیا کچھ چھپا ہوا ہے۔ یہ سمندر سے زیادہ گہرا ہے......"

عورتیں مرد کی ظاہری شخصیت سے متاثر ہو کر اس کے بارے سوچتی ہیں۔ سارا عام عورتوں سے مختلف تھی۔ وہ ایک مرد کی طرح میری صلاحیتوں سے متاثر ہو رہی تھی۔ میں نے سگریٹ کا دھواں چھوڑتے اسے دیکھا۔ اس نے لباس بدل لیا تھا۔ اب دوسری پتلون اور شرٹ تھی۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی بڑی احسان مندی سے بولی۔

"تم نے میرے پاپا کی جان بچائی ہے۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔ انعام دوں گی۔"

میں نے پوچھا۔ "کیا تم ہمیشہ پتلون پہنتی ہو؟"

"ہاں۔ سوتے وقت پاجامہ پہنتی ہوں۔ تم میری بات کیوں ٹال رہے ہو۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ کوئی انعام مانگو۔"

"میں مانگوں گا، مگر تم نہیں دے سکو گی۔"

"ایسی کیا چیز ہے۔ کیا تم مجھے چیلنج کر رہے ہو۔؟"

میں نے گھڑی دیکھ کر کہا۔

"پندرہ منٹ ہو چکے ہیں۔"

وہ میرے ساتھ کیبن سے نکلتی ہوئی بولی۔

"میرے بس میں ہو گا تو میں وہ انعام ضرور دوں گی۔ جلدی بولو مجھے الجھن ہو رہی ہے۔۔۔"

میں نے فضا میں چاروں طرف سونگھتے ہوئے کہا۔

"تمہارے پاپا جہاز کے نچلے حصہ میں ہیں آؤ......"

پھر میں نے اس کے ساتھ نچلے حصہ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "میرا انعام یہ ہے کہ میں تمہیں بلاؤز اور اسکرٹ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔۔۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔۔۔ میں عورتوں کا لباس کبھی نہیں پہنتی۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تم انعام نہیں دے سکو گی۔"

وہ غصہ سے بولی۔ "یہ بھی کوئی انعام ہے۔۔۔ تم اپنے لئے کچھ مانگو۔۔۔"

"میں اپنی نگاہوں کی آسودگی کے لئے مانگ رہا ہوں۔ مجھے کوئی عورت پتلون میں اچھی نہیں لگتی۔"

"میں عورت نہیں ہوں۔"

"تمہارے انکار کرنے سے قدرت کی صناعی میں تبدیلی نہیں آئے گی۔ یہ بحری جہاز ہے۔ اسے تم ہوائی جہاز کہو گی تو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔"

"میں اس موضوع پر بحث نہیں کرنا چاہتی۔"

میں نے بحث ختم کر دی۔ جہاز کے نچلے حصے کے زینے تک آ کر پھر میں نے بُو سونگھنے کی اداکاری کی۔ اس کے بعد کہا۔

"تمہارے پاپا اب اوپر گئے ہیں۔"

وہ میرے ساتھ اوپر آئی۔ جب میں اس کے پاپا کے کیبن کے سامنے آ کر رک گیا تو وہ ناگواری سے بولی۔

"تم نے خواہ مخواہ دوڑایا۔ اور اب پھر اسی جگہ واپس آ گئے ہو۔ بتاؤ پاپا کہاں ہیں۔۔۔؟"

"اسی کیبن میں ہیں۔"

"کیا؟" وہ دروازہ کھول کر اندر گئی۔ پھر حیرانی سے کبھی اپنے باپ کو اور کبھی مجھے دیکھنے لگی۔ عقاب نے پوچھا۔

"بیٹے! فرید نے مجھے کتنے کیبنوں میں تلاش کیا ہے؟"

"کسی کیبن میں نہیں پاپا! آپ نیچے گئے تھے۔ یہ نیچے گیا۔ آپ یہاں آئے یہ سیدھا اسی کیبن میں پہنچ گیا۔"

"کمال ہے۔" عقاب نے حیرانی سے کہا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پاس آیا اور میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

"تم بہت ہی باکمال انسان ہو۔ تم نے مجھے ایک نئی زندگی دے کر خرید لیا ہے۔ مانگو کیا مانگتے ہو۔۔؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" میں کن انکھیوں سے سارا کو دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "یہاں مانگنے سے کچھ نہیں ملتا۔"

"کیا مطلب۔۔؟" عقاب کو میری بات بری لگی۔

"مطلب یہ کہ سارا نے آپ کی نئی زندگی کی خوشی میں مجھے انعام مانگنے کے لئے کہا۔ جب میں نے مانگا تو اس نے انکار کر دیا۔"

سارا نے پاؤں پٹخ کر غصے سے کہا۔

"پاپا! یہ فرید کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ انعام کے طور پر مجھے بلاؤز اور اسکرٹ پہنانا چاہتا ہے۔"

"او ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہا۔ ہا۔ ہا......" وہ قہقہہ لگاتے ہوئے میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "یار فرید! تم واقعی کمال کے آدمی ہو۔ سارا انعام دینے کا وعدہ کر چکی ہے۔ یہ خود کو مرد کہتی ہے لہٰذا اسے ایک مرد کی طرح اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے۔"

"میں نہیں کروں گی۔"

"تمہاری مرضی۔" عقاب نے کہا۔ "مگر تم زبان ہار چکی ہو۔ ساری زندگی فرید کا یہ قرض تمہارے سر رہے گا۔"

وہ منہ پھیر کر چلی گئی۔ عقاب نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ایک دم پتھر ہے۔ ٹوٹ جائے گی مگر جھکے گی نہیں۔ ویسے تم نے اس سے انعام خوب مانگا ہے۔ اس کی ایک عادت یہ ہے کہ جس بات کو پورا نہیں کر سکتی۔ اس کے لئے الجھتی اور سوچتی رہتی ہے۔ بہرحال تم نے یہاں آتے ہی ہم باپ بیٹی کے دلوں کو جیت لیا ہے۔ اب میں تمہیں کہیں جانے نہیں دوں گا۔"

"میں یہاں بیٹا بن کر رہ سکتا ہوں۔ کیا آپ مجھے پاپا کہنے کی اجازت دیں گے۔۔؟"

اس نے خوش ہو کر مجھے دیکھا۔ پھر قہقہہ لگایا۔ پھر میرے شانوں پر دو چار زبردست ہاتھ جمائے۔ وہ اسی طرح اپنی مسرتوں کا اظہار کرتا تھا۔ آخر اس نے مجھے گلے لگا کر کہا۔

"یہ میری خوش نصیبی ہے کہ بڑھاپے میں ایک جوان بیٹا مل گیا ہے آؤ اسی خوشی میں ایک جام ہو جائے......... اوہ مگر تم تو پیتے ہی نہیں۔ کیا تم سچ مچ نہیں پیتے۔؟"

میں انکار میں سر ہلاتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لئے ایک پیگ بناتے ہوئے کہا۔

"میری بھی کیا تقدیر ہے! ایک بیٹی ہے، وہ عورتوں جیسا کام نہیں کرتی۔ اب ایک بیٹا ملا ہے وہ مردوں جیسا کام نہیں کرتا۔ نہ شراب نہ شباب، یہ بھی کوئی بات ہے۔"

میں ہنسنے لگا۔ وہ دو گھونٹ پینے کے بعد بولا۔

"یہ تم نے کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ لو یہ چابیاں، میری الماری کھول کر میرے کپڑے اور جوتے پہن کر دیکھو۔ ہانگ کانگ پہنچ کر تمہیں ضرورت کی ہر چیز مل جائے گی۔"

میں الماری کھول کر اپنی پسند کے مطابق کپڑے اور جوتے پہن کر دیکھنے لگا۔ کپڑے میرے بدن پر ٹھیک آ رہے تھے۔ جوتے کچھ ڈھیلے تھے موزے پہن کر جوتوں میں کپڑے کا چھوٹا سا ٹکڑا ٹھونسنے کے بعد وہ پہننے

کے قابل ہو جاتے تھے۔ اس دوران وہ کہہ رہا تھا۔

"پرنس مُوڈی میری لاش کے ساتھ میری بیٹی کو اغوا کرنا چاہتا تھا۔ اب میں اپنی جگہ اس آفیسر کی لاش بھیجوں گا۔"

میں نے پوچھا: "اس لاش کو کس طرح مُوڈی کے پاس بھیجا جائے گا۔؟"

"وہاں ہمارے پاس گاڑیاں ہیں میرے آدمی کسی گاڑی میں اسے ڈال کر پرنس کے بنگلے تک پہنچا دیں گے۔"

میں نے کہا "پپا! صرف ایک لاش بھیج دینے سے پرنس کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ وہ آپ کی جان لینا چاہتا ہے۔ اسے بھی جانی اور مالی نقصان پہنچانا چاہئے۔"

"بیٹے! میں ہانگ کانگ میں ایک معزز دولت مند سمجھا جاتا ہوں وہاں ہنگامے نہیں کرنا چاہتا۔"

"آپ تو ان کی نظروں میں مردہ ہوں گے۔ ہنگامے تو ہم ..... کریں گے۔"

"کیسے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"آپ پرنس مُوڈی کی یہ خواہش پوری کریں۔ لاش کے ساتھ سارا کو بھی جانے دیں۔ وہ سمجھیں گے کہ سارا اپنے باپ کی لاش لے کر جا رہی ہے وہ اسے اغوا کریں گے۔ ہم ان کا پیچھا کریں گے۔ اور دیکھیں گے کہ وہ سارا کو کہاں لے جاتے ہیں۔"

اس نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

"یہ احمقانہ مشورہ ہے۔ اگر وہ ڈاج دے کر نکل جائیں گے تو ہم سارا کو بھی ڈھونڈتے ہی رہ جائیں گے۔ پتہ ہی نہیں چلے گا کہ میری بیٹی کو کس راستے سے کہاں لے جایا گیا ہے۔"

"سارا گم نہیں ہو سکے گی۔ میں اس کی بُو سونگھتے ہوئے دشمنوں تک پہنچ جاؤں گا۔"

"اوہ؟" وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا "میں تو بھول ہی گیا تھا۔ کہ تم کسی کو بھی سونگھتے ہوئے کہیں بھی پہنچ سکتے ہو۔"

"تو پھر آپ میری اس تدبیر پہ عمل کریں گے۔"

"میں سوچ کر جواب دوں گا۔ سارا کو چارے کے طور پہ آگے بڑھانے سے پہلے دشمنوں کی طاقت پہ غور کرنا ہو گا، کہ ہم انہیں کس طرح کمزور بنا سکتے ہیں۔"

میں تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد اس سے رخصت ہو کر اپنے کیبن کی طرف جانے لگا۔ جہاز کے عرشے پہ صبح کی دھندلی سی روشنی پھیل رہی تھی۔ دُور سمندر کے اس پار سورج کے طلوع ہونے کا منظر بڑا ہی خوبصورت تھا۔ میں اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے لئے جہاز کی ریلنگ کے پاس آیا تو وہاں مے یُون کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ اور وہ کس سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ یہ میں اچھی طرح جانتا تھا۔

میں ٹھٹھک کر سوچنے لگا کہ کیا کروں؟ اس کی دیوانگی کا کیا کروں؟ اس کی آنکھوں سے تو نیند اڑ چکی تھی۔ میں نے ایک بار خیال خوانی کے ذریعے اسے مثبت انداز میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ سنبھل گئی تھی مگر پھر بہکنے لگی۔ میں اسے کب تک سنبھالتا رہتا۔ بارہ گھنٹے کے بعد ہانگ کانگ پہنچا دیتا۔ اسے چھوڑ کر چلا آتا۔ تب بھی وہ میرے بارے میں سوچ کر گھلتی رہتی۔

وہ سورج اور سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ مگر تصور میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ وہ چینی گڑیا بے حد حسین تھی۔ اسے دیکھ کر کئی بار میری توبہ ٹوٹ چکی تھی۔ اس کے باوجود میں حتی الامکان اس کی معصومیت کو برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ میں دبے قدموں واپس مڑ کر کیبن کی طرف جانے لگا۔

واپس جاتے وقت دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ ایک تڑپ سی ہو رہی تھی۔ میں حماقت کر رہا ہوں۔ ایسی حسین دوشیزہ جو میرے لئے بے قرار ہو، اس سے منہ پھیر کر فرشتہ بننا نادانی ہے۔ گزرا ہوا وقت اور بہتی ہوئی جوانی واپس نہیں آتی۔

میں تیزی سے آگے بڑھا۔ اور سارا کے کیبن کے سامنے ٹھہر گیا۔ میں نے دروازے پہ دستک دیتے ہوئے اپنا نام بتایا۔ میں بند دروازے کے آر پار دماغ کی ایکسرے مشین سے دیکھ سکتا تھا وہ سونے کا پاجامہ پہن رہی تھی۔ اس کے بعد وہ بشرٹ پہن کر اس کے بٹن لگانے لگی۔ پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے کہا۔

"میں تمہاری نیند خراب کرنے آ گیا ہوں۔"

وہ مسکرا کر بولی "کوئی بات نہیں۔ اگر تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے تو چلو صبح کا منظر دیکھیں۔"

"میں صبح کا منظر دیکھنے نہیں، سونے کے لئے آیا ہوں۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے بولی "کیا تم یہاں سونے آئے ہو؟"

"یہاں نہیں، اپنے کیبن میں سونا چاہتا ہوں۔ مگر سونے سے پہلے ..... میرا مطلب ہے کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔"

"میری ضرورت؟ تم۔ تم ہوش میں تو ہو؟"

"میں ہوش میں ہوں۔ اگر تم میری مدد نہیں کرو گی تو میں سو نہیں سکوں گا۔"

سارا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم پریشان نظر آ رہے ہو۔ اسی لئے الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو۔ اندر آؤ اور اطمینان سے بیٹھ کر بتاؤ، کیا چاہتے ہو۔؟"

میں اندر آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا میں تمہارے سر پہ ٹھنڈا پانی ڈالوں؟"

میں نے انکار میں سر ہلا کر کہا۔

"نہیں۔ مگر مجھے ٹھنڈک کی ضرورت ہے۔ مے یُون میری کھوپڑی گرم کر رہی ہے۔"

"اوہ۔ معاملہ کچھ گمبھیر ہے۔"

"ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی معصومیت برقرار رہے۔ مگر وہ مجھ پر بری طرح مرمٹی ہے۔ میرے لئے ابھی تک جاگ رہی ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ وہ کتنی حسین ہے۔ میں بار بار بہکنے پر آمادہ ہو جاتا ہوں۔ تم مجھے بہکنے سے بچا سکتی ہو۔"

"بچانا کیا ہے۔ تم اپنے کیبن کا دروازہ اندر سے بند کر کے سو جاؤ۔ وہ دستک دے تو آواز نہ دینا۔"

"سارا یہ بات تو میرے دماغ میں بھی آ سکتی ہے۔ مگر میں کیبن کے اندر بند ہو کر بھی سو نہیں سکوں گا۔ کیونکہ میرے اندر وہ بھڑک رہی ہے وہ۔ یعنی کہ آگ .... جب تک تم میرے اور مے یُون کے درمیان دیوار نہیں ہو گی۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم بہکنا نہیں چاہتے۔ بتاؤ میں کس طرح دیوار بن سکتی ہوں۔؟" سارا نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے کہا "تم میرے ساتھ میرے کیبن میں چلو اور میرے ساتھ سو جاؤ۔"

وہ اچانک پینترا بدل کر حملہ کرنے کے انداز میں بولی۔

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔ زیادہ فری ہونے کی کوشش نہ کرو۔"

"ناراض کیوں ہوتی ہو۔ دیکھو تم بھی مرد ہو۔ میں بھی مرد ہوں۔ دونوں ساتھ سوئیں گے تو کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میں یہ سوچ کر سو جاؤں گا کہ تم دیوار بنی ہوئی ہو۔ مے یُون کے پاس جانے نہیں دو گی۔"

"بکواس کر چکے؟ اب جاؤ یہاں سے ......"

"یعنی تم مجبور کر رہی ہو کہ میں اس کے پاس جاؤں۔"

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ بھی ہو، وہ ایک عورت تھی۔ کتنے دبیز خول کے اندر چھپی ہوئی تھی کہ خود اسے اپنے عورت پن کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ میں نے اسے اپنے کیبن میں دیوار بننے کے لئے کہا تو اس کی سوچ کی گہرائیوں میں ایک چنگاری اُڑی۔ مگر جلد ہی راکھ تلے دب گئی۔

پھر اس کے دماغ نے کہا کہ فرید کو مے یُون کے پاس نہیں جانا چاہئے۔

کیوں نہیں جانا چاہئے؟

اس سوال نے اسے پھر ذرا سا الجھا دیا۔ وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھی کہ اس میں عورتوں والا حسد کا جذبہ ہے۔ اس نے سوچ کے پہلو کو بدل کر کہا۔ مے یُون ایک نادان لڑکی ہے۔ اسے اپنی معصومیت اور پاکیزگی کے ساتھ گھر لوٹنا چاہئے۔

میں چپ چاپ اس کے الجھے ہوئے خیالات پڑھ رہا تھا۔ وہ اس طرح الجھ گئی تھی کہ میری موجودگی کو بھول گئی۔ میں اٹھ کر جانے لگا تو وہ چونک کر بولی۔ "کہاں جا رہے ہو۔؟"

"جہاں مجھے جانا چاہئے۔" میں نے ایک سرد آہ بھر کر گول مول سا جواب دیا۔

"ٹھہرو۔" وہ دروازے پر راستہ روک کر کھڑی ہو گئی "تم میرے کیبن کو اندر سے بند کر کے سو جاؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازے کو بند کر دیا۔ وہ اس ارادے سے چلی گئی کہ مے یُون کو بہلا پھسلا کر سلا دے گی۔ پھر میرے کیبن میں جا کر سو جائے گی۔ اگر مے یُون وہاں جائے گی تو میری جگہ سارا کو دیکھ کر مایوس ہو جائے گی......

میں دروازے کو اندر سے بند کر کے سارا کے بستر پہ لیٹ گیا۔ اس وقت پانچ بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے۔ میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا وہ آدھ گھنٹہ پہلے بخاریسٹ پہنچ گئی تھی۔ وہ ایک شاندار کوٹھی کے پورٹیکو میں کار سے اتر رہی تھی۔ اس کے سامنے دو ملازم باادب کھڑے ہوئے تھے۔ پھر وہ قافلے کے لیڈر کی رہنمائی میں کوٹھی کے اندر جانے لگی۔

کوٹھی کا اندرونی سامان تعیش اور ان کی آرائش قابلِ دید تھی۔ وہ کسی ملکہ کی آرام گاہ معلوم ہوتی تھی۔ سونیا بھی اس وقت بے تاج کی ملکہ تھی۔ چمپیزی، شیلا اور میرلن کے لئے بھی وہاں الگ الگ کمرے مخصوص کئے گئے تھے۔ سونیا کی ایئر کنڈیشنڈ خوابگاہ کے دروازوں اور کھڑکیوں پر ریشمی پردے لہرا رہے تھے۔ چاروں طرف بھینی بھینی سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور ہلکے سروں میں موسیقی سنائی دے رہی تھی۔ لیڈر نے پوچھا۔

"آپ چائے پینا پسند کریں گی یا کافی؟"

میں نے سونیا سے کہا "پہلے اس کوٹھی کے تمام ملازمین کو بلاؤ اور خوابگاہ کو اچھی طرح چیک کرو۔"

اس نے میری ہدایت پہ عمل کیا۔ لیڈر تمام ملازمین کو بلانے چلا گیا۔ سونیا بستر کے نیچے، بستر کے سرہانے اور پائنتی، الماریوں کے اوپر نیچے آئینے اور تصویروں کے پیچھے، غرضیکہ خوابگاہ کے گوشہ گوشہ کو کھنگال رہی تھی۔ تمام ملازم ایک قطار میں آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ ہر ایک سے ان کا نام اور کام پوچھنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں ہر ایک کے ذہن کو ٹٹولتا گیا۔ پھر میں نے سونیا سے کہا۔

"میری جان! یہ سب لوگ قابلِ اعتماد ہیں۔ یہاں تمہارے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ موج کرو۔"

سونیا نے لیڈر کو یہ کہہ کر رخصت کر دیا کہ ابھی اس کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ سونا چاہتی ہے۔ لیڈر کے جانے کے بعد اس نے دروازے کو بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "فرہاد! کیا کر رہے ہو؟"

"کنوارا سو رہا ہوں ـــــ"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے، کہ آج کل تم اتنی شرافت سے زندگی

گزار رہے ہو۔ اس وقت کہاں ہو ؟ "

میں اسے تمام رُوداد سنانے لگا۔ مے یُون کے حالات سُن کر سونیا نے کہا: "فرہاد! تم کتنے بدل گئے ہو۔ مے یُون جیسی حسین اور نوجوان لڑکی کو عزت آبرو سے اس کے گھر پہنچانا چاہتے ہو۔ مجھے یہ سن کر کتنی خوشی ہو رہی ہے، میں بیان نہیں کر سکتی۔ کاش کہ دنیا کے تمام مرد تمہارے جیسے ہو جاتے۔"

"ہاں میرے جیسے ہو جاتے۔ تمام لڑکیوں کو ان کے گھر پہنچا کر اپنے گھر مجرّد بیٹھے رہتے۔ نہ کہیں آنکھ لڑتی، نہ شادی ہوتی، نہ بچے پیدا ہوتے دنیا آہستہ آہستہ ویران ہو جاتی ......"

وہ چڑ کر بولی "تم پھر بہک رہے ہو۔ اپنا فلسفہ بیان کر کے ثابت کرنا چاہتے ہو کہ کسی لڑکی سے آنکھ لڑانا ضروری ہے۔ آخر ہو نا مرد ؟ اپنی اصلیت دکھا ہی دیتے ہو۔ ٹھہرو۔ ذرا ریڈیو پاور کے مالک سے میری بات ہو جائے۔ میں اس سے کہوں گی کہ مجھے فوراً ہی فارموسا پہنچایا جائے۔ وہاں میں تمہاری بُو سونگھ کر کل شام تک تمہارے پاس پہنچ جاؤں گی۔"

میں مسکرانے لگا۔ کیوں کہ میں نے ابھی تک اسے فارموسا تک کی داستان سنائی تھی اور مے یُون کا تفصیلی ذکر کر رہا تھا۔ اس دوران سونیا بیچ میں بول پڑی۔ اور فارموسا پہنچنے کی دھمکی دینے لگی۔ میں محتاط ہو گیا۔ کہ مجھے داستان کا باقی حصہ بدل دینا چاہئے اس نے کہا۔

"چپ کیوں ہو ؟ آگے کہو۔ اب فارموسا میں کیا کر رہے ہو ؟"

"آگے کیا خاک کہوں۔ تم پوری بات سننے سے پہلے بیچ میں بول پڑتی ہو۔ جس معصوم لڑکی کو میں عزت آبرو سے ہانگ کانگ پہنچانا چاہتا تھا وہ مر چکی ہے۔"

" ایسے کیسے ___ ؟"

میں نے فرضی داستان شروع کی۔

"ڈائمنڈ اچانک ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اسے ذہنی جھٹکے پہنچاتا۔ اس نے گولی چلا دی۔ مے یُون مجھے بچانے کے لئے سامنے آگئی۔ میں اس کی محبت اور قربانی کو یاد کرتا ہوں تو میری آنکھیں بھیگ جاتی ہیں......"

میں نے اپنی سوچ میں ایسی لرزش پیدا کی جیسے میری آنکھوں میں آنسو آرہے ہوں۔ سونیا نے متاثر ہو کر کہا۔

"فرہاد! تم مرد ہو۔ تمہیں صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ مے یُون نے تمہارے لئے قربانی دے کر مجھ پر بھی احسان کیا ہے۔ آگے بتاؤ کیا ہوا؟"

"میں نے ڈائمنڈ کو تڑپا تڑپا کر مار ڈالا۔ گولی چلنے کی آواز سن کر اچانک ہی بہت سے مسلح اجنبی وہاں پہنچ گئے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ اسمگلر ہیں ان اسمگلروں نے دن کے وقت ریسٹورنٹ میں میری دلیری دیکھی تھی۔ کہ میں نے ڈائمنڈ کی کیسی پٹائی کی تھی۔ وہ لوگ مجھ سے متاثر تھے۔ اس لئے اپنے ساتھ جہاز میں لے آئے......"

میں نے داستان میں سارا کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے اتنی عقل ...

اب ایک عورت کے سامنے دوسری عورت کا ذکر نہیں کرنا چاہئے ...

داستان میں نے وہی سنائی کہ کس طرح میں نے آفیسر کو اس ...

جب وہ جہاز کے مالک کو زہر سے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح ...

مالک میرا دوست بن گیا ہے اور میں اس کے ساتھ آسٹریلیا جا رہا ...

میں نے فرضی داستان میں مے یُون کو اس لئے مار ڈالا کہ ...

کا وجود رہو گا۔ نہ سونیا یہ سوچے گی کہ میں اسے پہنچانے کے لئے ...

جاؤں گا۔ اس نے پوچھا۔ "تمہارا جہاز آسٹریلیا کب پہنچے گا؟"

"میں نے پوچھا نہیں ہے میرے اندازے کے مطابق ...

سمجھی سفر ہے۔"

"تم جہاز کے کپتان سے پوچھ کر بتاؤ۔ میں اسی دن ...

پہنچوں گی۔"

"پوچھنے کی جلدی کیا ہے۔ میں ابھی سونے جا رہا ہوں۔ بعد میں ...

صحیح وقت بتا دوں گا۔"

سونیا نے کہا "اچھی بات ہے تم تھکے ہوئے ہو۔ اب سو جاؤ ...

اس وقت یہاں ڈھائی بج رہے ہیں۔ میں کل صبح دس بجے ماسکو ...

کے سنائندوں سے بات چیت کروں گی۔"

میں نے کہا "یہاں کے وقت کے مطابق تم دوپہر کو ...

سے ملاقات کرو گی۔ میں اس وقت تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا ...

اوکے بائی......"

میں نے اس سے رخصت ہو کر اطمینان کی سانس لی۔ سونیا ...

بیوی نہیں تھی۔ مگر یہ تجربہ ہو رہا تھا کہ شوہر حضرات کس طرح اپنی بیوی ...

سے جھوٹ بولتے ہوں گے۔ جھوٹ بولنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ...

کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ بلکہ مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ بیوی کی ...

اور بیوی کا ڈر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لئے شوہر بات چھپاتے ...

میری بھی کیا مصروفیات ہیں۔ سونے کے وقت سو نہیں ...

ابھی ناموڈا سے رابطہ قائم کرنا باقی تھا۔ میں نے گھڑی دیکھ کر سوچا کہ ...

اور منزا ابھی سو رہے ہوں گے۔ چائے پی کر تھوڑا وقت گزار لوں۔ ...

اسے کال کروں گا۔ میں نے کال بیل کا بٹن دبایا۔ پھر کیبن کا دروازہ ...

دیا۔ ملازم حاضر ہوا تو اسے چائے لانے کے لئے کہا۔ پھر ایک سگریٹ ...

کر سلگانے لگا۔

سگریٹ کا پہلا کش لیتے ہی خیال آیا کہ میں سارا کے کیبن ...

آرام کر رہا ہوں۔ میں اس کیبن کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ وہاں آئینہ ...

تھی۔ مگر اسنو پاؤڈر نہیں تھا۔ کیونکہ وہ میک اپ نہیں کرتی تھی ...

پر سرخی نہیں لگاتی تھی۔ وہ کمرہ سو فیصد ایک مرد کا کمرہ نظر آ رہا تھا۔

ملازم چائے رکھ کر چلا گیا۔ میں نے کیبن کے دروازے کو اندر ...

بند کیا۔ پھر وہاں سے واپس آ کر چائے کی پیالی اٹھائی۔ پہلا گھونٹ ...

دوسرے ہی لمحے میں نے ناموڈا کے دماغ تک اپنی سوچ کی لہروں کو منتشر کیا۔ ...

ہی بیگم مجھے ایک زور کا دھکا لگا۔ آدھی چائے حلق میں اور آدھی منہ کے باہر گئی۔ میں زور زور سے کھانسنے لگا۔

ایسا اس لئے ہوا کہ میرے ذہن کو اچانک جھٹکا لگا تھا۔ کیونکہ ناموڈا سے رابطہ قائم نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے منزا کے دماغ پر دستک دی۔ پھر ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ منزا اور ناموڈا دونوں کے دماغ غائب تھے۔ میں بے اختیار انکار میں سر ہلانے لگا۔ نہیں، نہیں، وہ نہیں مر سکتے۔ وہ دونوں اچھے صحت مند تھے۔ ابھی تین دن پہلے ان کی شادی ہوئی تھی ابھی تو وہ ازدواجی مسرتوں کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ موت نے اپنی بھیانک شکل کیسے دکھا دی ؟

میں اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگا۔ دماغ نے سمجھایا کہ ضد کرنے سے اور اضطراب میں مبتلا ہونے سے سمجھ میں آنے والی آسان سی بات بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ مجھے سکون سے بیٹھ کر سوچنا چاہئے۔ میں نے دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر اس کا ایک کش لگا کر منزا کی ماں کے دماغ میں جھانکنے لگا۔ میں اس کی اجنبی زبان اور اجنبی سوچ نہیں پڑھ سکتا تھا مگر اس کی حرکتوں سے کچھ نہ کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ وہ بوڑھی روٹی کھا رہی تھی۔ اور مسکراتی ہوئی کسی عورت سے باتیں کر رہی تھی۔

اس طرح پتہ چل گیا کہ اسے اپنی بیٹی اور داماد کی موت کا علم نہیں ہے۔ اسی لئے وہ مسکرا رہی ہے۔ دوسری بات یہ کہ منزا اور ناموڈا پچھلی رات اپنی بوڑھی ماں کے پاس گزارنے والے تھے۔ اگر وہ رات گزارتے تو صبح وہاں موجود ہوتے۔ اس طرح یہ بات سمجھ میں آئی کہ ان دونوں نے کہیں دوسری جگہ رات گزاری ہے۔ یا پھر رات گزارنے سے پہلے ہی زندگی سے بچھڑ گئے۔

ساحل کے ایک ہٹ میں ایک بوڑھا السر کی تکلیف میں مبتلا تھا۔ میں نے خیال خوانی کے ذریعے اس کی تکلیف میں کمی کی اور اسے آرام سے سلا دیا پھر منزا اور ناموڈا اس کی کار لے کر شہر گئے۔ تاکہ وہ کار بوڑھے کے ڈاکٹر بیٹے کے حوالے کر دیں۔ لہٰذا اب یہ معلوم کرنا تھا کہ وہ دونوں بوڑھے کے ڈاکٹر بیٹے تک پہنچ سکے تھے یا نہیں ___ ؟

میں نے اس بوڑھے بیمار کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ہٹ کے برآمدے میں ایک کرسی پر بیٹھا سمندر کا نظارہ کر رہا تھا۔ ہٹ کے سامنے اس کی وہی کار کھڑی ہوئی تھی، جسے ناموڈا شہر لے گیا تھا۔ تاکہ اس بوڑھے کا بیٹا اس کار میں بیٹھ کر اپنے باپ کا علاج کرنے آئے۔ کار کی موجودگی سے ثابت ہو رہا تھا کہ بیٹا آ گیا ہے۔

منزا اور ناموڈا کی اچانک موت ایک معمّہ بن گئی تھی۔ اب ایک ہی ہستی رہ گئی تھی۔ جس سے میں کچھ معلوم کر سکتا تھا۔ اور وہ بیمار بوڑھے کا ڈاکٹر بیٹا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے باپ کے پاس آئے۔ اس سے باتیں کرے تاکہ میں اس کے دماغ تک پہنچ سکوں۔ میں نے بوڑھے کی سوچ میں بیٹے کو پکارا۔ بوڑھے نے بے اختیار آواز دی ___ "بیٹا ___!"

جواب میں بیٹا نہیں آیا۔ اس کی بوڑھی بیوی نے آ کر کہا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو ؟ جب بیٹا اپنی بیوی کی سالگرہ چھوڑ کر آپ کا علاج کرنے نہیں آ سکتا ہے تو آپ اسے یاد کیوں کرتے ہیں؟"

بوڑھی عورت کی باتیں سن کر میں چونک گیا۔ ان کا ڈاکٹر بیٹا وہاں نہیں آیا تھا۔ پھر وہ کار شہر سے کون واپس لایا ہے ؟ اس وقت بوڑھا سر جھکا کر اداسی سے سوچ رہا تھا۔

"اولاد بچپن میں ہماری ہوتی ہے۔ جوانی میں اپنی بیوی کی ہو جاتی ہے۔ اپنوں سے بیگانے اچھے ہوتے ہیں۔ وہ سولہ نمبر ہٹ کا کرایہ دار.... کیا نام ہے اس کا ؟ ہاں ناموڈا...... وہ میری کار لے کر اپنی بیوی کے ساتھ شہر گیا تھا۔ اس نے میرے ڈاکٹر بیٹے سے کہا، کہ تمہارے باپ کی طبیعت پھر خراب ہو گئی ہے۔ اس نے دوائیں نکال کر ناموڈا کو دے دیں اور کہہ دیا کہ سالگرہ کی پارٹی میں اس کی بیوی کے معزز مہمان آئے ہیں، انہیں چھوڑ کر آنا ایٹی کیٹ کے خلاف ہے۔"

یہ سوچتے ہوئے بوڑھے نے ایک آہ کے ساتھ دل میں درد محسوس کیا۔ پھر بڑبڑانے لگا۔

"وہ ناموڈا کی بیوی کل رات اپنی ماں کے پاس رہنا چاہتی تھی مگر جب اس نے دیکھا کہ مجھ بوڑھے کے پاس دوائیں پہنچنی ضروری ہیں، تو وہ کل رات ہی کر میری خاطر شہر سے واپس آ گئی۔ خدا اسے سہاگ کی خوشیاں ہمیشہ دیتا رہے۔ ابھی میں سولہ نمبر ہٹ میں جا کر ناموڈا اور اس کی بیوی کا شکریہ ادا کروں گا۔"

بوڑھے کی بڑبڑاہٹ سنتے ہی میرے دماغ میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ یہ پتہ چل گیا کہ ناموڈا اور منزا کی موت سولہ نمبر ہٹ میں واقع ہوئی ہے اور پچھلی رات ڈائمنڈ مجھے اسی ہٹ میں قتل کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ میں نے سختی سے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔ یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی کہ سولہ نمبر ہٹ میں ان دونوں پر کیا گزری ہے ؟

میں نے ڈائمنڈ کے دماغ میں چھلانگ لگائی۔ وہ ساحل پر مجھے اور مے یُون کو تلاش کر رہا تھا۔ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑا دور تک دیکھ رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا ___ کیا مے یُون اس نوجوان کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہے۔ میرے چہرے کے زخم بڑے تکلیف دہ ہیں۔ میں انہیں تلاش کرنے کہیں دور نہیں جا سکتا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"مجھے سولہ نمبر ہٹ میں پھر ایک بار جا کر دیکھنا چاہئے۔ شاید وہ دونوں آ گئے ہوں۔"

اس کی سوچ نے انکار کیا۔

"نہیں! میں نے ایک میاں بیوی کو قتل کر دیا ہے وہاں ان کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں مجھے وہاں نہیں جانا چاہئے۔"

میں غصے میں کانپتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ منزا اور ناموڈا کا قاتل میرے سامنے دماغ کی اسکرین پر موجود تھا۔ میں نے غصّہ سے اس کی سوچ میں چیخ کر کہا۔

"میں نے انہیں کیوں قتل کیا۔؟"

میرے چیخنے سے اس کے دماغ میں جھنجھناہٹ سی ہوئی۔ وہ بوکھلا کر بولا۔

"ہاں۔ آں۔ میں نے قتل کیوں کیا۔ وہ دونوں میاں بیوی بستر پر تھے۔ اندھیرے میں میں نے سمجھا کہ وہی میرا دشمن ہے اور اس کے ساتھ سے یوں لیٹی ہوئی ہے۔ جب میں نے اس مرد کو قتل کر دیا تو عورت کے چیخنے سے مجھے اپنی غلطی کا پتہ چل گیا۔ میں نے اس عورت کو خاموش کرنے کے لئے مجبوراً اسے بھی قتل کر دیا۔"

میں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"شیطان کی اولاد! میں تجھے تڑپا تڑپا کر ماروں گا۔ دیکھ آخری بار اس دنیا کو دیکھ۔ تیری موت تیرے قریب آ چکی ہے۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگا۔

"یہ۔ یہ میرے دماغ میں کون بول رہا ہے؟ کون مجھے چیلنج کر رہا ہے۔؟"

میں نے اس کی سوچ میں چیخ چیخ کر کہا۔

"لوگو! سنو۔ سنو۔ میں قاتل ہوں۔ میں نے سولہ نمبر ہٹ میں ایک نوجوان جوڑے کو قتل کر دیا ہے۔ ہا ہا ہا ہا۔ میں قاتل ہوں۔ میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔"

وہ میری سوچ کے مطابق چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ اب اسے وہی کرنا تھا، جو میرا دماغ اس سے کہہ رہا تھا۔ میں نے اسے سولہ نمبر ہٹ کی طرف دوڑایا۔ وہ دوڑتے ہوئے چیخنے لگا۔

"لوگو! آؤ میرے پیچھے آؤ۔ میں سولہ نمبر ہٹ میں تمہیں وہ لاشیں دکھاؤں گا۔ میں ثابت کروں گا کہ میں قاتل ہوں۔"

کچھ منچلے نوجوان اس کے پیچھے گئے۔ سولہ نمبر کے آس پاس بھی جو لوگ تھے، انہوں نے بھی اندر جا کر ان لاشوں کو دیکھا۔ میرا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو علم ہو جائے اور منزا اور ناموداکے لئے آخری رسومات ادا کر دی جائیں۔ لاشیں دیکھتے ہی ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ عورتیں چیخنے لگیں دوسرے تمام لوگ اس ہٹ کی طرف دوڑتے ہوئے آنے لگے۔ وہاں ایک بہت بڑا مجمع لگ گیا تھا۔ اس بھیڑ میں قانون کے محافظ بھی تھے۔

ڈائمنڈ اس ہٹ کے سامنے ذرا دُور پینترے بدل رہا تھا "ہا ہا کوئی مجھے گرفتار نہیں کر سکتا۔ جو میرے سامنے آئے گا۔ میں اسے قتل کر دوں گا۔"

پولیس انسپکٹر نے کہا "اسے گرفتار کر لو۔ یہاں سے بھاگنے نہ پائے۔"

سپاہی اسے گھیرنے لگے۔ ڈائمنڈ کی کھوپڑی میں اس وقت میرا دماغ تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ گرفتار ہو۔ اس لئے اس نے دو سپاہیوں کی پٹائی کی۔ باقی پیچھے ہٹ گئے۔ پھر تو سب ہی لکڑی، ڈنڈے ہاکی اور لاٹھیاں لے کر نکل پڑے۔ میں نے اس کے دماغ کو آزاد کر دیا۔ تاکہ وہ مار کھانے کی اذیتیں سہتا رہے۔ اس کا دماغ آزاد ہوا تو اس نے سر جھٹک کر اپنے آس پاس حیرانی سے دیکھا۔ پھر سوچنے لگا۔

"یہ۔ یہ سب کیا ہے؟ یہ لوگ مجھے اس طرح کیوں گھیر ... ہیں۔؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "اوہ میں سمجھ گیا۔ میں ... کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ اور یہ راز کھل گیا ہے کہ میں قاتل ہوں ..."

وہ چاروں طرف سے گھیرنے والوں کو دیکھتے ہوئے سوچ ...

"ہاں ابھی کچھ خواب کی سی کیفیت تھی، یا جنون تھا۔ میں ... تھا اور چیخ رہا تھا۔ بہر حال جو کچھ بھی ہو۔ یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ مجھے بھاگنا چاہئے۔"

وہ ایک طرف سے بچ کر بھاگنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے ... ایک لاٹھی پڑی۔ وہ چیختا ہوا لڑکھڑایا تو پیچھے سے بھی حملہ ہوا ... دائیں طرف بھاگنے لگا۔ پھر بائیں طرف مڑ گیا۔ فرار کا راستہ کہیں ... تھا۔ ہر طرف سے ایسے ڈنڈے پڑ رہے تھے کہ خدا یاد آ رہا تھا ... وہ مار کھاتے کھاتے نڈھال ہو گیا۔ اور برداشت کی قوت نہ رہی ... نے سوچ کے ذریعے اور سنبھالا۔ سمندر کی طرف بھاگنے کے لئے کہا ... بھی روکنے والے موجود تھے۔ لیکن وہ مار کھاتا ہوا ان کے درمیان ... نکلتا چلا گیا۔

لوگ اب دُور دُور تک پھیل گئے۔ اسے سمندر کی طرف جانے ... کے لئے چھوڑ دیا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ واپس آئے گا یا پھر لہریں ... ساحل پر پہنچا دیں گی۔ اس وقت لہریں ساحل سے واپس ہو ... رہی تھیں۔ وہ میری ہدایت کے مطابق دونوں ہاتھوں سے گڑھا کھود ... ریتیلی زمین کو کھودنے میں دقت ہی کیا لگتی ہے۔ ڈیڑھ بالشت گہرائی تک کھود کر اس نے اپنا سر اس گڑھے میں ڈالا۔ پھر دونوں ... آسمان کی طرف اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔ سمندر کی منہ زور لہریں چنگھاڑتی ہوئی ... اس پر سے گزر گئیں۔ سمندری لہروں میں کتنی قوت ہوتی ہے ... کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ میں نے اس کے دماغ میں ... آخری بار گردن کی ہڈی ٹوٹنے کا کرب محسوس کیا۔ پھر اس کی کھوپڑی ... ابدی سناٹا چھا گیا۔

میرے دماغ کی اسکرین پر سے ساحل کا منظر بجھ گیا۔ پھر ... کیا ہو تا رہا؟ میں نے نہیں دیکھا کیونکہ میں اپنی آسمانی بہن ... کے مردہ سہاگ کی آخری رسومات میں شریک نہیں ہو سکتا تھا ... قدموں سے چلتا ہوا کیبن سے باہر آیا۔ پھر ریلنگ کے پاس آ کر کھڑا ... جہاز میں کافی چہل پہل تھی۔ وہاں مردوں کے علاوہ جوان عورتیں بھی ... رہی تھیں۔ مگر میں سب سے نظریں پھیر کر سمندر کے نیلے گہرے پانی کو ... رہا تھا۔

بہت دیر تک منزا میری نگاہوں کے سامنے گھومتی رہی۔ ... دھوکے میں رہ گیا تھا کہ وہ شادی کے بعد پہلی بار ماں کے پاس گئی ... ایک رات گزار کر دوسرے دن آ جائے گی۔ نامودا نے بھی یہی کہا تھا ... میرے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ وہ ایک بیمار بوڑھے کی ...

پہنچانے کے لئے رات ہی کو واپس آ جائیں گے۔ یہ سچ ہے۔ قضا جب آتی ہے تو کوئی ٹیلی پیتھی جاننے والا بھی اسے نہیں ٹال سکتا۔

میرے دماغ پر ایک بوجھ سا تھا۔ دماغ کو ہدایت دینے کے بعد مجھے نیند کسی وقت بھی آ سکتی تھی۔ مگر میں سونا نہیں چاہتا تھا۔ کسی کو اپنا کر اس طرح بچھڑنے کا دکھ کیسا ہوتا ہے، اسے میں منزا کی جدائی سے سمجھنا اور سہنا چاہتا تھا۔ میں مرد ہوں میری آنکھ نہیں رو سکتی تھی۔ مگر دل اس کے لئے رو رہا تھا۔

"ہیلو فرید!" سارا میرے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے ریلنگ سے ٹیک لگا کر میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا "ارے تم ابھی تک پریشان ہو۔ فکر نہ کرو۔ میں نے سے یوں کو سُلا دیا ہے۔"

میں نے گہری سنجیدگی سے کہا۔

"سارا! میں نے فارموسا میں جس لڑکی کو بہن بنایا تھا، وہ مر چکی ہے۔"

"آں۔ کب؟ تم تو ساحل پر کہہ رہے تھے کہ تمہارے بھائی بہن زندہ ہیں۔"

"ہاں۔ میں یہی سمجھ رہا تھا مگر ابھی پتہ چلا ہے کہ وہ دونوں اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔"

"تمہیں ابھی کیسے پتہ چلا؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"تمہیں ان کی موت کی اطلاع بیچ سمندر میں کیسے مل گئی؟"

ایسے سنجیدہ موقع پر بھی مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔ میں نے کہا۔

"مجھے ان دونوں کی بُو نہیں مل رہی ہے۔ ہر انسان کی ایک مخصوص بُو ہوتی ہے۔ یہ بُو اس وقت ختم ہو جاتی ہے۔ جب وہ مر جاتا ہے۔"

"اوہ!" اس نے افسوس کا اظہار کیا۔ پھر تسلی دی "ہو سکتا ہے کہ بُو نہ ملنے کی کوئی اور وجہ ہو۔"

"کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی۔ مجھے ان کی موت کا یقین ہو چکا ہے۔"

"بیک وقت دونوں کی موت کا مطلب یہ ہے کہ حادثاتی ...... موت ہے۔"

"ہاں یہی بات سمجھ میں آتی ہے میرے دل کی حالت کچھ عجیب سی ہے سارا۔ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"یقیناً تمہیں صدمہ ہو گا۔ لیکن تمہارے جیسے چٹان کو افسردہ دیکھ کر عجیب سا لگتا ہے۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"سارا۔ ہم مہماتی زندگی گزارتے ہیں۔ ہمیں کسی سے اتنا پیار نہیں کرنا چاہئے کہ کبھی انہیں پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتے وقت ہمیں ناقابلِ برداشت تکلیف پہنچے۔ اسی لئے میں نے اب تک شادی نہیں کی ہے۔"

"تم بہت سمجھدار ہو۔ پاپا نے مجھے بھی شادی کی حماقت میں کئی بار مبتلا کرنا چاہا۔ مگر میں نے سختی سے انکار کر دیا۔"

میں نے کہا "اب میں کسی کو بہن نہیں بناؤں گا۔ جس لڑکی سے ہمدردی ہو گی، میں دور ہی سے اس کے کام آؤں گا۔ مگر رشتہ، کوئی سا بھی رشتہ ہو۔ بہت دکھ پہنچاتا ہے۔"

سارا نے میرے بازو پر ہاتھ مار کر لڑکوں کے انداز میں کہا۔

"یار! تم ضرورت سے زیادہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہارا غم غلط کر دوں گی۔"

اس نے میرا بازو پکڑ کر دوسری طرف گھما دیا۔ پھر بولی۔

"تم شراب نہیں پیتے۔ میں بھی ایسی چیزوں سے نفرت کرتی ہوں۔ کیا ہم جیسے لوگ چائے کی پیالی میں غم غلط نہیں کر سکتے۔ کم آن۔"

وہ پہلی بار میرے اتنے قریب آئی کہ میرے بازو میں بازو ڈال کر چلنے لگی۔ اپنی عادت کے خلاف زیادہ بولنے لگی تاکہ مجھے سوچنے کا موقع نہ ملے۔ وہ اپنا ایک ہاتھ اِدھر سے اُدھر لہراتی ہوئی بول رہی تھی۔

"یہ ہمارا جہاز کتنا خوبصورت ہے۔ یہاں کا ہر فرد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم پر جان دینے کے لئے تیار رہتا ہے۔ یہاں تمہیں کتنی ہی خوبصورت لڑکیاں نظر آئیں گی۔ اگر تم دل بہلانا چاہو تو وہ تمہارے سامنے ابھی رقص پیش کریں گی۔"

میں نے انکار کر دیا۔ ایک طرف اونچا سا گدّے دار اسٹیج بنا ہوا

تھا۔ سارا نے کہا۔

"یہ ریسلنگ رنگ ہے۔ آج تو میں رات بھر کی جاگی ہوئی ہوں ورنہ ہر صبح پپا سے اور جہاز کے کڑیل جوانوں سے یہاں لڑتی ہوں۔ بولو تمہارا کیا خیال ہے؟ ہو جائیں دو دو ہاتھ ــــ؟"

میں نے پھر انکار کیا۔ وہ میرے سامنے تن کر بولی۔

"اے مسٹر! میں تمہاری سنجیدگی دور کر کے رہوں گی۔ لاؤ ہاتھ اور میرے داؤ سے بچنے کے لئے اپنی تیزی دکھاؤ۔"

میں نے ہاتھ نہیں ملایا۔۔۔ وہ خود ہی میرا ہاتھ پکڑ کر چند لمحوں تک مجھے تولتی رہی کہ میں اس کے داؤ کے جواب میں کس انداز سے پھرتی دکھاؤں گا۔ پھر اس نے اچانک ہی میرے ہاتھ کو جھٹکا دے کر جوڈو کا داؤ آزمایا۔ اور مجھے بائیں طرف سے دائیں طرف رنگ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی میرے سامنے پہنچ کر بولی۔ "کہو کیا خیال ہے؟"

میں نے کہا۔ "غم غلط کرنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے ــــ چائے پلاؤ۔"

اس نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے میرا ہاتھ تھام کر مجھے اٹھا لیا۔ پھر ہم ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگے۔ میں نے کہا۔

"سارا تم بہت اچھی ہو۔ میرا دل بہلانے کے لئے کیسے کیسے جتن کر رہی ہو ــــ"

"مزید! تم بھی بہت اچھے ہو۔ جب سے تم آئے ہو۔ جانے کیوں میں تمہارے بارے میں ہی سوچتی جا رہی ہوں۔ شاید اس لئے کہ تم نے پپا کی جان بچائی ہے۔ اس لئے بھی کہ تم بڑی صلاحیتوں کے مالک ہو۔ اور اس لئے بھی کہ میں تمہیں اپنا دوست بنانا چاہتی ہوں۔"

میں نے اپنا ایک ہاتھ اس کی گردن کے پیچھے سے لے جا کر اس کے شانے پر رکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر سمجھو دوستی ہو گئی ــــ"

اس نے ذرا گردن گھما کر میرے ہاتھ کو دیکھا۔ پھر بولی۔

"آج تک کوئی میرے اس قدر قریب آ کر مجھے اس طرح ہاتھ نہ لگا سکا۔ لیکن تمہارا غم غلط کرنے کے لئے یہ بھی منظور ہے۔ آؤ......؟"

اس نے میری کمر پر ہاتھ ڈال دیا۔ مجھے دیکھ کر مسکرائی تو میں نے مسکراتے ہوئے تسلیم کر لیا کہ واقعی وہ غم کے بوجھ کو ہلکا کرنا چاہتی ہے۔ ایک خیال آیا کہ ایسے وقت میں اس کی سوچ کو پڑھوں۔ شاید اس کے اندر سوئی ہوئی عورت کہیں سے آنکھ کھول رہی ہو۔ لیکن میں خیال خوانی کے موڈ میں نہیں تھا۔ اتنی جلدی سارا غم نہیں ڈھل جاتا۔ میں تو سارا کی پرخلوص کوششوں کو سراہنے کے لئے مسکرانے لگا تھا۔

چائے پینے کے بعد وہ مجھے جہاز کی سیر کرانے لگی۔ ایک بڑے ہال میں اسمگل ہونے والی افیون رکھی ہوئی تھی۔ کتنے ہی مرد عورتیں وہاں اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ عورتیں افیون میں سیاہ گڑ کی ملاوٹ کر رہی تھیں اور مرد اس مال کو لکڑی کی پیٹیوں میں پیک کر رہے تھے ــــ میں نے پوچھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے ــــ؟"

وہ مسکرا کر بولی۔ "جو ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ جب کھلے بازاروں کی ہر چیز میں ملاوٹ ہوتی ہے۔ تو پھر چور بازاری یا اسمگلنگ کی چیزوں میں ملاوٹ کیوں نہیں ہو گی۔"

میں نے پوچھا۔ "اتنی ساری افیون کی مالیت کیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "فارموسا میں یہ پچپن ہزار پونڈ کی افیون تھی۔ ہانگ کانگ میں اس کی قیمت ڈیڑھ لاکھ پونڈ ہو گی۔ ملاوٹ کے بعد دو لاکھ پونڈ ملیں گے۔ اگر امریکی ڈالر میں سودا ہوا تو ہم تقریباً پونے چار لاکھ ڈالر حاصل کریں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں کہا۔ صرف ایک دن اور دو راتوں کی محنت اور ہیرا پھیری سے پونے چار لاکھ ڈالر حاصل ہو جائیں گے۔ اسی لئے تو ہماری دنیا میں اسمگلروں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ میں نے سوچا۔ میرا مقام کیا ہے؟ میں اسمگلر نہیں ہوں مگر ایک اسمگلر کا ساتھ دے رہا ہوں۔ لیکن نہیں، یہ تو حالات کے تحت میری ایک دو دن کی مجبوری تھی۔ سارا اور اس کا باپ دونوں ہی دل کے اچھے تھے۔ میں نے سوچا ہانگ کانگ پہنچ کر یا تو ان کا ساتھ چھوڑ دوں گا یا پھر دونوں باپ بیٹی کو دوسری راہ پر لے آؤں گا۔ اگرچہ یہ بات ناممکن سی نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ بوڑھے عقاب کی ساری زندگی سمندر کی گود میں گزری تھی۔ وہ اپنی راہ سے پھرنے والا نہیں تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ "دیکھا جائے گا۔"

سارا مجھے ایک کیبن میں لے گئی۔ وہاں بظاہر ایک بستر، میز کرسیاں اور ایک الماری نظر آ رہی تھی۔ لیکن جب سارا نے میز کی اوپری سطح کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر گھمایا۔ تو دو طرف کی دیواریں سرکنے لگیں۔ ان کے پیچھے کی دیواروں پر خنجر، تلواریں، رائفلیں، اسٹین گنیں نظر آ رہی تھیں۔ نیچے رکھی ہوئی پیٹیوں میں کارتوس اور ہینڈ گرینیڈ رکھے ہوئے تھے ــــ میں نے کہا۔

"تمہارا جہاز ایک مضبوط قلعہ ہے۔"

وہ بولی۔ "تمہارا نہیں ہمارا جہاز کہو۔ اب تم ہم سے الگ نہیں ہو۔"

میں نے اس کی خوشی کے لئے ہمارا جہاز کہہ دیا۔ پھر وہ مجھے دوسرے کیبن میں لے گئی۔ وہ بھی رہائشی کیبن نظر آ رہا تھا۔ مگر وہاں کی دیواریں بھی اپنی جگہ سے سرکتی تھیں۔ وہاں جو چیزیں نظر آئیں۔ وہ خاص میرے مطلب کی تھیں۔ خفیہ دیواروں اور خانوں میں مختلف شکلوں کے ماسک اور وگیں نظر آ رہی تھیں۔ میک اپ کے جدید لوازمات اور قد آدم آئینے تھے۔ سارا نے ایک البم کھول کر مجھے دکھایا۔ اس کے پہلے صفحہ پر اس کے پپا کی تصویر تھی۔ دوسرے صفحہ پر ایک ادھیڑ عمر کے شخص کی تصویر تھی۔

سارا نے کہا۔

"یہ پرتگال کے رئیس اعظم روزو برانڈو کی تصویر ہے۔ اور یہ میرے پپا ہیں۔"

"تمہارے پپا تو یہ ہیں ــــ" میں نے پہلی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ بھی میرے پپا ہیں۔ اور یہی ان کا اصل روپ ہے۔ تم ابھی جس پپا سے مل چکے ہو، وہ ان کا اصل روپ نہیں ہے۔ وہ سمندری عقاب کے بہروپ میں ہیں۔ میرے پپا میک اپ کے ماہر ہیں۔ ایسا روپ بدلتے ہیں کہ جاسوس اور دشمن ان کے سامنے انہیں تلاش کرتے رہ جاتے ہیں۔"

وہ کسی بھی معاملے میں بڑے فخر سے اپنے باپ کی تعریفیں کرتی تھی۔ میں نے پوچھا۔

"یعنی تمہارے پپا کا اصلی نام روزو برانڈو ہے؟ اور یہی ان کی اصل شخصیت ہے؟"

"ہاں۔ اور ان کی بیٹی کا نام رومانہ برانڈو ہے۔ اور وہ تمہارے سامنے کھڑی ہے۔"

وہ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگی۔ میں نے پوچھا۔

"تو کیا سارا کا یہ روپ بھی نقلی ہے۔ تم میک اپ میں ہو؟"

"نہیں! یہی میرا اصلی روپ ہے۔ میں اپنی موجودگی میں پپا کو کام نہیں کرنے دیتی۔ انہیں جہاز میں بٹھا کر رکھتی ہوں اور خود سمندر سے لڑتی ہوں۔ ایسی جدوجہد کے دوران مجھے میک اپ اور نقالی پسند نہیں ہے۔"

"اچھا تو تم رومانہ برانڈو کے روپ میں کیسی دکھائی دیتی ہو؟"

اس نے البم کا ورق الٹ کر اپنی دو تصویریں دکھائیں۔ ایک تو سارا کی تصویر تھی، جو میرے پاس کھڑی ہوئی تھی۔ دوسری ایک پرتگالی دوشیزہ پینٹی کوٹ اور بلاؤز پہنے ہوئے تھی۔ سر پر ریشمی رومال بندھا ہوا تھا۔ وہ رومانہ برانڈو تھی۔ میں نے پوچھا۔

"تم نے اس روپ میں عورتوں کا لباس کیسے پہن لیا؟"

"وہاں پپا کے ساتھ رہنے کے لئے مجبوراً ایسے لباس میں باہر نکلنا پڑتا ہے۔ ورنہ وہاں بھی گھر کی چار دیواری میں پتلون پہنتی ہوں۔ یہ زنانہ کا روپ مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔"

میں نے کہا۔ "مجھے تو اچھا لگ رہا ہے۔ اس بات کو یاد رکھنا کہ تم نے انعام دینے کا وعدہ کیا اور پھر مکر گئیں۔"

"میں بلاؤز اسکرٹ نہیں پہنوں گی۔ تم فضول باتیں نہ کرو۔"

میں نے کہا۔ "تم لڑکی پیدا ہوئیں۔ تمہارے پپا نے بچپن ہی سے تمہارے اندر لڑکے کی ملاوٹ کر دی۔ اس میں تمہارا قصور... نہیں ہے۔"

وہ ملاوٹ کی بات پر ہنسنے لگی۔ میں نے کہا۔

"تم پہلا انعام نہ دے سکیں۔ اگر دوسرا انعام مانگوں تو دو گی؟"

"ایسا انعام نہ مانگو، جو میرے مزاج کے خلاف ہو۔"

"میں رومانہ کی تصویر چاہتا ہوں۔ دو گی۔"

"تم یہ تصویر لے کر کیا کرو گے؟"

"میں اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھوں گا۔"

"اے میرے سامنے عشقیہ باتیں نہ کرو۔"

"میں تم سے نہیں کر رہا ہوں۔"

"مگر یہ تصویر میری ہے۔ میرا دوسرا روپ ہے۔"

"تو پھر تم مانتی ہو کہ تم دوسرے روپ میں ایک مکمل عورت ہو۔"

"میں نہیں مانتی۔" وہ جھنجلا کر بولی۔

"اگر نہیں مانتیں تو پھر یہ صرف رومانہ ہے۔ دوسری لڑکی ہے میں رومانہ سے رومانس کر سکتا ہوں۔ تم کیوں ناراض ہوتی ہو۔ صاف کہہ دو کہ تم دوسرا انعام بھی نہیں دے سکتیں۔"

"ہاں! بس یہی سمجھ لو۔"

اس نے ایک جھٹکے سے البم کو بند کر کے رکھ دیا۔ پھر ناراض ہو کر کیبن سے باہر آ گئی۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"تم غصے میں ہو۔ آؤ ہم چائے پئیں۔ کیا صرف تم ہی چائے پلا کر غم غلط کر سکتی ہو۔ میں تمہارا غصہ غلط نہیں کر سکتا ــــ؟"

"میں چائے نہیں پیئوں گی۔"

"دیکھو سارا ہمارا یہ جہاز کتنا خوبصورت ہے۔ یہاں تفریح کا ہر سامان موجود ہے۔ کہو تو میں تمہارے لئے کسی تفریح کا انتظام کروں ــ؟"

"مجھے کچھ نہیں چاہئے ــ تم خاموش رہو۔"

ہم اسی گدت سدار اسٹیج کے قریب سے گزرنے لگے۔ میں نے اسے روک کر کہا۔

"یہ ریسلنگ رنگ ہے۔ یہاں تم پپا سے اور کتنے ہی کڑیل جوانوں سے لڑتی ہو۔ آؤ مجھ سے بھی دو دو ہاتھ ہو جائیں ــ؟"

اس نے انکار کیا۔ میں نے اس کے سامنے تن کر کہا۔

"اے میں تمہاری سنجیدگی اور غصہ دور کر کے رہوں گا۔ لاؤ ہاتھ...؟"

اس نے ہاتھ نہیں ملایا۔ میں نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"لو میں اپنا داؤ آزما رہا ہوں۔ تم اپنے داؤ سے بچنے کی کوشش کرو۔"

لڑنا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ فوراً ہی کوئی داؤ آزمانا چاہتی تھی۔ اس سے پہلے ہی میں نے جوڈو کا ہاتھ دکھا کر اسے رنگ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد ایک چھلانگ میں اس کے پاس پہنچ کر بولا۔ "کہو کیا خیال ہے؟"

وہ اپنی کمر کو سہلاتی ہوئی بولی۔

"اف! غصہ غلط کرنے کا یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ چائے پلاؤ۔"

ہم دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگے۔ میں نے ہاتھ بڑھایا۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر اٹھ گئی۔ ہم دوسری بار ڈائننگ ہال میں گئے۔ وہاں ہلکا سا ناشتہ کیا چائے پی۔ پھر اپنے کیبنوں کے پاس واپس آ گئے۔ اس وقت دن کے دس بجے تھے سارا نے کہا۔

"تم میرے کیبن میں سو جاؤ۔ سے یُوں ادھر نہیں آئے گی۔"
میں نے کہا۔ "مجھے بستر پر لیٹتے ہی نیند نہیں آتی۔ میں سوچتا رہتا ہوں۔ گھنٹے دو گھنٹے بعد نیند آتی ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں بارہ بجے سوؤں گا اور شام پانچ بجے اٹھوں گا۔ اس سے پہلے کوئی دروازے پر دستک نہ دے۔"

میں دروازہ بند کرنے لگا۔ اس نے پوچھا۔
"ابھی بستر پر لیٹ کر کیا سوچو گے ــــ؟"
میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔
"تصور میں اپنی رومانہ سے باتیں کرتا رہوں گا۔"
پھر اس سے پہلے کہ وہ حملہ کرتی، میں نے ایک دھڑاکے سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ بند دروازے کے سامنے تھوڑی دیر تک کھڑی رہی اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔

"یہ بہت اچھا ہے۔ مگر اس کا مذاق اچھا نہیں ہے۔ یہ رومانہ سے کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔ رومانہ تو میں ..... میں ہی ہوں۔ یہ بڑا چالاک ہے۔ براہِ راست مجھ سے نہیں کہتا۔ رومانہ کے توسط سے کہتا ہے۔ ۔ میں ہانگ کانگ پہنچنے کے بعد رومانہ کے روپ میں اس کے سامنے کبھی نہیں آؤں گی۔"

وہ سوچتی ہوئی اپنے باپ کے کیبن کے سامنے گئی۔ پھر دروازے پر دستک دے کر بولی۔
"پپّا! اب اٹھ جائیے میرے سونے کا وقت ہو رہا ہے۔"
"اوکے مائی سن! جاؤ آرام سے سو جاؤ۔"
عقاب نے دروازہ کھول دیا۔ سارا نے کہا۔
"پپّا! فرید کو پانچ بجے سے پہلے نہ اٹھائیں۔ وہ میرے کیبن میں سوتا رہے گا۔"
"تمہارے کیبن میں؟" عقاب نے خوشی سے بیٹی کا ہاتھ تھام کر اندر بلایا اور کہا۔ "میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، کہ تم اسے پسند کرتی ہو۔"
"ہاں پپّا! وہ بہت ہی باصلاحیت انسان ہے۔"
"سارا تم نے مجھے خوش کر دیا ہے۔ مگر ایک بات کہوں گا، بُرا نہ ماننا۔ شادی سے پہلے اسے اپنے کیبن میں سُلانا اچھی بات نہیں ہے۔"
"شادی......؟" سارا نے حلق کے بل چیخ کر کہا۔ "پپّا! میں ایک ہی گھونسے میں آپ کا منہ گھما دوں گی۔"
"آں۔ کیا میں نے کچھ غلط سمجھ لیا ہے ــــ؟"
"ہاں" وہ پھر چیخ کر بولی۔ "آپ تو خوابوں میں بھی مجھے دلہن بناتے رہتے ہیں۔ میں ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ جو اپنی زندگی سے بیزار ہو گا، وہی مجھ سے شادی کا ارادہ کرے گا۔"
وہ غصے سے طنطناتی ہوئی پپّا کے کیبن سے نکلی۔ پھر اپنے کیبن کے سامنے سے گزرتے ہوئے دروازے کو یوں گھور کر دیکھا جیسے مجھے آنکھیں دکھا رہی ہو۔ اس کے بعد میرے کیبن میں پہنچ کر اس نے دروازے کو زور سے بند کر لیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔
"میں اتنا غصہ کیوں دکھا رہی ہوں۔ جب میں خود کو مرد کہتی ہوں تو مجھے مردوں کی طرح ہر بات کو ہنس کر ٹالنا چاہئے۔"
وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر آ کر گر پڑی۔ اور سوچنے لگی۔
"ہاں۔ میں آئندہ فرید کے مذاق کو ہنسی میں اڑا دوں گی تو اس کا مذاق بے اثر ہو جائے گا۔ پتہ نہیں کیسے میں اتنی جلدی اس سے بے تکلف ہو گئی۔ شاید یہ میری ہی غلطی ہے۔"
"بڑی خوبصورت غلطی ہے۔" میں نے اس کے دماغ میں سرگوشی کی۔
"آں ــ" وہ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
میں نے کہا۔ "میں پتھر سہی ــ مگر مجھ جیسی عورت کے لاشعور میں یہ چور خواہش ہے کہ مجھے کسی ایک مرد سے بے تکلف ہونا چاہئے۔"
وہ شعور اور لاشعور کی گتھیوں میں الجھ گئی۔ اسے ابتدا میں اتنا ہی الجھانا کافی تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اپنی گھڑی دیکھی دس بج کر تیس منٹ ہو چکے تھے۔ اب مجھے سو جانا چاہئے تھا۔ پروگرام یہ تھا کہ میں ڈیڑھ بجے تک سوتا رہوں گا۔ دو بجے تک مجھے سونیا کے پاس پہنچنا تھا۔ پتہ نہیں وہاں کتنا وقت صرف ہوتا۔ اسی لئے میں نے سارا سے کہہ دیا تھا کہ میں پانچ بجے تک سوتا رہوں گا۔
میں نے اپنے دماغ کے ٹائم پیس میں ایک بج کر تیس منٹ کا الارم لگایا۔ اس کے بعد آرام سے سو گیا۔

ــــ ٭ ــــ

جب میری آنکھ کھلی تو جہاز کے انجن کا ہلکا ہلکا سا شور سنائی دے رہا تھا۔ میں دو چار منٹ تک بستر پر بے حس و حرکت پڑا رہا۔ پھر دماغ کی اسکرین پر عقاب کو دیکھنے لگا۔ وہ اپنے ماتحتوں کو جہاز کی صفائی کرتے دیکھ رہا تھا۔ جہاز کا رنگ پہلے ہلکا سبز تھا۔ کتنے ہی لوگ رسّے کی سیڑھیوں سے باہر لٹک کر سبز رنگ کو کاسٹک سوڈا سے دھو رہے تھے۔ سبز رنگ چھوٹ رہا تھا اور اس کی تہہ سے نیلا رنگ ابھر رہا تھا۔ جو اس جہاز کا اصلی اور پکا رنگ تھا۔
اس کے ساتھ ہی جہاز کے دونوں طرف جلی حرفوں میں "رومانہ" کا نام ابھر رہا تھا۔ عقاب نے اپنی بیٹی کے نام پر اس جہاز کا نام رومانہ رکھا تھا۔ پینٹر اس نام کی سفیدی کو دوبارہ سفید رنگ سے چمکا رہے تھے جہاز کے اونچے مستول پر اب پرتگالی پرچم لہرا رہا تھا۔ گویا اب وہ جہاز کسی اسمگلر کا نہیں، بلکہ ایک پرتگالی رئیسِ اعظم روزو براندو کا تھا۔
میں روزو براندو عرف سمندری عقاب کے دماغ میں تھا۔ وہ اب اس کیبن میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں میک اپ کا سامان، وِگیں اور چہرے کے مختلف ماسک تھے۔ اس نے خفیہ دیوار کے ایک خانہ سے جعلی کاغذات نکالے۔ ان پر ایک نظر ڈالی۔ پھر انہیں بریف کیس میں رکھ لیا۔ وہ جعلی کاغذات اس بات کا ثبوت تھے۔ کہ مسٹر روزو براندو دوسری شادی کی غرض سے لڑکی پسند کرنے فارموسا گئے تھے۔ وہاں مشرقی بندرگاہ میں ان کا جہاز "رومانہ" اڑتالیس گھنٹے تک لنگر انداز رہا۔ پھر پچھلے دن شام کو وہ جہاز واپس ہانگ کانگ کے لئے روانہ ہو گیا۔
وہ کاغذات ایسی مہارت سے تیار کئے گئے تھے کہ کوئی انہیں جعلی نہیں کہہ سکتا تھا۔ فارموسا جانے کی وجہ بڑی مضحکہ خیز تھی کہ مسٹر براندو لڑکی پسند کرنے گئے تھے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ دُور دُور کے کتنے ہی ممالک میں یہ بات مشہور ہے کہ خاندانی رئیس روزو براندو اپنی پسند کی لڑکی تلاش کرنے کے لئے نگر نگر گھومتے ہیں اور پاسپورٹ اور خصوصی اجازت ناموں میں باقاعدہ یہ وجہ لکھواتے ہیں۔
"ٹو سی مائی ٹو بی وائف (اپنی ہونے والی بیوی کو دیکھنے)"
بہرحال وہ زندہ دل عقاب قانون کے ساتھ بھی بڑی خوبصورتی سے مذاق کر رہا تھا۔ وہ بریف کیس کو بند کرنے کے بعد آئینے کے سامنے آیا۔ پہلے اس نے اپنے سر سے سفید بالوں کی وِگ اتاری۔ پھر اپنے چہرے سے آہستہ آہستہ سمندری عقاب کا ماسک اتارنے لگا۔
میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ کیونکہ شام پانچ بجے کے بعد اس سے ملاقات ہونے والی تھی۔ میں نے سارا کو دیکھا تو وہ سو رہی تھی۔ پھر میں نے سے یُون کی خبر لی۔ وہ مجھے تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ بعد میں عقاب نے اسے سمجھا دیا، کہ فرید سے پانچ بجے کے بعد ملاقات ہو گی۔ اب وہ تھک ہار کر ڈائننگ ہال میں دوپہر کا کھانا کھا رہی تھی۔
اپنے آس پاس کے ماحول سے مطمئن ہونے کے بعد میں سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ اپنی خواب گاہ سے باہر جانے کے لئے تیار ہو چکی تھی۔ بڑے سے پلنگ پر مختلف قسم کے ملبوسات اور زیورات بکھرے ہوئے تھے۔ فرش پر کئی جوڑے جوتے، سینڈلیں، اور چپلیں نظر آ رہی تھیں۔ بالوں کی سیٹنگ کے لئے ایک نامور ہیئر ڈریسر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔
سونیا نے جدید تراش کی میکسی پہنی تھی۔ جس پر گلابی اور فیروزی کلر کے شیڈز تھے۔ گلے میں ہیروں کا ہار جگمگا رہا تھا۔ کانوں میں سچے موتیوں کے ٹاپس تھے۔ کلائیوں کے بریسلٹ پر نگینے جڑے ہوئے تھے۔ سر کے بال اتنی خوبصورتی سے سیٹ کئے گئے تھے کہ بالوں کی کتنی ہی دبیز لٹیں اس کے شانوں پر سانپوں کی طرح بل کھا گئی تھیں۔ اونچی ایڑی کے سینڈل نے اس کے دراز قد کو اور

دراز کر دیا تھا۔ تنی ہوئی بھنویں، اکڑی ہوئی گردن، چہرے پر رعب حسن طاری تھا۔ اور سراپا شباب کی منہ بولتی تصویر تھا۔
میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"یا حیرت! کیا تم اپنا نکاح پڑھوانے جا رہی ہو؟"
وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"ان لوگوں نے میرے سامنے پورا بازار لا کر رکھ دیا ہے میں نے بھی سوچا چلو، بہت دنوں سے سنگار نہیں کیا ہے۔ اس لئے میں تمہاری سوچ کے آئینے میں تمہیں اپنا یہ روپ دکھاؤں گی۔ کیسی لگ رہی ہوں ــــ؟"
"کچھ نہ پوچھو ــــ تم پاس ہوتیں تو تمہارے حسن کے ذرے ذرے کو چوم کر تعریفیں کرتا۔"
وہ آئینے کے سامنے خوشی سے بل کھا کر گھوم گئی۔ میں نے پوچھا ــــ
"یہ تمہیں کیا سوجھی ہے؟ بھئی تم دنیا کی دوسری خطرناک تنظیم کے نمائندوں سے ملنے جا رہی ہو۔"
"یاد دلانے کا شکریہ! میں نے میکسی کے اندر پتلون اور بنیان پہنی ہے اور پتلون کی جیب میں اعشاریہ تین آٹھ کا ریوالور ہے۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک ہتھیار میرے دماغ میں ہے اور وہ ہے مرحوم فرہاد کی ٹیلی پیتھی ......"
وہ اک ادائے ناز سے چلتی ہوئی خواب گاہ سے باہر آئی۔ کوٹھی کے باہر اس کے لئے کار کا پچھلا دروازہ کھولا گیا۔ میں نے پوچھا۔
"چمپیزی وغیرہ کہاں ہیں ــــ؟"
وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔
"میں نے اسے شیلا اور میرلن کے ساتھ شہر میں تفریح کے لئے بھیج دیا ہے۔"
کار اسٹارٹ ہو کر کوٹھی کے احاطے سے باہر جانے لگی۔ اس نے پوچھا۔
"فرہاد! کیا خیال ہے، وہاں ماسک مین سے ملاقات ہو گی ــــ؟"
"نہیں ــــ" میں نے کہا۔ "ظاہر سی بات ہے کہ وہ تمہاری خیال خوانی کا شکار ہونے کے لئے نہ تمہارے سامنے آئے گا اور نہ ہی اپنی آواز سنائے گا۔ اچھا سونیا! تم چلو، میں تم سے پہلے تمہاری منزل پر پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ وہاں کیا ہو رہا ہے ــ؟"
زودریچ نامی جس شخص نے ماسک مین بن کر سونیا کو خوش آمدید کہا تھا۔ میں اسی شخص کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ایک بہت بڑے ہال کی بالکونی میں کھڑا ہوا ایک نوجوان عورت سے باتیں کر رہا تھا ہال میں اور بھی بہت سی عورتوں کے ساتھ بہت سے مرد دُور تک نظر آ رہے تھے۔ کوئی کافی سے اور کوئی وہسکی وغیرہ سے شغل کر رہا تھا۔
میں ایک طرف سے باری باری سب کے دماغوں تک پہنچنے کا راستہ بنانے لگا۔ پہلے اس نوجوان عورت کی سوچ پڑھی۔ وہ زودریچ سے پوچھ رہی تھی۔
"یہ مادام سونیا! ہماری تنظیم میں کوئی نئی رنگروٹ ہے۔ بہت بیچتی ہے یہ ــــ؟"
زودریچ نے کہا۔ "مادام! بہت خطرناک بزنس لیڈی ہے۔ وہ جسے چاہیں کھڑے کھڑے بیچ دیتی ہیں۔ ابھی آئیں گی تو دیکھ لینا۔"
اس نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "دیکھ لوں گی۔"
میں نے اس کی سوچ میں کہا ــــ "دیکھ لوں گی۔ میرا نام"
اس نے اپنا نام لیا۔ "مادام ماریہ ہے ......"
ماریہ وہاں سے پلٹ کر ذرا دور ایک سیاہ فام نوجوان کی طرف گئی۔ وہ نیگرو افریقہ کے کسی حصے سے آیا تھا۔ تنظیم میں شاید اس کی بہت زیادہ اہمیت تھی کیونکہ بہت سے مرد اور عورتیں اسے گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن سب ہی اس سے نظریں ملانے سے کترا رہے تھے۔ حالانکہ وہ سیاہ چشمہ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے باوجود وہ لوگ سر جھکا کر یا دوسری طرف دیکھ کر اس سے باتیں کرتے تھے۔ مادام اس سے سونیا کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ اور اس گروہ میں بھی سونیا کا ہی ذکر ہو رہا تھا۔ مادام ماریہ سوچ رہی تھی۔
"مادام سونیا اگر ایسی ہی خطرناک ہے تو پھر یہ کوبرا مین اس کے لئے کافی ہو گا۔ اس سے ذرا چھیڑ چھاڑ ہو تو مزہ آ جائے گا۔"
کوبرا زہریلے ناگ کو کہتے ہیں۔ اگر اسے کوبرا مین کہا جاتا تھا تو یقیناً وہ زہریلا آدمی ہو گا۔ میں بڑی سہولت سے مادام ماریہ کو کوبرا مین کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتا رہا۔ وہ سوچتی جا رہی تھی۔ کہ کوبرا مین کا نام انتونی تھا۔ اس کے ماضی کے بارے میں شاید ماسک مین جانتا ہو گا۔ دوسرے صرف اتنا جانتے تھے کہ انتونی کا بچپن جنوبی افریقہ کے جنگلوں میں گزرا تھا۔ اور زہریلے سانپوں کے درمیان اس کی پرورش ہوئی تھی۔ کوئی بھی زہریلا سانپ اسے کاٹ لے تو اثر نہیں ہوتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی زہریلی کشش تھی کہ کوئی اس سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ اسی لئے وہ تنظیم میں کوبرا مین کہلاتا تھا۔
مادام ماریہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اور جو کچھ اس حلقہ کی عورتوں کو جاننا چاہئے تھا۔ وہ یہ تھا کہ کوبرا مین کی زہریلی شخصیت بڑی ہی پرکشش تھی۔ وہ سیاہ فام تھا۔ اس کے باوجود عورتیں بے اختیار اس کی طرف کھنچی جاتی تھیں۔ اسی نے ماریہ کو کوبرا مین کی طرف پلٹا دیا۔ وہ بولی۔

"مسٹر انتونی! سونیا کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"
انتونی نے سر گھما کر ماریہ کو دیکھا تو اس نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ وہ مسکرا کر بولا۔
"مادام ماریہ! میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں سب ہی اپنے اپنے طور پر اس آنے والی کو عجوبہ یا خطرناک سمجھ رہے ہیں اور ہم سب کے دماغ میں یہی تاثر بٹھایا گیا تھا۔ بہرحال میں ایک بات جانتا ہوں۔ وہ کیسی ہی خطرناک ہو میرے سامنے نظریں جھکا کر بات کرے گی۔"
اب میں کوبرا مین کے دماغ میں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔
"سنا ہے، سونیا حسین بھی ہے ہی ہی ہی ہی۔ حسین عورتیں تو خود بخود میری جانب کھنچی چلی آتی ہیں۔ میرے لئے آج کی خوراک آ رہی ہے۔ ہی ہی ہی ہی ......"
یہ سانپ کی فطرت ہے۔ کوئی اسے چھیڑے یا نہ چھیڑے وہ اپنے سامنے آنے والوں کو ڈسنے کے لئے پھن ضرور اٹھاتا ہے۔
میں اس زہریلے دماغ سے متعارف ہونے کے بعد جوزف وسکی کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ تمام افراد کی طرح بڑے ہال میں موجود نہیں تھا۔ اسی عمارت کے کوریڈور سے گزر رہا تھا۔ ابھی ہال میں بہت سے لوگوں سے متعارف ہونا تھا۔ شاید میں جوزف وسکی کے دماغ سے واپس چلا جاتا۔ مگر اس کی سوچ نے چونکا دیا۔
وہ ماسک مین سے باتیں کرنے جا رہا تھا۔ اسے یہ اطلاع مل گئی تھی کہ سونیا وہاں آنے کے لئے اپنی رہائش گاہ سے چل پڑی ہے۔ وہ ماسک مین کو یہ اطلاع دینے جا رہا تھا۔ ایک کوریڈور سے گزرنے کے بعد وہ دوسرے کوریڈور کی طرف مڑ گیا۔ پھر ایک دروازے کے سامنے آ کر اس نے کال بیل کے بٹن کو دبایا۔
دروازے کے اوپر سرخ رنگ کا بلب جلنے بجھنے لگا۔ پھر وہ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ جوزف وسکی کمرے میں داخل ہوا تو وہ دروازہ بند ہو گیا۔ اس نے آگے والے دوسرے دروازے کے پاس پہنچ کر اپنی جیب سے ایک کارڈ نکالا۔ اور اسے دروازے کے لیٹر بکس نما خلنے میں ڈال دیا۔ پھر انتظار کرنے لگا۔
بیس سیکنڈ بعد وہ دروازہ کھل گیا۔ کھلے ہوئے دروازے سے ایک بہت وسیع و عریض کمرہ نظر آ رہا تھا۔ وسط میں بہت بڑی گول میز تھی جس کے اطراف خالی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ایک مسلح گارڈ نے جوزف وسکی کو اس کا کارڈ واپس کیا۔ وہ آگے بڑھتا ہوا میز کے دوسری طرف گیا۔ وہاں دیوار کے ساتھ ایک بہت بڑی مشین رکھی ہوئی تھی۔
مشین قدِ آدم تھی۔ اور اس کی بناوٹ بھی انسانی جسم کی طرح تھی۔ اس کا سر سے گردن تک کا حصہ چوکور تھا۔ گردن سے کمر تک کا حصہ لمبائی میں مستطیل تھا۔ پھر اس کے نیچے دو پیروں کی طرح دو ستون تھے۔ سر کے چوکور حصے میں دو آنکھوں کی جگہ دو ریکارڈر اسپول تھے۔ ناک کی جگہ آواز وصول کرنے والا مائیک تھا۔ اور منہ .... اس کا منہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ جیسے وہ کچھ کہنے والا ہو۔
جوزف وسکی نے مشین کے سامنے اٹینشن ہو کر کہا۔
"مائی لارڈ ماسک مین! مادام سونیا اپنی رہائش گاہ سے روانہ ہو چکی ہیں۔ پینتالیس منٹ میں یہاں پہنچ جائیں گی۔ آپ کے سامنے کس وقت حاضر کیا جائے ــ؟"
اس کی بات ختم ہوتے ہی دونوں ریکارڈر اسپول گھومنے لگے۔ پھر مشین کے منہ سے سفید کاغذ کی ربن نکلنے لگی۔ اس کے بعد دونوں اسپول تھم گئے۔ کاغذ کی ربن بھی رک گئی ......
جوزف وسکی نے ہاتھ بڑھا کر اس ربن کو تھام کر پڑھا۔ اس پر لکھا تھا۔
"مادام سونیا کو ہمارے باصلاحیت لوگوں سے متعارف کراؤ گیارہ بج کر تیس منٹ پر ہم اپنے تمام ماتحتوں کو یہاں دیکھنا چاہتے ہیں ......"
میں جوزف وسکی کے دماغ سے ماسک مین تک پہنچ گیا تھا۔ مگر نہ اسے سونیا دیکھ سکتی تھی، نہ میں اس کی آواز سن سکتا تھا۔ اور نہ میری خیال خوانی کی پرواز اس مشینی دماغ تک پہنچ سکتی تھی۔
اس گھڑی سوچنے کا مقام تھا، کہ ماسک مین ایک انسان ہے یا محض ایک کمپیوٹر ......؟

یہ سائنسی دور ہے۔ اس دور میں جس مقام پر انسان کا دماغ تھک جاتا ہے، اس مقام سے آگے کمپیوٹر بولتے ہیں۔
وہاں جو کمپیوٹر مشین تھی اس نے جوزف وسکی کی باتیں سنی تھیں اور فوراً ہی ان باتوں کا جواب تحریر کی خاموش زبان سے دیا تھا بے شک وہ کمپیوٹر کا کمال تھا مگر جو جواب دیا گیا تھا، وہ جواب کسی انسان کے دماغ سے نکلا تھا کیونکہ مشین بول سکتی ہے مگر خود نہیں بول سکتی۔ اس کے پیچھے کسی نہ کسی گوشہ سے انسانی دماغ کو بولنا پڑتا ہے۔
جوزف وسکی مشین سے رخصت ہو کر جانے لگا تو میں نے اس کے دماغ میں سوچ پیدا کرتے ہوئے کہا۔
"ماسک مین واقعی آہنی پردوں کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔ کوئی اس مشین کے ذریعہ اس ہستی تک نہیں پہنچ سکتا۔"
اس کی سوچ نے کہا۔

"ہاں نہیں پہنچ سکتا۔ پتہ نہیں، وہ کہاں ہے اور کتنی دُور بیٹھا ہوا ہے۔ میں تو یہ سمجھنے لگا ہوں کہ وہ انسان نہیں، ایک کمپیوٹر ہے۔ آج مادام سونیا کو پتہ چلے گا کہ یہ کمپیوٹر مشین بھی ٹیلی پیتھی جاننے والوں کی طرح دوسروں کی سوچ کی لہریں وصول کرتی ہے اور اس کا جواب دیتی ہے۔"

جوزف وسکی کی یہ بات سن کر میں الجھ گیا۔ وہ ناقابلِ یقین بات سوچ رہا تھا۔ بھلا مشین سوچ کی لہروں کو کس طرح ریسیو کر سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب یہی سمجھ میں آتا تھا کہ مشین کے پیچھے جو ماسک مین ہے وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔

لیکن یہ بات بھی ذہن قبول نہیں کر رہا تھا۔ اگر ٹیلی پیتھی کا علم ماسک مین کی مٹھی میں ہوتا تو وہ کم از کم سونیا سے اپنی آواز نہ چھپاتا۔ اسے علم کے ذریعے اب تک یہ معلوم ہو جاتا کہ سونیا ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہے اور جو اس کے ساتھ رابطہ قائم کر رہا ہے، وہ دراصل فرہاد ہے۔

اگر ٹیلی پیتھی جاننے والے ماسک مین کو یہ حقیقت معلوم ہو جاتی تو وہ سونیا کی بجائے براہِ راست میری خدمات حاصل کرنا چاہتا۔ ان حقائق کے پیشِ نظر میں یقین سے کہہ سکتا تھا کہ ماسک مین کا باپ بھی ٹیلی پیتھی نہیں جانتا تھا۔

میں جوزف وسکی کے دماغ سے نکل کر سونیا کے دماغ میں پہنچا۔ وہ ابھی تک کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی کھڑکی کے پار دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"میری جان! میں ماسک مین سے مل کر آ رہا ہوں۔"

"کیا واقعی؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے مگر اس سے مل کر تمہیں مایوسی ہو گی۔"

"کیوں؟ کیا وہ تمہاری طرح گلفام نہیں ہے؟"

میں نے جواب دیا۔

"آہ بے چارہ گلفام نہ ہوتا۔ جیسا تیسا انسان ہی ہوتا، مگر وہ ایک کمپیوٹر ہے۔"

"کیوں مذاق کر رہے ہو؟"

"یہ مذاق نہیں ہے۔ جب تم وہاں جاؤ تو اس ماسک مشین سے کہنا..."

وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ ماسک مشین کیا ہوتی ہے؟"

"بھئی کیا بتاؤں۔ ابھی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے کہ اسے ماسک مین کہوں یا کمپیوٹر مشین؟ اس لیے ماسک مشین کہہ رہا ہوں۔ بہرحال سنو۔ تم اس مشین کے سامنے پہنچ کر کہنا کہ تم سوچ کے ذریعہ گفتگو کرنا چاہتی ہو۔"

"کیا مطلب؟ کیا وہ مشین میری سوچ پڑھ لے گی؟"

"ہاں۔ اب تک کی معلومات یہی ہیں۔ تم وہاں پہنچو گی تو ساری حقیقت سامنے آ جائے گی۔"

"میں اُس سے کیا باتیں کروں گی؟"

"میری طرف سے جو سوچیں تمہارے دماغ میں آتی رہیں گی تم وہی بولتی رہو گی۔"

"اچھا یہ بتاؤ، وہاں اور کون لوگ ہیں؟"

"زورریچ اور جوزف وسکی کے بارے میں تم جان چکی ہو۔ ان کے علاوہ ایک مادام ماریہ ہے جو تمہیں اپنے سے اونچی مادام سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایک بہت ہی زہریلا نیگرو نوجوان ہے۔ اس کا نام انتونی ہے۔ مگر کوبرا مین کہلاتا ہے کیونکہ اس کی پرورش جنوبی افریقہ کے جنگلوں میں سانپوں کے درمیان ہوئی ہے۔ اس پر کسی سانپ کا زہر اثر نہیں کرتا..."

"مائی گاڈ!" سونیا نے پوچھا۔ "پھر تو وہ خود بھی زہریلا ہو گا؟"

"پتہ نہیں، وہ سیاہ فام ہے مگر اس کی شخصیت میں ایسی نشیلی کشش ہے کہ عورتیں خود بخود اس کی طرف کھنچی جاتی ہیں۔ اس نے تمہارے متعلق دو دعوے کیے ہیں۔"

"اچھا ذرا میں بھی سنوں۔"

"اس کی آنکھوں میں زہریلی کشش ہے۔ کوئی اس سے نظریں ملا کر باتیں نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا ہے کہ سونیا کتنی ہی خطرناک ہو، وہ میرے سامنے نظریں جھکا کر بات کرے گی۔"

"بے چارہ..." سونیا نے اس سے ہمدردی کی۔

"دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ تم آج رات اس کی خوابگاہ کی زینت بنو گی۔"

"پھر ایک بار اسے بے چارہ کہوں گی۔ اب تم کسی دوسرے کا ذکر کرو۔"

اسی وقت اس کی کار ایک عمارت کے احاطہ میں داخل ہو گئی۔ میں نے کہا۔

"تم منزل تک پہنچ گئی ہو۔ میں عمارت کے اندر جاتا ہوں۔ وہیں ملاقات ہو گی۔"

میں وہاں سے سیدھا کوبرا مین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ اس وقت زورریچ اطلاع دے رہا تھا کہ مادام سونیا تشریف لا رہی ہیں۔ سب اپنی باتیں اور قہقہے بھول کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ کوبرا مین دوسروں سے کترا کر ہال کے ایک گوشہ میں چلا گیا۔ وہ چاہتا تھا کہ سونیا سے سب سے آخر میں اس کا تعارف ہو۔

زورریچ دروازے پر کھڑا ہوا تھا۔ سونیا کے آتے ہی وہ

ایک طرف ہٹ گیا۔ سونیا لنگا ہوں کے سامنے آ کر دروازے سے ایک حسین تصویر کی طرح جڑ گئی۔ کیا مرد، کیا عورتیں، سب ہی کی نظریں اس پر جم گئیں کیونکہ سونیا اس وقت دیکھنے کی چیز تھی۔

اس نے جدید تراش کی میکسی پہنی تھی جس پر گلابی اور فیروزی رنگ کے شیڈز تھے۔ گلے میں ہیروں کا ہار جگمگا رہا تھا۔ کانوں میں سچے موتیوں کے ٹاپس تھے۔ کلائیوں کے بریسلیٹ پر نگینے جڑے ہوئے تھے۔ سر کے بال اتنی خوبصورتی سے سیٹ کیے گئے تھے کہ بالوں کی کتنی ہی دبیز لٹیں اس کے شانوں پر سانپوں کی طرح بل کھا گئی تھیں۔ اونچی ایڑی کے سینڈل نے اس کے دراز قد کو اور دراز کر دیا تھا۔ تنی ہوئی بھنویں، اکڑی ہوئی گردن، چہرے پر رعبِ حسن طاری تھا اور سراپا، شباب کی منہ بولتی تصویر تھا۔

ہال کے ایک افتادہ گوشہ میں کھڑا ہوا انتونی عرف کوبرا مین اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے پہلے کبھی عورت دیکھی نہ ہو۔ اس کی ہوس بھری سوچ سانپ کی طرح پھنکار رہی تھی کہ مجھے یہ عورت چاہیے۔ مجھے یہ عورت چاہیے۔

وہ زہریلی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور دانت پر دانت جمائے مسکرائے جا رہا تھا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی کہ جب وہ سیاہ چشمہ اتار کر سونیا کو دیکھے گا تو وہ زہریلی کشش کے تحت کھنچی چلی آئے گی۔

ہال کے دوسرے لوگ سونیا کو دیکھنے کے بعد اب ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ ان کے ذہنوں میں جو ایک خطرناک سونیا کا تاثر تھا، وہ ختم ہو گیا تھا کیونکہ سونیا کی سج دھج اور بڑی نزاکت سے کھڑے ہونے کا انداز بتا رہا تھا کہ ایسی حسینہ کو صرف شادی بیاہ کی تقریبات میں شریک ہونا چاہیے۔ یہاں تو کوئی بھی منچلا اس ملکۂ نزاکت کو اٹھا کر لے جائے گا۔

جوزف وسکی نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا۔

"مادام! یہاں آپ کی موجودگی ہمارے لیے فخر کا باعث ہے۔ یہ تمام لیڈیز اور جنٹلمین ہماری تنظیم کے اہم ستون ہیں۔ ماسک مین کہتا ہے کہ یہ جیالے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے والے میری تنظیم کی جان ہیں اور ان سے میری برتری قائم ہے۔

اور لیڈیز اینڈ جنٹلمین! یہ ہیں مادام سونیا۔ ماسٹروں کی تنظیم کی سب سے خطرناک مادام.... مادام کے متعلق اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جب تک یہ سانس لیتی رہیں گی، تب تک سپر ماسٹر کی سانس اکھڑتی رہے گی اور وہ کبھی سکون کی نیند نہیں سو سکے گا..."

سب لوگ سونیا کو گہری ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگے کہ سولہ سنگار کرنے والی میں آخر کون سی ایسی بات ہے جس سے سپر ماسٹر خائف رہتا ہے۔ مادام ماریہ کے پاس کھڑی ہوئی ایک جوان عورت نے مسکرا کر کہا۔

"مسٹر جوزف وسکی! میں بتاؤں کہ سپر ماسٹر سکون سے کیوں نہیں سو سکتا؟ ٹو بی ویری فرینک۔ مادام سونیا کا حسن و جمال ایسا ہے کہ محترمہ کے عشق میں رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا ہو گا۔"

اس بات پر سب ہی قہقہے لگانے لگے۔ سونیا فراخدلی سے مسکرا رہی تھی۔ میں نے اس نوجوان عورت کی سوچ پڑھی۔ اس نے یہ بات مذاقاً کہی تھی۔ اس کا مقصد سونیا کا مذاق اڑانا نہیں تھا۔ وہ دوسروں کی صلاحیتوں سے جلنے کڑھنے والی عورت نہیں تھی۔ اس کے دل میں سونیا کے لیے عزت تھی۔

میں نے اس کا نام معلوم کرنے کے بعد سونیا کو اس کے متعلق بتا دیا۔ سونیا نے آگے بڑھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہیلو مادام ویرا۔ میں لوگوں کے ہنسنے کا برا نہیں مناؤں گی کیونکہ تم نے یہ بات محض مذاقاً کہی ہے۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "آپ میرا نام کیسے جانتی ہیں؟ کیا ہم سب کے متعلق آپ کو پہلے سے بتا دیا گیا ہے؟"

"بالکل نہیں۔" سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "میں دنیا کے ہر انسان کو کسی تعارف کے بغیر پہچان لیتی ہوں۔"

اس کا یہ دعویٰ سب ہی سن رہے تھے۔ جوزف وسکی نے بلند آواز سے کہا۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین! مادام سونیا کا یہ دعویٰ درست ہے۔ یہ آپ لوگوں کے اندر جھانک کر آپ کے دلوں کا حال معلوم کر کے تعارف کے بغیر آپ کو پہچان لیں گی۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"بھلا ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟"

"اگر ایسا ممکن ہے تو پھر یہ جادوگری ہے..."

تمام لوگ اپنی اپنی بولیاں بول رہے تھے اور آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ پھر ایک صحت مند اور خوبرو جوان نے کہا۔

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے، میں ابھی آزما لیتا ہوں۔"

وہ سوچتے ہوئے آگے بڑھا۔ "میں سونیا سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاؤں گا۔ جب وہ مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھائے گی تو میں اپنا ہاتھ ہٹا لوں گا۔ پھر اپنا تعارف کراؤں گا کہ میں ہنکاک کا ہیوی ویٹ چیمپین ہوں اور مسٹر ہنکاک کہلاتا ہوں۔

میں نے سونیا سے کہا۔ "اس سے مصافحہ نہ کرنا اور میری سوچ کے مطابق بولتی جانا..."

مسٹر ہنکاک نے سامنے آ کر مسکراتے ہوئے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ سونیا نے تمام لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"دوستو! یہ مسٹر ہنکاک یہ سوچ کر آیا ہے کہ میں مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاؤں گی تو یہ اپنا ہاتھ کھینچ لے گا لہٰذا میں ایسے بدتمیز انسان سے مصافحہ نہیں کروں گی۔"

مسٹر ہنکاک کے دیدے حیرانی سے پھیل گئے۔ کتنے ہی لوگ اس سے پوچھ رہے تھے۔ کیا مادام سونیا درست کہہ رہی ہیں؟ اس نے اقرار کرتے ہوئے غصے سے کہا۔

"مادام سونیا! تم نے مجھے بدتمیز کیوں کہا؟"

سونیا نے میری سوچ کے مطابق کہا۔

"سنو لوگو! اب یہ مسٹر ہنکاک اپنی ہیوی ویٹ چیمپئن شپ کا رعب جمانا چاہتا ہے۔ یہ اپنی حیرت انگیز قوتوں کا مظاہرہ کرنے کے لیے مجھ سے کہنا چاہتا ہے کہ..."

میں نے سونیا کی ادھوری بات اور مسٹر ہنکاک کی سوچ اسکی زبان سے اگلوائی۔ وہ کہنے لگا۔

"مادام سونیا نے مصافحے سے اس لیے انکار کیا ہے کہ میرے فولادی پنجے میں ان کا ہاتھ پس کر رہ جائے گا۔"

سونیا نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ مسٹر ہنکاک نے اس کا ہاتھ تھامتے ہی پوری قوت صرف کی۔ وہ سونیا کی ہتھیلی کو پیس کر رکھ دینا چاہتا تھا۔ انسان خواہ کتنا ہی شہ زور ہو، اس کی جسمانی قوت دماغ کے کنٹرول میں ہوتی ہے اور مسٹر ہنکاک کا دماغ میرے کنٹرول میں تھا۔

میں اس کی سوچ میں سمجھا رہا تھا کہ وہ پوری قوت صرف کر رہا ہے مگر سونیا کی ہتھیلی جیسے فولادی ہے جسے وہ ذرا سا بھی دبانے یا بھینچنے میں کامیاب نہیں ہو رہا ہے۔ پھر میں اس کی سوچ میں جھنجھلانے لگا۔

"کیا ایک عورت کے سامنے مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ یہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے کر یوں مسکرا رہی ہے جیسے کسی بچے سے مذاق کر رہی ہو۔ اب مجھے آخری تمام قوتیں صرف کرنی چاہئیں..."

میں ہی اسے سمجھا رہا تھا اور میں ہی اس کی جسمانی قوت کا حساب کر رہا تھا کہ وہ قوت کس حد تک سونیا کے پاس پہنچنی چاہیے۔ وہ مقابلہ ایک منٹ تک جاری رہا۔ سب حیرانی اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے کہ وہ باڈی بلڈر ادھر سے ادھر ہوتا ہوا اتنی طاقت صرف کر رہا ہے اس کا جسم غصے سے کانپ رہا ہے اور چہرہ سرخ ہو رہا ہے لیکن مادام سونیا اطمینان سے کھڑی مسکرا رہی ہے۔

پھر میں نے اس کے دماغ کو آگے کی طرف دھکا دیا، یعنی مسٹر ہنکاک کو آگے کی طرف جھکایا۔ سونیا نے اسی وقت جوڈو کا داؤ آزما کر اسے ایک طرف سے دوسری طرف دور پھینک دیا۔

"ہا..." کے انداز میں سب کے منہ حیرت سے کھل گئے مسٹر ہنکاک فرش پر سے اٹھنے میں دیر کر رہا تھا، کیونکہ اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔ سونیا نے مادام ویرا کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی نزاکت سے پوچھا۔

"ہائے ویرا! ذرا دیکھنا میرے لباس میں کہیں شکن تو نہیں آئی ہے؟"

مادام ویرا نے خوش ہو کر بڑی عقیدت سے اس کے ہاتھ کو چوم کر کہا۔

"یو آر گریٹ مادام سونیا..."

مسٹر ہنکاک فرش پر سے اٹھ کر حیرانی اور پریشانی سے سونیا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"مادام مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ کے ہاتھ فولاد جیسے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنا ہاتھ دکھائیں گی؟"

سونیا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ مادام ویرا گھبرا کر پیچھے ہٹ گئی۔ دوسرے لوگ بھی سنبھل گئے کہ پھر کچھ ہونے والا ہے مگر سونیا مطمئن تھی کیونکہ میں مطمئن تھا۔ مسٹر ہنکاک نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو ٹٹول کر کہا۔

"انسان گوشت پوست کا ہی ہوتا ہے۔ صرف اس کی قوتیں فولادی ہوتی ہیں۔ مادام سونیا! جوانمردی اور دلیری یہ ہے کہ دوسروں کی دلیری کا بھی اعتراف کیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے سونیا کی ہتھیلی کی پشت کو جھک کر چوم لیا۔

سونیا نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ تمام لوگ خوشی سے تالیاں بجانے لگے اور بیک زبان کہنے لگے۔

"مادام سونیا اور مسٹر ہنکاک۔ ہپ ہپ ہرّے... ہپ ہپ ہرّے..."

تالیوں کے شور کے پیچھے بہت دور کوبرا مین زہریلے انداز میں مسکراتا ہوا سوچ رہا تھا۔

"میں سمجھ گیا۔ یہ سونیا ٹیلی پیتھی جانتی ہے اس لیے بازیگری کے کرتب دکھا رہی ہے۔ ہی ہی ہی ہی۔ میری معلومات کے مطابق کسی کے دماغ تک پہنچنے کے لیے اس کی آنکھوں سے گزرنا پڑتا ہے اور اتنی بڑی دنیا میں ابھی تک کوئی انسان ایسی آنکھیں لے کر پیدا نہیں ہوا جو میری آنکھوں سے آنکھیں ملا سکے۔ یہ بازیگر سونیا جیسے ہی میری طرف دیکھے گی اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچے گا۔ میں اسے خیال خوانی کی فرصت ہی نہیں دوں گا۔"

وہ اپنے طور پر درست سوچ رہا تھا۔ اگر میں اس کے سامنے ہوتا اور اس کے دماغ تک پہنچنے کے لیے اس سے آنکھیں ملانا چاہتا تو میرے دماغ کو زبردست جھٹکا پہنچتا۔ میں اپنی داستان

میں بہت پہلے بیان کر چکا ہوں کہ نشہ کی انتہا کیا ہے۔ سگریٹ، چرس، شراب، افیون، مارفیا اور پیتھیڈرین، ان سب چیزوں کا انسان جب عادی ہو جاتا ہے اور اس سے بھی گہرا نشہ چاہتا ہے تو وہ ایل ایس ڈی ہے۔ یہ آخری نشہ ہے۔ اس کے بعد نشہ کے لیے انسان خود کو سانپوں سے ڈسواتا ہے۔

اس طرح یہ ثابت ہوتا ہے کہ نشہ کی انتہا زہر ہے۔ وحشی قبائل کے سپیرے اپنے بچوں کو گھٹی میں زہر دیتے ہیں، پھر اس کا توڑ کرتے ہیں۔ پھر زہر دیتے ہیں پھر توڑ کرتے ہیں۔ اس طرح بچے کو زہریلا بناتے ہوئے اس کی پرورش کرتے ہیں اور اسی طرح کوبرا مین کی پرورش ہوئی تھی۔

انتونی عرف کوبرا مین کے وجود میں اس حد تک زہر تھا کہ نشہ کرنے والی عورتیں یا جنس زدہ لڑکیاں اس کی طرف بے اختیار کھنچی جاتی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں ایسا زہر تھا کہ جس سے آنکھ ملاتا تھا، اسے مدہوش کر دیتا تھا۔ اگر کسی کو نرمی سے دیکھتا تو اسے مسحور کر دیتا۔ اگر گھور کر دیکھتا تو مقابل کے ذہن کو ناقابلِ برداشت جھٹکا پہنچتا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور لوگوں کے درمیان سے جانے لگا۔ جہاں سے وہ گزرتا تھا وہاں مرد عورتیں ایک طرف ہٹ جاتے تھے۔ جو لوگ مادام سونیا کے تماشے میں بہل رہے تھے اور کوبرا مین کو بھلا دیا تھا، اب ان سب کو یاد آ گیا کہ مادام سونیا کو سحر زدہ کرنے والا ایک زہریلا انسان وہاں موجود ہے۔

ذرا سی دیر میں سونیا اپنی جگہ تنہا کھڑی رہ گئی۔ تمام لوگ دور ہٹ گئے تھے۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر کوبرا مین آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے سونیا سے کہا۔

"تم اطمینان سے اس سے نمٹ سکتی ہو، میں اس کے دماغ میں موجود رہوں گا۔"

میں کوبرا مین کے دماغ میں پہنچ گیا۔ میں آنکھوں کے راستے اس کے دماغ تک پہنچنے کا محتاج نہیں تھا۔ اسی کی آواز اور اسی کی سوچ کے لہجے نے مجھے اس کے دماغ میں پہنچا دیا تھا۔ اس نے زیرِ لب مسکرا کر کہا۔ "ہیلو سونیا! کیا مجھے پہچانتی ہو؟"

سونیا نے آس پاس کے لوگوں سے کہا۔

"سنو دوستو! میرے یہاں پہنچنے سے پہلے اس سانپ کی اولاد نے کہا تھا کہ سونیا کتنی ہی خطرناک ہو، وہ اس سیاہ چشمہ کے سامنے نظریں جھکا کر بات کرے گی۔"

یہ کہہ کر اس نے سیاہ چشمہ کو دیکھا۔ کوبرا مین نے سرد لہجے میں کہا۔ "سونیا! نظریں جھکا لو۔"

"کوبرا مین! میں خود کو برتر اور حاکم بنا کر نہیں رکھنا چاہتی۔ میں برابری اور دوستی کی قائل ہوں لیکن مجھے غرور پسند نہیں ہے بہتر ہے کہ تم اپنے الفاظ واپس لو اور عورتوں کی عزت کرنے کی خاطر میرے سامنے نظریں جھکا لو۔"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ہال میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا تھا۔ پھر کوبرا مین نے اپنا ہاتھ اپنے سیاہ چشمے کی طرف بڑھایا۔ میں ہال کے تمام لوگوں کے دلوں کی تیز دھڑکنیں نہیں سن سکتا تھا کیونکہ میں زہریلے دماغ میں موجود تھا۔ اس نے چشمہ کے ایک سرے کو تھام کر پھر سرد لہجے میں کہا۔ "اچھا تو تم نظریں ملانا چاہتی ہو، یہ لو..."

اس نے جیسے ہی سیاہ چشمہ آنکھوں پر سے ہٹایا میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا دیا۔ اس کے حلق سے آواز نکلی۔ "اونک... آ... آہ..." وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر لڑکھڑایا، پھر آگے کی طرف جھک گیا۔ سونیا نے کہا۔

"سر نہ جھکاؤ کوبرا مین! میں نے صرف نظریں جھکانے کو کہا ہے۔"

وہ غصے کی شدت سے پاگل ہو کر سونیا کی طرف لپکا۔ وہ انتقام لینے والے سانپ کی طرح سونیا کو اپنے زہریلے دانتوں سے کاٹنا چاہتا تھا۔ میں نے اسے سونیا سے ایک قدم کے فاصلے پر پھر جھٹکا پہنچا کر روک دیا۔ اس نے پھر اپنے سر کو تھام لیا۔ سونیا نے کہا۔

"میں تمہیں بتاتی ہوں کہ تمہاری حیثیت ایک تنکے سے زیادہ نہیں ہے۔ تم ایک پھونک سے اڑ سکتے ہو۔"

یہ کہتے ہی سونیا نے اس کی طرف زور سے پھونک ماری۔ میں نے کوبرا مین کے دماغ کو پیچھے کی طرف جھٹکا دیا۔ وہ لڑکھڑاتے ہوئے پیچھے یوں جانے لگا جیسے پھونکنے سے قدم اکھڑ گئے ہوں۔ سونیا نے آخر میں زور کی پھونک ماری۔ کوبرا مین فرش پر سے اچھلا۔ پھونک مار کر اڑانا اسے کہتے ہیں۔ وہ اچھل کر پیچھے میز پر گیا جہاں شراب کی بوتلیں اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ پھر کتنی ہی بوتلوں اور گلاسوں کو لیے دیتے میز کی دوسری طرف فرش پر اوندھے منہ گر پڑا۔

تھوڑی دیر تک بوتلوں اور گلاسوں کے گرنے، ٹوٹنے اور لڑھکنے کی آوازیں آتی رہیں۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی تھی۔ پھر زہریلا ناگ پھنکارنے لگا۔ فوں۔ فاں۔ فوں فاں.... وہ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور فرش پر سے اٹھ رہا تھا۔ جوزف وسکی نے سامنے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"بس اب یہ تماشہ ختم ہو جانا چاہیے۔ ماسک مین نے گیارہ بج کر تین منٹ پر ہم سب کو حاضر ہونے کے لیے کہا ہے۔"

کوبرا مین نے دھاڑ کر کہا۔

"جاؤ تم سب حاضری دو۔ ماسک مین سے کہو میں ابھی

اس حرامزادی کی لاش لے کر آ رہا ہوں۔"
جوزف دسکی نے التجا آمیز لہجے میں کہا۔
"انتونی! تم اصول کے خلاف بات کر رہے ہو۔ یہاں سب ہی آپس میں ایک دوسرے کی صلاحیتوں کو آزماتے رہتے ہیں۔ مگر کوئی احساسِ کمتری میں مبتلا ہو کر کسی کا دشمن نہیں بن جاتا۔ انتونی! ہم سب آپس میں دوست ہیں۔"
"ہاں ہم سب دوست ہیں مگر یہ....."
کوبرا مین پھر سونیا کو گالی دینا چاہتا تھا، اس سے پہلے ہی میں نے اس کی کھوپڑی الٹا دی۔ وہ پیچھے ایک دیوار سے جا کر ٹکرا گیا۔ جوزف دسکی نے اب سونیا کو التجا آمیز نظروں سے دیکھا سونیا نے کہا۔ "جوزف دسکی! میں مجبور ہوں۔ یہاں سب دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کسی پر حملہ نہیں کیا۔ صرف جوابی حملے کر رہی ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میں شکست تسلیم کر لوں؟"
وہ بولا۔ "مادام! اس وقت مصلحت سے کام لیا جا سکتا ہے آپ جیت کر ہار مان لیں۔ اس میں آپ کی بڑائی ہے۔"
سونیا نے تمام لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"میں مصلحتاً ہار مان سکتی ہوں مگر یہ سانپ کا بچہ مجھے زیر کر کے آج کی رات میرے ساتھ گزارنا چاہتا ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ رات گزاروں؟"
کسی نے جواب نہیں دیا۔ سب خاموش رہے۔ کوبرا مین اس کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ اس کے جوتوں تلے کانچ کے ٹکڑے اور زیادہ ٹوٹ ٹوٹ کر کراہ رہے تھے۔ اس نے چند قدم کے فاصلہ پر رُک کر سونیا کو بڑے ہی دوستانہ انداز میں مخاطب کیا۔ مقصد یہ تھا کہ سونیا بے اختیار دیکھے گی تو وہ اسے اپنی زہریلی نگاہوں کی گرفت میں لے لے گا۔
ایسا ہی ہوا۔ سونیا کو خیال نہ رہا کہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہیے۔ اس نے بے اختیار سر گھما کر اسے دیکھا مگر میں نے کوبرا مین کی گردن دائیں طرف گھما دی۔ سونیا کو فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے کہا۔
"تم مکاری سے مجھے نگاہوں کی گرفت میں لینا چاہتے ہو مگر یہ حسرت تمہارے دل ہی میں رہ جائے گی۔ میں اب بھی تمہیں سمجھاتی ہوں۔ اگر کچھ روز اس دنیا کو دیکھنا چاہتے ہو تو مجھ سے دور رہو۔"
کوبرا مین نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگائی لیکن جس دماغ نے اسے چھلانگ لگانے کی ترغیب دی تھی وہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جیسے ہی سونیا کو دبوچنے کے لیے فضا میں اچھلا۔ میں نے اس کے دماغ کی اسٹیرنگ دائیں طرف گھما دی۔ سونیا کے بائیں طرف ستون تھا۔ وہ ستون سے جا کر لپٹ گیا۔ چوٹ لگنے پر اسے پتہ چلا کہ وہ سونیا نہیں ہے۔
"لوگو!" سونیا نے کہا۔ "دیکھو اس پاگل کے بچے کو خواہ مخواہ مجھ پر حملے کیے جا رہا ہے۔ اس کے جسم میں سانپوں کا زہر ہے اس کی فطرت میں سانپوں جیسی انتقام لینے والی ضد ہے۔ اب میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ میں اسے موت کے بستر پر سلا رہی ہوں۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی میں نے کوبرا مین کو سمجھایا کہ وہ میز کی طرف جائے اور ٹوٹی ہوئی بوتل سے سونیا کا چہرہ بگاڑ دے۔ وہ تیزی سے میز کی طرف گیا۔ اس نے اپنے ایک ایک ہاتھ میں شراب کی ایک ایک بوتل کی گردن پکڑی، پھر انہیں زور سے میز کے کنارے مار کر توڑ دیا۔ شراب دور تک بہتی چلی گئی۔ اب اس کے دو ہاتھوں میں دو ٹوٹی ہوئی بوتلیں تھیں۔
وہ خونخوار درندے کی طرح سونیا کی طرف پلٹ گیا۔ پھر وہ پینترے بدلتے ہوئے دونوں ہاتھوں کو کبھی آگے کبھی پیچھے حرکت دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ٹوٹی ہوئی بوتلوں کا رُخ کبھی سونیا کی طرف ———— اور کبھی خود اس کی طرف ہوتا تھا۔ اسی طرح پینترے بدلنے اور آگے پیچھے ہاتھ چلانے کے دوران اس کے دماغ کو جھٹکا پہنچا۔ دونوں ہاتھ تیزی سے اس کے اپنے چہرے کی طرف آئے۔ پھر ٹوٹی ہوئی بوتلیں اس کی دونوں آنکھوں میں کھُب گئیں۔
اس کی فلک شگاف چیخوں سے ہال کے در و دیوار گونج رہے تھے۔ اس کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے رات آ گئی تھی اور وہ اندھیرے میں ادھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ جن زہریلی آنکھوں سے وہ کسی کو مسحور کر دیتا تھا، کسی کو مدہوش کر دیتا تھا اور کسی کو ذہنی مریض بنا دیتا تھا، وہ آنکھیں بجھ گئی تھیں، اور وہاں سے بہتا ہوا لہو چہرے کو سرخ اور بھیانک بنا رہا تھا۔ وہ ڈگمگاتا ہوا ادھر ادھر بھٹکتا ہوا لڑکھڑا کر فرش پر گرا اس کے بعد بے ہوش ہو گیا۔
تمام لوگ سونیا کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے موت کا چہرہ دیکھ رہے ہوں۔ اب سے پہلے انہوں نے نہ کبھی سنا تھا، نہ دیکھا تھا کہ موت اس طرح سے سولہ سنگار کر کے آتی ہے۔ میں نے کہا۔
"سونیا! سانپ کا سر کچلنا ہی پڑتا ہے مگر وہاں سب کے سب تم سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم ماسک مین سے ملاقات کرنے کا وقت بدل دو۔ ان سے کہو کہ اب تم رات کے آٹھ بجے ماسک مین سے باتیں کرو گی۔"
سونیا نے کہا۔ "تم وقت کیوں بدل رہے ہو؟ کیا یہ جاننے کی بے چینی نہیں ہے کہ ماسک مین کمپیوٹر ہے یا آدمی کا بچہ؟ اور وہ ہمارے سوچ کس طرح پڑھ سکتا ہے؟"

"ہاں۔ یہ باتیں میں جلد از جلد معلوم کرنا چاہتا ہوں لیکن یہاں میری اپنی مصروفیات کچھ ایسی ہیں کہ مجھے یہاں بھی توجہ دینی ہوگی۔"
"ہاں، تمہیں اپنے آس پاس کی بھی خبر رکھنی چاہیے۔ ٹھیک ہے میں ان لوگوں سے نمٹ رہی ہوں۔"
یہ کہہ کر اس نے جوزف دسکی اور زویچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"اب میں واپس جا رہی ہوں۔"
"آں۔" وہ دونوں پریشان ہو کر تیزی سے اس کے سامنے آئے اور التجا کرنے لگے کہ اسے ماسک مین سے باتیں کرنے کے بعد جانا چاہیے۔ اس نے کہا۔
"مجھے افسوس ہے۔ میرا موڈ خراب ہو چکا ہے۔ ماسک مین سے کہو میں رات کے آٹھ بجے ملاقات کر سکتی ہوں۔"
یہ کہہ کر وہ دروازے کے پاس گئی۔ پھر وہاں سے پلٹ کر تمام لوگوں کو مخاطب کرتی ہوئی بولی۔
"دوستو! میں یہاں دوستی کرنے آئی ہوں، تمہیں اور تمہارے ماسک مین کو دوستی ہی راس آئے گی۔ اگر اب بھی کسی کے دل میں کھوٹ ہے تو وہ اپنے دل سے دشمنی کا سودا نکال دے۔ میں دشمنوں کو معاف نہیں کرتی کیونکہ میں نے سانپوں کو دودھ پلانا نہیں سیکھا ہے۔"
وہ پلٹ کر چلی گئی۔ باہر اس کے لیے ایئرکنڈیشنڈ کیڈیلاک کھڑی ہوئی تھی۔ میں اسے چھوڑ کر ہال میں جوزف دسکی کے پاس پہنچ گیا۔ کوبرا مین کو اسٹریچر پر ڈال کر لے جایا جا رہا تھا۔ اسے جو عبرتناک سزا ملی تھی اس پر تمام لوگ تبصرہ کر رہے تھے اور سونیا کی حمایت میں بول رہے تھے۔
میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وہ سونیا کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں۔ وہ سب اس ہال سے نکل کر تین منٹ بعد اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں ماسک مین عرف کمپیوٹران کا منتظر تھا۔ تمام لوگ گول میز کے اطراف کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جوزف دسکی مشین کے سامنے رپورٹ پیش کرنے لگا۔ وہاں بھی تمام لوگ سونیا کی حمایت کر رہے تھے۔ آخر کمپیوٹر سے جواب موصول ہوا۔ سفید کاغذ کی لانبی ربن پر لکھا ہوا تھا۔
"کوبرا مین بہت کام کا آدمی تھا اسی لیے میں اس کی ضد اور غصے کو برداشت کرتا رہا۔ بہرحال اسے سزا مل چکی ہے۔ تم لوگوں کے بیانات سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مادام سونیا کا رویہ شروع سے دوستانہ رہا تھا۔ میں تم سب سے کہتا ہوں کہ مادام سونیا سے محبت کرو۔ وہ بہترین دوست ثابت ہوں گی۔
ایک بات کا میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ سپر ماسٹر کی طرح میں مادام سونیا کو دشمن بنانے کی حماقت نہیں کروں گا۔ اس وقت جبکہ تم سب یہ تحریر پڑھ رہے ہو، میں سمجھتا ہوں کہ مادام بھی تمہارے دماغوں کے دریچے کھول کر میری باتیں سُن رہی ہوں گی۔ میں مادام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ماسک مین کی دوستی کو بھی آزما کر دیکھیں۔ انہیں کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ میں ان کے مقرر کردہ وقت پر ان کا منتظر رہوں گا...... فقط۔ ماسک مین۔"
ماسک مین کا تحریری جواب پڑھ کر میں مطمئن ہو گیا کہ فی الحال وہاں کوئی سونیا کا دشمن نہیں ہے۔

★

پرتگال کے رئیسِ اعظم روز و براناڈو کا بحری جہاز "رومانہ" سمندر کے سینے کو چیرتا ہوا ہانگ کانگ کی طرف جا رہا تھا۔
روز و براناڈو نے اپنی لاڈلی بیٹی رُومانہ براناڈو کے نام پر جہاز کا نام رُومانہ رکھا ہوا تھا۔ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں دونوں باپ بیٹی کے دو روپ تھے۔ روز و براناڈو جب سمندر کی گود میں قانون سے کھیلتا رہتا تو اس وقت وہ سمندری عقاب کے بہروپ میں ہوتا تھا اس کی بیٹی اصلی روپ میں ہوتی تھی کیونکہ وہ سمندری ہنگاموں کے دوران میک اپ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھی لہٰذا اس کا چہرہ اصلی ہوتا تھا صرف نام فرضی ہوتا تھا اور وہ نام تھا لیڈی سارا.....
رومانہ عرف سارا ایک بھرپور جوان دوشیزہ تھی۔ سمندری عقاب نے اسے بچپن ہی سے جوڈو کراٹے، سوئمنگ، ریسلنگ، رائفل شوٹنگ اور جمناسٹک کی تربیت دی تھی۔ اس کے لیے چین کے نامور استادوں کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اسے ابتدا سے ہی خطروں سے کھیلنا اور سمندر سے لڑنا سکھایا تھا۔ باپ چاہتا تھا کہ کوئی اسے کمزور لڑکی نہ سمجھے۔ جب وہ جوان ہوئی تو پتہ چلا کہ اب وہ لڑکی نہیں رہی عادتاً لڑکا بن گئی ہے۔ خود کو مرد سمجھتی ہے اور مردانہ لباس پہنتی ہے۔
سارا سے میری یہی ضد تھی کہ اسے لڑکیوں کا لباس پہننا چاہیے لیکن وہ خود کو ایک عورت سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ میری بہترین دوست بن گئی تھی مگر عشق و محبت کے ذکر پر ایسا غصہ آتا کہ مجھ سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاتی تھی۔ دراصل یہ اس کے باپ کا قصور تھا۔ اس نے مکھن کی ٹکیہ کو بارود کی ڈبیہ بنا دیا تھا۔ جو ہر وقت دھماکے سے پھٹ پڑتی تھی۔
میں اسے مکھن کی ٹکیہ غلط نہیں کہتا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش ایسے تھے کہ سامنے بیٹھ کر تصویر کی طرح دیکھے جا سکتے تھے۔ بدن کا رنگ اجلا اور مکھن کی طرح پھسلتا ہوا تھا۔ جمناسٹک کی تربیت ایسی ہوتی ہے کہ جسم کے خطوط اپنی بھرپور رعنائیوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ کسرتی بدن کی یہی خوبیاں سارا کے وجود میں تھیں۔ بدن کے نشیب و فراز ایسے جاذبِ نظر اور ایسے دل کو کھینچنے والے تھے کہ کوئی ادھر کھنچا چلا جاتا تو ان نشیب و فراز کے سائے سائے جوڈو کراٹوں کی بارش میں بھیگ کر واپس آتا تھا۔

اس وقت میں سارا کے کیبن میں اس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اور وہ میرے کیبن میں تھی تاکہ سے یوں مجھے پریشان نہ کرے وہ مجھے تلاش کر رہی تھی۔ سمندری عقاب نے اسے سمجھا دیا تھا کہ فریہ سے پانچ بجے کے بعد ملاقات ہوگی لہٰذا وہ بڑی بے چینی سے پانچ بجنے کا انتظار کر رہی تھی۔

میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ چار بجنے کے لیے ابھی دس منٹ باقی تھے۔ میں نے آخری بار سمندری عقاب کے دماغ میں جھانک کر اس وقت دیکھا تھا جب وہ گرین روم میں آئینے کے سامنے بیٹھا اپنے اصلی روپ میں آرہا تھا۔ یعنی اپنے چہرے پر سے سمندری عقاب کا ماسک اتار رہا تھا۔ اب تقریباً سوا دو گھنٹے کے بعد میں نے پھر اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھا تو وہ گرین روم سے بہت پہلے ہی نکل چکا تھا اور جہاز کے نچلے حصے میں انجن روم کے پاس انجینئر سے باتیں کر رہا تھا۔

اب اس کا چہرہ اور اس کی شخصیت بدل چکی تھی۔ وہ پرتگال کا رئیسِ اعظم روز و براؤن بن چکا تھا اور اس کے جہاز کے مستول پر پرتگالی پرچم لہرا رہا تھا۔ اب بحری پولیس یا کوئی دشمن یہ ثابت نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کسی اسمگلر کا جہاز ہے۔ میں اس کے دماغ سے نکل کر سارا کے پاس پہنچ گیا۔

وہ میرے کیبن میں تھی۔ اس کے خوابیدہ ذہن نے بتایا کہ وہ گہری نیند میں ہے اور بڑے ہی الجھے ہوئے خواب دیکھ رہی ہے جو لوگ دوہری شخصیت کے حامل ہوتے ہیں وہ اکثر الجھے ہوئے خواب دیکھتے ہیں۔ بیدار ہونے کے بعد انہیں یاد نہیں آتا کہ وہ نیند کی حالت میں کیا دیکھ رہے ہیں۔

سارا کی بھی دوہری شخصیت تھی۔ وہ پیدائشی طور پر لڑکی تھی مگر عادتاً لڑکا بن گئی تھی۔ ایسے میں وہ خواب دیکھ رہی تھی کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو رہا ہے اور جس بحری جہاز میں وہ سفر کر رہی ہے وہ فضا میں ہوائی جہاز کی طرح پرواز کر رہا ہے۔ چونکہ وہ لڑکی ہو کر لڑکا بننے کی الٹی بات کرتی تھی اس لیے ایسے ہی الٹے خواب دیکھتی تھی۔

میں نے ایک بار اس سے کہا تھا۔ "تمہارے انکار کرنے سے قدرت کی صناعی میں فرق نہیں آئے گا۔ یہ بحری جہاز ہے۔ تم اسے ہوائی جہاز کہو گی تو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔"

میری یہی بات اس کے ذہن میں آئی تھی اور وہ اپنے بحری جہاز کو فضا میں پرواز کرتے دیکھ رہی تھی۔ ایسے وقت میں اس کے خواب میں ترمیم و اضافہ کرنے لگا۔ میں نے اس کی خوابیدہ سوچ میں کہا۔

"ایسی الٹی پرواز پستی میں لے جاتی ہے۔"

چشم زدن میں خواب کا منظر بدل گیا۔ وہ خود کو گہری پستی میں دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"فریہ نے جوڈو کا ہاتھ دکھا کر مجھے ریسلنگ رِنگ میں پھینک دیا ہے۔"

میں اسے ایک بار رِنگ میں پھینک چکا تھا۔ وہی منظر وہ دیکھنے لگی۔ وہ میرا ہاتھ تھام کر رِنگ کے گدّے پر سے اٹھ رہی تھی۔ میں نے اپنا ایک ہاتھ اس کی گردن کے پیچھے سے لیجا کر اس کے شانہ پر رکھ دیا، وہ بولی۔

"آج تک کوئی میرے اتنے قریب آکر مجھے اس طرح ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کر سکا مگر میں تمہارا غم غلط کرنے کے لیے اس جرأت کو برداشت کر لیتی ہوں۔"

میں اس کی سوچ میں پھول کھلا رہا تھا انگشت کی انگلیوں سے تراشتے ہوئے اس کے بدن کی تمام دلفریبیاں ہر حال میں میرے لیے ہیں۔ وہ گھبرا رہی تھی۔ مجھ سے کترانا چاہتی تھی مگر خواب میں اپنی مرضی نہیں چلتی

خواب میں چلتی چلتی وہ پھول نگر میں پہنچ گئی۔ چاروں طرف حدِ نظر تک خوش رنگ پھول کھلے ہوئے تھے اور اس کے سانسوں کے لیے خوشبو لٹا رہے تھے۔ وہ چیختے ہوئے رنگوں کا بلاؤز اور اسکرٹ پہنے ہوئے تھی۔ لڑکپن کا دور تک پتہ نہ تھا۔ لڑکی پن رگ رگ میں سما گیا تھا۔ آنکھوں میں خواب اتر آئے تھے، رخساروں پر گلاب کھل رہے تھے۔ سینے میں ہوک تھی۔ لبوں پر کوئل کی کوک تھی۔ وہ پکار رہی تھی اور میں اس کے سامنے آگیا تھا۔

میں نے رومانہ کے اصل روپ کو اجاگر کرنے کیلئے کہا۔

"رومانہ! مجھے تمہارا یہی حسین روپ پسند ہے۔ جب سے میں نے تمہاری تصویر دیکھی ہے، تب سے سارا کو بھول گیا ہوں تمہیں خوابوں میں دیکھتا ہوں۔

وہ نیند کی حالت میں ذرا کسمسانے لگی مگر وہ آنکھ نہیں کھول سکتی تھی۔ اس کی آنکھیں، اس کا دماغ، اس کی سوچ اور اس کے خواب سب کے سب میرے کنٹرول میں تھے، میں نے کہا۔

"رومانہ! وہ پھول ہی کیا جسے کوئی سونگھنا گوارا نہ کرے ایسا پھول سارا ہے۔ تم ایسی کلی ہو جو کھلنے کے لیے پیدا کی گئی ہے۔"

ٹھیک ایسے ہی وقت میں نے اچانک ہی اسے خواب کی زنجیروں سے آزاد کر دیا۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس انداز سے دھڑک رہا تھا ورنہ بڑے بڑے خطرات سے کھیلتے وقت بھی دل کی دھڑکنیں یوں پاگل نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بوکھلائی ہوئی سی آس پاس دیکھ رہی تھی۔ جب

اسے یقین ہو گیا کہ وہ کیبن میں ہے، پھولوں کی وادی میں نہیں ہے تو وہ اطمینان سے سانسیں لینے لگی۔

صرف اس بات کا اطمینان تھا کہ اس بند کیبن میں کوئی اس کی کمزوری پکڑنے والا نہیں ہے۔ ویسے اس کا سکون لٹ چکا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ "اُف! یہ میں کیسا خواب دیکھ رہی تھی۔ یہ..... یہ سب کیا تھا۔ مجھے ایسا خواب نہیں دیکھنا چاہیئے میں کیا کروں؟"

میں نے کہا۔ "میں کچھ نہیں کر سکتی۔ خواب تو خود بخود آنکھوں میں اتر آتے ہیں۔ ویسے ماہرِ نفسیات کہتے ہیں کہ انسان جو کچھ سوچتا ہے، اور وہ سوچی ہوئی بات حقیقی زندگی میں پوری نہیں ہوتی تو خواب میں اس کی تکمیل ہو جاتی ہے۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی پھر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

"کیا میں فریہ کو اس طرح دوست بنانے کے لیے سوچ رہی تھی؟ نہیں... کبھی نہیں...!"

میں نے جواب دیا۔ "ہاں... ہاں۔ میں بظاہر ایک مرد کی طرح اس سے دوستی کر رہی ہوں، مگر میرے لاشعور میں جو پیدائشی عورت چھپی ہے وہ فریہ کے بازوؤں میں جا کر ٹوٹ جانا چاہتی ہے بالکل خواب کی طرح.....!"

سوچتے سوچتے اس کا بدن ٹوٹنے لگا۔ جذبے اندر سے پھول کی طرح کھلتے ہیں، باہر سے پتھر کی طرح بدن توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اس نے بھرپور انگڑائی لی۔ جسم کمان کی طرح کھنچ گیا۔ درد میں کمی ہوئی۔ ذرا سکون ملا۔ پھر بدن کو ڈھیلا چھوڑتے ہی سوچیں مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگیں۔

"یہ کیا ہوا؟ کیوں ہوا؟ کیسے ہوا؟ میں فریہ کے بارے میں اب نہیں سوچوں گی۔ سوچتے رہنے سے ہی ایسے خواب آتے ہیں۔"

وہ بستر سے باتھ روم کی طرف جانے کے لیے اٹھی تو سامنے دیوار پر لگے ہوئے آئینے نے اسے روک لیا۔ وہ اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ شانوں تک تراشیدہ زلفیں خوابِ پریشاں کی طرح بکھری ہوئی تھیں۔ آنکھوں میں اب نیند نہیں تھی۔ مگر خمار تھا۔ وہ حیرانی سے سوچنے لگی کہ اس کی نیلی نیلی آنکھیں پہلے اتنی حسین نہیں تھیں، جیسی کہ اب لگ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔

"یہ آنکھیں اس لیے حسین لگ رہی ہیں کہ ان کے پیچھے کسی کا چھپا چھپا سا تصور ہے۔"

وہ چونک کر غور سے اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ میں نے پھر کہا۔

"ہانڈی آگ کے بغیر نہیں پکتی۔ جب تک مرد کی سوچیں آنچ نہیں دیتیں، عورت کا حسن نہیں نکھرتا۔"

وہ بھاگتی ہوئی باتھ روم میں جا کر گھس گئی۔ دروازے کو ایک زوردار آواز کے ساتھ بند کر دیا۔ میں فوراً ہی اس کے دماغ سے نکل گیا کیونکہ ہمارے درمیان شرم و حیا کی دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ میں پچھلی رات سمندری عقاب کے کپڑے، جوتے اور شیونگ وغیرہ کا سامان لے آیا تھا لہٰذا میں بھی بستر سے اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔

شیو کرنے اور غسل وغیرہ سے فارغ ہونے میں میں نے جان بوجھ کر زیادہ وقت صرف کیا۔ سارا کیبن سے نکل کر اپنے جہاز کے بدلے ہوئے حلیے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر وہ اپنے باپ سے ملنے گئی تو اسے روز و براؤن کے روپ میں دیکھ کر بولی۔

"اوہ پپا! کیا آپ نے پروگرام بدل دیا ہے؟"

"ہاں۔ اب ہم معزز شہری بن کر وہاں جائیں گے۔"

"مگر کیوں؟ کیا آپ پرنس موڈی کو اس آفیسر کی لاش کا تحفہ نہیں بھیجیں گے؟"

"نہیں، میں نے اس آفیسر کی لاش سمندر میں پھنکوا دی ہے فریہ نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں اس آفیسر کی لاش کے ساتھ تمہیں جانے دوں۔ پرنس موڈی سمجھے گا کہ تم اپنے باپ کی لاش لے جا رہی ہو۔ اس کے آدمی تمہیں اغوا کریں گے۔ پھر فریہ تمہاری بو سونگھتا ہوا ان کا پیچھا کرے گا اور اس کے خفیہ اڈے تک پہنچ جائے گا۔"

"اوہ پپا!" سارا نے خوش ہو کر کہا۔ "کتنا شاندار منصوبہ ہے۔ ایک دم فُل آف ایڈونچر۔ فریہ اگر میری پشت پر ہوگا تو میں پرنس موڈی کے چھکے چھڑا دوں گی۔"

فریہ کا نام لیتے وقت اس کی زبان ذرا سا لڑکھڑا گئی تھی میں اس کے تصور میں چلا آیا تھا۔ مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ باپ کی باتیں توجہ سے سننے لگی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"سارا! تم جوان ہو۔ اپنی عمر اور لہو کی حرارت کے مطابق دشمنوں کا پیچھا کرنے، انہیں گھیرنے، ان سے لڑنے جھگڑنے اور انہیں نیچا دکھانے کی باتیں سوچتی ہو۔ فریہ بھی جوان ہے، وہ بھی ایسے ہی منصوبے بناتا ہے مگر میں بوڑھا ہوں۔ میرے تجربات سکھاتے ہیں کہ سامنے آگ ہے تو اس سے دامن بچا کر نکل جاؤ۔"

"پپا! آپ تو مایوس کر رہے ہیں۔"

"بیٹے! یہ مایوسی نہیں، دانائی کی باتیں ہیں۔ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ پرنس موڈی تمہارے خلاف کیسے منصوبے بنا سکتا ہے وہ یہ بھی سوچ سکتا ہے کہ آفیسر نے تو عقاب کو زہر دے کر ہلاک کر دیا ہوگا۔ اب یہ جہاز سارلس کے کمانڈ کے تحت آرہا ہوگا۔ کیوں نا اسے سمندر میں گھیر لیا جائے۔ وہ بحری پولیس کو لے کر یہاں آئے

گا۔ اسمگلنگ کا مال پکڑ دانے گا۔ پھر تم پر احسان کرنے کیلئے تمہیں ضمانت پر رہا کرا کے اپنے ساتھ لے جائے گا۔ وہ تو یہی سمجھتا ہے ناکہ میں مر چکا ہوں لہٰذا وہ اس قسم کی بہت سی تدبیریں کریگا۔"

سارا اس کی باتوں سے قائل ہو رہی تھی۔ میں بھی تسلیم کر رہا تھا کہ بوڑھے عقاب کا تجربہ مجھ سے زیادہ ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ اپنے دشمنوں کی چالوں کو سمجھتا ہے۔ وہ سارا کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اب حالات کے تحت تمہیں اپنا حلیہ بدلنا ہوگا۔ آؤ میں تمہیں رُومانہ بنا دوں...."

"آل رائٹ پپا!" وہ خوش ہو کر بولی۔ پھر ایکدم سے چونک گئی کیونکہ خواب میں اس نے رُومانہ کو دیکھا تھا

اسے خواب سے پہلے کی بھی باتیں یاد آئیں۔ میں نے البم میں رُومانہ کی تصویر دیکھ کر اس سے لگاوٹ کا اظہار کیا تھا اس لیے اب وہ سوچ رہی تھی۔

"میں رُومانہ کے رُوپ میں فرید کا سامنا نہیں کروں گی۔ وہ خواب یاد آتا رہے گا۔"

وہ چلتے چلتے رُک گئی۔ باپ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

"میں رومانہ کا میک اپ نہیں کروں گی۔"

"کیوں نہیں کرو گی؟"

"مجھے عورتوں والا لباس پہننا ہوگا۔"

"یہ تو مجبوری ہے۔ پہلے بھی تم پہنتی تھیں۔"

"ہاں، مگر میں اس لباس میں فرید کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"

"اوہ بیٹے! وہ تمہیں ایسے لباس میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے دیکھنے دو۔ یہ تو سوچو کہ اس نے میری جان بچائی ہے۔ کیا تم اس کی آرزو پوری نہیں کر سکتیں؟"

وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔

"میں پپا کو کیسے سمجھاؤں کہ فرید نے مجھے بلاؤز اسکرٹ میں دیکھنے کی چھوٹی سی آرزو کی تھی اور میں سوتے سوتے آرزوؤں کے شہر میں چلی گئی تھی۔ جو کچھ بھی ہو وہ ایک خواب تھا۔ میں سچ مچ رومانہ بن کر اس کے سامنے نہیں جاؤں گی۔"

وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"پپا! مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔ میں نے فرید کو رومانہ کی تصویر دکھادی تھی۔ وہ پہچان لے گا کہ رومانہ کے پیچھے میں چھپی ہوئی ہوں۔"

"غلطی تم نے کی اور پریشان مجھے کر رہی ہو۔ چلو دیر نہ کرو۔ میں رونڈو برانڈو ہوں تو یہاں میری بیٹی رومانہ کو ہونا چاہیے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ تمہیں سارا کے رُوپ میں بحری پولیس کے تمام چھوٹے بڑے افسر پہچانتے ہیں؟"

"اگر میں چھپ جاؤں تو؟"

"کیسے چھپوگی؟ کہاں چھپوگی؟"

"دیکھئے پپا! یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کے ساتھ آپ کی بیٹی رومانہ سفر کر رہی ہو۔ اس لیے میں یہاں نہ تو رومانہ بن کر رہوں گی اور نہ ہی سارا بن کر۔ میں کسی اجنبی لڑکی کے میک اپ میں چھپ جاؤں گی۔"

"اور اگر فرید نے پوچھا کہ سارا کہاں ہے؟"

وہ پاؤں پٹخ کر بولی۔

"آپ کوئی بہانہ کر دیں۔ آپ یہ کہہ دیں کہ آپ سارا کے لیے آگے خطرہ محسوس کر رہے تھے اس لیے ایک موٹر بوٹ کے ذریعہ اسے دوسری جگہ بھیج دیا گیا ہے۔"

"اچھا چلو۔ کسی اجنبی لڑکی کے میک اپ میں چھپ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ بحری پولیس کے آدمی تمہیں سارا کے رُوپ میں یہاں دیکھیں۔"

وہ دونوں گرین روم کی طرف جانے لگے۔ مجھے تعجب ہوا کہ عقاب جیسے جہاندیدہ شخص نے بیٹی کا وہ فضول مشورہ کیسے مان لیا۔ میں اپنی حیرانی دور کرنے کے لیے عقاب کے دماغ سے چپک گیا۔ وہ سوچتا جا رہا تھا۔

"سارا پہلے ایسی نہیں تھی۔ کچھ بدل سی گئی ہے۔ میں نادان نہیں ہوں کہ اس تبدیلی کو سمجھ نہ سکوں۔ فرید اس لڑکی کی زندگی میں کوئی ایسا اہم رول ادا کر رہا ہے جس کی توقع خود اس لڑکی کو نہیں تھی۔ اچھی بات ہے میں فرید سے تعاون کروں گا۔ اسے میک اپ میں چھپنے دو۔ میں چپکے سے فرید کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

میں اس کی سوچ پڑھ کر مسکرانے لگا۔ وہ گرین روم میں پہنچ گئے تھے اور اب سارا کا میک اپ شروع ہونے والا تھا۔ میں وہاں سے واپس آگیا۔ میری گھڑی میں پورے چھ بجے تھے مجھے اس کیبن میں ایک گھنٹہ اور گزارنا تھا تاکہ سارا میک اپ سے فارغ ہو جائے۔

وقت گزارنے کے لیے لوگ رسالے اور اخبارات پڑھتے ہیں۔ میں دوسروں کے دماغوں کی کتابیں کھول کر بیٹھ جاتا ہوں۔ یہی میرا مشغلہ ہے۔ میں ایک گھنٹے کے لیے رومانہ کو چھوڑ کر رومانیہ پہنچ گیا جس کے شہر بخارسٹ میں سونیا ہر لمحہ میری منتظر رہتی تھی۔

لیکن میں سونیا کے ساتھ زیادہ وقت نہ گزار سکا کیونکہ

...رات کے آٹھ بجے تک فرصت تھی۔ سیر و تفریح کا موڈ بنا ...ا تھا۔ وہ کبھی کار میں گھوم رہی تھی کبھی چٹ پٹی چیزیں کھا ...ی تھی۔ اسے کھاتے پیتے دیکھ کر مجھے بھوک لگنے لگی۔ اگر سوچ ...یٹ میں کھانا آجاتا تو میں سونیا کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ ...و جاتا۔ چونکہ یہ ممکن نہیں تھا اس لیے میں بحری جہاز میں ...اپس آگیا۔

میں نے صبح سارا کے ساتھ ہلکا ناشتہ کیا تھا۔ اب شام ...ی تھی اور پیٹ روٹی مانگ رہا تھا۔ میں نے سوچا اب ...ن سے نکلنا چاہیئے۔ سارا اپنے باپ کے ساتھ گرین روم میں ...ی۔ میں سیدھا ڈائننگ ہال میں جا کر پیٹ بھر سکتا تھا۔ یہ ...چ کر میں نے کیبن سے نکلنے کے لیے دروازہ کھول دیا۔ اس ...ے ساتھ ہی وہ دروازے کے سامنے ٹھٹھک گئی۔

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ سے یوُن وہاں سے گزر رہی ...ی۔ دروازہ کھلا تو مجھے دیکھ کر چونک گئی۔ چند لمحوں تک ہم ...ے دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے۔ ہم پچھلی رات سے بچھڑے ...ئے تھے۔ وہ میرے لیے جاگتی رہی تھی۔ مجھے تلاش کرتی رہی تھی ...ب جو اس نے دیکھا تو پہلے یقین نہ آیا کہ اس نے سچ مچ مجھے ...ڈھونڈ نکالا ہے۔ پھر ایکدم سے آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ ...ر رونے لگی۔

"تم مجھ سے نفرت کرتے ہو۔ میں سمجھ گئی ہوں۔ تم مجھ سے ...بھاگ رہے ہو۔"

چینی دوشیزہ کا قد چینی کے دانے یا ہیرے کی کنی جیسا ...تھا۔ اس کا سر میرے پیٹ سے لگ رہا تھا اور میرے پیٹ ...میں بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔ میں نے جس محبت اور خلوص سے ...تمہارا ساتھ دیا ہے۔ اس کے پیشِ نظر تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں تم ...سے نفرت کرتا ہوں؟"

"پھر تم نے میری خبر کیوں نہیں لی؟"

میں نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرے کو اوپر اٹھایا اور رُومال ...سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے حسین ...چہرے پر میری انگلیاں کانپ رہی ہیں اور میری دھڑکنیں ...بہک رہی ہیں۔ وہ چینی دوشیزاؤں کا لباس جو تنگ سام پہنے ...ہوئے تھی۔ یہ لباس ٹخنوں سے گردن تک ہوتا ہے اور ایسے ...سلیقے سے تراشا جاتا ہے کہ بدن کے زاویئے چھپ کر بھی وضاحت ...سے ڈوبتے ابھرتے نظر آتے ہیں۔ اسے دیکھ کر میں پھر ڈوبنے ...ابھرنے لگا۔ حالات کہہ رہے تھے کہ یہ لڑکی ضرور مجھے ڈبو دے گی۔ ...میں نے خود کو بہلانے کے لیے باتوں کا سہارا لیا۔ اس سے کہا۔

"میں تم سے ملنے کے لیے صبح تمہارے کیبن کی طرف جا رہا تھا مگر وہاں تمہارے ساتھ سارا کو دیکھ کر واپس آگیا۔"

وہ خوش ہو کر بولی۔ "سچ، تم آئے تھے؟"

"کیا میری سچائی اس بات سے ثابت نہیں ہوتی کہ سارا وہاں بہت دیر تک تمہارے پاس رہی اور میں بہت دیر تک بھٹکنے کے بعد یہاں آکر سو گیا۔"

میری اس بات سے اس کے تمام گلے شکوے دور ہو گئے میں اس کا ہاتھ تھام کر ڈائننگ ہال کی طرف جانے لگا۔ اس نے کہا۔ "میرے کیبن میں چلو۔ میں تم سے ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"مجھے بہت زور کی بھوک لگ رہی ہے۔ آؤ ہم کھانے کے دوران باتیں کریں گے۔"

وہ تنہائی چاہتی تھی مگر ڈائننگ ہال میں تنہائی نہیں تھی۔ ہم ایک چھوٹی سی میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ میں نے کھانے کا آرڈر دینے کے بعد سے یوُن سے پوچھا۔

"یہ تمہیں چینی لباس کہاں سے مل گیا؟"

"یہاں جہاز میں بہت سی مزدور لڑکیاں ہیں۔ ایک چینی لڑکی بھی ہے۔ اس نے مجھے یہ لباس دیا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں پہن کر دکھاؤں گی کیسی لگتی ہوں؟"

"تم ہر لباس میں حسین لگتی ہو۔"

چینی زبان میں سے یوُن کے معنی ہیں حسن کی انتہا۔ یہ کہتے ہی وہ سر جھکا کر شرمانے لگی۔

"واقعی تمہیں دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ سے یوُن صرف تمہیں ہی کہنا چاہیئے۔ یہ نام کسی اور لڑکی پر نہیں سجے گا۔"

وہ بدستور سر جھکائے آہستہ آہستہ کہنے لگی۔

"فرید! کل سے اب تک کوئی گھڑی ایسی نہیں گزری کہ میں نے تمہارے بارے میں سوچا نہ ہو۔ پہلے تو میں خود کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہی کہ میں تم سے متاثر کیوں ۔ . . ہو رہی ہوں۔ آج تک میں نے کبھی سنجیدگی سے یہ نہیں سوچا تھا کہ مجھ جیسی لڑکیوں کی زندگی میں کوئی محبوب بھی آتا ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ صرف شوہر آتا ہے۔ اس سے پہلے مجھے کسی کے متعلق نہیں سوچنا چاہیئے۔

لیکن جب تم نے میرے لیے ڈائمنڈ سے جھگڑا کیا، پرائی لڑکیوں کو بدنامی سے بچانے کے لیے ان کی شرمناک تصویریں جلا ڈالیں تو میں اپنے من کے مندر میں آپ ہی آپ تمہارے آگے جھکتی چلی گئی۔ تم مجھ سے کترانے لگے تو مجھے اپنی توہین کا احساس ہوا۔ مجھے تم پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ تمہارے سمجھانے کے باوجود میں سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ سچائی کیا ہے۔

عظیم بدھ نے درس دیا تھا کہ غرور اور غصہ انسان کو سچائی تک پہنچنے نہیں دیتا۔ میں نے خود کو سنجیدگی سے ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ میرے اندر چھپا چھپا سا غرور ہے کہ میں بے حد حسین ہوں اور غصہ اس بات کا ہے کہ تم اس حسن کی قدر نہیں کر رہے ہو۔ اپنے دل کی گہرائی میں جھانکنے کے بعد گیان حاصل ہوا کہ بے شک میں حسین ہوں اور بے شک تم قدر دان ہو اور ہم دونوں کے درمیان سچائی یہ ہے کہ تصویریں جلا کر دوسری عورتوں کی شرم رکھنے والا میری بھی شرم رکھ رہا ہے۔

اب میں سمجھ گئی ہوں کہ تم میرے ساتھ میری اُس معصومیت کو بھی میرے گھر پہنچانا چاہتے ہو، جو میرے ساتھ پیدا ہوئی تھی۔ میں نے کل بھی کہا تھا، آج بھی کہتی ہوں کہ تم دیوتا ہو۔ جب تم بچھڑ جاؤ گے تو میں بہت روؤں گی۔ جب تک زندہ رہوں گی، تمہاری یاد آنسو بن کر آتی رہے گی۔

بس آخر میں ایک بات کہوں گی۔ انسان کو ایسا دیوتا نہیں بننا چاہیے جس کے لیے کسی کی آنکھ ہمیشہ روتی رہے۔۔۔"

وہ سر جھکا کر اپنے آنسو ضبط کرنے لگی۔ ایک ملازم ہماری میز پر کھانا چن رہا تھا۔ جب وہ چلا گیا تو میں نے کہا۔

"مے یون! لوگ پتھر کو بھگوان بنا دیتے ہیں۔ تم نے مجھ انسان کو دیوتا بنا دیا۔ غلطی میری نہیں ہے۔ اگر ہم انسانی عظمت تک پہنچنے کے لیے کوئی اچھا کام کرتے ہیں تو اس طرح ہم اشرف المخلوقات کا ٹائٹل برقرار رکھتے ہیں۔ ایسے مقام پر دیوتا یا فرشتے بھی ہم سے برتر نہیں ہوتے۔

اب میں تمہیں بتاؤں کہ انسان کیا ہے؟ انسان اپنے اندر شیطان ہے اور انسان اپنے اندر مجاہد ہے، جو شیطان کے خلاف جہاد کرتا رہتا ہے۔ کبھی اس سے شکست کھاتا ہے کبھی اسے شکست دیتا ہے۔ ہم دونوں ہی کل سے اس جہاد میں مصروف ہیں۔ کبھی شیطان سے شکست کھا کر بہکنے پر آتے ہیں کبھی اسے شکست دے کر سنبھل جاتے ہیں۔ چلو کھانا شروع کرو۔ ابھی تو جہاد جاری ہے۔"

میں نے کھانا شروع کیا۔ وہ چپ بیٹھی رہی۔ میں نے اپنے ہاتھ سے ایک لقمہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ سر اٹھا کر بھیگی آنکھوں سے مسکرائی۔ پھر اس لقمہ کو منہ میں رکھ لیا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ کھانے لگی۔ ذرا دیر بعد میں نے پوچھا۔

"کیا سوچ رہی ہو؟"

وہ تو میں خود ہی سوچ پڑھ سکتا تھا۔ اس سے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ اسی بہانہ وہ کچھ بولتی رہے۔ اس نے کہا۔

"ایک چینی کہاوت ہے کہ دُکھ کے پنچھی کو سر پر پرواز کرنے دو مگر اسے سر پر گھونسلا بنانے کا موقع نہ دو۔"

"بہت عمدہ کہاوت ہے۔" میں نے تعریف کی "اس کہاوت سے تم بہت کچھ سیکھ سکتی ہو۔"

"سیکھ لیا ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہاری یاد میرے دماغ میں گھونسلا نہ بنائے۔ اب میں جاؤں گی۔"

وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے پوچھا۔ "کہاں؟"

"کیبن میں جا کر سونے کی کوشش کروں گی۔"

میں نے اسے نہیں روکا۔ وہ پچھلی رات سے جاگ رہی تھی۔ اب اسے سو جانا چاہیے تھا۔ وہ چلی گئی۔ میں نے پیٹ بھر کر کھانے کے بعد چائے کا آرڈر دیا۔ پھر سگریٹ سُلگا کر اس کے دھوئیں سے کھیلنے لگا۔ اگر باقاعدہ اخلاقیات کا پاس رکھا جائے تو قدم قدم پر اپنی خواہشات اور ضروریات کا گلا گھونٹنا پڑے گا جیسا کہ میں نے مے یون کے ساتھ رویہ اختیار کیا تھا، ویسے ہی مجھے ہر جگہ معلم بن جانا چاہیے تھا۔ جوان لڑکیوں کو سامنے بٹھا کر لیکچر دینا چاہیے تھا لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

مے یون مجبور تھی، مظلوم تھی اور معصوم تھی اس لیے میں اس کے سامنے مکمل انسان بن گیا تھا۔ میں ایسی مظلوم لڑکی کو زندگی بھر کا روگ لگانا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں شرافت کے عملی مظاہرہ کا موقع آئے وہاں یقیناً مکمل انسان اور پیکر اخلاقیات بن جانا چاہیے لیکن بعض حالات میں اپنی بھی کوئی ایسی کمزوری یا اپنی کوئی ایسی پسند ہوتی ہے جس کے آگے ہم ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ رُومانہ عرف سارا ایسی تھی کہ میں معلم اخلاقیات بن کر نہیں کہہ سکتا تھا کہ بی بی تم لڑکا ہی بنی رہو تو بہتر ہو گا اگر بلاؤز اسکرٹ پہن کر آؤ گی تو مجھ جیسے لڑکے کا اخلاق بگڑ جائے گا۔

وہ نیوی بلیو کلر کا بلاؤز اسکرٹ پہنے ڈائننگ ہال کے دروازے پر چلی آئی۔ میں اس وقت پیالی اٹھا کر چائے کا گھونٹ بھر رہا تھا۔ پیالی کے افق پر وہ حسین شاہکار نظر آیا جسے جمناسٹک کی انگلیوں نے تراشا تھا اور جسے سمندر دن کی گود نے پالا تھا۔ وہ ایک اجنبی لڑکی کے ماسک میں چھپ کر آئی تھی۔ میں نے اس طرح پہچان لیا کہ جمناسٹک کے ذریعے حسن اور نکھار اس کے بدن میں تھا وہ کسی دوسری لڑکی کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر میں نے سارا کی سوچ پڑھی۔ پتہ چلا کہ وہ ہی دروازے پر کھڑی ہوئی متلاشی نظروں سے پورے ہال کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے تلاش کر رہی تھی۔

میں انجان بن کر چائے پینے لگا۔ اتنی دیر میں وہ مجھے دیکھ چکی تھی اور اب کچن کی طرف جا رہی تھی کیونکہ میرا سامنا کرنا چاہتی تھی۔ وہ صرف یہ دیکھنے آئی تھی کہ میں کہاں دف

گزار رہا ہوں۔ جب وہ کچن میں چلی گئی تو ڈائننگ ہال کے دروازے پر روز و براؤن عرف سمندری عقاب نظر آیا۔ وہ سفید مرج کے سوٹ میں بہت ہی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ سر کے بال اور مونچھیں سیاہ تھیں۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک تھی۔ ہاتھی دانت کا پائپ اس کے ہونٹوں کے درمیان دبا ہوا تھا اور وہ دھواں چھوڑتا ہوا ڈائننگ ہال میں مجھے تلاش کر رہا تھا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"ہیلو پاپا! میں یہاں ہوں۔"

وہ میرے قریب آتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"اچھا تم نے البم میں میری تصویر دیکھی تھی اس لیے پہچان گئے۔"

"ہاں یہی سمجھ لیجئے۔ آپ بہت اسمارٹ نظر آ رہے ہیں۔ سارا بتا رہی تھی کہ یہی آپ کی اصل شخصیت ہے۔"

عقاب نے کرسی پر بیٹھ کر مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔ "میری شخصیت کی کیا بات ہے بیٹے! ابھی ڈائننگ ہال سے باہر ایک جوان عورت مجھے دیکھتے ہی بے ہوش ہونے لگی تھی۔"

"اچھا تو آپ کی شخصیت میں کلوروفارم زیادہ ہے۔"

اس نے زوردار قہقہہ لگا کر کہا۔

"شاباش بیٹے! مزاح اسے کہتے ہیں۔ مزہ آ گیا۔" پھر وہ میز پر جھک کر آہستگی سے بولا۔ "میں بھی ایک مزے کی بات بتاؤں۔ جب میں اس رُوپ میں ہوتا ہوں تو سارا کو رُومانہ بن کر رہنا پڑتا ہے لیکن وہ تمہاری وجہ سے رُومانہ بننے کے لیے تیار نہ ہوئی۔ وہ عورتوں والا لباس پہن کر تمہارا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔ آخر تم سے چھپنے کے لیے اس نے ایک تیسری لڑکی کا ماسک چڑھا لیا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے سر ہلا کر کہا "میں جانتا ہوں۔"

"ایں۔ تم کیسے جانتے ہو؟"

"پاپا! آپ تو بھول جاتے ہیں۔ میں نے اس کی بُو سے پہچان لیا۔ وہ ابھی ڈائننگ ہال سے گزر رہی تھی۔ میں اس الجھن میں تھا کہ سارا کی بُو ایک اجنبی لڑکی کے جسم سے کیسے آ رہی تھی۔ ابھی آپ کی بات سن کر سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔"

"واہ بیٹے! تمہاری یہ سونگھنے والی صلاحیت بڑی لاجواب ہے۔ کوئی تم سے چھپ نہیں سکتا۔ میں نے سارا سے کہا۔ اگر فرید پوچھے گا تو میں کیا کہوں گا؟ اس نے جواب دیا۔ پاپا! آپ ٹال کر بحری پولیس کے آدمیوں سے سارا کو چھپانا ضروری تھا اس لیے وہ موٹر بوٹ کے ذریعہ چلی گئی ہے۔ اب اس سے ہانگ کانگ میں ملاقات ہو گی۔"

میں ہنسنے لگا۔ عقاب نے کہا۔

"بیٹے! وہ جتنی دلیر ہے، اتنی ہی ضدی بھی ہے۔ کسی کو منہ نہیں لگاتی۔ سب ہی کو منہ توڑ جواب دیتی ہے۔ تم پہلے جوان ہو جس سے وہ اس انداز میں چھپ رہی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس میں عورتوں والی جھجک پیدا کر دی ہے۔"

"پاپا! میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ صرف اسے بلاؤز اسکرٹ پہننے کے لیے کہا تھا۔ تب ہی سے وہ مجھ سے کترا رہی ہے۔"

"جو کچھ بھی ہو، تم میرے لیے فرشتہ بن کر آئے ہو۔ تم نے میری جان بچائی اور اب تمہاری ہی وجہ سے یہ امید ہو چلی ہے کہ میں مرنے سے پہلے اپنی بیٹی کو دلہن بنتے دیکھ سکوں گا۔"

میں نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ مجھے گرین رُوم کی چابی دیں گے۔ میں بھی اپنا چہرہ بدلنا چاہتا ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا سارا سے چھپنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں اپنے دشمنوں سے چھپنا چاہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ "کیا اس جہاز میں تمہارے دشمن موجود ہیں؟"

"اس جہاز میں نہیں۔ اس دنیا کے ہر ملک میں کتنے ہی انجانے دشمن میرے منتظر رہتے ہیں۔ میں ہانگ کانگ پہنچنے سے پہلے اپنے چہرے میں تبدیلیاں لانا چاہتا ہوں۔"

"فرید! تم نے سارا کو بتایا تھا کہ تم اسمگلر ہو۔ ہندوستان سے تھائی لینڈ کا پھیرا کرتے تھے یعنی تم محدود علاقوں تک اپنا کام کرتے تھے۔ پھر یہ دنیا کے تمام ممالک میں تمہارے دشمن کیسے پیدا ہو گئے؟"

میں نے میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر جھکتے ہوئے کہا۔

"میں اسمگلر نہیں ہوں۔ میں نے سارا کو متاثر کرنے کے لیے جھوٹ کہا تھا۔ آپ مجھے بیٹا سمجھتے ہیں اس لیے اب سچ کہتا ہوں کہ میں کبھی قانون کے خلاف کام نہیں کرتا اور نہ ہی کبھی مجرموں کا ساتھ دیتا ہوں۔"

عقاب کے ماتھے پر شکنیں پھیل گئیں۔ اس نے کہا۔

"فرید! تم ایسی باتیں کر رہے ہو کہ میں ابھی تمہارا دشمن بن سکتا ہوں۔ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو؟"

"میں ایسا آدمی ہوں جس کا تعلق نہ مجرموں سے ہے، نہ پولیس والوں سے۔"

"تو پھر تم نیوی فورس کے جاسوس یا سی آئی اے کے

ایجنٹ ہو؟"

"میں ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوں۔ مجھے ایڈونچر پسند ہے۔ میں اس دنیا کی جنتوں اور جہنموں سے گزرتا ہوا مہماتی زندگی گزار رہا ہوں۔ میں ان حالات میں عجیب غریب لوگوں سے ملتا رہتا ہوں۔ ایک بار میں ایک ایسی زبردست تنظیم سے ٹکرا گیا جن کے افراد سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے دنیا کے تمام ملکوں میں تخریبی کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔

اس تنظیم کی طرف سے مجھے آفر دیا گیا کہ میں ان کے ساتھ کام کروں مگر میں نے انکار کر دیا۔ تقریباً دو سال سے میں انکے مفادات کو سخت نقصان پہنچا رہا ہوں۔ وہ تنظیم دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ دنیا کے ہر ملک میں دشمن میرے منتظر رہتے ہیں۔"

اتنا کہنے کے بعد میں سگریٹ سلگانے لگا تاکہ عقاب کی سوچ کو پڑھ سکوں۔ وہ مجھ سے خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں مجھ پر جو اعتماد تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری کہانی ختم ہو گئی یا اس کہانی میں اور بارہ مسالے کی چاٹ ملا کر اسے دلچسپ بناؤ گے اور مجھے متاثر کرو گے؟"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پپا!"

"فرید! تم بہت چالاک ہو۔ تم نے یہاں آتے ہی مجھے پپا بنا لیا۔ اپنی صلاحیتوں سے سارا کو متاثر کیا اور ہماری طرح اسمگلر بن کر ہمارا اعتماد حاصل کر لیا۔ میں سارا کی طرح نادان نہیں ہوں کہ تمہاری اسمگلر والی کہانی بدل جانے سے تم پر اور زیادہ اعتماد کروں گا۔"

میں نے کہا۔ "آپ یہ تو سوچیں کہ جب پہلی ہی کہانی سن کر آپ اندھا اعتماد کر رہے تھے۔ پھر میں دوسری کہانی کیوں سناتا؟ میں تو اب آپ سے سچ بول رہا ہوں۔"

"نہیں۔ تم اپنی کہانی اس لیے بدل رہے ہو کہ اب تمہیں کسی وجہ سے میک اپ کرنے اور اپنا منہ چھپانے کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اگر تم بدستور اسمگلر بنے رہتے تو میں یہ کہتا کہ میک اپ نہ کرو۔ یہاں کی بحری پولیس سے میں تمہیں بچا لوں گا یا پھر یہ کہ ہانگ کانگ تمہارا علاقہ نہیں ہے، وہاں تمہیں کوئی نہیں پہچانتا۔ ایسی صورت میں بھی صورت چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ فرید! اپنی بہتری چاہتے ہو تو فوراً مجھے بتاؤ کہ تم کیوں میک اپ کرنا چاہتے ہو؟ کس سے چھپنا چاہتے ہو؟ اور ہمیں اب تک دھوکہ کیوں دیتے رہے ہو؟"

میں الجھن میں پڑ گیا۔ مجھے اپنا چہرہ چھپانے کے لیے وہ اسمگلر والی کہانی ختم کرنی پڑی کیونکہ اس کہانی پر قائم رہتا تو میک اپ ضروری نہ ہوتا۔ میری دوسری کہانی سچی تھی مگر میں نے صرف فرہاد اور شیلی پیتھی کا ذکر نہیں کیا تھا، مگر یہ دنیا عجیب ہے، جھوٹی باتوں پر یقین کر لیا جاتا ہے۔ میں نے سچ بات کہی تو اب جھوٹا، فریبی اور ناقابل اعتماد سمجھا جا رہا تھا۔

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پپا! میں...."

اس نے بات کاٹ کر غراتے ہوئے کہا۔

"مجھے پپا کہنے سے پہلے ایک باپ کا اعتماد حاصل کرو۔"

میں نے کہا۔ "مسٹر برانڈو! مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ میں سچ بول کر آپ کا اعتماد کھو رہا ہوں۔"

اس نے غصے سے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

"میں کیسے یقین کروں؟ جس تنظیم کا تم نے ذکر کیا ہے اگر وہ سچ مچ اتنی منظم ہے کہ دوسرے ممالک میں تخریبی کارروائیاں کرتی ہے اور اس کے ایجنٹ اور آلۂ کار تمام ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں تو تم تنہا دو سال سے انہیں کس طرح نقصان پہنچا رہے ہو؟ کیا وہ اتنے ناکارہ اور بودے ہیں کہ تمہیں گرفتار نہیں کر سکتے یا گولی نہیں مار سکتے؟ تم ایک اچھے فائٹر بن کر اور سونگھنے کی صلاحیت رکھ کر ایسے مکار دشمنوں سے کس طرح بچ نکلتے ہو جو دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلے ہوئے ہیں؟ میں تم سے تمہاری اصلیت معلوم کرنا چاہتا ہوں اور تم مجھے بار بار والی جاسوسی کہانی سنا رہے ہو۔"

میں نے کہا۔ "جاسوسیت اور اسرار کی کہانی یہ بھی بن سکتی ہے کہ مسٹر برانڈو دوہری زندگی گزارتے ہیں۔ جب سمندری قزاق بنتے ہیں تو اس جہاز کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور جب روزنہ براانڈو کے اصل روپ میں آتے ہیں تو جہاز کا نقشہ ہی بدل جاتا ہے۔ بحری پولیس کے چھاپے سے محفوظ رہنے کے لیے مخصوص کیبنوں کی دیواریں دوہری بنائی گئی ہیں تاکہ تمام غیر قانونی مال چھپایا جا سکے...."

میں نے معقول جواب دیا تھا مگر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"سارا بہت نادان ہے۔ اس نے تمہیں سب کچھ دکھا دیا تھا کہ مال کس طرح چھپایا جاتا ہے۔"

"میں آپ کا دشمن نہیں ہوں، اس لیے سارا نے اپنا سمجھ کر اعتماد کیا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے فرید! میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ تم مجرموں کا ساتھ نہیں دیتے ہو اور میں مجرم ہوں۔ اس لیے تمہیں چھوٹ نہیں دوں گا۔ تم حراست میں رہو گے۔"

اس نے ایک ملازم کو بلا کر کہا کہ چار مسلح جوانوں کو بلاؤ۔ وہ حکم کی تعمیل کے لیے چلا گیا۔ میں اور براانڈو اطمینان سے

بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے اطمینان تھا کہ میں بحری جہاز سے کہیں فرار نہیں ہو سکتا۔ چاروں طرف سمندر ہے اور میں اس کی سوچ پڑھ کر مطمئن تھا کہ وہ مجھے ہلاک نہیں کرے گا کیونکہ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ اس احسان کا بدلہ چکانے کے لیے وہ کوئی ایسی تدبیر سوچ رہا تھا کہ وہ کسی طرح مجھ سے پیچھا چھڑا لے۔ نہ وہ میری جان لے اور نہ میں قانون کی حمایت میں روزنہ براانڈو کے مجرم ہونے کا ثبوت پیش کروں۔

چار مسلح جوان آئے تو میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ براانڈو نے انہیں حکم دیا۔

"فرید کو حوالات میں بند کرو، مگر اس کے آرام کا خیال رکھو۔ وہاں فولڈنگ چارپائی اور کرسی وغیرہ پہنچا دو۔"

ڈائننگ ہال کے تمام لوگ مجھے دیکھ رہے تھے۔ یہ خبر آگ کی طرح کچن تک پہنچی کہ عقاب کا معزز مہمان فرید حراست میں دکھا جا رہا ہے۔ سارا کچن سے دوڑتی ہوئی آئی۔ میں مسلح جوانوں کے درمیان چلتا ہوا ہال سے باہر جا رہا تھا۔ اس نے کچھ حیرانی اور کچھ غصے سے باپ کو مخاطب کیا۔

"پپا! کیا بات ہے؟ آپ فرید کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہے ہیں؟"

"یو شٹ اپ۔" براانڈو نے گرج کر کہا۔ "تم کس مصیبت کو یہاں لے آئی ہو؟ یہ نہ ہماری لائن کا آدمی ہے اور نہ ہی کسی اور طرح سے مجرمانہ زندگی گزارتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہی ہوتا ہے کہ یہ جاسوس ہے۔ قانون کا محافظ ہے۔"

میں اس وقت تک مسلح جوانوں کے ساتھ ہال سے دور جا چکا تھا اور اب دماغ کی اسکرین پر باپ بیٹی کو دیکھ رہا تھا۔ سارا نے پوچھا۔

"کیا فرید نے اقرار کیا ہے کہ وہ جاسوس ہے؟"

"مجرم جاسوس کے سامنے اور جاسوس مجرم کے سامنے کبھی اپنا بھید نہیں کھولتے۔"

"تو پھر آپ اس پر کیسے شبہ کر رہے ہیں؟"

"آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

وہ میری خالی کی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ براانڈو وہ تمام باتیں تفصیل سے بتانے لگا جو میں نے اپنے بارے میں اسے بتائی تھی۔ سب کچھ سننے کے بعد سارا نے کہا۔

"پپا! وہ صرف دلیر نہیں، ذہین بھی ہے۔ اس خطرناک تنظیم کے افراد یقیناً خطرناک ہوں گے لیکن فرید اپنی ذہانت سے بچتا ہوا ہمارے پاس پہنچا ہے۔ وہ ہمیں نوجوان ہے۔ اس کے لیے اپنی حفاظت مشکل ہو سکتی ہے، ناممکن نہیں ہو سکتی۔"

"سارا! تم نے ابھی صرف سمندر دیکھا ہے۔ تم صرف یہاں کے مصائب سے لڑتی رہی ہو۔ تم یہ نہیں جانتیں کہ زمین کے چپے چپے پر کیسے کیسے ذہین، دلیر اور خطرناک لوگ موجود ہیں۔ تم نے صرف ہانگ کانگ سے فارموسا اور جاپان تک کی دنیا دیکھی اور اس مختصر سی دنیا میں فرید کی دلیری اور ذہانت سے متاثر ہو گئیں لیکن میرا تجربہ تمہاری طرح محدود نہیں ہے۔ میں اس بات کو سمجھتا ہوں کہ فرید اگر کسی منظم گروہ سے ٹکراتا تو اب تک وہ لوگ اس تنہا آدمی کو چٹکی میں مسل چکے ہوتے۔"

"میں آپ کے تجربات اور دانائی کو تسلیم کرتی ہوں۔ ٹھیک ہے فرید نے اپنی یہ دوسری داستان بھی من گھڑت سنائی ہوگی۔ وہ پراسرار بن کر رہنا چاہتا ہوگا۔ مگر یہ تو سوچیے کہ اس نے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ آپ کو زہریلی شراب سے بچایا ہے۔ میرا دل نہیں مانتا کہ وہ کسی موقع پر ہمارا دشمن بن سکتا ہے۔"

براانڈو نے بیٹی کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا دل نہیں مانتا۔ فرید نے تمہیں اس حد تک متاثر کیا ہے کہ اب تم دل کی بات پر زور دیتی ہو۔ دماغ سے فیصلہ کرنا بھولتی جا رہی ہو۔"

سارا ایک ذرا سا گھبرائی۔ پھر اپنے آپ کو ٹٹولنے لگی۔ کیا میں دل کے کسی معاملہ میں فرید سے متاثر ہوں؟ اس سوال کے جواب میں خواب کی ایک ہلکی سی جھلک تصور میں نظر آئی۔ اس سراسیمگی میں پتہ چلا کہ دل میں کہیں چور چھپا ہوا ہے جسے اس کے باپ نے پکڑ لیا ہے۔ وہ جلدی سے تیور بدل کر غصے سے بولی۔

"پپا! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ جس انداز میں سوچ رہے ہیں اس انداز میں مجھے کوئی متاثر نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر تم ہی فیصلہ سناؤ کہ فرید سے کیا سلوک کیا جائے؟"

"آں؟" وہ الجھن میں پڑ گئی۔ براانڈو نے کہا۔

"ہر پہلو پر اچھی طرح غور کرو۔ تم اس جہاز کے تمام خفیہ کیبن اسے دکھا چکی ہو۔ وہ سب کچھ جان چکا ہے کہ جہاز میں کتنا مال ہے اور کہاں چھپا کر رکھا گیا ہے۔"

سارا کے تصور میں وہ منظر گھوم گیا جب وہ مجھے تمام کیبن دکھا رہی تھی۔ براانڈو نے کہا۔

"وہ اس بات کا اعتراف کر چکا ہے کہ وہ مجرموں کا ساتھ کبھی نہیں دیتا اور ہم باپ بیٹی کتنے بڑے جرم کا ثبوت لیے جا رہے ہیں۔ ہانگ کانگ میں فرید اس ثبوت کے ساتھ ہمیں قانون کے حوالے کر دے گا۔"

سارا دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر میز پر جھک گئی۔ باپ نے کہا۔ "میں نے تقریباً بیس سال سے اپنی اس دوہری شخصیت

کو برقرار رکھا ہے۔ میں پرتگالی علاقہ مکاؤ میں ایک معزز رئیس اعظم رونرڈ براؤنڈو ہوں اور اس وسیع سمندر کے سینے پر اڑنے والا ایسا عقاب ہوں جو قانون کے شکنجہ میں نہیں آتا۔ لیکن آج فرید کو ہمیشہ کے لیے خاموش نہ کیا گیا تو میری دونوں شخصیتیں فنا ہو جائیں گی۔ برسوں کی کمائی ہوئی دولت کی ایک چٹکی نہیں ملے گی۔ براؤنڈو کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ عقاب کا بڑھاپا اور بیٹی کی جوانی جیل کی چاردیواری میں گزرے گی۔"

سارا کا سر چکرا رہا تھا۔ اتنی ساری تباہیوں کے پیش نظر وہ میری حمایت نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے کہا۔

"آپ فرید کو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ وہ مار ڈالا جائے گا۔"

براؤنڈو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"دو ہی راستے ہیں۔ اسے ختم کر دیا جائے یا پھر اسے خرید لیا جائے۔ میں اسے مار ڈالنے کا فیصلہ بعد میں کروں گا۔ پہلے تم جا کر اسے سمجھاؤ کہ وہ ہم سے اپنی اصلیت نہ چھپائے۔ اگر وہ قانون کا حمایتی ہے تو ماہانہ کتنی رقم لے کر اپنی زبان بند رکھے گا؟ اور آئندہ کس طرح ہمارے کام آتا رہے گا؟"

سارا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت وہ بھول گئی تھی کہ وہ ایک عورت کے لباس میں ہے اور اسے فرید کے سامنے نہیں جانا چاہیے۔ ایسے وقت اس کے دماغ میں صرف ایک ہی بات تھی کہ فرید نیوی فورس کا جاسوس یا کسی طور سے بھی قانون کا حمایتی نہ ہو۔ پھر وہ اسے باپ کے عتاب سے بچا لے گی۔

مجھے جہاز کے حوالات میں پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پچھلی رات اس آفیسر کو قید کیا گیا تھا جس نے براؤنڈو عرف عقاب کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں نے اسے عین وقت پر پکڑ لیا تھا۔ جس آفیسر کو میں نے یہاں حوالات میں بھجوایا تھا، عقاب کے آدمی اسے قتل کر کے سمندر میں پھینک چکے تھے۔ اب اسی جگہ مجھے پہنچا دیا گیا تھا۔ اب میری باری تھی۔

پہلے میں مطمئن تھا کہ براؤنڈو مجھے موت کی سزا نہیں دے گا۔ اس بات کا لحاظ کرے گا کہ میں نے اس کی جان بچائی تھی۔ لیکن ایسی صورت میں جبکہ عقاب کی کمائی ہوئی دولت، براؤنڈو کی حاصل کی ہوئی عزت اور شہرت خاک میں ملنے والی ہو اور اس کے ساتھ اس کی جوان بیٹی جیل میں جانے والی ہو تو پھر لحاظ و مروت کی گنجائش نہیں رہتی۔ براؤنڈو اپنے دماغ کے چور خانے میں میری موت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ سارا کو صرف رسمی طور پر میرے پاس بھیج رہا تھا تاکہ بیٹی کو شکایت نہ ہو کہ اس نے فرید کو دوست بننے کا موقعہ نہیں دیا۔

اگر میں یہ جھوٹ کہہ دیتا کہ میں قانون کا محافظ ہوں اور دوسرے رشوت خور افسروں کی طرح اس سے ماہانہ ایک معقول رقم لے کر اس کے کام آتا رہوں گا تب بھی وہ مجھ پر اعتماد نہ کرتا کیونکہ وہ پولیس افسروں سے اوپر ہی اوپر بین دین کی حد تک تعلق رکھتا تھا۔ کسی افسر کو اس نے یہ راز نہیں بتایا تھا کہ مال کس طرح چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ دوسرا یہ راز بھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ براؤنڈو ہی دراصل عقاب ہے۔ میری بدقسمتی کہ میں ان دو اہم رازوں سے واقف ہو گیا تھا اور براؤنڈو مجھ جیسے رازدار کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ بلب کی زرد روشنی میں سارا نظر آئی جو اس وقت دوسرے روپ میں تھی۔ میں نے دیوار سے پشت لگا کر مسکراتے ہوئے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"ہیلو سارا! بیٹھ جاؤ۔"

"اطمینان ہو تو آرام سے بیٹھا جاتا ہے۔ فرید یہ اچانک کیا ہو گیا۔ تم اچھے دوست تھے۔ اچھے دوست تھے نا؟"

"ہم انسان عجیب ہیں سارا! ابھی تھوڑی دیر پہلے ہم سب ایک دوسرے سے محبت کر رہے تھے۔ اعتماد کر رہے تھے۔ تم نے آج تک خود کو کسی سے چھپانے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن میرے لیے تمہارے دل میں کوئی نازک سا احساس ہے کہ تم محبت سے چھپنے لگیں۔"

"آں۔ نہیں، تم غیر ضروری باتیں نہ کرو۔ میں ابھی تم سے۔"

میں نے ہاتھ اٹھا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"پہلے مجھے کہہ لینے دو۔ تم دل کی باتیں جھٹلاتی رہو گی اس لیے میں تم سے بحث نہیں کروں گا۔ میں کہہ رہا تھا کہ تھوڑی دیر پہلے ہم آپس میں ایک دوسرے کے لیے اچھے جذبات رکھتے تھے۔ تم نے اس موجودہ روپ میں چھپ کر آنکھ مچولی شروع کر دی تھی۔ تب مجھے احساس ہوا کہ جو لڑکی مجھ سے چھپنا چاہتی ہے۔ میں اس کے باپ سے اصلیت نہیں چھپاؤں گا یہ سوچ کر میں نے مسٹر براؤنڈو کو اپنے متعلق سب کچھ سچ بتا دیا۔"

وہ اس بات سے متاثر ہو گئی کہ میں نے اس کی خاطر اس کے باپ سے سچ کہا تھا۔ یوں بھی اس کے دل میں پہلے سے میرے لیے جگہ نہ ہوتی تو وہ باپ کے فیصلے کے مطابق مجھے دشمن ہی سمجھتی اور ایک دشمن قیدی سے ملنے کبھی نہ آتی۔ وہ پریشان ہو کر بولی۔

"تم نے سچ کیوں کہہ دیا فرید! پہلے جھوٹ کو ہی نبھاتے رہتے۔"

"جہاں محبت ہوتی ہے وہاں... جھوٹ کا گزر نہیں

ہوتا۔ پہلے میں نے سوچا تھا کہ یہاں تم لوگوں کا دوست بنا رہوں گا پھر ہانگ کانگ پہنچتے ہی چپکے سے ساتھ چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ کہیں سے میک اپ کا سامان حاصل کروں گا، اور دشمنوں سے چھپنے کے لیے بھیس بدل لوں گا۔"

میں نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنی جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس سگریٹ نہیں ہے۔"

وہ دروازے کے پاس گئی۔ پھر ایک مسلح گارڈ سے چائے اور سگریٹ لانے کے لیے کہا۔ اس کے بعد واپس آ کر بولی۔

"کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم چپکے سے کہیں اور جا کر میک اپ کر لیتے۔ یہ الجھنیں تو پیدا نہ ہوتیں۔"

"سارا! اسے محبت سمجھو یا حماقت، میرا دل راضی نہ ہوا میں تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں۔ تمہارے ساتھ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ میں جہاز ہی میں بھیس بدل لوں اور بھیس بدلنے کے لیے مجھے تمہارے پاپا کو سچی بات بتانی پڑی کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟"

وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔ یہ بات اس کے دل میں بیٹھ چکی تھی کہ میں نے اب تک جو کچھ کیا ہے اور کر رہا ہوں وہ سب اس کے ہی لیے تھا۔ میرا ہر عمل اس کی محبت کے زیر اثر تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ مجھ سے لڑ پڑتی، محبت کے ذکر پر نفرت سے منہ پھیر کر چلی جاتی۔ مگر اب وہ حالات کی زنجیروں میں بندھی چپ چاپ دل ہی دل میں تسلیم کر رہی تھی کہ اگر محبت ایسی ہی ہوتی ہے کہ اس نے میری چاہت میں باپ سے سچ بات کہی اور میرے لیے اس مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو مجھے مان لینا چاہیے کہ میں بھی اس سے محبت... مطلب ہے کہ میں اس کی قدر کرتی ہوں۔

میں اس کی ضد پر مسکرانے لگا کہ محبت کا اعتراف اب بھی نہیں کر رہی تھی۔ کیسا پیارا انداز تھا کہ مجھ سے محبت نہیں تھی اور میرے لیے پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے سر اٹھایا تو مجھے مسکراتے دیکھ کر تعجب سے بولی۔

"تم مسکرا رہے ہو۔ کیا یہ نہیں جانتے کہ اس کمرے میں آنے والے یہاں سے زندہ باہر نہیں نکلتے، ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دی جاتی ہیں۔"

میں نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"جب انسان کی آرزو پوری ہو جائے تو وہ موت کے لیے بھی مسکراتا ہے۔"

"کیا تم مرنے کی آرزو کر رہے تھے؟"

"نہیں، تمہیں بلاؤز اور اسکرٹ میں دیکھنے کی جو آرزو کی تھی، وہ آج تم نے پوری کر دی۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہاں اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتی تھی اس لیے جلدی سے گھوم کر منہ چھپا لیا۔ اتنے میں ملازم چائے لے آیا۔ اس طرح سارا کو سنبھلنے کا موقعہ مل گیا۔ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتی ہوئی اپنے لباس کو دیکھ رہی تھی، چھو رہی تھی۔ جی میں آ رہا تھا کہ دوسرا لباس مل جائے تو اسے فوراً ہی اتار پھینکے۔ ملازم کے جانے کے بعد میں... آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے قریب آیا۔ وہ منہ پھیرے کھڑی ہوئی تھی۔ میں نے ہولے سے کہا۔

"کبھی کبھی خواب سچے ہو جاتے ہیں۔ آج جب تمہارے کیبن میں سو رہا تھا، تب میں نے خواب میں رُدمانہ کو دیکھا، وہ اسی لباس میں میرے پاس آئی تھی۔"

اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ کیونکہ یہ خواب اُس نے دیکھا تھا۔ میں نے کان کے قریب جھک کر گہری سرگوشی میں اسے مخاطب کیا۔

"رُدمانہ!"

اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"ردمانہ! ردمانہ!! یہ سرگوشی کتنی گہری ہے۔ میرے دل میں اتر رہی ہے۔"

اس نے اپنا ایک ہاتھ دھڑکتے ہوئے دل پر رکھ لیا۔ پھر گھبرا کر بولی۔

"فرید! میں تمہارا خواب سننے نہیں، تمہیں خطرے سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔"

میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"رُدمانہ! میں نے دیکھا۔ تم پھولوں کی وادی میں ہو۔ رنگا رنگ پھول تمہاری سانسوں کے لیے خوشبو لٹا رہے ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں خواب اتر آتے ہیں اور ہونٹوں پر کوئل کی کوک ہے۔ تم مجھے پکار رہی ہو اور میں تمہاری سانسوں کے قریب آ گیا ہوں۔"

اب وہ سارا نہیں تھی۔ رُدمانہ تھی۔ تصور میں پھول نگر آباد ہو گیا تھا اور میں سوچ کے ذریعہ اسے تصور کی ایسی گہرائی میں لے جا رہا تھا جہاں سے وہ چونک کر واپس نہ آ سکے۔ اب وہ کسی قیدی کے کمرے میں نہیں تھی۔ شوخ رنگ پھولوں کے درمیان کھڑی ہوئی تھی۔

اس کی سوچ میں ساون کے بادل تھے۔ آنکھوں میں دھنک رنگ تھے۔ دل کی دھڑکنوں میں پپیہا بول رہا تھا "پی آ۔ پیا پی آ....." میں آ گیا تھا اور میری سانسیں اس کی گردن پر اتر رہی تھیں۔

یہ جو سانسیں ہوتی ہیں، بڑی ظالم ہوتی ہیں۔ خوشبو کی طرح دل

میں اترتی ہیں اور انگارے کی طرح جلتی ہیں۔ وہ پہلی بار سانسوں کے دوہرے اثر کو محسوس کر رہی تھی اور لرز رہی تھی۔

یہ جو جذبے ہوتے ہیں دبے دبے ہوتے ہیں۔ تہہ میں زلزلے کی طرح دھیرے سے کسمساتے ہیں۔ اوپر سے لرزاتے ہیں۔ پاؤں تلے سے زمین سرکاتے ہیں۔ پھر تو سنبھلنے کے لیے سہارا لینا پڑتا ہے۔ وہ ایکدم سے ڈگمگا کر پلٹ گئی۔ دونوں مرمریں باہنیں سہارے کے لیے بھٹکتی ہوئی میری گردن سے لپٹ گئیں۔ تب وہ سارا نہ رہی۔ تب وہ رومانہ نہ رہی۔ تب وہ کچھ نہ رہی۔ کیونکہ ایسے مقام پر عورت کی اپنی ذات فنا ہو جاتی ہے۔

اس کے دل کی پاگل دھڑکنیں بج رہی تھیں۔ زور زور سے بول رہی تھیں۔ دستک دے رہی تھیں۔ "کھولو۔ دروازہ کھولو۔ سمندر کی بیٹی آئی ہے۔ منہ زور لہروں کی ہتھیلیوں پر آندھی کا بدن لائی ہے۔ دروازہ کھولو اور مجھے اپنے اندر چھپا لو......"

میں نے اس کی آرزو کی تھی مگر اس آرزو کو گلے لگانے سے پہلے یہ نہیں جانتا تھا کہ ایک آرزو کے اندر کتنی ہی آرزوؤں کی داستانیں مچلتی ہیں۔ وہ جو صرف انکار کرنا جانتی تھی۔ اقرار کی شرمیلی زبانِ بے زبانی کو بھی سمجھتی تھی۔ جس نے صرف لڑنا اور جیتنا سیکھا تھا۔ وہ میرے بازوؤں کی چھاؤں میں ہار جانے کے آداب سے بھی واقف تھی۔

آندھی ایک مدت تک سمندر کی تہہ میں چھپی رہتی ہے۔ اس انتظار میں کہ جب وہ غضبناک ہو کر اٹھے تو اسے آفاقی مٹھیوں میں بند کرنے والا آسمان سر پر موجود ہو۔ وہ روتی ہوئی بولی۔

"میرے آسمان! تم موت کی دہلیز پر کیوں ملے ہو؟ پپا تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

میں نے اس کے آنسوؤں کو ہونٹوں کی انگلیوں سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"رومانہ! تمہاری جیسی ناقابلِ شکست لڑکی روتی ہوئی اچھی نہیں لگتی۔"

"تم نے میرے اندر کی سوتی ہوئی عورت کو بیدار کرتے ہوئے یہ کیوں نہ سوچا کہ عورت روتی بھی ہے۔ اپنے لیے نہیں، اپنے پیار کی سلامتی کے لیے۔ ہائے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کسی کے لیے میری آنکھ میں آنسو آئیں گے۔"

میں نے پھر اس کے آنسوؤں کو چوم لیا۔

"میری جان! پریشان ہونے سے بات نہیں بنے گی۔ تم اپنے پپا کو سمجھاؤ کہ میں دشمن نہیں ہوں۔"

"فرید! میں تم سے زیادہ پپا کو سمجھتی ہوں۔ انہیں جس کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ اسے کبھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ میں انہیں کیسے یقین دلاؤں کہ تم ان کی دوہری شخصیت کا راز فاش نہیں کرو گے؟"

"ہاں، جو سمجھنا نہ چاہے، اسے سمجھانے کی ہر کوشش فضو[ل] ہوتی ہے۔ کوئی بات نہیں، جب میری تقدیر میں یہی لکھا [ہے کہ] میں تمہاری محبت کو پا لینے کے بعد مر جاؤں تو مجھے تقدیر کا [فیصلہ] منظور ہے۔"

"نہیں" وہ اتنی سختی سے لپٹ گئی جیسے مجھ میں جذب [ہو کر] میرے مرنے سے پہلے اپنی ذات کو میرے اندر ختم کر دینا چاہتی [ہو]۔

"رومانہ! ایک طرح سے تقدیر کا فیصلہ مناسب ہے [اگر میں] زندہ رہوں گا تب بھی ہم ایک ساتھ زندگی نہیں گزار سکیں [گے]۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر حیرانی سے پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو فرید؟"

"وہی کہہ رہا ہوں جو ایک بار تم سے کہہ چکا ہوں۔ ہم [...] زندگی گزارتے ہیں۔ آج تک تم کسی کی پابند نہیں رہیں اور [نہ] میں کسی کو بیوی بنا کر اس کا پابند رہنا چاہتا ہوں۔ تمہارا علا[قہ ...] ہے۔ میرا علاقہ دنیا کے تمام براعظم ہیں۔ پھر ہماری زندگی گزا[رنے] کے طریقے جدا ہیں۔ تم جرائم کے سائے میں زندہ رہتی ہو اور [میں] جرائم سے نفرت کرتا ہوں۔"

وہ آہستہ آہستہ مجھ سے الگ ہو گئی۔ مجھ سے ایک قدم [کے فاصلے] پر کھڑی ہو کر بولی۔

"فرید! میں نے تمہاری خاطر اپنی ضد چھوڑ دی۔ تمہارے [لیے] عورت بن گئی۔ تم نے اپنی راہ پر آواز دینے سے پہلے یہ کیوں نہ [سوچا] کہ عورت کی سب سے پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کا [مرد] صرف اسی کا ہو کر رہے۔ اسی لیے وہ شادی کرتی ہے کہ وہ [...] یہ بندھن توڑ کر نہ جا سکے۔ تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ جب میں تمہا[رے] لیے بدل سکتی ہوں تو تمہیں بھی میری خاطر بدل جانا چاہیے۔"

"رومانہ! میں نے خوب سوچ سمجھ کر اس وقت یہ بحث چھیڑ[ی] ہے تاکہ بعد میں اگر میں زندہ بچ جاؤں تو تمہیں شکایت نہ [ہو] کہ زمین اپنے ساحل سے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ سمندر اپنی حد [سے] آگے بڑھ جاتا ہے۔ پھر یہ آسمان اپنی جگہ اٹل کیوں رہتا ہے؟ یہ آسمان ہے کیا؟ تم جتنی اونچی پرواز کرو گی، آسمان اور اتنا اونچا چلا جائے گا۔ تم اسے کبھی پکڑ کر نہ رکھ سکو گی۔"

وہ تیزی سے میرے پاس آئی۔ پھر میرا گریبان پکڑ کر جھنجھو[ڑتی] ہوئی بولی۔

"نہیں فرید نہیں، مجھے فلسفہ کی زبان میں نہ سمجھاؤ۔ اگر اس طرح دور ہونا تھا تو مجھے قریب کیوں لے آئے؟"

"تم تمام عمر ایک مرد کے خول میں چھپی نہیں رہ سکتی تھیں۔ ایک دن تمہیں عورت بننا تھا سو بن گئیں۔ میں نے تمہیں مرد [...]

دل سے مجبور ہو کر پیار کیا۔ تمہاری عزت تمہاری شرم اور تمہارے عورت کے غرور کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ تمہیں پہلے ہی تمام اونچ نیچ سمجھا رہا ہوں۔"

"میں صرف ایک ہی بات سمجھتی ہوں کہ تم مجھ پر ظلم کر رہے ہو۔"

"عورت کو اس کے عورت پن کا احساس دلانا اور اسے مثبت انداز میں سوچنے کے لیے چھوڑ دینا ظلم نہیں ہے۔ اپنے طور پر میں ہمیشہ ایک اچھا دوست بن کر رہنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے آزما کر دیکھو میں ایسا آدمی ہوں جو دنیا کے کسی ایک گوشے میں بیٹھ کر دوسرے گوشے کی دوستی نبھاتا ہے۔ تم کبھی ضرورت کے وقت یا مصیبت کے وقت یاد کرو گی تو میں تمہارے سامنے پہنچ جاؤں گا۔"

"تم کوئی جادوگر ہو یا آواز سے زیادہ تیز رفتار طیارہ ہو کہ میں یاد کروں گی اور تم سامنے پہنچ جاؤ گے۔ تم کیوں مجھے باتوں میں بہلا رہے ہو۔ تمہاری ایسی ہی الٹی سیدھی باتیں سن کر پپا تمہارے دشمن بن گئے ہیں۔"

"تمہارے پپا بعد میں بہت افسوس کریں گے۔ تم اپنی بات کرو۔ آؤ ہم اچھے دوست بن کر رہیں۔"

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر وہ کہنے لگی۔

"یہ تم نے مجھے کس نئی الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔ میں پپا کی دشمنی سے پریشان ہو کر تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ تمہیں سزائے موت سے بچانا چاہتی ہوں مگر تم نے پریشانی اور بڑھا دی ہے۔"

"رومانہ! سیدھی سی بات ہے کہ مجھے ہمیشہ کے لیے دوست بنا لو یا پھر اپنے باپ کے دماغ سے سوچو کہ میں بہروپیا اور فریبی ہوں، جاسوس ہوں، تمہارے پپا جیسے مجرم کا دشمن ہوں۔ تمہاری جیسی محبت کرنے والی لڑکی کا وہ محبوب ہوں جو وفا نہیں جانتا لہٰذا مجھے مرنے کے لیے یہیں چھوڑ دو۔"

وہ بولی "نہیں، میں تمہیں مرنے نہیں دوں گی۔ آسمان بے رحم ہو تب بھی دھرتی پھول کھلاتی ہے۔ تم وفا نہ کرو، میں اپنے حصہ کی وفا کروں گی۔ میں پپا کا فیصلہ بدل کر رہوں گی یا پھر تمہارے ساتھ جان دے دوں گی۔"

اور تیزی سے بھاگتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

میں خالی ہو گیا۔ وہ کمرہ خالی ہو گیا۔ چند لمحوں کے لیے میری کائنات کا رنگ اڑ گیا۔ یوں لگا جیسے آنکھ کھل گئی اور سپنا اڑ گیا ہو۔ وہ اپنے وجود کے خزانے سے ایسے خوبصورت جذبے نام کر گئی تھی کہ میں دیر تک مدہوشی کے عالم میں اس کے جانے والے خالی راستے کو دیکھتا رہا۔ پھر نشے سے سرشار ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ابھی جی نہیں چاہتا تھا کہ اس کی یاد سے خالی ہو جاؤں۔ اس لیے ایک سگریٹ سلگا کر اسے اپنے دماغ کی اسکرین پر دیکھنے لگا۔ وہ جہاز کی ریلنگ کے پاس کھڑی اپنی سانسوں پر قابو پا رہی تھی۔ جہاز کے باہر دور تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر کی سطح کو چھونے والی ٹھنڈی ہوائیں اسے کسی قدر سکون پہنچا رہی تھیں۔

ذرا دیر بعد اس نے یہ سوچ کر خود کو سنبھالا کہ ابھی اپنے سامنے اپنے پیار کی سلامتی کا مسئلہ ہے۔ فرید نہیں مر سکتا۔ میں پپا سے دو ٹوک فیصلہ کروں گی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی پھر زینہ طے کرتی ہوئی عرشہ پر پہنچ گئی۔ اسکیپر کے کیبن کے اوپر ایک بہت بڑی ہیڈ لائٹ آہستہ آہستہ چاروں طرف گھوم رہی تھی اور دور تک سمندر کو روشن کر رہی تھی۔ روزو برانڈو عرف سمندری عقاب جہاز کے اگلے حصہ میں کھڑا اسکیپر سے باتیں کر رہا تھا۔

میں رومانہ کو چھوڑ کر برانڈو کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ رومانہ کو دور سے آتے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

"سارا بڑی دیر لگا کر آ رہی ہے۔ نادان کہیں کی، ابھی تک دوست اور دشمن کو سمجھنا نہیں سیکھا ہے۔"

وہ چند قدم کے فاصلے پر آ کر کھڑی ہو گئی۔ برانڈو اسے قریب سے دیکھتے ہی کھٹک گیا۔ رومانہ خود کو بڑی حد تک سنبھال کر آئی تھی۔ مگر اس کے بال ذرا سے بکھر گئے تھے۔

وہ شراب نہیں پیتی تھی مگر آنکھوں سے خمار چھلک رہا تھا۔ دل میں جو جذبے چھپے ہوئے تھے وہ رخساروں پر تمتما رہے تھے۔ باپ سے آنکھیں ملتے ہی اس نے نظریں جھکا لیں۔ باپ نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں کیا سمجھوں، میرے سامنے سارا کھڑی ہے یا رومانہ؟"

وہ ذرا سا ہچکچاتی ہوئی بولی "رومانہ...!"

"جب میں تمہیں رومانہ کہتا تو تم چڑ جاتی تھیں۔ تمہیں سارا کا چٹانی کیریکٹر پسند تھا۔ کیا یہ چٹان پگھل گئی ہے؟"

وہ نظریں چراتی ہوئی ریلنگ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ برانڈو نے غرا کر کہا۔

"میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے کوئی زبردست چال چلے گا۔ مگر یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اتنی جلدی تمہیں کمزور بنا دیگا۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں پپا! میں آپ کو یقین دلاتی ہوں ---- کہ وہ ہمارا بہترین دوست ہے۔"

"ہمارا نہیں تمہارا کہو۔ مجھے دشمنوں کی پہچان ہے۔ اگر تمہاری جگہ ابھی میری سارا ہوتی تو اس دشمن کی لاش کو خود اپنے ہاتھوں سے سمندر میں پھینک چکی ہوتی۔"

"پپا! میں آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ صرف ایک درخواست کرتی ہوں۔ آپ اس پر نہ سہی اپنی بیٹی پر بھروسہ

کریں۔ میں اسے آپ کے لیے خطرہ بننے کا موقع نہیں دوں گی۔"
"تم اس خطرے کو اپنے دل تک پہنچنے سے نہ روک سکیں۔ دو مردوں کو اس سے کیا بچا سکو گی۔ بس بہت ہو چکا۔ جاؤ اب اپنے کیبن میں بیٹھ کر آہیں بھرو۔ آئندہ سارا کا دل اور دماغ لے کر میرے پاس آنا۔"

پھر اس نے دو مسلح جوانوں کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا۔ رومانہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ برانڈو نے انہیں حکم دیا۔

"جاؤ قیدی کو ٹھکانے لگا دو۔"

وہ دونوں پلٹ کر جانا چاہتے تھے۔ رومانہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"ٹھہرو، اس حکم کی تعمیل نہیں ہوگی۔"

وہ نوجوان رک گئے۔ جہاز کا اسکیپر اور دوسرے لوگ بھی متوجہ ہو گئے تھے۔ برانڈو نے غرا کر پوچھا۔

"میرے حکم کی تعمیل نہیں ہوگی؟ کیا تم ہوش میں ہو؟"

وہ ریلنگ کے پاس سے ہٹ کر بولی۔

"آپ ہوش میں نہیں ہیں پپا! میں بیٹی بن کر سمجھا رہی تھی۔ آپ نے سمجھنے سے انکار کر دیا۔ یہ رومانہ جہاز ہے اور میں رومانہ قانونی طور پر اس جہاز کی مالکہ ہوں۔ میرے حکم کے بغیر یہاں کا ایک فرد بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا۔"

برانڈو نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

"نادان لڑکی! کیا تم چاہتی ہو کہ میں ابھی عقاب بن جاؤں"

وہ باپ کے سامنے دائیں سے بائیں چلتی ہوئی بولی۔

"سمندری عقاب کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس کے مسلح جوان لیڈی سارا کی کمانڈ میں رہتے ہیں۔ اگر آج ایک بھی جوان کمانڈ اور ڈسپلن کے خلاف ہتھیار اٹھائے گا تو اس کی موت سارا کے ہاتھوں سے ہوگی۔"

برانڈو عقابی نظروں سے دور تک پھیلے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ وہ سب اس کے نمک خوار تھے۔ مالک وہی تھا مگر حکمرانی سارا کی تھی۔ سب اس کے تابع فرمان تھے۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیٹی کبھی نافرمانی اور بغاوت پر اتر آئے گی۔ لیکن اب سوچنے سمجھنے کا وقت آ گیا تھا کہ ان حالات میں جہاز کے افراد اور مسلح جوان کس کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اس نے جہاز کے اسکیپر کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ اسکیپر نے آگے بڑھ کر ادب سے کہا۔

"سر! آپ ہمیں آزمائش میں نہ ڈالیں۔ جب آپ باپ بیٹی کے درمیان صلح ہو جائے گی تو ہم حکم نہ ماننے کے جرم میں کسی ایک کی نظروں سے گر جائیں گے۔"

ایک بوڑھے نے سارا کو سمجھایا۔

"بیٹی! طوفان سمندروں میں آتے ہیں۔ اس جہاز میں طوفان نہ لاؤ۔ جو باپ کو بیٹی سے جدا کر دے۔"

سارا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"انکل! آپ اپنی نصیحت کے ساتھ ادھر جائیں۔ پپا کو جا کر سمجھائیں کہ بوڑھوں کو کبھی جوان اولاد کے فیصلوں پر اعتماد کرنا چاہیے۔"

بوڑھا پیچھے ہٹ گیا۔ سب جانتے تھے کہ عقاب کبھی نہیں بدلتا۔ عقاب نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو آزمائش میں مبتلا نہیں کروں گا۔ میرا ... کمزور نہیں ہے۔ میں خود اسے گولی مار کر سمندر میں پھینکوں ..."

"پپا! میں آخری بار بیٹی بن کر سمجھا رہی ہوں۔ مجھے راستے کی دیوار بننے پر مجبور نہ کریں۔"

"دیوار؟ اوہنہ۔ تم میرا راستہ روکو گی۔ اس جہاز کے بوڑھوں سے پوچھو۔ کیا انہوں نے دنیا کے نقشے میں کوئی ایسا ... دیکھا ہے جس نے عقاب کو گزرنے نہ دیا ہو۔"

اس کے جواب میں سارا نے چبھتی ہوئی نظروں سے ... کو دیکھا۔ پھر اپنے بلاؤز کے بٹن کھولنے لگی۔ عقاب نے ... سفاک نظروں سے ضدی لڑکی کو دیکھا پھر اپنا کوٹ اتار کر ... کی طرف اچھال دیا۔ سب لوگ دور پیچھے کی طرف ہٹ گئے تھے۔ رومانہ کے بدن سے بلاؤز اسکرٹ اتر چکا تھا۔ اب ... کے جسم پر نائیلون کا وہ مختصر سا لباس تھا جسے وہ جمناسٹک ... کے دوران پہنتی تھی۔

عقاب نے اپنے خاص ملازم کو ہنٹر لانے کے لیے کہا ... چلا گیا۔ میں ایک قیدی بن کر چپ چاپ وہ تماشہ دیکھ رہا ... روزو برانڈو اپنے فیصلے کے مطابق مجھے قتل کرنے کے لیے ... بن گیا تھا اور رومانہ میری حفاظت کے لیے سارا بن کر ... دیوار کی طرح کھڑی ہو گئی تھی۔ میں ان کے درمیان مداخلت ... کرنا چاہتا تھا۔ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ کھیل کہاں جا کر ... ملازم ہنٹر لے کر آ گیا۔ سارا تن کر سیدھی کھڑی ہو گئی ... نے ایک پاؤں آگے بڑھا کر ہنٹر کو اپنے سر پر سے دائرے کی ... میں گھماتے ہوئے کہا۔

"شیر اپنے بچے کو پنجے مارنے کا فن سکھاتا ہے تو اس کا ... مطلب یہ نہیں ہوتا کہ شیر خود بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے۔ ... نافرمان اولاد کو ایسے سزا دی جاتی ہے۔"

بات ختم ہوتے ہی ہنٹر نے بجلی کی طرح کڑک کر ... کی آواز پیدا کی۔ سارا کی کمر سے اسپرنگ کی طرح لپٹ کر کھل ... اس کے گورے چکنے اور شفاف پیٹ کی جلد کو چھیلتا ہوا ...

... ہوا اللہ سرخ لکیر کھینچتا ہوا واپس چلا گیا۔

... سب تعجب سے دیکھنے لگے۔ سب نے یہ سوچا تھا ... عقاب کا وار خالی جائے گا کیونکہ جمناسٹک کے کمالات دکھانے والی سارا کی چستی و پھرتی کے سب ہی قائل تھے۔ مگر وہ چپ کھڑی تھی۔ اسے جو جسمانی تکلیف پہنچی تھی اسے برداشت کرنے کے لیے اس نے دانت پر دانت جما لیے تھے اور زخمی ناگن کی طرح "فوں ... فوں" پھنکارتی ہوئی ناک اور منہ سے سانسیں چھوڑ رہی تھی۔ عقاب نے سخت لہجے میں ذرا حیرانی سے پوچھا۔

"تم نے بچنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

وہ دانت پیس کر بولی۔

"آپ باپ بن کر ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔ میں فرمانبردار بیٹی بن کر سزا پا رہی تھی۔ میری جنگ آپ سے نہیں، ان قدموں سے ہے جو فرید کی طرف بڑھیں گے۔"

"اچھا۔ اب تمہارے چیلنج کا مطلب سمجھ میں آیا ہے۔ تو پھر روکو مجھے، میں زندگی موت بن کر جا رہا ہوں۔"

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ سارا کے حلق سے آواز نکلی۔ "ہا۔ ہپ..." وہ راستہ روک کر کھڑی ہوئی۔ "ہپ ہپ" وہ دائیں طرف خم کھا کر دونوں ہاتھوں کے بل فرش پر الٹی کھڑی ہوئی۔ "ہپ ہپ" پھر وہ خم کھا کر پاؤں کے بل کھڑی ہوئی۔ "ہپ ہا۔ ہپ ہا۔ ہپ..........ہپ" ....دائیں سے بائیں، کبھی ہاتھوں پر کبھی پیروں پر اپنے بدن کا توازن سنبھالتی، چکری کی طرح گھوم رہی تھی۔ عقاب تیزی سے چاروں طرف گھوم گھوم کر اسے دیکھ رہا تھا کہ پتہ نہیں وہ کب حملہ کر دے۔ مگر وہ ایک ... پہنچ کر دونوں ٹانگوں پر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

تب عقاب کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ سارا نے اسے ایک گول چکر دے کر اس کا راستہ بدل دیا تھا۔ وہ میری طرف آنا چاہتا تھا مگر اب مخالف سمت میں آگے بڑھ گیا تھا۔ ادھر سارا کے کھڑے ہونے کا انداز کہہ رہا تھا۔ "یو اولڈ مرڈرر۔ بوڑھے قاتل آگے بڑھو۔"

وہ میری طرف آنے کے لئے پھر تیزی سے پلٹ گیا۔ "ہا۔ ہپ" ... کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ تیزی سے پلٹا۔ مگر پلٹنے اور جھپٹنے کی تیزی ... کے حصہ میں آئی۔ وہ بجلی کی تیزی سے فرش پر آ کر جیسے گری۔ عقاب ... ٹانگ پر ٹانگ مار کر اسے گرایا۔ لیٹے ہی لیٹے ایک دائرے میں گھومی پھر "ہپ ہپ" کی تال پر الٹی قلابازی کھا کر کھڑی ہو گئی۔

عقاب کمزور یا اناڑی نہیں تھا۔ ایک بہترین فائٹر تھا۔ مگر اس ... مشکل یہ تھی کہ سارا لڑنے کے بجائے جمناسٹک کے کرتب دکھا رہی تھی ... حملہ کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ اس نے جھلا کر پھر ہنٹر ہاتھ میں لے ... "شٹ اپ۔ شٹ اپ۔" وہ ہنٹر بجلی کی طرح لپکنے لگا۔ مگر اب بجلی کی طرح ... پر نہ گر سکا۔ کبھی اس کی ٹانگوں کے نیچے سے کبھی سر پر سے گزر گیا۔

میں مسکراتے ہوئے فارغ ... کی اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔ لیکن... باپ بیٹی کا مقابلہ زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا۔ اچانک ہی جہاز میں خطرے کا الارم بجنے لگا۔ عقاب کے ہاتھ سے ہنٹر چھوٹ گیا۔ وہ دوڑتا ہوا اسکیپر کے کیبن میں پہنچا۔ سارا بھی اس کے پیچھے بھاگتی ہوئی آئی۔ جہاز کے سب سے اوپری حصہ پر جہاں ایک شخص ہیڈ لائٹ کے پاس ڈیوٹی دے رہا تھا۔ وہ پائپ کے اوپری سرے سے بول رہا تھا۔ اس کا دوسرا سرا کیبن کے اندر تھا وہاں سے آواز آ رہی تھی۔

"سر! ایک لانچ ہماری طرف آ رہی ہے۔ وہ سگنل دے رہے ہیں کہ وہ بحری پولیس کی لانچ ہے۔"

یہ اطلاع سنتے ہی عقاب غراتا ہوا سارا کی طرف پلٹا۔ "سن لیا تم نے اگر ہم نے فوراً ہی فرید کو ختم نہ کیا تو وہ بحری پولیس کو خفیہ کیبنوں تک پہنچا دے گا۔"

سارا جواب دینے کے بجائے اچھل کر دروازے پر گئی۔ پھر اس سے پہلے کہ عقاب کی سمجھ میں کچھ آتا۔ اس نے کیبن کے دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔ پھر اس نے ایک مسلح جوان سے رائفل لے کر کہا۔

"جاؤ سب یہاں سے فوراً دور چلے جاؤ۔ اور تم سنو، جلدی سے فرسٹ ایڈ بکس لے آؤ۔"

اسکیپر اور عقاب دروازے کو اندر سے پیٹنے لگے۔

"سارا دروازہ کھولو، ورنہ میں اسے توڑ کر بھی باہر آ سکتا ہوں۔"

"اتنی عقل مجھے بھی ہے پپا۔ اور تھوڑی سی عقل میں آپ کو بھی دینا چاہتی ہوں۔ اگر آپ دروازہ توڑنا چاہیں گے تو میں نوے ڈگری پر فائرنگ کروں گی۔ یہ ہوائی فائرنگ کی آواز پولیس لانچ تک پہنچے گی۔ پھر آپ روزو برانڈو جیسے معزز شہری کے جہاز میں فائرنگ کا کوئی جواز پیش نہ کر سکیں گے۔"

عقاب کو عقل آ گئی۔ اس نے بزرگانہ انداز میں سمجھایا۔

"بیٹی! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیا تم اپنے جہاز کو پولیس کی نظروں میں مشکوک بنانا چاہتی ہو؟"

"اگر کیبن میں آپ خاموش بیٹھے رہیں گے تو میں فائرنگ نہیں کروں گی اور یہ خیال دماغ سے نکال دیں کہ جب تک میں یہاں کھڑی رہوں گی کوئی آپ کی مدد کے لئے آئے گا۔ آپ تمام لوگوں کا فیصلہ سن چکے ہیں کہ یہ لوگ باپ بیٹی کے جھگڑے میں نہیں آئیں گے۔"

"سارا، تم مجھے کیسے بند رکھ سکو گی۔ روزو برانڈو کی حیثیت سے مجھے ہی پولیس والوں سے باتیں کرنا ہوں گی۔"

"جب پولیس لانچ قریب آئے گی اور وہ آپ کو کال کریں گے تب میں دروازہ کھول دوں گی۔ لیکن اس کی بھی ایک شرط ہے۔"

"بکو کیا کہتی ہو؟"

"دیکھئے پپا! آپ نے فرید کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر اس کی تعمیل نہیں ہوئی کیونکہ یہ بیچارے مجبور رہے۔ ہم میں سے کسی ایک کا حکم مان کر بعد میں مصیبت میں پڑ جائیں گے۔ بہتر ہے ہم دونوں مشترکہ حکم صادر کرتے ہیں کہ فرید کو آزاد کر کے

یہاں لایا جائے؟

"میں حکم نہیں دوں گا۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔"

"میں بھی غصہ والے باپ کی بیٹی ہوں۔ میرے اچھے پپا، ہم دونوں کو غصہ نہیں آنا چاہئے۔ حکم دے دیجئے۔"

فرسٹ ایڈ باکس لانے والا فرش پر گھٹنے ٹیک کر سارا کے پیٹ اور کمر کے زخم پر مرہم لگا رہا تھا پھر وہ پٹی باندھنے لگا۔

"پپا! آپ حکم دینے میں دیر کر رہے ہیں اور میری انگلی رائفل کے ٹریگر پر کانپ رہی ہے۔ اگر آپ میری ضدی طبیعت کو بھول چکے ہیں تو لیجئے، میں تین کہتے ہی فائرنگ شروع کر دوں گی۔ ایک... دو..."

"ٹھہرو، میں حکم دے رہا ہوں۔"

سارا نے چار مسلح جوانوں کو قریب بلایا۔ پھر وہ سارا اور عقاب کا مشترکہ حکم سن کر میری طرف آنے لگے۔ میں نے مسکرا کر دل ہی دل میں کہا "جیو میری جان! تم تو واقعی سمندر کے سینے پر آندھی کی طرح چلتی ہو۔"

دس منٹ کے بعد میں قید خانہ سے نکل کر اپنی رومانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مجھے رائفل دے کر کہا

"دروازے پر کھڑے رہو، میں ذرا لباس پہن لوں۔"

وہ اپنا بلاؤز اور سکرٹ فرش پر سے اٹھا کر پہننے لگی۔ اسے خیال آ رہا تھا کہ وہ عورتوں کا لباس میرے سامنے پہننے سے کتراتی تھی اور اب بصد شوق پہن رہی تھی۔ اس خیال سے وہ مسکرانے لگی۔ اس وقت پولیس لانچ کا سائرن تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اپنی آواز سناتا ہوا قریب آ چکا تھا۔ اور اب جہاز کے مالک اور اسکیپر کو عرشہ کے اگلے حصہ میں بلایا جا رہا تھا۔

رومانہ نے کیبن کا دروازہ کھول دیا۔ برانڈو نے ہمیں گھور کر دیکھا۔ مگر اب میرے خلاف کچھ کر گزرنے کا وقت نہیں رہا تھا۔ پولیس لانچ نگاہوں کے سامنے تھی۔ برطانوی بحری پولیس کے مسلح سپاہی خاکی وردیوں میں نظر آ رہے تھے۔ وہ اسکیپر کے ساتھ تیزی سے چلتا ہوا عرشہ کے اگلے حصے میں چلا گیا۔ میں نے رومانہ کے شانہ پر ہاتھ رکھ کر انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"میری جان! تم تو کہتی تھیں کہ تمہارے پپا کا فیصلہ نہیں بدلے گا پھر یہ مجھے آزاد کیسے کر دیا گیا؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی "تم قید خانہ میں پڑے ہوئے تھے۔ یہاں پپا سے میری فائٹ ہو گئی۔"

وہ مجھے بتانے لگی۔ میں دلچسپی سے سنتے ہوئے اس کی دلیری اور ذہانت کی تعریف کرنے لگا۔ اسی وقت برانڈو نے واپس آ کر اپنے لوگوں سے کہا۔

"وہ لوگ چیکنگ کے لئے آ رہے ہیں۔ تم سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاؤ۔ جب آفیسر ڈیک پر آئے تو تمام ہتھیار اس کے سامنے رکھ دو، خیال رکھو، انہیں کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے۔"

میں نے اپنے ہاتھ کی رائفل ایک نوجوان کو واپس دے دی۔ وہ سب اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے جانے لگے۔ برانڈو اپنا کوٹ پہنتا ہوا میرے سامنے کھڑا ہو گیا پھر گہری سنجیدگی سے بولا۔

"میری نادان بیٹی نے تمہیں میرے ہاتھوں سے بچا لیا، اور ...
تمہیں بچایا ہے، اس لڑکی کی عزت، اس کا مستقبل تمہارے ہاتھوں میں ...
تم پولیس والوں سے مل کر اس لڑکی کو اس کی نادانی کی سزا دے سکتے ...
فطرت سے مجبور ہوں۔ تباہی کے دہانے پر بھی دشمن کو دشمن ہی سمجھتا ...
یہ کہہ کر وہ جواب سنے بغیر چلا گیا۔ رومانہ نے میرا ہاتھ تھام کر کہا

"فرید! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"کیا مجھ سے؟"

"تم سے نہیں۔ وہ۔ میں کیا بتاؤں، جب کوئی مصیبت آنے والی ہوتی ہے تو مجھے اندر سے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ کہیں یہ بحری پولیس گڑبڑ نہ کریں۔"

میں نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔

"یار تم تو عورت بن کر سچ مچ عورتوں کی طرح وہموں میں مبتلا ... میں پہلے ہی سمجھتی تھی کہ تم میرے انجانے خوف کا مذاق اڑاؤ گے ... میرے ساتھ..."

"کہاں لے جا رہی ہو؟"

"جب ہمیں خطرے کا احساس ہوتا ہے تو سب سے پہلے پپا ایک ... پناہ گاہ میں چلے جاتے ہیں۔ مگر آج وہ بھی میری بات نہیں مانیں گے ... مجھ سے ناراض ہیں۔"

وہ اپنے باپ کے کیبن کے سامنے آ کر رک گئی۔ مجھ سے بولی۔

"تم دوسری طرف منہ کر دو۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا

"میں دروازے کی چابی نکالوں گی۔"

"تو میرے سامنے نکالو۔"

وہ منہ پھیر کر بولی۔

"نہیں، مجھے شرم آتی ہے۔"

"اچھا تو یوں کہو نا کہ شرمانے والی بات ہے۔"

میں دوسری طرف منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو میں پلٹ کر اس کے ساتھ کیبن کے اندر ...
وہ دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔

"یہ دروازہ باہر سے لاکڈ کر دیا جائے تو اندر سے بغیر چابی کے ... جاتا ہے، دیکھو اس طرح...."

اس نے ہینڈل کو بائیں سمت گھما کر بتایا۔ پھر وہ اپنے باپ کے ... سیف کے پاس آئی۔ وہاں اس نے سیف کے تالے کا نمبر ایڈجسٹ کر ...

"دیکھو، اگر فور زیرو ڈبل ون سیٹ کرو گے تو اس آہنی سیف کا ... اس کا پچھلا خفیہ دروازہ بھی کھل جائے گا۔"

میں نے دیکھا سیف کا بیرونی دروازہ کھلنے لگا تو اس کے ساتھ ... کی پچھلی دیوار بھی اس حد تک سرک گئی کہ ایک آدمی وہاں سے گذر کر جا سکے ... وقت سیف کے خانے فولڈ ہو جاتے تھے۔ اس لئے وہاں اہم کاغذات ...

... پونڈ کی گڈیاں برائے نام رکھی گئی تھیں۔ میں سارا کے پیچھے چلتا ہوا اس خفیہ دروازے کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا۔

"اگر یہاں سے بھی فور زیرو ڈبل ون سیٹ کیا جائے تو باہر نکلنے کے لئے دوبارہ دروازہ کھل جائے گا۔"

دروازہ بند ہونے کے بعد میں نے پچھلی دیوار کو دیکھا۔ وہاں پورٹ ہول بنا ہوا تھا جس کے بلائنڈ شیشے کو سرکانے کے بعد سمندر نظر آتا تھا اور باہر کی تازہ ہوا ملتی تھی۔ میں نے کہا۔

"رومانہ یہاں جگہ اتنی تنگ ہے کہ میں آسانی سے تمہیں تنگ کر سکتا ہوں۔"

میں نے سر جھکا کر اس کی ناک کی مغرور بلندی کو چوم لیا۔ وہ میرے سینے پر سر رکھ کر بولی۔

"فرید! تمہارے بازوؤں میں مر جانے کو جی چاہتا ہے مگر ابھی کوئی شرارت نہ کرو۔ مجھے بحری پولیس کی طرف سے مطمئن ہو جانے دو۔"

اس نے ہاتھ اٹھا کر چھت پر لگے ہوئے ایک بٹن کو آن کر دیا تب مجھے پتہ چلا کہ وہاں اسپیکر لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں باہر کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ برانڈو پولیس آفیسر اور سپاہیوں کے ساتھ عرشہ پر آ رہا تھا۔ آفیسر کہہ رہا تھا۔

"مسٹر برانڈو! آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ہم محض رسماً اپنا فرض ادا کرنے آئے ہیں۔"

"اُف بحری... پولیس والوں سے میرا دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اس لئے ان کی سوچ کو پڑھنا فضول تھا اب یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ پڑھنا آتا ہو تو خواہ مخواہ ریلوے ٹائم ٹیبل پڑھنے بیٹھ جائیں وہ بھی ایسے وقت جبکہ منہ زور آندھی روبرو ہو اور اس کی سانسیں میرے سینے کو بار بار چھو رہی ہوں۔ میں نے کہا۔

"تم اپنے وہم اور اندیشوں سے کب تک بری ہو جاؤ گی؟"

اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر خاموش رہنے کے لئے کہا۔ اسی وقت آفیسر نے پوچھا۔

"مسٹر برانڈو! آپ کی صاحبزادی نظر نہیں آ رہی ہیں؟"

"میری بیٹی رومانہ سفر سے گھبراتی ہے۔ میں نے اُسے مکاؤ میں چھوڑ دیا ہے۔"

"نہیں مسٹر برانڈو، ہم مکاؤ کا چپہ چپہ دیکھ چکے ہیں۔ رومانہ وہاں موجود نہیں ہے۔"

"آپ میری بیٹی کو وہاں کیوں تلاش کر رہے تھے؟"

"معاف کیجئے آپ کی بیٹی کو نہیں، ہم سی ایگل کی بیٹی سارا کو بھی تلاش کر رہے تھے۔ ہماری دو سال کی خاموش تفتیش یہ ہے کہ جب سی ایگل اپنی بیٹی سارا کے ساتھ بحری سفر کے لئے ہانگ کانگ سے نکلتا ہے تو مسٹر برانڈو اور ان کی بیٹی رومانہ مکاؤ سے غائب ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ ایک دلچسپ اسرار نہیں ہے؟"

میں نے دیکھا رومانہ کے چہرے پر ایسی سختی آ گئی تھی جیسی کہ خطرات سے کھیلنے والے کھلاڑیوں کے چہروں پر دیکھی جاتی ہے۔ وہ آہستگی سے بولی۔

"آفیسر غلط کہہ رہا ہے، میں پپا کے ساتھ ہمیشہ بحری سفر پر نہیں نکلتی ہوں۔ ہم بہت کم ایک ساتھ اس طرح مال لانے کے لئے نکلتے ہیں۔ ہمارا طریقہ کار ایسا ہے کہ پولیس والے اس انداز میں تفتیش کر کے کبھی ہماری اصلیت کو نہیں سمجھ سکتے۔"

باہر برانڈو اسی بات کو دوسرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"آفیسر! آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ کیا ہم باپ بیٹی کا تعلق کسی سی ایگل سے ہے؟ کیا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ ہی کی ذات شریف کا دوسرا نام سمندری عقاب ہے۔"

یہ کہتے ہی آفیسر نے ریوالور نکال لیا۔ عقاب نے چونک کر دیکھا۔ اس کے چاروں طرف سپاہی اسے رائفلوں کی زد میں لئے کھڑے تھے۔ آفیسر نے بلند آواز سے للکار کر کہا۔

"اگر کسی نے چھپ کر ہم پر گولی چلائی تو دوسرے ہی لمحہ برانڈو عرف سمندری عقاب کی لاش تمہارے سامنے نظر آئے گی۔"

میں نے دیکھا رومانہ مجسم پتھر کی طرح سخت ہو گئی تھی اور اب عادت کے مطابق چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی سانس لے رہی تھی۔ برانڈو کہہ رہا تھا۔

"آفیسر! آپ سخت غلطی کر رہے ہیں۔ میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ اس لئے آپ کو مکمل اجازت دیتا ہوں کہ پورے جہاز کی تلاشی لیں اور یہ ثابت کر دیں کہ میں سمندری عقاب ہوں۔"

آفیسر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"تلاشی لینے میں بہت زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ کیونکہ ہماری طرف سے ایک جاسوس پہلے ہی اس جہاز میں موجود ہے۔"

رومانہ نے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹ کر مجھے غصہ سے دیکھا۔

"جاسوس؟ تم ــ تم مجھے احمق بنا رہے تھے؟ اوہ فرید تم مجھے دھوکہ دے رہے تھے...."

یہ کہتے ہی وہ مجھے کراٹے کا ایک چوپ لگانا چاہتی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"مجھ پر شبہ نہ کرو۔ ذرا عقل سے سوچو کیا اس جہاز میں کوئی دوسرا جاسوس نہیں ہو سکتا؟"

"نہیں ہو سکتا۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "ہمارے جہاز کا ایک ایک فرد برسوں کا جانا پہچانا ہوا ہے، یہ بارہا آزمائے ہوئے لوگ ہیں، صرف تم ایک ایسے ہو جسے آزمانے کا موقعہ آیا تو فوراً ہی اصلیت کھل گئی، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

وہ میرے پیٹ میں گھٹنا مارنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ وہ خود کو چھڑانے کے لئے تڑپنے مچلنے لگی۔ میں نے کہا۔

"یہ جگہ اتنی تنگ ہے کہ تم جمناسٹک کے کرتب نہیں دکھا سکتیں۔ بہتر

ہے کہ آرام سے سوچو اور سمجھو، بعض اوقات برسوں کے ملازم بھی نمک حرام نکل جاتے ہیں۔"

"میں اب تمہاری باتوں میں نہیں آؤں گی۔"

"اچھا یہی بتا دو کہ میں جاسوس ہوں تو یہاں کیوں چھپا ہوا ہوں؟"

"مکار ہوس پرست انسان تم میرے جسم سے کھیلنے کے لئے یہاں وقت گذار رہے ہو، میں تم پر . . . ؟"

وہ مجھ پر تھوکنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں روکا تو تھوک اس کے منہ میں آ کر دونوں باچھوں سے بہنے لگا۔ میں نے کہا۔

"مجھے دیکھ کر تمہاری رال ٹپک رہی ہے، اور الزام مجھے دے رہی ہو۔"

تب تو وہ غصہ سے پاگل ہو گئی۔ اس کے حلق سے عجیب عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھے کس طرح کچل ڈالے۔ وہ جگہ ایسی نہیں کہ لڑنے مرنے کی گنجائش پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جھلا کر بولی۔

"باہر چلو، میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

"تم باپ بیٹی کے دماغوں کے کچھ پرزے ڈھیلے ہیں، پہلے وہ سرک گیا تھا اب تم سرک رہی ہو۔ ارے خدا کے لئے مجھ پر تھوڑی دیر اور بھروسہ کر لو۔ ذرا باہر کی باتیں سننے دو کہ وہاں کیا ہو رہا ہے۔"

اچانک اس کے دماغ میں ایک تدبیر آئی۔ اس نے بائیں طرف گھوم کر دروازے کے تالے کا نمبر بدل دیا۔ تاکہ وہ پہلے نمبر فور زیرو ڈبل ون سے نہ کھل سکے، اس کا دوسرا اسیٹ کیا ہوا نمبر اس کی سوچ نے مجھے بتا دیا تھا میں خاموش رہا۔ اس نے کہا۔

"اب تم اسی جگہ میرے ساتھ قید رہو گے۔ تم باہر جا کر آفیسر کو ہمارے چھپائے ہوئے مال تک نہیں پہنچا سکو گے۔ میں نے تالے کا نمبر بدل دیا ہے۔"

"تم کب تک قید رکھو گی؟ دیکھو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مجھے عورتوں کی قید پسند نہیں ہے، اسی لئے شادی نہیں کرتا۔"

اس بار میں اس کی سوچ نہیں پڑھ سکا تھا۔ اس لئے ایک زبردست کراٹے کی کھڑی ہتھیلی میرے منہ پر پڑی، میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے۔ مان گیا کہ اپنی جان کا ہاتھ کافی وزنی ہے۔ اب میں اسے کیا جواب دیتا جبکہ غصہ کی حالت میں بھی اس پر پیار آتا تھا۔ اس نے دوسرا ہاتھ جمانا چاہا، مگر خود ہی رک گئی۔ باہر سے آفیسر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"مس رومانہ عرف سارا تم جہاں بھی چھپی ہو، چلی آؤ، ہم تمہیں دس منٹ کا وقت دیتے ہیں۔ ٹھیک دس منٹ کے بعد تمہارے دیدار سے مایوس ہو کر تمہارے باپ کو گولی مار دی جائے گی۔"

میں نے کہا: "اب تو تمہیں یہاں سے نکلنا ہی پڑے گا۔ یہ مجھے پولیس والے معلوم نہیں ہوتے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"مطلب یہ کہ پولیس والے مجرم کو عدالت تک پہنچاتے ہیں۔ ایک بیٹی کو بلانے کے لئے اس کے باپ کو گولی مارنے کی دھمکی نہیں دیتے۔ جبکہ وہ جانتے ہیں کہ سارا خطرات سے کھیلنے والی لڑکی ہے۔ وہ دھمکیوں میں نہیں آئے گی۔"

وہ سوچنے لگی۔ میں نے فوراً ہی آفیسر کے دماغ میں جھانک کر دیکھا وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کمبخت کہاں جا کر چھپ گئی ہے۔ ہمارے آدمیوں نے جہاز کے تمام کیبن اور ایک ایک کونہ دیکھ لیا ہے۔ اگر وہ دھمکی میں نہیں آئے گی تو پرنس موڈی کو بڑی پریشانی ہو گی۔"

پرنس موڈی کا نام سن کر میں چونک گیا۔ یہ وہی شخص تھا، جس نے سارا سے شادی کی درخواست کی تھی۔ اور اس سے مار کھائی تھی۔ اسی نے عقاب کو زہر سے ہلاک کرانے کی کوشش کی تھی اور اب وہی سارا کو بیچ سمندر میں حاصل کرنے آیا تھا۔ آفیسر نے پھر آواز دی۔

"رومانہ عرف سارا! چھ منٹ گذر چکے ہیں۔ چار منٹ کے بعد تم فائرنگ کی آواز سنو گی۔ اس کے بعد تمہیں اپنے باپ کی آواز کبھی سنائی نہیں دے گی۔"

وہ باہر جانے کے لئے پلٹ گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"باہر مت نکلو، وہ تمہارے پاپا کو گولی نہیں ماریں گے۔"

"چھوڑو میرا ہاتھ، کیا تم غیب کی باتیں جانتے ہو؟ میں نے تمہارا ہاتھوں بے وقوف بن کر پاپا کو بہت دکھ پہنچایا ہے اب میں ان کی سلامتی کے لئے دشمنوں کے سامنے جاؤں گی۔"

میں سمجھ گیا، وہ سیدھی طرح نہیں مانے گی۔ میں نے اسے جانے کے لئے چھوڑ دیا جب وہ تالے کا نمبر ملانے لگی تو میں اس کی سوچ میں نمبر کی ترتیب کو ادھر ادھر کرنے لگا۔ وہ تھوڑی دیر بعد پریشان ہو کر بولی۔

"یہ نہیں کھل رہا ہے۔ میرے ذہن میں نمبر گڈمڈ ہو گئے ہیں۔"

"عورتوں کی یادداشت کمزور ہوتی ہے۔"

"یو شٹ اپ۔" وہ مجھے ڈانٹ کر پھر نمبر یاد کرنے لگی۔ کئی بار اس کے دماغ میں صحیح نمبر آیا لیکن میں نے اس کی سوچ میں ایک دو نمبر کی ترتیب ادھر ادھر کر دی۔ اسی الجھن میں دھمکی کے دس منٹ گذر گئے۔ میں نے کہا۔

"کیوں پریشان ہو رہی ہو، دس منٹ گذر چکے ہیں۔"

وہ گھبرا کر آواز سننے لگی۔ آفیسر کہہ رہا تھا۔

"دس منٹ گذر چکے ہیں۔ اب تمہارا باپ اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہا ہے۔ میں تین تک گننے کے بعد اسے گولی مار دوں گا۔"

وہ باہر نکلنے کے لئے دروازے کو دھکا دینے لگی۔ میں اطمینان سے کھڑا تھا۔ باپ کی محبت سے مجبور ہو کر اس نے میری خوشامد کی۔

"اگر تم دوست ہو تو میری مجبوریوں کا تماشہ کیوں دیکھ رہے ہو کسی طرح اس دروازے کو کھولو۔"

"رومانہ! وہ تین تک گن چکا ہے، اور تین لاکھ تک گننے کے بعد بھی وہ تمہارے پاپا کو ہلاک نہیں کرے گا۔ تم نادانی نہ کرو، یہیں آرام سے کھڑی رہو۔"

وہ حیرانی سے سوچنے لگی۔ "واقعی اب تک گولی چلنے کی آواز نہیں آئی تو فرید کو کیسے معلوم ہو گیا کہ میرے پاپا کو شوٹ نہیں کیا جائے گا۔ اس کا مطلب ہے کہ . . . یہ ہے کہ . . . ؟"

وہ غصہ سے مٹھیاں بھینچ کر بولی: "اب میں سمجھ گئی۔ تم لوگوں کے درمیان پہلے ہی یہ طے ہو چکا تھا کہ ہمارے جہاز کو کس طرح گھیرا جائے گا۔ تم لوگ بہت پہلے سے منصوبے بنا رہے تھے، اسی لئے تم میرا اعتماد حاصل کرنے کے لئے پہلے ہی فاروسا پہنچ گئے تھے تاکہ جہاز میں آ کر میری نادانی سے تمام خفیہ معلومات حاصل کر سکو۔"

"رومانہ! جو معلومات میں نے تم سے حاصل کی ہیں بلکہ حاصل نہیں کیں، تم نے خود ہی بتائیں۔ اس آہنی سیف کے پیچھے یہ خفیہ پناہ گاہ بھی تم نے بتائی ہے اور جو کچھ مجھے معلوم ہو چکا ہے، مجھے اس کے متعلق کسی کو کچھ بتانے کا موقع کہاں ملا ہے۔ جب سے یہ دشمن آئے ہیں، میں تمہارے ہی ساتھ لگا کھڑا ہوں۔ دیکھو کتنی رومانٹک سچویشن ہے۔"

"بکواس مت کرو، تم نے کسی دوسرے ذریعہ سے انہیں سب کچھ بتا دیا ہو گا۔ خفیہ پیغام رسانی ناممکن تو نہیں ہے۔"

"خفیہ پیغامات نشر کرنے کے لئے ریڈیو ٹرانسمٹر وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے اور میرے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں، تم تلاشی لے سکتی ہو۔"

اس نے تلاشی لی، اوپر کی جیب، دونوں بغل اور کمر کو ٹٹولا۔ کمر سے نیچے تلاشی کا مسئلہ درپیش آیا تو ہچکچانے لگی۔ میں نے کہا۔

"بڑی مشکل ہے۔ تم تلاشی نہیں لو گی تو میری بے گناہی ثابت نہیں ہو سکے گی لو میں آنکھیں بند کر لیتا ہوں۔"

وہ منہ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ اتنے میں باہر سے قہقہہ سنائی دیا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔

"ہیلو مسٹر مدزو براندو! کیا تم نے مجھے پہچانا؟ میرا خیال ہے کہ تم سے زیادہ مجھے سارا پہچانتی ہے۔ ہاہاہا۔"

وہ حیرانی سے بولی: "یہ . . . یہ تو پرنس موڈی کی آواز ہے۔"

میں نے کہا "اب اسے بھی میرا رشتہ دار بنا دو۔"

وہ چپ رہی۔ پرنس موڈی کی آواز آ رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"مسٹر براندو! تمہیں اپنے نمک خواروں پر بڑا اعتماد ہے۔ اب میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے جہاز کے کچن میں کام کرنے والی مارتھا میری داشتہ ہے۔ مارتھا سے مجھے معلوم ہوتا رہا کہ اس جہاز میں روپ بدلنے کے لئے ایک خفیہ گرین روم ہے، ایک کیبن ہے جہاں آتشیں اسلحہ چھپا کر رکھا جاتا ہے اور اسمگلنگ کا مال چھپانے کے لئے دوہرے تہہ کا فرش بنایا گیا ہے۔ افیون کی بو چھپانے کے لئے اس بڑے کمرے کو مہاتما بدھ کا مندر بنا دیا گیا ہے۔ وہاں ہمیشہ عود و عنبر وغیرہ کی خوشبو ہوتی ہے۔"

رومانہ اب مجھے ندامت سے دیکھ رہی تھی۔ پرنس کہہ رہا تھا۔

"میں نے یہاں چھاپہ مارنے سے پہلے خوب سوچ سمجھ کر پلاننگ کی تھی جو اب کامیاب ہو چکی ہے۔ میں اس انتظار میں تھا کہ تم باپ بیٹی کبھی ایک ساتھ بحری سفر کے لئے نکلو گے اور لاکھوں ڈالر کا مال لا رہے ہو گے، تب میں شب خون ماروں گا۔ آج سے چار دن پہلے تم سارا کے ساتھ فاروسا گئے، تو میں نے وہاں کے کوسٹ گارڈ کے آفیسر کو ایک لاکھ ڈالر کا لالچ دیا تاکہ وہ تمہیں زہر سے ہلاک کر دے تمہارے مر جانے سے اس جہاز میں سارا کو قابو میں رکھنا آسان ہو جاتا۔

مگر یہاں آ کر پتہ چلا کہ ایک منصوبہ ناکام ہو گیا ہے، تم زندہ نظر آ رہے ہو براندو تم کیسی تقدیر لے کر آئے ہو کہ ہمیشہ دشمنوں کے وار اور پولیس کے حملوں سے بچ جاتے ہو، مجھے بتاؤ کہ زہر سے کیسے بچ گئے۔"

براندو نے جواب نہیں دیا۔ اسے گھور کر دیکھتا رہا۔ پرنس موڈی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں میں بتا دیتا ہوں۔ ابھی مارتھا نے بتایا ہے کہ تمہاری بیٹی نے کسی بانکے چھبیلے جوان سے دوستی کی ہے۔ اس نے آفیسر کو عین وقت پر شراب میں زہر ملاتے پکڑ لیا تھا۔"

رومانہ غصہ سے ہونٹ چبا رہی تھی میں نے کہا۔

"کیوں گلاب جیسے لبوں کو نقصان پہنچا رہی ہو، پرنس کی بکواس پر تمہیں غصہ نہیں آنا چاہئے۔"

پرنس کہہ رہا تھا۔

"براندو تم زندہ رہ گئے، چلو کوئی بات نہیں۔ اب ہمارے درمیان کاروباری معاہدہ ہو گا۔ معاہدہ کی رو سے تمہارے کاروبار کا نصف حصے دار اور تمہاری بیٹی کا پورا حصہ دار بنوں گا۔ اس سے پہلے تم ایک اعتراف نامہ لکھو گے کہ تم براندو اور عقاب کی دوہری زندگی گذارتے ہو۔ یہ بھی لکھو گے کہ تم برسوں کی کمائی ہوئی کالی دولت کہاں چھپا کر رکھتے ہو، غرضیکہ وہ تمہاری پوری ہسٹری شیٹ ہو گی۔

اور انکار کی صورت میں جانتے ہو کیا ہو گا؟ یہ جہاز تمہارے پورے کچے چٹھے کے ساتھ تمہارے جرائم کا مکمل ثبوت لئے ہانگ کانگ پورٹ پر لنگر انداز ہو گا۔ عقاب کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرانے کے صلہ میں حکومت مجھے خطاب اور انعامات سے نوازے گی۔ اس پولیس آفیسر کی بھی ترقی ہو گی۔

تیسرا راستہ یہ ہے کہ تم اپنی ہسٹری شیٹ دینے سے انکار کرو تو تمہیں سمندر میں پھینک دیا جائے، جہاز میں قتل عام شروع ہو جائے۔ پھر میں سارا کو لے کر جہاز کے مال کے ساتھ اپنے علاقہ میں چلا جاؤں، ہر صورت میں میرا فائدہ ہے۔

یہ بھول جاؤ کہ اس سمندر میں تمہاری مدد کے لئے کوئی آ سکتا ہے۔ اس جہاز کی جتنی عورتیں تھیں، انہیں ایک کمرے میں اور جتنے مرد تھے انہیں دوسرے کمرے میں لاک کر دیا گیا ہے۔ آتشیں اسلحہ کے کیبن پر ہمارا قبضہ ہے۔ صرف ایک سارا قبضہ سے باہر ہے۔ اب وہ تمہاری ہی آواز سن کر آ سکتی ہے۔ اسے آواز دو، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ باپ اپنی بیٹیوں کو کس طرح بلاتے ہیں۔ کم آن۔ بے . . . اے۔ بی۔ ای ہی ہی ہی ہی . . ."

عقاب نے گمبھیر لہجے میں کہا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میری بیٹی اس سفر میں میرے ساتھ نہیں ہے۔"

"کیوں بڑھاپے میں جھوٹ بولتے ہو، مارتھا ڈارلنگ ذرا ادھر آؤ . . ."

مجھے پرنس کی سوچ بتا رہی تھی، میں دماغ کی اسکرین پر دیکھ رہا تھا۔ مارتھا فخریہ انداز میں چلتی اور مسکراتی ہوئی پرنس اور عقاب کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ عقاب

نے غصے سے کہا۔

"میں تمہیں بیٹی کی طرح چاہتا تھا۔ مگر یہاں تمہیں عزت کی زندگی راس نہیں آئی۔"

وہ ہنستی ہوئی سینہ تان کر بولی۔

"میں حسین ہوں، جوان ہوں۔ مجھے تمہارے جیسے باپ کی نہیں، پرنس جیسے جوان عاشق کی ضرورت ہے۔ میں اپنی ضروریات کے مطابق کام کر رہی ہوں۔"

پرنس نے دونوں بازو پھیلائے۔ پھر دونوں انگریزی فلم کا جذباتی منظر پیش کرنے لگے۔ پھر پرنس نے کہا۔

"ڈارلنگ! بوڑھے عقاب کو بتاؤ کہ اس کی بیٹی اس جہاز میں موجود ہے۔"

مارتھا نے کہا۔ "بالکل موجود ہے۔ پہلے وہ سارا کے اصل روپ میں تھی پھر اس نے ایک اجنبی لڑکی کا بہروپ لیا۔ اس کے جسم پر نیوی بلیو کلر کا بلاؤز اور اسکرٹ موجود ہے۔"

میں اپنے سامنے اس لباس والی کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ میرے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہی تھی کیونکہ میری بے گناہی ثابت ہو رہی تھی۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر زبان نہیں کھل رہی تھی۔ میں سنجیدگی سے سوچنے لگا کہ کس طرح پرنس موڈی کا دماغ ٹھکانے لگایا جائے۔

موجودہ حالات میں ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا لازمی تھا اس کے بغیر دشمنوں سے نجات ممکن نہیں تھی۔ میری داستان پڑھنے والے سمجھتے ہیں کہ جہاں کہیں مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹے گا وہاں فرہاد ٹیلی پیتھی کے اڑن کھٹولے پر بیٹھ کر ان مصائب سے بچ نکلے گا۔ لیکن بچ نکلنا بڑی بات نہیں ہوتی۔ فلم کے ہیرو بھی تنہا ایک فوج کو مار پیٹ کر بچ نکلتے ہیں۔ میں اپنی آپ بیتی میں یہ بیان کرتا آیا ہوں کہ کسی الجھن سے نکلنے کے بعد میں اور زیادہ الجھتا چلا گیا ہوں۔ اور اس الجھاؤ کی وجہ ٹیلی پیتھی ہے۔

ٹیلی پیتھی میرے لئے باعثِ رحمت بھی رہی اور باعثِ زحمت بھی اور یہ باعثِ زحمت اس طرح کہ میں جرائم پیشہ افراد سے دور رہنا چاہتا ہوں مگر دنیا کی دو بڑی تنظیمیں مجھے جرائم کی طرف لانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکی ہیں۔ اگر یہ ٹیلی پیتھی نہ ہوتی تو مجھے کوئی نہ پوچھتا۔ میں کم از کم مجرموں سے دور رہتا۔ مجھے یوں فرہاد کے اصل روپ کو چھپانے کی ضرورت نہ پڑتی۔

میں زندگی میں بالکل ہی آسودگی اور سکون نہیں چاہتا تھوڑے بہت ہنگامے نہ ہوں تو زندگی بے مزہ لگتی ہے۔ لیکن ایسے ہنگامے نہ ہوں کہ دشمنوں کے ساتھ دوست اور گناہگاروں کے ساتھ بے گناہ بھی پس کر رہ جائیں۔ بہت عرصہ تک میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ رفتہ رفتہ یہ بات سمجھ میں آئی کہ جہاں تک ممکن ہو میں فرہاد علی تیمور کی شخصیت کو چھپائے رکھوں اور کسی کے سامنے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہ کروں۔ اس طرح لوگ مجھے غیر معمولی انسان نہیں سمجھیں گے۔ مجھ سے زیادہ دلچسپی نہیں لیں گے۔ میری مصروفیات کم ہوں گی تو پریشانیاں بھی کم ہوں گی۔

اتنی بڑی دنیا میں صرف ایک سونیا میری اصلیت کو جانتی تھی۔ اس کے بعد اور کوئی نہ جان سکے گا۔ یہ میرا فیصلہ تھا۔ رومانہ جو اپنے حسن اور تمام صلاحیتوں کے ساتھ مجھے اس قدر پسند آئی تھی، اسے بھی ٹیلی پیتھی کے متعلق میں... کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اب ارادہ یہ تھا کہ جو کچھ کرنا ہے وہ چپ چاپ کر گزروں۔

اس وقت پرنس پھر برانڈو سے کہہ رہا تھا۔

"دیر نہ کرو، اپنی بیٹی سے کہو۔ وہ اپنے یار کے ساتھ یہاں چلی آئے۔"

مارتھا نے کہا۔ "پرنس اس کے یار کا نام فرید ہے۔ وہ اپنے ساتھ ایک بہت ہی حسین چینی دوشیزہ کو کہیں سے لایا ہے۔"

"اچھا، یہ فرید تو بڑا ہی رنگیلا ہے، وہ چینی دوشیزہ کہاں ہے۔"

"اسے دوسری عورتوں کے ساتھ بند کر دیا گیا ہے۔"

"اوہو، یہ حسن و شباب کی ناقدری ہے۔ اسے یہاں لے آؤ۔"

مارتھا اسے یوں کو لانے چلی گئی۔ پرنس موڈی نے بلند آواز سے کہا

"سارا کے ساتھ اگر فرید میری آواز سن رہا ہو تو یہاں کیبرے کا تماشا دیکھنے آ جائے۔ میں اس حسین چینی دوشیزہ کا لباس سب کے سامنے اتارنے والا ہوں۔"

میرا دماغ ایک دم سے گرم ہو گیا۔ برانڈو نے غصے سے کہا۔

"پرنس وہ لڑکی بہت ہی کمسن اور معصوم ہے اس کے لئے ایسے ناپاک خیال دماغ سے نکال دو۔"

"اچھا، بہت معصوم ہے؟" اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا

"ہاں اتنی معصوم کہ شیطان کو بھی اس پر پیار آ جائے۔"

"ہاہا۔ میں بھی شیطان ہی بن کر پیار کروں گا"

رومانہ نے غصے سے مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

"میں اب یہاں نہیں ٹھہر سکتی۔ اگر اس نے سے یوں کو ہاتھ بھی لگایا میں مرنے سے پہلے اس شیطان کو مار ڈالوں گی۔"

"نہیں رومانہ جذباتی نہ بنو، وہ لوگ مسلح ہیں۔ پہلی ہی فرصت میں گرا دیں گے۔ ہمیں باہر نہیں جانا چاہیے۔"

وہ دانت پیس کر مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بزدل انسان! آزمائش کی ان گھڑیوں میں تمہاری اصلیت کھل رہی ہے۔ تم کیسے مرد ہو، پہلے اسے عزت آبرو سے گھر پہنچانا چاہتے تھے۔ اب ظالم کے سائے میں وہ بے عزت ہونے والی ہے تو تم دُم دبا کر یہاں بیٹھے ہو۔"

"رومانہ! اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔ جب حالات یہ بتا رہے ہیں کہ ہم اس کی عزت نہیں بچا سکتے تو پھر وہاں جا کر اپنی جان دینا حماقت ہے۔"

وہ مجھے نفرت سے دیکھ کر دروازے کی طرف مڑ گئی۔ اور تالے کے نمبر یاد کرنے لگی۔ وہ نمبر اس کے دماغ میں اس طرح گڈمڈ ہو گئے تھے کہ حافظہ سے بالکل ہی مٹ گئے تھے مگر وہ باہر جانے کے لئے بے تاب تھی۔ بار بار نمبر ملا کر تالا کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں اسے چھوڑ کر سے یون کے پاس پہنچ گیا۔ وہ جہاز کے نچلے حصے میں تھی اور اب مارتھا کے ساتھ عرشہ پر آنے کے لئے زینے طے کر رہی تھی۔ اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ دوسری عورتوں کا ساتھ چھوڑ کر نہیں آنا چاہتی تھی۔ لیکن جب اسے بتایا گیا کہ فرید اسے بلا رہا ہے تو وہ چلی آئی۔ میں اس کی دیوانگی کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ پیا ملاوا اس کو جہنم میں بھی خوشی سے چلی جاتی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"پتہ نہیں یہ دشمن میرے فرید کے ساتھ کیسا سلوک کر رہے ہوں گے مگر نہیں یہ انسان کے روپ میں آنے والے شیطان میرے دیوتا کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

اس کی سوچ نے کہا۔

"ہاں جب تک وہ موجود ہے کوئی مجھے بھی نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

وہ مارتھا کے ساتھ پرنس کے سامنے پہنچ گئی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مسٹر فرید کہاں ہیں؟"

پرنس موڈی اس کے حسن و شباب کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔ سے یون ایک دم پیچھے ہٹ کر بولی

"خبردار! مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ میں اپنے دیوتا کی امانت ہوں۔"

"ہاہاہا!" اس نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔ "کیا تم فرید کو دیوتا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔ مجھ سے دور رہو، ورنہ میں تمہیں..."

یہ کہتے کہتے وہ رکنا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی سوچ کے ذریعہ بات مکمل کر دی۔ "عبرتناک سزا دوں گی۔"

"اچھا تو لو سزا دو..."

اس نے سے یون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اس کے ساتھ اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے ریلنگ سے ٹکرایا۔ پھر فرش پر گر پڑا۔ مارتھا دوڑتی ہوئی اس کے پاس گئی پھر اسے سنبھالتی ہوئی بولی۔

"پرنس! یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اپنی بدحواسی کی وجہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس آفیسر نے اپنی اسٹین گن کا رُخ سے یون کی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"اے لڑکی! تم نے پرنس کے ساتھ... کیا کیا ہے؟ کیا تمہارے ہاتھ میں کچھ ہے؟ اپنی مٹھی کھولو۔"

سے یون نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر مٹھی کھولی، پھر میری سوچ کے مطابق اس نے زبان سے حکم دیا۔

"آفیسر! اباؤٹ ٹرن اینڈ فائر...!"

اس کے ساتھ ہی میں نے آفیسر کی سوچ میں کہا۔

"پیچھے دشمن آ گئے۔ میں گھوم کر فائر...!"

اس نے تیزی سے گھوم کر فائرنگ کی۔ دوسری طرف چند قدم کے فاصلے پر چار سپاہی تھے۔ تین سپاہی زینے کی طرف کھڑے ہوئے تھے۔ تڑ تڑ تڑ کی آواز کے ساتھ یہاں سے وہاں تک سپاہیوں کی چیخیں گونجتی چلی گئیں۔ پرنس اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ پھر چیخ کر بولا۔

"آفیسر! یہ تم نے اپنے آدمیوں پر گولیاں کیوں چلائیں۔"

آفیسر کے ہاتھوں میں اسٹین گن کانپ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کس جنون کے تحت اپنے آدمیوں کو مار ڈالا۔ زینے پر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ آنے والے سپاہی ہو سکتے تھے کیونکہ جہاز کے تمام لوگ قید میں تھے۔ قدموں کی آوازیں زینے کے اوپر آئیں تو میں نے پھر آفیسر کی کھوپڑی گھما دی۔ پھر اسٹین گن کا ایک برسٹ کھلا زینے کے اوپر پانچ سپاہی آ چکے تھے۔ ان میں سے چار گولیوں کی زد میں آئے۔ ایک بچا مگر گھبراہٹ میں الٹ کر زینے سے نیچے لڑھکتا چلا گیا

پرنس نے یہ سوچ کر ریوالور نکال لیا کہ آفیسر کا دماغ چل گیا ہے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"اگر میں نے فائر نہ کیا تو یہ پاگل کا بچہ مجھے بھی اسٹین گن سے بھون کر رکھ دے گا۔"

اس سوچ کے ساتھ ہی پرنس نے اسے گولی مار دی۔ آفیسر گولی کھا کر اچھلا۔ ہاتھ سے اسٹین گن چھوٹ کر ریلنگ سے ٹکراتی ہوئی سمندر میں چلی گئی۔ وہ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ادھر پرنس حیران اور پریشان تھا کہ اپنے ہی لوگ اپنوں ہی کے ہاتھوں کیسے مر گئے۔ ادھر رومانہ نے حیرانی سے کہا۔

"باہر کیا ہو رہا ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔"

میں نے کہا۔ "تعجب ہے۔ تمہیں گولیوں کی آواز سمجھ میں نہیں آ رہی ہے؟"

"تم چپ رہو۔ مجھے تمہاری آواز زہر لگ رہی ہے۔"

میں چپ ہو کر سے یون کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ ہکا بکا کھڑی تھی۔ وہ تماشہ خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسے اتنا معلوم تھا کہ اس نے پرنس کو سزا دینے کی بات کہی تو اسے سزا مل گئی۔ اس آفیسر کو "اباؤٹ ٹرن اینڈ فائر" کہا تو اس نے گھوم کر اپنے گیارہ سپاہیوں کا صفایا کر دیا اور خود پرنس کے ہاتھوں مارا گیا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"کیا میرے اندر اتنی شکتی ہے کہ جو میں نے کہا وہی ہو گیا؟"

اس کی سوچ نے کہا۔

"ہاں، عظیم بدھا نے کہا ہے کہ سچائی سب سے بڑی شکتی ہے۔ دشمن مجھے نقصان پہنچانے سے پہلے اس لیے مر گئے کہ دیوتا سے میرا پیار سچا ہے۔"

ہائے ری دیوانگی! اسے سوتے جاگتے دیوتا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اسے دیوانگی سے باز رکھنے کے لیے جتنی نصیحتیں کی تھیں وہ سب پانی ہو گئی تھیں۔

اس وقت پرنس سوچ رہا تھا۔ "ہمارے کتنے آدمی رہ گئے ہیں؟ کل پندرہ سپاہی اور ایک آفیسر تھا۔ وہ آفیسر گیارہ سپاہیوں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ جہاز کے نچلے حصے میں صرف چار سپاہی ہیں۔"

برانڈو ریلنگ سے بندھا ہوا کھڑا تھا اور بڑی خاموشی سے مے یوُن کو دیکھتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"کیا یہ لڑکی پُراسرار قوتوں کی مالک ہے؟ میں جادو یا روحانیت کو نہیں مانتا۔ مگر یہ سب کیا ہے؟ یہ لڑکی تو میرے لیے جیسے آسمان سے اتر کر مجھے نئی زندگی دینے آئی ہے۔ مگر اب یہ چپ کیوں کھڑی ہے؟ شاید کوئی عمل پڑھ رہی ہے۔"

میں نے پرنس کی خبر لی۔ وہ مارتھا سے سرگوشی میں کہہ رہا تھا۔ "ہم موجودہ سچویشن سے حیران اور پریشان ہوتے رہیں گے تو چھپی ہوئی سارا اس سچویشن سے فائدہ اٹھانے کے لیے پہنچ جائے گی۔ تم مُردہ سپاہیوں میں سے کسی کی اسٹین گن لے کر نیچے جاؤ اور باقی چاروں سپاہیوں پر اچانک فائرنگ کرو۔ وہ یہاں سے زندہ جائیں گے تو ہم قانون کی لپیٹ میں آجائیں گے تم جاؤ، میں ابھی آرہا ہوں۔"

مارتھا ایک اسٹین گن اٹھا کر زینے کی طرف گئی۔ پرنس نے مے یوُن کو گھور کر کہا۔

"جب میں تمہاری طرف بڑھ رہا تھا تو مجھے اندر سے ایک جھٹکا پہنچا تھا۔ کیا تم کوئی عمل پڑھتی ہو؟"

مے یوُن نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں، محبت ایک عمل ہے۔ یہ عمل مجھ جیسی پجارن کے دل سے دیوتا کے قدموں کی بلندی تک پڑھا جاتا ہے۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔ میں ابھی تمہیں شوٹ کر دوں گا مگر تم سے پہلے میں سمندری عقاب کی موت کا تماشہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میں نے مے یوُن کی زبان سے کہلوایا۔

"پرنس! ریوالور پھینک دو، ورنہ وہ خود ہی تمہارے ہاتھ سے گر جائے گا۔"

اس کے بعد فوراً ہی میں نے پرنس کے دماغ میں چھلانگ لگا کر کہا۔

"میں دائیں ہاتھ کو جھٹک رہا ہوں۔۔۔"

بے اختیار دائیں ہاتھ کو جھٹکا لگا۔ ریوالور اس کی گرفت سے نکل کر مے یوُن کے قدموں کے پاس آگیا۔ عقاب نے چیخ کر کہا۔

"مے یوُن! ریوالور اٹھالو۔"

بے چاری مے یوُن مارنے مرنے والی چیزوں سے ڈرتی تھی۔ وہ اٹھانے کے بجائے پیچھے ہٹ گئی۔ پرنس نے ریوالور کی طرف چھلانگ لگادی۔ فرش پر مے یون کے قدموں کے پاس پہنچا۔ پھر ریوالور کو اٹھانا چاہا مگر وہ اس کے ہاتھ نہیں آیا کیونکہ وہ ریوالور سے ایک انچ اُدھر ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ پھر اس نے دوبارہ کوشش کی تو اس کا ہاتھ میں نے ایک انچ ادھر کر دیا۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر، وہ جھنجھلا کر بار بار ریوالور کی طرف ہاتھ مار رہا تھا مگر صحیح نشانہ یا کسی چیز کی صحیح جگہ کون سی ہے، یہ دماغ ہی بتاتا ہے اور اس کا دماغ اس کے ہاتھ کو بار بار غلط جگہ پہنچا رہا تھا۔

عقاب دل کھول کر قہقہے لگا رہا تھا۔

"ہا ہا ہا ہا۔ کمال ہو گیا۔ ابے او پرنس کے بچے! ریوالور اٹھا رہا ہے یا مکھیاں مار رہا ہے؟"

مجھے رومانہ کی آواز سنائی دی۔

"پپا ہنس رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے وہ پرنس پر غالب آگئے ہیں۔"

میں نے رومانہ کو جواب نہیں دیا کیونکہ مجھے پرنس کی طرف متوجہ رہنا تھا۔ وہ عقاب کا قہقہہ سن کر اسے مارنے کے لیے دوڑا، لیکن قریب پہنچنے سے پہلے ہی میں نے دماغ کی اسٹیرنگ کو مے یوُن کی طرف گھما دیا۔ وہ پلٹ کر مے یون کی طرف آیا۔ پھر وہاں سے بھی اسٹیرنگ گھوم گئی۔ اب وہ کبھی عقاب کی جانب اور کبھی مے یون کی جانب دوڑتا جا رہا تھا اور چیختا جا رہا تھا۔ میں نے اسے عقاب کے قدموں میں گرادیا۔ اس کے بعد مے یوُن کی زبان میری سوچ کے مطابق بولنے لگی۔

"پرنس! خیریت چاہتے ہو تو فوراً مسٹر برانڈو کو آزاد کردو۔"

میرے پاس کھڑی ہوئی رومانہ نے شدید حیرانی سے کہا۔

"پپا ابھی تک قیدی بنے ہوئے ہیں۔ مے یون کی باتوں سے پتہ چل رہا ہے کہ وہ پرنس سے مقابلہ کر رہی ہے۔"

میں نے پھر اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ دماغ کی اسکرین پر پرنس ہانپتا کانپتا ہوا برانڈو کی رسیاں کھول رہا تھا۔ مجھے اچانک خیال آیا کہ مارتھا کہاں رہ گئی ہے۔ اسی وقت پرنس لانچ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پھر وہاں سے ایک سپاہی نے چیخ کر کہا۔

"پرنس تو ڈی! میں نے زینے کے پاس چھپ کر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ تم نے ہمارے آفیسر کو گولی ماری تھی۔ ہم چاروں سپاہی تمہاری مارتھا کو۔۔۔ یہاں لے آئے ہیں۔ تم سے اور عقاب سے ہانگ کانگ میں نمٹ لیں گے۔"

پرنس ایک دم سے بوکھلا گیا۔ جہاں وہ حملہ آور اور فائر بن کر آیا تھا۔ اب اس جہاز میں تنہا رہ گیا تھا۔ برانڈو نے آزاد ہو کر فرش پر سے ریوالور کو اٹھایا۔ پھر مارے خوشی کے مے یوُن کو بازوؤں میں اٹھا کر چومتے ہوئے اور گلے لگاتے ہوئے بولا۔

"میری بچی! تم نے وہ کارنامہ دکھایا ہے کہ عقل دنگ رہ گئی ہے۔ بیٹی! میں ابھی آتا ہوں۔ وہ لانچ والے ہاتھ سے نکل جائیں گے تو ہانگ کانگ میں ہم پھر پکڑے جائیں گے۔"

مے یون نے میری سوچ کے مطابق کہا۔

"مسٹر برانڈو! میں جو کہتی ہوں آپ وہی کریں۔ اپنے اسکیپر کو حکم دیں کہ فوراً ہی جہاز کو لانچ سے دور لے جائے۔"

"مگر بیٹی!"

"آپ بحث نہ کریں۔ آپ کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ پلیز اسکیپر سے وہی کہیں جو میں کہہ رہی ہوں۔"

برانڈو نے پرنس کی گردن پیچھے سے پکڑی۔ پھر اسے دھکے دیتا ہوا وہاں سے جہاز کے نچلے حصے کی طرف جانے لگا۔ جب مے یون وہاں اکیلی رہ گئی تو زیرِ لب بڑبڑانے لگی۔

"دیوتا میرے دیوتا! یہ سب کیا تھا؟ کیا یہ میرے پیار کی سچائی کا ثبوت نہیں ہے کہ میں تیری امانت بن گئی تو مجھے ہاتھ لگانے والے دشمن آپ ہی آپ تباہ ہو گئے۔ آسمان سے جو باتیں میرے دماغ میں آتی تھیں، وہی یہاں ہوتا رہا۔"

اس ننھی معصوم پجارن کو وہاں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے میں اسے چھوڑ کر خفیہ پناہ گاہ میں دماغی طور پر حاضر ہو گیا۔ رومانہ پھر ایک بار تالے کے نمبر کو اِدھر اُدھر سے ملا کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے کہا۔

"ہم نے باہر کی جو آوازیں سنی ہیں۔ اُن سے یہی پتہ چلتا ہے کہ مے یوُن نے تنہا دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے۔"

"ہاں پپا آزاد ہو گئے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ وہ کمزور اور نازک سی لڑکی۔۔۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ پھر مجھے گھور کر بولی۔

"لے تم مجھ سے باتیں نہ کرو۔ خود غرض۔ بزدل۔۔۔"

"اگر میں بزدل ہوں تو تم نے وہاں جا کر دلیری کیوں نہیں دکھائی؟"

"کیا تم اندھے ہو۔ دیکھتے نہیں کہ تالا نہیں کھل رہا ہے۔ میں باہر کیسے جاتی؟"

"یہی تو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں کہ اس تالے کی وجہ سے میں باہر جا کر دشمنوں سے دو دو ہاتھ نہ کر سکا۔"

"تم جھوٹے اور مکار بھی ہو۔ پہلے تو کہہ رہے تھے کہ دشمنوں کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہمیں مرنے کے لیے باہر نہیں جانا چاہیے۔ تمہیں شرم نہیں آتی؟"

"تم خواہ مخواہ مجھ سے بدظن ہو گئی ہو۔ کیا تم وہ حسین اور رنگین لمحات بھول گئیں جب تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

"یو شٹ اپ۔ وہ میری بھول تھی۔ میں حیران ہوں کہ تم سے متاثر کیسے ہو گئی تھی۔ یاد رکھو میں صرف رومانہ نہیں سارا بھی ہوں۔ میرا محبوب میرا مرد وہی ہوگا جو میری طرح موت سے آنکھیں ملانے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ تم اب کبھی میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"وہ تو کوشش کیے بغیر ہی میں تمہارے قریب یہاں بند ہو گیا ہوں۔ اگر تالا کبھی نہ کھل سکا تو شاید ہمیں ساری زندگی یہیں رہنا پڑے۔"

ایسا کہتے وقت میں سمجھ رہا تھا کہ اس کا ہاتھ چلے گا، اور ہاتھ چلا مگر بائیں طرف کی دیوار سے ایسا ٹکرایا کہ اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔ وہ چوٹ کی پرواہ کرنے والی لڑکی نہیں تھی مگر اس نے دوسری بار حملہ نہیں کیا۔ وہ بولی۔

"بس تمہاری یہی ایک خوبی ہے کہ بہت پھرتیلے ہو۔ اتنی سی جگہ پر بھی حملوں سے بچ جاتے ہو۔"

"چلو تم نے ایک خوبی تو پسند کی۔"

"دیکھو میں سنجیدگی سے سمجھا رہی ہوں۔ مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔"

"ایسی بات ہے تو میں بھی سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔ میں کسی دوسری لڑکی سے عشق کر لوں گا۔"

وہ مجھے ناگواری سے دیکھتی ہوئی پھر تالے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ برانڈو نے مردوں اور عورتوں کو بند کمروں سے نکال دیا تھا۔ اور اسکیپر کو حکم دے رہا تھا کہ جہاز کو فوراً ہی لانچ سے دور لے جائے۔ پھر وہ تمام لوگوں کو بتانے لگا کہ مے یوُن نے اپنی روحانی قوت سے دشمنوں کو زیر کیا ہے۔ بوڑھا عقاب خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس معجزانہ انداز میں بچ جانے کا شکریہ کس طرح مے یون کے سامنے ادا کرے۔ کس طرح اس لڑکی کو اٹھا کر آسمان پر بٹھا دے۔

وہ پھر دوڑتا ہوا مے یون کے پاس آنے لگا۔ اس کا پاگل پن کی حد تک خوش ہونا ایک فطری امر تھا۔ ایسے وقت جبکہ دشمن غالب آچکے تھے۔ جہاز پر ان کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اسے رسیوں سے باندھ کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ نہ جہاز میں بچانے والا کوئی تھا نہ سمندر سے کوئی مدد کے لیے آسکتا تھا۔ اس کی زندگی، اس کی دولت اور اس کی برسوں کی بنائی ہوئی عزت سب کچھ پل بھر میں نابود ہو جانے والا تھا۔ ایسے وقت مے یون اس کے لیے ایسی ہستی بن کر آئی تھی۔ ایسی ہستی جسے وہ کوئی نام نہیں دے

سکتا تھا۔

اس نے قریب آ کر مے یون کے دونوں ہاتھوں کو تھام لیا۔ پھر انہیں چوم کر اس کے آگے گھٹنے ٹیک کر بولا۔

"اے آسمانی ہستی! سمندر کے سینے پر اڑنے والا عقاب زندگی میں پہلی بار گھٹنے ٹیک رہا ہے۔ مانگ کیا مانگتی ہے۔ میں اپنی زندگی، اپنی عزت، اپنی تمام دولت اور یہ جہاز تیرے نام کرتا ہوں۔ سمندر سے خشکی تک میرے جتنے نمک خوار ہیں وہ سب تیرے خدمت گار بن کر رہیں گے۔ اگر یہ بھی کم ہے تو بول تجھے کیا چاہیئے؟"

"دیوتا...." وہ آہستگی سے بولی۔

اس کی زندگی کی پہلی خواہش سے لے کر آخری خواہش تک صرف دیوتا کا نام تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"میں دیوتا کے نام پر اس لانچ کو تباہ کر دوں گی۔"

یہ بات اس کی زبان سے ادا ہوئی۔ براںڈو نے خوشی سے اچھل کر چیختے ہوئے کہا۔

"سنو تم سب لوگ سنو۔ جنہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ مے یون نے دشمنوں کو تباہ کیا ہے۔ اب وہ اپنے سامنے اس لانچ کی تباہی دیکھیں۔ میری بیٹی، مے یون میری بیٹی، ابھی اسے تباہ کر دے گی۔"

عقاب نے کبھی خوش ہو کر مجھے بیٹا بنایا تھا۔ پھر مجھ سے جو دشمنی کی وہ تو سامنے ہے۔ اب وہ مے یون کو بیٹی کہہ رہا تھا یہ جو انسان ہے، یہ اپنے مفادات کے مطابق گرگٹ سے بھی زیادہ رنگ بدلتا ہے۔ مے یون میری سوچ کے مطابق ریلنگ کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ جہاز کے تمام لوگ بھی ریلنگ کے پاس دور تک پھیل گئے تھے۔ سب کی نظریں لانچ پر تھیں اور وہ سب مے یون کی بدلی ہوئی شخصیت پر دبی زبان سے شاید تبصرے کر رہے تھے۔

میں نے رومانہ کی سوچ میں کہا۔

"ٹو۔ ون۔ زیرو.... ہاں مجھے یاد آ گیا۔ میں نے جو نمبر سیٹ کیا تھا۔ وہ ٹو۔ ون۔ زیرو۔ ون ہے۔"

اس نے جھک کر نمبر ملایا۔ دروازہ فوراً ہی کھل گیا وہ تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا تک نہیں۔ میں آئرن سیف سے باہر آیا۔ وہ کمرے سے بھی جا چکی تھی۔ میں نے ایک کرسی پر آرام سے بیٹھ کر اس سپاہی کی سوچ کو گرفت میں لیا۔ جس نے آخری بار پرنس کو چیلنج کیا تھا کہ وہ لوگ مارتھا کو لے جا رہے ہیں اور اس سے ہانگ کانگ میں نمٹ لیں گے....

وہ سپاہی لانچ کے انجن روم کے پاس کھڑا دور ہوتے والے ہمارے جہاز کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا۔

"پرنس نے ہمیں جس طرح دھوکا دیا ہے اور ہمارے آدمیوں کو مارا ہے اسی طرح میں بھی انتقام لوں گا۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"پرنس اور عقاب تو ابھی بہت دور ہیں پہلے مارتھا کو تڑپا تڑپا کر مارا جائے۔ اسے کشتی پر بٹھا کر سمندر میں چھوڑ دیا جائے۔ پھر ہم لانچ پر سے اس پر فائرنگ کریں گے اس پر ہینڈ گرینیڈ پھینکیں گے۔ یہ ایک دلچسپ تماشہ بھی ہوگا اور آدھا انتقام بھی ہوگا۔"

جن لوگوں کے اندر انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی ہے وہی سمجھتے ہیں کہ ایسی تدبیریں سوچ کر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اس نے فوراً ہی عرشہ کی طرف سر اٹھا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ مارتھا کو نیچے لے آئیں۔ اسے ایک کشتی پر بٹھا کر تماشہ کیا جائے گا۔

یہ کہہ کر وہ اس کیبن کی طرف گیا جہاں سپاہیوں کی گنیں کارتوس اور دستی بم وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ میں نے چند لمحوں کے لیے اسے چھوڑ کر مے یون کے دماغ میں کہا۔

"وہ لانچ ضرور تباہ ہوگی۔ میں اسے گھور کر دیکھتی رہوں گی"

وہ گھور کر بہت دور تک اس لانچ کو دیکھنے لگی جو ہیڈ لائٹ کی روشنی سے پرے جا رہا تھا۔ رومانہ وہاں پہنچ گئی تھی اس نے باپ سے پوچھا۔

"پپا! کیا یہ درست ہے کہ مے یون نے تنہا...."

براںڈو نے بیٹی کے منہ پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی میں کہا۔

"ابھی خاموش رہو۔ دیکھو وہ لانچ کو گھورتی ہوئی شاید کچھ پڑھ رہی ہے۔"

میں لانچ میں سپاہی کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک اسٹین گن کاندھے سے لٹکا کر دونوں جیبوں میں ہینڈ گرینیڈ ٹھونس کر مارتھا اور اپنے ساتھیوں کی طرف جا رہا تھا۔ میں نے اسے اباؤٹ ٹرن کر دیا۔ اس کے دماغ کی ایزی چیئر پر بیٹھ کر اس طرف جانے لگا جہاں ڈیزل اور موبل آئل اسٹور کیا جاتا تھا۔

یوں کہنا چاہیئے کہ وہ جو اسٹور کی طرف جا رہا تھا تو وہ وہ نہیں تھا، میں تھا کیونکہ کھوپڑی میں جس کا دماغ ہوتا ہے، بازو جسم پر اس کی حکومت ہوتی ہے۔ اب میں یہ کہوں گا کہ میں نے اسٹور روم کے پاس پہنچ کر گرینیڈ کو دروازہ کھولنے کے لیے کہا اس بے چارے نے دروازہ کھول دیا۔ میں نے جیب سے ایک ہینڈ گرینیڈ نکال کر پوچھا۔

"جانتے ہو یہ کیا ہے؟"

اسیکپر نے کہا "یہ چیز ہی اسٹور کی طرف نہیں لانی چاہیئے۔"

میں نے کہا "ہاں گرینیڈ کی 'کی' دانتوں سے پکڑ کر اس طرح نکال دی جائے تو...."

میں نے دانتوں سے 'کی' کو کھینچا۔ گرینیڈ چیخ کر رکنا چاہتا تھا اس سے پہلے ہی میں نے گرینیڈ کو اسٹور کے اندر پھینک دیا۔

پھر وہ جو سپاہی تھا۔ ہاں سپاہی ہی تھا۔ میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے دماغ سے نکل کر میں اپنی ذات کی طرف واپس آ گیا تھا۔ اب ادھر بہت دور دھماکے سنائی دے رہے تھے۔ اور ادھر جہاز میں مرد عورتیں خوشی سے چیخ رہے تھے میں جیب سے ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

بس مجھے یہی ایک سگریٹ کا نشہ ہے۔ بارود اور آگ کے دھوئیں سے نکل کر سگریٹ کے دھوئیں سے کھیلتے ہوئے ذرا سکون ملتا ہے۔ نہ کوئی ہنگامہ، نہ کوئی مصروفیت، نہ کسی سے کچھ لینا، نہ کسی کو کچھ دینا۔ میں نے جہاز والوں کو کچھ نہیں دیا۔ وہ لوگ خوشی سے پاگل ہو کر اگر ناچ رہے ہیں تو انہیں کسی اور نے کچھ دیا ہے ——— میں نے کچھ نہیں دیا اور نہ ہی آئندہ براہِ راست کسی سے کوئی لین دین رکھوں گا۔ آج سے میں ایک معمولی انسان ہوں۔ جیسے رومانہ بھی ٹھکرا کر جا چکی ہے۔

یہ ہم سب کے لیے افسوس کا مقام ہے کہ اگر ہم سیدھے سادے سے انسان ہیں۔ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے اور نقصان پہنچانے والوں سے بچ کر زندگی گزارتے ہیں تو ہمیں احمق، بزدل اور دو کوڑی کا آدمی سمجھا جائے گا۔ دولت ہم جیسوں کے پاس کبھی نہیں آئے گی۔ رشتے داروں کے محدود حلقہ میں ہماری تھوڑی سی عزت ہوگی۔ دنیا کے بازار میں ہمیں کوئی نہیں پوچھے گا۔ اور حسین عورتیں ایک ذرا سی مسکراہٹ کی بھیک دیئے بغیر گزر جائیں گی۔

میں نے آدھا سگریٹ ایش ٹرے میں بجھایا۔ پھر کیبن سے باہر آ گیا۔ عرشہ پر آرکسٹرا چاچا کی دھن بجا رہا تھا۔ تمام مرد عورتیں اسی دھن پر رقص کر رہے تھے۔ دل کھول کر قہقہے لگا رہے تھے اور شراب کے جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے۔ عقاب کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ مے یون کو دونوں بازوؤں میں اٹھا کر ادھر سے ادھر رقص کرتا ہوا جا رہا تھا۔

رومانہ ریلنگ سے لگی کھڑی تھی۔ اس کا باپ مے یون کو بازوؤں میں جھلاتا ہوا یہاں سے وہاں تک جاتا تو اس کی نظریں بھی یہاں سے وہاں تک چلی جاتیں کیونکہ وہ مے یون کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔ وہ مے یون سے نفرت نہیں کر رہی تھی بلکہ گہری سنجیدگی سے سوچ رہی تھی۔

"یہ لڑکی آخر ہے کیا؟ اسے دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ اندر سے خطرناک حد تک پُراسرار ہے۔ یہ تو اب بھی پہلے کی طرح معصوم نظر آ رہی ہے۔ میں اسے اپنی بہن بنا کر اپنے پاس رکھوں گی۔"

مے یون کے لیے رومانہ کے خیالات نیک تھے۔ یہ تو میں پہلے سے جانتا تھا کہ رومانہ جتنی حسین ہے اس کا دل بھی اتنا ہی خوبصورت ہے۔ وہ تو صرف مجھ سے بدظن ہو گئی تھی۔ اس کا مزاج ہی ایسا تھا کہ وہ کسی بزدل سے محبت نہیں کر سکتی تھی۔ میں آپ ہی آپ مسکرانے لگا۔ اسی وقت اس کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس کا موڈ اچانک ہی بدل گیا۔ وہ مجھے غصہ سے دیکھنے لگی۔

اتنے میں مے یون کی آواز سنائی دی "فرید!"

اس نے مجھے دیکھ لیا تھا اور اب براںڈو کو چھوڑ کر میرے پاس آ رہی تھی۔ میں نے دونوں بازو پھیلا دیئے۔ وہ میرے سامنے آ کر ٹھٹھک گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ میں اسے بازوؤں میں بلاؤں گا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ اچھل کر میرے گلے کا ہار بن گئی۔ اچھلنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ وہ قد میں گڑیا جیسی ہی تھی۔

وہ گڑیا تھی۔ حسن و شباب کی پڑیا تھی۔ میں نے تو دوسروں کے سامنے اسے داد دینے کی غرض سے بازو پھیلائے تھے کہ وہ آئے گی تو میں اس کا سر سینے سے لگا کر اس کی پیشانی کو چوم لوں گا لیکن جب وہ اپنا سارا بوجھ میرے اوپر پر ڈال کر گلے لگی تو یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ اسے بار بار معصوم کہنا حماقت ہے۔ میری نصیحتوں نے جس پر اثر نہیں کیا۔ میری خیال خوانی نے کئی بار جسے مثبت انداز میں سوچنے پر مجبور کیا اور وہ پھر پلٹ کر جذبوں کی کہکشاں سجاتی میرے پاس آئی تو پھر میں آسمان سے اتر کر آنے والا فرشتہ بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔

میں نے رومانہ کو کن انکھیوں سے دیکھا تو اس نے منہ پھیر لیا۔ اس لمحہ مے یون کی محبت اور مستقل مزاجی نے سمجھایا کہ پیار کسے کہتے ہیں۔ محبت صرف ایک حسین عورت سے نہیں ہوتی اور محبت صرف ایک دلیر آدمی سے نہیں ہوتی۔ اگر میں بزدل ہوں تب بھی مے یون کے پیار میں فرق نہیں آئے گا۔ اس نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں اسے دشمنوں سے بچانے کیوں نہیں آیا۔ میں بزدل کی طرح کہاں چھپا ہوا تھا۔ "میرے فرید! تم مجھے یوں نظر انداز کرتے ہو جیسے نفرت کر رہے ہو۔ مگر مجھے تمہاری نفرت سے بھی محبت ہے۔ میں محبت کو دولت، دلیری اور خوبروئی کے ترازو میں نہیں تولتی۔ تمہاری محبت میرا ایمان ہے میں ایمان پر چلتی رہوں گی۔"

میری محبت پا کر مے یون کا کیا حال ہو رہا

تھا۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ کس حال میں ہے۔ میری سوچ کہہ رہی تھی۔

"محبت اسی کو کہتے ہیں کہ اپنے مرد کی خوبی سے بھی محبت ہو، اور خرابی سے بھی، شہ زوری سے بھی محبت ہو اور کمزوری سے بھی۔ اگر محبت ایسی نہیں ہے تو وہ پھر نلپنے تولنے والی کوئی کاروباری چیز ہے۔"

ایسے وقت میں نے عقاب کی پیشانی پر شکنیں دیکھ کر اس کی سوچ پڑھی۔ وہ کبھی مجھے اور کبھی رومانہ کی طرف دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

"یہ کیا بات ہے؟ سارا فرید سے متاثر تھی۔ صرف متاثر ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی، وہ تو ایسی دیوانہ وار محبت کرتی تھی کہ اس کی خاطر اس نے مجھ سے جھگڑا کیا مگر اب یہ فرید مے یون ... اور سارا منہ پھیرے کھڑی ہے۔ شاید فرید کی بے وفائی اور فریب کو برداشت کر رہی ہے۔"

وہ رومانہ کی طرف جانے لگا۔ رومانہ کے گلابی ہونٹ کانپ رہے تھے۔ وہ ان لمحوں کو دماغ سے نکالنے کی کوشش کر رہی تھی جو مے یون کی طرح اس کی زندگی میں آتے تھے۔ عقاب نے اسے مخاطب کیا۔

"سارا! کیا بات ہے؟ کیا تم فرید سے محبت نہیں کرتی ہو؟"

رومانہ نے اپنے ہونٹ بھینچ لیے، پھر بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"میں ایک بزدل اور ہرجائی سے محبت نہیں کر سکتی۔ ہم نے غلط سمجھا تھا کہ وہ جاسوس ہے مگر یہ سچ ہے کہ وہ بزدل ہے۔ یہاں مے یون خطرے میں تھی اور وہ میرے پاس چھپا ہوا تھا۔ اس کا ہرجائی پن دیکھئے۔ اب اس معصوم لڑکی کو فریب دے رہا ہے۔"

عقاب نے مے یون کو آواز دی۔ میں نے مے یون کو بازوؤں سے اتار کر فرش پر کھڑا کر دیا۔ وہ بولی۔

"یس مسٹر برانڈو؟"

عقاب آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"بیٹی! تمہارے اندر روحانی قوتیں ہیں۔ تم دوست اور دشمن کو پہچانتی ہو۔ فرید کو بھی پہچانو۔ یہ تم سے محبت نہیں، فریب کر رہا ہے۔"

وہ اپنی مترنم آواز میں آہستگی سے بولی۔

"نہیں مسٹر برانڈو! میں فریب کو نہیں سمجھتی۔ ابھی دیوتا کی آغوش میں مجھے یہ گیان حاصل ہوا کہ خدا نے مجھے میرے وجود کے پہلے لمحے سے فرید کے نام لکھ دیا تھا۔ اب یہ اچھا ہو، بُرا ہو، میں اپنے حصے کی وفا نبھاتی رہوں گی۔"

رومانہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"مے یون میری اچھی بہن! اس دنیا میں رہ کر اچھے بُرے اور کھوٹے کھرے کی تمیز کرنی چاہیئے۔ کیا تم ایسے شخص کو پسند کرو گی، جو تمہاری مصیبت میں کام نہ آئے؟ جس وقت تم رائفلوں اور اسٹین گنوں کے درمیان گھری ہوئی تھیں۔ یہ میرے پاس چھپا رہا۔ کیا اس کا فرض نہیں تھا کہ یہ تمہاری مدد کے لیے آتا؟"

"نہیں،" مے یون بڑی سادگی سے بولی۔ "ایسے وقت فرید کو نہیں آنا چاہیئے تھا۔ جہاں بچنے بچانے کی گنجائش ہی نہ ہو وہاں مدد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سارا میں تم سے چھوٹی ہوں مگر محبت کا ایک راز بتاتی ہوں کہ اپنے ساتھ اپنی محبت کو نہ مارو، اگر تمہیں چاروں طرف سے موت گھیر لے تو دعا کرو کہ تمہارا محبوب زندہ سلامت وہاں سے نکل جائے۔ اس طرح وہ جب تک زندہ رہے گا، تم اپنی موت کے بعد بھی اس کے دل و دماغ میں زندہ رہو گی۔ محبت اسی کو کہتے ہیں کہ تم مرنے کے بعد بھی مر نہ سکو۔"

رومانہ کے دماغ میں جیسے روشنیوں کے جھماکے سے ہونے لگے۔ اس کے دماغ کی تاریکی میں میرا وجود جل رہا تھا اور بجھ رہا تھا۔ محبت مر رہی تھی اور مرنے کے بعد زندہ ہو رہی تھی۔ خود غرضی سمجھ میں آ رہی تھی کہ جہاں بچنے کی گنجائش نہ ہو وہاں اپنے محبوب کو بھی مرنے کے لیے بلانا خود غرضی ہے۔ یہ بھولی بھالی سی لڑکی کتنی گہری بات کہتی ہے کہ اپنے مرنے کے بعد کم از کم اسے تو زندہ رہنے دو، جس کی یادوں میں تم ہمیشہ زندہ رہ سکو۔

رومانہ کی عجیب حالت تھی۔ وہ مجھے یوں دیکھ رہی تھی جیسے کسی چیز کو پا کر کھو دینے کے بعد دوبارہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ چیز اس سے کتنی دور ہو گئی ہے اور میں مے یون کو اپنے ایک بازو کے حلقہ میں لیے کھڑا تھا۔ میں نے کہا۔

"مسٹر برانڈو! آپ کی بیٹی مجھے بزدل کہتی ہے مگر آپ اس سے پوچھیں، یہی چھپنے کے لیے مجھے خفیہ پناہ گاہ میں لے گئی تھی۔ اگر چھپنے کا مقصد یہ ہوتا کہ خفیہ پناہ میں رہ کر آپ لوگوں کی جان بچائی جائے تو پھر اسے ذہانت اور دلیری کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ایسے وقت جبکہ جہاز کے تمام لوگ قید ہو چکے تھے۔ آپ کے خفیہ اسلحہ خانے پر دشمنوں کا قبضہ تھا تو ایسے وقت آپ کی بیٹی چھپ کر کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتی تھی۔

اب آپ کی صاحبزادی کس طرح دلیری دکھانا چاہتی تھی یہ میں بتاتا ہوں۔ جب پولیس آفیسر نے یہ دھمکی دی کہ دس منٹ کے اندر سارا حاضر نہیں ہو گی تو آپ کو گولی مار دی جائے گی۔ کیا آپ یہ چاہتے تھے کہ سارا آپ کو بچانے کیلئے آ جائے؟"

"ہرگز نہیں"۔ برانڈو نے کہا۔ "میں دعا کر رہا تھا کہ سارا پناہ گاہ سے باہر نہ نکلے"۔

"لیکن آپ کی بیٹی باہر جانے کی ضد کر رہی تھی۔ میں نے اُسے روکا تو بزدل کہلایا وہ تو اتفاق سے یہ تالے کا نمبر بھول گئی۔ اس لیے باہر نہ نکل سکی۔ دوسری بار مے یون پرنس کی ہوس بھری نگاہوں کے سامنے آئی۔ تو یہ سارا جس کا آدھا بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ پھر باہر جانے کے لیے مچل گئی۔ میں نے پھر اسے ضد سے باز رکھنا چاہا تو مجھ پر بزدلی کی مہر لگ گئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ خود دلیری دکھانے کیسے باہر نکل سکتی تھی۔ جبکہ تالے کا نمبر ہی یاد نہیں آ رہا تھا۔

دیکھیے مسٹر برانڈو! کسی کو بھی الزام دینا بہت آسان ہے۔ میں بھی آسانی سے الزام دے سکتا ہوں کہ سارا صرف دکھاوے کی دلیری جانتی ہے۔ خود کو دشمنوں سے محفوظ رکھنے کے لیے تالے کا نمبر بھول گئی۔ اور جب میدان صاف ہو گیا اور فتح نصیب ہوئی تو فوراً ہی بھولا ہوا نمبر یاد آ گیا۔ اس طرح محترمہ کی نمائشی دلیری کی لاج رہ گئی۔"

رومانہ عرف سارا نے دکھے ہوئے دل سے کہا۔

"فرید! بائی گاڈ میں مکاری نہیں کر رہی تھی۔ سچ مچ نمبر بھول گئی تھی اور سچ مچ اسی وقت نمبر یاد آیا۔ جب ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا تھا۔ تم مجھے ایسے وقت الزام دو جبکہ میں ایک بہت بڑی بازی ہار کر اپنے اندر ٹوٹ رہی ہوں۔ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

ہزار ضبط کے باوجود اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تو وہ منہ چھپا کر تیزی سے اپنے کیبن کی طرف بھاگ گئی۔

قہقہوں کے شور سے گونجنے والے ماحول میں اچانک ہی سنجیدگی چھا گئی۔ آج تک کسی نے سارا جیسی ضدی اور دلیر لڑکی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھے تھے۔ اس لیے سب ہی حیران تھے۔ ان آنسوؤں کی وجہ کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ مگر باپ نے سمجھ لیا۔ اس نے بڑی بے بسی سے مجھے اور مے یون کو دیکھا۔ وہ مے یون کی پُراسرار قوتوں کا تماشہ دیکھ چکا تھا اور میں اس کا محبوب تھا۔ اس لیے وہ بڈھا عقاب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

اس نے میرا غصہ پرنس پر اتارا۔ اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اسے مار کر سمندر میں پھینک دیا جائے۔ پھر وہ اپنی بیٹی کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ میں نے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ رات کے گیارہ بج کر پندرہ منٹ ہوتے تھے۔ یہاں کے وقت کے مطابق مجھے بارہ بجے اور رومانیہ کے وقت کے مطابق آٹھ بجے مجھے سونیا کے پاس پہنچنا تھا۔ میں نے اسکیپر سے پوچھا۔

"ہم کب تک ہانگ کانگ پہنچیں گے"؟

اسکیپر نے اپنی رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یوں تو یہ جہاز دو بجے پہنچ جائے گا لیکن کل دوپہر تک بندرگاہ کی برتھ پر اس جہاز کو لنگر ڈالنے کی جگہ ملے گی"۔

میں مے یون کا ہاتھ تھام کر کیبنوں کی طرف بڑھ گیا۔ مے یون نے کہا۔

"آج مجھے یقین ہو گیا کہ لگن سچی ہو تو عورت اپنے محبوب کو آخر پا لیتی ہے"۔

"ہاں یہ تو سچ ہے مگر میں تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ میں حالات کے دھارے میں بہنے والا آدمی ہوں۔ پتہ نہیں کون سی گھڑی مجھے تم سے . . . . ."

"آگے نہ کہو فرید! تم سمجھانے کا فرض ادا کر چکے ہو... اور میری محبت نہ سمجھنے کا فرض ادا کر رہی ہے۔ تم اپنی ایک زبان سے سمجھا رہے ہو۔ دنیا کی تمام زبانیں بھی مجھے سمجھا سمجھا کر میرے دل سے تمہیں نہیں نکال سکیں گی"۔

میں اس کے کیبن کے سامنے آ کر رک گیا۔

"مے یون! میری یہی کوشش ہو گی کہ تم سے دور نہ رہوں۔ فی الحال مجھے ڈھائی گھنٹے کے لیے اجازت دو۔ میں تم سے دو بجے ملاقات کروں گا"۔

وہ اتنی جلدی بچھڑنے کے لیے تیار نہیں تھی مگر میری خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی تھی۔ اس نے کہا۔

"اچھا۔ میں تمہارے انتظار میں جاگتی رہوں گی"۔

وہ بھاگتی ہوئی کیبن میں گئی۔ پھر دروازے کو بند کر دیا۔

میں نے اپنے کیبن میں آ کر پہلے باپ بیٹی کا حال معلوم کیا۔ کیونکہ میرے لیے عقاب کے تیور اچھے نہیں تھے۔ وہ بیٹی کے کیبن میں بیٹھا ہوا اسے سمجھا رہا تھا۔

"میں حیران ہوں سارا۔ تم وہی لڑکی ہو جو سمندری آفات کے سامنے مردانہ وار مسکراتی تھیں۔ تم نے دشمنوں سے اور پولیس والوں سے مقابلہ کے دوران کتنے ہی زخم کھائے۔ ہفتوں بستر پر پڑی زخموں کی تکلیفیں برداشت کرتی رہیں مگر تمہاری آنکھ سے آنسو نہ نکلا اور آج تم اس فریبی مکار کے لیے رو رہی ہو"۔

"نہیں پپا! وہ فریبی مکار نہیں ہے۔ پہلے ہم نے اسے دشمن کا جاسوس سمجھا۔ یہ بات غلط نکلی۔ پھر میں نے اپنی حماقت سے اسے بزدل سمجھ لیا۔ حالانکہ وہ ذہانت سے کام لے رہا تھا۔ اگر میں آپ کو بچانے کے لیے مے یون سے پہلے پرنس کے سامنے پہنچ جاتی تو وہ انتقام لینے کے لیے پتہ نہیں کیسا شرمناک طریقہ اختیار کرتا۔ میں ہزار داؤ پیچ اور تیزی طراری دکھاتی مگر گولیوں کی بوچھاڑ کے آگے مجھے ہارنا ہی پڑتا۔ یہ باتیں اس وقت سمجھ میں نہیں آئیں۔ اب عقل آئی ہے تو دل رو رہا ہے کہ اسے ہار کر نہیں جیت سکتی"۔

"چلو میں مان لیتا ہوں کہ وہ دلیر اور ذہین ہے مگر تم بھی یہ مان لو کہ اس کے دل میں تمہاری محبت ہوتی تو وہ اتنی جلدی مے یون کی طرف نہ جھکتا۔"

"پپا! آپ نہیں جانتے۔ مے یون خود اُسے چاہتی ہے۔ فرید نے دیانتداری سے کوششیں کیں کہ اس سے دُور رہے۔ خود میں نے مے یون کو سمجھایا مگر وہ اس کی محبت میں پاگل ہوتی رہی۔ ایک انسان کہاں تک اپنا دامن بچا سکتا ہے۔ ایسے وقت میں نے اس سے نفرت کی تو وہ محبت کا سہارا پانے کے لیے اُدھر جھک گیا فرید کو دیانتداری کے راستے سے بھٹکانے والی میں ہوں پپا!

اس نے باپ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ پھر آنسوؤں کو آنکھوں میں آنے سے روکتی ہوئی بولی۔

"میں ہاری ہوئی بازی جیت لینا جانتی ہوں، مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے راستے میں مے یون جیسی معصوم اور کمزور لڑکی ہے۔ بہت پیاری ہے۔ مجھے اس پر اتنا پیار آتا ہے کہ میں اس کا دل نہیں توڑ سکتی۔"

عقاب نے بیٹی کو گہری سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ پھر کہا۔

"یہ بات تمہیں پہلے کہنا چاہیئے تھی کہ تم فرید کو دوبارہ جیتنا چاہتی ہو۔ بیٹے! میں نے تمہیں کبھی ہارنا نہیں سکھایا۔ ابھی تمہارے آنسو دیکھ کر اُلجھ رہا تھا کہ ان آنسوؤں کو کیسے پونچھ سکتا ہوں۔ تم نے یہ کہہ کر مشکل آسان کر دی کہ فرید کی واپسی تمہارے آنسوؤں کو پونچھ سکتی ہے۔ بس اب سارے غم بھلا دو۔"

سارا نے حیرانی سے پوچھا۔

"آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟"

"دیکھو بیٹے! اگر تمہارے مقابلہ میں کوئی تیز طرار لڑکی ہوتی تو تم اب تک اُسے جہنم میں پہنچا دیتیں۔ تو پھر مے یون کو تم کمزور کیوں سمجھتی ہو۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس نے تنہا کس طرح دشمنوں کو جہنم میں پہنچایا ہے۔ وہ مقابلہ میں تمہارے برابر کی لڑکی ہے۔ بلکہ تم سے زیادہ خطرناک ہے۔"

"جتنی بھی خطرناک ہو مگر پیاری لڑکی ہے۔"

"جب وہ اتنی پیاری ہے تو تم فرید کا پیار بھول جاؤ... میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں کہ تم واقعی عورت کی طرح کمزور ہو گئی ہو۔ بازی ہار کر رو سکتی ہو مگر مے یون جیسی خطرناک لڑکی سے اپنا پیار نہیں چھین سکتیں۔"

"میں مے یون سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ اس سے محبت کرتی ہوں۔"

"جب ایک کمزور کسی شہ زور کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تو غنڈہ ٹیکس دے کر سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ تم فرید کی محبت ٹیکس کے طور پر ادا کر کے مے یون سے سمجھوتہ کر رہی ہو۔"

"پپا! آپ مجھے غصّے دلا رہے ہیں۔ اگر میں بھڑک گئی تو بہت بُرا ہو گا۔ اس سے پہلے آپ سوچ لیں کہ ہم پر مے یون کے احسانات ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتی تو آپ اس کے خلاف بولنے کے لیے ابھی زندہ نہ رہتے۔"

"سارا! میرا دنیا میں تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔ اگر میں تمہیں خوش نہ رکھ سکا تو مے یون کی دی ہوئی زندگی میرے لیے بیکار ہے بیٹے! ہمارے نمک خوار بھی ہمیشہ ہمارے لیے جان دینے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ ایک بار اسکیپر نے میرے سامنے ڈھال بن کر بار دو گولی کھائی تھی۔ اس نے بھی میری جان بچائی تھی۔ میں ان سب کا احسانمند ہوں۔ مگر ان کے لیے اپنا اور اپنی بیٹی کا نقصان نہیں کر سکتا زیادہ سے زیادہ انہیں انعامات دے سکتا ہوں۔ ساری زندگی ان کے کام آسکتا ہوں۔

اب سنو! مے یون کے لیے ایک بہت عمدہ پلاننگ ہے۔ اگر ہم دونوں اس پر عمل کریں تو ہمیں مے یون کی پُراسرار قوتوں سے بہت... فائدہ پہنچے گا۔ میں اسے بیٹی بناؤں گا۔ تم اسے بہن بنا لینا ہم دونوں اسے اتنی محبت اور آرام و آسائش سے رکھیں گے کہ وہ فرید کو بھول جائے گی۔"

"وہ فرید کو چھوڑے گی نہیں، بھولے گی کیسے؟"

"ان دونوں کو صبح ہونے سے پہلے اس طرح جدا کر دیا جائے گا کہ مے یون کو ہم پر شبہ نہیں ہو گا۔"

"اسے روحانی عمل کے ذریعہ معلوم ہو جائے گا۔"

"نہیں معلوم ہو گا۔ یہی تو میں نے اسٹڈی کی ہے۔ جو لوگ دشمن بن کر اس لڑکی کے سامنے آتے ہیں، وہ ان سے انتقام لیتی ہے۔ ذرا غور کرو۔ پرنس کے آنے سے پہلے میں بھی دشمن ہی تھا۔ میں نے اس کے دیوتا کو قید کیا تھا۔ اسے مار کر سمندر میں پھینکنے والا تھا۔ مگر مے یون نے مجھے نقصان نہیں پہنچایا۔ اس لیے کہ اس لڑکی کو ڈھکی چھپی سازشوں کا علم نہیں ہوتا ہے۔"

وہ سنجیدگی سے سوچنے لگا۔ واقعی یہ ایک اہم نکتہ تھا کہ جب مجھے قید کیا گیا تھا اور میں مرنے والا تھا تو مے یون خاموش کیوں تھی اس لیے کہ بیچاری ٹیلی پیتھی نہیں جانتی تھی۔ وہ کسی پُراسرار قوت کی مالک نہیں تھی۔ عقاب کے دماغ نے اسے یہی سمجھایا تھا کہ خفیہ سازشوں کا علم اسے نہیں ہوتا۔ سارا نے قائل ہو کر کہا۔

"پپا! آپ درست کہہ رہے ہیں۔ وہ لڑکی مرنے کی حد تک فرید کو چاہتی ہے۔ اگر اُسے ذرا بھی علم ہوتا کہ آپ فرید سے دشمنی کر رہے ہیں تو وہ آپ کو مار ڈالتی۔ اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ دشمنوں کو پہچانتی نہیں ہے۔ جب پہچان لیتی ہے۔ تب انتقام لیتی ہے۔"

"ہاں۔ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہے تو بولو کیا تم ہاری ہوئی بازی جیت نہیں سکتیں؟"

سارا روحانہ بن کر تصوّر میں مجھے دیکھنے لگی اس کے ساتھ ہی وہ سوچ رہی تھی۔ "فرید میرے رویّے سے مایوس ہو کر دوسری طرف جھک رہا ہے۔ لیکن وہ میری قربت کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ میں اس کے قدموں میں جاؤں گی تو وہ سینے سے لگا کر مجھے معاف کر دے گا۔ پھر میں کچھ عرصہ کے لیے اُسے مے یون سے بہت دُور لے جاؤں گی۔"

وہ بولی۔ "پپا! میں بازی جیت لوں گی۔ فرید کو مے یون سے بہت دور لے جاؤں گی۔"

"نہیں سارا جیتنے کا یہ انداز غلط ہو گا۔ فرید کے ساتھ تم بھی غائب ہو جاؤ گی تو مے یون کو شبہ ہو گا۔ تمہیں کچھ دنوں کے لیے فرید سے دور رہنا ہو گا۔ آج رات دو بجے ہمارا جہاز ہانگ کانگ سے دو میل کے فاصلہ پر برتھ کے انتظار میں رک جائے گا۔ مے یون کو خواب آور دوا کے ذریعہ سلا دیا جائے گا۔ تم فرید کو پیار سے بہلا کر موٹر بوٹ کے ذریعہ مکاؤ کی طرف لے جانا۔ وہاں ہمارے آدمی تم دونوں کے دشمن بن کر تمہیں ریوالوروں کی زد پر ہماری پرانی حویلی میں لے جائیں گے۔ وہاں فرید کو قید کر دیا جائے۔ اس کے سامنے تمہیں بھی قید کرنے کے لیے وہ لوگ دوسری جگہ لے جائیں گے۔ یعنی فرید کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی تم مے یون کے بیدار ہونے سے پہلے جہاز میں چلی آنا۔

جب مے یون پوچھے گی تو اسے بتایا جائے گا کہ فرید منع کرنے کے باوجود موٹر بوٹ لے کر تنہا ہانگ کانگ کے ساحل پر گیا ہے۔ جہاز کے تمام لوگ ہماری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ مے یون اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہے گی۔ ہم اسے سمجھاتے مناتے رہیں گے، اپنی محبتوں سے متاثر کرتے رہیں گے۔ پھر ہم اس کی کشتی میں جا کر اس کے بوڑھے باپ کو اتنی دولت دیں گے کہ وہ مے یون کو ہمارے پیار کے سائے میں چھوڑنے کے لیے راضی ہو جائے گا۔ اب بتاؤ یہ کیسی پلاننگ ہے؟"

"اچھی پلاننگ ہے پپا! کچھ دنوں کے بعد میں پرانی حویلی میں واپس جاؤں گی۔ وہاں قید سے فرار ہونے کا ڈرامہ کھیلا جائے گا۔ حویلی سے نکل کر پتہ چلے گا کہ میرے پپا بحری سفر پر گئے ہیں۔ مے یون کو تلاش کیا جائے گا تو اس کے باپ کی کشتی نہیں ملے گی۔ آپ مے یون کے خاندان کو کسی اچھی جگہ منتقل کر چکے ہوں گے۔ مے یون آپ کے ساتھ بحری سفر میں ہو گی۔ میں فرید کو لے کر یورپ چلی جاؤں گی۔"

باپ بیٹی کے منصوبے سن کر میرا سر دُکھنے لگا۔ میں نظر انداز بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ان کی پوری پلاننگ سے واقف ہونے کے بعد ہی میں اپنے تحفظ اور مے یون کی بھلائی کے لیے کچھ کر سکتا تھا۔ میں نے گھڑی دیکھی تو چونک گیا۔ سونیا کے پاس پہنچنے میں آدھ گھنٹہ لیٹ ہو گیا تھا۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔

سونیا اسی عمارت کے بڑے ہال میں پہنچ گئی تھی جہاں وہ ریڈ یاور تنظیم کے اہم افراد سے متعارف ہوئی تھی اور وہیں اس نے اس تنظیم کے ایک خطرناک کوبرا مین کو اندھا بنا دیا تھا۔ وہاں پھر وہی تمام افراد نظر آ رہے تھے۔ سونیا جوزف وسکی سے کہہ رہی تھی۔

"میرا بیٹا مجھے بہت یاد آ رہا ہے۔ جب تک وہ یاد آتا رہے گا میں ماسک مین سے اچھی طرح باتیں نہیں کر سکوں گی۔ تم چمپیزی کو فوراً یہاں بلاؤ۔"

جوزف وسکی پریشان ہو گیا۔ کیونکہ سونیا مقررہ وقت کے مطابق ماسک مین سے ملاقات نہیں کر رہی تھی مگر وہ مادام سونیا کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ وہ ٹیلیفون کے پاس جا کر ریسیور اٹھانے کے بعد اس رہائش گاہ کے نمبر ڈائل کرنے لگا جہاں سونیا کے ساتھ چمپیزی وغیرہ رہتے تھے۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میرے انتظار میں وقت ضائع کر رہی ہے۔ میں نے کہا۔

"ہیلو سونیا! میں آگیا ہوں۔"

"اوہ فرہاد! تم خیریت سے تو ہو۔ تمہاری عدم موجودگی سے میں گھبرا رہی تھی کہ پتہ نہیں تم کن مصائب سے گزر رہے ہو۔"

یہ وہ عورت تھی جو میری پریشانیوں کے سامنے اپنی پریشانیوں کو بھول جاتی تھی۔ اسے اس بات کی پرواہ نہیں تھی کہ میں اس کے پاس نہ پہنچا تو وہ ماسک مین سے کیا باتیں کرے گی؟ کس طرح ٹیلی پیتھی کا بھرم رکھے گی۔ وہ صرف میرے مصائب کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو جاتی تھی۔ میں نے کہا۔

"میری جان! میں خیریت سے ہوں مگر مجھے اور آدھ گھنٹہ چاہیئے۔ کیا تم اس وقت تک ماسک مین کو ٹال سکتی ہو؟"

"ٹالنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو تمہاری خیریت معلوم کرنے کے لیے پریشان تھی۔ یہاں میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔ ماسک مین سے ملنے کو جی نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے چمپیزی کو بلانے کا بہانہ کیا۔ اب تم بخیریت ہو تو کوئی بات نہیں۔ میں تنہا ماسک مین سے باتیں کر سکتی ہوں مگر تم آدھ گھنٹہ تک کہاں مصروف ہو گے؟"

میں اس کے سامنے روحانہ اور مے یون کا ذکر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے جھوٹ کہنا پڑا۔

"سونیا! یہاں ایک شخص کو میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کا علم ہو گیا ہے اس لیے اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کرنے والا ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔ تم اسے وہاں خاموش کرو، یہاں میں بول رہی ہوں۔ خدا حافظ۔"

سونیا سے رخصت ہوتے ہی میں نے رومانہ کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ مجھے حاصل کرنے کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی۔ کیبن میں عقاب نہیں تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں پوچھا۔

"پپا اب کیا کر رہے ہوں گے؟"

"ہاں۔" وہ سوچنے لگی "اگر فرید اور مے یون ایک کیبن میں ہیں تو پپا کو اب تک واپس آ جانا چاہیے مگر وہ نہیں آتے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ مے یون سے تنہائی میں باتیں کر رہے ہیں۔ پھر وہ چائے کا آرڈر دیں گے۔ پپا سے غلطی نہیں ہونی چاہیے۔ وہ بوڑھے تجربہ کار ہیں۔ بڑی ہوشیاری سے مے یون کی پیالی میں خواب آور دوا ملا دیں گے۔ جب وہ گہری نیند سو جائے گی تو میں معافی مانگنے کے لیے فرید کے کمرے میں جاؤں گی۔"

میں نے فوراً ہی عقاب کی سوچ پڑھی۔ وہ اپنے کیبن کی الماری سے سلیپنگ پلز کا سفوف ایک پڑیا میں لے آیا تھا وہ پڑیا اس کی جیب میں رکھی ہوئی تھی۔ وہ ملازم کو دو پیالی چائے لانے کا حکم دے کر مے یون کے کیبن میں گیا تھا اور اب بناسپتی باپ بن کر اس سے باتیں کر رہا تھا۔

میں کیبن سے نکل کر اس کے پاس جانے لگا۔ سیدھا سا عمل یہ ہوتا کہ جب چائے کی پیالیاں سامنے رکھی جاتیں اور وہ مے یون کی توجہ دوسری طرف ہٹا کر اس کی پیالی میں دوا ملاتا تو دماغی کرامات کے زیر اثر وہ خود اپنی پیالی میں اس دوا کو حل کر دیتا۔ لیکن اس طرح عقاب اور سارا یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ اب ان کی خفیہ سازش کا علم مے یون کو کیسے ہو گیا؟ وہ نشیلی چائے عقاب نے کیسے پی لی؟

پھر یہ کہ رومانہ معافی مانگنے کے لیے میرے پاس آنے والی تھی۔ اسے بھی روکنا ضروری تھا کیونکہ مجھے سونیا اور ماسک مین کے ساتھ مصروف رہنا تھا اس لیے میں مے یون کے کیبن میں پہنچ گیا مجھے دیکھتے ہی عقاب کا پریشان ہونا لازمی تھا لیکن مے یون خوشی سے اٹھ کر بولی۔

"آؤ فرہاد! میں مسٹر برانڈو سے باتیں کر رہی تھی۔ مگر میرا دھیان تمہاری ہی طرف تھا۔"

میں نے اپنا سر تھام کر پریشانی سے کہا۔

"میرے سر میں بہت درد ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم اکیلی ہو گی تو۔ ۔ ۔ ۔ رہنے دو، میں یونہی سونے کی کوشش کروں گا۔"

وہ جلدی سے قریب آ کر میرا ہاتھ تھام کر بولی۔

"میں تمہارا سر اتنی اچھی طرح دباؤں گی کہ نیند آ جائے گی۔"

میں اسے ایک بازو کے گھیرے میں لے جانے لگا عقاب نے اٹھ کر کہا۔

"تھوڑی دیر ٹھہر جاؤ۔ چائے آ رہی ہے۔ بیٹی چائے پی کر جانا۔"

"مسٹر برانڈو میں بعد میں پی لوں گی۔ شکریہ آپ بہت مہربان ہیں۔"

وہ میرے ساتھ کیبن میں آ گئی۔ میں نے دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارے نازک سے ہاتھوں کو تکلیف پہنچانے کے لیے تمہیں یہاں لے آیا ہوں۔"

وہ میرے پاس بستر کے سرے پر بیٹھ کر بولی۔

"ایسا نہ کہو۔ میں تو تمہاری خدمت کرنے کے لیے ہی تمہارے نام لکھی گئی ہوں۔"

"اب تم آنکھیں بند کر لو۔ میں سر داب رہی ہوں۔"

"میرے سونے سے پہلے وعدہ کرو کہ باہر سے تمہیں کوئی بھی بلائے، تم نہیں جاؤ گی۔ بلکہ یہاں سے کوئی جواب نہیں دو گی۔"

اس نے وعدہ کیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب سارا میرے کیبن میں نہیں آ سکتی تھی۔ اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ مے یون میرے ساتھ وقت گزار رہی ہے۔ میں نے پہلے عقاب کی سوچ پڑھی۔ وہ غصے میں جھنجھلا رہا تھا۔ میں اس کے شکار کو چھین کر لے آیا تھا۔ اب وہ اپنے کیبن میں بیٹھا اپنے لیے شراب کا پہلا پیگ بنا رہا تھا۔

میں اس کے دماغ میں بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "پڑیا۔" اس نے جیب سے پڑیا نکالی۔ میں نے کہا۔

"مجھے یہ ناکامی بھول کر تھوڑی دیر کے لیے سو جانا چاہیے۔" اس کی سوچ نے کہا۔

"نہیں آج کی رات اہم ہے۔ مجھے سونا نہیں چاہیے۔ ابھی میں ایک پیگ پی کر سارا کے پاس جاؤں گا اور ایک نئی تدبیر پر اسے عمل کرنے کے لیے کہوں گا۔"

انسانی نفسیات یہ ہے کہ وہ سوچنے سمجھنے کے دوران بھی کچھ غیر شعوری حرکتیں کرتا ہے اور خود اسے علم نہیں ہوتا کہ اس سے کون سا فعل سرزد ہو چکا ہے۔ میں نے اس کے شعور کے چور خانے سے وہی حرکت اس سے کرائی۔ اس نے پڑیا کھول کر اس کا سفوف اس شراب میں ڈال دیا۔ پڑیا کے کاغذ کو

توڑ مروڑ کر اپنی مٹھی میں بھینچ لیا۔ پھر میں نے اس کی شعوری سوچ میں جھلا کر کہا۔

"لعنت ہے اس پڑیا پر مجھے اسے پھینک دینا۔ ۔ ۔"

اس نے جھلا کر اسے دور پھینک دیا۔ پھر جام اٹھا کر پینے لگا۔ وہ صرف ایک جام پینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے دوسرا جام پلایا، پھر کہا۔

"تعجب ہے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا۔ دراصل غصے میں شراب کا نشہ پانی ہو جاتا ہے۔ مجھے بوتل اٹھا کر۔ ۔ ۔"

اس نے بوتل اٹھا کر منہ سے لگا لی۔ اسے سلانے کے لیے اتنا کافی تھا۔ میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ اب میں آنکھیں کھول کر گھڑی میں وقت نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ مے یون کے سامنے سو جانے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔ میں نے اس کے دماغ میں پوچھا۔

"پتہ نہیں کیا وقت ہوا ہے۔ میں فرید کی گھڑی میں دیکھوں گی۔"

اس نے ذرا جھک کر میری رسٹ واچ دیکھی۔ مجھے معلوم ہو گیا۔ آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی سونیا کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ اس کمرے میں پہنچ چکی تھی جہاں وہ کمپیوٹر مشین رکھی ہوئی تھی۔ اور جسے سب ماسک مین کہتے تھے۔ کمپیوٹر کے سامنے ایک بڑی گول میز کے اطراف ریڈ یاور کے اہم افراد بیٹھے ہوتے تھے سونیا کمپیوٹر کے سامنے بیٹھی ہوئی کہہ رہی تھی۔

"پھر میں اس برفانی علاقہ کے موٹر گیراج کے پاس پہنچی۔ وہاں شیلا نامی لڑکی مجھ سے بڑی محبت سے پیش آئی۔ مجھے آرام سے سو جانے کا موقع دیا۔ مگر آنکھ کھلتے ہی دشمنوں نے ہمیں گھیر لیا۔ اس کے بعد جس طیارے میں ہمارا سفر شروع ہوا اس کا حال آپ جانتے ہیں۔ اس طیارے نے مجھے آپ کے پاس پہنچا دیا ہے۔ بس یہی میری داستان ہے۔"

سونیا کی رپورٹ ختم ہوتے ہی کمپیوٹر کا ایک چھوٹا بلب آن ہوا۔ پھر اس کے دونوں اسپول گھومنے لگے۔ اس کے ساتھ ہی کمپیوٹر کے منہ سے سفید کاغذ کی ربن نکلنے لگی۔ اس ربن پر ماسک مین کا جواب پرنٹ ہو رہا تھا۔ جب دونوں اسپول رک گئے۔ تو سونیا نے ربن کو کمپیوٹر کے منہ کے پاس سے پھاڑ کر پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا۔

"سونیا! میں پھر تمہاری حیرت انگیز صلاحیتوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ کوئی آہنی عزم کا انسان بھی منطقہ باردہ شمالی کے اس سرد جہنم میں تنہا پہنچ کر واپس نہیں آ سکتا۔ تم نے دلیری اور قوت ارادی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ مگر تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہاں خفیہ زمین دوز اڈے میں کیا ہو رہا تھا؟

سونیا! تم ایسی ہستی ہو، جو انسانوں کے دماغ میں چھپے ہوئے راز کو نکال لاتی ہے تم نے خفیہ زمین دوز اڈے سے یقیناً اہم معلومات حاصل کی ہوں گی۔ میں بہر حال ان سے انتقام لینے کے لیے بہت بے چین ہوں۔ خدا کے لیے مجھ سے وہاں کی باتیں نہ چھپاؤ میں تمہارے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔ فقط ماسک مین۔"

میں نے سونیا کو مخاطب کیا۔

"سونیا! اس سے کہو۔ تم اس کا جواب سوچ کے ذریعہ دو گی۔ اس طرح ہم معلوم کریں گے کہ وہ کمپیوٹر انسانی سوچ کیسے پڑھ لیتا ہے۔"

سونیا نے جواب میں یہی بات کہی۔ اس کے ساتھ کمپیوٹر کے اسپول حرکت میں آ گئے۔ اس بار ماسک مین نے جوزف وسکی کے نام پیغام بھیجا تھا۔

"جوزف وسکی! مادام سونیا کی خواہش فوراً پوری کی جائے۔"

جوزف وسکی نے پیغام پڑھتے ہی ایک الماری کے پاس جا کر اسے کھولا۔ پھر اس میں سے ایک آہنی کیپ نکالی۔ طیارے کے پائلٹ جیسے اپنے سروں پر ٹوپی پہنتے ہیں۔ ویسی ہی وہ آہنی ٹوپی تھی۔ جوزف وسکی جب وہ آہنی ٹوپ سونیا کو پہنانے لگا تو میں نے کہا۔

"سونیا! اب تمہارے دماغ میں صرف میری سوچیں ہوں گی۔ تم مجھے فرہاد کے نام سے کبھی مخاطب نہ کرنا۔"

وہ کمپیوٹر شیلف کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آہنی ٹوپ اس کے سر اور کانوں کو ڈھانپتی ہوئی پیچھے گردن تک پہنچی ہوئی تھی۔ سر کے اطراف دو لانبے تار تھے۔ جوزف وسکی نے ان تاروں کو کمپیوٹر کے پلگ ہول سے منسلک کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی کمپیوٹر کے سینے پر جو بیس انچ کا ایک اسکرین روشن ہو گیا اسکرین پر چھوٹے چھوٹے خانوں کے گراف بنے ہوتے تھے۔

جیسے ہی میں نے سوچا کہ یہ گراف کس لیے بنائے گئے ہیں؟ اس سوچ کے ساتھ گراف پر اونچی نیچی لکیریں بننے لگیں۔ میری سوچ رکی تو وہ لکیریں بھی رک گئیں۔

میں نے سوچ کے ذریعہ پوچھا۔

"ہیلو ماسک مین! کیا آپ میری سوچ پڑھ رہے ہیں؟"

گراف پر لہروں کی صورت میں لکیریں نقش ہونے لگیں۔ میری سوچ کی لہریں جب اس اسکرین پر نقش ہو گئیں تو اسکرین کا گراف اچانک ہی بدل گیا۔ اب کمپیوٹر کے دونوں اسپول گھوم رہے تھے۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ اسپول ماسک مین کی سوچ کی لہریں اسکرین تک پہنچاتے ہیں۔ اسکرین پر اب انجانی سوچوں کی لہریں نقش ہو رہی تھیں۔ اور وہ سوچیں لفظوں کی صورت میں سفید کاغذ کے ربن پر پرنٹ ہو رہی تھیں۔ جب دونوں اسپول تھم گئے۔ اسکرین بدل گیا تو جوزف وسکی

نے وہ کاغذکی ربن سونیا کو لاکر دی۔ اس میں لکھا تھا۔

"مادام سونیا! میں آپ کی سوچ کا ایک ایک لفظ پڑھ رہا ہوں۔ آپ کی حیرانی دور کرنے کے لیے یہ بتا دوں کہ اسکرین کے گراف پر آپ کی سوچ کی لہریں ریکارڈ ہو رہی ہیں۔

جیسا کہ سوچ کا ایک مزاج ہوتا ہے۔ سوچ نرم ہو تو گراف پر نرم لکیر پڑتی ہے۔ سوچ کے الفاظ تیز ہوں تو گہری لکیر نقش ہوتی ہے۔ سوچ کی لہروں کی بلندی کے ساتھ لکیریں اوپر جاتی ہیں اور سوچ کی پستی کے ساتھ لکیریں نیچے جاتی ہیں اور دنیا کی جتنی زبانیں ہیں۔ ان سب کے حروف کا اپنا ایک کیریکٹر ہوتا ہے۔ کوئی حرف ادائیگی میں بھاری اور کوئی ہلکا ہوتا ہے کوئی دبیز ہوتا ہے کوئی مہین ہوتا ہے۔ کوئی نرم ہوتا ہے کوئی تند ہوتا ہے غرضیکہ حروف اپنے اندر مختلف مزاج رکھتے ہیں

اگر آج فرہاد زندہ ہوتا تو وہ یہ سن کر فخر محسوس کرتا کہ ہم نے مسلمانوں کی آسمانی کتاب قرآن مجید سے استفادہ کرکے یہ سوچنے والی کمپیوٹر مشین ایجاد کی ہے۔۔۔"

ماسک مین عرف کمپیوٹر کی یہ بات سن کر میرے ذہن کو ایک جھٹکا لگا۔ کمپیوٹر نے کیسی چونکا دینے والی بات کہی تھی۔ کلام پاک کے حروف کافروں کو حیرت انگیز سائنسی ایجاد تک پہنچا دیتے ہیں اور خود مسلمان اپنی مقدس کتاب کو سطحی طور سے پڑھ کر گزر جاتے ہیں لیکن انہوں نے کلام پاک سے کس طرح فائدہ اٹھایا ہے؟

میں بے اختیار یہ سوچ رہا تھا اور میری سوچ کی لہریں اسکرین کے گراف پر نقش ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کا جواب موصول ہوا۔ کاغذ کی ربن پر لکھا ہوا تھا۔

"مادام سونیا! آپ فرہاد کے ساتھ کافی عرصہ گزار چکی ہیں۔ شاید آپ نے ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت سنی ہوگی۔ جب مسلمان قاری بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو صاف پتہ چلتا ہے کہ زبان کا ایسا اتار چڑھاؤ، آواز کا دبدبہ، لہجے کی نرمی، حروف کا صحیح اخراج ادائیگی کا استغراق، تعزیرات کی سختی اور ہدایات کی نرمی دنیا کی کسی زبان میں اتنی ساری خوبیاں نہیں ہیں۔ ایک ایک حرف اپنے اندر کتنی ہی لہریں چھپائے رکھتا ہے۔

ہم نے چند مسلمان عالموں کو ریکارڈنگ مشین کے سامنے بٹھایا ان کے ایک ایک حرف کے اخراج کو ریکارڈ کیا پھر ہر حرف کی ادائیگی کا الگ الگ تجزیہ کیا۔ شاید تمہیں معلوم ہوگا کہ سائنسی آلات کے ذریعہ دنیا کی ہر شے کو ناپا تولا جا سکتا ہے حتیٰ کہ اب ایک نقطہ کا وزن بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ہمارے سائنسدانوں نے برسوں قرآن مجید کے حروف پر اپنا سر کھپایا پھر اس نتیجہ پر پہنچے کہ شارٹ ہینڈ کی مختصر لکیروں نقطوں اور زاویوں کی تکنیک کے مطابق انہیں گراف پیپر پر لکیروں کی صورت میں ریکارڈ کیا جا سکتا ہے۔ جب یہ تجربہ کامیاب ہوا تو ان میں "پی، تی" اور "ڈی" جیسے حروف کا اضافہ کیا گیا جو عربی زبان میں نہیں ہیں۔

تمہارے سر پر جو آہنی ٹوپ ہے۔ اس کی ننھی سی مشین تمہارے دماغ کی ننھی رگوں کی غیر محسوس لرزشوں کو ریکارڈ کر رہی ہیں۔ رگوں کی یہ لرزشیں تمہاری سوچ کا ارتعاش ہیں۔ جنہیں ہم سوچ کی لہریں کہتے ہیں۔ یہ لہریں آئرن کیپ کی مشین سے نشر ہو کر کمپیوٹر کے اسکرین گراف پر نشر ہوتی ہیں۔

جس طرح لوگ اب شارٹ ہینڈ کے ایک ایک ناقابل فہم اسٹروک کو پڑھ لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم چند سائنسداں سوچ کی ان لکیروں کی ایک ایک باریکی کو کمپیوٹر کی خاموش زبان سے سن لیتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ میں نے کمپیوٹر کے متعلق پوری تفصیل بیان کر دی ہے، اسکرین گراف کی لکیروں کے متعلق تمہارے دماغ میں جو الجھنیں تھیں وہ دور ہو گئی ہوں گی۔ اب میں توقع کرتا ہوں کہ تم اس زمین دوز خفیہ اڈے کی تفصیلات بتاؤ گی۔ فقط۔ ماسک مین۔"

سونیا حیرانی سے اس کمپیوٹر کو دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لفظوں میں میں حیرانی سے سوچ رہا تھا۔

"فرہاد، انسانی دماغوں کو پڑھتے پڑھتے اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اس کے بعد میں انسانی دماغوں کو پڑھتی رہی۔ اب ٹیلی پیتھی جاننے والے ایک کمپیوٹر سے سامنا ہے۔ کیا میں انسانی سوچ کی طرح اس کمپیوٹر کے دماغ کی سوچ پڑھ سکتی ہوں؟"

میں ماسک مین کو یہ تاثر دینے کے لیے ایسا سوچ رہا تھا۔ یہ سوچ مشین کے اسکرین پر ریکارڈ ہو رہی تھی اور ماسک مین سمجھ رہا تھا کہ یہ سب کچھ سونیا کی سوچ ہے پھر میں نے سونیا کی طرف سے جواب دیا۔

"ماسک مین! میں پہلے بتا چکی ہوں کہ سپر ماسٹر کے حکم سے مجھے اور ہمپیبری کو ۸۰ ارض البلد اور ۳۰ طول البلد کے درمیانی علاقہ میں پیراشوٹ کے ذریعہ اتارا گیا تھا۔ گرین لینڈ کے شمال مغربی حصے میں وہ زمین دوز خفیہ اڈا ہے۔

اس خفیہ اڈے کی سب سے اہم شخصیت ڈاکٹر ڈان اسمتھ ہے۔ وہاں وہ جتنوں لوگ اس کے ماتحتوں کی طرح کام کر رہے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر ڈان اسمتھ کے دماغ سے جو معلومات اخذ کی ہیں وہ یہ ہیں کہ کوئن آئی لینڈز کے ایک سمندر میں پچیس دسمبر کو ایٹمی دھماکہ ہوگا۔

کچھ نئے تجربات کے بعد جو ایٹم بم تیار کیا گیا ہے اسے کسی گرم ملک میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی لیے اس سرد علاقہ میں اسے اسٹور کیا گیا ہے۔ میں ڈاکٹر ڈان اسمتھ کے دماغ کے ذریعہ ان مشینوں کو آپریٹ کر سکتی ہوں جن سے ایٹمی دھماکہ کیا جائے گا۔ یعنی ان کے خفیہ اڈے کو انہی کے ایٹم بم سے تباہ کر سکتی ہوں۔"

اتنا کہہ کر میری سوچ چپ ہو گئی۔ اسکرین کے گراف پر بننے والی آڑی ترچھی اور اونچی نیچی لکیریں ٹھہر گئیں۔ میری اطلاع اور میرا دعویٰ اتنا اہم تھا کہ ماسک مین جہاں بیٹھا ہوگا۔۔۔ بے حیرت۔۔۔ اور مسرت سے اچھل پڑا ہوگا۔ اگر میں اس کی سوچ پڑھ سکتا تو دماغ کی اسکرین پر اسے اچھلتے ہوئے ضرور دیکھتا۔ بہرحال تھوڑی دیر بعد کمپیوٹر سے جواب موصول ہوا۔

"مادام سونیا! تم دنیا کے تمام عظیم انسانوں سے زیادہ عظیم ہو اور میں دنیا کے تمام خوش نصیب انسانوں سے زیادہ خوش نصیب ہوں کہ مجھے تمہاری دوستی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ کیا تم سپر ماسٹر کے اہم پلان کو خاک میں ملا کر مجھ پر احسان کرو گی؟"

میں نے جواب دیا۔ "دوستوں پر احسان نہیں کیا جاتا، دوستی کا حق ادا کیا جاتا ہے۔ میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گی لیکن اس سے پہلے احتیاطی تدابیر لازمی ہیں۔ مثلاً آپ کے جو ایجنٹ یا وفادار گرین لینڈ میں ہوں انہیں جلد از جلد اس ملک کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ ایٹمی دھماکہ کا اثر پورے ملک پر پڑے گا۔ کسی کو یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد سپر ماسٹر سے رابطہ قائم کرو۔ اس کے سامنے اپنے مفادات کے مطابق شرائط پیش کرو۔ ساتھ ہی الٹی میٹم دو کہ شرائط پر دستخط نہ ہوئے تو آدھ گھنٹے کے اندر اسے ناقابل برداشت نقصان پہنچایا جائے گا۔"

ماسک مین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ اس نے کہا۔ "تم نہایت معقول مشورے دے رہی ہو۔ ان پر عمل کرنے کے لیے خاصا وقت لگے گا یعنی کم از کم چوبیس گھنٹے درکار ہیں، کوئی اور مشورہ دینا چاہو تو وہ بھی سر آنکھوں پر۔۔۔۔"

میں نے سوچ کے ذریعہ کہا۔ "سپر ماسٹر سے مذاکرات کے دوران میرا نام نہیں آنا چاہیے۔ ورنہ وہ ہوشیار ہو جائے گا۔"

ماسک مین کا جواب ملا۔ "میں اس بات کا خاص خیال رکھوں گا، مادام اب تم آرام کرو اور مجھے بتا دو کہ آئندہ کب مجھ سے رابطہ قائم کرو گی؟"

میں نے کہا۔ "اب سے ٹھیک چوبیس گھنٹے بعد یہاں آؤں گی۔ جوزف وسکی سے کہو۔ یہ آئرن کیپ اب میرے سر سے اتار لے، بڑی وزنی ہے۔"

کمپیوٹر سے ماسک مین کا رخصتی سلام شائع ہو کر سونیا کے ہاتھوں میں آیا۔ جوزف وسکی کو ڈھیر ساری ہدایتیں دی گئی تھیں۔ ان کے مطابق اس نے سونیا کے سر سے آئرن کیپ اتار دی۔ اب میں اور سونیا آزادی سے باتیں کر سکتے تھے لیکن اس وقت جوزف وسکی کی باتوں کو سننا ضروری تھا۔

وہ ریڈ پاور کے تمام اہم افراد سے کہہ رہا تھا۔ "معزز حاضرین! اب سے چوبیس گھنٹے بعد مادام سونیا آپ لوگوں کے لیے ایسا کارنامہ انجام دیں گی جسے دنیا والے رہتی دنیا تک فراموش نہیں کر سکیں گے۔ چوبیس گھنٹے کے لیے اجلاس ملتوی کیا جاتا ہے۔"

ریڈ پاور کی تمام مادام اور تمام باس چند لمحوں تک خاموش رہے اور سوالیہ نظروں سے سونیا کو دیکھتے رہے۔ وہ سونیا سے متاثر تھے بلکہ مرعوب تھے اور جو اپنا رعب اور دبدبہ قائم کر دیں وہ دیوتا یا دیوی بن جاتے ہیں۔ سونیا ان کے لیے مافوق الفطرت دیوی تھی۔ وہ لوگ شکایتاً یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ایک عورت کی وجہ سے بار بار اجلاس کیوں ملتوی کیا جا رہا ہے۔

تاہم ایک باڈی بلڈر مسٹر بنکاک نے کہا۔ "میں پہلے ہی مادام سونیا کی برتری تسلیم کر چکا ہوں۔ بہتر ہے کہ ہمیں اپنے اپنے ملک واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ یہاں مادام کی موجودگی میں ہماری ضرورت نہیں پڑے گی۔"

مادام ویرا نے پوچھا۔ "مسٹر! کیا تم مادام سونیا پر طنز کر رہے ہو؟"

سونیا نے میری سوچ کے مطابق ہنستے ہوئے کہا۔ "نہیں ویرا! مسٹر بنکاک کی سوچ بتا رہی ہے کہ یہ طعنہ نہیں دے رہا ہے بلکہ بوریت محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ بنکاک میں اس کی ایک محبوبہ بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی ہے۔"

یہ سن کر سب ہنسنے لگے۔ مسٹر بنکاک جھینپنے لگا۔ سونیا نے کہا۔ "کیا میں تمہاری محبوبہ کی تفصیل بیان کروں؟"

اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "پلیز مادام! مجھے اور شرمندہ نہ کریں۔"

سونیا گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ ماسٹروں کی تنظیم اس قدر منظم ہے کہ وہ ریڈ پاور کو کسی ملک میں قدم جمانے کا موقعہ نہیں دیتی ہے۔ وہ لوگ تمہارے راستوں میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں، تمہارے کتنے ہی مشن ناکام بنا دیتے ہیں۔ تم سب ماسک مین کے سامنے یہی مسائل پیش کرنے آئے ہو۔ میں یقین دلاتی ہوں کہ چوبیس گھنٹے کے بعد تمہارے بہت سے مسائل یہاں بیٹھے ہی بیٹھے حل ہو جائیں گے۔"

اس بات پر سب ہی خوش ہو کر تالیاں بجانے لگے۔ مادام ویرا نے کہا۔ "مادام! اس مبارک گھڑی کا انتظار کرنے کے دوران یہ چوبیس گھنٹے پہاڑ بن جائیں گے۔ کیوں نہ ہم سب مل کر تفریح کا پروگرام بنائیں۔"

سب لوگ مادام ویرا کی تائید کرنے لگے۔ سونیا نے میری ہدایت کے مطابق کہا۔ "اگر ہم سب کسی خاص مقام پر ایک ساتھ تفریح کی غرض سے جائیں تو کیا دشمنوں کو اس کی اطلاع نہیں ملے گی؟ اس عمارت کے اطراف سخت پہرہ ہے۔ وہ ہمیں یہاں نقصان نہیں پہنچا سکتے لیکن باہر کون سا خطرہ کدھر سے آئے گا۔ یہ ہم میں سے

کوئی نہیں جان سکتا۔"

ایک باس نے کہا۔ "مادام! آپ کو ہر بات کا علم ہو جاتا ہے۔"

"ہاں لیکن موت کا علم کسی کو نہیں ہوتا۔ میں بھی انسان ہوں۔ مجھے بھی ایک دن مرنا ہے اور وہ دن آج کا نہ ہو تو بہتر ہے۔"

سب مایوس ہو گئے۔ سونیا نے مسکرا کر کہا۔ "میں تم لوگوں کی خواہش کا احترام اس طرح کر سکتی ہوں کہ ہم اسی عمارت کے اندر خوب کھائیں پئیں، ناچیں گائیں اور موج اڑائیں۔ بولو منظور ہے؟"

"منظور ہے۔" سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ پھر ہنستے بولتے ہوئے اس ہال سے باہر جانے لگے۔ ہال سے باہر آ کر سونیا نے کہا۔ "مجھے صرف پندرہ منٹ کے لیے تنہا چھوڑ دو۔ پھر میں تمھاری تفریحات میں شامل ہو جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر وہ زوریچ کے ساتھ ایک آرام دہ کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ پھر مجھے مخاطب کیا۔ "بولو فرہاد! آئندہ کیا ارادے ہیں۔"

"جانِ من! تمھارے ساتھ بڑا سنگین ارادہ ہوتا ہے مگر تم ہزاروں میل دور ہو۔"

"شرارت شروع کر دی تم نے؟ آدمی بن جاؤ اور غور سے سنو۔ اب میں تم سے دور نہیں رہ سکتی۔ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم مجھے ریڈ پاور کی تنظیم میں الجھا کر دوسرے لفظوں میں مجھ سے پیچھا چھڑا کر کہیں عیش کر رہے ہو۔"

"اچھا اب تم لڑاکا بیوی کی طرح جھگڑا کرنے کے موڈ میں ہو۔"

"یہی سمجھ لو۔ پہلے تم نے کہا کہ کسی اسمگلر کے بحری جہاز میں آسٹریلیا کی طرف جا رہے ہو۔ میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ میں جلد ہی وہاں تم سے ملوں گی لیکن تم مجھے دور رکھنا چاہتے ہو۔ اسی لیے اب یہاں ایٹمی دھماکے کے سلسلے میں الجھا رہے ہو۔"

"میری جان! یہ دھماکہ ضروری ہے۔ اس طرح ہم ماسٹروں کی پوری تنظیم میں دھماکہ کریں گے۔ تمھاری دہشت اُن پر طاری ہو جائے گی۔"

"مجھے دہشت طاری کرنے کا شوق نہیں ہے۔ صاف صاف بتاؤ۔ ہماری ملاقات کب ہو گی۔ ابھی اور اسی وقت ملاقات کا دن اور وقت مقرر کرو۔"

"تم تو جیسے نکاح کی تاریخ مقرر کر رہی ہو۔ میرا بس چلے تو میں ابھی تمھارے پاس آ جاؤں مگر افسوس! مجبوری ہے۔"

"کیسی مجبوری؟ معلوم ہوتا ہے کوئی کُتیا پیچھے پڑ گئی ہے۔"

"پیچھے آنے والی بس ایک ہے۔ ہمیشہ میرے دماغ میں بھونکتی رہتی ہے۔ نام بتاؤں؟"

"بکواس مت کرو۔ میری بات کا جواب دو۔"

"جواب سنو۔ اِس دُنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ماسٹروں کی تنظیم کا ہر فرد جانتا ہے کہ تم فرہاد کو دیوانگی کی حد تک چاہتی ہو۔ فرہاد کی موت کے بعد بھی اُس کے نام پر زندہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تم مجھ سے کہیں ملو گی تو دشمنوں کو شبہ ہو گا کہ ملنے والا فرہاد ہی ہو سکتا ہے، شاید وہ زندہ ہے۔"

"ایسی صورت میں تو پھر تم مجھے کبھی نہیں ملو گے۔ کیا تم مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟ کتنے ہی عشق کرنے والے چھپ کر ملتے ہیں۔ تم میک اپ میں رہو گے تو کوئی پہچان نہیں سکے گا۔"

"فرہاد کی سب سے بڑی پہچان سونیا ہے۔ سونیا جس سے تنہائی میں ملے گی، وہ یا تو فرہاد ہو گا یا پھر فرہاد کا کوئی ہم پلہ ہو گا۔ ماسٹروں کی تنظیم کے افراد اُس ہم پلہ شخص سے بھی دلچسپی لیں گے۔"

"تم نے مجھے ٹالنے والی بکواس کر لی۔ اب میرا فیصلہ سنو۔ ایٹمی دھماکے کے بعد میں ماسک مین کو بتاؤں گی کہ میں میک اپ میں چھپ کر آسٹریلیا جا رہی ہوں۔ دشمن سونیا کو نہیں پہچان سکیں گے۔ میں دوسرے روپ میں تم سے ملوں گی تو کوئی تم پر بھی شبہ نہیں کرے گا۔ بولو کیسی رہے گی؟"

میں اپنا سر کھجانے لگا۔ اُسے ٹالنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ میں اُس سے اکتا گیا تھا۔ اپنی جان سے کوئی بیزار نہیں ہوتا۔ سونیا میری جان تھی۔ میری زندگی تھی لیکن بعض حالات میں انسان کو اپنی خوشیوں سے بھی دور رہنا پڑتا ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ میں یکسانیت سے بیزار ہو جاتا ہوں۔ اگر سونیا سے ملاقات ہوتی تو زندگی کمبل بن جاتی۔ عورت کو ہزار سمجھاؤ کہ ذرا دوری رہے تو محبت بڑھتی ہے۔ بچھڑنے، انتظار کرنے اور دوبارہ ملنے کی خوشیاں ہمیشہ یادگار بن جاتی ہیں اور ہمیشہ ساتھ رہنے والی خوشیاں لڑائی جھگڑوں میں بدلتی رہتی ہیں لیکن یہ باتیں عورت کی سمجھ میں نہیں آتیں۔

میں نے کہا۔ "اچھی بات ہے۔ ایٹمی دھماکے کے بعد میں ملاقات کا کوئی دن مقرر کروں گا اور بتاؤں گا کہ ہم نئے روپ میں کہاں اور کس طرح ملیں گے۔"

"اوہ فرہاد! تم کتنے اچھے ہو۔ جی چاہتا ہے کہ ....."

اُس کی بات پوری نہ ہو سکی۔ اچانک ہی میں نے سونیا کی چیخ سنی۔ چیخ کی گونج میں اُس کے دماغ نے بتایا کہ اُس کے سر کے پچھلے حصّے پر زبردست چوٹ پڑی ہے۔ میں نے اُسے آواز دی، مگر اب اُس کا دماغ جواب دینے کے قابل نہ رہا تھا۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

مجھے اس طرح گھبرا کر نہیں اٹھنا چاہیے تھا۔ کیونکہ میں جہاز کے کیبن میں سے یون کے پاس لیٹا ہوا تھا مگر میرا وہ فعل اضطراری تھا۔ اپنی سونیا کو خطرے میں دیکھ کر میں بوکھلا گیا تھا۔ وہ بے ہوش

ہو چکی تھی۔ میں اُس سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ ایسی پریشانی میں یاد نہ رہا کہ میں سے یون کے پاس ہوں۔

سے یون نے میرا بازو تھام کر پوچھا۔ "فرید! کیا بات ہے؟ کیا تم نے کوئی بھیانک خواب دیکھا ہے؟"

اب میں سے یون کی موجودگی سے پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے فوراً ہی واپس سونیا کے پاس پہنچنا تھا۔ میں نے کہا۔ "ہاں بہت ہی بھیانک خواب تھا۔ مجھے تھوڑی دیر آنکھیں بند رکھنے دو۔ پھر میں تم سے بات کروں گا۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر سب سے پہلے جوزف وسکی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا کہ اُس نے سونیا کی چیخ سنی ہے یا نہیں۔ پتہ چلا کہ سب ہی چیخ سن کر اُس کمرے کی طرف چلے آئے تھے۔ پہلے انھوں نے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔ پھر دروازہ توڑنے لگے۔

دروازہ ٹوٹ کر کمرے کے اندر گر پڑا۔ اندر سونیا نہیں تھی۔ پلنگ کے قریب فرش پر انتونی عرف کوبرا مین کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ وہی کوبرا مین جو سونیا کا جانی دشمن تھا۔ سونیا نے اُس کی دونوں آنکھیں پھوڑ دی تھیں۔ میں اور سونیا کوبرا مین کی طرف سے غافل ہو گئے تھے کیونکہ وہ اندھا ہونے کے بعد کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

حالات یہی بتا رہے تھے کہ کوبرا مین نے سونیا کو نقصان نہیں پہنچایا ہے۔ کیونکہ سونیا کو غائب کرنے والا لاش میں تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اُس وقت جوزف وسکی کی دماغی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کمرے کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ کچھ لوگ جوزف وسکی کے ساتھ دوڑتے ہوئے وہاں گئے۔ پچھلے دروازے کے باہر ایک زینہ نیچے کی طرف گیا تھا۔ دوسری طرف دو عدد لفٹ کے دروازے نظر آ رہے تھے۔

ایک دروازے کے نمبر بتا رہے تھے کہ لفٹ نیچے جا رہی ہے۔ اُسی وقت خطرے کا الارم بجنے لگا۔ کچھ لوگ دوسری لفٹ کی جانب دوڑے مگر یہ دوڑ بھاگ فضول تھی۔ دوسری لفٹ کو بیکار کر دیا گیا تھا۔ جوزف وسکی تیزی سے چلتا ہوا کمرے میں آیا۔ پھر فون کا ریسیور اٹھا کر مسلح گارڈز کے اُس لیڈر سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ جو عمارت کے بیرونی گیٹ پر تھا۔

رابطہ قائم ہوتے ہی اُس نے حکم دیا کہ بیرونی گیٹ سے ایک چیونٹی کو بھی باہر نہ جانے دیا جائے۔

دوسری طرف سے جواب ملا۔ "انتونی عرف کوبرا مین کا تابوت لے جانے والی گاڑی گیٹ کی طرف آ رہی ہے۔ کیا اُسے بھی روک دیا جائے؟"

جوزف وسکی نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ "نونسنس! فوراً اُسے روکو۔ اُس تابوت میں وہ مادام سونیا کو لے جا رہے ہیں۔"

اُس کی بات ختم ہوتے ہی فائرنگ کی آواز سنائی دی، جوزف وسکی جیب سے ریوالور نکالتا ہوا تیزی سے دوڑتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اُس وقت وہ عمارت کی چوتھی منزل پر تھا۔ دور بہت نیچے بیرونی گیٹ نظر آ رہا تھا۔ ایک ویگن کار میں بیٹھے ہوئے لوگ اسٹین گنوں سے فائرنگ کر رہے تھے۔ ویگن کار تیزی سے دوڑتی ہوئی لکڑی کے گیٹ سے ٹکرا گئی۔ ٹکرانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ گیٹ کا ایک حصّہ ٹوٹ کر گر پڑا۔ کار بھی بے کار ہو گئی لیکن اُس کے پیچھے والی ویگن کار کو آگے نکل جانے کا موقع مل گیا۔

جوزف وسکی کھڑکی کے باہر جھک کر فائرنگ کرتا رہا۔ پھر اُس نے ہاتھ روک لیا۔ کیونکہ اب اُس کے مسلح جوانوں کی گاڑیاں وہاں سے گزر رہی تھیں۔ وہ آگے نکل جانے والی ویگن کار کا تعاقب کرنے جا رہے تھے۔ جوزف وسکی پھر دوڑتا ہوا لفٹ کے پاس آیا۔ نیچے پہنچنے والی لفٹ واپس آ گئی تھی۔ وہ لوگ ایک ہی لفٹ میں گڈمڈ ہو کر نیچے آئے۔ جو ویگن کار گیٹ سے ٹکرا کر بے کار ہو گئی تھی اُس کے دو افراد زندہ گرفتار کر لیے گئے تھے۔ اُن میں سے ایک مرد تھا اور دوسری نیگرو عورت تھی۔

دونوں کو جوزف وسکی کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُس نے مرد کے منہ پر ایک الٹا ہاتھ رسید کرتے ہوئے پوچھا۔ "جلدی بتاؤ۔ تمھارے آدمی مادام کو کہاں لے جا رہے ہیں؟"

نیگرو عورت نے بڑے ہی ٹھہرے ہوئے لہجے میں گہری سنجیدگی سے کہا۔ "مجھ سے پوچھو۔ انتونی نے دم توڑنے سے پہلے آخری خواہش کی تھی کہ اُس کی لاش کو یہاں چھوڑ دیا جائے۔ اُس کے تابوت میں سونیا زندہ دفن ہونے کے لیے جائے گی۔"

جوزف وسکی نے اُس کے منہ پر بھی ایک طمانچہ رسید کیا۔ پھر غصہ سے کانپتے ہوئے بولا۔ "میں تم دونوں کو ایسی اذیتیں پہنچاؤں گا کہ تمھاری روح تک کانپنے لگے گی... انھیں اندر لے چلو۔"

وہ لوگ قیدیوں کو لے کر اندر جانے لگے۔ اندر زوریچ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ٹرانسمیٹر کے ذریعہ اُن لوگوں سے باتیں کر رہا تھا، جو ویگن کار کا تعاقب کر رہے تھے۔ تمام اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ دشمن کس راستے سے سونیا کو لے جا رہے ہیں۔ ریڈ پاور کے آدمی بڑی کامیابی سے تعاقب کر رہے تھے۔ اُمید تھی کہ وہ لوگ جلد ہی سونیا کو واپس لے آئیں گے۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ جوزف وسکی نروس ہو رہا ہے۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں اپنی رفتار بھول رہی ہیں۔ دونوں ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ پھر وہ فرش پر گر پڑا۔ سب لوگ اُسے سہارا دے کر

اُٹھانے کےلیے آگے بڑھے۔ میں جوزف وسکی کے دماغ سے نکل کر زوریچ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ کیونکہ جوزف وسکی کا دماغ اچھی طرح کام نہیں کر رہا تھا۔

تب نگورا عورت کی زہریلی ہنسی سُنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی: "مجھے طمانچہ مارنے والا مر رہا ہے۔ اُس کی ہتھیلی میرے دانتوں پر لگی تھی۔ تم لوگوں کو یہ یاد ہوگا کہ انتونی کے دانت زہریلے تھے۔ آؤ اب میں اپنا تعارف کرادوں۔ میں انتونی عرف کوبرا مین کی بیوی ہوں۔ وہ ناگ تھا۔ میں ناگن ہوں۔"

سب لوگ ذرا سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ دو مسلح جوانوں نے ناگن کے دونوں ہاتھوں کو موڑ کر پُشت کی طرف گھما دیا۔ وہ دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ کچھ لوگ جوزف وسکی کو طبی امداد پہنچانے کےلیے وہاں سے اُٹھا کر لے گئے تھے۔

زوریچ نے ناگن کو خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "سیدھی طرح بتادو کہ مادام سُونیا کو کہاں لے جایا جارہا ہے۔ ورنہ ابھی تمھارے تمام زہریلے دانت توڑ دیے جائیں گے۔"

وہ ایک قہقہہ لگا کر بولی: "آج تک مجھ پر کسی نے ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ جس نے ہاتھ اُٹھایا، اُس کا انجام تم نے دیکھ لیا۔ سنو! اذیتیں برداشت کرنا تو دُور کی بات ہے۔ میں کسی کی نفرت بھری نظریں بھی برداشت نہیں کرسکتی۔ میرے دونوں ہاتھ موڑ کر اور مجھے قیدی بنا کر میری جو توہین کی جارہی ہے اس کا انتقام مادام سُونیا سے لیا جائے گا۔"

مجھے زوریچ کے دماغ میں بیٹھ کر پتہ چلا کہ وہ بہت ذلیل ہے۔ اُس نے فوراً ہی مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا: "اِسے چھوڑ دو۔"

ناگن کے ہاتھ چھوڑ دیے گئے۔ وہ اپنے ہاتھوں کو سہلانے لگی۔ زوریچ نے پوچھا: "تمھارا نام کیا ہے؟"

وہ مسکراتی ہوئی بولی: "جب میں نرس بن کر یہاں انتونی کی تیمارداری کےلیے آئی تھی۔ اُس وقت میں نے اپنا نام بتادیا تھا۔"

زوریچ نے سر ہلا کر کہا: "ہاں یاد آیا۔ تمھارا نام نگورا ہے۔ کیا تم بتاؤ گی کہ اتنے بڑے نامور اسپتال کے ڈاکٹر کے ساتھ تم نرس بن کر کیسے آگئی تھیں؟"

نگورا ماتھے پر شکن ڈال کر بولی: "کیوں مسٹر! تم ابھی تک اتنے اطمینان سے کیوں سوالات کررہے ہو۔ جبکہ تمھاری مادام خطرے میں ہے۔"

اِس بار زوریچ مسکرا کر بولا: "میں انتونی کی زہریلی فطرت کو سمجھتا تھا۔ کئی بار ہم نے اُس کے دشمنوں کو شوٹ کرنا چاہا لیکن اُس نے مخالفت کی۔ اُس زہریلی فطرت والے نے اپنے دانتوں کے زہر سے انھیں ہلاک کیا۔ یہی فطرت تمھاری ہوسکتی ہے۔ تم اپنے ناگ شوہر کا انتقام اپنے زہریلے دانتوں سے لوگی۔ لہٰذا جب تک تم یہاں ہماری حراست میں رہوگی۔ وہاں ہماری مادام محفوظ اور سلامت رہیں گی۔"

نگورا غراتی ہوئی اُسے دیکھنے لگی۔ مجھے خطرے کا احساس ہوا۔ میں نے فوراً ہی زوریچ کے دماغ میں کہا: "یہ مجھ پر حملہ کرنے والی ہے۔"

اسی لمحہ زوریچ اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نگورا دانت کِٹکِٹاتی ہوئی آگے بڑھی تھی مگر کسی نے اُسے ٹانگ ماردی۔ وہ اوندھے منہ فرش پر گر کر غصے سے چیخنے لگی۔ مسلح جوانوں نے دوبارہ اُس کے ہاتھوں کو پشت کی طرف گھما کر اُسے فرش پر سے اُٹھایا۔ وہ آزاد ہونے اور زوریچ پر حملہ کرنے کی ناکام جدوجہد کررہی تھی۔

زوریچ کے حکم سے اُسے ایک اینزی چیئر پر نیم دراز کرکے رسّیوں سے باندھ دیا گیا۔ اِس دوران میں نے سُونیا کے دماغ میں جھانکنے کی ناکام کوشش کی۔ کیونکہ وہ اب تک بے ہوش پڑی ہوئی تھی۔ جب میں دوبارہ زوریچ کے دماغ میں واپس آیا تو نگورا رسّیوں سے باندھی جاچکی تھی۔ کُرسی کے قریب ہی ایک ٹرے پر ایسے آلات رکھے ہوئے تھے جنھیں دندان ساز دانت نکالنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

نگورا کے سَر کو کُرسی کی پُشت سے اس طرح باندھا گیا تھا کہ وہ اپنے سر کو اِدھر اُدھر ہلا نہیں سکتی تھی۔ زوریچ نے کہا: "تمھارا ناگ شوہر ہمارے لیے کام کرتا تھا۔ ہم جانتے تھے کہ وہ پُوری طرح ہمارا وفادار نہیں ہے۔ تاہم ماسک مین اُسے بہلا پھسلا کر اپنا کام نکال لیا کرتا تھا۔ افسوس کہ وہ مادام کی دشمنی میں مارا گیا۔ تم چاہو تو ہماری دوست بن سکتی ہو۔ نہ چاہو تو ابھی بڑی سنگدلی سے تمھارے ایک ایک دانت اُکھاڑ کر تمھارے سامنے رکھے جائیں گے۔ تمھارے پاس فیصلہ کرنے کے لیے صرف ایک منٹ ہے۔"

اتنی دیر بعد میں نے نگورا کے زہریلے دماغ میں پہنچ کر اُس کی سوچ پڑھی۔ وہ اب خوف زدہ تھی۔ اُسے اپنے دانت عزیز تھے۔ سانپ کو اپنا زہر عزیز ہوتا ہے۔ اِسی سے وہ اپنی برتری قائم رکھتا ہے۔ نگورا کی برتری خاک میں ملنے والی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی: "میرے اندر سے زہر کا سرمایہ ختم ہوجائے گا تو میں ایک عام سی معمولی... عورت بن کر رہ جاؤں گی۔ اپنے قبیلے میں واپس جاؤں گی تو میری حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہوگی۔ نہیں، میں ایسی حقیر زندگی نہیں گزار سکوں گی۔"

وہ سوچ رہی تھی۔ فیصلہ کررہی تھی۔ دوسری طرف زوریچ ٹرانسمٹر کے ذریعہ تعاقب کرنے والوں سے باتیں کررہا تھا۔ پہلے میں نے زوریچ کے دماغ سے باتیں سُنیں۔ پھر اُس دماغ والے کی طرف چھلانگ لگائی، جو دوسری طرف ٹرانسمٹر پر گفتگو کررہا تھا۔ وہاں تعاقب کرنے والوں کی گاڑی رُک گئی تھی۔ کیونکہ ایک کراسنگ پر دو گاڑیوں نے اطراف سے آکر راستہ روک دیا تھا۔ وہ فائرنگ کررہے تھے اور سُونیا کو لے جانے والی گاڑی دُور آگے جاکر نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

فی الحال سُونیا کی واپسی کی اُمید ختم ہوگئی۔ میں نے زوریچ کی سوچ میں کہا: "نگورا جیسی تنہا عورت اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے اغوا کی اتنی زبردست پلاننگ نہیں کرسکتی۔ اس عورت کی پُشت پر ایک منظم گروہ ہے۔ اُن کے آدمی اغوا کے ہر راستے اور ہر موڑ پر موجود ہیں اور تعاقب کو ناکام بنا رہے ہیں۔"

زوریچ پریشان ہوکر سوچنے لگا: "میں کیا کروں؟ مادام کو لے جانے والی گاڑی نہ معلوم کہاں چلی گئی ہے۔ مجھے اب دوسروں سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔"

وہ ٹرانسمیٹر کے ذریعہ اپنی دوسری ٹیم سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ وہاں سے ذرا اطمینان بخش جواب ملا کہ شہر کے باہر جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کردی گئی ہے۔ جیسے ہی وہ سفید ویگن کار نظر آئے گی۔ اُسے گھیر لیا جائے گا۔

زوریچ نے ٹرانسمیٹر کو آف کیا۔ پھر گھڑی دیکھنے کے بعد بولا: "نگورا ایک منٹ گزر چکا ہے۔ اپنا فیصلہ سناؤ۔"

وہ بولی: "میرے دانت سلامت رہنے دو۔ میں مادام سُونیا کو یہاں واپس لے آؤں گی۔"

"تمھیں یہاں سے جانے کون دے گا کہ تم واپس لاؤ گی۔ وہ ٹھکانہ بتاؤ، جہاں تمھارے آدمی مادام کو لے جارہے ہیں۔"

"سمجھو تو اس طرح ہوگا کہ کسی ایک مقام پر مادام سے میرا تبادلہ ہوگا۔ میں اُدھر جاؤں گی مادام اِدھر آئیں گی۔ چڑیا گھر بہتر جگہ ہے۔ وہاں لوگوں کی بھیڑ میں کوئی کسی پر فائرنگ نہیں کرسکے گا۔ مجھے ٹیلی فون دو۔ میں اپنے ساتھیوں کو حکم دیتی ہوں۔ وہ مادام کو وہاں لے آئیں گے۔"

اُس کے ایک ہاتھ اور سر کو رسّیوں کی بندشوں سے آزاد کردیا گیا۔ زوریچ نے ٹیلی فون اُس کے قریب لاکر رکھ دیا۔ وہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔

اُسی وقت سے لُون نے مجھے مخاطب کیا: "فرہاد! تمھیں کیا ہوگیا ہے۔ تم اتنی دیر سے خاموش کیوں بیٹھے ہو؟ کیا خواب کی دہشت ابھی تک طاری ہے؟"

میں سے لُون کی مداخلت سے پریشان ہوگیا۔ وہ معصوم لڑکی نہیں جانتی تھی کہ میں خواب کی بجائے دُنیاوی حقائق میں اُلجھا ہوا ہوں۔ میں نے کہا: "سے لُون! میں بہت پریشان ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ اِس جہاز سے نکل کر ساحل پر چلو گی؟"

"ضرور چلوں گی۔ آؤ ہم مسٹر روز و برانڈو سے اجازت لے لیں۔"

"نہیں۔ برانڈو اور سارا کو کچھ نہ بتاؤ۔ ہم اُن کی لاعلمی میں یہاں سے جائیں گے۔"

"اُنھیں بتا دینے میں کیا حرج ہے؟"

"کیا تم مجھ سے بحث کرو گی؟"

میں نے ناراضگی سے کہا تو وہ تڑپ کر آگے بڑھی پھر میرے گلے میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئی: "مجھے معاف کردو فرہاد! مجھے اپنے دیوتا سے بحث نہیں کرنا چاہیے۔ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اب نہیں ہوگی۔"

میں نے کہا: "اچھا تھوڑی دیر اور خاموش رہ کر مجھے سوچنے دو کہ ہم یہاں سے کس طرح ساحل تک پہنچیں گے۔"

وہ الگ ہوکر بیٹھ گئی۔ جہاز سے نکلنے کی ترکیب ذہن میں موجود تھی۔ اس لیے میں پھر زوریچ کے دماغ میں پہنچ گیا۔ نگورا اس وقت تک فون پر اپنے آدمیوں کو ہدایات دے چکی تھی کہ جیسے ہی سُونیا اُس کے پاس پہنچے۔ وہ لوگ اُسے لے کر چڑیا گھر میں آجائیں۔

تمام معاملات طے ہوجانے کے بعد زوریچ نے پوچھا: "ہاں اب بتاؤ تم ایک معروف ڈاکٹر کے ساتھ نرس بن کر کیسے آگئیں۔ کیا اُس نے تم پر شبہ نہیں کیا۔"

وہ بولی: "وہ معروف ڈاکٹر ماہرِ سمیات ہے۔ میرا اور انتونی کا بہترین دوست ہے۔ انتونی ماسک مین کا محکوم بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں تم سب کی لاعلمی میں اپنا ایک گروہ تیار کررہی تھی۔ جب تم لوگوں نے ڈاکٹر کو اطلاع دی کہ انتونی ایک مقابلہ میں اندھا ہوچکا ہے تو میں ڈاکٹر کے ساتھ نرس بن کر یہاں چلی آئی۔ انتونی کی حالت بہت نازک تھی۔ اُسی نے آخری وقت کہا تھا کہ جب وہ مرجائے اور اُس کے لیے تابوت آئے تو اُس تابوت میں سُونیا کو جانا چاہیے۔"

"اب تم مادام سے کیسے انتقام لوگی۔ جبکہ تبادلے پر راضی ہوچکی ہو۔"

"ایک انتقام نہ سہی۔ میں اپنے دانتوں کی سلامتی چاہتی ہوں۔"

میں نے پھر ایک بار سُونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس بار ملاقات ہوگئی۔ وہ ہوش میں آچکی تھی اور تابوت کے اندر دہشت زدہ نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ ہوا کی آمد و رفت کے لیے تابوت کے ڈھکن میں دو سوراخ تھے۔ ہلکی ہلکی روشنی بھی تھی۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ زندہ تابوت میں لے جائی جارہی ہے۔ اُس نے فوراً ہی سوچ کے ذریعہ مجھے آواز دی: "ہیلو فرہاد!"

کیا تم موجود ہو؟"

میں نے کہا: "ہاں۔ ایک عورت کے تابوت میں موجود رہنے کا یہ پہلا موقع ہے۔ بڑے بوڑھے سچ کہتے ہیں کہ عورت سے دوستی نہ رکھو۔ وہ اپنے ساتھ قبر میں بھی گھسیٹ کر لے جاتی ہے۔"

"بکواس ختم ہو چکی ہو تو بتاؤ۔ میں کہاں ہوں؟"

"جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔"

"میری پریشانیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو ظالم کہیں کے۔۔۔"

"مظلوم کہیں کی۔۔۔ تمھیں ہوش میں پا کر خوش ہو رہا ہوں۔ بے چارے تمھیں لے جانے والے اب اپنی اپنی قبر کھودیں گے لیکن خدا صبر سے کام لینا۔ یہاں تمھارے لیے انتونی کی بیوی سے سمجھوتہ ہو رہا ہے۔"

میں نے اختصار سے اُسے تمام حالات بتائے۔ پھر کہا۔ "اب تم ہوش میں آگئی ہو۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ لہٰذا تھوڑی دیر کے لیے اجازت دو۔ میں بحری جہاز میں واپس جا رہا ہوں۔"

"ٹھہرو فرہاد! یہ کیا بات ہوئی۔ میں تابوت میں بند ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو؟"

"بھئی تم سے کہہ چکا ہوں کہ وہ تمھیں چڑیا گھر میں لے جائیں گے۔ تم نے کیا سمجھ لیا کہ وہ تمھیں جانوروں کے درمیان پنجرے میں رکھیں گے؟"

"میرے لیے ایک ہی جانور کافی ہے جو میری باہنوں کا پنجرہ توڑ کر بار بار بھاگ جاتا ہے۔"

اُس کی حاضر جوابی پر میں بے اختیار ہنسنے لگا۔

تب مجھے اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ ہنستے وقت میری آنکھ کھل گئی تھی اور سامنے بیٹھی ہوئی مے لین مجھے حیرانی سے تک رہی تھی۔ میری ہنسی کو بریک لگ گیا۔ اُس نے پوچھا: "فرید! تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ ابھی تم پریشان تھے۔ ابھی ہنس رہے ہو؟"

میں نے بات بنانی شروع کی: "دو مے لین۔ بات یہ ہے کہ بس پریشانی ختم ہو رہی ہے میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے کہ ہم یہاں سے ساحل تک کیسے جائیں گے۔ ٹھہرو ایک بار مجھے اور اچھی طرح سوچ لینے دو۔ میں ابھی تمھیں بتاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ جہاز چھوڑنے سے پہلے یہ معلوم کرنا تھا کہ سمندری عقاب اور سارا کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں؟ چند گھنٹے پہلے سمندری عقاب یعنی رذو برانڈو نے یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ مے لین کو جائے میں نیند کی دوا پلا کر سُلا دے گا اور اُس کی بیٹی سارا مجھے ساحل پر لے جائے گی۔

میں نے مسٹر براںڈو کا حربہ اُسی پر آزمایا۔ براںڈو شراب کے جام میں نیند کی دوا گھول کر پی گیا۔ مزید ستم یہ کہ میں نے اُسے کئی جام پلا دیے۔ اُس کی طرف سے اطمینان تھا کہ وہ اگلے دن بھی سوتا رہے گا۔

تاہم میں نے احتیاطاً براںڈو کے دماغ میں جھانکنا چاہا لیکن مجھے اُس کا دماغ نہ ملا۔ یا حیرت! وہ کیسے مر گیا؟ وہ تو اچھا صحت مند تھا۔ بڑھاپے میں بھی جوان نظر آتا تھا۔ کیا شراب نوشی کی زیادتی نے اُسے مار ڈالا؟ ہاں یہی ہو سکتا تھا۔ ایک تو شراب اُوپر سے خواب آور دوا۔ دونوں نے مل کر اسے ہمیشہ کی نیند سُلا دیا۔

مجھے اس کی موت پر ذرا بھی افسوس نہیں ہوا۔ میں نے اُس کے مُردہ دماغ کو بھول کر سارا عرف رومانہ کے زندہ دماغ میں جھانکنا شروع کیا۔ وہ بستر پر بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔ پتہ چلا کہ آدھ گھنٹہ پہلے وہ میری تلاش میں اپنے کیبن سے نکلی تھی۔ اُس نے میرے کیبن کے دروازے پر کان لگا کر سُنا۔ پھر ہلکی سی دستک دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

میں نے مے لین کو پہلے ہی سمجھا چکا تھا کہ کوئی بھی دستک دے یا بُلائے آواز نہ دینا۔ اسی لیے وہ بیچاری خاموش رہی۔ بہرحال اُس کے بعد سارا مے لین کے کیبن میں گئی۔ اُس کیبن کو خالی دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ وہ پاکٹ سائز چینی دوشیزہ میرے ساتھ وقت گزار رہی ہے۔

یہ علم ہونے کے بعد سارا کے دل پر بجلی گر گئی تھی۔ اُس نے مجھے پا کر کھو دیا تھا۔ اسی لیے وہ بُری طرح پچھتا رہی تھی۔ کُڑھ رہی تھی جل رہی تھی اور کباب سیخ کی مانند کروٹیں بدل رہی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ دوبارہ اُٹھ کر میرے کیبن کی طرف آئے۔ اُس کے ذہن کو تھپک تھپک کر سُلا دینا ضروری تھا۔

لیکن اُسے رفتہ رفتہ سُلانے میں کافی وقت صرف ہو جاتا۔ اِس لیے میں نے اُس کی سوچ میں اُسے سمجھایا: "مجھے ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ وہ میرے غلط رویّے سے بدظن ہو کر مے لین کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ میں پھر اُسے منا لوں گی۔ مجھے صبح تک صبر کرنا چاہیے۔"

میری اِن باتوں کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ وہ سوچنے لگی: "ہاں ابھی کچھ زیادہ نہیں بگڑا ہے۔ اُسے میری قربت یاد ہو گی۔ صبح ہوتے ہی میں اُسے منا لوں گی۔ مجھے خود پر اتنا اعتماد ہونا چاہیے۔"

یہ سوچ کر اُس نے ایک سرد آہ بھری۔ میں آہوں کی سڑک سے نکل آیا۔

آنکھیں کھولتے ہی میں نے مے لین سے کہا: "چلو اُٹھو! اسکیپر سے جا کر کہو کہ وہ ہمیں موٹر بوٹ کے ذریعہ ساحل پر پہنچا دے۔"

"کیا وہ میری بات مان جائے گا؟"

"اِس جہاز کا ہر فرد تمھارے حکم کی تعمیل کرے گا۔ کیا تم بھول گئیں کہ تم نے کیسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دیا تھا۔ اپنی پُراسرار قوتوں سے دشمنوں کو نیست و نابود کیا تھا اور جہاز کے ایک ایک فرد کی جان بچائی تھی۔ یہاں کے لوگ تم سے خوف زدہ بھی ہیں۔ تم ذرا رعب سے باتیں کرنا۔"

میں اُس کے ساتھ کیبن سے باہر آ گیا۔ ہمارا راستہ روکنے والوں میں سے ایک سمندری عقاب مر چکا تھا۔ دوسری سارا عرف رومانہ اپنے کیبن میں صبح کا انتظار کر رہی تھی۔ ہم دونوں اسکیپر کو تلاش کرتے ہوئے انجن روم میں پہنچے۔ اُس نے ہمیں دیکھتے ہی مے لین کو ادب سے سلام کرتے ہوئے کہا: "بیٹی! میں سمجھ رہا تھا کہ تم سو رہی ہو۔ اس لیے صبح تم سے ملاقات کروں گا۔ ننھی دیوی! تم عجب کی باتیں جانتی ہو۔ میں اپنے ایک ذاتی معاملہ میں تم سے مدد چاہتا ہوں۔"

مے لین نے ایک ہاتھ اُٹھا کر اُسے آشیرواد دینے کے انداز میں کہا: "میں تمھاری مدد کروں گی لیکن ابھی میں فرید کے ساتھ ساحل تک جانا چاہتی ہوں۔ فوراً موٹر بوٹ کا انتظام کرو۔"

وہ میری طرف دیکھ کر ہچکچانے لگا۔ پھر اُس نے مے لین کو ایک طرف لے جا کر کہا: "بیٹی! میں حکم کا بندہ ہوں۔ مسٹر براںڈو نے حکم دیا ہے کہ فرید کو جہاز سے باہر نہ جانے دیا جائے۔"

وہ بوڑھا سمندری عقاب بہت ہی مکار تھا۔ مرنے سے پہلے مجھے جہاز میں قیدی بنا کر رکھنے کا حکم صادر کر چکا تھا۔ مے لین نے اسکیپر سے کہا: "مسٹر براںڈو سے میں سمجھ لوں گی۔ میں جو کہہ رہی ہوں وہ کرو۔ ورنہ میں ابھی اس جہاز کو تباہ کر دوں گی۔"

اسکیپر وہ تماشہ دیکھ چکا تھا کہ مے لین نے دشمنوں کے جہاز کو کس طرح تباہ کیا تھا۔ اب مے لین کی دھمکی سُن کر سہم گیا۔ پندرہ منٹ کے بعد ہی ایک موٹر بوٹ جہاز سے آ کر لگ گئی۔ ہمارے لیے رسّے کی ایک سیڑھی نیچے تک لٹکائی گئی۔ اسکیپر سوچ رہا تھا کہ ہمارے جاتے ہی وہ براںڈو اور سارا کو صورتِ حال سے آگاہ کر دے گا۔

اگر اسکیپر براںڈو کے کیبن میں جاتا تو یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ مر چکا ہے۔ پھر مجھ پر ہی الزام آتا کہ شاید میں نے اُسے کسی طرح ہلاک کر دیا ہے۔ مے لین نے اُسی وقت میری سوچ کے مطابق کہا: "دیکھو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم میرے جانے کے بعد مسٹر براںڈو اور سارا کی نیند میں خلل ڈالو۔ میں اُن کے جاگنے سے پہلے واپس آ جاؤں گی۔ اتنا یاد رکھو کہ ہزاروں میل دُور رہ کر بھی مجھے حکم عدولی کی اطلاع مل جاتی ہے۔"

بڑی نرمی سے دھمکی دے کر ہم موٹر بوٹ میں آ گئے۔ اُس بوٹ کو براںڈو کا ایک ملازم ڈرائیو کر رہا تھا۔ مے لین میرے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنا سر تھام کر بولی: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں ایک پُراسرار ہستی کیسے بن گئی ہوں۔ ابھی میں نے اسکیپر کو دانستہ دھمکی نہیں دی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرے دماغ میں وہ دھمکی آپ ہی آپ پیدا ہو رہی ہے اور میں بے اختیار بولتی جا رہی ہوں۔"

میں اُسے جواب کیا دیتا؟ اس لیے خاموش رہا۔ اُس نے پوچھا: "کیا تم مجھے میرے گھر والوں کے پاس لے جا رہے ہو؟"

میں نے جھک کر اُس کے کان میں کہا: "ابھی خاموش رہو۔ میں براںڈو کے اِس ڈرائیور کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اُس کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر میں نے سُونیا سے رابطہ قائم کیا۔ سُونیا نے چڑ کر پوچھا: "آخر تم اس بحری جہاز میں کیا کر رہے ہو؟ بار بار مجھے چھوڑ کر کہیں چلے جاتے ہو؟"

میں نے کہا: "بیک وقت دو کشتیوں پر پاؤں رکھنے سے یہی ہوتا ہے۔ میری حالت غیر ہے۔ نہ اِدھر کا ہوں نہ اُدھر کا۔ میں اپنی بات پھر کروں گا۔ تم اپنی سناؤ۔"

"کیا بتاؤں؟ تمھیں بڑی خوش فہمی تھی کہ مجھو نہ ہو رہا ہے۔ مجھے چڑیا گھر میں پہنچا دیا جائے گا۔ میں تو ابھی تک تابوت میں پڑی ہوں۔"

"بھئی غصہ نہ کرو۔ آرام سے بتاؤ۔ کیا تابوت کا سفر ابھی تک جاری ہے؟"

"نہیں۔ ایک جگہ گاڑی رُک گئی تھی۔ چند لمحوں بعد میں نے اگلی سیٹ سے کسی کے کراہنے کی آواز سُنی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ اس خاموشی میں قدموں کی چاپ سُنائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد یہ تابوت سرکنے لگا۔ اُسے ایک گاڑی سے نکال کر دوسری گاڑی میں منتقل کیا گیا ہے۔ اب تم ہی معلوم کرو کہ یہ گاڑی والے مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔"

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ تم چیخ کر انھیں مخاطب کرو۔ جواب ملتے ہی میں اُن کی کھوپڑی پر طبلہ بجاؤں گا۔"

"جناب! میں یہ جتن کر چکی ہوں۔ کوئی جواب نہیں دیتا۔ شاید یہ لوگ بھی اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ میں ٹیلی پیتھی جانتی ہوں۔ اُن کی آواز سُنتے ہی اُن کے دماغوں تک پہنچ جاؤں گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تمھیں لے جانے والے گونگے ہوں۔"

"ہونے کو تو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم سے کیا ہو سکتا ہے؟"

"ٹھہرو، میں زورتیج سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ شاید کوئی بات بن جائے۔"

میں نے زورتیج کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ غصہ کی شدت سے نگورا پر ہاتھ پاؤں سے برس رہا تھا۔ نگورا چیخ رہی تھی اور کہہ رہی تھی: "میری باتوں کا یقین کرو۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ مادام کو گرین پیلس لے جائیں۔ وہ اب تک مادام کے ساتھ وہاں نہیں پہنچے۔ میں کیا بتاؤں کہ وہ لوگ راستے میں کہاں گم ہو گئے ہیں۔"

نگورا چپ ہوئی تو کسی کے رونے اور سسکنے کی آواز سنائی دی۔ سب نے آواز کی سمت دیکھا۔ مادام ویرا روتی ہوئی بڑبڑا رہی تھی۔ "میں نہیں جانتی کہ مادام سُونیا سے مجھے اتنی محبت کیوں ہو گئی ہے۔ خُدا کے لیے کوئی مجھے تسلی دو کہ وہ واپس آ جائیں گی۔۔۔"

اُن کے آنسو دیکھ کر سب ہی کے سر جھک گئے۔ وہ لوگ

کمزور اور بے بس نہیں تھے۔ حالات نے انھیں بے بس کر دیا تھا۔ اُن لوگوں کو سُونیا سے ایسی محبت اور عقیدت ہو گئی تھی کہ اُس کے لیے جان کی بازی لگا سکتے تھے لیکن انھیں اس جگہ کا علم نہیں تھا۔ جہاں پہنچ کر وہ اپنی مادام کے لیے کچھ کر گزرتے۔

مجھے مادام ویرا پر بڑا پیار آیا۔ جو میری سُونیا سے اتنی محبت کرے اُسے میں روتے کیسے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اُس کی سوچ میں کہا "ویرا! آنسو پونچھ لو۔ میں ابھی تک خیریت سے ہوں۔۔۔"

ویرا بوکھلا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی میں نے کہا "کیوں بوکھلا رہی ہو۔ میں تمھاری سُونیا ہوں۔"

"سُونیا۔ مادام سُونیا!" وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ خوشی سے چیخنے لگی "مادام! کیا واقعی آپ مجھے مخاطب کر رہی ہیں؟"

"ہاں۔ میں سُونیا ہوں۔ ہمارے ساتھیوں سے کہو کہ وہ پریشان نہ ہوں۔"

ویرا کی خوشی اور اضطراب اور اُس کی باتیں سُن کر سب اُسے گہری دلچسپی اور تجسس بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ویرا نے مارے خوشی کے زدریج کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا "ہماری مادام زندہ سلامت ہیں مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ مجھے مخاطب کر رہی ہیں۔"

زدریج نے اُسے نرمی سے تھپکتے ہوئے کہا "مادام ویرا! خود کو قابو میں رکھو۔ ہماری مادام سے پوچھو کہ وہ کہاں ہیں۔ ہم انھیں لینے جائیں گے۔"

تمام لوگ ویرا کے قریب کھنچ آئے تھے اور اس حسینہ کی کھوپڑی کو یوں تک رہے تھے۔ جیسے اُس کے دماغ کے اندر ہونے والی سُونیا کی گفتگو کو سننے کی کوشش کر رہے ہوں۔ اِس دوران میں نے جوزف وسکی کی خبر لی۔ نگورا کا زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ اس لیے اُس کی خبر نہ ملی۔

تب میں نے زدریج کو مخاطب کیا "ہیلو مسٹر زدریج! میں سُونیا بول رہی ہوں۔"

وہ بھی ذرا گڑبڑا گیا۔ کیونکہ اُس کا دماغ سُونیا کے زنانہ لہجے میں بول رہا تھا۔ میں نے کہا "مجھے فوراً بتاؤ۔ جوزف وسکی کی موت کیسے واقع ہوئی؟"

اُس نے جواب دیا "مادام! انتونی کی ایک بیوی جانے کہاں سے پیدا ہو گئی ہے۔ اُس کا نام نگورا ہے۔ آپ کے اغوا کی گستاخی کرنے والی یہی عورت ہے۔ یہ بھی انتونی کی طرح زہریلی ہے۔ اِس کے دانتوں کا زہر جوزف وسکی کے جسم میں سرایت کر گیا ہے۔ ایک ڈاکٹر اُس زہر کا توڑ کر رہا ہے۔ وہ مرا نہیں، ابھی زندہ ہے۔"

میں نے کہا "میرا علم غلط نہیں کہتا۔ وہ مر چکا ہے۔ جاؤ فوراً تصدیق کرو۔"

زدریج نے فوراً ہی ایک شخص کو جوزف وسکی کی خیریت دریافت کرنے کے لیے اس کمرے کی طرف بھیجا۔ جہاں وہ زیرِ علاج تھا۔ پھر وہ تمام لوگوں کو بتانے لگا "مادام نے ابھی تک نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ ابھی وہ جوزف وسکی کی موت کی پیش گوئی کر رہی ہیں۔"

میں نے کہا "سنو مسٹر زدریج! میں ایک تابوت میں بند ہوں اور یہ تابوت کسی موٹر گاڑی میں لے جایا جا رہا ہے۔ میرا اپنا خیال یہ ہے کہ پہلے نگورا کے آدمی مجھے کہیں لے جا رہے تھے۔ ایک جگہ اس گاڑی کو روک دیا گیا۔ میں نے ڈرائیور کے کراہنے کی آواز سنی۔ شاید اُسے ہلاک کر دیا گیا ہے۔ پھر کچھ لوگوں نے اس تابوت کو اُس گاڑی سے نکال کر اب اِس گاڑی میں رکھ دیا ہے۔ بڑی دیر سے یہ سفر جاری ہے۔ کیا اِس سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ لوگ شہر کی حدود سے نکل چکے ہیں۔"

"بس مادام! تمام باتیں سمجھ میں آگئیں۔ میں ابھی اپنے آدمیوں کو ہائی وے کی طرف روانہ کرتا ہوں۔ کیا مجھے اجازت ہے؟"

"ایک منٹ ٹھہرو۔ میں ابھی بتاتی ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے سُونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اُسے ویرا اور زدریج وغیرہ کے متعلق بتایا۔ پھر اُس سے دریافت کیا "اب تم بتاؤ۔ کیا گاڑی کی اگلی سیٹ سے اب بھی کسی کی آواز نہیں آ رہی ہے؟"

سُونیا نے کہا "میں سمجھتی ہوں کہ وہ محتاط ہیں یا پھر دھیمی آواز میں باتیں کر رہے ہیں۔ گاڑی کے شور میں اُن کی آواز گم ہو جاتی ہوگی۔ اچھا ذرا ٹھہرو۔ مجھے بُو مل رہی ہے۔ یہ چمڑے کی بُو ہے۔ زدریج سے دریافت کرو۔ کیا کسی راستے سے گزرتے وقت ایسی بُو پائی جاتی ہے۔"

میں نے سُونیا کے لہجے میں زدریج سے دریافت کیا۔ وہ خوش ہو کر بولا "برلیو مادام! ہمیں آپ کا پتہ مل گیا ہے ہم ابھی آپ کی طرف آ رہے ہیں۔"

یہ کہتے ہی اُس نے ٹرانسمیٹر آن کیا۔ پھر اپنے آدمیوں کو مخاطب کرنے لگا۔ وہ انھیں حکم دے رہا تھا کہ اپنی اپنی گاڑیاں پوری رفتار سے پرانے ہائی وے پر دوڑائیں۔ راستے میں جو بھی ٹرک یا اسٹیشن ویگن گزرتی ہوئی پائی جائے اُسے روک کر چیک کریں کسی نہ کسی گاڑی سے وہ تابوت ضرور برآمد ہوگا۔"

ٹرانسمیٹر سے احکامات جاری کرنے کے بعد جب اس نے نظریں اٹھائیں تو وہاں ریڈ پاور تنظیم کے صرف دو چار افراد نظر آ رہے تھے۔ اُس نے پریشان ہو کر پوچھا "سب لوگ کہاں چلے گئے؟"

مادام ویرا، مسٹر بنکاک اور دوسری مادام اور باس وغیرہ سب ہی

جا چکے تھے۔ وہ ہال تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ ایک شخص نے جواب دیا "وہ سب مادام سُونیا کے لیے پرانے ہائی وے کی طرف چلے گئے ہیں۔"

زدریج کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پہلے ہر مادام اور باس اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھتے تھے اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھتے تھے۔ یہ۔۔۔ پہلا موقع تھا کہ سب نے متفقہ طور پر مادام سُونیا کی برتری تسلیم کی تھی۔ یہ بات تنظیم کے مفاد میں بہتر تھی۔ مادام اور باس کو یہ مکمل یقین ہو گیا کہ اُن کی ریڈ پاور تنظیم ناقابلِ شکست ہو گئی ہے لیکن اپنی اپنی سوچ اور اپنے اپنے نظریات ہوتے ہیں۔ زدریج کے دماغ میں یہ بات آئی کہ تقریباً بیس گھنٹوں میں سُونیا اتنی برتری حاصل کر چکی ہے کہ آئندہ چند دنوں میں وہ ماسک مین سے بھی برتر ہو جائے گی۔

یہ خیال دماغ میں آتے ہی زدریج نے حکم دیا کہ نگورا کو اُس ہال میں لے چلیں جہاں کمپیوٹر مشین ہے۔ یہ حکم صادر کرنے کے دوران ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ وہ کہتا آ رہا تھا "مسٹر زدریج! بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر سنا رہا ہوں کہ جوزف وسکی اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے ہیں۔"

زدریج کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ جوزف وسکی کی موت نے اسے صدمہ نہیں پہنچایا تھا۔ بلکہ سُونیا کی پیش گوئی نے اُسے متاثر کیا تھا۔ ویسے تو وہ سب ہی سُونیا سے متاثر تھے لیکن زدریج کے دماغ میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ ماسک مین کے بلاوے پر آنے والے تمام باس اور مادام بغیر ماسک مین کی اجازت حاصل کیے سُونیا کی طرف کھنچے چلے گئے تھے۔

وہ سوچتے سوچتے چونک پڑا۔ اس کے دل میں یہ دہشت پیدا ہوئی کہ سُونیا اُس کے خیالات پڑھ رہی ہوگی۔ اُس نے بات بدلتے ہوئے کہا "ہیلو مادام! آپ میرے متعلق غلط رائے قائم نہ کریں۔ میں آپ کی مخالفت میں نہیں سوچ رہا ہوں۔ میں تو آپ کا ادنیٰ خادم ہوں۔ میں دونوں طرف اپنے فرائض ادا کرتا ہوں۔ یعنی ایک طرف ماسک مین کا وفادار ہوں۔ دوسری طرف آپ کا خادم بھی ہوں۔"

میں نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس نے کئی بار پکارا۔ "ہیلو مادام۔۔۔ مادام سُونیا! پلیز مجھے جواب دیں۔ میں آپ کا خادم آپ کے جواب کا انتظار کر رہا ہوں۔"

میں پھر بھی خاموش رہا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ مادام سُونیا تابوت سے آزاد ہونے کی فکر میں ہے اس لیے دماغی رابطہ منقطع کر لیا ہے۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا اُس ہال سے نکل کر عمارت کے مختلف حصوں سے گزرتا ہوا کمپیوٹر کے سامنے پہنچا۔ اُس کے آدمی نگورا کو قیدی بنا کر وہاں لے آئے تھے۔ پھر جوزف وسکی کی جگہ۔۔۔

کمپیوٹر مشین کو آپریٹ کرنے لگا۔

شاید کمپیوٹر کے پسِ پردہ ماسک مین موجود نہیں تھا۔ کوئی بھی شخص چوبیس گھنٹے کسی مشین کے ساتھ مغز ماری کے لیے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔ دس منٹ کے بعد ماسک مین سے رابطہ قائم ہوا۔ زدریج نے اُسے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ جوزف وسکی کی افسوس ناک موت کا واقعہ بیان کیا۔ سُونیا سے دوبارہ رابطہ قائم ہونے کی خوشخبری سنائی۔ پھر جواب کا انتظار کرنے لگا۔

کمپیوٹر کے کُھلے ہوئے منہ سے کاغذ کی ربن نکلتی جا رہی تھی۔ ماسک مین کا جواب نشر ہو رہا تھا "زدریج! ابھی تھوڑی دیر پہلے میں بہت خوش تھا۔ مادام سُونیا کے ذریعہ سپر ماسٹر کو نیچا دکھانے کا بہترین موقعہ میرے ہاتھ آیا تھا مگر اس حرامزادی نگورا نے میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا کر دیں۔ سب سے پہلے اُسے جہنم میں پہنچا دو۔"

زدریج نے حکم کی تعمیل کی۔ فوراً ہی ریوالور نکال کر نگورا کو جہنم میں پہنچا دیا۔ پھر اُس نے کمپیوٹر کو آن کرنے کے بعد کہا "جنابِ عالی۔۔۔! میں نے آپ کے حکم کے مطابق نگورا کو ختم کر دیا ہے۔ میں اپنے بیان کے آخر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہماری تنظیم کے مادام اور باس مادام سُونیا کے جیسے محکوم یا بچاری بن گئے ہیں۔ وہ یہاں آپ کے بلاوے پر آئے تھے۔ آپ کی اجازت حاصل کیے بغیر وہ لوگ مادام سُونیا کو واپس لانے کے لیے پرانے ہائی وے کی طرف چلے گئے ہیں۔ کیا یہ بات تشویش ناک نہیں ہے کہ سُونیا خود کو آپ سے برتر ثابت کر رہی ہے۔ ہمارے اہم افراد کے دل و دماغ پر چھا رہی ہے۔"

تھوڑی دیر بعد کمپیوٹر سے جواب موصول ہوا "زدریج! تم مادام سُونیا کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔ فوراً مادام سے رابطہ قائم کر کے اُن سے معافی مانگو۔ یہ میں تمھاری اطلاع کے لیے کہہ رہا ہوں کہ مادام سُونیا بلاشبہ مجھ سے بھی برتر ہیں۔"

زدریج نے کہا "جنابِ عالی! مادام سُونیا سے رابطہ قائم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تابوت سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ انھوں نے اپنی خیریت کی اطلاع دینے اور راستے کی نشان دہی کرنے کے بعد رابطہ ختم کر دیا ہے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ وہ میری سوچ نہیں پڑھ رہی ہیں۔"

ماسک مین نے حکم دیا "آئرن کیپ پہن کر سوچ کے ذریعہ گفتگو کرو۔"

آئرن کیپ پہننے اور مشین کو آپریٹ کرنے میں دس منٹ صرف ہوئے۔ زدریج سوچ کے ذریعہ سُونیا کے متعلق شبہات ظاہر کرنے لگا۔ میں بالکل خاموش تھا۔ اگر زدریج کے دماغ میں ذرا بھی [illegible] تو کمپیوٹر کے اسکرین پر اُن کی لہریں نقش ہو جاتیں۔

زوریچ کے جواب میں ماسک مین نے کہا "یہ مشین بہت حساس ہے۔ سوچ کی ہلکی سی لہر کو بھی اسکرین کے گراف پر نقش کر لیتی ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سونیا تمہارے دماغ میں موجود نہیں ہے لیکن آئندہ تم ایسی حماقت نہ کرنا یعنی سونیا کو غافل سمجھ کر اُس کے خلاف کوئی بات نہ کہنا۔ ورنہ یہ بہترین مہرہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"لیکن جناب! وہ جو برتری حاصل کر رہی ہے تو کیا یہ ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہے؟"

جواب ملا "نہیں۔ شطرنج کا ایک معمولی مہرہ آگے بڑھ کر دشمن کے شہ کو مات دیتا ہے تو یہ ہمارے فائدے کی بات ہے۔ ورنہ تم یہ دیکھ چکے ہو کہ سونیا بھی اس لحاظ سے ایک معمولی عورت ہے کہ نگورا جیسی عورت کے ساتھی اُسے غفلت میں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ جب سونیا ہمارے لیے مصیبت بنے گی تو کسی نہ کسی دن غفلت میں ہمارے ہاتھوں ماری جائے گی۔"

اُس وقت میں چاروں طرف سے مصروف تھا۔ ایک طرف مے لون میرے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ دوسری طرف سونیا کی فکر تھی کہ نہ جانے آئندہ وہ کن حالات سے گزرے گی۔ موٹر بوٹ کے سفر کے دوران میں نے مے لون کو خاموش رہنے کی تاکید کی تھی۔ اب میرا فرض تھا کہ میں سونیا کے ذہن سے چپکا رہتا لیکن خدا کا شکر ہے کہ سونیا جیسی دلیر ساتھی مجھے زیادہ فکر میں مبتلا نہیں کرتی ہے اسی لیے میں ایسے سنگین حالات میں سونیا کو چھوڑ کر باقی دوستوں کے دماغوں کو کریدتا رہتا ہوں۔

اگر میں ایسا نہ کرتا تو ماسک مین کے سوچنے کا انداز مجھ پر واضح نہ ہوتا۔ مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ سونیا کی تمام صلاحیتوں کے باوجود اور اُسے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھنے کے باوجود ماسک مین اُسے ایک معمولی مہرہ سمجھتا ہے اور کسی وقت بھی اُس مہرے کو اپنی بساط کے باہر پھینک سکتا ہے۔ اُسے میٹھی چھری سے قتل کر سکتا ہے۔

میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اُس کی سوچ سے پتہ چلا کہ گاڑی کسی جگہ رک گئی ہے اور کچھ لوگ اُس تابوت کو اٹھا رہے ہیں۔ میں نے کہا "آرام سے لیٹی رہو۔ وہ تابوت کو اگر کسی قبرستان میں لے کر آئے ہیں تو تم شور مچانا اور اگر کسی ویرانے میں لے کر آئے ہیں تو پہلے وہ قبر کھودیں گے۔ اتنی دیر میں ریڈ پاور کے آدمی وہاں پہنچ جائیں گے۔ میں تمہاری طرف سے ویرا کو مخاطب کر رہا ہوں۔"

میں نے ویرا کے دماغ میں اُسے پکارا "ہیلو ویرا! میں سونیا بول رہی ہوں۔ تمہارے دماغ سے کسی تیز رفتار گاڑی کی آواز سن رہی ہوں جس میں تم بیٹھ کر میری طرف آ رہی ہو۔"

ویرا خوش ہو کر بولی "مادام! اپنے دماغ میں آپ کی باتیں سن کر یوں لگتا ہے جیسے آپ مجھ میں سما گئی ہیں۔ اب میں ویرا نہ رہی۔ مادام سونیا بن گئی ہوں۔"

میں نے کہا "یہ تمہاری بے پناہ عقیدت ہے۔ اب اصل بات سنو۔ جس گاڑی میں میرا سفر جاری تھا۔ وہ ایک جگہ رک گئی ہے۔ رکنے سے تقریباً پندرہ منٹ پہلے وہ گاڑی دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ لہٰذا اپنے دائیں طرف دیکھتے چلو۔ شاید میں پھر تم سے رابطہ قائم کروں۔"

یہ کہہ کر میں پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے کہا "فرہاد! میں نے ایک بات محسوس کی ہے۔ میرا تابوت اٹھانے والے پختہ فرش پر چل رہے تھے۔ پھر میں نے محسوس کیا کہ تابوت بردار ایک جگہ رک کر اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اُس کے بعد تابوت سرہانے کی طرف ذرا نیچے جھک گیا اور ٹانگوں کی طرف اوپر اٹھ گیا۔ پھر مجھے ایسے ہلکے ہلکے جھٹکے لگنے لگے جیسے وہ سنبھل کر ایک ایک زینہ نیچے اتر رہے ہوں۔"

"پھر ایک نئی الجھن۔" میں نے پریشان ہو کر کہا "وہ لوگ تمہیں کسی تہہ خانہ میں لے جا رہے ہیں۔ یہ تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ نہ اُن کی آواز مل رہی ہے۔ نہ چہرے نظر آ رہے ہیں۔ اگر یہ لوگ تمہیں تہہ خانے میں بند کر کے کہیں چلے گئے تو....."

سونیا نے بات کاٹ کر کہا "فرہاد! ہوشیار۔ یہ تابوت کو فرش پر رکھنے کے بعد اسے کھول رہے ہیں۔"

"تم اطمینان رکھو۔ میں تمہارے پاس موجود ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے آنکھیں کھول کر مے لون کو دیکھا۔ میں ایک بار پھر اُسے تاکید کرنا چاہتا تھا کہ وہ میری خاموشی میں مخل نہ کرے لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ وہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی میرے کاندھے پر سر رکھے سو رہی تھی۔

موٹر بوٹ تیز رفتاری سے سمندر کی سطح کو چیرتی ہوئی جانے کہاں جا رہی تھی۔ اگر ہانگ کانگ کے ساحل پر پہنچنا ہوتا تو اتنی دیر نہ ہوتی۔ چونکہ ہمارے پاس پاسپورٹ نہیں تھا۔ اس لیے ڈرائیور ہمیں بلیک پورٹ کی طرف لے جا رہا تھا۔

بہرحال میں چند سیکنڈ میں ہی سونیا کے پاس لوٹ آیا۔ تابوت کا اوپری حصہ کھل چکا تھا۔ سونیا کو چار مسلح افراد نظر آ رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی "فرہاد کہاں چلا گیا۔ ابھی وعدہ کیا تھا کہ موجود رہوں گا مگر یہ صاحب ذرا سی چھوٹ ملتے ہی دوسری طرف چلے جاتے ہیں۔ میں خوب سمجھتی ہوں۔ وہاں کسی خوب صورت چھوکری کو پھانس رکھا ہے۔ تھوڑی دیر مجھے تسلی دی جاتی ہے۔ پھر تھوڑی دیر اُس چھوکری کو دلاسے دے کر یہ حضرت واپس آتے ہیں۔"

وہ درست سوچ رہی تھی۔ میں ایسی ہی سچویشن سے گزر رہا تھا۔ کبھی مے لون اور کبھی سونیا...... میں نے سونیا سے کہا "تم اپنی پوزیشن پر نظر رکھو۔ میرے متعلق بعد میں سوچ لینا۔ چلو انھیں مخاطب کرو۔"

وہ تابوت سے اٹھ کر بیٹھتی ہوئی بولی "کون ہو تم لوگ؟ مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

وہ کھڑی ہو گئی۔ پھر تابوت سے باہر آنے لگی۔ اُس وقت وہ چار ریوالوروں کی زد میں تھی۔ ایک فائٹر کی حیثیت سے اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ چاروں محتاط انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے زینے کی طرف جا رہے تھے۔

سونیا نے کہا "اس تہہ خانے کو بند کرنے سے پہلے پلیز مجھے یہ تو بتا دو کہ یہاں مجھ سے چاہتے کیا ہو؟"

انھوں نے جواب نہیں دیا۔ وہ زینے پر پہنچ گئے تھے۔ زینہ اتنا تنگ تھا کہ بیک وقت دو آدمی اُس پر سے گزر سکتے تھے۔ سونیا نے کوئی چارہ نہ دیکھ کر ڈرامہ بازی شروع کی۔ تابوت کا ڈھکن زینے کے قریب رکھا ہوا تھا۔ اُس پر وہ اپنا سر پٹخ کر کہنے لگی "میں زندہ نہیں رہوں گی۔ میں مر جاؤں گی۔"

زینے پر چڑھنے والے پچھلے دو آدمی رک گئے۔ اُسی وقت سونیا نے بڑی پھرتی سے تابوت کے ڈھکن کو پوری قوت سے اٹھا کر اُن پر اچھال دیا۔ وہ دونوں اُس کی زد میں آ کر گرے۔ ریوالور اُن کے ہاتھوں سے چھوٹ کر فرش پر آ گئے۔ جب تک وہ سنبھل کر اٹھتے اس وقت تک سونیا اُن کے ریوالوروں پر قابض ہو چکی تھی۔

لیکن ایک بات حیرت انگیز تھی۔ باقی دو مسلح افراد نے سونیا پر فائرنگ نہیں کی۔ وہ آرام سے زینے پر بیٹھ کر تماشہ دیکھنے لگے۔ سونیا نے دونوں ریوالوروں کا رُخ اُن کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "ایک ساتھ فائرنگ ہو گی۔ تم مجھے مارو، میں تمہیں ماروں گی۔"

انھوں نے اپنے اپنے ریوالور کی نال جھکا لی۔ یہ گونگا جواب تھا کہ وہ سونیا پر فائر کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ سونیا نے کہا "تو پھر مجھے جانے کا راستہ دو۔"

وہ انکار میں سر ہلانے لگے۔ میں نے کہا "سونیا! وہ اتنے احمق نہیں ہو سکتے کہ تمہارے ہاتھوں میں ریوالور ہوں اور وہ اپنی جان دینے کے لیے تمہارے نشانے پر بیٹھے رہیں۔ ذرا ریوالوروں کو چیک کرو۔"

وہ چیک کرنے لگی۔ ریوالوروں کے چیمبر خالی تھے۔ وہ چاروں مسکرانے لگے۔ اُن میں سے دو آدمیوں نے اپنے ریوالور اُس کی طرف اچھال دیے۔ سونیا نے غصے سے ایک ریوالور کھینچ کر مارا۔ ایک نے اُسے بڑی مہارت سے کیچ کر لیا۔ عجیب مسخرے تھے۔ غصہ دلانے والی حرکتیں کر رہے تھے۔ سونیا ایسے حالات میں اپنے دماغ کو ٹھنڈا رکھتی تھی۔ اس وقت بظاہر غصہ دکھاتی ہوئی انھیں تہہ خانہ میں روکے رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کہا "مجھے پیاس لگ رہی ہے۔"

ایک شخص پانی لانے کے لیے کولر کی طرف جانے لگا۔ سونیا نے اُن سے پھر پوچھا "کیا تم لوگ ماسٹروں کی تنظیم سے تعلق رکھتے ہو؟"

وہ لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ سونیا مجھ سے بولی۔

"فرہاد! میں یہی سمجھتی ہوں کہ سپر ماسٹر کے حکم پر مجھے یہاں لایا گیا ہے۔"

"ہاں حالات یہی بتا رہے ہیں۔ ٹیلی پیتھی سے خائف ہو کر وہ گونگے بن گئے ہیں۔ سپر ماسٹر کے ماتحت اب تمہارے سامنے زبان نہیں کھولیں گے۔"

"اچھا، میں ابھی انھیں بولنے پر مجبور کرتی ہوں۔"

میں سونیا کی سوچ پڑھ کر سمجھ گیا تھا کہ اُس نے پانی کیوں منگوایا ہے۔ وہ اپنے سر کی طرف ہاتھ لے جا کر ایک ہیئر کلپ نکال چکی تھی۔ جیسے ہی وہ شخص گلاس میں پانی لے کر قریب آیا۔ سونیا نے بڑی بیدردی سے اُس کی پسلیوں کے درمیان وہ پن چبھو دی۔ اچانک تکلیف پہنچے تو لوگ اپنے اپنے مزاج کے مطابق کچھ اس طرح چلاتے ہیں "ارے باپ رے۔ ماں ری ماں۔ او مائی گاڈ۔ وغیرہ وغیرہ۔"

وہ پانی لانے والا بھی چیخنے لگا "اڑاڑبڑم۔ غڑم۔ گڑ۔ بڑبڑبڑ۔"

سونیا نے مجھ سے پوچھا "فرہاد! کچھ سمجھ میں آیا؟"

میں نے کہا "آج پہلی بار تمہارے میکے والوں کی بولی سنی ہے۔ میرے سالے کو چپ کراؤ۔ ورنہ میں خیال خوانی بھول جاؤں گا۔"

اتنے میں وہ خود ہی چپ ہو گیا۔ دوسرے نے آگے بڑھ کر سونیا سے اشارے میں التجا کی کہ وہ ہیئر کلپ اپنے بالوں میں لگا لے۔ وہ لوگ نہیں بول سکیں گے۔ سونیا نے پوچھا "کیوں نہیں بول سکو گے؟"

اُس نے اور قریب آ کر اپنا منہ کھول دیا۔ تب سونیا نے دیکھا۔ اُس کی آدھی زبان کٹی ہوئی تھی۔ اُس کے بعد باقی تینوں نے بھی اپنے اپنے منہ کھول دیے۔ وہ ایک ایک کے قریب جا کر دیکھنے لگی۔ سب کی زبانیں کٹی ہوئی تھیں۔ نہ جانے کس نے اُن پر مظالم ڈھائے تھے۔ اُن سے اُن کی زبانیں چھین لی تھیں۔ اب وہ اپنی ماں کو ماں اور بہن کو بہن کہہ کر نہیں پکار سکتے تھے۔

سونیا کا دل بھر آیا۔ وہ اُس کے پاس گئی جسے پن چبھویا تھا۔ پھر بڑی محبت سے اُس کی پسلیوں کو سہلانے لگی۔ اچانک ہی اُس بے زبان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ شاید بڑی مدت کے بعد ماں، بہن، بیٹی یا محبوبہ کا پیار بھرا لمس ملا تھا۔

دوسرے بے زبان نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر سونیا کے ہاتھ

کو تھام لیا۔ پھر اُسے چُوم کر اپنے چہرے سے لگا لیا۔ وہ دونوں جو زینے پر [illegible] کے بیٹھے تھے۔ وہ بھی دوڑتے ہوئے سُونیا کے قریب آ گئے اور اُسے پیار کی محتاجی سے دیکھنے لگے۔

دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کی سچویشن بدل گئی۔ وہاں اب انجانے دشمنوں کا خوف نہیں تھا۔ ایسے اجنبیوں کا پیار تھا۔ جو اپنے بن رہے تھے۔ سُونیا باری باری اُن کے پاس جا رہی تھی۔ ایک ایک کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر اُن کی پیشانیوں کو چُوم رہی تھی۔ ایک بے زبان سُونیا کا ہاتھ تھام کر ایک میز کے پاس لے گیا۔ وہ تینوں بھی ساتھ آئے۔ انھوں نے سُونیا کو ایک کرسی پر بٹھایا۔ پھر ایک گونگا ایک کاغذ پر کچھ لکھنے لگا۔

سُونیا میز پر جھک کر پڑھنے لگی۔ وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں لکھ رہا تھا۔ "سسٹر سُونیا! ہم انگریزی نہیں جانتے۔ اگر تم رشیا کی زبان جانتی ہو تو بتاؤ۔ ہم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

سُونیا نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "میں یہاں کی زبان نہیں جانتی۔ کیا تمھارے ساتھ کوئی زبان والا نہیں ہے؟"

اُس نے لکھا۔ "ہمارا ایک لیڈر ہے۔ وہ رات کے وقت آئے گا۔ پلیز تم یہاں اُس کا انتظار کرو۔"

سونیا نے کہا۔ "میں یہاں تہہ خانہ میں رہنا نہیں چاہتی۔ باہر چلو۔"

وہ پھر سوچ سوچ کر لکھنے لگا۔ "باہر خطرہ ہے۔ ریڈ پاور کے کُتے جب تلاشی کر کے چلے جائیں گے تو پھر ہم تمھارے حکم پر سر جھکائیں گے۔ یقین کرو۔ تم یہاں قید نہیں کی گئی ہو۔"

سُونیا نے پوچھا۔ "کیا تمھارا تعلق ماسٹروں کی تنظیم سے ہے؟"

اُس نے پھر تحریر کے ذریعہ یقین دلایا کہ ماسٹروں کی تنظیم سے اُن کا تعلق نہیں ہے۔ میں نے سُونیا کو مخاطب کیا۔ "سونیا! فی الحال تم خطرات سے دُور ہو اور یہ لوگ قابلِ اعتماد ہیں۔ رات ہونے تک تمھیں اُس تہہ خانہ میں آرام کرنا چاہیئے۔"

وہ بولی۔ "یہ لوگ ریڈ پاور کو کتوں کی تنظیم کہہ رہے ہیں۔ سپر ماسٹر سے اِن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر یہ لوگ ہیں کون؟"

"میرا خیال ہے کوئی نیا گیم شروع ہونے والا ہے۔ اُن بے زبانوں کے زبان والے لیڈر کا انتظار کرو۔"

"فرہاد! ریڈ پاور کے لوگ سوچ میں پڑ جائیں گے کہ میں اُن سے دماغی رابطہ کیوں نہیں قائم کر رہی ہوں۔"

"انھیں بعد میں سمجھا دیا جائے گا کہ دشمنوں نے تمھیں دوبارہ بے ہوش کر دیا تھا۔ اِس لیے تم اِن سے رابطہ قائم نہ کر سکیں۔ بس اب تم اپنے گونگے بھائیوں سے دل بہلاؤ۔ میں جا رہا ہوں۔"

"جاؤ۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ مجھ سے پیچھا کیوں چھڑا [illegible]

"کیا تم چاہتی ہو کہ میں اپنے آس پاس کے ماحول سے بے نیاز ہو کر دن رات تم سے باتیں کرتا رہوں۔"

"میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے میرے ہر [illegible] جو مرد آیا ہے، وہ کبھی میری بات پر نہیں چلے گا۔ تم سے دل لگا کر رہی ہوں۔ ایسی بھی کیا دوستی کہ ایک ندی کے دو کنارے بن کر رہ گئے ہیں۔ بولو کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ وہ پکارنے لگی۔ "فرہاد! ارے [illegible] تم چلے گئے؟ بے مروّت کیا پیار سے رخصت نہیں ہو سکتے؟"

میں چُپ چاپ مسکراتا رہا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ میں جا چکا ہوں تو وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

★

مشرقی اُفق کے رُخسار پر صبح کی ہلکی سی لالی آ گئی تھی۔ ڈرائیور اب موٹر بوٹ کو سُست رفتاری سے چلا رہا تھا کیونکہ ساحل قریب آ گیا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "تم ہمیں کہاں لے آئے ہو؟"

اُس نے جواب دیا۔ "یہ ہانگ کانگ کا مشہور جزیرہ کولون ہے۔"

ہماری گفتگو کی آواز پر مے لون بیدار ہو گئی۔ اُس نے پوچھا۔ "کیا ہم ساحل پر پہنچ گئے ہیں؟"

"ہاں۔" ڈرائیور نے کہا۔ "تم دونوں اِسی موٹر بوٹ میں رہنا۔ میں یہاں ایک آفیسر کو رشوت دے کر آؤں گا۔ تب ہی تم لوگوں کو جزیرے میں اُترنے کی اجازت ملے گی۔"

موٹر بوٹ ایک فیری سے لگ کر ٹھہر گئی۔ سامنے ایک بورڈ پر جلی حرفوں میں "یومائی فیری" لکھا ہوا تھا۔ فیری پر سے کسی نے چینی زبان میں کچھ پوچھا۔ ڈرائیور نے اُسے جواب دیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے فیری پر چڑھنے کی اجازت مل گئی۔ اُس کے جانے کے بعد میں نے مے لون سے پوچھا۔ "یہاں سے تمھاری کشتی کتنی دُور ہے؟"

"ہانگ کانگ کے ساحل پر۔ یہاں سے مشرق کی طرف جانا ہو گا۔" وہ میرا ہاتھ تھام کر بولی۔ "فرید! کیا تم میرے گھر والوں کے پاس مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"نہیں۔ میں وہاں تمھیں چھوڑوں گا تو سارا [illegible] ہوئی تمھارے بابا کی کشتی تک پہنچ جائے گی۔ میں نہیں چاہتا [illegible] تم اُن لوگوں سے ملو۔"

"میں تمھارے سوا کسی کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ مجھے کہیں دُور لے چلو۔"

جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اُس وقت میں فرہاد کے [illegible] میں تھا۔ ہانگ کانگ پہنچنے سے پہلے اپنے چہرے [illegible]

تبدیل کرنا چاہتا تھا لیکن جہاز میں سمندری عقاب کی مخالفت نے مجھے میک اپ کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ اب پہلی فرصت میں زمانے کے اِس جانے پہچانے چہرے کو چھپانا ضروری تھا۔

میں نے کہا۔ "ابھی کہیں دُور بھاگنے کا موقعہ نہیں ہے۔ سارا اور جہاز کے دُوسرے لوگوں سے چھپنے کے لیے ہمیں بھیس بدلنا ہو گا۔"

اُس نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیسے؟ کیا تم میک اپ کرنا جانتے ہو؟"

"ہاں میں اپنا اور تمھارا چہرہ بدل سکتا ہوں۔"

وہ خوش ہو کر میرے سینے سے لگ گئی۔ "ہائے فرید! پھر تو ہم ایڈونچر والی زندگی گزاریں گے۔ دوست اور دشمن ہمیں پہچان نہیں سکیں گے۔ میں آئینہ میں خود کو دیکھوں گی تو مے لون نظر نہیں آئے گی۔ کیسا عجیب سا لگے گا۔"

"ایسا تب ہی ہو گا۔ جب ہمیں کہیں چھپ کر میک اپ کرنے کا موقعہ ملے گا۔"

"ہاں۔ ہم کہاں چھپ سکتے ہیں؟" وہ سوچنے لگی پھر اُس نے پوچھا۔ "کیا بابا کی کشتی میں یہ کام نہیں ہو سکتا؟"

"ہو سکتا ہے۔ تمھارے باپ اور بھائی بہن کو بھی اعتماد میں لیا جا سکتا ہے لیکن وہاں چند ہی گھنٹوں میں سارا پہنچ جائے گی۔ تم یہاں کے چپے چپے سے واقف ہو۔ یہاں کے لوگوں کو جانتی ہو۔ اگر کوئی تمھاری راز دار سہیلی ہو تو اُس کے ہاں یہ کام بن جائے گا۔"

وہ سوچنے لگی۔ "سہیلیاں تو بہت ہیں مگر میں کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی۔ مجھے تو سارا سے بھی ڈر لگتا تھا کہ کہیں وہ میرے فرید کو مجھ سے نہ چھین لے۔ اِسی لیے تو میں سارا سے دُور آ گئی ہوں۔ اب میں فرید کو کسی عورت کے قریب نہیں لے جاؤں گی۔"

مے لون جیسی بھولی بھالی لڑکی اب ایک تجربہ کار عورت کی طرح سوچ رہی تھی۔ یہ بات سمجھ میں آ گئی کہ یہ مجھے اپنی کسی سہیلی کے ہاں نہیں لے جائے گی اور مجھے کسی کے ہاں جانے کا شوق بھی نہیں تھا۔ اُس کے سوچنے کے دوران ڈرائیور واپس آ گیا۔ اُس نے کہا۔ "کام ہو گیا۔ اب آ جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "ہمیں یہاں کی کرنسی چاہیئے۔"

"سیٹ کے نیچے دس ہزار پونڈ ہیں جتنی رقم چاہو لے لو۔ ایکسپر نے کہا تھا کہ مے لون کو کسی بات کی پریشانی نہ ہو۔ وہ جہاز اور یہ موٹر بوٹ سب مے لون کے لیے وقف ہے۔"

میں نے سیٹ کو اُٹھایا۔ اُس کے نیچے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ جتنی گڈیاں میری جیبوں میں آ سکتی تھیں میں نے ٹھونس لیں۔ پھر مے لون کے ساتھ فیری میں آ گیا۔ ڈرائیور نے ایک آفیسر سے ہمارا تعارف کرایا۔ آفیسر نے مے لون سے اُس کی زبان میں کچھ باتیں کیں۔ پھر ہم اُس کے ساتھ برتھ پر آئے۔ اُس نے ہمیں پورٹ کے احاطے سے باہر لے جا کر چھوڑ دیا۔

میں نے مے لون سے پوچھا۔ "یہ آفیسر کیا کہہ رہا تھا؟"

"ہم ایکسپر سے یہ کہہ کر آئے ہیں کہ تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ ڈرائیور نے آفیسر کو یہی بات بتائی۔ آفیسر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ ہم دو گھنٹے میں واپس آ جائیں۔ میں نے تین گھنٹے کی اجازت مانگ لی ہے۔ وہ ڈرائیور فیری میں ہماری واپسی کا انتظار کرتا رہے گا۔"

"بڑی مشکل ہے۔ تین گھنٹے میں میک اپ کا سامان حاصل کرنا اور پھر میک اپ کرنا ناممکن ہے۔ کہیں چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی تو ہم پکڑے جائیں گے۔ اب میں تم سے چھپانا نہیں چاہتا۔ دراصل سارا مجھ سے شادی کرنے کی ضد کر رہی ہے۔"

وہ چونک گئی کیونکہ میں نے اُس کی دُکھتی رگ پر انگلی رکھی تھی۔ اُس نے کہا۔ "تم نہ کہتے۔ تب بھی میں سارا کی نظروں کو سمجھ چکی تھی۔ میں کسی قیمت پر اُسے تمھارے پاس پہنچنے نہیں دوں گی۔"

اب وہ مجبور ہو کر اپنی ایک ایک سہیلی کے متعلق سوچنے لگی کہ مجھے کس سہیلی کے گھر میں چھپا سکتی ہے۔ میں نے یونہی پلٹ کر برتھ کی جانب دیکھا۔ موٹر بوٹ کا ڈرائیور ایک کیب (ٹیکسی) ڈرائیور سے باتیں کر رہا تھا۔

میں نے فوراً ہی اُس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔ وہ کیب ڈرائیور کو پچاس پونڈ دے کر کہہ رہا تھا۔ "وہ جہاں بھی کیب سے اُتریں۔ تم آفیسر کے فون نمبر پر مجھے وہ جگہ بتا دینا۔ جلدی جاؤ۔"

وہ کیب ڈرائیو کرتے ہوئے ہماری طرف آنے لگا۔ میں نے مے لون سے کہا۔ "کسی بھی کیب ڈرائیور کو ایسے ہوٹل کا پتہ بتاؤ۔ جہاں دو دروازے ہوں۔ ہم اگلے دروازے سے ہوٹل میں داخل ہوں گے اور پچھلے دروازے سے باہر چلے جائیں گے۔"

"فرید! تم اتنے محتاط کیوں ہو؟"

اتنے میں کیب ہمارے سامنے آ کر رُک گئی۔ میں نے آہستگی سے کہا۔ "جو کہتا ہوں وہ کرو۔ کیب میں بیٹھ کر صرف عشق و محبت کی باتیں کرنا..."

میں نے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ وہاں بیٹھنے کے بعد مے لون نے اپنی زبان میں ڈرائیور سے کچھ کہا۔ پھر مجھ سے بولی۔ "ہم شاتھم روڈ پر چیک امریکن بار میں جا رہے ہیں۔ یہاں تمھیں اپنی پسند کی شراب مل جائے گی۔"

کیب تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ میں نے ایک عیاش شرابی کا رول ادا کیا۔ مے لون کو کھینچ کر بولا۔ "تمھاری

قربت میں شراب پانی ہو جاتی ہے۔ ہمارے دیس میں جگہ جگہ چائنیز ریسٹورنٹ ہیں۔ لوگ چائنیز ڈشیں بہت پسند کرتے ہیں۔"

کیب کے باہر رات کی تاریکی چھٹ رہی تھی۔ ہانگ کانگ جاگ رہا تھا۔ سمندر سے چلنے والی نمکین ہوائیں ہمارے پیار کو نمکین بنا رہی تھیں۔

میں نے کہا۔ "مے لون! تم اپنے نام کی طرح حسین ہو۔ اگر میں تمہارے چین میں پیدا ہوتا تو بچپن سے تمہاری پوجا کرتا۔"

اُس کے شگفتہ چہرے پر پاگل جذبوں اور مسرتوں کا ہجوم تھا۔ ویسے تو ہم کیب ڈرائیور کی موجودگی میں رومانی ڈرامے پلے کر رہے تھے لیکن رومانس کی رنگینی آپ ہی آپ سنگینی میں بدلتی جا رہی تھی۔ میں نے اُس کے کان میں آہستگی سے کہا۔ "یہ کیب ہے۔ گھر نہیں ہے۔"

ایسی صورت میں وہ کوئی نہ کوئی گھر ضرور تلاش کرتی۔ لہٰذا پھر سنجیدگی سے سوچنے لگی کہ ہمیں چھپنے کی جگہ کہاں مل سکتی ہے۔ اُس کے دماغ میں بہت سی سہیلیاں اور رشتے دار گڈمڈ ہو رہے تھے۔

میں نے اُس کی سوچ میں کہا۔ "ہانگ کانگ میں بے شمار عیاشی کے اڈے ہیں۔ ایسی ہی کسی جگہ ایک کمرہ حاصل ہو سکتا ہے۔"

اُس کی سوچ نے کہا۔ "نہیں۔ میں فرید کو ایسی جگہ نہیں لے جاؤں گی۔ جب ایک کمرہ ہی حاصل کرنا ہے تو یہاں کسی ہوٹل میں بھی کمرہ مل سکتا ہے۔ کولون کے ہوٹلوں کی یہ خاص بات ہے کہ یہاں رومانی جوڑوں کے راز کو راز رکھا جاتا ہے۔"

کیب چیک امریکن بار کے سامنے آ کر رک گئی۔ میں نے ڈرائیور کو دو پونڈ ادا کیے۔ پھر مے لون کے ساتھ بار کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ صبح کے وقت وہاں برائے نام گاہک تھے یعنی ایسے عادی پینے والے تھے، جو شراب سے کلی کرتے اور منہ دھوتے ہیں اور پہلے پیگ سے نئے دن کا آغاز کرتے ہیں۔

کاؤنٹر کیپر نے ہمیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مے لون نے کہا۔ "پہلے ہم ٹائلٹ جائیں گے۔ پھر آرڈر پلیس کریں گے۔"

میں اُس کے ساتھ ٹائلٹ کی طرف گیا۔ وہاں پچھلا دروازہ تھا۔ اُس دروازے سے نکلتے ہی سلسلہ وار عمارتیں نظر آئیں۔ اب مے لون میری گائیڈ تھی۔ وہ مجھے ایک تنگ سی گلی میں لے آئی پھر وہاں سے گزرتے ہوئے بولی۔ "تمہیں یہاں کے راستوں کو پہچاننا چاہیے۔ اب ہم یہاں سے ناتھن روڈ پر پہنچ رہے ہیں۔"

"اس کے بعد کہاں پہنچیں گے؟"

"میں نے سوچ لیا ہے۔ ہم یہاں سے مسز وان کے پاس جائیں گے۔ وہ بوڑھی عورت بیوہ ہے۔ تنہا رہتی ہے۔ اگر ہم دس پونڈ کا لالچ دیں گے تو وہ ہمیں اپنے ہاں چھپا لے گی۔"

ہم تیزی سے چلتے جا رہے تھے۔ کیمرن روڈ کی ڈھلان پر بائیں طرف ایک گلی میں مڑ گئے۔ پھر وہ گلی شیطان کی آنت کی طرح ٹیڑھی میڑھی ہو کر دور تک ہمیں چلاتی رہی۔ وہ بانس کے خستہ حال مکانات تھے۔ جگہ جگہ کوڑا کرکٹ کا ڈھیر تھا۔ گندے پانی کی نکاسی کا راستہ نہیں تھا۔ وہ پانی بھی ہماری طرح اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔

آخر ہم ایک بانس کے مکان کے سامنے پہنچ کر رک گئے۔ مے لون مجھے چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ میں نے آس پاس کا جائزہ لیا۔ دور تک سناٹا تھا۔ رات کو مزدوری کرنے والے ابھی تک سو رہے تھے۔ یہ ماحول میرے لیے سازگار تھا۔ کیونکہ اب تک مجھے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

پانچ منٹ کے بعد ہی ایک بوڑھی عورت مے لون کے ساتھ آئی۔ اُس نے روایتی انداز میں جھک کر سلام کیا۔ میں بھی جواباً جھک گیا۔ مے لون نے کہا۔ "اسی طرح جھکتے ہوئے اندر چلے آؤ۔ یہاں چھتیں تمہارے قد سے نیچی ہوتی ہیں۔"

میں اندر آ گیا۔ اُس نے درست کہا تھا۔ چینی باشندوں کے یہاں مکانات اُن کے چھوٹے قد کی مناسبت سے بنائے جاتے ہیں۔ ان کے سر چھت سے نہیں لگتے۔ پھر بھی وہ سر جھکا کر چلنے کے عادی ہیں۔ مجھے سر کی بجائے کمر جھکا کر چلنا پڑا۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے جوتے بھی اتارنے پڑے۔ کیونکہ یہ وہاں کا دستور تھا۔

مے لون بوڑھی عورت سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ "چین لپن" والی بولی اپنی سمجھ سے باہر تھی۔ فرش پر ایک بستر بچھا ہوا تھا۔ میں اُس پر آرام سے لیٹ گیا۔ پھر میں نے پوچھا۔ "تم کیا باتیں کر رہی ہو؟"

مے لون نے کہا۔ "یہ بڑھیا بہت ہی لالچی ہے۔ پندرہ پونڈ مانگ رہی ہے۔"

میں نے کہا۔ "مے لون! ایسے موقعہ پر سودے بازی نہ کرو۔ یہ ہمارے بہت کام آئے گی یہ لو اُسے سولہ پونڈ دے دو۔"

میں نے جیب سے نوٹ نکالے۔ جب مے لون نے آ کر کہا کہ اُسے سولہ پونڈ دیے جا رہے ہیں تو بڑھیا پر پہلے تو شدید حیرانی سے سکتہ طاری ہوا۔ پھر وہ چکرا کر فرش پر گر پڑی۔ شکر ہے کہ وہ بے ہوش نہیں ہوئی۔ یہ دُنیا کے مشہور ترین شہر کی اقتصادی بدحالی تھی کہ اس شہر سے دنیا جہان کے لوگ دولت کما رہے تھے اور وہاں کے باشندے سولہ پونڈ کو دولت سمجھ کر تقدیر کی مہربانی پر چکرا جاتے تھے۔

میں نے کاغذ قلم منگوایا۔ پھر میک اپ کے سامان کی فہرست تیار کی۔ دوسرے کاغذ پر اپنے لباس کی پیمائش لکھی۔ مے لون کی چیزیں بھی لکھی گئیں۔ مے لون اُس بڑھیا کو ایک ہزار پونڈ دے کر اپنی زبان میں اُسے سمجھانے لگی کہ راز داری لازمی ہے۔ اس محلے میں کسی کو خبر نہ ہو کہ اِس گھر میں دو اجنبی ہیں اور وہ فہرست کی تمام چیزیں خرید کر لے آئے۔

بڑھیا بہت خوش تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ اس مکان کے بڑے دروازے پر تالا ڈال کر چلی گئی۔ ہم دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے۔ وہ شرماتی لجاتی ہوئی میرے پاس آئی۔ پھر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

مے لون کے معنی ہیں حُسن کی انتہا۔ ہر چیز کی انتہا ہوتی ہے۔ آپ بیتی کے بھی کتنے ہی موڑ اپنی انتہا سے گزرتے ہیں۔ بیان کرنے والا ایسے خوب صورت موڑ سے گزرتے وقت مدہوشی کے عالم میں انداز بیان کو بھی بھول جاتا ہے۔ اور میں بھول گیا.....

*

چینی گڑیا میرے بازو کے تکیے پر سر رکھے سو رہی تھی۔ میں بھی پچھلی رات کا جاگا ہوا تھا۔ چونکہ سونے سے قبل سونیا اور سارا کے حالات معلوم کرنے تھے۔ اس لیے جاگ رہا تھا۔ پہلے میں نے آنکھیں بند کر کے سونیا کو دیکھا۔ ایک میز کے اطراف چاروں بے زبان بیٹھے ہوئے تھے، وہ بھی اُن کے ساتھ بیٹھی کھانے میں مصروف تھی۔

میں نے کہا۔ "ہیلو سونیا! کیا اب تک اُسی تہہ خانے میں ہو؟"

"ہاں۔ رات ہونے تک یہیں رہنا پڑے گا۔ ابھی ایک گھنٹہ پہلے تہہ خانے کے اوپر قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میرا خیال ہے ریڈ پاور کے آدمی یہاں پہنچ گئے تھے۔ بے چارے تہہ خانے تک نہیں پہنچ سکے۔ ناکام واپس چلے گئے۔"

"اچھا ہے چلے گئے۔ انہیں اب تمہاری تلاش میں بھٹکتے رہنا چاہیے۔"

"کیا تم نے ارادہ بدل دیا ہے؟ ریڈ پاور کا ساتھ نہیں دو گے؟"

"سونیا! ریڈ پاور اور ماسٹروں کی تنظیم سے کبھی میں نے نظریاتی دوستی نہیں کی۔ تم اتفاقاً ریڈ پاور والوں کے ہتھے چڑھ گئی تھیں۔ میں چاہتا تھا کہ جو سپر ماسٹر ریڈ پاور کو ہمیشہ نیچا دکھاتا رہا ہے، وہ تمہارے ذریعہ ریڈ پاور سے بری طرح شکست کھائے۔ اب بھی ہم سپر ماسٹر کو عبرتناک سزا دیں گے۔ بظاہر تم ریڈ پاور کا ساتھ دو گی لیکن اُس تنظیم کو بھی اندر سے کمزور کرتی رہو گی۔ اِس لیے کہ یہ سب تخریب پسند تنظیمیں ہیں۔"

"میں تو وہی کرتی رہوں گی جو تم کہو گے لیکن مجھ سے جلد ملنے کی کوئی صورت نکالو۔ مجھے اس طرح دو تنظیموں کے درمیان نہ اُلجھاؤ۔"

"ملنے کو تو ہم آج ہی مل سکتے ہیں لیکن کیا تم جمیفری، شیلا اور میرلن کو ریڈ پاور کے رحم و کرم پر چھوڑ کر بھاگ آؤ گی؟"

"میں انہیں اپنے ساتھ لاؤں گی۔"

"اچھی بات ہے۔ ایٹمی دھماکہ ہو جانے دو۔ میں خود ہی تمہارے پاس پہنچوں گا۔"

"اب تم نے ایٹمی دھماکہ کی ایک پخ لگا دی ہے۔ یہ کب ہو گا؟"

"آج کی رات گزر جانے دو۔ ان بے زبانوں کے لیڈر سے ملاقات کر لو۔ ذرا دیکھو کہ یہ کیا چاہتے ہیں؟"

"اچھا۔ ایک رات کی بات ہے۔ صبر کر لیتی ہوں۔"

"شاباش! اب میں رات کو کسی وقت ملاقات کروں گا۔ خدا حافظ۔"

میں اُس سے رخصت ہو کر مے لون کے پاس چلا آیا۔ وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ میں نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔ اب میں سارا عرف رُومانہ کو دیکھ رہا تھا۔

اس وقت وہ رُومانہ کے روپ میں تھی۔ یہی اُس کا اصل روپ تھا۔ جب وہ اسمگلنگ کے لیے اپنے باپ کے ساتھ سمندر کے سفر پر نکلتی، اُس وقت لیڈی سارا بن جاتی۔ چونکہ اب سمندری عقاب کے جہاز کا نام رُومانہ ہو گیا تھا اور اس جہاز کا رنگ روغن بدل چکا تھا۔ اس لیے سارا کے بھی رنگ ڈھنگ بدل چکے تھے۔

اب وہ رُومانہ بنی، اپنے باپ کے کیبن میں بیٹھی رو رہی تھی۔ سامنے بستر پر اُس کے باپ سمندری عقاب کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اسکیپر اور جہاز کے دوسرے بوڑھے اُسے تسلیاں دے رہے تھے۔ میں نے آنکھ کھول کر گھڑی دیکھی تو پتہ چلا کہ سارا کو بہت دیر بعد اپنے باپ کی موت کا علم ہوا۔ میرے حساب سے اُسے دو گھنٹے پہلے ہی باپ کے کیبن میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ صبح ہوتے ہی مجھ سے ملاقات کرنا چاہتی تھی، اپنے باپ سے بھی مشورہ کرنا چاہتی تھی۔

میں آہستہ آہستہ اُس کے ذہن کو کریدنے لگا۔ پتہ چلا کہ وہ صبح کے انتظار میں جاگتے جاگتے سو گئی تھی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ پہلے میرے کیبن میں گئی۔ پھر مے لون کے کیبن میں جھانک کر دیکھا۔ ہم نظر نہیں آئے تو وہ باپ کے کیبن میں گئی۔ وہاں روز و برانڈ دائمی نیند سو رہا تھا۔

اُس نے فوراً ہی اسکیپر اور جہاز کے ڈاکٹر وغیرہ کو کال کیا۔ ڈاکٹر نے تصدیق کی کہ حرکتِ قلب بند ہونے کے باعث روز و برانڈ کی موت واقع ہوئی ہے اور یہ سب کچھ شراب نوشی کی زیادتی سے ہوا ہے۔ ایسے وقت وہ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اور مے لون کو بھول گئی۔ بہت دیر تک روتی رہی اور باپ کی جدائی کا صدمہ برداشت کرتی رہی۔ بڑے بوڑھے اُسے صبر کی تلقین کرتے رہے پھر وہ آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ "فرید کو اطلاع دو کہ میں یتیم اور بے سہارا ہو چکی ہوں۔"

اُس نے بڑے اعتماد سے یہ بات کہی تھی کیونکہ اب مجھے ہی اپنا سہارا سمجھتی تھی۔ اُسے یقین تھا کہ میں اُس کی طرف لوٹ آؤں گا۔ لیکن اسکیپر کی زبان سے یہ سُن کر اُس کے ذہن کو جھٹکا سا لگا کہ مے لین مجھے اپنے ساتھ لے گئی ہے۔

وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ "وہ کہاں لے گئی ہے؟ کب لے گئی ہے؟"

اسکیپر نے کہا۔ "ٹھیک چار بجے وہ دونوں موٹر بوٹ کے ذریعہ کولون گئے۔ مے لین نے کہا تھا کہ جلد ہی واپس آجائے گی۔"

اُس نے اسکیپر کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔ "تم نے انھیں جانے کیوں دیا؟ کیا پیا نے اجازت دی تھی۔؟"

"بیٹی! غصہ کرنے سے پہلے ہماری مجبوریوں کو سمجھ لو۔ ہم سب دیکھ چکے ہیں کہ مے لین پراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ اُس نے دھمکی دی تھی کہ آپ کو اور اُس نجمانی برانڈو کو کچھ نہ بتایا جائے۔ ورنہ وہ اس جہاز کو تباہ کردے گی۔"

اسکیپر کے گریبان پر سارا کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ مے لین کے سامنے وہ خود مجبور ہوجاتی۔ یہ سوچ کر اُس کا دل بیٹھنے لگا کہ مے لین مجھے اُس سے دُور لے گئی ہے۔ اب شاید میں اُسے کبھی نہ مل سکوں۔ ایک طرف باپ ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا تھا۔ دوسری طرف میں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ باپ کو قبر میں اُتارنے کی آخری رسوم ادا کیے بغیر میری تلاش میں نہیں نکل سکتی تھی۔

اُس نے حکم دیا۔ "اپنے آدمیوں کو ابھی کولون کی طرف روانہ کرو۔ اُن سے کہو کہ وہ مے لین کو نہ چھیڑیں۔ صرف فرید پر نظر رکھیں۔ میں شام تک وہاں پہنچ جاؤں گی۔"

اسکیپر نے کہا۔ "میں نے پہلے ہی یہ انتظامات کیے تھے کہ وہ دونوں نظروں سے اوجھل نہ ہونے پائیں لیکن وہ ہم سے چھپ کر رہنے کی پلاننگ پہلے ہی کرچکے تھے۔ کیب ڈرائیور نے اطلاع دی کہ وہ چیک امریکن بار میں داخل ہوئے ہیں۔ جب ہمارے آدمی وہاں پہنچے تو وہ غائب ہوچکے تھے۔ انھیں فرار ہونے کے لیے بار کا پچھلا دروازہ مل گیا تھا۔"

وہ تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ پھر بولی۔ "وہ کولون اور ہانگ کانگ سے باہر نہیں جاسکتے۔ ہانگ کانگ کے ساحل پر ماہی گیروں کی جو کشتیاں ہیں۔ اُن میں سے کسی کشتی میں مے لین کا خاندان رہتا ہے۔ اُن کشتیوں کی تلاشی لو۔ وہ ضرور ملیں گے۔"

اسکیپر وہاں سے جانے لگا۔ سارا نے کہا۔ "ٹھہرو۔ فرید میک اپ کا ماہر ہے۔ اپنے ساتھ مے لین کا روپ بھی بدل سکتا ہے۔ کشتیوں اور ساتھ ہی ہوٹلوں اور شاہراہوں میں ایسے لانبے قد کے ایشیائی غیر ملکی پر نظر رکھی جائے جس کے ساتھ کوئی چینی دوشیزہ ہو۔"

"سارا! ہانگ کانگ میں سینکڑوں چینی دوشیزائیں غیر ملکیوں کے ساتھ وقت گزارتی ہیں۔ ہم ایسے کتنے لوگوں کا تعاقب کریں گے؟"

"خواہ کتنے ہی لوگ ایسے ہوں۔ سب ہی کو چیک کرو۔ فرید یہاں کا قانونی باشندہ نہیں ہوگا۔ اُس کے پاس پاسپورٹ نہیں ہوگا۔ وہ کہیں ہوٹل میں پے اِنگ گیسٹ کے طور پر کسی کے ہاں رہے گا۔ بحث میں وقت ضائع نہ کرو۔ جاؤ اور عقل سے کام لو۔"

اسکیپر چلا گیا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر سوچنے لگی۔ "اچانک کیا ہوگیا۔ کل رات تک پیا منصوبے بنا رہے تھے کہ کس طرح فرید کا پیار مجھے واپس مل جائے مگر اب سارے منصوبے خاک میں مل گئے ہیں۔ کیا مے لین کو معلوم ہوگیا تھا کہ ہم فرید کو اُس سے جُدا کرنے والے ہیں؟"

وہ بے چینی سے پہلو بدلتی ہوئی سوچنے لگی۔ "نہیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ مے لین پُراسرار ضرور ہے لیکن اُسے ڈھکی چھپی سازشوں کا علم نہیں ہوتا۔ پیا فرید کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات مے لین کو معلوم نہ ہوسکی۔ پھر ہماری خفیہ سازش کا علم اُسے کیسے ہوسکتا تھا؟"

وہ سوچ سوچ کر اُلجھ رہی تھی مگر اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ مے لین اچانک مجھے اُس سے دُور کیوں لے گئی؟

مجھے نیند آرہی تھی۔ میں نے سارا کو اُلجھنے کے لیے چھوڑ دیا۔ پھر اپنے دماغ کو ہدایت دی کہ کم از کم تین گھنٹے تک آرام سے سوتا رہوں۔ اگر کمرے میں کسی کے قدموں کی چاپ اُبھرے تو میری آنکھ کھل جائے۔

میں آرام سے سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو میری گھڑی میں دن کے دس بج کر سینتالیس منٹ ہو رہے تھے۔ میری تین گھنٹے کی نیند پوری ہوچکی تھی۔ مے لین چار گھنٹے سو چکی تھی مگر اب بھی نیند میں گُم تھی۔ بہت زیادہ تھک جانے کے بعد ایسی ہی نیند آتی ہے۔

میں بستر سے اُٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ مکان کے باہر لوگوں کے چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ دنیا والے کاروبارِ زندگی میں مصروف تھے۔ میں نے ذرا سا دروازے کو کھول کر دیکھا۔ کاریڈور سے وہ بوڑھی عورت گزر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر رُک گئی۔ اپنے سر کو دوبار خم دے کر سلام کرنے لگی۔ میں نے اشارے سے کہا۔ "بھوک لگ رہی ہے۔"

اُس نے مجھے بُلایا۔ میں اُس کے ساتھ چلتا ہوا ایک تنگ سے باتھ روم میں پہنچا۔ اُس نے اشاروں کی زبان میں کہا کہ پہلے میں غسل وغیرہ سے فارغ ہوجاؤں۔ پھر اُس نے کپڑوں کا ایک سیٹ دیا۔ باتھ روم کے ساتھ ہی چھوٹا سا کچن تھا۔ وہ کچن میں چلی گئی۔ میں نے بانس کے دروازے کو اندر سے بند کرلیا۔

پتہ نہیں وہاں کے مکانات کتنے پرانے تھے۔ اُن پر صدیاں گزار آئی تھیں یا کتنی آندھیاں بھی جاسکتی تھی۔ بانس کی دیواریں سوکھ کر کمزور ہوگئی تھیں جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھیں۔ باہر کا منظر صاف نظر آتا تھا۔ چینی باشندے کہاروں کی طرح کاندھے پر سامان اُٹھائے جا رہے تھے۔ عورتیں اپنے بچوں کو اپنی پشت پر باندھ کر مکان کے پیچھے سے گزر رہی تھیں۔ میں نے اپنے کپڑے اُتار کر بانس کی کھونٹیوں میں پھنسا دیے تاکہ باہر والے مجھے نہ دیکھ سکیں۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہوکر میں نے نیا لباس پہنا۔ بدن ہلکا ہوگیا تھا۔ میں تازگی اور فرحت محسوس کر رہا تھا۔ واپس کمرے میں آیا۔ مے لین بیدار ہوگئی تھی مگر اب تک بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔ اُس کی جاگتی آنکھوں میں بھی میرے سپنے مچل رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے شرما کر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

میں اُس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اُس کے شرمانے لجانے کی ادا اتنی پیاری تھی کہ دل کھنچا جا رہا تھا۔ میں نے اُس پر جھک کر سرگوشی کی۔ "مے لین..."

وہ جیسے کہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل کر باتھ روم میں چلی گئی۔

میں نے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کیں۔ پھر سونیا کے پاس پہنچ گیا۔ سونیا نے کہا۔ "اچھا ہوا تم وقت سے پہلے چلے آئے۔ وہ ابھی وقت سے پہلے آرہا ہے۔"

"کون آرہا ہے؟"

"وہی۔ اِن بے زبانوں کا لیڈر۔"

"اُس کی آمد کی اطلاع تمھیں کیسے ملی؟"

"یہاں تہہ خانہ میں ٹیلی فون ہے۔ فون کی گھنٹی سُن کر ایک بے زبان نے ریسیور اُٹھایا تھا۔ پھر اُس نے ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے آواز سُنی۔ دوسری طرف سے وہ کہہ رہا تھا۔ "ہیلو مادام! میں بیٹھے بیٹھے آپ کو تکلیف دینے کی معافی چاہتا ہوں۔"

میں نے پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"مادام! میں بیٹھے بیٹھے اُن چار بے زبانوں کا باپ یا لیڈر ہوں۔ یہاں ریڈ پاور کے آدمیوں نے میری بڑی پٹائی کی ہے۔ انھیں شبہ ہے کہ میں نے آپ کو بیٹھے بیٹھے اغوا کیا ہے۔"

"تم مجھے اس تہہ خانے میں کیوں لائے ہو؟"

"آپ سے ایک بہت ضروری کام ہے۔ میری پٹائی کرنے والے جاچکے ہیں۔ اب میں ایک گھنٹے تک آپ کے پاس بیٹھے بیٹھے پہنچنے والا ہوں۔"

"گھوڑے کھڑے آؤ گے تو جلدی پہنچ جاؤ گے۔ مجھے بور نہ کرو۔ فوراً یہاں آؤ۔"

یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ اب آدھ گھنٹے سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ معلوم ہوتا ہے وہ آتے آتے کہیں بیٹھ گیا ہے۔"

میں ہنسنے لگا۔ سونیا نے کہا۔ "تم ہنس رہے ہو۔ یہ نہیں سوچتے کہ میں کن لوگوں میں آپھنسی ہوں۔ یہ کیسا لیڈر ہے جو مار کھاتا ہے اور ڈھٹائی سے بیان بھی کرتا ہے۔"

"میں کیسے بتاؤں کہ وہ کیا چیز ہے۔ اُسے آنے تو دو۔"

اتنے میں اپنے قریب سے مے لین کی آواز سنائی دی۔ "فرید! کیا تم سوگئے ہو؟"

میں خاموشی سے آنکھیں بند کیے پڑا رہا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہنے لگی۔ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ میری نیند پوری نہیں ہوئی۔ اس لیے میں پھر سوگیا ہوں۔ مجھے جان و ایمان سے چاہنے والی میرے آرام کا خیال کیسے نہ کرتی؟ اُس نے مجھے سونے کے لیے چھوڑ دیا۔

میں واپس تہہ خانہ میں گیا تو سونیا مجھے سوچ کی لہروں میں پکار رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں آگیا ہوں۔"

اُس نے کہا۔ "وہ بھی آگیا ہے۔"

میں سونیا کی دماغی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ تہہ خانہ کا خفیہ راستہ کھلنے کی آواز آرہی تھی۔ پھر زینے کے اُوپری سرے پر ایک دُبلا پتلا سا بوڑھا نظر آیا۔ اُس نے کینوس کے جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اُس کی جرابیں گھٹنوں تک چڑھی ہوئی تھیں۔ گھٹنے اس لیے نظر آرہے تھے کہ اُس نے ہاف پینٹ پہن رکھی تھی۔ اُس کے اُوپر چمڑے کا جیکٹ تھا۔ سر پر ایک فلٹ ہیٹ تھی۔ جس کی بائیں طرف کسی خوب صورت پرندے کا ایک پَر لگا ہوا تھا اور اُس کے شانہ سے شاید ایک کیمرہ لٹک رہا تھا۔

وہ زینے پر بیٹھ گیا۔ سونیا نے کہا۔ "نیچے آؤ۔"

وہ سہم کر بولا۔ "ابھی تھوڑی دیر پہلے میں بیٹھے بیٹھے بہت مار کھا چکا ہوں۔ نیچے آؤں گا تو تم بھی مارو گی۔"

"جب اتنا ہی ڈرتے ہو تو مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"میں اور میرے یہ چاروں بے زبان بیٹے تمھارے غلام بننا چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے غلام بنا لیا، آگے بولو۔"

"آگے یہ کہ میں ہندوستان میں بیٹھے بیٹھے پیدا ہوا تھا۔ میرا نام جگ پال ہے۔ بچپن ہی سے میرا مزاج عاشقانہ تھا۔ بس اُسی ٹائم ایک لڑکی سے بیٹھے بیٹھے محبت ہوگئی۔"

"ارے بوڑھے! مجھے عشق و محبت کی داستان نہ سناؤ۔ کام کی باتیں کرو۔"

"جب تک میں اپنی ہسٹری نہیں سناؤں گا۔ تم میرے کام کی اہمیت کو نہیں سمجھو گی۔ پلیز بیٹھے بیٹھے صبر سے سُن لو۔"

سونیا ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ زینے سے اُترتے ہوئے بولا۔

"میں اُس وقت پندرہ برس کا تھا۔ رُوپا گیارہ برس کی تھی۔ اتنی سی عمر میں بھی بڑی نخریلی تھی۔ بیٹھے بیٹھے نئی نئی فرمائشیں کرتی تھی۔ اُس کی فرمائشیں پوری کرنے کے لیے میں چور بن گیا۔

اس عمر میں صرف ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے اور فلمی گیت گانے والی محبت تھی۔ اس سے آگے ہم کچھ نہیں جانتے تھے۔ پانچ برس کے لیے میں جیل گیا تو اِدھر میں بہت کچھ جان گیا اُدھر وہ جوان ہوگئی۔ آہ! اُس وقت ہمارے درمیان جیل کی سلاخیں تھیں۔ جب جیل سے باہر آیا تو بیٹھے بیٹھے ظالم سماج نے رُوپا کو دُوسرے کی دھرم پتنی بنا دیا۔"

سونیا نے کہا: "اپنی داستان کو مختصر کرو۔"

"کر رہا ہوں۔ مختصر یہ کہ اُس کے بعد میں ایک بہت بڑا برگلر اور لاک بریکر بن گیا۔ میں بڑی بڑی مضبوط عمارتوں میں نقب لگا سکتا ہوں۔ موجودہ دَور کے نمبری تالوں کو کھول سکتا ہوں۔"

اُس نے اپنے شانہ سے لٹکے ہوئے کیمرے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا: "یہ خفیہ نمبروں کو انڈیکیٹ کرنے والی مشین ہے۔ اس کے ذریعہ میں نے کتنے ہی ممالک کی اہم دستاویزات چرائی ہیں۔ ریڈ پاور کا ماسک مین بیٹھے بیٹھے میری قدر کرتا تھا۔ میرے اِن چار بیٹوں کو بھی اس تنظیم کے ذریعہ جوڈو کراٹے اور چوری بدمعاشی سکھائی۔ اب ہم سب باپ بیٹے بیٹھے بیٹھے پکے بدمعاش بن گئے ہیں۔"

سونیا نے جل کر کہا: "بڑی خوشی ہوئی۔ کیا مجھے بھی پکی بدمعاش بنانے یہاں لائے ہو؟"

"نہیں مادام! کیوں شرمندہ کرتی ہو۔ تم تو پہلے سے پکی ہو۔"

میں نے سونیا کی سوچ میں کہا: "بوڑھے جگ پال نے تمھاری صحیح تعریف کی ہے۔"

"یو شٹ اپ۔" وہ چیخ کر بولی: "مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟"

"مادام! میں ابھی بتاتا ہوں۔ میں رُوپا کی جدائی میں چھ ماہ تک بیٹھے بیٹھے روتا رہا پھر میں نے اِن بچوں کی ماں سے شادی کرلی۔"

"یعنی وہ چار بچوں کی ماں تھی۔ جب تم نے شادی کی۔"

"نن نہیں تم غلط سمجھ رہی ہو۔ یہ چاروں میرا خون ہیں شادی کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔"

"اِن کی زبانیں پیدائشی طور پر ایسی ہیں یا کاٹ دی گئی ہیں۔"

"ابھی بتاتا ہوں۔ پہلے رُوپا کی باتیں سن لو۔"

"جہنم میں گئی رُوپا۔ تمھیں شرم نہیں آتی۔ جوان بیٹوں کی زبانیں کٹ گئیں۔ تمھیں ان کی ہمدردی میں کچھ کرنا چاہیئے مگر تم محبت کی داستان سنا رہے ہو۔"

"میں اپنے بیٹوں کی ہمدردی میں اُن کی بھلائی کے لیے رُوپا کی بات کر رہا ہوں مگر تم بیٹھے بیٹھے غصہ دکھا رہی ہو۔"

سونیا اُٹھ کر کھڑی ہوگئی: "میں تمھاری بکواس نہیں سننا چاہتی۔"

جوان بیٹوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ پھر اُس کے اطراف عاجزی سے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے۔ وہ بول نہیں سکتے تھے لیکن اُن کا عاجزانہ انداز کہہ رہا تھا کہ ہمارے باپ کی باتیں سن لو۔ سونیا بور ہوگئی تھی۔ میں نے کہا: "بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ تم غصہ میں کسی کا سر نہیں توڑ سکتیں۔ وہ باپ بیٹے اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتے تو اُن سے نمٹ لیا جاتا۔ مگر جو لوگ عاجزی سے جھکتے ہیں انھیں دُنیا کا کوئی شہ زور نہیں مار سکتا۔ لہٰذا تم بیٹھے بیٹھے صبر سے اُس کی رام کہانی سنتی رہو۔ میں اس بوڑھے کی کھوپڑی میں بیٹھے بیٹھے پہنچ رہا ہوں۔"

میں سونیا کو چھوڑ کر بوڑھے جگ پال کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ سوچ رہا تھا: "بڑی مشکل ہے اگر سونیا کو اسی طرح غصہ آتا رہا تو میری رُوپا مجھے نہیں ملے گی۔ ہے بھگوان! سونیا کے دل میں بیٹھے بیٹھے دَیا (ہمدردی) پیدا کردے۔"

سونیا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ بوڑھا کہنے لگا: "پندرہ برس پہلے میرے اِن بچوں کی ماں بیٹھے بیٹھے مرگئی۔ پھر مجھے رُوپا شدت سے یاد آنے لگی۔ یوں تو میں بیوی کی زندگی میں بھی اُس کے لیے بیٹھے بیٹھے آہیں بھرتا تھا۔ میرے یہ لڑکے بھی جانتے تھے کہ میں بچپن سے رُوپا کے لیے تڑپتا ہوں۔ اپنی ماں کے مرنے کے بعد اِن لڑکوں نے وعدہ کیا کہ یہ اپنے باپ کی محبوبہ کو تلاش کریں گے۔ مل گئی تو اُسے زبردستی اُٹھا کر لے آئیں گے۔

پھر بیٹھے بیٹھے یوں ہوا کہ ایک بار ماسک مین نے مجھے ایک اہم مشن پر اپنے ہی دیس میں جانے کے لیے کہا۔ میں بھارت پہنچا تو مجھے بتایا گیا کہ مغربی جرمنی کے ایک بلیک میلر کے پاس ایٹمک تھیوری کے سلسلہ میں اہم کاغذات ہیں اور وہ مدھیہ پردیش میں کسی غیر ملکی ایجنٹ سے اُس کا سودا کر رہا ہے۔

میں بیٹھے بیٹھے ناگپور پہنچ گیا۔ ریڈ پاور کے جاسوس میرے لیے معلومات فراہم کر رہے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ جمن تالاب کے سامنے والی زرد کوٹھی میں وہ کاغذات رکھے گئے ہیں اور اسی رات مجھے دوسری منزل کے آئرن سیف کو کھول کر وہ کاغذات حاصل کرنے ہوں گے۔

میں شام کو اُس عمارت میں گیا۔ عمارت کے نچلے حصہ میں آفس تھا اور چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے۔ باہر سے آنے والے مسافر وہاں بیٹھے بیٹھے قیام کرتے تھے۔ مجھے جس کمرے کی نشاندہی کی گئی تھی۔ میں نے اُس کے ساتھ والا کمرہ کرائے پر حاصل کرلیا۔ پھر مجھے اطلاع ملی کہ مغربی جرمنی کے بلیک میلر کے ہاتھوں

سے وہ کاغذات نکل چکے ہیں۔ اب وہ کاغذات اُسی ہندوستانی کے پاس ہیں جو میرے ساتھ والے کمرے میں رہتا ہے۔

میں اُس کمرے کے دروازے پر کئی بار بیٹھے بیٹھے گیا مگر وہ ہندوستانی نظر نہیں آیا۔ وہ دروازہ بند رہتا تھا۔ آدھی رات کے بعد جب بالکل سناٹا چھا گیا اور تمام مسافر بیٹھے بیٹھے سو گئے تو میں ضروری آلات سے لیس ہو کر اس دروازے پر پہنچا۔ سب سے پہلے میں نے دروازے کے کی ہول سے گیس پائپ کو منسلک کیا۔ پھر گیس ٹیوب کو آن کر کے برآمدے میں کھڑا ہوگیا۔ پھر بیٹھے بیٹھے پانچ منٹ گزر گئے۔ کمرے کے اندر جو بھی تھا۔ اُسے اب تک بے ہوش ہو جانا چاہیے تھا۔ میں نے گیس ٹیوب کو آف کیا۔ وہ تمام چیزیں اپنے کمرے میں لے جا کر رکھیں پھر گیس ماسک پہن کر اُس دروازے پر آگیا۔ اُس دروازے کو کھولنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہ تھا۔ چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ بیٹھے بیٹھے کھل گیا۔ میں نے کمرے کے اندر پہنچ کر چٹخنی لگا دی۔ کمرے میں آرام و آسائش کا کوئی سامان نہ تھا۔ ایک دیوار کے پاس ایک اونچی سی میز تھی۔ اُس پر شری کرشن بھگوان بیٹھے بیٹھے مرلی بجا رہے تھے۔ بھگوان کی مورتی کے پاس بہت سے گیندے کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ آرتی کے لیے ایک پیتل کی تھالی رکھی ہوئی تھی اور اُس تھالی کے نیچے تہہ کیے ہوئے کاغذات نظر آ رہے تھے۔

میں نے احتیاطاً ریوالور نکال لیا تھا لیکن یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ کمرہ خالی تھا۔ میں نے ریوالور کو جیب میں رکھ لیا۔ دوسری مایوسی کی بات یہ تھی کہ کمرے کی پچھلی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں۔ یعنی جتنی گیس میں نے کمرے میں پہنچائی تھی۔ وہ بیٹھے بیٹھے کھڑکیوں کے راستے خارج ہوگئی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کمرے کا مکین بھی اس راستے سے فرار ہوگیا ہوگا۔ ویسے اس کے فرار ہونے سے کچھ نہ ہوتا۔ نیچے ریڈ پاور کے جاسوس اُس کی تاک میں لگے ہوئے تھے۔

میں نے گیس ماسک اُتار دیا۔ بھگوان کی مورتی کے سامنے ڈنڈوت کیا۔ پھر میز کے قریب آکر تھال کے نیچے سے کاغذات نکالے۔ کاغذات وہی تھے، جن کی تلاش میں میں آیا تھا۔ میں نے خوش ہوکر بھگوان کے سامنے ہاتھ جوڑے، سر کو جھکایا لیکن دوبارہ سر اُٹھاتے ہی بیٹھے بیٹھے چونک گیا۔ بھگوان کی مورتی کے پیچھے میری رُوپا کھڑی ہوئی تھی۔

جوانوں کے دل خوشی سے دھڑکتے ہیں۔ میں بوڑھا ہوں اس لیے خوشی کے مارے میرے گھٹنے کانپنے لگے۔ رُوپا اُسی طرح چلبلی تھی، پُرشباب تھی۔ جب میں جیل میں گیا تھا تو وہ تیرہ برس کی تھی۔ اب سولہ سترہ برس کی لگ رہی تھی۔"

سونیا نے پوچھا: "اے تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ رُوپا اُس وقت تیرہ برس کی ہوگی۔ اب تو تم جوان بیٹوں کے باپ ہو۔ بوڑھے ہو۔ اُسے بھی بوڑھی ہو جانا چاہیئے۔"

"مادام! تم عمر کے حساب سے ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب میں ساٹھ برس کا ہوں۔ وہ مجھ سے دو برس چھوٹی تھی۔ اُسے اٹھاون برس کی بوڑھی نظر آنا چاہیئے مگر وہ جوان ہے اور کنواری ہے۔"

"وہ کنواری کیسے ہوسکتی ہے۔ تمھارے بیان کے مطابق اس کی شادی ہوچکی تھی۔"

"یہ بھی درست ہے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے معلوم کیا تھا۔ رُوپا کی شادی ہوچکی تھی۔ اس کے کئی بیٹے پیدا ہوئے آخر میں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اُس کے بعد رُوپا مرگئی۔ اُس نے مرنے کے بعد میرے لیے دوسرا جنم لیا ہے۔"

"دوسرا جنم؟" سونیا نے حیرانی سے پوچھا: "کیا تم پاگل ہو؟ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ انسان مرنے کے بعد پھر ایک بار پیدا ہوتا ہے۔"

"ہاں اسے آواگون کہتے ہیں۔ ہمارے دھرم کے سبھی لوگ اس عقیدے کو مانتے ہیں کہ اگر کسی کی آتما پچھلی زندگی میں بیٹھے بیٹھے پیاسی رہ جائے تو وہ اپنے پریمی سے ملنے کے لیے دوسری بار جنم لیتی ہے۔ رُوپا نے میرے لیے پھر ایک بار جنم لیا ہے۔"

میں نے سونیا سے کہا: "سونیا! اس بوڑھے سے بحث نہ کرو۔ یہ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد کبھی دوسرے روپ میں کبھی اپنے اصل روپ میں دوبارہ جنم لیتا ہے۔"

"فرہاد! کیا تمھیں یقین ہے کہ رُوپا مرنے کے بعد پھر پیدا ہوگئی ہے۔"

"نہیں۔ ہمارا اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد صرف قیامت کے بعد جِلایا جائے گا۔ تاکہ خدائے بزرگ و برتر کے آگے اپنے اعمال کا حساب دے سکے۔ تم جگ پال کو پاگل نہ سمجھو۔ وہ اپنے عقیدے کے مطابق باتیں کر رہا ہے۔"

"تو پھر رُوپا کون ہوسکتی ہے؟"

میں نے کہا: "میرا خیال ہے کہ جس جوان لڑکی کو اُس نے دیکھا ہے، وہ رُوپا کی آخری بیٹی ہوگی اور رُوپا کی ہمشکل ہوگی۔ اُسے آگے کہنے دو۔ شاید میری بات کی تصدیق ہو جائے۔"

سونیا نے جگ پال سے کہا: "میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی۔ آگے کہو۔"

وہ کہنے لگا: "تقریباً پینتالیس برس کے بعد اچانک رُوپا کو دیکھ کر میں ساری دُنیا کو بھول گیا۔ میں نے خوشی سے کانپتے ہوئے کہا: رُوپا۔ تم۔ یہاں ...؟"

وہ اپنی بڑی بڑی کٹورہ جیسی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر وہ بولی "تم مجھے رُوپا کیوں کہہ رہے ہو؟ کیا مجھے پہچانتے ہو؟"

"ہاں رُوپا! میں تمھیں اتنا پہچانتا ہوں کہ بیٹھے بیٹھے اپنے کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ تم کیشوناتھ کی بیٹی ہو۔ اب سے ستاون برس پہلے تم رائے پور میں پیدا ہوئی تھیں۔ ہم دونوں بچپن سے بیٹھے بیٹھے محبت کرتے رہے۔ تیرہ برس کی عمر میں تم نے سونے کی بالی پہننے کی ضد کی۔ میں نے تمھاری خواہش پوری کرنے کے لیے چوری کی۔ پھر پکڑا گیا۔ بیٹھے بیٹھے جیل چلا گیا۔ پانچ برس بعد واپس آیا تو تمھاری شادی ہو چکی تھی۔"

وہ میری باتیں بڑے غور سے سن رہی تھی۔ پھر میری بات کو دہرانے لگی "میں رائے پور میں پیدا ہوئی۔ کیشوناتھ کی بیٹی ہوں اور تیرہ برس کی عمر میں تم سے بچھڑ گئی...... ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ میں تمھیں سپنوں میں دیکھتی رہی ہوں۔ تمھارا نام۔ تمھارا نام...."

وہ یاد کرنے لگی تو میں نے اپنا نام بتایا۔ وہ خوش ہو کر بولی۔ "ہاں تمھارا نام جگ پال ہے۔ یہ نام میرے دل کی دھڑکنیں بھی پکارتی رہتی ہیں۔ تم کہاں کھو گئے تھے میرے بوڑھے پریمی؟"

وہ مورتی کے پیچھے سے میرے پاس آ گئی۔

میں نے ہانپتے ہوئے کہا "میں بیٹھے بیٹھے بوڑھا ہو گیا ہوں تم جوان کیسے رہ گئیں؟"

وہ بولی "تم بدیسی لوگوں میں رہ کر یہ بھول گئے ہو کہ ہمارے دیس کے پریم کرنے والے مرنے کے بعد دوسرا جنم لیتے ہیں میری آتما تمھارے لیے بھٹک رہی تھی۔ اِس لیے میں اِس سنسار میں پھر تمھیں پانے کے لیے آ گئی ہوں۔"

میں نے خوش ہو کر کہا "میں بیٹھے بیٹھے بھول گیا تھا کہ پیار کرنے والے دوبارہ جنم لیتے ہیں!"

سونیا نے بیزار ہو کر کہا "تم یہ دوسرے جنم کی بکواس کب ختم کرو گے۔ بھئی مجھے یقین ہو گیا ہے کہ وہ تمھارے لیے دوبارہ جوان اور کنواری لڑکی بن کر اِس دنیا میں آئی ہے۔ اب آگے کہو۔"

جگ پال نے شکایتاً کہا "مادام! اس سائنسی دور میں بیٹھے بیٹھے اتنا بڑا واقعہ ہو گیا۔ جس بات کو عقل تسلیم نہیں کرتی، اُسے رُوپا نے اپنے دوسرے جنم سے ثابت کر دیا ہے مجھے بیٹھے بیٹھے دکھ پہنچ رہا ہے کہ آپ کو حیرانی نہیں ہوئی۔ آپ میری رُوپا سے دلچسپی نہیں لے رہی ہیں۔"

"میں بعد میں دلچسپی لوں گی پہلے یہ بتاؤ کہ پھر کیا ہوا؟"

"پھر رُوپا مجھے غور سے دیکھنے لگی، مجھے اپنے بڑھاپے پر شرم آ رہی تھی کہ وہ بیٹھے بیٹھے غور سے میرے چہرے کی جھریاں [illegible] گن رہی ہو۔ پھر اُس نے اداس لہجے میں کہا "میں [illegible] تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہو مگر تمھیں تو یہ پتہ [illegible] کہ میں نے دوبارہ جنم لیا ہے۔"

میں بیٹھے بیٹھے شرمندگی سے بولا "مجھے نہیں معلوم تھا [illegible] پیار امر ہے۔ اب میں بھی اپنے پیار کو امر بناؤں گا۔ [illegible] لے کر اِس دیس سے باہر چلے جائیں۔"

وہ میرے ہاتھوں میں کاغذات کو دیکھتے ہوئے بولی "[illegible] میرے محبوب نہیں، ایک مجرم ہو۔ تم میرے لیے نہیں، اِن کاغذ[illegible] کے لیے آئے ہو۔"

"رُوپا! تم بیٹھے بیٹھے مجھے غلط نہ سمجھو۔ بے شک میں کاغذ[illegible] کے لیے آیا تھا مگر تمھارے سامنے اِن کی کوئی اہمیت نہیں [illegible] تم اسے واپس لے سکتی ہو۔"

وہ میرے ہاتھوں سے اِن کاغذات کو لیتی ہوئی بولی "[illegible] نہیں جانتی کہ یہ کیسے کاغذات ہیں لیکن یہ اگر کھو جائیں [illegible] مجھے مار ڈالے گا۔"

"کون؟" میں نے پوچھا۔ پھر بڑے عزم سے کہا "میرے [illegible] ہوئے کوئی تمھیں بیٹھے بیٹھے نہیں مار سکتا..... مجھے بتاؤ [illegible] کون ہے؟"

"میں اُسے نہیں جانتی۔ ہوا یہ کہ میں تمھیں پانے کے لیے [illegible] تھی۔ بچپن سے میرے سپنے میں ایک بوڑھا آتا تھا۔ جب میں [illegible] ہوئی تو وہ کچھ اور بوڑھا ہو گیا۔ بالکل تمھارا ہم شکل تھا۔ مجھ سے کہتا [illegible] "رُوپا مجھے یاد کرو۔ میں تمھارے لیے چور بن گیا۔ جیل چلا گیا۔ مجھے [illegible] آؤ میں تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔" اُس بوڑھے کی باتیں سن کر میرا دل [illegible] سے بھر جاتا تھا۔ اِس دنیا کے نوجوان مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتے [illegible] تھے۔ میں سوچتی تھی کہ میں اپنے سپنوں کے بوڑھے راجے [illegible] شادی کر لوں گی۔

پھر ایک رات میرے سپنے میں اس بوڑھے نے آ کر [illegible] "رُوپا! ناگپور کے وِدھوا آشرم میں آ جاؤ۔ تمھارے من کی مراد پوری ہو گی۔" اس سپنے کے بعد جب میری آنکھیں کھلیں تو پھر میں [illegible] میں نہ رہ سکی۔ ماں باپ کا گھر چھوڑ کر یہاں آ گئی۔ اس آشرم میں [illegible] حاصل کیا۔ بھگوان کی مورتی کو یہاں رکھا۔ پھر دن رات تمھارے [illegible] پرارتھنا کرتی رہی۔

کل رات جب میں پوجا کر رہی تھی تو اچانک کمرے کا دروازہ کھلا۔ ایک لمبا تڑنگا آدمی ہاتھ میں ریوالور لیے آیا۔ اُس نے دھمکی دی کہ میں شور مچاؤں گی تو وہ مجھے مار ڈالے گا۔ میں تم سے ملے [illegible] مرنا نہیں چاہتی تھی۔ اِس لیے چپ رہی۔ اُس آدمی نے کہا "[illegible]

[illegible] پیچھا کر رہے ہیں۔ میں یہ اہم کاغذات تمھارے پاس امانت رکھ کر جا رہا ہوں۔ کل رات کو کسی وقت آ کر واپس لے جاؤں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے کاغذات تھال کے نیچے رکھ دیے۔ پھر کھڑکی کے پاس جا کر بولا "دشمن میری لاش کو پا سکتے ہیں مگر ان کاغذات تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ایٹمک تھیوری ہمارے دیس کو [illegible] طاقت ور بنائے گی۔ اِس کی حفاظت کرنا تمھارا بھی کرتو [illegible] ہے۔ میں تمھارے اور بھگوان کے بیچ انھیں رکھ کر جا رہا ہوں اگر یہ کسی کے ہاتھ لگیں گے تو میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔"

یہ دھمکی دے کر وہ کھڑکی کے راستے چلا گیا۔ اب میں ڈر رہی ہوں کہ کیا کروں؟ کل رات سے اب تک میں نے کمرے کا دروازہ نہیں کھولا۔ دن کے وقت کھڑکی سے جھانک کر دیکھا تو تالاب کے پاس دو آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک دوربین کے ذریعہ میری کھڑکی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی دونوں کھڑکیاں بند کر دیں۔ ابھی تمھارے آنے سے پہلے یوں لگا جیسے کمرے میں کوئی گیس پھیل رہی ہو۔ میرا سر چکرانے لگا تو میں نے کھڑکیاں کھول دیں۔ پھر بھگوان کی مورتی کے پیچھے آ کر بیٹھ گئی۔"

میں نے اُسے ڈھارس دی "گھبراؤ نہیں۔ میں اِن کاغذات کے ساتھ تمھیں یہاں سے ایسی جگہ لے جاؤں گا۔ جہاں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔"

وہ کاغذات کو تھال کے نیچے رکھتی ہوئی بولی "وہ لمبا تڑنگا آدمی دیس سیوک ہے۔ ہمیں بھی دیس کی بھلائی کے لیے اِن کاغذات کی حفاظت کرنی چاہیے۔"

میں اپنی رُوپا کی بات سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے ناراض نہیں کر سکتا تھا۔ اِس لیے میں نے کہا "میں صرف تمھیں چاہتا ہوں۔ تمھاری خاطر اپنے باس سے جھوٹ بولوں گا کہ کاغذات نہیں ملے۔ لیکن تم کب تک اِن کی حفاظت کے لیے یہاں چھپی رہو گی؟"

"یہی سوچ کر میں پریشان ہوں۔ آج میرے مرنے کی رات ہے اگر میں مر جاؤں گی تو....."

میں نے حیرانی سے پوچھا "تم بیٹھے بیٹھے کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ آج پورنماشی کی رات ہے۔ اِس رات میں مر جایا کرتی ہوں۔ ٹھیک تین بجے میرے کانوں میں گھنٹیاں سی بجنے لگتی ہیں۔ کوئی دور سے کہتا ہے "آ جاؤ۔ واپس آ جاؤ۔ اِس سنسار میں تمھارا پیار تمھیں نہیں ملے گا۔ رُوپا آ جاؤ....."

میں نے بیٹھے بیٹھے اپنی رسٹ واچ دیکھی۔ ابھی تین بجنے میں پورے پندرہ منٹ باقی تھے۔ میں نے گھبرا کر کہا "نہیں رُوپا! تمھارا پیار تمھیں مل گیا ہے۔ تمھیں موت نہیں آئے گی۔ اگر آئے گی بھی تو کیا فرق پڑتا ہے۔ تم تو پھر میرے لیے جنم لے لیتی ہو۔"

"ہاں پتہ نہیں کیوں میرے ساتھ ایسا ہوتا رہتا ہے۔ مجھے اپنا ہوش نہیں رہتا۔ مجھے لگتا ہے۔ جیسے میں خواب میں چل رہی ہوں۔ پھر چلنے کا بھی احساس نہیں رہتا۔ شاید میں مر جاتی ہوں۔ پھر ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ میری آنکھ کسی ہسپتال میں کھلتی ہے۔"

اُس نے سہارے کے لیے پھر میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ پھر بولی "تم بوڑھے سہی مگر جنم جنم کے ساتھی ہو۔ میں تمھیں پا لینے کے بعد اب تھوڑی دیر کے لیے بھی مرنا نہیں چاہتی۔ مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لو۔"

آہ! ایسے وقت شدت سے احساس ہوا کہ میرے بازو بیٹھے بیٹھے بوڑھے ہو گئے ہیں بھگوان نے عجب مذاق کیا ہے۔ مجھے بوڑھا کر کے میری محبوبہ کی جوانی لوٹا دی۔ اِس دنیا کے کسی عاشق پر ایسا ظلم نہ ہوا ہو گا۔ میں نے اُسے اپنے بازوؤں میں چھپانا چاہا تو بیٹھے بیٹھے خود میری بوڑھی ہڈیاں اُس کے بازوؤں میں چھپ گئیں۔

محبت کی چھاؤں میں پتہ نہ چلا کہ بیٹھے بیٹھے کس طرح وقت گزر گیا۔ باہر کہیں تین کا گھنٹہ بج رہا تھا۔ اس آواز کے ساتھ کہیں دور سے گھنٹیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ رُوپا اچانک کانپنے لگی۔ لرزتی ہوئی آواز میں بولنے لگی "ن۔ نہیں۔ میں اب نہیں مرنا چاہتی....."

اچانک وہ ایک جھٹکے سے یوں الگ ہو گئی۔ جیسے نادیدہ ہاتھوں نے اُسے کھینچ کر مجھ سے جدا کر دیا ہو۔ کمرے کا دروازہ ہل رہا تھا۔ جھٹکے کھا رہا تھا۔ اُس کی چٹخنی لرزتی ہوئی بج رہی تھی۔ پھر وہ نیچے سرک گئی۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قریبی مندر کے گھنٹے زور زور سے بجنے لگے۔

کھلے ہوئے دروازے کے باہر دو پجاری دھوتی پہنے کھڑے تھے۔ دھوتی سے اوپر آدھا بدن ننگا تھا۔ ننگے بدن پر کاندھے سے کمر تک جنیؤ بندھا ہوا تھا۔ دونوں کے سر منڈے ہوئے تھے۔ دونوں کے ہاتھوں میں پیتل کے تھال تھے۔ ہر تھال پر ایک دیا روشن تھا۔ گیندے کے پھول اور سیندور کی ڈبیہ تھی۔

میں نے رُوپا کو دیکھا تو اُس کے دیدے پھیل کر ساکت ہو گئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ پجاریوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دونوں پجاری پلٹ کر جا رہے تھے۔ میں نے رُوپا کے پیچھے چلتے ہوئے آواز دی "رک جاؤ، تم کہاں جا رہی ہو؟"

وہ خاموش تھی جیسے میری آواز اُس کے کانوں تک نہ پہنچ رہی ہو۔ میں نے دروازے کے پاس پہنچ کر سوچا کہ خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔ اِس لیے تیزی سے پلٹ کر بھگوان کی مورتی کے پاس آیا لیکن اب وہاں تھال کے نیچے کاغذات نہیں تھے۔ وہ کمرے سے

آپ ہی آپ غائب نہیں ہو سکتے تھے۔ شاید اس وقت جب میں پجاریوں کو دیکھ رہا تھا۔ تب رُوپا نے اپنے دیس کی بھلائی کے لیے اُن کاغذات کو اُٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا ہو گا۔

میں پھر بھاگتا ہوا رُوپا کے پاس پہنچ گیا۔ اب دو پجاریوں نے دونوں طرف سے اُس کے ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اُسے زینے سے اُتار رہے تھے۔ کتنے ہی گھنٹوں کی آوازیں رات کے سناٹے میں گونج رہی تھیں۔ سنکھ بج رہے تھے۔ رُوپا کو موت پکار رہی تھی۔

میں نے زینے سے اُترتے ہی رُوپا کی پُشت پر لہراتے ہوئے آنچل کو تھام لیا۔ کیونکہ مندر کا صحن شروع ہو چکا تھا اور وہاں لوبان کا دھواں اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے اُس دھوئیں میں چھپتی جا رہی تھی۔ جی میں آ رہا تھا کہ پجاریوں کو کچا چبا جاؤں مگر وہ جوان اور تگڑے تھے۔ میں اپنی جوان محبوبہ کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا تھا۔

جب انسان بیٹھے بیٹھے دشمن کو نہیں مار سکتا تو بزدل بن کر دوست کے ساتھ مرنے کا دعوےٰ کرتا ہے۔ میں نے کہا: "رُوپا! میں تمہارا آنچل نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارے ساتھ مر جاؤں گا۔"

رُوپا کی آواز مر چکی تھی۔ دھواں اس قدر پھیلا ہوا تھا کہ وہ نظر نہیں آ رہی تھی صرف مجھے آگے بڑھانے والا آنچل بتا رہا تھا کہ وہ ابھی تک بیٹھے بیٹھے چلتی جا رہی ہے۔ پھر کہیں کہیں میرے قدم ڈگمگانے لگے۔ اب پاؤں تلے پختہ فرش نہیں تھا کہیں پتھر اور کہیں کچی زمین تھی۔ ایسی ہی جگہ میں رُوپا کی پُشت سے ٹکرا گیا۔ کیونکہ وہ اچانک رُک گئی تھی۔

اُس وقت میں نے بیٹھے بیٹھے رُوپا کا بوجھ اپنے اُوپر محسوس کیا۔ وہ سہارا لینا چاہتی تھی۔ میں اُسے سہارا دیتے دیتے اُس کے ساتھ ہی زمین پر گر پڑا۔ زمین کی سختی سے اور رُوپا کے بوجھ سے میری ہڈیاں کڑکڑا کر رہ گئیں۔ تھوڑی دیر تک میرا سر چکراتا رہا۔ پھر دھواں چھٹنے لگا تو میرے بھی حواس بیٹھے بیٹھے درست ہوتے گئے۔

رُوپا کے پھیلے ہوئے دیدے ساکت تھے۔ اُس کی سانس نہیں چل رہی تھی جسم بھی ساکت ہو چکا تھا۔ میں نے بڑی مشکل سے اُسے اپنے اُوپر سے ہٹا کر زمین پر ڈالا۔ اُسے جھنجھوڑ کر آواز دی۔ مگر وہ بہت پہلے ہی بیٹھے بیٹھے مر چکی تھی۔

ایک دم سے مجھے رونا آ گیا۔ میں کتنا بدنصیب ہوں۔ پندرہ برس کی عمر تک رُوپا سے صرف ہاتھ تھامنے والی محبت کرتا رہا۔ پینتالیس برس بعد وہ ملی تو میرا بڑھاپا پھر وہی ہاتھ تھام کر رہ جانے والی محبت کر سکتا تھا۔ بڑھاپے میں ایک جوان لڑکی کی محبت مل جائے تو بیٹھے بیٹھے یہی غنیمت ہے مگر وہ مل کر بھی بچھڑ گئی تھی۔ میں اپنی بدنصیبی پر روتا رہا۔ تب بیٹھے بیٹھے یاد آیا کہ یہ رُوپا کی عارضی موت ہے۔ پہلے بھی وہ مرنے کے بعد کسی نرسنگ ہسپتال میں پہنچ کر زندہ ہو گئی تھی۔ اب بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مجھے فوراً ہی بیٹھے بیٹھے اُسے ہسپتال پہنچانا چاہیئے۔

ہسپتال پہنچانے کے خیال سے وہ کاغذات یاد آئے۔ وہ کسی دوسرے کے ہاتھ لگ سکتے تھے۔ میں انھیں اپنے پاس رکھنے کے لیے اُس کے لباس کو ٹٹولنے لگا۔ وہ مجھے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ میں اُس کے لیے رو رہا تھا۔ دِل کہتا تھا کہ اپنی رُوپا کے سینے پر سَر رکھ کر جان دے دوں۔"

اتنا کہہ کر جگ پال چپ ہو گیا۔ سُونیا نے دیکھا وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا۔ ایک جوان دوشیزہ اور ایک بوڑھے مرد کی محبت پہلی بار دیکھنے اور سننے میں آئی تھی۔ میں خود اُس بوڑھے کی سوچ پڑھنے کے دوران متاثر ہو گیا تھا۔ کیونکہ وہ سچ مچ رُوپا کے لیے بلک رہا تھا۔

سُونیا بھی اُس سے متاثر ہو گئی تھی مگر اُس نے ہمدردی ظاہر نہیں کی۔ صرف نرمی سے کہا: "جب وہ مر چکی ہے تو اُس کے لیے رونا فضول ہے۔"

"وہ نہیں مر سکتی۔ میں بیٹھے بیٹھے پھر اُسے تلاش کرنے کے لیے ہندوستان جاؤں گا۔

میں ۔ ۔ ۔ اُس کے مُردہ جسم کو ٹٹول کر کاغذات تلاش کر رہا تھا۔ کاغذات تو نہیں ملے۔ ایک گھونسہ ملا۔ میں اُلٹ کر دوسری طرف گر پڑا۔ تب میں نے بیٹھے بیٹھے دیکھا میرے چاروں طرف بھارتی سپاہی رائفلیں لیے کھڑے تھے۔

ایک فوجی افسر نے کہا: "بوڑھے! تجھے شرم نہیں آتی۔ ایک مُردہ لڑکی کے بدن کو ٹٹول رہا ہے۔"

میں نے بیٹھے بیٹھے کہا: "یہ میری رُوپا ہے۔ میرے بچپن کا پیار ہے۔ مجھے اِس کے ساتھ ہسپتال لے چلو یہ دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔"

افسر نے خشک لہجہ میں کہا: "ہم جانتے ہیں کہ یہ زندہ ہو جائے گی۔ تم بھی یہ جان لو کہ تمہارے تمام ساتھی گرفتار ہو چکے ہیں۔"

اُس کے حکم سے دو سپاہی مجھے پکڑ کر وہاں سے لے جانے لگے۔ میں چیخ رہا تھا۔ رُوپا کو آوازیں دے رہا تھا۔ مگر دونوں سپاہی بیٹھے بیٹھے مجھے تنکے کی طرح اُٹھا کر وہاں سے لے گئے۔ آگے جیل خانہ کی دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک گاڑی کی جالی سے ریڈ پاور کے جاسوس جھلکتے ہوئے نظر آئے۔ واقعی میرے ساتھی قید کر لیے گئے تھے۔

مجھے دوسری گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بٹھایا گیا۔ وہاں ریڈ پاور کے تین جاسوس قیدی کی حیثیت سے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر دونوں گاڑیاں آگے بڑھنے لگیں۔ ہماری گاڑی پیچھے تھی۔ ریڈ پاور کے ایک جاسوس نے مجھ سے پوچھا: "وہ کاغذات محفوظ ہیں نا؟"

میں نے بیٹھے بیٹھے جل کر کہا: "میری دُنیا لُٹ گئی ہے۔ رُوپا بچھڑ گئی ہے۔ ہم جیل جا رہے ہیں اور تمھیں کاغذات کی پڑی ہے۔"

اُس نے غرّا کر کہا: "بکواس مت کرو۔ تم جیل میں نہیں جاؤ گے۔ ابھی وہ کاغذات لے کر سیدھے رین بسیرا ہوٹل میں جانا۔ وہاں کمرہ نمبر دس میں ہمارا آدمی اُن کاغذات کی مائکرو فلم تیار کرے گا۔"

میں نے غصّہ سے کہا: "میرے پاس وہ کاغذات نہیں ہیں۔"

"تم پھر بکواس کر رہے ہو۔ آشرم کے جس کمرے کو تم نے کرائے پر حاصل کیا تھا۔ وہاں تمہارے جانے کے بعد میں موجود تھا۔ میں اُس کمرے کی کھڑکی سے نکل کر رُوپا کے کمرے کی کھڑکی کے پاس آ گیا تھا۔ اُس وقت میں نے دیکھا۔ وہ لڑکی محبت کا اظہار کرتی ہوئی تم سے لپٹ گئی تھی پھر اُس نے اُن کاغذات کو تمہاری جیکٹ کی جیب میں رکھ دیا۔ اُسی وقت میں نے نیچے دیکھا۔ یہاں کے فوجی میری طرف رائفلیں اُٹھائے کھڑے تھے۔ مجھے مجبوراً خود کو گرفتاری کے لیے پیش کرنا پڑا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اتنی دیر میں تم اُس کمرے سے فرار ہو جاؤ گے لیکن تم پر تو عشق کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ دیکھو وہ کاغذات موجود ہیں یا نہیں؟"

میں نے فوراً ہی بیٹھے بیٹھے اپنی جیب ٹٹولی۔ پھر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ کاغذات میری جیب میں موجود تھے۔ مجھے شرم آئی کہ رُوپا نے تو مرتے مرتے بھی دیس بھگتی کا ثبوت دیا۔ وہ کاغذات میری جیب میں چھپا دیے اور میں ہوں کہ ریڈ پاور جیسی غیر ملکی تنظیم کے لیے کام کر رہا ہوں۔

ریڈ پاور کے جاسوس نے پوچھا: "کیا تم یہ کاغذات ہم سے چھپانا چاہتے تھے؟"

"نہیں میں بیٹھے بیٹھے قسم کھاتا ہوں کہ مجھے ان کاغذات کا علم نہیں تھا۔ پتہ نہیں کب رُوپا نے اِسے میری جیب میں رکھ دیا تھا۔"

اُس نے کہا: "سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر رُوپا اپنے دیس کے لیے کام کر رہی تھی اور ہمیں گرفتار کرانا چاہتی تھی تو پھر یہ کاغذات تمھیں کیوں دے دیے؟"

"اس لیے کہ وہ مجھ سے بیٹھے بیٹھے محبت کرتی ہے۔"

"بکو مت۔ آگے جا کر یہ گاڑی رُکنے والی ہے۔ اِس گاڑی میں سفر کرنے والا بھارتی افسر ہمارا آدمی ہے۔ چونکہ ہم سب کو کسی گنتی کے بغیر دونوں گاڑیوں میں ٹھونسا گیا ہے۔ اس لیے دوسری گاڑی کا افسر اِس گاڑی کے افسر کو الزام نہیں دے سکے گا کہ ایک قیدی یہاں سے غائب ہوا ہے۔"

وہ مجھے بیٹھے بیٹھے تمام باتیں ۔ ۔ ۔ سمجھا رہا تھا اور ہدایت کر رہا تھا کہ مجھے فوراً ہی رین بسیرا کے کمرہ نمبر دس میں پہنچنا ہو گا۔ آگے جا کر سچ مچ وہ گاڑی بیٹھے بیٹھے رُک گئی۔ اُس کے رُکتے ہی پچھلا دروازہ کھلا۔ ایک سپاہی نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ دوبارہ بند ہوا اور گاڑی تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب میں بیٹھے بیٹھے دوبارہ آزاد ہو گیا تھا۔ میرا دل رُوپا کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ ریڈ پاور کا خوف نہیں تھا۔ کیونکہ محبت کرنے والے دُنیا بھول جاتے ہیں۔ میں نے فوراً ہی ایک ٹیکسی لی اور اُسی آشرم کی طرف روانہ ہو گیا۔ ارادہ تھا کہ دُور سے بیٹھے بیٹھے معلوم کروں گا کہ رُوپا کو وہ لوگ کس ہسپتال میں لے گئے ہیں۔

وہاں پہنچ کر میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ رات کی تاریکی ابھی باقی تھی۔ میں نے آشرم کے چوکیدار کے پاس جا کر پوچھا: "کیا یہاں مسافر کو ٹھہرنے کی جگہ مل سکتی ہے؟"

اُس نے کہا: "آج نہیں مل سکتی۔ ابھی فوج والوں کا یہاں پہرہ ہے۔ بہت سے جاسوس پکڑے گئے ہیں۔"

"یہ تو اچھی بات ہے کہ بیٹھے بیٹھے دیس کے دشمن پکڑے گئے۔ اچھا تمام جاسوس مرد ہیں یا کوئی عورت بھی ہے؟"

"ایک عورت تھی۔ سُنا ہے کہ مر گئی۔ اُسے پولیس ہسپتال لے گئے ہیں۔"

پولیس ہسپتال کی طرف جانا خطرہ سے خالی نہیں تھا لیکن رُوپا مجھے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ میں ہسپتال کے پچھلے حصّہ کی طرف گیا۔ ارادہ یہ تھا کہ پہرے دار ذرا اِدھر اُدھر ہوں گے تو میں جان ہتھیلی پر رکھ کر رُوپا کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ ایسے ہی وقت مجھے بیٹھے بیٹھے محسوس ہوا کہ رُوپا میرے اندر بول رہی ہے: "میرے پریمی! میں تمہارے لیے پھر زندہ ہو رہی ہوں۔ میں پھر تم سے ملنے والی ہوں۔"

میں نے اپنے آپ کو ٹٹولا میرے اندر جیسے رُوپا کی روح بیٹھے بیٹھے بول رہی تھی۔ پھر میں اپنے آپ سے بولنے لگا: "مجھے ایک ٹیکسی کرا انگیج رکھنا چاہیے۔ رُوپا زندہ ہو کر اِدھر آئے گی تو فرار ہونے کے لیے کسی گاڑی کی ضرورت پیش آئے گی۔"

پھر میں نے اپنے دل میں کہا: "میں کسی ٹیکسی والے کو کیوں روکوں؟ رُوپا کو کیا معلوم کہ میں ہسپتال کے پچھلے حصّہ میں موجود ہوں۔ پتہ نہیں یہ فضول سی بات بیٹھے بیٹھے میرے دماغ میں کیوں آ رہی ہے۔"

میں نے یہ سوچا مگر اُس وقت ایک ٹیکسی کو سامنے سے گزرتے دیکھ کر بے اختیار آواز دی۔ ٹیکسی بیٹھے بیٹھے رُک گئی۔ تب مجھے خیال آیا کہ ایک انجانی طاقت ہے، جو اپنی مرضی کے مطابق مجھ سے کام کرا رہی ہے اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر وہ کام کر گزرتا ہوں۔ مثلاً ریڈ پاور کا اہم کام چھوڑ کر میں بہت بڑی تنظیم کی مخالفت مول

سلے رہا تھا۔ کیونکہ میرے اندر ایک جذبہ ایک طاقت تھی جس نے رُوپا کی طرف مجھے بیٹھے بیٹھے موڑ دیا تھا۔ میں بے اختیار ہسپتال کے پیچھے چلا آیا تھا۔ پھر میں نے بے اختیار ٹیکسی والے کو روک دیا تھا۔
ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔ "باؤ کتنے جانا ہے؟"
میں نے کہا۔ "لیتے اوڈ یکنا ہے۔ میں بیٹھے بیٹھے انتظار کرنے کے منہ مانگے پیسے دوں گا۔"
دو میری بات پوری ہوتے ہی انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ میں نے حیرانی سے دیکھا۔ رُوپا دوڑتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ مادام سونیا! کیا یہ آپ کے لیے بھی حیرانی کی بات نہیں ہے کہ پہلے میرے دماغ نے ٹیکسی رُکنے کی بات سوچی میرے اپنے دماغ نے یقین دلایا کہ رُوپا زندہ ہو کر اِدھر آئے گی اور وہ سچ مچ آ گئی تھی۔"
یہ غور کرنے کا مقام تھا۔ سونیا سوچنے لگی۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ رُوپا جو چاہتی تھی، وہی بات جگ پال کے دل میں پہلے سے اُتر گئی تھی۔ فرہاد! تم کہاں ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمھاری طرح رُوپا بھی دوسروں کے دماغ میں بولتی ہو؟"
میں نے کہا۔ "سونیا! میں اس سلسلہ میں سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں جگ پال کی رام کہانی نے رُوپا کو اب ایک نئے انداز میں پُراسرار بنا دیا ہے۔ تم اس بوڑھے سے سوالات کرو۔ شاید رُوپا کی حقیقت کھل جائے۔"
سونیا نے بوڑھے سے پوچھا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ رُوپا کی رُوح نے پہلے ہی تمھیں ٹیکسی ٹھہرانے کے لیے کہا تھا؟"
"میں بیٹھے بیٹھے یہی سمجھتا ہوں کہ رُوپا کی رُوح میرے اندر بولتی ہے۔"
سونیا نے کہا۔ "یہ بکواس ہے۔ رُوح کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ اگر میں تمھارے اندر بولوں تو یہ ٹیلی پیتھی کہلائے گی۔ کیا تم یہ نہیں سوچ سکتے کہ وہ ٹیلی پیتھی کے ذریعہ تمھیں بلا رہی تھی؟"
میں فرہاد علی تیمور خود کو ٹیلی پیتھی کے میدان میں یکا و تنہا سمجھتا ہوں۔ میں یہ یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کہ ایک حسین بچاڈن یہ علم جانتی ہوگی اور اگر جانتی ہے۔ تو پھر میرے اور سونیا کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ خطرناک اس طرح کہ اگر رُوپا ریڈ پاور تنظیم یا ماسٹروں کی تنظیم کے ہتھے چڑھ جاتی اور ان کی آلۂ کار بن جاتی تو خیال خوانی کے ذریعے یہ معلوم کر لیتی کہ سونیا کے دماغ کے پیچھے کوئی دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا موجود ہے۔ ریڈ پاور کے سامنے سونیا کا فراڈ کھل جاتا۔ ماسٹروں کی تنظیم کے تمام ماسٹر یقین کر لیتے کہ سونیا کے دماغ کے پیچھے فرہاد بول رہا ہے۔ لہٰذا رُوپا کبھی انجانے میں میرے راستے میں دیوار بن سکتی تھی۔ میری سوچ کہہ رہی تھی کہ اس سے پہلے مجھے رُوپا کو دیکھ لینا اور سمجھ لینا چاہیے تھا۔ بھگوہ کہاں ہے؟ کہتے ہی جگ پال اپنے عشق کی داستان سنا رہا تھا۔

بوڑھے جگ پال نے سونیا کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں مانتا ہوں کہ ٹیلی پیتھی ایک تسلیم شدہ علم ہے لیکن رُوپا کا تعلق آتما سے ہے یعنی رُوحانیت سے ہے۔ یہ بات اس طرح ثابت ہو جاتی ہے کہ وہ میرے لیے دوبارہ جنم لے کر بیٹھے بیٹھے اس دنیا میں آئی ہے۔"
سونیا نے چڑ کر کہا۔ "میرا دماغ نہ کھاؤ۔ تمہاری داستان سننے کے بعد جو بات میری سمجھ میں آئی ہے وہ میں تمہیں بتاتی ہوں۔ ذرا غور سے سنو۔"
بوڑھا غور سے سننے کے لیے زینے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کے چاروں بے زبان بیٹے سونیا کو گہری توجہ سے دیکھ رہے تھے۔
سونیا نے کہا۔ "بوڑھے طوطے سنو! تم نے پندرہ برس کی عمر میں رُوپا سے عشق کیا۔ اس وقت رُوپا تیرہ برس کی تھی۔ اب تم ساٹھ برس کے ہو۔ اگر رُوپا زندہ ہوتی تو اٹھاون برس کی ہوتی۔ بولو درست ہے؟"
بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ "بیٹھے بیٹھے بالکل درست ہے۔"
سونیا نے بات آگے بڑھائی۔ "تمہارے بیان کے مطابق رُوپا کی شادی کسی دوسرے سے ہو گئی۔ اس نے کئی بچوں کو جنم دیا۔ آخر میں اس کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اگر رُوپا پینتیس ۳۵ یا چھتیس برس کی عمر میں اس بیٹی کو جنم دے کر مر گئی تھی تو اب اس بیٹی کی عمر کم از کم بیس برس ہوگی۔"
بوڑھے نے عاجزی سے کہا۔ "بھگوان کے لیے اس کی عمر زیادہ نہ بتاؤ۔ میں نے بیٹھے بیٹھے اسے دیکھا ہے۔ اس کے لیے شاعر نے کہا ہے کہ برس پندرہ کا یا کہ سولہ کا سن۔ جوانی کی راتیں مرادوں کے دن۔ مطلب یہ کہ وہ بیٹھے بیٹھے بہت کم سن ہے۔"
"چلو کم سن ہے مگر وہ اپنی ماں کی ہمشکل ہو سکتی ہے۔"
بوڑھے نے اعتراف کیا۔ "ہاں کتنی ہی لڑکیاں اپنی ماؤں کی ہمشکل ہوتی ہیں۔"
سونیا بولی۔ "تو پھر تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ جس لڑکی سے تم مل چکے ہو۔ وہ رُوپا نہیں بلکہ رُوپا کی بیٹی ہے۔ تم ساٹھ برس میں سٹھیا گئے ہو۔ اپنی محبوبہ کی بیٹی سے عشق کر رہے ہو۔"
"ایں؟" وہ بوکھلا گیا۔ "یہ بیٹھے بیٹھے تم کیا کہہ رہی ہو۔ رام رام میں کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر تم ہمارے دیس میں پیدا ہوئیں تو آواگون کے عقیدہ کو تسلیم کر لیتیں پھر تمہیں یقین ہو جاتا کہ محبت کرنے والوں کی رُوح پچھلے جنم میں پیاسی رہ جاتی ہے۔ تو وہ محبت کی تکمیل کے لیے دوسری بار بیٹھے بیٹھے جنم لیتی ہیں۔ تم اسے رُوپا کی بیٹی نہ سمجھو۔ وہ خود رُوپا ہے۔"
سونیا نے بیزاری سے اپنا سر تھام لیا۔ تب میں نے اسے مخاطب کیا۔ "سونیا! میں نے تمہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ یہ بوڑھے

جگ پال کا مذہبی عقیدہ ہے۔ وہ رُوپا کی بیٹی کو آخری دم تک رُوپا سمجھ کر عشق کرتا رہے گا۔"
وہ سوچ کے ذریعہ غصے میں بولی۔ "جہنم میں جائے یہ بوڑھا۔ میں اس کے ساتھ اپنا دماغ خراب نہیں کر سکتی۔ تم بتاؤ کہ اب مجھے کیا کرنا ہے؟"
"میری جان! غصہ تھوک دو۔ اور ہنستے مسکراتے ہوئے اس کے سامنے یہ تسلیم کر لو کہ رُوپا دوسرا جنم لے کر اور سولہ برس کی کنواری بن کر اس سے عشق کرنے اس دنیا میں آ گئی ہے۔"
"تسلیم کر لینے سے فائدہ کیا ہو گا؟"
"ابھی فائدے کی نہیں نقصان کی بات سوچو۔ بوڑھے جگ پال کی باتوں سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رُوپا بھی انسانی دماغوں کو پڑھ لیتی ہے۔ اس نے جگ پال سے پہلی ہی ملاقات میں یہ تسلیم کر لیا کہ وہ اس کی محبوبہ رُوپا ہے۔ یقیناً اس نے جگ پال کی سوچ کو پڑھ لیا تھا پھر یہ کہ ہسپتال کے باہر جگ پال کھڑا ہوا سوچ رہا تھا کسی طرح پہرے داروں کی آنکھ بچا کر وہ رُوپا کو دیکھنے جائے گا کہ وہ زندہ ہو چکی ہے یا اب تک مردہ ہے۔
ایسے ہی وقت جگ پال کے دماغ میں یہ بات آئی کہ رُوپا ہسپتال سے فرار ہو کر آئے گی۔ لہٰذا ایک ٹیکسی کو انگیج رکھنا چاہیے۔ پھر یہی ہوا کہ جگ پال نے ایک ٹیکسی کو روکا اور رُوپا ہسپتال سے فرار ہو کر وہاں پہنچ گئی۔
ان واقعات سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ رُوپا میری طرح دوسروں کے دماغوں کو کنٹرول کرنا جانتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ حبسِ دم کی ماہر ہے پولیس والوں نے اسے مردہ سمجھ کر ڈاکٹروں سے تصدیق کے لیے ہسپتال پہنچایا۔ وہاں سے وہ اپنی سانسوں کو اعتدال پر لا کر فرار ہو گئی۔"
سونیا نے اعتراف کیا۔ "میں بوڑھے کی بکواس میں اُلجھ گئی تھی۔ اس لیے ان واقعات کا صحیح تجزیہ نہ کر سکی۔ یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ وہ صرف ٹیلی پیتھی ہی نہیں جانتی بلکہ حبسِ دم کی ماہر بھی ہے۔"
"ہاں سونیا! رُوپا ہمارے لیے بہت بڑا خطرہ بن سکتی ہے وہ دو بڑی تنظیموں میں سے کسی ایک کے بھی ہتھے چڑھے گی تو انجامِ کار ہمارے مقابلہ پر کھڑی ہو جائے گی۔ مقابلہ تو خیر میں نے ماسٹر نوریشے جیسے ٹیلی پیتھی جاننے والے سے بھی کیا ہے۔ جب ایسا وقت آئے گا تو ہار جیت کا فیصلہ بھی جلد ہی ہو جائے گا۔ پریشانی کی بات یہ ہے کہ جلد یا بدیر رُوپا کو یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہو۔ تمہارے دماغ کے پیچھے فرہاد بول رہا ہے۔"
"مائی گڈنس۔ یہ تو واقعی پریشانی کی بات ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اس کمینی سے نمٹنا ہو گا۔"
"کیوں خواہ مخواہ اُسے گالی دے رہی ہو؟"
"ہاں تمہیں تو بُرا لگے گا۔ سن لیا ہے ناکہ وہ کنواری ہے، سولہ برس کی ہے۔ پھر یہ کہ حسین بھی ہے۔ اب تو تمہارے دل نے اسی کے لیے دھڑکنا شروع کر دیا ہو گا۔"
"شکوک و شبہات کا علاج حکیم لقمان کے پاس بھی نہ تھا۔ پھر بھلا میں تمہارا علاج کیسے کر سکتا ہوں۔ میں تمہیں ایک اچھی بات سمجھا رہا ہوں کہ وقت سے پہلے کسی کو دشمن سمجھ کر گالی نہ دو۔ ہو سکتا ہے کہ رُوپا دوست بن جائے۔"
"ضرور بنے گی۔ لڑکیوں سے دوستی کا فن خوب جانتے ہو۔ میں بھی تمہارے فریب میں آ کر تمہیں اپنا سب کچھ مان چکی ہوں۔ اب مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تم مجھ سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہی مجھے یہاں کے حالات میں اُلجھا رہے ہو۔ میں صاف کہہ دیتی ہوں کہ اب تمہارے فریب میں نہیں آؤں گی۔"
"میں تمہیں اپنا سمجھ کر تم سے اپنا کام لیتا ہوں۔ اگر تم اسے فریب سمجھتی ہو تو میرا کوئی کام نہ کرو۔ صرف ایک اچھی دوست بن کر رہو۔"
"یعنی صرف دوست بن کر؟ ہمارے درمیان اور کوئی رشتہ نہیں ہو گا؟"
"ضرور ہو گا۔ تم میری پہلی اور آخری محبت ہو۔ میری جان ہو۔ میری جان کے ساتھ رہو گی۔"
"بس بس۔ میں لفظوں کے فریب میں نہیں آؤں گی۔ میں یہاں کی ساری مصروفیات چھوڑ کر تمہارے پاس آ رہی ہوں۔"
"جمیزی اور شیلا وغیرہ کا کیا ہو گا؟"
"میں نے کسی کا ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہے۔ وہ لوگ بچے نہیں ہیں۔ اپنے حالات سے آپ نمٹ لیں گے۔ جب میں تمہارے لیے ساری دنیا کو چھوڑ سکتی ہوں تو جمیزی اور شیلا کس گنتی میں ہیں؟"
"اچھی بات ہے۔ تم میرے پاس آؤ۔ مگر ایک بات یاد رکھو کہ میں رُوپا کے خطرے سے نمٹنے کے لیے اس کا سامنا ضرور کروں گا۔ تم میرے راستے کی دیوار نہ بننا۔"
"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں اسی لیے تو آ رہی ہوں کہ تم کسی لڑکی کا سامنا نہ کرو۔"
"یعنی تم یہ چاہتی ہو کہ کسی موقع پر رُوپا آسانی سے میرے اور تمہارے دماغ تک پہنچ جائے؟"
"وہ ہم تک نہیں پہنچے گی میرے ذہن میں ایک تدبیر ہے۔"
"تدبیر بتاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔"

"دیکھو فرہاد! تم دنیا والوں کے لیے مر چکے ہو۔ آج سے میں بھی مر جاتی ہوں۔"

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

"چپ چاپ سنو۔ آج سے میں سونیا کے نام کو ہمیشہ کے لیے گم کر دوں گی۔ دوسرا روپ اختیار کر لوں گی۔ اس طرح ہم دونوں کے نام اور دونوں کے روپ بدل جائیں گے۔ تو ہم کسی پُر فضا مقام پر ایک خوبصورت سا کاٹیج بنا کر آرام و سکون سے زندگی گزاریں گے۔"

عورت کا وہی پرانا مطالبہ کہ ایک گھر بساؤ اور بچے پیدا کرو۔ سونیا مزاماً اپنی عزم کی مالکہ سہی۔ مگر آخر کار عورت ہی تھی۔ وہ میرے ساتھ پُرسکون زندگی گذارنے کے سوا دوسرا خواب نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں اُسے بارہا سمجھا چکا تھا کہ میں مستقل طور پر گھریلو زندگی نہیں گزار سکتا۔ لیکن سونیا کی خود اعتمادی یہ تھی کہ وہ مجھے لگام دیکر رکھ سکے گی۔

میں نے کہا "جب تم ایک گھر بسانے کی ضد کر رہی ہو تو پھر میں اپنی جان کی ضد ضرور پوری کروں گا۔ تم بوڑھے جگ پال کے ساتھ ہندوستان آ جاؤ۔ میں تم سے وہیں ملوں گا۔"

"میں ہندوستان نہیں جاؤں گی۔ وہاں روپا ہوگی۔ تم مجھے بیوقوف نہ بناؤ۔"

"پہلے تم اس بوڑھے سے پوچھو تو سہی کہ رُوپا اس سے دوبارہ مل کر کیسے بچھڑ گئی تھی؟"

"جب ہمیں کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا ہے تو میں کس لیے پوچھوں؟"

"اس لیے کہ تم بوڑھے جگ پال کا اعتماد حاصل کر کے وہاں میک اپ کا سامان منگوا سکتی ہو۔ وہی تمہیں رومانیہ کی حدود سے باہر نکال سکے گا۔"

سونیا تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اُس نے جگ پال سے پوچھا "آگے بتاؤ۔ جب رُوپا ہسپتال سے فرار ہو کر تمہاری انگیج کی ہوئی ٹیکسی تک پہنچ گئی تو پھر کیا ہوا؟"

بوڑھے جگ پال نے کہا "میں نے اسے دیکھتے ہی اپنی جیب سے وہ اہم کاغذات نکالتے ہوئے کہا۔ پیاری رُوپا کیا تم نے یہ کاغذات بیٹھے بیٹھے میری جیب میں رکھ دیئے تھے؟"

وہ ہسپتال سے دوڑتی ہوئی آئی تھی۔ اس لیے ہانپ رہی تھی۔ اس نے کاغذات لیتے ہوئے کہا "پیارے! ذرا ادھر جا کر دیکھو۔ گھبراہٹ میں میرا پرس کہیں گر پڑا ہے۔"

ایک پرس تو کیا میں اس کے لیے بیٹھے بیٹھے آسمان سے تارے توڑ کر بھی لا سکتا تھا۔ میں بھاگتا ہوا اُدھر گیا۔ جدھر سے وہ آئی تھی۔ پرس کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں رُوپا کو یہ سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا کہ بڑھاپے کے باعث میری بینائی کمزور ہو چکی ہے۔ اس لیے میں پرس کو تلاش کرتا ہوا دُور نکل گیا۔ تب رات کے سناٹے میں ٹیکسی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا ٹیکسی تیز رفتاری سے بھاگ رہی تھی۔ میں دوڑتا ہوا چیخنے لگا "ٹھہرو، رُک جاؤ۔ رُوپا ٹیکسی والے کو بیٹھے بیٹھے روک دو۔"

لیکن وہ پہلے تو میری آواز سے دور چلی گئی۔ پھر نظروں سے بھی اوجھل ہو گئی۔ افسوس مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ ٹیکسی والے بدمعاش ہوتے ہیں۔ وہ بدمعاش میری محبوبہ کو لے کر فرار ہو گیا۔

سونیا نے کہا "تمہیں کب عقل آئے گی؟ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ رُوپا تمہیں بیوقوف بنا کر بھاگ گئی ہے۔ اس نے تمہیں دھوکہ دیا ہے۔"

"نہیں۔ جو لڑکی میرے لیے دوسری بار دنیا میں آئی ہے وہ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتی۔"

سونیا نے ہار مان کر کہا۔

"اچھا وہ سچی۔ میں جھوٹی ہوں اپنی کہانی جلد ختم کرو۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولا "کہانی تو ختم ہی سمجھو۔ جب میں اسے تلاش کرتے ہوئے ہوٹل رین بسیرا کی طرف آیا تو ریڈ پاور کے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا اور وہ کاغذات طلب کرنے لگے۔ میں نے بیٹھے بیٹھے بہانہ کیا کہ کسی نے میری جیب پر ہاتھ کی صفائی دکھائی ہے۔ لیکن انہوں نے میری باتوں کا یقین نہیں کیا۔ مجھے ایک تہہ خانہ میں لے جا کر میری خوب پٹائی کی۔ دوسرے دن کے اخبار سے انہیں پتہ چلا کہ جس رُوپا کو مردہ سمجھا گیا تھا وہ ہسپتال سے فرار ہو گئی ہے۔ تب ریڈ پاور والوں کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ میں رُوپا کا ساتھ دے رہا ہوں۔

دو روز بعد ماسک مین کی طرف سے مجھے ایک پارسل ملا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس ڈبے میں دو کٹی ہوئی زبانیں تھیں اور کاغذ کے ایک پرزے پر لکھا ہوا تھا "جگ پال یہ تمہارے دو بیٹوں کی زبانیں ہیں۔ میں غداری کی بہت ہی عبرتناک سزا دیتا ہوں۔ اگر اب بھی تم نے وہ کاغذات ہمارے حوالے نہ کیے اور رُوپا کا پتہ نہ بتایا تو تمہارے باقی دو بیٹوں کی زبانیں بھی کاٹ لی جائیں گی۔"

میں اس پارسل کو کلیجے سے لگا کر رونے لگا۔ قسمیں کھانے لگا کہ کاغذات میرے پاس نہیں ہیں اور میں رُوپا کا پتہ بیٹھے بیٹھے نہیں جانتا ہوں۔ قصہ مختصر جب مجھے رومانیہ پہنچایا گیا تو میرے باقی دو بیٹے بھی بے زبان ہو چکے تھے۔ تب میرے دل و دماغ میں انتقام کی آگ بھڑکنے لگی۔ رُوپا کی جدائی اور بیٹوں کی بے زبانی دونوں نے مجھے اور زیادہ بوڑھا بنا دیا۔

ماسک مین نے ہمیں اپنی تنظیم سے نکال دیا۔ لیکن یہ پابندی بھی عائد کر دی کہ ہم رومانیہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ ہم باپ بیٹوں نے چپکے چپکے ایک ایسے شخص سے دوستی کی جو اس تہہ خانہ والی عمارت کا مالک تھا۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا کہ میں بیٹھے بیٹھے اس کے کام آؤں گا۔ تو وہ بھی بیٹھے بیٹھے میرے کام آئے گا۔

اس کا سہارا پا کر میرے چاروں بیٹے اس تہہ خانہ میں آ کر چھپ گئے۔ ریڈ پاور کے آدمیوں نے میرے بیٹوں کا سراغ لگانے کے لیے پھر میری پٹائی کی۔ میں نے کہا "میرے عشق کی وجہ سے تم لوگوں نے ان کی زبانیں کاٹ ڈالیں۔ وہ باپ سے بدظن ہو کر ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔"

یہ کہہ کر میں رونے لگا۔ انہیں مجھ پر ترس آ گیا۔ انہوں نے پھر مجھے آزاد چھوڑ دیا۔ جس شخص کا یہ تہہ خانہ ہے۔ اس کا نام شنکر ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہمارے ہی دیس کا رہنے والا ہے۔ کل اس نے مجھے بتایا کہ سونیا نام کی ایک عورت ریڈ پاور والوں کے ہاتھ لگ گئی ہے۔ اگر ہم بیٹھے بیٹھے اسے اغوا کر کے یہاں لے آئیں تو وہ ہم باپ بیٹوں کو ہندوستان پہنچا دے گا۔"

سونیا نے پوچھا "یہ شنکر کون ہے؟ وہ مجھ سے دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟"

"شنکر بیٹھے بیٹھے رُوپا کی طرح دیس بھگت ہے۔ اس نے تمہارے متعلق بتایا کہ مادام سونیا دنیا کی ایک بہت بڑی خفیہ تنظیم کی ایک اہم عورت تھی۔ بیٹھے بیٹھے سونیا کا اس تنظیم سے بگاڑ پیدا ہو گیا۔ اب وہ ماسک مین کی دوست بن رہی ہے۔ اگر ہم اس سے یعنی تم سے دوستی کر لیں گے تو ہماری طاقت بڑھ جائے گی۔"

سونیا کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں پھیل گئیں۔ اس نے پوچھا "یہ شنکر میرے بارے میں یہ سب کچھ کیسے جانتا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ وہ آئے گا تو تم پوچھ لینا۔"

"وہ کب آئے گا؟"

"پتہ نہیں۔ وہ بیٹھے بیٹھے ہمارے فرار ہونے کا بندوبست کرنے گیا ہے۔"

"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں یہاں سے فرار ہو کر تمہارے ساتھ ہندوستان جاؤں گی؟"

"رُوپا کی آتما نے بیٹھے بیٹھے مجھ سے یہی کہا ہے۔"

"کیا؟" سونیا چونک گئی۔ یہ بات میرے لیے بھی چونکانے والی تھی۔ سونیا نے میری سوچ کے مطابق پوچھا "کیا رُوپا کی آتما نے تم سے رابطہ قائم کیا تھا؟"

"پتہ نہیں اسے رابطہ کہتے ہیں یا نہیں۔ کل رات میں شنکر کی اس بات پر بیٹھے بیٹھے غور کر رہا تھا کہ ریڈ پاور کے پنجے سے تمہیں کیسے نکال کر لایا جا سکتا ہے۔ یہ تو بہت ہی خطرناک کام ہوگا۔ ذرا بھی بھول چوک ہوئی تو ماسک مین مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

تب بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے سپنے میں دیکھا۔ روپا مجھے پکار رہی تھی۔ مجھ سے کہہ رہی تھی "پیارے جگ پال! میں بڑی ابھاگن ہوں۔ تم سے مل کر پھر بچھڑ گئی۔ وہ بدمعاش ٹیکسی ڈرائیور مجھے بھگا کر لے گیا تھا لیکن میرا پریم سچا ہے۔ میں اس کے پنجے سے نکل آئی ہوں اور اب کئی ماہ سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

میں سپنے میں بیٹھے بیٹھے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ پیچھے جاتی ہوئی بولنے لگی "مجھے سپنے میں پا کر کیا کرو گے؟ اگر سچ مچ پانا چاہتے ہو تو فوراً شنکر کی باتوں پر عمل کرو۔ سونیا کو اغوا کر کے شنکر کے حوالے کر دو۔ اس کے بدلے وہ تمہیں میرے پاس پہنچا دے گا۔"

رُوپا کی باتیں سن کر بیٹھے بیٹھے میری آنکھ کھل گئی۔ اب تم دیکھ رہی ہو کہ روپا تک پہنچنے کے لیے میرے چاروں بیٹے تمہیں کس طرح یہاں لے آئے ہیں۔ اب میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ تم بیٹھے بیٹھے شنکر کی دوست بن جاؤ۔ پلیز! وہ مجھے رُوپا کے پاس پہنچا دے گا۔"

جگ پال کی باتیں سن کر سونیا نے مجھ سے کہا "فرہاد! اس بوڑھے کی باتوں سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ سارا کھیل رُوپا کھیل رہی ہے۔"

میں نے کہا "بے شک یہی بات ہے۔ رُوپا اور شنکر تمہاری ذات سے دلچسپی لے رہے ہیں۔"

سونیا نے پوچھا "اگر رُوپا ٹیلی پیتھی جانتی ہے تو اس نے مجھ سے دماغی رابطہ کیوں نہیں قائم کیا؟"

"اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ رُوپا نے تمہیں ابھی تک نہیں دیکھا ہے اور نہ ہی تمہاری آواز سنی ہے۔"

"نہیں فرہاد! تم بھول رہے ہو۔ رُوپا جب بوڑھے جگ پال سے دماغی رابطہ قائم کر سکتی ہے تو اس وقت اس بوڑھے کے دماغ میں موجود رہ کر میری سوچ کو اپنی گرفت میں لے سکتی ہے۔ پھر وہ ایسا کیوں نہیں کر رہی ہے؟"

سونیا درست کہہ رہی تھی۔ اس وقت رُوپا بڑی آسانی سے جگ پال کے ذریعہ سونیا کے دماغ تک پہنچ سکتی تھی۔ میں سوچ کے ذریعہ سونیا سے گفتگو کر رہا تھا اس طرح رُوپا میری سوچ تک بھی پہنچ سکتی تھی۔ پھر وہ ایسا کیوں نہیں کر رہی تھی؟ خاموش کیوں تھی؟ سونیا نے مجھے پکارا "فرہاد! کیا تم چلے گئے ہو؟"

"نہیں۔ میں تمہارے پاس موجود ہوں۔ سوچ رہا ہوں کہ یہ رُوپا آخر کیا بلا ہے؟"

"شکر ہے کہ تم نے پہلی بار کسی لڑکی کو بلا کہا ہے۔ میں ایسی ہی بلاؤں سے تمہیں بچانا چاہتی ہوں۔ کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ شنکر کے یہاں آنے سے پہلے میں فرار ہو جاؤں؟"

سونیا وہاں سے فرار ہو کر کہاں جا سکتی تھی؟ زیادہ سے زیادہ پھر ماسک مین کی پناہ میں پہنچ سکتی تھی۔ میں اس کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ رُوپا کی اصلیت معلوم کروں یا اس سے دور رہنے کے لیے سونیا کو ماسک مین تک پہنچا دوں۔ سونیا نے کہا۔ "فرہاد! میں اچھی طرح جانتی ہوں۔ تم رُوپا تک پہنچنے کے لیے مجھے یہاں سے فرار ہونے کا مشورہ نہیں دو گے۔ لیکن میں اب یہاں سے ضرور جاؤں گی۔"

میرے دماغ میں ایک تدبیر آئی کہ سونیا کی تسلی کے لیے اسے فرار ہونے کا مشورہ دوں اور جب شنکر وہاں آئے تو میں جگ پال کے ذریعہ اس کے دماغ تک پہنچ جاؤں۔ اس طرح شنکر کے دماغ میں رہ کر میں رُوپا کی اصلیت معلوم کر سکتا تھا۔

یہ سوچ کر میں سونیا کو فرار ہونے کا مشورہ دینا چاہتا تھا لیکن اس ضدی عورت نے پہلے ہی اس پر عمل شروع کر دیا۔ وہ اچانک ہی چاروں بے زبانوں کی بھیڑ سے نکلتی ہوئی زینے پر پہنچی۔ جگ پال اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "ارے سنو تو سہی۔ تم بیٹھے بیٹھے کہاں جا رہی ہو؟"

وہ چاروں بے زبان دوڑتے ہوئے اس کی طرف آ رہے تھے اس نے بوڑھے کو اپنی طرف کھینچ کر اُسے اُس کے بیٹوں کی طرف پھینک دیا۔ جتنی دیر میں وہ چاروں اپنے باپ کو سنبھالتے، اتنی دیر میں وہ زینے کی بلندی پر پہنچ کر ایک آہنی کل کو گھما چکی تھی۔ اس کے ساتھ ہی باہر جانے کے لیے راستہ کھلتا جا رہا تھا۔

سونیا نے زینے کی آخری بلندی پر پہنچ کر اپنے سر کو اُبھارا تو عمارت کا ایک بڑا سا کمرہ نظر آیا۔ عین نگاہوں کے سامنے کوئی موجود تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی، اس کے منہ پر ایک زبردست ہاتھ پڑا۔ وہ اُلٹ کر زینے پر گری۔ پتھریلے زینے پر لڑھکنے کے بعد اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔ لیکن تقدیر اچھی تھی۔ اس کے پیچھے آنے والے دو بے زبانوں نے اسے لڑھکنے سے بچا لیا۔ اب وہ ان کے بازوؤں میں آرام فرما رہی تھی۔

میں نے کہا۔ "سونیا! جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بہرحال اب دیکھو کہ کس نے تم پر ہاتھ اٹھایا ہے؟"

وہ جھنجھلا کر بے زبانوں کے بازوؤں سے آزاد ہو گئی۔ پھر اس نے غرا کر تہہ خانہ کے داخلی راستے کی جانب دیکھا۔ ایک خوبرو جوان زینے کی بلندی پر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر عاجزی سے کہا۔ "مادام سونیا! میں آپ پر ہاتھ اٹھانے کی معافی چاہتا ہوں۔ یقین کریں۔ میں نے مجبوراً ایسا کیا ہے۔ آپ چاہیں تو انتقاماً میری گردن توڑ سکتی ہیں۔ میں اُف نہیں کروں گا۔"

سونیا ذرا نرم پڑ گئی۔ پھر بھی غصے سے بولی۔ "کیا تم سیدھی طرح مجھے تہہ خانہ میں واپس آنے کے لیے نہیں کہہ سکتے تھے؟"

"میں نے کہا نا مادام کہ مجبوری تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں اس عمارت میں داخل ہوا تو ریڈ پاور کے آدمیوں نے مجھے گھیر لیا۔ وہ مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ میں نے جواب دے کر ان کی تسلی کر دی کہ میں ایک امن پسند شہری ہوں اور اس عمارت میں چھ ماہ سے کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا آ رہا ہوں۔ انہوں نے اندر آ کر ایک ایک کمرے کی تلاشی لی۔ پھر مطمئن ہو کر باہر چلے گئے۔ میں نے دروازہ بند کرنے کے بعد ایک کھڑکی کے پردے سے ذرا جھانک کر دیکھا تو وہ لوگ سامنے والے درخت کے سائے میں کھڑے ہو کر اس عمارت کی طرف دیکھ رہے تھے۔ میں دوڑتا ہوا یہاں آیا۔ اسی وقت تم باہر نکل رہی تھیں۔ تمہیں سمجھانے کا موقع نہیں تھا اس لیے میں نے واپس زینے کی طرف تمہیں دھکا دے دیا۔ میں پھر ایک بار معافی چاہتا ہوں۔ آپ ذرا صبر سے انتظار کریں۔ میں ابھی باہر کا جائزہ لے کر آ جاؤں گا۔"

یہ کہتے ہی وہ پھر تہہ خانہ کے اوپر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی تہہ خانہ کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ سونیا نے مجھے مخاطب کیا۔ "فرہاد! یہ کون تھا۔ کیا تم اس کے دماغ میں نہیں جھانکو گے؟"

میں نے کہا۔ "یہ شنکر ہی ہو سکتا ہے۔ میں احتیاطاً تمہارا لہجہ اختیار کر کے اس کے دماغ تک پہنچنے جا رہا ہوں۔ تم وہاں کوئی بات نہ کرو۔"

یہ کہہ کر میں نے شنکر کی آواز اور اس کے لہجے کی دل ہی دل میں ریہرسل کی پھر اس کی سوچ کو گرفت میں لینا چاہا۔ تو شنکر کم از کم میری طرف جانتے جانتے ٹھٹھک گیا۔ اس نے فوراً ہی سانس روک لی۔ تب پتہ چلا کہ وہ یوگا کا ماہر ہے جبسِ دم کا ماہر ہو یا نہ ہو۔ سانس روکنے کے فن سے واقف ہے۔

میں اس کے دماغ میں تھا لیکن وہ سانس روک کر اپنی سوچ کی دھارا کو بھی روک چکا تھا۔ جب تک سانس نہ لیتا۔ سوچ کی لہریں آگے نہ بڑھتیں۔ بہرحال چند سیکنڈ کے بعد وہ ہولے ہولے سانس لیتے ہوئے بڑی رازداری سے بولا۔ "دیوی! میری رکشا (حفاظت) کرنے والی دیوی! کیا تم آ گئی ہو؟"

میں اس کی سوچ پڑھ کر سوچ میں پڑ گیا کہ وہ کس دیوی کو مخاطب کر رہا ہے۔ عقل یہی کہتی تھی کہ وہ دیوی رُوپا ہی ہے۔ یہ بات دماغ میں آتے ہی میں نے دیوتا کے بجائے دیوی بن کر کا ایک چانس لیا۔ اس سے زنانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں میں آ گئی ہوں۔ کیا تم سونیا تک پہنچ گئے ہو؟"

"آں ہاں۔ پہنچ گیا ہوں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔ "مگر تم نے تو کہا تھا کہ جب سونیا سے میرا سامنا ہوگا تو تم میرے دماغ میں نہیں آؤ گی۔ اس طرح سونیا تمہاری سوچ پڑھ لے گی۔"

میں نے کہا۔ "پڑھنے دو۔ میں کب تک چھپ کر رہوں گی۔ پہلے اس بات کا یقین ہو جانا چاہیے کہ سونیا واقعی ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔"

"دیوی! تم پہلی بار میری رپورٹ پر یقین نہیں کر رہی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تم کسی شرابی کی بکواس پر یقین نہیں کرتی ہو مگر وہ شرابی ریڈ پاور سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بار میں بیٹھا ہوا اپنے ایک ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ اب ماسک مین کی جیت ہی جیت ہوگی۔ سونیا نے آج کتنے ہی باس اور کتنی ہی مادام کے سامنے ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ایک خطرناک کوبرا مین کی آنکھیں پھوڑ دی ہیں۔

دیوی! بے شک وہ بار میں بیٹھ کر پی رہا تھا مگر شرابی نشے میں کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ جب میں سونیا کو تمہارے سامنے پیش کروں گا تو میری سچائی ثابت ہو جائے گی۔"

میں نے پوچھا۔ "تم سونیا کو کب پیش کرو گے؟ کہاں پیش کرو گے؟"

روانی میں مجھ سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ میں نے ایسے سوالات کیے تھے کہ وہ چونک گیا۔ اس نے حیرانی سے پوچھا۔ "یہ۔ یہ تم کیسے سوالات کر رہی ہو۔ جبکہ خود تم نے جگہ کا تعین کیا ہے۔ آں۔ ذرا ٹھہرو۔ پھر ایک بار مجھے مخاطب کرو۔ میں کچھ یوں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارا لہجہ کچھ بدلا ہوا سا ہے۔"

میں ذرا گڑبڑا گیا۔ پھر بھی ڈھٹائی سے بولا۔ "میں اپنے کو کچھ بیمار محسوس کر رہی ہوں۔ اسی لیے لہجہ بدل گیا ہے۔"

اس نے کہا۔ "دیوی! آج تک ہم میں سے کسی نے تمہیں بیمار پڑتے نہیں دیکھا۔ دیکھو مجھے شبہ ہو رہا ہے۔ میری تسلی کے لیے اتنا بتا دو کہ تم نے سونیا کو کہاں حاضر کرنے کا حکم دیا تھا۔"

یہ تو میرے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ وہ دیوی میری سونیا سے کہاں ملنا چاہتی ہے۔ پھر میں اس کے سوال کا صحیح جواب کیسے دے سکتا تھا۔ اگر خاموش رہتا تو وہ سمجھ لیتا کہ یہ سب سونیا کی شرارت ہے۔ وہ دیوی بن کر سوچ کے ذریعہ گفتگو کر رہی ہے۔ اب تو یہ بات کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو ہی جاتی۔ اس لیے میں نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "شنکر! تم بھی جگ پال کی طرح احمق ہو۔ جب تمہاری دیوی یہ کہہ چکی تھی کہ تم مجھ سے ملاقات کرو گے۔ تو وہ تم سے دماغی رابطہ قائم نہیں کرے گی۔ پھر تم نے مجھے دیوی کیسے سمجھ لیا؟"

شنکر نے ایک ہاتھ سے اپنے سر کو تھام لیا۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "میں صبح سے کس طرح ذہنی طور پر الجھا ہوا ہوں۔ اس پریشانی میں یہی بات سمجھ میں آئی کہ شاید دیوی نے کسی ضرورت کے تحت مجھے پکارا ہے۔ اوہ، مجھ سے بڑی بھول ہوئی۔"

پھر اس نے سوچ کے ذریعہ سونیا کو مخاطب کیا۔ "مادام سونیا! آپ بہت چالاک ہیں۔ مجھے دھوکہ دے کر کتنی ہی باتیں اگلوا لیں۔"

میں نے کہا۔ "جب اگل ہی چکے ہو تو یہ بھی بتا دو کہ تمہاری دیوی اب تک مجھ سے دور کیوں بھاگ رہی ہے؟"

"میری دیوی کے لیے ایسے شبد (الفاظ) نہ کہو۔ وہ کائر (بزدل) نہیں ہے کہ تم سے دور بھاگے گی۔"

"شنکر! تم اپنی دیوی کی شان میں قصیدہ پڑھتے رہو مگر تم نے لاعلمی میں حقیقت اگل دی ہے۔ تمہاری دیوی کو اس بات کا خطرہ ہے کہ اب وہ تمہارے دماغ میں آئے گی تو میں اس کے دماغ میں پہنچ جاؤں گی۔"

یہ بات شنکر کہہ چکا تھا۔ اب انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔ "مادام! ہم تم سے دوستی کرنا چاہتے ہیں۔ میری پرارتھنا ہے کہ تم دیوی کے بارے میں کھوج نہ لگاؤ۔"

"مجھ سے کون دوستی کرے گا تم یا تمہاری دیوی؟"

"ہم سب ہی دوستی کرنا چاہتے ہیں۔"

"میں کسی کو دیکھے بغیر دوستی نہیں کر سکتی۔"

"تم دیوی کو ضرور دیکھو گی۔ اس کے لیے یہاں سے نکلنے کی تدبیر کرنا ہے۔ وہاں میک اپ کا سامان ہے۔ وارڈ روب میں بہت سے زنانہ ملبوسات ہیں۔ تم اپنا روپ بدلنے کی کوشش کرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

میں نے سونیا کے لہجے میں پوچھا۔ "صرف میرے روپ بدلنے سے کیا ہوگا۔ جگ پال اور اس کے بیٹے یہاں سے کیسے نکلیں گے؟"

"ان کی بات چھوڑو۔ ان باپ بیٹوں کو بعد میں بھی یہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔"

"نہیں شنکر! تمہاری دیوی نے رُوپا بن کر پہلے بھی اس بوڑھے کو بیوقوف بنایا ہے۔ اس کی حماقت کہو یا عشق کہو۔ اس بوڑھے عشق کی وجہ سے چار بیٹوں کی زبانیں کٹ گئیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایک بیوقوف عاشق نے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ لہٰذا پہلے انہیں رُوپا یا دیوی کے پاس پہنچانے کا بندوبست کرو۔ میں ان کے بعد یہاں سے نکلوں گی یا پھر ان کے ساتھ ہی جاؤں گی۔"

"ایسی ضد نہ کرو مادام! میں مشکل میں پڑ جاؤں گا۔ مجھے صرف دیوی کی آگیا کا پالن (حکم کی تعمیل) کرنے دو۔"

"جہاں میں ہوتی ہوں، وہاں کسی دیوی کا حکم نہیں چلتا۔ میں جو کہتی ہوں۔ اس پر عمل کرو۔ ورنہ دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔"

وہ پریشان ہو کر ایک تپائی پر بیٹھ گیا۔ اب وہ سوچ رہا تھا

کر کیا کرے؟ دیوی سے کیسے رابطہ قائم کرے؟ کیونکہ دیوی ضرورت کے وقت خود اسے مخاطب کرتی تھی۔ شنکر اپنی مرضی سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا۔ "میں تمہاری مشکل آسان کر سکتی ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کب اور کہاں اپنی دیوی کے پاس پیش کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے کہا۔ "کل رات کی ٹرین میں ہماری سیٹیں ریزرو ہو چکی ہیں۔ ہم یہاں سے استنبول جائیں گے۔ دیوی سے وہیں ملاقات ہوگی۔"

"جگ پال اور اس کے بیٹوں کے لیے بھی سیٹیں ریزرو ہو سکتی ہیں۔"

"ہاں۔ ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہم اتنی بھیڑ کے ساتھ سفر کریں گے۔ تو ریڈ یاور والوں کی نظروں میں آجائیں گے۔"

"نہیں آئیں گے۔ غور سے سنو۔ جگ پال اور اس کے بیٹے ہم سے پہلے اس تہہ خانہ سے نکلیں گے۔ ان کی سیٹیں دوسرے کمپارٹمنٹ میں ہوں گی۔ سفر کے دوران وہ ہم سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔ استنبول پہنچ کر ہم ایک ہو جائیں گے۔"

"تم میرا کام بڑھا رہی ہو۔"

"اس کے بغیر دوستی ممکن نہیں ہے۔ وقت ضائع نہ کرو۔ باہر جا کر جگ پال اور اس کے بیٹوں کے لیے انتظامات کرو۔"

سونیا سے دوستی کی یہی صورت تھی۔ اس لیے وہ انکار نہ کر سکا۔ باہر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے سونیا کے دماغ میں پہنچ کر اسے ساری باتیں بتائیں۔ وہ یہ سوچ کر خوش ہو گئی کہ وہ بہت جلد رومانیہ سے نکل کر استنبول پہنچے گی۔ پھر اسے میرے پاس پہنچنے کا موقع مل جائے گا۔

میں نے کہا۔ "بس اب مطمئن ہو جاؤ۔ اور وہاں سے نکلنے کے لیے میک اپ شروع کر دو۔ میں تھوڑی دیر کے لیے تم سے رخصت ہو رہا ہوں۔"

میں اُس کے ذہن سے نکل آیا اور اس دیوی کے متعلق سوچنے لگا جس کا فرضی نام رکھ دیا تھا۔ سب سے پہلے میں اس کے طریقہ کار پر غور کر رہا تھا جس طرح کچھ لوگ مجھے ٹیلی پیتھی کی بنا پر دیوتا کہتے تھے۔ اسی طرح اسے بھی دیوی کہا جا رہا تھا۔

یعنی زندگی کے اس موڑ پر ایک دیوتا ایک دیوی سے سامنا کرنے والا تھا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک دیوی ایک دیوتا کے سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔ کسی مصلحت کی بنا پر مجھ سے ٹکرانا نہیں چاہتی تھی۔

طریقہ کار کچھ یوں تھا کہ میں نے رومانیہ میں خیال خوانی کے لیے سونیا کو واسطہ بنایا ہوا تھا۔ دیوی بھی [illegible] وقت اپنا کام کر رہی تھی۔

لیکن وہ مجھ سے زیادہ محتاط تھی۔ اب شنکر سے دماغی رابطہ قائم نہیں کر رہی تھی۔ اس کے برعکس میں بدستور سونیا سے سوچ کے ذریعہ گفتگو کر رہا تھا۔ ان حالات میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ جب تک سونیا جگ پال سے باتیں کرتی رہی۔ اس وقت تک دیوی جگ پال کے دماغ سے نکل کر سونیا کے دماغ تک پہنچ چکی تھی۔ لیکن اس نے اپنی سوچ کے ذریعہ مداخلت نہیں کی۔ ٹھیک میرے طریقہ کار کے مطابق چپ چاپ سونیا کے دماغ کو پڑھتی رہی۔

اس طرح یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ وہ میرے دماغ تک بھی پہنچ گئی ہے۔ میرے اور سونیا کے درمیان سوچ کے ذریعہ ہونے والی گفتگو کو وہ سن چکی ہے۔ اسے معلوم ہو چکا ہے کہ جو فرہاد دنیا والوں کے لیے مر چکا ہے، وہ سونیا کے دماغ میں زندہ ہے۔

میں ایک عجیب سے اضطراب میں مبتلا ہو گیا۔ اپنے دماغ کے اندر کوئی چور موجود ہو اور وہ پکڑا نہ جا سکے۔ تو عام لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔ مجھ میں قوتِ برداشت ہے۔ اس لیے میں صرف اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا۔

یہ بات بھی میرے لیے پریشانی کا باعث تھی کہ دیوی میرے دماغ میں بیٹھی میرے اضطراب کو پڑھ رہی ہوگی۔ میں نے مجبور ہو کر اسے سوچ کے ذریعہ پکارا۔ "ہیلو دیوی! کیا تم مجھے مخاطب نہیں کرو گی؟"

میں نے چند لمحوں تک جواب کا انتظار کیا۔ میرے دماغ میں گہرا سکوت طاری تھا۔ وہاں اجنبی سوچ کی ایک لہر بھی نہ تھی۔ میں نے کہا۔ "دیوی! تم خاموش رہ کر مجھے دھوکہ دے سکتی ہو لیکن میں خوش فہمی میں مبتلا رہنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ تم موجود ہو۔ بہتر ہے کہ مجھ سے باتیں کر لو۔"

جواب میں پھر وہی خاموشی تھی۔ خاموشی کا مطلب زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ فی الحال غیر حاضر ہے۔ میں نے آخری بات کہی۔ "تمہاری خاموشی میرے لیے چیلنج بن گئی ہے۔ میں دیکھوں گا کہ تم کب تک چھپی رہ سکتی ہو۔"

اتنا کہہ کر میں نے اس کے متعلق سوچنا ہی چھوڑ دیا۔ وہاں سے واپس ہانگ کانگ میں دماغی طور سے حاضر ہو گیا۔

ہانگ کانگ میں میری پوزیشن یہ تھی کہ میں ایک بوڑھی چینی عورت کے مکان کے فرش پر بچھے ہوئے ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے سارا عرف رومانہ کی نظروں سے دور رہنے کے لیے اس بڑھیا کے مکان میں پناہ لی تھی۔ بند کمرے میں مے یون جیسی حسینہ کے ساتھ خوبصورت یادگار لمحات گزار رہے تھے۔ اس کے بعد میں نے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا۔ ہلکا سا ناشتہ کیا۔ اس وقت تک مے یون بیدار ہو کر غسل خانہ میں چلی گئی تھی۔

اس کی واپسی پر میں نے یہ ظاہر کیا کہ دوبارہ مجھے نیند آ گئی ہے۔ میری بند آنکھیں دیکھ کر مے یون کو یقین ہو گیا کہ میں اپنی بقیہ نیند پوری کر رہا ہوں۔

اسی نیند کے بہانے میں سونیا کے پاس پہنچا ہوا تھا۔ یہاں دیوی وغیرہ کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بعد واپس آیا تو فرش کے بستر پر مے یون بھی سو گئی تھی۔ میں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ پھر اس کی سوچ پڑھی۔ وہ سچ مچ خواب میں کھوئی ہوئی تھی۔ میرے لیے یہ اچھا موقع تھا کہ میں خود کو دوسری طرف مصروف رکھوں۔ میں دوبارہ آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔

سوچنا یہ تھا کہ سپر ماسٹر کی تنظیم جس ایٹمی دھماکہ کا اہتمام کر رہی تھی۔ اس اہتمام کو ختم کرنا تھا۔ یہ معاملہ بہت دنوں سے التوا میں پڑا ہوا تھا۔ سوچنا یہ بھی تھا کہ جس چمپیزی اور شیلا نے بُرے وقت میں سونیا کا ساتھ دیا تھا۔ انہیں میں نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ سونیا جذباتی انداز میں انہیں نظر انداز کر رہی تھی۔ کیونکہ اس کی نظر میں بس میں ہی میں تھا۔ اور یہ ناقابلِ انکار حقیقت تھی کہ سونیا میری خاطر دین اور دنیا سب کو نظر انداز کر سکتی تھی۔

بہر حال میں چمپیزی اور شیلا کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ انہیں رومانیہ سے نکالنے کے لیے یہ معلوم کرنا ضروری تھا کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں۔ اس غرض سے میں نے چمپیزی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ اس وقت وہ شیلا کے ساتھ اسی عمارت کے بڑے ہال میں تھا۔ جہاں سے سونیا کو اغوا کیا گیا تھا۔ وہاں مادام ویرا اور مسٹر بنکاک اور دوسرے بہت سے لوگ تھے۔ وہ سب سونیا کو تلاش کرنے کے بعد تھک ہار کر اس انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اب سونیا ہی کسی وقت انہیں مخاطب کرے گی۔

وہ سب ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے تھے۔ صرف چمپیزی غصہ میں ٹہل رہا تھا اس نے۔۔۔ زورتیچ کے پاس آ کر اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کہتا ہوں مجھے ممی کی تلاش میں جانے دو ورنہ میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔"

زورتیچ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔ "پاگل نہ بنو۔ ہم نے مادام کے لیے سارا شہر چھان مارا ہے۔ آس پاس کے تمام ممالک میں اپنے ایجنٹوں تک مادام کی تصویریں بھیج دی ہیں۔ بڑے پیمانہ پر تلاش جاری ہے۔ تم تنہا کہاں ڈھونڈتے پھرو گے؟"

"میں ڈھونڈنے کے لیے کہیں بھی جاؤں گا۔ مجھے اس بات پر غصہ آ رہا ہے کہ تم لوگوں نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔"

"نہیں، ہم نے تمہیں مادام سونیا کی امانت سمجھ کر رکھا ہے۔ اگر وہ واپس آ کر تمہارے بارے میں پوچھیں گی تو ہم کیا جواب دیں گے؟"

شیلا نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔ "مسٹر زورتیچ! آپ آدھ گھنٹہ پہلے دوسرے کمرے میں مسٹر زونوف سے گفتگو کر رہے تھے۔ آپ کو اطمینان تھا کہ میں روسی زبان نہیں جانتی ہوں۔ بہر حال میں جانتی ہوں۔ آپ اس سے کہہ رہے تھے کہ مادام سونیا کو دشمن اس طرح زیر کر کے نہیں رکھ سکتے کہ وہ ہم سے دماغی رابطہ قائم نہ کر سکیں۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ مادام کو بیہوش رکھا گیا ہے تو اب پندرہ گھنٹے گزر چکے ہیں۔۔۔ اتنی طویل بیہوشی ممکن نہیں ہے۔ یا تو مادام کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا گیا ہے یا پھر مادام کسی طرح کی دوہری چال چل رہی ہیں۔"

شیلا کی باتیں سن کر سب نے سوالیہ نظروں سے زورتیچ کو دیکھا۔ زورتیچ نے گھبرا کر بات بنائی۔ "ٹھیک ہے۔ میں ایسا سوچ رہا ہوں۔ ان حالات میں طرح طرح کے شبہات جنم لیتے ہیں۔ کوئی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ مادام سونیا دوہری چال چل سکتی ہیں۔"

مادام ویرا نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ "لعنت ہے تم پر۔ تم ایسا سوچ سکتے ہو۔ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے، جو مادام سونیا کے خلاف ذرا سا بھی شبہ اپنے دل میں رکھتا ہو۔"

سب نے مادام ویرا کی تائید کی۔ وہاں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ریڈ یاور کے جتنے اہم باس اور مادام وغیرہ تھے۔ وہ سب سونیا کی پوجا کرنے کی حد تک اُسے جان و ایمان سے چاہتے تھے۔ ان حالات میں زورتیچ تمام افراد سے بگاڑ پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے کہا۔ "میں نے مادام پر شبہ کر کے زبردست غلطی کی ہے۔ میں اس غلطی کی معافی چاہتا ہوں۔"

شیلا نے کہا۔ "مسٹر زورتیچ! آپ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ مادام سونیا چمپیزی کو اپنا بیٹا کہتی ہیں۔ لہٰذا اس بیٹے کو اپنے ہاں یرغمال کے طور پر رکھنا چاہیے۔"

زورتیچ ایکدم سے گھبرا کر بولا۔ "نہیں تم جھوٹ کہتی ہو۔ میں نے ایسا نہیں کہا ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ تم الزام دے رہی ہو۔"

شیلا نے کہا۔ "میں سچ کہہ رہی ہوں۔ تم اپنے جھوٹ سے بچنے کے لیے چیخ رہے ہو۔ اگر مادام ابھی موجود ہوتیں تو تمہارے دماغ سے سارے جھوٹ کو اُگلوا دیتیں۔"

شیلا کی باتیں سن کر میں نے سوچا۔ یہ اچھا موقع ہے۔ تمام باس اور مادام سونیا کے حامی ہیں۔ ایسے وقت ان سب کو زورتیچ کے خلاف بھڑکایا جا سکتا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے مادام ویرا کو مخاطب کیا۔

"ہیلو ویرا! میں تمہاری مادام بول رہی ہوں۔"

ویرا فوراً ہی اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر چیخ کر بولی۔ "مادام واپس آ گئی ہیں۔ ہماری مادام واپس آ گئی ہیں۔۔۔"

سب ہی اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر ویرا کو یوں دیکھنے لگے جیسے اس کی کھوپڑی پر سونیا بیٹھی ہوئی نظر آ رہی ہو۔ میں نے کہا۔ "ویرا! تمام دوستوں سے کہو کہ اطمینان سے بیٹھیں۔ ابھی سب کے سامنے زورتیچ کا محاسبہ کیا جائے گا۔"

ویرا نے تمام لوگوں کو اطمینان سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر

میری سوچ کے مطابق اس نے زوریچ سے سوال کیا "مسٹر زوریچ! اب سے گیارہ گھنٹے پہلے تم نے ماسک مین سے رابطہ قائم کیا تھا۔ بتاؤ کہ وہاں مادام سونیا کے خلاف کیا گفتگو ہوئی تھی؟"

"یہ تم کیسی باتیں پوچھ رہی ہو۔ ہم نے مادام کے خلاف کوئی گفتگو نہیں کی......"

ویرا نے کہا "ہم سب ماسک مین کی اجازت حاصل کیے بغیر مادام کی تلاش میں یہاں سے چلے گئے تھے۔ تم نے یہ سوچا کہ مادام سونیا ہمارے دل و دماغ پر اس طرح حاوی ہو گئی ہیں کہ اب ہمیں ماسک مین کی اجازت کی بھی پرواہ نہیں رہتی۔ دوسرے لفظوں میں تم نے یہ سوچا کہ مادام ماسک مین سے برتری حاصل کر رہی ہیں"۔

"یہ جھوٹ ہے" زوریچ نے چیخ کر کہا۔ اسی وقت میں نے اس کے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ پیچھے کی جانب کرسی پر گرا۔ پھر کرسی سمیت فرش پر لڑھک گیا۔ میں نے اس کی کھوپڑی میں کہا "میں سونیا بول رہی ہوں۔ فوراً سچائی کا اعتراف کرو۔ ورنہ ذہنی جھٹکے پہنچا کر پاگل بنا دوں گی"۔

یہ کہتے ہی میں نے پھر ایک جھٹکا پہنچایا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر آگے پیچھے شرابیوں کی طرح جھومنے لگا۔ تمام لوگ سمجھ رہے تھے کہ سونیا اسے جھوٹ کی سزا دے رہی ہے۔ ویرا نے کہا "وقت ضائع نہ کرو۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو اب بھی سچ اگل دو"۔

زوریچ بیٹھنا چاہتا تھا مگر میں نے بیٹھنے کی اجازت نہیں دی۔ میں نے اسے کہا کہ وہ اسی طرح لرزتے ہوئے پیروں پر کھڑا رہ کر سچ کہتا رہے۔ آخر اس نے کہا "ہاں! میں اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے ماسک مین کے سامنے سونیا کے خلاف زہر اگلا ہے"۔

ویرا نے میری سوچ کے مطابق کہا "تفصیل بیان کرو"۔

وہ کہنے لگا "تم سب لوگ ماسک مین کی اجازت حاصل کیے بغیر جب مادام کی تلاش میں چلے گئے تو مجھے خطرہ کا احساس ہوا کہ مادام اتنی جلدی تم سب کے دل و دماغ پر حکومت کرنے لگی ہیں۔ اگر یہی صورتحال رہی تو وہ ماسک مین سے بھی برتری حاصل کر لیں گی"۔

ویرا نے پوچھا "ایسا سوچتے وقت تمہیں اس بات کا ڈر نہیں تھا کہ مادام تمہاری دوغلی سوچ کو پڑھ رہی ہوں گی؟"

"ہاں مجھے ذرا یہی خیال آیا تھا کہ مادام میرے دماغ میں موجود ہوں گی۔ میں نے معافی مانگنے کے لیے انہیں مخاطب کیا۔ سوچ کے ذریعہ انہیں پکارا۔ مگر کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں نے سوچا کہ مادام اس وقت تابوت میں قید ہیں۔ وہاں سے نکلنے کی جدوجہد میں مصروف ہوں گی۔ اس لیے فی الحال میری سوچ نہیں پڑھیں گی"۔

ویرا نے میری ہدایت کے مطابق کہا "مادام تمہاری دوغلی سوچ پڑھ کر محتاط ہو گئی تھیں۔ اسی لیے خاموشی سے تمہارے دماغ میں موجود تھیں۔ اب آگے کہو"۔

اس نے کہا "میں نے کمپیوٹر کے ذریعہ ماسک مین سے رابطہ قائم کیا۔ ماسک مین نے میرے خیالات سن کر مجھے ڈانٹ کر کہا "زوریچ! تم مادام سونیا کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔ فوراً مادام سے رابطہ قائم کر کے ان سے معافی مانگو۔ یہ میں تمہاری اطلاع کے لیے کہہ رہا ہوں کہ مادام سونیا بلاشبہ مجھ سے برتر ہیں۔"

میں نے ماسک مین سے کہا "جناب عالی! مادام سونیا سے رابطہ قائم کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ تابوت سے باہر نکلنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں، وہ میری سوچ نہیں پڑھ رہی ہیں"۔

تب ماسک مین نے مجھے حکم دیا کہ میں آئرن کیپ پہن کر سوچ کے ذریعہ گفتگو کروں۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آئرن کیپ پہن کر رابطہ قائم کرتے ہی ماسک مین نے کہا "یہ مشین بہت حساس ہے۔ سوچ کی ہلکی سی لہر کو بھی اسکرین کے گراف پر نقش کر لیتی ہے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ سونیا تمہارے دماغ میں موجود نہیں ہے۔ آئندہ سونیا کو غافل سمجھ کر اس کے خلاف کوئی بات نہ کہنا۔ ورنہ یہ بہترین مہرہ ہاتھ سے نکل جائے گا"۔

"لیکن جناب! وہ جو برتری حاصل کر رہی ہے تو کیا یہ ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہے"۔

جواب ملا "نہیں۔ شطرنج کا ایک معمولی مہرہ آگے بڑھ کر دشمن کے شہ کو مات دیتا ہے۔ تو یہ ہمارے لیے فائدے کی بات ہے ورنہ تم یہ دیکھ چکے ہو کہ سونیا بھی اس لحاظ سے ایک معمولی عورت ہے کہ تکورا جیسی عورت کے ساتھی اسے غفلت میں نقصان پہنچا چکے ہیں۔ جب سونیا ہمارے لیے مصیبت بنے گی تو کسی نہ کسی دن غفلت میں ہمارے ہاتھوں ماری جائے گی"۔

زوریچ کا بیان سن کر تھوڑی دیر کے لیے سب پر سکتہ طاری ہو گیا۔ ایسے وقت میں میں ایک ایک کے دماغ میں پہنچ کر کہنا "ماسک مین صرف اپنی غرض کا بندہ ہے۔ جب وہ سونیا جیسی ہستی کے متعلق ایسا سوچ سکتا ہے تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ وہ جب چاہے گا۔ اپنے مفاد کے مطابق ہمیں مار ڈالے گا۔ یہ ماسک مین سانپ سے زیادہ زہریلا اور شیطان سے زیادہ مکار ہے۔"

رفتہ رفتہ ماسک مین کے خلاف ہر مرد اور ہر عورت کا دماغ پک رہا تھا۔ اپنی سلامتی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ اور وہاں سب ہی یہ سمجھ چکے تھے کہ وہ ریڈ پاور کی تنظیم میں محفوظ نہیں ہیں۔ زوریچ نے تمام لوگوں کی خاموشی سے پریشان ہو کر پوچھا "تم۔ تم لوگ اس

طرح خاموش کیوں ہو؟ کیا سوچ رہے ہو؟"

مسٹر بنکاک نے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ میں مادام سونیا کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہوں۔ جب مادام کو غفلت میں مارنے کا منصوبہ بنایا جا سکتا ہے تو میں کس شمار میں ہوں؟ میں اپنی جوانی اس تنظیم میں رہ کر کیوں برباد کر رہا ہوں؟ یہاں ہماری سلامتی کی کوئی ضمانت نہیں ہے"۔

ایک مادام نے اس کی تائید کی۔ دوسرے باس نے کہا "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ جب ہمیں وفادار بن کر ہی رہنا ہے تو پھر کیوں نہ ہم مادام سونیا سے وفاداری کریں"۔

ویرا نے کہا "بے شک! ہم مادام کے لیے جیئیں گے اور مادام کے لیے مریں گے۔ میں ابھی سب کے سامنے ماسک مین کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتی ہوں"۔

میں نے سونیا بن کر کہا "شاباش ویرا! میں تمہاری حفاظت کروں گی"۔

ویرا کے بعد دوسرے بھی بغاوت کا اعلان کرنے لگے۔ میں نے باری باری ہر ایک سے دماغی رابطہ قائم کرتے ہوئے یقین دلایا "میں سونیا ہر حال میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بغاوت کا اعلان کر چکے ہو تو اب زوریچ کو زبان کھولنے کا موقعہ نہ دو۔ عمارت کے باہر مسلح پہرہ داروں کو بھی اپنے اعتماد میں لو۔ جو دوست نہ بن سکیں۔ انہیں ہمیشہ کے لیے مٹا دو"۔

بغاوت کے شعلے بھڑک گئے تھے۔ زوریچ نے وہاں سے باہر کی طرف جانا چاہا۔ لیکن چمپینزی نے اسے بغل میں داب لیا۔ چمپینزی ہاتھی جیسے ڈیل ڈول کا آدمی تھا۔ زوریچ اس کی بغل میں گائے کے بچھڑے کی طرح نظر آ رہا تھا۔ سب نے یہی سمجھا کہ چمپینزی نے اسے باہر جانے سے روکنے کے لیے بغل میں دبا رکھا ہے۔ لیکن جب اس نے بغل سے زوریچ کو آزاد کیا تو وہ بے جان ہو کر فرش پر گر پڑا۔

مسٹر بنکاک کو اپنی جسمانی قوت پر بڑا ناز تھا۔ لیکن جب اس نے یہ تماشہ دیکھا تو حیرانی سے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ زوریچ کے پھیلے ہوئے دیدے بتا رہے تھے کہ وہ اس دنیا سے کوچ کر چکا ہے۔ بہت سے لوگوں نے یہ منظر نہیں دیکھا کیونکہ وہ بغاوت کے مشن میں مصروف ہو گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے مواصلاتی نظام یعنی ٹیلیفون ٹرانسمیٹر اور کمپیوٹر سسٹم وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ لوگ عمارت کے اندر رہنے والے مسلح گارڈز کو اپنے اعتماد میں لے رہے تھے یا پھر انہیں ٹھکانے لگا رہے تھے۔ بمشکل آدھ گھنٹے میں وہ عمارت ماسک مین کے وفاداروں سے خالی ہو گئی۔ اب وہاں صرف سونیا کے وفادار تھے۔

میں نے کہا "ویرا! تم تھوڑی دیر کے لیے تمام لوگوں کو بڑے ہال میں کال کرو۔ میں تمہاری زبان سے ایک پیغام دینا چاہتی ہوں"۔

ویرا نے اس حکم کی تعمیل کی۔ جب تمام لوگ ہال میں جمع ہو گئے۔ تو ویرا میری ہدایت کے مطابق کہنے لگی "میری بہنو اور دوستو! میں تمہاری سونیا ہوں اور ویرا کی زبان سے تمہیں مخاطب کر رہی ہوں۔ تم لوگوں نے میری حمایت میں جس بغاوت کا آغاز کیا ہے اس کا انجام اب یہی ہو گا کہ ہم اپنی ایک علیحدہ تنظیم بنائیں گے"۔

"ہپ ہپ ہرا......" سب لوگ خوشی سے چیخنے لگے۔

ویرا نے کہا "ذرا خاموشی سے سنو۔ ہم شیطانی تنظیموں کے خلاف ایک امن محاذ قائم کریں گے اور ہماری اس تنظیم کا نام پیس فرنٹ ہو گا"۔

سب لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ایک نے کہا "مادام سونیا! آپ ہماری لیڈر ہوں گی"۔

دوسرے نے کہا "ہم قوم، ملک اور مذہب کا امتیاز کیے بغیر آپ کے وفادار رہیں گے اور وفاداری کے معاہدہ پر اپنے لہو سے دستخط کریں گے"۔

ویرا نے کہا "معاہدے وہاں کیے جاتے ہیں جہاں کسی کے دماغ میں چھپی ہوئی سازشوں کا علم نہیں ہوتا۔ میں تم سب کے دماغی معاہدوں کو پڑھ چکی ہوں۔ مجھے تم سب پر فخر ہے۔ اب تم لوگ یہ بتاؤ کہ میں تمہیں استنبول میں بلاؤں تو وہاں تم سب کس طرح بخیریت پہنچو گے"۔

ایک باس جو کہ ترکی سے آیا تھا اور استنبول میں رہتا تھا۔ اس نے کہا "مادام سونیا! میرا نام حشمت پاشا ہے۔ میں استنبول کے چپے چپے سے واقف ہوں۔ اگر ہماری ٹیم وہاں بخیریت پہنچ جائے تو میں پوری ٹیم کے لیے بہترین پناہ گاہ کا انتظام کر دوں گا"۔

ایک اور باس نے کہا "مادام! میرا نام وکٹر ہے۔ ماسک مین کسی بھی معاملہ میں میری پلاننگ پر بڑا اعتماد کرتا تھا۔ فی الحال میری پلاننگ یہ ہے کہ ہم اس عمارت کے باہر بغاوت کا اعلان نہ کریں۔ زوریچ کی موت کو حادثاتی موت قرار دیں۔ چھ مسلح گارڈز جو مارے گئے ہیں۔ ان کی لاشوں کو چھپا دیں۔ ہمارے چند لوگ اس عمارت میں ماسک مین سے رابطہ قائم کرنے اور اسے بہلاتے رکھنے کے لیے موجود رہیں گے۔ باقی تمام لوگ باہر جا کر رومانیہ کی سرحد پار کرنے کے انتظامات کریں گے۔ اس طرح ہم پُرامن طریقوں سے بہت کچھ کر گزریں گے اور خداوند یسوع کی مدد سے بخیریت استنبول پہنچ جائیں گے"۔

وکٹر واقعی پلاننگ ماسٹر تھا۔ مجھے اس کا یہ مشورہ بہت پسند آیا کہ ماسک مین تک بغاوت کی خبر نہ پہنچے۔ عمارت کے باہر بھی مسلح پہرے دار ان حالات سے بے خبر رہیں گے تو فائدہ یہ ہو گا کہ سونیا کے تمام وفادار بہ آسانی باہر آ جا سکیں گے۔ میں نے ویرا کی زبان سے اس منصوبہ کی تائید کرتے ہوئے کہا "میں تم لوگوں سے درخواست کرتی ہوں کہ رومانیہ کی سرحد سے باہر نکلنے تک وکٹر کے احکامات

کی تعمیل کرتے رہو۔ ترکی پہنچ کر حشمت پاشا تمہارا لیڈر بن جائے گا۔ میں استنبول میں تم لوگوں سے ملاقات کروں گی۔ اس وقت تک کے لیے خدا حافظ۔"

اتنا کہہ کر میں ویرا کے دماغ میں خاموش ہو گیا تاکہ وہ سب اپنے طور پر وہاں سے فرار ہونے کے منصوبہ پر عمل کریں۔ میں نے جمپیزی کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ یہ سوچ کر اس کا منہ لٹکا ہوا تھا کہ اس کی ممی کی روح نے دوسروں سے رابطہ قائم کیا مگر بیٹے سے بات نہیں کی۔

دراصل میں یہ بھول گیا تھا کہ بوڑھے جگ پال کی طرح جمپیزی بھی روحانی رابطے کو مانتا ہے۔ وہ اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی ماں کی روح سونیا کے جسم میں سما گئی ہے۔ اور اصل سونیا گرین لینڈ کے برفانی علاقہ میں مر چکی ہے اور اب اس کی ماں سونیا بن کر یہ تمام کارنامے انجام دے رہی ہے۔

میں نے سونیا بن کر اس سے کہا۔ "میرے بیٹے! مایوس کیوں ہوتے ہو۔ میں تو ہمیشہ تمہارے پاس موجود رہتی ہوں۔ تم سے دور نہیں رہ سکتی۔ اس لیے تمہیں استنبول بلا رہی ہوں۔ تم ان لوگوں کا ساتھ دو۔ جلد ہی ہماری ملاقات ہو گی۔"

جمپیزی نے خوش ہو کر شیلا کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے کہا۔ "جانتی ہو۔ ابھی ممی نے مجھ سے بھی باتیں کی ہیں۔ انہوں نے یقین دلایا ہے کہ ہم جلد ہی ملیں گے۔ آؤ اس خوشی میں میں تم سے ملاقات کروں گا......"

وہ ملاقات کرنے کے لیے شیلا کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ میں اسے اس کے حال پر چھوڑ کر وکٹر کے دماغ میں چپ چاپ جھانکنے لگا۔ یہ معلومات ضروری تھیں کہ وہ اندر سے قابلِ اعتماد ہے یا نہیں۔ وہ سنجیدگی سے اپنے پیش کردہ منصوبہ پر غور کر رہا تھا کہ اپنی ٹیم کے کتنے افراد کو بائی روڈ، بائی ٹرین اور بائی پلین استنبول کی طرف جانا چاہیئے۔ اور کس طرح ماسک مین کو وفاداری کے فریب میں مبتلا رکھنا چاہیئے۔

وکٹر سچ مچ دیانتدار اور سونیا کا وفادار تھا۔ میں مطمئن ہو کر اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر میں نے سونیا سے رابطہ قائم کرنے کے بعد اسے تفصیل سے تمام واقعات سنائے۔ میرا خیال تھا کہ وہ خوش ہو جائے گی لیکن وہ ناراضگی سے بولی۔ "فرہاد! تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گے۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ ہم تمام ہنگاموں سے دور کسی پر فضا مقام پر سکون کی زندگی گزاریں گے لیکن تم پیس فرنٹ کے نام سے اپنی ایک تنظیم بنا رہے ہو۔ یہ کیا دھاندلی ہے؟ صاف کیوں نہیں کہتے کہ مجھے اس نئی تنظیم میں الجھا کر مجھے اپنے سے دور رکھنا چاہتے ہو۔"

میں نے کہا۔ "تم بہت زیادہ بکواس کرنے لگی ہو۔ یاد کرو تم میری مرد نہیں ہو۔ میں تمہارا مرد ہوں۔ میں جو کہوں گا، تم وہی کرو گی۔ رہ گئی ہمارے ملنے کی بات تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے استنبول میں ملوں گا اور اگر نہ مل سکا تو تمہیں اپنے پاس فوراً بلا لوں گا۔"

اب اس کی ناراضگی میں مٹھاس آ گئی۔ وہ محبوبانہ انداز میں روٹھ کر بولی۔ "نہیں تم اب بھی مجھے بہلا رہے ہو۔ جب میں استنبول پہنچ کر اپنی نئی ٹیم والوں کے درمیان الجھ جاؤں گی تو پھر اس تنظیم کی مصروفیات چھوڑ کر تمہارے پاس کیسے آ سکوں گی؟"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ تم نئی ٹیم والوں کے ساتھ شانہ بشانہ رہو۔ تم انہیں یہ تسلی دے سکتی ہو کہ ان سے دور رہ کر بھی خیال خوانی کے ذریعہ قریب رہو گی۔ اب بھی وہ یہی سمجھ رہے ہیں۔ کہ تم ان سے بہت دور ہو۔ اس کے باوجود ہر ایک کے دماغ میں موجود رہتی ہو۔"

"خدا تمہاری کھوپڑی سے بچائے۔ کیسے کیسے چکر چلاتے ہو۔ میں تو ہار گئی تم سے۔ اب جو کہو گے، وہی کروں گی۔"

"شاباش! اچھی عورتیں اسی طرح اپنے مردوں کا کہنا مانتی ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔"

"ارے کہاں جا رہے ہو۔ سنو تو سہی......"

لیکن میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ پھر میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ مے لون میرے بازو سے لگی سو رہی تھی۔ میں نے حساب لگایا کہ وہ کتنی دیر سے سو رہی ہے۔ ہم صبح سات بجے اس مکان میں پہنچے تھے۔ اس کی بوڑھی مالکہ کو خریداری کے لیے کچھ رقم دے کر روانہ کرنے کے بعد تقریباً وہ نو بجے تک سو گئی۔ چار گھنٹے بعد یعنی ایک بجے وہ بیدار ہوئی۔ اس دوران میں نے تین گھنٹے کی نیند لی۔

بہرحال ہم ایک بجے سے دو بجے تک جاگتے رہے۔ اس کے بعد میں نے دوبارہ سو جانے کی ایکٹنگ کی۔ تو وہ بھی میرے پاس آ کر سو گئی۔ چونکہ رات بھر کی جاگی ہوئی تھی۔ اس لیے تین گھنٹے سے مسلسل سو رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ جب تک وہ خود بیدار نہ ہو، اس وقت تک مجھے اپنی بقیہ مصروفیات سے گزر جانا چاہیئے۔

اس خیال کے تحت میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ اب میری پرواز گرین لینڈ کی جانب تھی۔ ڈاکٹر ڈان اسمتھ وہاں کے خفیہ زمین دوز اڈے کا سائنسداں بھی تھا۔ اور وہاں کام کرنے والی ٹیم کا لیڈر بھی۔ میں اس کی سوچ کو بہت پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ اب میں نے اس کی سوچ کو پڑھا تو پتہ چلا کہ وہ خواب آور گولیاں کھا کر سونے کے لیے بستر پر جا رہا ہے۔

اس وقت اسے اپنی بیوی یاد آ رہی تھی، جو نیویارک میں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا۔ "صرف دو ہفتے رہ گئے ہیں۔ پچیس دسمبر کو کرسمس ہوتے ہی میں چھٹی لے کر اپنی پریٹی سے ملنے جاؤں گا۔ آہ!

بڑھیا! یہ سردی، میری بڑھیا بہت یاد آ رہی ہے۔ ایڈیٹ! وقت نہیں گزر رہا ہے۔"

"ایڈیٹ" اس کا تکیہ کلام تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "اس دنیا کے ہزاروں بوڑھے اور جوان اپنی اپنی محبتوں سے ملنے کے خواب دیکھ رہے ہوں گے۔ کیا ایٹم کے تخریبی تجربات سے یہ خواب مر نہیں جائیں گے؟"

"ایڈیٹ! یہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ دوسروں کی محبتیں مرتی ہیں تو مرتی رہیں۔ یہ دنیا والے محبتیں کرتے ہیں اور آبادی بڑھاتے ہیں۔ یہاں صرف ہم جیسے ذہین لوگوں کو زندہ رہنا چاہیئے۔ ہمارا یہ ایٹمی تجربہ ہی بڑھتی ہوئی آبادی کو ختم کرے گا اور دنیا کی دوسری بڑی طاقتوں پر ہمیں برتری حاصل ہو گی۔"

میں نے کہا۔ "ایڈیٹ! گولیاں کھانے کے بعد بھی مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔ مجھے دو گولیاں اور کھا لینا چاہیئے۔"

اس نے لیٹے ہی لیٹے پلنگ کے کنارے ایک بٹن کو دبایا۔ دواؤں کا ایک چھوٹا سا ریک دیوار کی جانب سے گھومتا ہوا اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے ریک پر سے ایک شیشی اٹھائی پھر اس میں سے دو گولیاں نکال کر کھاتے وقت پریٹی کی یاد میں گم رہا۔ جب اس نے پانی کے چند گھونٹ حلق سے اتارے تو میں نے اس کی سوچ میں حیرانی سے کہا۔ "ایڈیٹ! یہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ گولیاں نہیں کھائیں۔ صرف پانی پی لیا۔"

اس کی سوچ نے کہا۔ "نہیں میں نے گولیاں کھانے کے بعد پانی پیا ہے۔"

وہ اونگھنے لگا لیکن میں اسے سونے کا موقعہ نہیں دے سکتا تھا میں نے کہا۔ "سونے سے پہلے ٹارگٹ لائن کو چیک کر لینا چاہیئے۔"

میں نے اصرار کیا۔ "پریٹی کی یاد نے مجھے اپسیٹ کر دیا ہے۔ اکثر سوچ میں گم ہو جانے کے بعد یاد نہیں رہتا کہ ہم سوچ کے دوران کیا کرتے رہے ہیں۔ بہرحال میں نے گولیاں نہیں کھائی ہیں۔"

اس نے ہار مان کر دو گولیاں اور کھا لیں۔ یعنی میں نے چار کھلائیں۔ اس سے پہلے وہ دو کھا چکا تھا۔ اس طرح چھ گولیاں جلد ہی اس کے اعصاب کو متاثر کرنے لگیں۔

اس نے سوچا۔ "چیک کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اب میں سو جاؤں گا۔"

میں نے پھر اصرار کیا۔ "اگر میں سو گیا اور ٹارگٹ لائن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی تو مشن ناکام ہو جائے گا۔ پھر میں پریٹی سے نہیں مل سکوں گا۔ پریٹی! میری جان! میں تمہارے پاس آ رہا ہوں......"

ڈان اسمتھ نے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ جیسے پریٹی سامنے ہو اور وہ اسے آغوش میں لینے کے لیے بڑھتا جا رہا ہو۔ اونگھتے ہوئے دماغ کو ہینڈل کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔ میں نے کہا۔ "پریٹی ایسے نہیں ملے گی۔ سونے کے بعد خواب میں آئے گی اور سونے سے پہلے ٹارگٹ لائن کو چیک کر لینا چاہیئے۔"

وہ کیبن کا دروازہ کھول کر ایک کاریڈور میں آیا۔ وہاں سے ایک لفٹ میں پہنچا۔ پھر لفٹ کے ذریعہ نیچے جانے لگا۔ یعنی برف سے ڈھکی ہوئی زمین کے نیچے ان لوگوں کے کیبن بنے ہوئے تھے پھر ان کیبنوں کے فرش کے نیچے دور کہیں بڑا سا تہہ خانہ تھا۔ تہہ خانہ میں مسلح گارڈز مستعد نظر آ رہے تھے۔ ڈاکٹر ڈان اسمتھ اونگھتے ہوئے دماغ کی رہنمائی میں جہاں جہاں سے گزر رہا تھا، مسلح گارڈز وہاں اسے سلیوٹ کر رہے تھے۔

آپریشن ہال کے دروازے پر ایک اسسٹنٹ نے اسے سلام کرتے ہوئے ایک کلپ بورڈ اس کی جانب بڑھا دیا۔ "سر! باہر بدستور ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائیں چل رہی ہیں۔ برف کی سطح اڑتالیس انچ ہے۔ یہاں آپریشن ہال کی حرارت میں کچھ اور اضافہ کرنا ہو گا۔ ورنہ ٹارگٹ لائن پر برف جمنے لگے گی۔"

"ایڈیٹ! پوچھتے کیا ہو۔ اضافہ کر دو۔"

یہ کہہ کر وہ ٹارگٹ لائن کو دیکھنے لگا۔ بھاری مشینوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی۔ میں ڈاکٹر ڈان اسمتھ کی سوچ کو پڑھ رہا تھا۔ اور اس کے اونگھتے ہوئے دماغ کو اپنی مٹھی میں لے کر اس کی سوچ پر عمل کرا رہا تھا۔ پھر وہی ہوا جو میں چاہتا تھا۔ وہ سوچنے کے دوران کتنے ہی بٹنوں کو آن کرنے اور متعلقہ ہینڈل کو گھمانے لگا۔

ایسے ہی وقت جب وہ راکٹ نما بم اپنی جگہ چھوڑ کر بلندی کی طرف اٹھ رہا تھا اور تہہ خانے کی چھت کھلتی جا رہی تھی کہ اس کا اسسٹنٹ وہاں آ پہنچا۔ اس نے چیخ کر کہا۔ "ڈاکٹر! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟"

یہ کہتے ہی وہ ٹارگیٹ لائن کی طرف بھاگتا ہوا آیا۔ لیکن ڈان اسمتھ نے اس کے منہ پر کراٹے کا ایک چوپ رسید کیا۔ ڈاکٹر بھلا کراٹے کیا جانتا۔ وہ تو میں اس کے دماغ میں بیٹھا ہوا تھا اس لیے وہ میرے ہی... داؤ پیچ استعمال کر رہا تھا۔

اسسٹنٹ جوان اور طاقتور تھا۔ ڈاکٹر بوڑھا اور کمزور تھا۔ جوان کا ایک کرارا ہاتھ اسے زمین بوس کر سکتا تھا مگر وہ بوڑھا میری دماغی پھرتی کے ذریعہ اس کے حملوں سے بچ رہا تھا اور اسے ٹارگٹ لائن کی طرف جانے کا موقعہ نہیں دے رہا تھا۔

بس اتنا ہی لڑائی جھگڑا کافی تھا۔ اس وقت تک راکٹ نما بم کھلی ہوئی چھت سے گزر چکا تھا۔ وہ کوئن آئی لینڈز کے ٹارگٹ پر نہیں تھا۔ ڈاکٹر نے میری ہدایت کے مطابق نوے ڈگری کا ٹارگٹ رکھا تھا۔ نوے ڈگری کا مطلب یہ تھا کہ وہ بم سیدھا آسمان کی طرف

ایک مخصوص بلندی تک جاتا۔ پھر وہاں سے پلٹ کر اپنی جگہ واپس آ کر گر جاتا۔

اسسٹنٹ کے ہوش اُڑ گئے۔ اب بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر بھی اُس نے دروازے کے پاس پہنچ کر خطرے کے سائرن کو آن کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس زمین دوز اڈے میں زندگی کا آخری ہنگامہ ۔۔۔ برپا ہو گیا۔ لوگ اس تہہ خانے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ موت کا وہ کھیل انہوں نے دوسروں کے لیے شروع کیا تھا۔ اور اب خود ہی اس عبرتناک انجام سے بھاگ رہے تھے۔

لیکن وہ کتنی دور بھاگ کر جا سکتے تھے۔ انسان جتنی بھی دُور جاتے، موت اُس سے پہلے وہاں پہنچ جاتی ہے۔ میں نے بھاگنے والوں کے ذہن سے ایک زبردست دھماکے کی آواز سنی۔ اس کے بعد سناٹا چھا گیا۔ وہاں کیسی تباہی مچ رہی ہوگی۔ اس کا اندازہ میں نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہاں تمام انسانی دماغ ایک ہی دھماکہ کے بعد ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔

❋

اب میرے دماغ میں کوئی ہنگامہ نہ تھا۔ سکون ہی سکون تھا۔ میرے چاروں طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں اس سکون اور خاموشی سے لطف اٹھانے کے لیے بڑی دیر تک آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ وہ بیدار ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ "شام ہو رہی ہے۔ کیا اپنا روپ نہیں بدلو گے؟"

مجھے یاد آیا کہ میں اپنے اصلی روپ میں ہوں۔ سارا عرف سوانہ کے آدمی مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ میں فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس مکان کی بوڑھی مالکہ میک اپ وغیرہ کے وہ تمام سامان لے آئی تھی جس کی فہرست میں نے دی تھی۔ سامان کے ساتھ اس روز کا اخبار بھی تھا۔ میں نے مے یون کو گرم پانی لانے کے لیے کہا۔ پھر اخبار کھول کر پڑھنے لگا۔

اخبار کے آخری صفحہ پر ہمارے متعلق ایک چھوٹی سی خبر شائع ہوئی تھی کہ مے یون نامی ایک چینی لڑکی فرید نامی ایک شخص کے ساتھ جزیرہ کولون میں غیر قانونی طریقہ سے داخل ہوئی ہے۔ پولیس ان کی تلاش میں ہے۔

جب مے یون میک اپ کے لیے گرم پانی لے کر آئی تو میں نے اخبار کا وہ صفحہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ دوسرے صفحہ پر تیس بتیس برس کے ایک جوان کی تصویر تھی۔ وہ ہانگ کانگ میں اسٹارفری کا سودا کرنے یورپ سے آیا تھا۔ اور اب دوسری صبح واپس جانے والا تھا۔ اچانک میرے دماغ میں یہ بات آئی کہ مجھے اس شخص کا سوانگ بھرنا چاہیے۔ میں نے سونیا سے وعدہ کیا تھا کہ استنبول میں اس سے ملاقات کروں گا۔ اگر میں یہ وعدہ پورا نہ کرتا تو وہ بُری طرح ناراض ہو جاتی اور میں اپنی جان سے زیادہ عزیز ہستی کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

مے یون نے اخبار کے صفحہ کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "پولیس والے ہماری تلاش میں یہاں بھی پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں فوراً ہی اپنا حلیہ بدل لینا چاہیے۔"

میں نے اخبار والی تصویر کو سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو اس شخص کا نام ونود شرما ہے۔ یہ دولت مند ہندوستانی ہے۔ مگر پیرس میں رہتا ہے۔ کل یہاں سے واپس جائے گا۔ میں ونود شرما کے روپ میں آنے والا ہوں۔"

یہ کہہ کر میں نے بڑے سے آئینہ کو سامنے رکھا۔ پھر میک اپ میں مصروف ہو گیا۔ مے یون نے کہا۔ "کل ونود شرما واپس جائے گا تو انٹرپول والے تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

میں نے جواب دیا۔ "وہ نہیں۔ میں یہاں سے جاؤں گا انٹرپول والے اس کے پیچھے پڑ جائیں گے۔"

مے یون نے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم چلے جاؤ گے؟ اور میں؟"

"میں صرف دو دن کے لیے جاؤں گا۔ تم اسی مکان میں میرا انتظار کرو گی۔"

"نہیں۔۔۔" وہ تڑپ کر مجھ سے لپٹ گئی۔ "میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ یہ کیسی محبت ہے۔ آج ملے ہو۔ کل جا رہے ہو۔"

"میں تمہیں بار بار سمجھا رہا ہوں کہ میرا کوئی گھر نہیں ہے، کوئی منزل نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ایک منزل پر ٹھہر سکتا ہوں۔ مے یون تم اتنی پیاری سی گڑیا ہو کہ میں تم سے دغا نہیں کر سکتا۔ تمہیں کبھی بھول نہیں سکتا اس لیے تمہیں چھوڑ بھی نہیں سکتا۔"

"تو پھر کیوں چھوڑ کر جانا چاہتے ہو؟"

"ہمیشہ کے لیے نہیں، صرف دو چار دنوں کے لیے۔ تم نے میرے سمجھانے کے باوجود مجھے اپنا ہی لیا ہے تو پھر اکثر ایسا ہوا کرے گا ہم کبھی بچھڑیں گے اور کبھی ملیں گے۔"

وہ مجھ سے الگ ہو کر بولی۔ "بچھڑنا کوئی ضروری نہیں ہے۔ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"نہیں ضد نہ کرو۔ میں تمہارے لیے ایک پناہ گاہ بنا کر تمہیں وہاں حفاظت سے چھوڑ سکتا ہوں۔ ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ جب میں واپس آؤں گا تو کیا تم میری گردن میں بانہیں ڈال کر خوش آمدید نہیں کہو گی؟"

وہ سر جھکا کر رونے لگی۔ آنسو عورت کے آخری ہتھیار ہوتے ہیں۔ میرا دل اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ وہ اتنی حسین تھی، اتنی دل نشیں تھی کہ اس کے آنسو سیدھے دل میں ٹپک رہے تھے۔ اگر میں کمزوری ظاہر کرتا تو سونیا تک نہ پہنچ سکتا۔ اپنی محبت کو دو حصوں میں تقسیم کرنے سے الجھنوں کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

میک اپ جاری تھا۔ میرا چہرہ بدلتا جا رہا تھا۔ اس کے آنسو تھم رہے تھے۔ مگر دل بدستور رو رہا تھا۔ جب میک اپ مکمل ہو گیا تو اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔ اخبار کی تصویر والا ونود شرما اب اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے رونا بھول گئی۔ حیرانی سے سوچ رہی تھی۔ "اگر میں فرید کو آنکھوں کے سامنے میک اپ کرتے نہ دیکھتی تو کبھی یقین نہ کرتی کہ اس وقت میرے سامنے فرید موجود ہے۔"

اتنے میں مکان کی بوڑھی مالکہ آ گئی۔ وہ بھی مجھے دیکھتے ہی دروازے پر ٹھٹھک گئی۔ مے یون اپنی زبان میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ میں سمجھ گیا۔ کہ وہ میرے ہی متعلق اس سے باتیں کر رہی ہے۔ میں نے کہا۔ "مے یون! اس بڑھیا سے کہو یہاں بیٹھی رہے تاکہ تمہیں میک اپ کے مرحلے سے گزرتے دیکھ سکے۔ اور یہ یقین کر سکے کہ ہم وہی ہیں صرف چہرے بدل گئے ہیں۔"

مے یون نے بڑھیا کو اپنے قریب میں بٹھا لیا۔ میں مے یون کے چہرے کو گرم پانی سے پونچھنے لگا۔ میک اپ کے دوران میں نے اس کی تسلی کے لیے اس کی سوچ میں کہا۔ "میرا فرید خواہ ہزاروں میل دور چلا جائے۔ پھر بھی میرا ہی رہے گا۔ مجھے اپنا وعدہ نبھانا چاہیے۔ میں نے خود ہی کہا تھا کہ فرید خانہ بدوش سہی، بے وفا اور سنگدل سہی مگر میں ساری عمر اسی کے نام پر زندہ رہوں گی۔"

وہ اس سوچ سے قائل ہو رہی تھی۔ پھر اچانک ہی سوچنے لگی۔ "عجیب بات ہے۔ میں کبھی کبھی انگریزی زبان میں کیوں سوچنے لگتی ہوں۔ فرید کو پا لینے سے پہلے میں عادتاً اپنی مادری زبان میں سوچتی رہتی تھی۔ اب بھی یہی بات ہے مگر کبھی کبھی انگریزی سوچیں دماغ میں بھر جاتی ہیں۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ میں فرید سے دل اور دماغ کی گہرائیوں تک متاثر ہو گئی ہوں۔ وہ میری زبان نہیں جانتا، میں اس کی زبان نہیں جانتی۔ یہ انگریزی زبان ہمارے پیار کے اظہار کا ذریعہ بن گئی ہے۔ شاید اسی لیے میں بے اختیار اس زبان میں سوچنے لگتی ہوں۔"

وہ مطمئن ہو گئی اور اپنے دل کو صبر کی تلقین کرنے لگی کہ اُسے زندگی کی عارضی جُدائی کو برداشت کر لینا چاہیے۔ اندھیرا چھانے سے پہلے میک اپ مکمل ہو گیا۔ مے یون اب اپنے چہرے کو حیرانی سے آئینے میں دیکھ رہی تھی کیونکہ آئینے میں اس کے سامنے کوئی اجنبی چینی دوشیزہ بیٹھی ہوئی تھی۔

مکان کی بوڑھی مالکہ کا بھی یہی حال تھا۔ وہ مجھے اور مے یون کو دیکھ دیکھ کر اپنی زبان میں بڑبڑا رہی تھی۔ پھر وہ بانس کی تیلیوں سے بنی ہوئی لالٹین روشن کر کے لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد ہمارے سامنے چائنیز ڈشیں سجی ہوئی تھیں اور ہم پیٹ بھر کر کھا رہے تھے۔

مے یون نے میری ہدایت کے مطابق اس بڑھیا کو سمجھایا کہ جو کپڑے ہم اتار چکے ہیں انہیں اس علاقہ سے کہیں دور لے جا کر پھینک دے۔ کیونکہ سارا اور اس کے آدمی ان کپڑوں کو پہچانتے تھے۔ بڑھیا کو میں نے اتنی زیادہ رقم دی تھی کہ وہ مشین کی طرح کام کرتی تھی۔ اس نے کہا۔ جب ہم سو جائیں گے تو وہ رات کو کسی وقت کہیں دُور جا کر ان کپڑوں کو پھینک آئے گی۔

وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ مے یون دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ پھر میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ "تمہاری جدائی کے خیال سے رونا تو آ رہا ہے مگر میں دل کو سمجھا رہی ہوں کہ تم فیصلے کے دھنی ہو۔ جو کہتے ہو، کر گزرتے ہو۔ میں صبر و تحمل سے تمہارا انتظار کروں گی۔"

میں نے اسے گلے سے لگا لیا۔ وہ صبر و ضبط کے باوجود رونے لگی۔ میرے پاس الفاظ کے جتنے خزانے تھے۔ میں نے اُسے سمجھانے کے لیے خالی کر دیئے۔

رات کے تین بجے جب میں رخصت ہونے لگا۔ تو وہ مجھے رخصت کرنے کے لیے دروازے تک چل کر نہ آ سکی۔ آنسو بھری آنکھوں سے التجا کرتی رہی کہ میں جلد واپس آ جاؤں۔ میں نے وعدہ کیا۔ اسے الوداعی پیار کیا۔ پھر کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ بڑھیا مجھے اس علاقہ سے باہر چھوڑنے کے لیے میرے ساتھ ہو گئی۔ ہانگ کانگ میرے لیے ایک اجنبی جگہ تھی لیکن۔۔۔ میں نے اس ہوٹل کا نام یاد کر لیا تھا۔ جہاں ونود شرما ٹھہرا ہوا تھا۔ میں کسی ٹیکسی میں بیٹھ کر وہاں پہنچ سکتا تھا۔

میں اس بڑھیا کے ساتھ چلتے چلتے ناتھن روڈ پر پہنچا تو قریب ہی پام گارڈن ہوٹل کا نیون سائن دیکھ کر چونک گیا۔ ونود شرما اسی ہوٹل میں ٹھہرا ہوا تھا۔ تقدیر مہربان تھی۔ میں اس شہر میں بھٹکتے رہنے سے بچ گیا تھا۔ میں نے بڑھیا کو رخصت کرنے سے پہلے اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ "کیا تم نے ہمارے پرانے کپڑے پھینک دیئے ہیں؟"

وہ میرا منہ تکنے لگی۔ میں نے پھر اپنا سوال دہرایا تو اُس نے اشاروں میں کہا۔ کہ وہ ابھی جا کر انہیں پھینک دے گی۔ اشاروں کی زبان میں اپنا مفہوم ادا کرتے وقت بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ تاہم میں نے اُسے دس پونڈ کی رشوت دے کر سمجھا دیا کہ وہ کپڑے ہم سب کے لیے مصیبت بن جائیں گے۔ انہیں پہلی فرصت میں پھینک دیا جائے۔

وہ وعدہ کر کے رخصت ہو گئی۔ اس وقت صبح کے چار بجنے

والے تھے۔ میں نے سوچا اگر سیدھا ہوٹل میں جاؤں گا تو ونود شرما اپنے کمرے میں سو رہا ہو گا۔ ہوٹل کے ملازمین دولت مند گاہکوں کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ دوسرا ونود شرما کہاں سے آ رہا ہے۔

میں کسی کی تصویر دیکھ کر بھی دماغی رابطہ قائم کر سکتا ہوں۔ لیکن اخبار میں جو تصویر شائع ہوئی تھی، پرنٹنگ کے نقص کے باعث اس تصویر کی آنکھوں پر ایک لکیر سی پڑ گئی تھی۔ میں تصویر کی آنکھیں واضح طور پر نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اور نہ ہی ونود شرما کے دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔

سوچتے سوچتے مجھے احساس نہ رہا کہ میں ہوٹل کے سامنے پہنچ گیا ہوں۔ اچانک ایک شخص نے مجھے دیکھتے ہی اٹینشن ہو کر سلام کیا۔ میں ٹھٹھک کر کھڑا ہو گا۔ اس نے ادب سے پوچھا "سر! آپ پیدل آ رہے ہیں۔ گاڑی کہاں چھوڑ دی؟"

ایسے وقت میرا دماغ تیزی سے کام کرتا ہے۔ میں نے فوراً ہی ایک شرابی کی ایکٹنگ شروع کر دی۔ نشیلے لہجے میں پوچھا "ایں آں۔ تم بلاڈی فول پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟"

"سوری سر! میں آپ کا ادنیٰ ملازم ہوں۔ منیجر صاحب نے آدھی رات سے یہاں میری ڈیوٹی لگا دی ہے کہ آپ کسی وقت بھی ہوٹل میں واپس آ سکتے ہیں۔"

میں ہوٹل میں جانے سے انکار کرنا چاہتا تھا مگر شومئی قسمت سے منیجر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام کر کہا "شرما صاحب! آپ نے واپسی میں دیر کر دی۔ جلدی آیئے۔ آپ کے لیے خوشخبری ہے کہ کل اسٹار فیری کا سودا ہو جائے گا۔ اگر آپ کل کلکتہ جانے کا پروگرام ملتوی کر دیں۔"

وہ میرا ہاتھ پکڑ کر ہوٹل کے احاطے میں لے آیا۔ میں نے نشے میں لڑکھڑاتے ہوئے کہا "میں کوئی بچہ نہیں ہوں۔ ہاتھ چھوڑ دو۔ میرا پروگرام کینسل نہیں ہو گا۔ کل میں جاؤں گا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ جب وہ لوگ سودے پر راضی نہیں تھے تو آپ ضد کر رہے تھے۔ اب وہ لوگ راضی ہیں تو آپ جانا چاہتے ہیں۔"

"میں دو دن کے لیے جاؤں گا۔ پھر واپس آ جاؤں گا۔ سودا کرنے والوں کو میری اہمیت کا احساس ہونا چاہیے۔ انہیں اب دو دن تک میرا انتظار کرنا ہو گا۔"

ہم باتیں کرتے ہوئے ایک لفٹ کے اندر پہنچ گئے۔ وہاں منیجر نے رازدارانہ لہجے میں ہولے سے کہا "یہ بہترین موقع ہے۔ اسٹار فیری ہماری ملکیت ہو جائے گی تو اسمگلنگ کا مال یہاں آسانی سے پہنچا کرے گا۔ آپ پرسوں کی فلائیٹ سے چلے جائیں۔"

میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا "نو آرگومنٹس۔ میں جاؤں گا۔ تم میری غیر موجودگی میں ایڈوانس دے کر سودا پکا کر لو۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ میں لفٹ سے باہر آ کر اس کی رہنمائی میں ونود شرما کے کمرے تک پہنچ گیا۔ اس وقت میری عجیب حالت تھی۔ میرے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ بات صرف حوصلے کی ہوتی ہے۔ میں اوکھلی میں سر دینے کے بعد موسلوں کی دھمک سے نہیں ڈرتا۔ ہر زندگی کے آگے موت کھڑی رہتی ہے۔ جب موت سے نہیں ڈرتے تو دشمنوں سے ڈرنا کیسا؟

ہوٹل کے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں پہنچتے ہی شرما کے سیکرٹری نے کہا "ابھی، مسٹر شرما کا فون آیا ......" وہ کہتے کہتے مجھے دیکھ کر چونک گیا۔ میرے لیے بھی پریشانی کی بات تھی کہ ابھی شرما کا فون آیا تھا اور ابھی میں شرما بن کر پہنچ گیا تھا۔

جب پھنسنا ہی تھا تو ڈھٹائی سے کیوں نہ کام لیا جاتا۔ میں نے گرج کر کہا۔

"نان سنس۔ پیتا میں ہوں اور نشہ تمہیں ہوتا ہے۔ کیا ابھی میں نے فون پر تم سے بات کی ہے؟"

وہ گڑگڑا کر بولا "سر! میں نے آواز پر دھیان نہیں دیا۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ انٹرپول والے کوئی چال چل رہے ہیں۔"

منیجر نے کہا "بے شک۔ وہ سمجھ رہے ہیں کہ اسٹار فیری آپ کی ملکیت بن جائے گی تو ہم ان کی دسترس سے دور ہو جائیں گے۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے فوراً ہی آگے بڑھ کر کہا "لاؤ ریسیور مجھے دو۔"

سیکرٹری نے ریسیور اٹھا کر مجھے دے دیا۔ میں نے اسے کان سے لگا کر سنا۔ دوسری طرف سے نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ انگریزی زبان میں کہہ رہی تھی "ہیلو میں میو فان بول رہی ہوں۔ مسٹر وشوا ناتھ کو ریسیور دو۔"

میں نے کہا "ریسیور میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بولو۔"

"ویل مسٹر وشوا ناتھ تمہارے باس نے تمہیں یہاں بلایا ہے۔ انہوں نے کچھ زیادہ پی لی ہے۔ ہوٹل تک نہیں جا سکیں گے۔ تم ان کا پاسپورٹ، چیک بک اور بریف کیس لے کر یہاں آ جاؤ۔ وہ صبح اٹھ کر یہیں سے ایئرپورٹ جائیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی آ رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ میرے اندازے کے مطابق اس منیجر کا نام وشوا ناتھ ہو سکتا تھا۔ میں نے ریسیور رکھتے ہوئے جھک کر آواز دی "وشوا ناتھ۔"

سیکرٹری نے اٹینشن ہو کر کہا "یس سر!"

ایک غلطی سے میں بال بال بچ گیا۔ وشوا ناتھ منیجر کا نہیں سیکرٹری کا نام تھا۔ میں نے حکم دیا "میرا پاسپورٹ اور چیک بک

بریف کیس میں رکھو۔ ہوٹل کی کار تیار کرو اور میرے ساتھ چلو۔"

منیجر نے کہا "آپ اسٹار فیری والوں کو ایڈوانس دینے کے لیے چیک لکھ دیں۔ یہ سودا فوراً طے ہو جانا چاہیے۔"

چیک لکھنا آسان تھا مگر مجھے ونود شرما کے دستخط نہیں آتے تھے۔ میں نے لاپرواہی سے کہا "اتنی جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔ بینک کھلنے سے پہلے میں تمہیں چیک بھجوا دوں گا۔"

مجھے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ ونود شرما کسی میو فان نامی عورت کے پاس ہے۔ زیادہ پی لی ہے۔ اب یہاں نہیں آ سکے گا۔ اب مجھے وہاں جانا تھا۔ جب سیکرٹری وشوا ناتھ ہوٹل کی رینٹل کار حاصل کرنے چلا گیا۔ تو منیجر نے ادب سے پوچھا "سر! کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ابھی آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

میں نے گہری سنجیدگی ظاہر کرتے ہوئے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ مجھے سودا پکا کیے بغیر یہاں سے نہیں جانا چاہیے۔"

اس نے خوش ہو کر کہا "ویری گڈ۔ آپ نے بہت ہی مناسب فیصلہ کیا ہے مگر ابھی آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"انٹرپول کے سراغرسانوں سے ایک گیم کھیلنے جا رہا ہوں۔ وہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ میں کہاں ہوں اور کیا کر رہا ہوں؟ میرے جاتے ہی تم یہ ہوٹل چھوڑ کر دوسرے کسی معمولی ہوٹل میں اپنے اسٹاف کے ساتھ قیام کرو۔ میں ٹھیک گیارہ بجے تم سے اسٹار فیری کے کیبن میں ملوں گا۔ ہماری اس ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل گیا۔ لفٹ میں داخل ہو کر نیچے جاتے وقت میں نے میو فان کے دماغ میں جھانک کر دیکھا۔ وہ ایک بیڈ پر جھکی ہوئی کہہ رہی تھی "شرما! میں کہتی ہوں لیمن اسکواش پی لو نشہ اتر جائے گا۔"

وہ نشے میں ہاتھ لہراتے ہوئے بولا "نو۔ نو نیڈ آف لیمن۔ میں ابھی خلا میں پرواز کر رہا ہوں۔ بڑا مزہ آ رہا ہے میری جان! آؤ تم بھی میرے ساتھ پرواز کرو۔"

اتنی دیر میں میں ونود شرما کے دماغ تک پہنچ گیا۔ لیکن ابھی اس کے دماغ کو پڑھنے کا موقع نہیں تھا۔ میں لفٹ سے نکل کر ہوٹل کے پورچ میں آیا۔ سیکرٹری نے میرے لیے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ پھر خود اسٹیئرنگ سیٹ پر چلا گیا۔

پچھلی سیٹ پر ونود شرما کا بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ سیکرٹری نے پوچھا "سر! کہاں چلنا ہے؟"

میں نے کہا "کہیں بھی چلتے رہو۔ میں یہاں تنہائی میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

کار اسٹارٹ ہو گئی۔ میں پھر ونود شرما کے پاس پہنچ گیا۔ میو فان اس سے کہہ رہی تھی "میں کہتی ہوں۔ اسٹار فیری کا سودا کرنے کے بجائے مسٹر وارڈ سے بات کرو۔ اسے جہاز رانی کا تیس سالہ تجربہ ہے وہ پرتگال اور برطانوی بحری پولیس سے نمٹنا جانتا ہے۔"

ونود شرما نشے میں مدہوش تھا مگر بے ہوش نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا "پانچ کروڑ ڈالر میں اسٹار فیری اور اس کا پورٹ ہاتھ آ جائے گا اور مسٹر وارڈ کا دعویٰ ہے کہ یومائی فیری پورٹ کے سپاہی اس کی مٹھی میں ہیں۔ اگر میں رومانہ جہاز خرید لوں تو میرے لیے اسمگلنگ کے راستے ہموار ہو جائیں گے۔"

رومانہ جہاز کا نام سن کر میں چونک گیا۔ مجھے یاد آیا کہ سمندری عقاب کے جہاز کے اسکیپر کو مسٹر وارڈ کہہ کر مخاطب کیا جاتا تھا۔ کیا سارا عرف رومانہ اپنے باپ سمندری عقاب کی موت کے بعد اس جہاز کو فروخت کر رہی تھی؟

تب اچانک ہی مجھے اپنی سنگدلی کا احساس ہوا۔ ٹھیک ہے کہ سارا غلط فہمی کی بنا پر مجھ سے بدظن ہو گئی تھی لیکن اب مجھے کھو کر پچھتا رہی تھی۔ میری جدائی اور باپ کی موت کا صدمہ برداشت کر رہی تھی۔ میں نے فوراً ہی اس کے دماغ کی طرف چھلانگ لگائی۔

وہ آنکھیں بند کیے ایک ایزی چیئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پورا ایک دن اس کے باپ کی تجہیز و تکفین کے سلسلے میں گزر گیا تھا۔ پھر پچھلی شام سے ابھی صبح تک وہ میری تلاش میں جاگتی رہی تھی۔ دل بھاری تھا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ نیند غالب آنا چاہتی تھی۔ مگر وہ ضدی لڑکی مجھے ڈھونڈ لینے کے بعد ہی سونا چاہتی تھی۔

اچانک ہی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ فوراً ہی ریسیور اٹھا کر بولی "کیا پتہ چل گیا؟"

دوسری طرف سے اسکیپر کی آواز سنائی دی "لیڈی سارا! میں وارڈ بول رہا ہوں۔"

سارا نے چیخ کر کہا "میں سمجھا چکی ہوں کہ مجھے لیڈی سارا نہ کہو۔ میں صرف رومانہ ہوں رومانہ ......"

یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ میں کس طرح اسے رومانہ کے روپ میں دیکھنے کی ضد کیا کرتا تھا۔ ریسیور سے اسکیپر وارڈ کی آواز سنائی دی "سوری رومانہ! میں بھول گیا تھا کہ تم سارا کے نام کو ماضی میں دفن کر دینا چاہتی ہو۔"

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی "ہاں۔ فرہاد نے ذرا سی بات پر جھگڑا کیا تھا کہ وہ مجرموں کا ساتھ نہیں دے گا۔ اس کی جدائی نے مجھے سمجھا دیا ہے۔ وہ اپنی زبان کا دھنی ہے۔ اب وہ ملے گا تو میں اسے خوشخبری سناؤں گی کہ میں نے جہاز فروخت کر دیا ہے۔ اسمگلنگ کا دھندا ختم کر دیا ہے۔ اب سارا نہیں صرف تمہاری رومانہ تمہارے لیے زندہ ہے۔"

ایسا کہتے وقت دل میں جدائی کی ایک ٹیس اٹھی۔ ایک دو جاگا اور اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ میرا دل محبت اور ہمدردی سے بھر گیا۔ وہ سمندر کی طوفانی لہروں سے لڑنے والی اندھی میرے لیے ایک معمولی لڑکی ہو گئی تھی۔ یہ پیار کی انتہا ہے کہ عورت اپنے مرد کے لیے اپنی تمام اہمیت اور حیثیت کو مٹی میں ملا دیتی ہے۔

اسکیپر وارڈ کہہ رہا تھا "بیٹی! میو فان نے مجھے یقین دلایا ہے کہ جہاز کا سودا آج ہی ہو جائے گا۔ میں نے جہاز اور دس موٹر بوٹ کی قیمت دو کروڑ تیس لاکھ ڈالر بتائی ہے۔ وہ ونود شرما سے بات کرنے دوسرے کمرے میں گئی ہے۔ بات پکی ہوتے ہی میں تمہیں فون کروں گا۔"

سارا نے بے دلی سے ریسیور کو رکھ دیا۔ مجھے وہ رومانہ کے روپ میں اچھی لگتی تھی۔ اب جبکہ وہ سارا کے نام کو مٹا رہی تھی... تو میں بھی اسے رومانہ ہی کہوں گا۔ وہ نڈھال سی ہو کر پھر اسی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ اب یہ کہنے کی ضرورت نہیں رہی کہ اس کے سوچ نگر میں صرف میں ہی میں تھا۔

لیکن ابھی مجھے فرصت نہیں تھی کہ کسی طرح چھپ کر اس کی دلجوئی کروں۔ غم کے پہاڑ سب ہی پر ٹوٹتے ہیں اور سب ہی ان پہاڑوں کا بوجھ اٹھا کر اپنے حالات سے گزر جاتے ہیں۔ رومانہ ابھی عزم کی لڑکی تھی۔ میں پھر کبھی اس کے درد کی دوا بن سکتا تھا اس لیے اس کی سوچ نگری سے نکل آیا۔

جب میں ونود شرما کے پاس پہنچا تو اس وقت تک وہ میو فان کی شبابی اداؤں میں بہہ کر اس کی بات مان چکا تھا یعنی وہ رومانہ جہاز خریدنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میو فان نے خوش ہو کر کہا۔ "میں جانتی تھی کہ تم میرے فیصلے کو مان جاؤ گے۔ میں نے ہوٹل فون کر کے تمہاری چیک بک، پاسپورٹ اور بریف کیس یہاں منگوا لیا ہے۔ تمہارا سیکرٹری اب آتا ہی ہو گا۔"

ونود شرما نے کہا "اچھا میں سمجھ گیا۔ تم چاہتی ہو کہ میرے مینیجر وغیرہ کو اس نئے سودے کا علم نہ ہو۔"

وہ گلے کا ہار بنتی ہوئی بولی "ہاں پہلے تم مجھے جہاز کی خریداری میں پارٹنر بنا لو۔ اس کے بعد دوسروں کو اس سودے کی اطلاع دی جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ سوچنے لگی "یہ کمبخت مینیجر بہت چالاک بنتا ہے۔ پارٹنر شپ کا معاہدہ ہونے تک اسے یہاں سے دور رکھنا چاہیے۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "سیکرٹری چیک بک لے کر آ رہا ہے۔ اسے بھی باہر سے ٹال دینا چاہیے۔ میں اس سے بریف کیس لے کر اسے دروازے سے ہی رخصت کر دوں گی۔"

میو فان نے قائل ہو کر کہا "ہاں جتنی رازداری برتی جائے اتنا ہی بہتر ہے۔ جب تک پارٹنر شپ کا معاہدہ نہیں ہو گا، شرما کو اپنی کوٹھی سے نہ تو باہر جانے دوں گی اور نہ ہی فون کرنے کا موقع دوں گی۔"

میو فان جو کچھ سوچ رہی تھی، اس سے مجھے فائدہ پہنچنے والا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "جب شرما چیک پر دستخط کر لے گا تو میں اسے اور پلاؤں گی تاکہ وہ فون پر بھی مینیجر سے بات کرنے کے قابل نہ رہے۔"

میں بھی سوچ کے ذریعہ میو فان کو جو کچھ سمجھا رہا تھا، وہ اپنے مفاد کے پیش نظر سے مان رہی تھی۔ پھر میں نے سیکرٹری سے کہا "وشوا ناتھ! میو فان کی کوٹھی کی طرف چلو اور بریف کیس کا لاک نمبر بتاؤ۔"

اس نے نمبر بتایا۔ میں نے اس نمبر کے مطابق بریف کیس کو کھول کر دیکھا۔ اس میں چیک بک، پاسپورٹ، ویزا، فلائیٹ کا ٹکٹ، ڈالر کی چند گڈیاں اور اہم کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ میں نے پاسپورٹ، ویزا اور فلائیٹ کا ٹکٹ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اپنی جیب سے برٹش پونڈ کی دو گڈیاں نکال کر بریف کیس میں رکھ دیں اور وہاں سے ڈالر کی گڈیاں اٹھا لیں۔ اس کے بعد بریف کیس کو سابقہ نمبر کے مطابق لاک کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد کار ایک کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہو کر رک گئی۔ میں نے سیکرٹری کی جانب بریف کیس بڑھاتے ہوئے کہا "دروازے پر جا کر کال کرو۔ میو فان آئے گی تو اسے یہ بریف کیس دے کر وہی لاک نمبر بتا دینا۔ اس کے بعد کوئی غیر ضروری بات نہ کرنا۔ فوراً واپس آ جانا۔"

وہ بریف کیس لے کر دروازے کے سامنے پہنچا۔ اور کال بیل کے بٹن کو دبانے لگا۔ میں کار کی اندرونی لائٹ کو آف کر کے میو فان کے دماغ میں پہنچ گیا۔ وہ کال بیل کی آواز سن کر بیرونی دروازے کی طرف آ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ اگر سیکرٹری شرما کے متعلق پوچھے گا تو وہ کہہ دے گی کہ شرما سو رہا ہے۔

میو فان کی یہ بات میرے لیے مصیبت بن جاتی۔ میں نے کہا "ہاں میں یہی کہوں گی اور اگر سیکرٹری کچھ نہیں پوچھے گا تو میں بھی شرما کی بات نہیں چھیڑوں گی۔"

وہ دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ میں بالکل تیار بیٹھا ہوا تھا کہ میو فان اور سیکرٹری شرما کے متعلق کوئی بات نہ کرنے پائیں۔ میو فان خود ہی محتاط تھی۔ وہ دروازہ کھولتے ہی باہر آ گئی۔ تاکہ سیکرٹری اندر نہ آئے۔ اس نے بریف کیس لیتے ہوئے پوچھا "کیا اس میں چیک بک موجود ہے؟"

"جی ہاں! لاک کا نمبر ٹو ون سیون ون ہے۔"

"آل رائٹ۔ یو مے گو...." اس نے سیکرٹری کا جواب سنے بغیر اندر آتے ہی دروازے کو بند کر دیا۔ میں نے اطمینان کی سانس لی۔ میرے فرار ہونے کا یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا تھا۔ سیکرٹری نے جب کار اسٹارٹ کی تو میں نے رسٹ واچ کو دیکھتے ہوئے کہا "سات بج رہے ہیں۔ ایئر پورٹ کی طرف چلو۔"

کار کوٹھی کے احاطہ سے باہر نکلی۔ سیکرٹری وشوا ناتھ کے دماغ نے بتایا کہ ہم ایئر پورٹ کی طرف جا رہے ہیں۔ وہ حیرانی سے سوچ رہا تھا کہ میں بریف کیس میو فان کو دے کر ایئر پورٹ کیوں جا رہا ہوں۔ میں نے اسے چھوڑ کر میو فان کی خبر لی۔ وہ ڈرائنگ روم میں اسکیپر وارڈ کے سامنے ایک صوفہ پر بیٹھ کر بریف کیس کھول رہی تھی۔ چیک بک کو دیکھ کر اسے اطمینان ہوا۔ وہ بولی "مسٹر وارڈ! کام بن گیا۔ چیک بک آ گئی ہے۔ میں ابھی جا کر ایڈوانس کے طور پر ایک لاکھ کا چیک سائن کراتی ہوں۔ ایگریمنٹ کے بعد آپ کو پوری رقم مل جائے گی لیکن ایگریمنٹ مس رومانہ سے ہو گا۔"

وہ بریف کیس لے کر خواب گاہ کی طرف جاتی ہوئی سوچنے لگی۔ "میں نے اس وشوا ناتھ کے بچے کو پاسپورٹ وغیرہ بھی لانے کے لیے کہا تھا لیکن بریف کیس میں یہ چیزیں نہیں ہیں۔ مینیجر اب تک اس خوش فہمی میں ہے کہ شرما ہانگ کانگ سے باہر نہیں جائے گا۔"

وہ سوچتی ہوئی خوابگاہ میں ونود شرما کے پاس آ گئی۔ اور اس سے وہی بات کہنے لگی۔ ونود شرما نے کہا "کوئی بات نہیں مینیجر کو یہی سمجھنے دو۔ وہ ایئر پورٹ سے مجھے کال کرے گا۔ تم کہہ دینا کہ پروگرام ملتوی ہو گیا ہے اور میں ابھی سو رہا ہوں اور اب تم بھی مجھے سونے دو۔"

"پہلے ایک چیک تو لکھ دو۔ مسٹر وارڈ انتظار کر رہے ہیں۔"

اس نے چیک بک آگے بڑھا دی۔ ونود شرما سرہانے کی میز سے قلم اٹھا کر ایک لاکھ کا چیک لکھنے لگا۔ میں ان کی دنیا سے باہر چلا آیا۔

سفر طویل تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ ایئر پورٹ وہیں کہیں ہو گا لیکن جب ساحل پر پہنچ کر کار کو لاک کیا اور ہم موٹر بوٹ میں بیٹھ کر روانہ ہوئے تو پتہ چلا کہ ایئر پورٹ خاص ہانگ کانگ شہر میں ہے۔ میں نے وشوا ناتھ سے کہا "میں تمہارے کام سے بہت خوش ہوں۔ سیکرٹری کا فرض ہے کہ اپنے باس کی ہر بات کو سیکرٹ رکھے۔ تم میری واپسی تک کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں یہاں سے باہر جا چکا ہوں۔ مینیجر وغیرہ پوچھیں تو کہہ دینا کہ میں نے کسی بار میں پہنچ کر تمہیں رخصت کر دیا تھا۔"

"آل رائٹ سر! میں یہی کہوں گا۔ آپ کب تک واپس آ جائیں گے؟"

"میں استنبول تک جا رہا ہوں۔ پرسوں تک واپس آ جاؤں گا۔"

میں پاسپورٹ اور ویزا دیکھ چکا تھا۔ اس کے مطابق استنبول میں بریک جرنی تھی۔ یعنی بی۔ او۔ اے۔ سی کا طیارہ وہاں ایندھن کے لیے رکتا تو میں اس شہر میں دو گھنٹے گزار سکتا تھا۔ بہرحال میں آٹھ بجے سے پہلے ہی ایئر پورٹ پہنچ گیا۔ وشوا ناتھ سے رخصت ہو کر طیارے میں آ گیا۔ ٹھیک آٹھ بجے جہاز نے ٹیک آف کیا تو مجھے اطمینان ہو گیا کہ اب میرا راستہ کوئی نہیں روکے گا۔

پھر بھی میں متعلقہ افراد کے دماغوں میں باری باری جھانکنے لگا۔ ونود شرما سو رہا تھا۔ میو فان غسل کر رہی تھی۔ مینیجر اپنے اسٹاف کے ساتھ ایک معمولی سے ہوٹل میں قیام کرنے پہنچ گیا تھا۔ فی الحال اس بات کا خدشہ نہیں تھا کہ ایک نقلی ونود شرما کا راز کسی پر کھل جاتا۔ یہ ٹیلی پیتھی کا کمال تھا کہ میں نے تمام افراد کو خوبصورتی سے ہینڈل کیا تھا۔

میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے بیٹھا ہوا تھا۔ جب آنکھ کھولی تو نگاہوں کے سامنے ایک کافر حسینہ ایئر ہوسٹس کے لباس میں مسکراتی ہوئی ایک ٹرے میں شراب کے جام پیش کر رہی تھی۔ میں نے کہا "نو تھینکس۔ اونلی سافٹ ڈرنک۔"

وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ہائے اب کسی کی مسکراہٹ کو کلیجہ سے لگانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ فی الحال تین عدد مسکرانے والیوں نے میرا خانہ خراب کر رکھا ہے۔ جزیرہ کولون میں مے یون اور رومانہ تھیں اور سونیا کی طرف تو میں جا ہی رہا تھا۔

سب سے پہلے میں نے مے یون کی خبر لی۔ اس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ بڑھیا کے مکان میں محفوظ تھی اور اس وقت ہولے ہولے کوئی چینی گیت گنگناتی ہوئی مجھے یاد کر رہی تھی۔

رومانہ کے پیار کی انتہا دیکھ کر اب میں اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے عزم و ہمت اور حسن و شباب کے متعلق میں پہلے بہت کچھ بتا چکا ہوں۔ وہ کنواری اور اچھوتی دوشیزہ جیسے میرے نام لکھی گئی تھی، اسی لیے میری تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ میں نے اس کے دماغ کے دریچے میں جھانک کر دیکھا۔ تو وہ تیزی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی اور اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ اس نے مجھے ڈھونڈ نکالا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے؟ میں تو طیارے میں سفر کر رہا تھا۔ پھر وہ مجھے پا لینے کے لیے کہاں جا رہی تھی؟ میں نے ہولے ہولے اس کے ذہن کو کریدنا شروع کیا۔ اب اس نے ایک جگہ کار روک دی تھی۔ وہاں اس کے دو ملازم کھڑے ہوئے تھے اور ان میں سے ایک ملازم کے ہاتھ میں وہ کپڑے تھے، جنہیں میں بڑھیا کے مکان میں اتار آیا تھا۔

رومانہ نے اس لباس کو جھپٹ کر کہا "یہ میرے پیا کا لباس ہے۔ فرید نے جہاز میں اسے پہنا تھا۔ تمہیں کہاں سے ملا؟"

ملازم نے جواب دیا "ایک بوڑھی عورت غریبوں کی اس بستی میں یہ لباس فروخت کر رہی تھی۔ میں نے چار شلنگ میں اسے

خرید لیا۔ جب وہ واپس جانے لگی تو ہم نے اس کا پیچھا کیا اور اس کا مکان دیکھ آئے ہیں۔"

"چلو۔ مجھے دکھاؤ۔" رومانہ ان کے ساتھ ایک تنگ سی گلی میں داخل ہو گئی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کیا تم نے بڑھیا سے کچھ پوچھا تھا؟"

"جی نہیں۔ ہمیں اس بات کا ڈر تھا کہ وہ بڑھیا اگر مے یون کے ساتھ ہے تو وہ واپس جا کر ضرور ہماری بات کہے گی۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مے یون پُراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ وہ غصہ میں آ کر ہمیں تباہ کر دے گی۔"

"شاباش تم لوگوں نے عقلمندی سے کام لیا ہے۔ مے یون کو میں سمجھا لوں گی۔"

اس لالچی بڑھیا نے صرف چار شیلنگ کی خاطر اپنی نادانستگی میں ہمارا راز فاش کر دیا۔ میں نے فوراً ہی مے یون کی سوچ میں کہا۔ "میں گنگنا رہی ہوں۔ اور ایک انجانا خطرہ میرے قریب آ رہا ہے۔"

وہ چونک کر سوچنے لگی۔ "یہ کیسی بات میرے دماغ میں آ رہی ہے؟"

میں نے کہا۔ "مجھ پر میرے دیوتا کا سایہ ہے۔ شاید اسی لیے مجھے پیش آنے والے کسی خطرہ کی اطلاع مل رہی ہے۔ مجھے فوراً یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔"

میں نے ایک جھٹکے سے اُسے اٹھا کر کھڑا کر دیا۔ سامنے پرس رکھا ہوا تھا۔ اس نے میری سوچ کے مطابق پرس اٹھایا۔ سینڈل پہنی اور فوراً باہر نکل گئی۔ یہ سب کچھ جیسے مشینی انداز میں ہو رہا تھا اور وہ اپنے آپ پر حیران تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے؟

مکان سے باہر نکلتے ہی اس محلے کے غریب لوگ اُسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ کیونکہ اس کے بدن پر قیمتی کپڑے کا بلاؤز اور اسکرٹ تھا۔ پرس بھی بہت قیمتی تھا۔ وہ رئیس زادی نظر آ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس طرح باہر نہیں آنا چاہیئے تھا لیکن اب تو منظرِ عام پر آ گئی تھی۔ پھر دماغ بھی کسی خطرے کی پیشگوئی کر رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔

چند ٹیڑھی میڑھی گلیوں سے گزرنے کے بعد وہ ٹھٹھک گئی۔ دور سامنے سے رومانہ دو آدمیوں کے ساتھ اس طرف آ رہی تھی۔ میں نے مے یون کی سوچ کو کنٹرول کیا۔ اس سے کہا۔ "مجھے رکنا نہیں چاہیئے۔ میں آگے بڑھ رہی ہوں۔"

وہ آگے بڑھنے لگی تو میں نے کہا۔ "میں میک اَپ میں ہوں۔ آئینہ میں خود کو نہیں پہچان سکتی۔ پھر یہ سارا مجھے کیسے پہچانے گی؟"

وہ مطمئن ہو کر آگے بڑھتی چلی گئی۔ گلی کے ایک حصہ میں دونوں حسینائیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔ وہ گلی بہت تنگ تھی۔ بیک وقت چار افراد وہاں ایک دوسرے کو کراس نہیں کر سکتے تھے۔

رومانہ نے ایک سرسری سی نظر مے یون پر ڈالی۔ پھر ایک طرف ہو کر اسے آگے جانے کے لیے راستہ دے دیا۔

مے یون دھڑکتے ہوئے دل سے آگے بڑھتی چلی گئی۔ اب وہ سوچ رہی تھی "واقعی مجھ پر دیوتا کا سایہ ہے۔ آپ ہی آپ مجھے خطرہ کا احساس ہو گیا تھا۔ ہائے فرید! تمہاری محبت کو پا کر تو میں نے پُراسرار قوتوں کو پا لیا ہے۔"

میں اُسے چھوڑ کر رومانہ کے پاس پہنچ گیا۔ اس کے ملازم اسے بڑھیا کے دروازے پر لے آئے تھے۔ رومانہ فوراً ہی مکان میں داخل ہو گئی۔ دیوانہ وار مجھے پکارتی ہوئی اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگی۔ وہاں اسے میک اپ کا سامان اور شکن آلود بستر نظر آیا۔ بڑھیا بھی آ گئی۔ وہ غصہ میں انہیں کچھ کہہ رہی تھی۔ رومانہ چینی زبان میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر اپنے آدمیوں سے چیخ کر بولی۔ "دوڑو۔ اس چینی لڑکی کو پکڑو۔ جو ابھی گلی میں ہم سے ملی تھی۔"

وہ خود بھی مکان سے باہر دوڑتی چلی گئی تھی۔ میں نے مے یون کی سوچ میں کہا۔ "مجھے تیزی سے آگے بڑھ کر کسی ٹیکسی کو انگیج کرنا چاہیئے۔ سارا اس بڑھیا کے گھر سے ناکام لوٹنے گی تو مجھ پر شبہ کرے گی۔"

اس خیال کے ساتھ ہی وہ تیزی سے چلتی ہوئی آخری گلی سے نکل۔ سامنے سڑک کے کنارے رومانہ کی کار کھڑی ہوئی تھی مگر ٹیکسی کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ میں نے کہا۔ "میں یہ کار لے کر جاؤں گی۔"

اس کی سوچ نے کہا۔ "آں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے کار چلانا نہیں آتا ہے۔"

"آتا ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھوں گی پھر دیوتا کی محبت اس کار کو ڈرائیو کرتی جائے گی۔"

میرا ارادہ تھا کہ وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھے گی تو میری مرضی کے مطابق اس کے ہاتھ پاؤں ڈرائیونگ کے اصولوں پر عمل کریں گے۔ اس کا دماغ میرے کنٹرول میں رہے گا تو کار کی اسٹیئرنگ بھی پوری طرح کنٹرول میں رہے گی۔

میرے اس ارادے کے مطابق وہ کار کے قریب گئی۔ پھر اس کا دروازہ کھولنے لگی۔ لیکن افسوس رومانہ کار کو لاک کر کے چابی لے گئی تھی۔ وہ کار کو چھوڑ کر فٹ پاتھ پر بھاگنے لگی تاکہ آگے جا کر کوئی ٹیکسی مل جائے۔

اسی وقت رومانہ کی آواز سنائی دی۔ "مے یون میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ پلیز ٹھہر جاؤ۔"

وہ رُکنے کے بجائے بدستور دوڑتی رہی۔ اسے اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ ایک بار پھر رومانہ کی آواز آئی۔ "مے یون! تمہیں تمہارے دیوتا کا واسطہ ہے۔"

مے یون کے قدم رُک گئے۔ میں اسے سمجھا سکتا تھا کہ دیوتا کے نام پر نہ رُکے۔ لیکن اب اس کا بھاگنا فضول تھا۔ وہ رومانہ کے مقابلہ میں تیزی سے نہیں دوڑ سکتی تھی۔ اس لیے فٹ پاتھ پر کھڑی ہو کر ہانپنے لگی۔ اتنے میں ایک پولیس مین نے آ کر پوچھا۔ "ہیلو بے بی! کیا بات ہے۔ یہ لوگ تمہارا پیچھا کیوں کر رہے ہیں؟"

رومانہ قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ میری چھوٹی بہن ہے۔ مجھ سے ناراض ہو گئی ہے۔ ٹھیک ہے نا مے یون؟"

مے یون نے میری سوچ کے مطابق اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ رومانہ کسی قانونی گرفت میں آئے۔ پولیس مین نے پوچھا۔ "یہ چینی لڑکی تمہاری بہن کیسے ہو سکتی ہے؟"

"کیا زبان کے رشتہ سے بہن نہیں بن سکتی؟"

پولیس مین نے رومانہ کا جواب سُن کر مے یون کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ مے یون نے میری سوچ کے مطابق کہا۔ "ہاں ہم دونوں بہنیں ہیں۔ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

رومانہ نے اپنے پرس میں سے پانچ ڈالر نکال کر سپاہی کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ وہ چپ چاپ وہاں سے چلا گیا۔ پھر رومانہ نے کہا۔ "میں نے تمہیں ہمیشہ ایک سگی بہن کا پیار دیا۔ آج تم نے بھی سپاہی کے سامنے میری عزت رکھ لی۔ اب خدا کے لیے اتنا بتا دو کہ فرید کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں نہیں جانتی کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟"

"دیکھو۔ تم ابھی تک ناراض ہو۔ مجھ سے چھپا رہی ہو۔ کوئی بات نہیں۔ آؤ ہم اطمینان سے گاڑی میں بیٹھ کر باتیں کریں۔"

وہ اس کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن میری سوچ کے اشاروں پر چلنے لگی۔ بظاہر یہ بات عجیب سی تھی کہ ابھی میں مے یون کو رومانہ سے دور کر رہا تھا اور ابھی قریب رہنے پر بھی مجبور کر رہا تھا۔ بات یہ ہے کہ اتنی سی دیر بعد بہت سی باتیں میرے ذہن میں آ گئی تھیں۔ ایک تو یہ کہ مے یون جیسی سیدھی سادی لڑکی اب رومانہ سے چھپ کر نہیں رہ سکتی تھی۔ دوسرے یہ کہ رومانہ نے خواہ مخواہ مجھ سے ناراض ہو کر ایک غلطی کی تھی اور اس غلطی کی اسے کافی سزا مل چکی تھی۔ اب میرے دل نے کہا۔ رومانہ صورت کی بھی اچھی ہے اور سیرت کی بھی۔ لہٰذا مے یون اسی کی پناہ میں آرام سے رہ سکتی ہے۔ دراصل میرے اور مے یون کے خلاف رومانہ نے نہیں اس کے باپ نے سازش کی تھی اور وہ اپنی قبر میں جا چکا تھا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ موجودہ حالات میں رومانہ کا رویہ مے یون کے ساتھ کیسا رہے گا۔

رومانہ نے اپنے ملازموں کو رخصت کر دیا۔ مے یون کو اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھایا۔ پھر کار اسٹارٹ کر دی۔ کار آگے بڑھی تو دونوں کے درمیان تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ رومانہ کے دماغ میں ہلچل سی مچی ہوئی تھی کہ فرید کہاں غائب ہو گیا؟ وہ ضدی لڑکی دشمنوں کی شہ رگ پر پہنچے گا ڑ کر راز اگلوا لیتی تھی۔ لیکن وہ حقیقتاً مے یون کو ایک ننھی سی گڑیا سمجھ کر بہن کی طرح پیار کرتی تھی۔ اس نے بچی کو بہلانے کے لیے پوچھا۔ "تم نے ابھی ناشتہ نہیں کیا ہو گا؟"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"ناشتہ صرف بھوک مٹانے کے لیے نہیں، تفریحاً بھی کیا جاتا ہے۔"

اس نے ایک ریسٹورنٹ کے سامنے گاڑی روک دی۔ مے یون نے کہا۔ "مجھے اس میک اپ میں عجیب سا لگ رہا ہے۔ میں ریسٹورنٹ میں نہیں جاؤں گی۔"

وہ گاڑی آگے بڑھاتی ہوئی بولی۔ "کوئی بات نہیں۔ میرے گھر چلو۔ اگر فرید سے ملاقات کا کوئی وقت اور جگہ مقرر ہو گی تو میں تمہیں ٹھیک وقت پر وہاں پہنچا دوں گی۔"

مے یون خاموش رہی۔ رومانہ کو یقین ہو گیا کہ فرید سے ملاقات کا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ وہ کہنے لگی۔ "مے یون! ہمارا مشاہدہ ہے کہ تم پُراسرار قوتوں کی مالکہ ہو۔ تم فرید کو لے کر جہاز سے جس انداز میں فرار ہوئیں تھیں اس سے یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ تمہیں میرے پاپا کی سازش کا علم ہو گیا تھا۔"

"کیسی سازش؟" مے یون نے حیرانی سے کہا۔ "میں کچھ نہیں جانتی۔ فرید نے مجھ سے کہا۔ جہاز سے بھاگ چلو۔ میں بھاگ کر آ گئی۔"

رومانہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "ہاں۔ وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ شاید اس نے تمہیں یہ نہ بتایا ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔"

چینی گڑیا نے چونک کر اسے دیکھا۔ واقعی اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ میں اور رومانہ ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ وہ بے یقینی سے بولی۔ "سارا! تم جھوٹ بول رہی ہو۔ وہ صرف مجھے چاہتا ہے۔ اسی لیے وہ تمہیں چھوڑ کر میرے ساتھ یہاں آ گیا۔"

"میں نے کہا نا کہ وہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہے۔ غلطی میری تھی۔ اس نے کہا تھا کہ میں اپنی غلطی کو نہیں سمجھوں گی تو وہ کسی دوسری لڑکی کو اپنا لے گا۔ پھر اس نے یہی کیا۔ تم سے دوستی کر لی۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ اس نے صرف دل بہلانے کے لیے مجھ سے دوستی کی ہے۔ محبت نہیں کی ہے؟"

"نہیں۔ وہ محبت کرنے والا شخص ہے۔ محبت کرتا ہے مگر اس محبت کو روگ نہیں بناتا۔ یقین نہ ہو تو اس سے شادی کی بات کر دو۔ وہ انکار کر دے گا۔"

اس بار مے یون نے ایک سرد آہ بھری۔ کیونکہ اس کی معلومات کے مطابق میں شادی کرنے اور گھر بسانے کے خلاف تھا۔

اس نے رومانہ سے سوال کیا۔ "جب تم جانتی ہو کہ وہ شادی نہیں کرے گا تو پھر اس سے محبت کیوں کر رہی ہو؟"

وہاں سرد آہوں کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ وہ بولی۔ "آہ یا دل سے مجبور ہو کر عورت پتھر سے بھی دل لگا لیتی ہے۔ تم اپنے دل کی مجبوریوں کو سمجھتے ہوئے میرے دل کی دھڑکنوں کو سمجھ سکتی ہو۔"

"تم ایسی بات نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ میرے دیوتا کے لیے کسی دوسری لڑکی کا بھی دل دھڑکتا رہے۔"

"ایک دیوتا کو ساری دنیا پوجتی ہے۔ تمہارے نہ چاہنے سے دوسرے اپنی پوجا نہیں بھول سکتے۔"

"میں تم سے بحث نہیں کر سکتی۔"

"دیکھو مے یون! کوئی عورت اپنے مرد کی محبت تقسیم نہیں کرتی۔ اگر تمہاری جگہ کوئی دوسری لڑکی ہوتی تو میں اپنے فرید کو پانے کے لیے اس لڑکی کو قتل کر دیتی۔ تم یہ بھی نہ سوچو کہ میں تمہاری پُراسرار قوتوں سے خوف زدہ ہوں۔ نہیں۔ میں اس کی محبت میں مرنا جانتی ہوں۔ ڈرنا نہیں جانتی۔"

اس نے ایک خوبصورت سے کالج کے احاطہ میں گاڑی روک دی۔ پھر بولی۔ "میں تمہاری پُراسرار قوتوں سے ڈرتی نہیں ہوں تم سے سچ مچ محبت کرتی ہوں۔ یقین نہ ہو تو اپنی ان قوتوں کو آزماؤ۔ جن کے ذریعہ تم نے پرنس جیسے دشمنوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ میں مر جاؤں گی مگر نہ تو فرید کی محبت سے باز آؤں گی اور نہ ہی دشمن بن کر تم سے انتقام لوں گی۔ آؤ میرے کالج میں چلو۔"

وہ دونوں گاڑی سے اتر کر کالج کے اندر جانے لگیں۔ رومانہ ملازم کو ناشتہ لانے کا حکم دے رہی تھی۔ مے یون سوچ رہی تھی۔ "یہ میں کہاں آکر پھنس گئی ہوں؟ سارا کو میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ ہار ماننے والی لڑکی نہیں ہے۔ اور یہ جھوٹ بھی نہیں بولتی۔ مکاری بھی نہیں کرتی۔ یہ سچ کہہ رہی ہے کہ فرید اسے چاہتا ہے اور محض محبت سے روٹھ کر میرے ساتھ چلا آیا ہے۔ کیا سارا سے پھر سامنا ہو گا تو اس کی ناراضگی دور ہو جائے گی؟ کیا وہ مجھ سے نظریں پھیر کر سارا کا ہو جائے گا؟"

یہ سوچ سوچ کر اس کا دل ڈوبنے لگا۔ ہائے کس ہرجائی سے دل لگایا ہے؟ پتہ نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس کے بغیر ایک ایک پل قیامت کی طرح گزر رہا ہے۔ وہ موجود نہیں ہے مگر اس کی محبت مجھے مار رہی ہے۔ اگر سارا اسے جیت لے گی تو میں مر جاؤں گی۔

دنیا کے سارے انسانوں کو محبت کے نام پر ایک جگہ لایا جا سکتا ہے۔ لیکن دو عورتوں کو ایک جگہ نہیں رکھا جا سکتا۔ میں نے تو یہ سوچ کر مے یون کو رومانہ کی پناہ میں پہنچایا تھا کہ وہ محفوظ رہے گی۔ بے شک وہ محفوظ رہے گی۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ رومانہ اس کے سامنے کھل کر اپنی محبت کا اظہار کرے گی۔ بہرحال رومانہ قابل تحسین تھی کہ ان حالات میں بھی وہ مے یون کو دشمن نہیں سمجھ رہی تھی۔ اُسے بھی دل و جان سے چاہتی تھی۔

میں نے مے یون کی سوچ میں کہا۔ "میں یہ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔ کہ سارا مجھ سے فرید کو جیت لے گی۔ مجھے یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ میں نے فرید کو جیت کر سارا کے دل کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔ یہ تو اس کا حوصلہ ہے کہ مجھے پھر بھی بہن کہہ رہی ہے۔"

اس وقت وہ ایک صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر رومانہ کو دیکھا۔ اسی وقت ناشتے کی ٹرے آگئی۔ رومانہ نے کہا۔ "کچھ کھا لو۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"مے یون! جب سے تم فرید کو چھین کر لے گئی ہو میری بھی بھوک مر گئی ہے۔ میں کل سے باپ کی موت کا صدمہ اور فرید کی جدائی کا دکھ برداشت کر رہی ہوں۔"

مے یون نے پوچھا۔ "کیا مسٹر روز و برانڈو کا انتقال ہو گیا؟"

"ہاں۔ میں کل رات سے جاگ رہی ہوں۔ جیسا کہ تم جانتی ہو، ہم باپ بیٹی مجرمانہ زندگی گزار رہے تھے۔ فرید کو یہ پسند نہیں تھا۔ میں اس کی پسند کا احترام کرتے ہوئے اپنی مجرمانہ زندگی سے توبہ کر چکی ہوں۔ اپنے جہاز کو فروخت کر رہی ہوں۔ بولو ایک عورت اپنی محبت میں اور کیا کر سکتی ہے؟ ایک جان باقی ہے۔ وہ بھی فرید کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔"

مے یون کا دل یہ سوچ کر ڈوبنے لگا کہ سارا اس سے بھی زیادہ فرید کے لیے قربانیاں دے رہی ہے۔ اس طرح فرید پھر اس کی طرف مائل ہو جائے گا۔ یہ سوچنے کے دوران رومانہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ ایک سینڈوچ اٹھا کر اسے اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔ مے یون نے پہلے تو انکار کیا۔ پھر سینڈوچ کا تھوڑا سا حصہ دانتوں سے کاٹ کر کھانے لگی۔

رومانہ نے محبت سے اس کی پیشانی کو چوم کر کہا۔ "محبت جھوٹی نہیں ہوتی۔ اسی لیے میں یہ نہیں سوچتی کہ تم نے فرید کو بار بار میرے لیے جھوٹا بنا دیا ہے۔ مے یون جیسی سچائی سے میں تمہیں چاہتی ہوں۔ اتنی ہی سچائی اور اعتماد سے تم مجھے چاہو گی تو ہم کبھی ایک برتن میں کھا سکیں گے۔"

وہ پریشان ہو کر بولی۔ "یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔ اگر تم مجھ پر اعتماد کرو۔ میں تمہارا حق نہیں چھینوں گی۔ تم میرا حق نہ چھینو۔"

"مم۔ مگر میرا دل نہیں مانے گا۔ میں اپنی چیز کیسے دے سکتی ہوں؟"

"فرید کبھی کسی کی جیز یا جاگیر بن کر نہیں رہ سکے گا۔ میں تم

وہ اُسے جانتی ہوں۔ وہ بہتا ہوا دریا ہے۔ ہمارے تمہارے پاس سے بھی گذر جائے گا۔"

مے یون پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ کہ کہیں وہ مجھے چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے تو نہیں چلا گیا۔ وہ گھبرا کر بولی۔ "نہیں وہ پھر آئے گا۔ ضرور واپس آئے گا۔"

"کب واپس آئے گا؟"

"دو دن کے بعد ..... اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ ضرور آئے گا۔ تمہاری باتوں سے میرا یقین ڈگمگا جاتا ہے۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ نہیں تو میں رونے لگوں گی۔"

وہ سچ مچ رونے لگی۔ رومانہ اسے چوم کر اس کے آنسو پونچھتی ہوئی بولی۔ "میں تمہاری بہن ہوں۔ رازدار سہیلی ہوں۔ خوب بولو اور اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرو۔ بولو وہ کہاں گیا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میں دیوتا سے بحث نہیں کرتی۔ اس کی ہر بات پر سر جھکا لیتی ہوں۔ بس اتنا جانتی ہوں کہ دو دن کے لیے ہانگ کانگ سے باہر گیا ہے۔"

"ہانگ کانگ سے باہر؟" رومانہ نے تعجب سے پوچھا۔ "مگر کیسے؟ کیا اس کے پاس پاسپورٹ وغیرہ تھا؟"

"اس کے پاس کچھ نہیں ہے۔ آج کے اخبار میں ایک آدمی کی تصویر دیکھ کر اس نے اسی آدمی کا میک اپ کیا۔ پھر سر سے چہرہ کو بدل دیا۔ مجھے سمجھایا کہ اس کی واپسی تک میں اسی بڑھیا کے مکان میں اس کا انتظار کروں۔"

رومانہ فوراً ہی اٹھ کر دوسرے کمرے میں گئی پھر وہاں سے ایک اخبار اٹھا کر لاتی ہوئی بولی۔ "ذرا یہ اخبار دیکھ کر بتاؤ کہ وہ کون سی تصویر ہے؟"

بات اب کھلنے والی تھی۔ میں یہ سوچ کر خاموش رہا کہ رومانہ کو بھی اطمینان ہو جائے کہ میں بیرونی ممالک کی طرف پرواز کر رہا ہوں۔ اور وہ مجھے خواہ مخواہ ہانگ کانگ میں تلاش نہ کرے۔ مے یون کی طرح چپ چاپ میری واپسی کا انتظار کرتی رہے۔ بہرحال مے یون نے اخبار کھول کر اسے ونود شرما کی تصویر دکھا دی۔

رومانہ کو یقین نہیں آیا۔ اس نے کہا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ ونود شرما سے میرے جہاز کا سودا ہو رہا ہے۔ وہ یہاں موجود ہے۔ اس کا پاسپورٹ اور ویزا بھی اس کے پاس موجود ہو گا۔ پھر فرید ونود شرما بن کر یہاں سے کیسے جا سکتا ہے؟"

"میں کیا جانوں؟ میں نے صرف اتنا ہی دیکھا ہے کہ وہ اس کے روپ میں گیا ہے۔"

رومانہ کے دماغ میں یہ بات آئی کہ مہر خان کی کوٹھی میں فون کر کے ونود شرما سے بات کرنا چاہیئے۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا۔

"یہ مناسب نہیں ہے۔ اگر ونود شرما کو میری کسی بات سے شبہ ہو جائے گا کہ کوئی شخص اس کی شکل بنا کر ہانگ کانگ سے باہر گیا ہے تو فرید پر مصیبت آ جائے گی۔"

رومانہ سوچنے لگی۔ "پھر میں کیا کروں؟ کیسے معلوم کروں کہ فرید اسی جزیرے میں ہے۔ یا باہر جا چکا ہے۔ ہاں۔ اچھی ترکیب ہے۔ مجھے ایئرپورٹ سے معلومات حاصل کرنا چاہیئے۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر اپنے ایک ماتحت کو فون کیا اور اسے حکم دیا کہ آج صبح کی تمام فلائٹس کے نام معلوم کرو۔ اور یہ پتہ چلاؤ کہ مسافروں کی فہرست میں مسٹر ونود شرما کا نام ہے یا نہیں؟

مے یون نے پوچھا۔ "کیا تم معلوم کر لو گی کہ وہ کہاں گیا ہے؟"

"کوشش کر رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے۔ میں دو دن سے پہلے اسے تمہارے پاس لے آؤں؟"

"سچ؟" مے یون نے خوش ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں۔ تم فرید کو مجھ سے دور لے گئیں۔ لیکن میں اسے تمہارے پاس پہنچا کر یہ ثابت کر دوں گی کہ تمہیں دل و جان سے چاہتی ہوں۔"

"سارا مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں فرید کے حکم کے مطابق جہاز چھوڑ کر آئی ہوں۔ میں نے جان بوجھ کر تم سے اُسے نہیں چھینا۔"

"اگر نہیں چھینا ہے تو پھر وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی میرا حق نہیں چھینو گی۔"

وہ تذبذب میں پڑ گئی۔ کھل کر اب انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ایک تو رومانہ کی محبت اور خوش اخلاقی نے اسے متاثر کیا تھا۔ دوسرے وہ فرید کو اس کے پاس واپس لانے کا دعویٰ کر رہی تھی۔ ایسے وقت وہ اسے دشمن (سوکن) نہ سمجھ سکی۔ چپ چاپ اس کی آغوش میں منہ چھپا لیا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ رومانہ نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے ایکسپورٹر بول رہا تھا۔ "ہیلو سارا۔ مسٹر سیموری رومانہ جی؟"

"ہاں میں بول رہی ہوں۔ کیا ایگریمنٹ کے کاغذات تیار ہو چکے ہیں؟"

"سب کچھ تیار ہے۔ میں مہر خان کے ہاں جا رہا ہوں۔ اگر تم بھی وہاں آ جاؤ تو تمام رقم کی ادائیگی آج ہی ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آدھ گھنٹہ بعد پہنچ جاؤں گی۔ کیا وہاں ونود شرما موجود ہو گا؟"

"یقیناً۔ وہی تو ادائیگی کرے گا۔"

رومانہ نے ریسیور رکھ دیا۔ مے یون نے پوچھا۔ "کیا تم ونود شرما سے ملنے جا رہی ہو؟"

"ہاں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں فرید کی تلاش میں ملک سے باہر چلی جاؤں۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔"

"تم پاسپورٹ کے بغیر نہیں جا سکو گی۔"

"کسی طرح بھی لے چلو۔"

"تم بالکل نادان بچی ہو۔ وقت سے پہلے جوان ہو گئی ہو۔ تم تعلیم یافتہ ہو۔ سمجھنے کی کوشش کرو کہ ہم قانون کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے۔"

"ایسا نہ کہو۔ تم اب تک اسمگلنگ کے دھندے سے لگی رہیں۔ اب میں فرید کے پاس جانے کے لیے کہہ رہی ہوں تو تم قانون کے سامنے بے بسی ظاہر کر رہی ہو۔"

"مے یون! تم یہ نہ سمجھو کہ میں تم سے بہانہ کر رہی ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ فرید ملے گا تو سیدھی تمہارے پاس لے کر آؤں گی۔"

پھر ایک بار فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے اس کا ماتحت کہہ رہا تھا "مادام! آج یہاں سے بی۔ او۔ اے۔ سی کا ۔۔۔ طیارہ آٹھ بجے لندن کے لیے روانہ ہوا ہے۔ مسافروں کی فہرست میں مسٹر ونود شرما کا نام موجود ہے۔"

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ونود شرما کے نام سے سیٹ ریزرو ہو اور وہ وقت پر نہ پہنچا ہو؟"

"نہیں مادام۔ میں نے وہ فہرست دیکھی ہے جو طیارے کی روانگی کے بعد مکمل ہوتی ہے۔ ونود شرما اس طیارے میں موجود ہے۔ فہرست میں اس کی منزل پیرس ہے۔"

رومانہ ریسیور رکھ کر بولنے لگی "مے یون! ایک ونود شرما یہاں موجود ہے۔ دوسرا ونود شرما اس طیارے میں سفر کر رہا ہے اور وہ یقیناً فرید ہے۔ کیا وہ اصلی ونود شرما کا پاسپورٹ وغیرہ چرا کر یہاں سے گیا ہے؟ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پیرس کیوں گیا ہے؟"

مے یون بھلا ان باتوں کا کیا جواب دے سکتی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ رومانہ نے کہا "میں ونود شرما کے پاس جا رہی ہوں۔ تم یہاں آرام کرو۔"

مے یون اسے یوں بے بسی سے دیکھنے لگی جیسے رومانہ اسے جھانسہ دے کر اکیلے فرید سے ملنے جا رہی ہو۔ رومانہ نے پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "اچھا تم بھی میرے ساتھ چلو مگر اب چہرے کا میک اپ اتار دو۔ اتنی دیر میں میں بھی لباس تبدیل کر لوں گی۔"

وہ دونوں خواب گاہ میں چلی گئیں۔ میں نے تھوڑی دیر کے لیے ان دونوں کو چھوڑ دیا اور میو فان کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ونود شرما سے کہہ رہی تھی "میں ہوٹل میں فون کر چکی ہوں۔ تمہارے سیکرٹری اور منیجر وغیرہ وہ ہوٹل چھوڑ کر کہیں چلے گئے ہیں۔"

ونود شرما نے کہا "وہ لوگ میری اجازت کے بغیر وہ ہوٹل نہیں چھوڑ سکتے۔"

"کیا میں جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ خود ہی فون کر کے معلوم کر لو۔ میں ٹیلیفون لے کر آتی ہوں۔"

وہ ڈرائنگ روم کی طرف جاتی ہوئی سوچنے لگی "میرے لیے حالات سازگار ہو رہے ہیں۔ اچھا ہے کہ منیجر وغیرہ خود ہی منہ چھپا کر کہیں چلے گئے۔ اب ایگریمنٹ ہونے تک کوئی میرے راستے کی دیوار نہیں بنے گا۔"

ڈرائنگ روم میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میو فان نے ریسیور اٹھایا تو منیجر کی آواز سنائی دی "ہیلو! شرما صاحب میں ہوں۔"

میو فان سنبھل کر بولی "میں ہوں میو فان۔ تم کون ہو؟"

"میں شرما صاحب کا منیجر دیال چند بول رہا ہوں۔ تعجب ہے میو فان کہ تم میری آواز نہیں پہچان رہی ہو۔"

وہ ناگواری سے بولی "اب پہچان گئی ہوں۔ تم میرے سب سے بڑے دشمن ہو۔ تم شرما کو یہاں آنے سے روکتے ہو۔ اس لیے وہ بیچارہ یہاں نہیں آ سکتا۔ اس لیے وہ یہاں نہیں ہے۔"

"جھوٹ نہ بولو میو فان۔ تم شاید کسی خاص مقصد کے لیے شرما صاحب کو ہم سے دور رکھنا چاہتی ہو۔"

وہ ہاں کہہ کر جواب دینا چاہتی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "وہ مجھ سے سچ اگلوانا چاہتا ہے۔ میں اسے جھوٹ کہوں گی کہ وہ یہاں سے یورپ کی طرف پرواز کر چکا ہے۔"

میو فان نے میری سوچ کے مطابق کہا "میں سچ بتا رہی ہوں۔ شرما صبح کی فلائیٹ سے جا چکا ہے۔ یقین نہ ہو تو فلائیٹ کے مسافروں کی لسٹ چیک کر لو۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ بعد میں سوچنے لگی کہ منیجر دیال چند ضرور ائیرپورٹ جا کر معلومات حاصل کرے گا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "بلا سے معلوم کرے۔ اس وقت تک میری پارٹنر شپ کا معاہدہ ہو چکا ہو گا۔"

وہ مطمئن ہو کر مسکرانے لگی۔ میں بھی مطمئن تھا کہ منیجر دیال چند اب ائیرپورٹ جا کر معلومات حاصل کرے گا تو تصدیق ہو جائے گی کہ ونود شرما پیرس کی طرف روانہ ہو چکا ہے لیکن کون سا ونود شرما؟

دیال چند کو جس ونود شرما کی تلاش تھی، وہ میو فان کی اداؤں میں ڈوب چکا تھا۔ فی الحال ان دونوں کا سامنا نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک طرف سے میو فان انہیں بھٹکا رہی تھی۔ دوسری طرف سے میں بھٹکا رہا تھا۔ میں واپس مے یون کے پاس پہنچا۔ وہ سنگار میز کے سامنے بیٹھی میک اپ اتارنے میں مصروف تھی۔ اس کے بعد میں نے رومانہ کی سوچ کو چھو لیا۔

وہ ایک کمرے میں ایک میز کے پاس کھڑی ہوئی اپنے ماتحت سے کہہ رہی تھی "ابھی میں نے فون کیا تھا۔ ائیر فرانس کے طیارے میں مجھے ایک سیٹ مل سکتی ہے۔ تم یہ اٹیچی لے کر جاؤ۔ اور میرے نام

پیرس کے لیے سیٹ ریزرو کروالو۔ میں چار بجے سے ۔۔۔۔ پہلے ائیرپورٹ پہنچ جاؤں گی۔"

اس کا ملازم اٹیچی لے کر چلا گیا۔ رومانہ مے یون کے پاس آگئی۔ پچھلی تمام رات جاگنے کے باوجود رومانہ کی آنکھوں میں اب نیند نہیں تھی۔ ان آنکھوں کو اب صرف مجھے ڈھونڈ لینے کی تمنا تھی۔ اور وہ سوچ رہی تھی کہ کس طرح مے یون کو بہلا پھسلا کر یہاں چھوڑ جائے۔

وہ مے یون کے ساتھ کاٹیج سے باہر آئی۔ پھر کار میں بیٹھ کر میو فان کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "میں خواہ مخواہ پیرس جا رہی ہوں۔ اگر فرید وہاں نہ ملا تو مایوسی اور تھکن کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔"

رومانہ نے ایسی مایوس کرنے والی سوچ کو ذہن سے جھٹک دیا۔ اس کی ضدی سوچ کہہ رہی تھی "فرید ضرور ملے گا۔ یوں بھی پیرس جیسے پُرفضا مقام میں تھکن نہیں ہوتی۔ وہاں پہنچ کر پاپا کی موت کا غم کچھ ہلکا ہو جائے گا۔"

یہ سوچ کر اس نے کہا "مے یون! کیا تم اپنی پُراسرار قوتوں سے یہ معلوم نہیں کر سکتیں کہ فرید واقعی یہاں سے چلا گیا ہے یا یہیں کہیں روپوش ہو گیا ہے۔"

"روپوش رہنے کے لیے اس بوڑھی عورت کا مکان کافی تھا۔ میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ چلا گیا ہے۔"

"نہیں مے یون! فرید بہت چالاک تھا۔ وہ بوڑھی عورت کے مکان کو محفوظ نہیں سمجھتا تھا۔ دیکھ لو کہ آخر میں وہاں پہنچ ہی گئی تھی۔"

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ فرید مجھے ایک غیر محفوظ مقام پر چھوڑ کر خود کہیں منہ چھپا رہا ہے؟"

"ہاں تمہارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم میرے ہاتھ آؤ گی تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ لیکن اس کے ہزاروں دشمن ہیں۔ کیا تم جانتی ہو کہ دنیا کی ایک بہت بڑی اور خطرناک تنظیم کے لوگ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں؟"

"نہیں"۔ وہ پریشان ہو کر بولی "دیوتا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"

"مے یون! وہ تمہارے من مندر کا دیوتا ہے لیکن انسان ہے۔ اس لیے بہروپ بدلتا ہے اور دشمنوں کو فریب دیتا ہے۔"

"میں اپنے دیوتا کو سمجھ نہ سکی کہ آخر وہ کیا ہے؟"

رومانہ ایک سرد آہ بھر کر سوچنے لگی "کاش کہ وہ میری سمجھ میں بھی آجاتا۔ بہرحال مجھے مے یون کو بہلا پھسلا کر یہاں روکنا چاہیے۔"

یہ سوچ کر اس نے کہا "اسی لیے میں کہتی ہوں کہ وہ دشمنوں کو دھوکا دینے کے لیے اس جزیرے میں چھپا ہوا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ ہانگ کانگ میں ہے۔ کسی وقت بھی موقع پا کر تم سے ملنے کے لیے اس بوڑھی عورت کے مکان میں ضرور جائے گا۔"

مے یون چونک کر اس کا منہ دیکھنے اور سوچنے لگی "سارا ٹھیک کہتی ہے۔ دیوتا نے مجھے سمجھایا تھا کہ میں اسی بوڑھی عورت کے مکان میں رہوں۔ اگر وہ یہیں کہیں روپوش ہے تو یقیناً میرے لیے وہ اس مکان میں آئے گا۔ ضرور آئے گا۔ میری محبت اسے کھینچ کر لائے گی۔"

ہر عورت کو اپنی ذات پر اتنا اعتماد ہوتا ہے کہ اس کا چاہنے والا کچے دھاگے سے بندھا چلا آئے گا۔ کسی وقت بھی چلا آئے گا۔ وصال کی گھڑیاں وقت بتا کر نہیں آتیں۔ کبھی بے وقت بھی چلی آتی ہیں۔ وہ بے چین ہو کر بولی "میں جاؤں گی۔"

"کہاں جاؤ گی؟"

"اس بوڑھی عورت کے مکان میں وہ کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔"

"تمہاری بات دل کو لگ رہی ہے۔ وہ دوسرے شخص کا سوانگ بھر سکتا ہے۔ لیکن ہانگ کانگ سے باہر جانے کے لیے اس کا پاسپورٹ حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ وہ اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ مجھے کسی جگہ اتار دو۔ یہاں سے وہ مکان قریب ہے۔"

رومانہ نے سڑک کے کنارے گاڑی کو روکتے ہوئے کہا "مے یون! تم نے وہ چینی کہاوت تو سنی ہو گی کہ ڈھونڈنا اور بات ہے ڈھونڈ نکالنا اور بات ہے۔ پتہ نہیں ہم دونوں میں سے کون اسے پا سکے گا۔ ایک وعدہ کرو کہ ہم میں سے جسے بھی وہ ملے گا۔ ہم خود غرض بن کر اسے اپنی ذات تک محدود نہیں کریں گے۔"

مے یون نے سوچا "اگر سارا اسے ڈھونڈ نکالے گی تو مجھے اس سے ضرور ملائے گی۔ بشرطیکہ میں بھی اپنے وعدہ پر قائم رہوں۔"

یہ سوچ کر اس نے وعدہ کیا۔ پھر کار سے اتر کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی۔ رومانہ نے گاڑی آگے بڑھا کر اطمینان کی سانس لی۔ دس منٹ کے بعد اس کی کار میو فان کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئی۔ کار کا مخصوص ہارن سن کر اسپیکر وارڈ باہر آگیا۔ اس نے گاڑی سے باہر آ کر پوچھا "کیا ونود شرما موجود ہے؟"

"ہاں بیٹی! تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔ اندر آ جاؤ۔"

وہ دونوں ڈرائنگ روم میں آئے۔ وہاں ونود شرما میو فان کے ساتھ ایک صوفہ پر بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ اسپیکر وارڈ نے رومانہ کا اس سے تعارف کرایا۔ رومانہ اس سے مصافحہ کرتے وقت اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔ مصافحہ کے دوران اس کے ہاتھ کی گرفت سے میری جانی پہچانی گرفت کا اندازہ کر رہی تھی کہ کہیں میں اس کے سامنے موجود تو نہیں ہوں۔

رومانہ کے اس طرح دیکھنے کے انداز نے ونود شرما کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا۔ ایک تو وہ بے حد حسین تھی۔ دوسرے جیسے سنگ تراش کی انگلیوں سے تراشے ہوئے بدن پر نگاہیں جم کر رہ جاتی تھیں۔ ونود شرما

اپنے آپ کو خوبرو اور اسمارٹ سمجھتا تھا۔ رومانہ کی مسکراہٹ نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ اس پر مرمٹی ہے۔

میوفان تو جل ہی گئی۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ مصافحہ کے لیے بڑھایا۔ "ہیلو مس رومانہ تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔ اب ہمیں فوراً ہی کاروباری معاملات طے کر لینے چاہئیں۔"

رومانہ اس سے مصافحہ کر کے ایک صوفہ پر بیٹھ گئی۔ ونود شرما نے کہا۔ "میوفان! تمہیں جلدی کس بات کی ہے؟ میں نے تمہاری پارٹنر شپ کے معاہدے پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اب تو تمہیں مطمئن رہنا چاہیئے۔"

پھر اس نے رومانہ کو مسکراتے ہوئے مخاطب کیا۔ "ہاں مس رومانہ! آپ کو تو جلدی نہیں ہے؟"

"جی ہاں۔ ابھی چار بجے کی فلائیٹ سے میں پیرس جا رہی ہوں۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "پیرس کے پروگرام تو بہت ہی خوبصورت اور رومانٹک ہوتے ہیں۔ اگر اس فلائیٹ میں مجھے بھی سیٹ مل جاتے تو میں آپ کا ہمسفر بن جاؤں گا۔"

میوفان ناگواری سے بولی۔ "کیسے جاؤ گے؟ تمہارا مینجر اور سیکرٹری دونوں ہی ہوٹل چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ پاسپورٹ وغیرہ انہی کے پاس ہیں۔"

ونود شرما نے غصہ میں مینجر اور سیکرٹری کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔ "تم اسٹار ریفری کے دفتر میں فون کرو۔ ان کا پتہ چل جائے گا۔"

یہ بات میرے حق میں نہیں تھی۔ اسٹار ریفری میں مینجر سے رابطہ قائم ہو سکتا تھا۔ میوفان ریسیور اٹھا کر اسٹار ریفری کا نمبر ڈائل کرنے لگی۔ تو میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "ونود شرما کو ابھی پاسپورٹ وغیرہ نہیں ملنا چاہیئے۔ ورنہ یہ اس حسین لڑکی کا ہمسفر بننے کے بہانے اس کے عشق میں مبتلا ہو جائے گا۔"

وہ ... نہیں چاہتی تھی کہ اس کے دولت مند عاشق پر رومانہ کا جادو چل جائے۔ اس لیے غلط نمبر ڈائل کر دیا۔ پتہ نہیں کس سے رابطہ قائم ہو گیا۔ وہ پوچھنے لگی۔ "کیا مسٹر دیال چند یا وشوا ناتھ موجود ہیں؟"

میں اپنی چالیں چلتا ہوں۔ تقدیر اپنی چال دکھاتی ہے۔ میوفان کے جواب میں دوسری طرف سے دیال چند کی آواز سنائی دی۔ "تعجب ہے میوفان! تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ میں اس فون نمبر پر مل سکتا ہوں۔ ویسے تم نے درست کہا تھا۔ شرما صاحب صبح کی فلائیٹ سے پیرس چلے گئے۔"

میوفان نے بے اختیار وہی الفاظ دوہرائے۔ "کیا شرما صاحب پیرس چلے گئے۔ ہا ہا۔ نان سنس وہ میرے پاس موجود ہیں۔"

میں میوفان کو ایسا کہنے سے روک سکتا تھا۔ لیکن شامت آ گئی تھی۔ کیونکہ ٹھیک اسی وقت طیارے کے اندر میرے پاس بیٹھے

ہوئے ہمسفر نے میرا بازو تھام کر ہلایا تھا۔ میرا دھیان ہٹ گیا یعنی میں آدھا ادھر تھا آدھا ادھر۔ اس لیے میوفان کی زبان کو لگام نہ دے سکا۔ دوسری بار میں نے سوچا کہ اپنے ہمسفر کی مداخلت کے باوجود آنکھ نہ کھولوں اور بگڑنے والے حالات پر کسی طرح قابو پا لوں لیکن میرے ہمسفر نے پھر میرے بازو کو ہلایا۔

میں نے جھنجھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ اپنے ہمسفر کی بدتمیزی پر ناراض ہونے کا ارادہ تھا۔ لیکن میرے پاس والی سیٹ پر ایک خوبصورت سا آٹھ برس کا لڑکا بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا۔ "مسٹر! آپ ادھر آ جائیں میں ادھر کھڑکی سے بادلوں کو دیکھوں گا۔"

ایک معصوم بچے کو دیکھ کر غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ میری پچھلی سیٹ سے ایک عورت عربی زبان میں اس بچے سے کچھ کہہ رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ معذرت طلب نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی میں نے انگریزی زبان میں کہا۔ "کوئی بات نہیں۔ بچے کھڑکی کے پاس ہی بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔"

عورت کے دیکھنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ انگریزی زبان نہیں سمجھتی ہے۔ میں نے بچے کو کھڑکی کے پاس بٹھا دیا۔ پھر خود اس کی سیٹ پر آ گیا۔ ایئر ہوسٹس نے قریب آ کر کہا۔

"جناب! آپ چھ گھنٹے سے سو رہے ہیں۔ آپ نے لنچ بھی نہیں کیا۔ اگر حکم ہو تو حاضر کروں۔"

میں نے پوچھا۔ "ہم استنبول کب پہنچیں گے؟"

"رات کے نو بجے ....."

"ٹھیک ہے۔ کچھ کھانے کے لیے لے آؤ۔"

وہ چلی گئی تو اس بار میں نے آنکھیں بند نہیں کیں۔ اپنے سامنے والی سیٹ کی پشت پر نظریں جما کر میوفان کے دماغ تک پہنچ گیا۔ میوفان کے قریب کھڑا ہوا ونود شرما فون پر چیخ رہا تھا۔ "تم سب ناکارہ ہو۔ میری اجازت کے بغیر اس ہوٹل کو چھوڑ دیا۔ اور مجھے الزام دیتے ہو کہ میں نے تمہیں ہوٹل چھوڑنے کا حکم دیا تھا۔ کیا تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

جواب میں دیال چند بتانے لگا کہ ونود شرما کس طرح شراب کے نشہ میں ہوٹل آیا تھا اور بریف کیس میں چیک بک اور پاسپورٹ لے کر سیکرٹری وشوا ناتھ کے ساتھ چلا گیا۔ وشوا ناتھ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ میوفان نے فون پر دیال چند کو بتایا کہ ونود شرما پیرس چلا گیا ہے۔

ونود شرما ریسیور کان سے لگائے سن رہا تھا اور میوفان کو گھور کر دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ریسیور کو ایک جھٹکے سے کریڈل پر رکھ کر کہا۔ "میوفان! تم نے بزنس پارٹنر بننے کے لیے بڑی گہری چال چلی ہے۔ سچ سچ بتا دو کہ اپنے کس آدمی کو ونود شرما بنا کر تم نے میرے ساتھ

دھوکہ دیا ہے؟"

"شرما! تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو۔ میں تو کل رات سے تمہارے ساتھ ہوں۔ میں اپنے کسی آدمی کو نقلی ونود شرما کیسے بنا سکتی تھی۔"

"پھر تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا کہ ایک ونود شرما میرے پاسپورٹ کے ذریعہ یہاں سے جا چکا ہے۔"

"یہ تو میں نے دیال چند کو یہاں سے دور رکھنے کے لیے جھوٹ کہا تھا۔"

"یہ جھوٹ نہیں سچ ہے۔ ایک ونود شرما میرا پاسپورٹ لے کر یہاں سے جا چکا ہے۔ بیوقوف عورت میں ایک کیبل کے ذریعہ اس فراڈ آدمی کو پیرس کے ایئر پورٹ پر گرفتار کرا دوں گا۔ تم میرے سامنے معصوم صورت بنا کر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتیں۔ کہ تم نے میرے آدمیوں کو مجھ سے دور رکھنے کے لیے ایک نقلی شرما کے ذریعے بہت سے کام نکالے ہیں۔ تم ہر مرحلے پر جھوٹ بولتی رہیں اور مجھے بیوقوف بناتی رہیں۔ کیا یہی ہے ہمارے پارٹنر شپ کا معاہدہ ......"

اس نے معاہدے کے کاغذات کو سنٹر ٹیبل پر سے اٹھا کر پھاڑ دیا۔ اس کے پرزے پرزے کر دیئے۔ میوفان اسے روکنے کے لیے آئی تو اس نے اسے دھکا دے دیا۔ وہ لڑکھڑا کر پیچھے گئی۔ پھر ہال ... سے دوڑتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف جانے لگی۔

میں نے دماغی طور پر اس کا پیچھا نہیں کیا۔ ابھی میں ونود شرما کو اس بات سے روکنا چاہتا تھا کہ وہ میرے خلاف پیرس کے ایئر پورٹ تک خبر نہ پہنچائے۔ اگرچہ میں پیرس سے پہلے استنبول میں اترنے والا تھا لیکن وہاں بھی خطرہ تھا۔ وہاں بھی یہ خبر پہنچ سکتی تھی کہ کوئی شخص ونود شرما کے بہروپ میں سفر کر رہا ہے۔

اصل ونود شرما کو ایسے اقدامات سے روکنے کے لیے میں رومانہ سے کام لے سکتا تھا۔ میں نے رومانہ کی سوچ پڑھی۔ اس وقت وہ تیزی سے یہ سوچ رہی تھی کہ ونود شرما کو اب پھانسنا چاہیئے۔ تاکہ وہ فریڈ کے خلاف کوئی قدم نہ اٹھا سکے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولی۔

"مسٹر شرما! یہ بات میں نے سمجھ لی ہے کہ آپ میوفان کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ میرے کاٹج میں چلیں۔"

ونود شرما نے کہا۔ "تم بہت اچھی ہو۔ چلو ہم پہلے ایئر پورٹ جائیں گے۔ اس بہروپیئے کے خلاف رپورٹ درج کرانا ہو گی۔"

رومانہ ایک ادائے ناز سے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی۔ پھر اس کے بازو کو تھام کر جذباتی انداز میں بولی۔ "ایسی جلدی بھی کیا ہے۔ وہ بہروپیا بارہ گھنٹے سے پہلے پیرس نہیں پہنچے گا۔ اور میرا ساتھ تو صرف تین گھنٹے کا ہو گا۔"

وہ خوش ہو کر بولا۔ "یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم میرے ساتھ تین گھنٹے گزارو گی۔ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں سی آف کرتے ایئر پورٹ تک جاؤں گا تو اس بہروپیئے سے بھی سمجھ لوں گا۔"

اس نے سنٹر ٹیبل پر سے ایک چیک اور پے آرڈر اٹھا کر رومانہ کو دیتے ہوئے کہا۔ "یہ سودے کی رقم ہے۔ اگر ہماری دوستی قائم رہی تو تمہیں مجھ سے بہت فائدے پہنچیں گے۔"

رومانہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فروخت کے پکے کاغذات پر دستخط کر دیئے۔ پھر وہ وہاں سے جانے کے لیے دروازے کی جانب بڑھنے لگے۔ اسی وقت دروازہ کھلا۔ وہ دونوں رک گئے دروازے پر ایک صحت مند چینی ہاتھ میں پستول لیے کھڑا تھا اور پیچھے ہاتھ بڑھا کر دروازے کو بند کر رہا تھا۔

ڈرائنگ روم کے دوسرے دروازے سے میوفان کی آواز آئی۔ "مسٹر شرما! میں بازی ہارنا نہیں جانتی۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو ..."

ایسے موقع پر رومانہ چوکنا نہیں جانتی تھی۔ اس نے میوفان کی بکواس سے فائدہ اٹھا کر اپنے پرس کو چینی غنڈے کے ہاتھ پر مارا۔ پستول پر گرفت مضبوط تھی۔ ٹریگر پر انگلی چل گئی۔ لیکن پرس کی زد میں آنے کے باعث نشانہ خطا ہو گیا۔ دوسرے فائر کی نوبت نہیں آئی۔ چینی کے پیٹ پر ایک ٹھوکر لگی۔ وہ دہرا ہو گیا۔ دوسری ٹھوکر سے پستول فرش پر پہنچ گیا۔ کسی کو پستول اٹھانے کا ہوش نہ تھا۔ کیونکہ میوفان اور ونود شرما حیرانی سے رومانہ کی پھرتی اور اس کے لڑنے کے انداز کو دیکھ رہے تھے۔ چند ہی سیکنڈ میں لڑائی کا فیصلہ ہو گیا۔ رومانہ نے جوڈو کا ایک ہاتھ آزما کر اس چینی کو میوفان کے قدموں میں پہنچا دیا۔ پھر پستول اٹھا کر بولی۔ "کم آن مسٹر شرما! میوفان کے لیے اتنا سبق کافی ہے۔"

وہ دونوں اسکیپر فارڈ کے ساتھ باہر آئے۔ پھر وہاں سے کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ ونود شرما اگلی سیٹ پر رومانہ کے ساتھ بیٹھا ہوا اسے حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ "تم تو کمال کی فائٹر ہو۔ کیا میری دوست بننا پسند کرو گی؟"

"میں دوست ہوں۔ اسی لیے آپ میرے ساتھ نظر آ رہے ہیں۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہے۔ میں بھی خطرات سے کھیلتا رہتا ہوں۔ انٹرپول والوں سے ٹھنی رہتی ہے۔ اگر تم میرا ساتھ دو تو ....."

"اوں ہونہہ! میں مجرموں کا ساتھ نہیں دیتی۔ تم مجھے پسند آ گئے ہو۔ اس لیے تمہارے ساتھ تھوڑا وقت گزارنا چاہتی ہوں۔"

میں ونود شرما کا جواب نہ سن سکا کیونکہ طیارے میں ایئر ہوسٹس میرے لیے لنچ لے آئی تھی۔ میں کھانے میں مصروف ہو گیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ رومانہ اب آسانی سے ونود شرما کو ہینڈل کر لے گی۔ میں نے پاس بیٹھے ہوئے بچے کے سامنے ایک سوئٹ ڈش بڑھاتے ہوئے کہا۔ "ڈیئر فرینڈ ....."

بچے نے سوئٹ ڈش لے کر کہا۔ "یو فرینڈ۔ آئی فرینڈ۔ تھینک یو۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی عورت ممتا بھرے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ یہ میرے لیے بہتر تھا کہ وہ بچہ بھی اچھی طرح انگریزی نہیں بول سکتا تھا ورنہ میری خیال خوانی کے دوران ڈسٹرب کرتا رہتا۔ کھانے کے بعد میں نے کافی پینے کے دوران رومانہ کی سوچ سے رابطہ قائم کیا۔

ونود شرما اس وقت رومانہ کے بستر پر لیٹا ہوا تھا مگر اس طرح کہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ رومانہ بستر کے پاس کھڑی ہوئی کہہ رہی تھی "شرما! تمہیں میرے بستر پر آنے کی خواہش تھی سو میں نے تمہیں یہاں پہنچا دیا۔ تم میری واپسی تک یہاں نظر بند رہو گے۔ میرے آدمی تمہاری نگرانی کرتے رہیں گے۔ پھر میں واپس آ کر تمہیں آزاد کر دوں گی۔"

ونود شرما نے بے بسی سے کہا۔ "تمہاری دشمنی کی وجہ میری سمجھ میں یہی آتی ہے کہ تم اس بہروپیے کی ساتھی ہو۔ وہ بھی پیرس گیا ہے تم بھی پیرس جانا چاہتی ہو۔ میں اب بھی تمہیں دوست بن کر سمجھاتا ہوں کہ میری گمشدگی سے میرے آدمی پریشان ہو کر اس بہروپیے کو ضرور گرفتار کرائیں گے۔"

رومانہ نے کہا۔ "ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا کہ تمہارے آدمی بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ بہرحال تم ابھی اپنے آدمیوں کو ایسا کرنے سے منع کرو گے۔"

"اگر میں انکار کر دوں تو؟"

رومانہ نے اپنے ایک آدمی کو ٹیلیفون لانے کا حکم دیتے ہوئے ونود شرما سے کہا۔ "دیکھو رومانہ جہاز تم خرید چکے ہو۔ خریداری کے دستاویز کے مطابق جہاز کا تمام مال بھی تمہارا ہے اور یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ اس جہاز میں لاکھوں ڈالر کی افیون موجود ہے۔ اگر تم پیرس میں میرے آدمی کو گرفتار کراؤ گے تو میں تمہیں اس افیون کے ساتھ یہاں گرفتار کراؤں گی۔ بولو منظور ہے؟"

"یہ مال میں نے تم سے خریدا ہے۔"

"بےشک بیچنے اور خریدنے والے دونوں ہی قانون کی گرفت میں آئیں گے۔ لیکن میں تو اس سے پہلے ہی ہانگ کانگ سے چلی جاؤں گی۔"

ٹیلیفون آ گیا۔ رومانہ نے کہا۔ "تمہاری سلامتی اور رہائی اسی طرح ہو سکتی ہے کہ فوراً اپنے آدمیوں کو منع کر دو۔ چلو نمبر بتاؤ۔"

اس نے دیال چند کا نمبر بتایا۔ رومانہ نے نمبر ڈائل کرتے ہوئے اپنے ایک آدمی کو حکم دیا کہ ریوالور کی نال ونود شرما کی کنپٹی سے لگا دے۔ پھر رابطہ قائم ہوتے ہی اس نے ریسیور کو ونود شرما کے منہ اور کان سے لگا دیا۔ اس نے کہا۔ "ہیلو دیال چند! میں شرما بول رہا ہوں۔ کیا تم نے اس بہروپیے کے خلاف رپورٹ کی ہے؟"

"جی نہیں۔ میں آپ کے حکم کا منتظر ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ اس سلسلے میں خاموش رہو۔ میں پیرس ایئرپورٹ تک اطلاع پہنچا دی ہے۔ وہ آج رات گرفتار کر لیا جائے گا۔"

"جناب! آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

وہ جھنجھلا کر بولا۔ "مجھ سے فضول سوالات نہ کرو۔"

رومانہ نے ریسیور کو کریڈل پر پٹخ کر کہا۔ "شاباش! اب تم آرام کرو۔ میں تمہاری رہائی کا وعدہ پورا کروں گی۔"

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔ میں نے اس کی سوچ سے رابطہ ختم کر دیا۔ کیونکہ اب وہاں کے حالات میرے لیے سازگار تھے۔ رومانہ نے اپنی دلیری اور ذہانت سے کام لیتے ہوئے مجھے وہاں کی مشکلات سے نکال دیا تھا۔ اب میں کسی رکاوٹ کے بغیر استنبول پہنچ سکتا تھا۔

بہت دیر بعد میں نے ایک سگریٹ سلگایا۔ پھر آرام سے کش لگاتے ہوئے دھواں چھوڑنے لگا۔ ابھی میں پرسکون رہنا چاہتا تھا۔ دماغ کی اسکرین پر مزید کوئی تماشہ دیکھنے کا ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے طیارے کے اندرونی ماحول کو دیکھتا رہا۔ میرے پاس والی سیٹ پر بچہ سو گیا تھا۔ ایئر ہوسٹس قریب آ کر پھر بچے پر جھک کر کمبل ڈالنے لگی۔ ایئر ہوسٹس کے گورے بدن سے یوڈی کلون کی خوشبو آ رہی تھی۔

میں نے ایک گہری سانس کھینچ کر کہا۔ "تم تو خوشبو کا بدن ہو۔"

وہ مسکرانے لگی۔ پیشے کے اعتبار سے ایئر ہوسٹس کو ہمیشہ ہر کسی کے سامنے مسکرانا پڑتا ہے۔ اس کی سوچ کہہ رہی تھی۔ "یہ شخص مجھ سے لفٹ لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے تعریف کر رہا ہے۔ ایسے لوگوں کو میں چٹکی بجا کر بیوقوف بناتی ہوں۔ اس کے پاس جتنی رقم ہوتی اسے ایک منٹ میں نکلوا لیتی مگر افسوس یہ پیرس جا رہا ہے اور میری ڈیوٹی استنبول پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے۔۔۔"

وہ سوچنے کے دوران بچے پر کمبل ڈال کر بدستور مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ مجھے اس فضائی پری سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میری جیب میں ڈالر کی گڈیاں ہیں۔ استنبول میں کسٹم والے یہ گڈیاں چھین لیں گے۔ پھر کیوں نہ میں ایک ایسی ہستی کو اپنی ساری رقم نکال کر دے دوں۔ پھر کسٹم والوں سے نجات پانے کے بعد دوسرے ہی لمحے اپنی رقم واپس لے لوں۔ اگر یہ اپنے عاشقوں کو بیوقوف بناتی ہے تو چلو یہی سہی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھ کر طیارے کے پچھلے حصے کی طرف جانے لگا۔ وہاں ایک طرف مسافروں کے لیے ٹائلٹ اور گرین روم تھے۔ دوسری جانب اسٹیورڈ اور ایئر ہوسٹس کے لیے کیبن تھے۔ میں وہاں پہنچا تو ایک ایئر ہوسٹس کیبن کا دروازہ کھول کر باہر آ رہی تھی۔

اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔ "فرمایئے؟"

"میں تمہاری ساتھی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

اس نے کیبن میں جھانک کر میری مطلوبہ ایئر ہوسٹس کو آواز دی "ریٹا! ہیر از اے پسنجر لوکنگ فار یو۔"

ریٹا نے دروازے پر آ کر مجھے دیکھا پھر کہا۔ "اچھا تم ہو۔ کیا بات ہے؟"

"میں تنہائی میں باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

دوسری ایئر ہوسٹس مسکراتی ہوئی چلی گئی۔ ریٹا نے کہا۔ "تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم مسافروں سے پرائیویٹ گفتگو نہیں کرتے۔ ہماری شکایات پہنچ جاتی ہیں۔ اگر اسٹیورڈ نے تمہیں نہیں دیکھا ہے تو اندر آ جاؤ۔"

میں اندر آ گیا۔ اس نے دروازے کو بند کرتے ہوئے پوچھا۔ "جلدی بولو۔ کیا بات ہے؟"

میں نے مر مٹنے والے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم بہت حسین ہو۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "سب ہی مسافر ایسا کہتے ہیں۔ ویسے جو عورت تنہائی میں مل جاتی ہے وہ حسین لگتی ہے۔ اپنے مطلب کی بات کرو۔"

میں کوٹ کی اندرونی جیب سے ڈالر کی گڈیاں نکالنے لگا۔ وہ حیرانی سے ان نوٹوں کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "یہ بیس ہزار ڈالر ہیں۔ اگر تم استنبول کے کسٹم والوں سے یہ رقم بچا کر مجھے واپس کر دو گی تو میں تمہیں پانچ ہزار ڈالر دوں گا۔"

ریٹا نے چشم زدن میں تمام رقم کو ہضم کر لینے کی بات سوچ لی۔ اس نے کہا۔ "لیکن تم تو پیرس جا رہے ہو؟"

میں نے پوچھا۔ "کیا یہ جہاز ایندھن کے لیے استنبول نہیں رکے گا۔ کیا میں اپنے پاسپورٹ کے مطابق استنبول کے شہر میں وقت نہیں گزار سکوں گا۔"

"ہاں تم وہاں وقت گزار سکتے ہو۔ لیکن تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میں تمہارا یہ کام کر دوں گی۔ میں تمہیں دھوکہ بھی دے سکتی ہوں۔"

میں نے اس کی ٹھوڑی کو چھو کر کہا۔ "میں دولت کا نہیں حسن کا پجاری ہوں۔ اگر استنبول میں تم میرے ساتھ وقت گزارو تو میں یہ تمام رقم تمہیں دے دوں گا۔"

اس کے چہرے پر رونق آ گئی۔ مگر وہ اپنی پارسائی جتاتی ہوئی بولی۔ "میں ایک شریف خاندان کی لڑکی ہوں۔ میں نے آج تک کسی سے دوستی نہیں کی۔"

میں نے کہا۔ "میں بھی ضرورت سے زیادہ شریف ہوں۔ تم میری زندگی کی پہلی حسینہ ہو۔" وہ ذرا کسمسائی۔ کچھ اس طرح کہ انکار بھی تھا اور اقرار بھی اور اقرار کی ادا بتا رہی تھی کہ وہ کہنہ مشق ہے۔ بلی نو سو چوہے کھا کر پارسائی کی مالا جپ رہی ہے۔ میں نے جلد ہی اس سے الگ ہو کر وہ گڈیاں اس کے ہاتھوں میں رکھتے ہوئے کہا۔ "بس سمجھ لو کہ یہ رقم تمہاری ہے۔ ہم استنبول میں وقت گزاریں گے۔"

وہ شرمانے کی ادائیں دکھا رہی تھی۔ میں کیبن سے باہر آ گیا۔ اس کی سوچ سے گزرتا ہوا اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اتنی فرصت نہیں تھی کہ میں استنبول میں اس کے ساتھ وقت ضائع کرتا لیکن اپنی رقم کی واپسی کے لیے ایک چھوٹی سی ملاقات لازمی تھی۔ اور ابھی اس مسئلے پر سوچنا ضروری نہیں تھا۔

میری گھڑی میں ہانگ کانگ کے وقت کے مطابق چار بج چکے تھے۔ میں نے رومانہ کے ذہن کو پڑھا تو پتہ چلا کہ وہ طیارے میں اپنی سیٹ پر بیٹھی ہوئی سفر کا آغاز کر رہی ہے۔ اب میں اسے بھٹکانا نہیں چاہتا تھا۔ جس لڑکی نے میری خاطر زندگی گذارنے کا انداز بدل دیا تھا۔ کروڑوں کی جائیداد کو اونے پونے فروخت کر دیا تھا۔ مجھے بخیریت استنبول پہنچانے کے لیے ونود شرما کو نظر بند کر دیا تھا۔ میرے لیے پچھلی رات سے جاگ رہی تھی اور ہر لمحہ میرے قریب پہنچنے کی جدوجہد میں مصروف تھی۔ ایسی محبت کرنے والی ہستی کو اب میں گمراہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے اس کی سوچ میں کہا۔ "پتہ نہیں فرید پیرس جائے گا۔ یا استنبول میں ہی کہیں گم ہو جائے گا؟"

"اں"۔ وہ سوچنے لگی۔ "ہاں ایسا ممکن ہے۔ لیکن پاسپورٹ کی فہرست کے مطابق وہ پیرس جائے گا۔"

میں نے کہا۔ "ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ پیرس تک جانے کا خطرہ مول نہ لے۔ اس کے دماغ میں یہ بات ضرور ہو گی کہ اصلی ونود شرما کسی وقت بھی اس کے خلاف رپورٹ کر سکتا ہے۔ لہٰذا طیارے کا پہلا لانگ اسٹاپ استنبول ہے۔ وہ استنبول پہنچ کر ونود شرما کا میک اپ اتار سکتا ہے تاکہ قانونی گرفت میں نہ آئے۔"

اس بات نے رومانہ کو الجھا دیا۔ وہ کبھی استنبول اور کبھی پیرس جانے کے متعلق سوچتی رہی۔ آخر میں نے اس کے دماغ سے یہی فیصلہ کرایا کہ اسے استنبول میں اپنا سفر ختم کر کے وہاں فرید کو تلاش کرنا چاہیئے۔

وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ اب طیارے کی پرسکون فضا میں آرام سے اپنی نیند پوری کر سکتی تھی۔ اس لیے میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔ ہم دونوں ہی الگ الگ طیاروں میں سفر کر رہے تھے۔ میری منزل اب بالکل قریب تھی۔ وہ بارہ گھنٹے بعد اسی منزل تک پہنچنے والی تھی۔

صرف ہم دونوں ہی نہیں، سونیا بھی استنبول کے لیے آج رات بذریعہ ٹرین اپنا سفر شروع کرنے والی تھی۔ چمپینزی، شیلا، مادام ویرا اور دوسرے تمام سونیا کے عقیدت مندوں کا اجتماع بھی اسی شہر میں ہونے والا تھا۔ پیس فرنٹ کی ایک پرامن مگر خطرناک تنظیم وہاں قائم ہونے والی تھی۔

میں نے سونیا کی خبر لی۔ وہ اپنا روپ بدل کر تہہ خانہ سے نکل گئی تھی اور ایک ہوٹل کے کمرے میں رات ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ ریڈ پاور کا وکٹر جواب سونیا کا ساتھ دے رہا تھا اس کی کامیاب پلاننگ کے مطابق ریڈ پاور کے تمام باغی سونیا کے وفادار بن کر وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو رہے تھے۔

کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ماسک مین ایٹمی دھماکہ کے سلسلہ میں اُلجھ گیا تھا۔ یہ معلومات میں نے مادام ویرا کی سوچ سے حاصل کی۔ مادام ویرا نے ماسک مین سے کمپیوٹر کے ذریعہ بات کی تھی۔ اور اسے یقین دلایا تھا کہ سونیا سے رابطہ قائم ہو رہا ہے لیکن سونیا ایٹمی دھماکہ کے سلسلہ میں سپر ماسٹر سے نمٹ رہی ہے۔ لہٰذا وہ دوسرے دن ماسک مین سے رابطہ قائم کرے گی۔

چونکہ ماسک مین ایٹمی دھماکہ کے نتائج معلوم کرتا جا رہا تھا۔ اس لیے وہ بہت خوش تھا اور سونیا اور اپنے ماتحتوں پر اندھا اعتماد کر رہا تھا۔ میں نے ان تمام لوگوں سے مطمئن ہونے کے بعد سوچا کہ اب سپر ماسٹر کا مزاج پوچھنا چاہیے۔

قارئین کو یاد ہو گا کہ فرینکفرٹ میں ماسٹروں کا ایک بہت بڑا اجتماع ہوا تھا جہاں میری موت کی دستاویزی فلم چلائی گئی تھی۔ اور ماسٹروں کے اسی اجتماع میں سونیا کو موت کی سزا سنائی گئی تھی۔ وہاں میں نے سپر ماسٹر کی آواز سنی تھی۔ اور اسی وقت اس کے لہجے کو اچھی طرح یاد کر لیا تھا لیکن اس کی سوچ کو چھیڑا نہیں تھا کیونکہ وہ بھی یوگا کی مشقیں کرتا تھا اور سانسیں روک کر اپنے دماغ کے دروازے بند کر لینا جانتا تھا۔

سپر ماسٹر کی سوچ کو نہ چھیڑنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ میں ان لوگوں کے لیے مر چکا تھا۔ اس لیے خیال خوانی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا اور اس وقت میں نے سونیا کو بھی ٹیلی پیتھی جاننے والی کی حیثیت سے پیش نہیں کیا تھا لیکن اب میں نے سونیا کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے اپنی سوچ کی لہروں کو سپر ماسٹر کے دماغ تک پہنچایا۔ میرا خیال تھا کہ میری سوچ کی ایک لہر تھی بھی اگر مداخلت کی تو وہ اپنی سانس روک لے گا۔ لیکن اس کے دماغ کے دروازے کھلے ہوتے تھے۔

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر کراہ رہا تھا اور اس کی سوچ کہہ رہی تھی ”آہ! میں بار بار سانس نہیں روک سکتا۔ اور یہ بلا میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہی ہے......“

میں اس کی سوچ پڑھ کر چونک گیا کہ کون سی بلا اس کے پیچھے پڑ گئی ہے؟ وہ بار بار سانس کیوں روک رہا ہے؟ کیا کوئی دوسری ہستی اس کے دماغ کو چھیڑ رہی ہے؟

ایسے سوالات کے جواب میں صرف اس نامعلوم دیوی کا ہی خیال آ سکتا تھا۔ وہ بہت زیادہ پراسرار بن گئی تھی کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا کہ وہ میرے دماغ میں بھی چپ چاپ بیٹھی ہوئی میرے تمام رازوں سے واقف ہوتی جا رہی ہے۔

اب اگر وہ دیوی سپر ماسٹر کے دماغ کو چھیڑ رہی تھی تو میرے لیے سنہرا موقعہ تھا۔ میں ایک خاموش تماشائی بن کر اس نامعلوم دیوی کے لب و لہجہ کو اپنی یادداشت میں محفوظ کر سکتا تھا۔ اس وقت سپر ماسٹر پریشانی کی حالت میں بڑبڑا رہا تھا اور سونیا کو مخاطب کر رہا تھا ”سونیا! میں سمجھ گیا ہوں کہ تم میرے دماغ تک پہنچ گئی ہو۔ جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ تم نے فرہاد سے ٹیلی پیتھی کا فن سیکھا ہے تو مجھے یقین نہیں آیا۔ پھر میں نے تمام حالات کا تجزیہ کیا کہ تم کس طرح گرین لینڈ کے برفانی علاقہ سے زندہ سلامت واپس آ گئیں اور چمپینزی جیسے درندے کو بھی اپنا غلام بنا لیا۔ اور کل رات تو تم نے مجھے ناقابل برداشت نقصان پہنچایا ہے۔ اس ایٹمی دھماکہ سے اربوں ڈالر کا نقصان ہوا۔ ہماری ایک بہترین خفیہ پناہ گاہ تباہ ہو گئی۔ گرین لینڈ کی تمام برف اس دھماکے سے پگھل گئی نتیجے کے طور پر بحر اٹلانٹک کے شمالی حصے میں طوفان آیا ہے۔ کئی یورپی ممالک سیلاب کی زد میں آ گئے ہیں۔“

سپر ماسٹر کہتے کہتے ہانپنے لگا۔ بار بار سانس روکنے اور دماغی جھٹکے کھانے کے باعث اس کے اعصاب کمزور ہو گئے تھے۔ اس نے کہا ”ہم نے کوشش کی تھی کہ اس ایٹمی دھماکہ کی خبریں کسی بھی ملک کے اخبارات میں شائع نہ ہوں لیکن روسی ذرائع ابلاغ نے اس خبر کو اچھال دیا ہے۔ اب ہر ملک سے ایٹمی دھماکہ کے خلاف احتجاجی نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ سونیا! میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے تمہارے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں ان پر شرمندہ ہوں۔ تم ایک بار مجھ پر بھروسہ کر کے مجھ سے پھر دوستی کر لو۔ میں تمہیں اس تنظیم کی سپر مسٹریس بنا دوں گا۔“

سپر ماسٹر کی اتنی ساری بکواس کے بعد ایک کھنکتی ہوئی میٹھی سی ہنسی سنائی دی۔ سپر ماسٹر نے سمجھا۔ سونیا ہنس رہی ہے لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ وہ ہنسنے والی پُراسرار دیوی اب میری سوچ کی مٹھی میں بند ہونے ہی والی ہے۔

وہ پُراسرار ہستی قہقہہ لگانے کے بعد چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی۔ وہ چند لمحے جیسے صدیوں کی طرح گزر رہے تھے۔ میں جلد از جلد اس نامعلوم دیوی سے متعارف ہونا چاہتا تھا۔ متعارف ہونے والی بات میں نے غلط کہی کیونکہ میں اپنا تعارف اس سے نہیں کرانا چاہتا تھا۔ سپر ماسٹر کے دماغ میں چھپ کر اس دیوی کا تعارف حاصل کرنا چاہتا تھا۔

سپر ماسٹر کی حالت عجیب تھی۔ بار بار سانس روکنے اور دماغی جھٹکے کھانے کے باعث وہ کچھ بیمار سا ہو گیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ سونیا نے اسے دماغی جھٹکے پہنچائے ہیں جبکہ یہ تماشے وہ نامعلوم دیوی دکھا رہی تھی۔

بہرحال خاموشی کے وہ چند لمحے گزر گئے۔ پھر ایک بہت ہی مترنم گیتوں بھری آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ”مورکھ! (بے وقوف!) میں سونیا نہیں ہوں۔ مجھے جاننا چاہتے ہو تو بابا تن سنگ کو بلاؤ۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولو، بابا باہر کھڑے ہیں۔“

سپر ماسٹر نے پریشان ہو کر کہا ”سونیا! تم ایشیائی زبان کیوں بول رہی ہو؟ یہ زبان میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

تھوڑی دیر کے لیے پھر خاموشی چھا گئی۔ شاید وہ دیوی بھی انگریزی زبان نہیں سمجھ سکتی تھی۔ سپر ماسٹر کی بکواس کے دوران بار بار سونیا کا نام سن کر دیوی نے سمجھ لیا تھا کہ وہ اسے سونیا سمجھ رہا ہے۔ اتنے میں دروازے پر دستک سنائی دی۔ سپر ماسٹر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

باہر بوڑھا تن سنگ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کہا ”مجھے سوچ کے ذریعہ یہ ہدایت دی گئی کہ میں دروازے پر دستک دوں۔ تمہارا شکریہ سپر ماسٹر کہ تم نے دروازہ کھول دیا۔ اگر نہ کھولتے تو تمہارے دماغ کا تختہ ہو جاتا۔“

تن سنگ نے اندر آ کر دروازے کو بند کر دیا، پھر کہا ”سپر ماسٹر! تم اس دنیا کی بہت بڑی شیطانی طاقت ہو، مگر اب ایک چھوٹی سی لڑکی تمہیں زیر کر رہی ہے۔“

سپر ماسٹر نے حیرانی اور پریشانی سے پوچھا ”کیا سونیا سے تمہاری دوستی ہو گئی ہے؟“

”میں سونیا کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ جو لڑکی اس وقت تمہارے دماغ سے کھیل رہی ہے وہ میری بیٹی ہے۔“

”تن سنگ! تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ تمہاری بیٹی میری قید میں ہے اور وہ ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہے۔“

تن سنگ نے ایک کرسی پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا ”ہاں یہ درست ہے کہ میری ایک بیٹی تمہاری قید میں ہے لیکن میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا تھا کہ میری دوسری بیٹی اپنے ننھیال میں پرورش پا رہی ہے۔

قصہ یوں ہے کہ سترہ برس پہلے ہم اولاد سے محروم تھے میری دھرم پتنی نے منت مانی کہ اگر اولاد ہوگی تو وہ پہلا بچہ بھگوان کی بھگتی کے لیے وقف کر دے گی۔ ایک برس بعد میری دھرم پتنی نے دو لڑکیوں کو جنم دیا۔ ہم نے ایک کا نام وسنتی اور دوسری کا نام رس ونتی رکھا۔ میری دھرم پتنی نے اپنی منت کے مطابق دل پر پتھر رکھ کر رس ونتی کو مندر کی داسی بننے کے لیے وقف کر دیا۔

رس ونتی ننھیال میں رہتی تھی اور مندر میں جا کر آتما گیان کی تعلیم حاصل کرتی تھی۔ بچپن سے اسے سمجھایا گیا کہ وہ نادیدہ دیوتاؤں کی داسی ہے۔ اس کے شریر (جسم) کو کوئی انسان ہاتھ نہیں لگا سکتا اس لیے وہ کبھی شادی بھی نہیں کرے گی۔ ہمیشہ گنگا جل کی طرح پوتر (پاک) رہے گی۔

وہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے لیے دھیان گیان (مراقبہ) میں مصروف رہتی تھی۔ اپنی سانس روک کر یوگا کی مشقیں کرتی تھی۔ اور مندر کے دیئے کی لو پر نظریں جما کر اپنی آتما کی گہرائیوں میں سوچ کی اڑان کا درس حاصل کرتی تھی۔

سپر ماسٹر! جب تم نے مجھے دوستی کا فریب دیا اور مجھے یہاں بلا کر میری بیٹی وسنتی کے ساتھ مجھے قیدی بنا لیا تو میں نے تم سے جھوٹ کہا کہ میری اور کوئی اولاد نہیں ہے اور میری دھرم پتنی مر چکی ہے۔ میں صرف دکھاوے کے لیے تمہارے سامنے پریشان رہتا تھا لیکن میرے من میں دھیرج اور شانتی تھی۔ میں جانتا تھا کہ رس ونتی جب بھی آتما گیان کی تعلیم مکمل کر کے مندر کی دنیا سے باہر آئے گی تو سب سے پہلے اپنے باپ اور بہن کی رکھشا کرے گی۔

آج سے تین دن پہلے ایک بوڑھی عورت مجھ سے ملنے آئی تھی۔ تم اس عورت کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے طرح طرح کے سوالات کر رہے تھے۔ تب میں نے مجبور ہو کر بتا دیا کہ وہ میری دھرم پتنی ہے۔ اس کے بعد تم نے ملنے کی اجازت دی لیکن اسے بھی یہیں روک لیا۔ دوسرے شبدوں میں اسے بھی قید کر لیا۔

لیکن تمہارا انت سمے (آخری وقت) آ پہنچا ہے۔ جب میری دھرم پتنی مجھ سے باتیں کر رہی تھی تب میری بیٹی رس ونتی اپنی ماں کے دماغ سے میرے دماغ میں پہنچ گئی۔ دو برس بعد اپنی بیٹی کو اپنے دماغ میں پا کر میں جیسے دوبارہ جی اٹھا۔ رس ونتی نے مجھے بتایا کہ وہ صرف ہندی زبان جانتی ہے اور تمہارے دماغ تک پہنچنے کے لیے انگریزی جاننا ضروری تھا۔“

تن سنگ کی یہ بات سن کر سپر ماسٹر نے حیرانی سے پوچھا۔

"کیا وہ سچ مچ ہماری زبان نہیں جانتی ہے پھر وہ میرے دماغ تک کیسے پہنچ گئی ؟"

تن سنگ نے کہا "تمہارے دماغ تک پہنچنے کیلئے رس ونتی کو ایک ذرا سے سہارے کی ضرورت تھی۔ میں نے اسے انگریزی کے دو جملے سکھائے۔ وہ جملے یہ تھے "کیا تم میری آواز نہیں پہچان رہے ہو، میں سپر ماسٹر بول رہا ہوں"۔

چونکہ رس ونتی کے لیے یہ زبان بالکل ہی اجنبی تھی اس لیے یہ دو جملے یاد کرنے میں کافی وقت ضائع ہو گیا۔ وہ صبح شام مجھ سے دماغی رابطہ قائم کرتی تھی۔ پھر ان جملوں کو سبق کی طرح یاد کر کے مجھے سناتی تھی، میں غلطیاں درست کر دیتا تھا۔ آج اس نے ایک ایک لفظ صحیح تلفظ کے ساتھ یاد کر لیا تو میں نے اپنی رہائش گاہ سے تمہیں فون پر کال کیا۔ تمہارے سیکرٹری سے درخواست کی کہ وہ تم سے رابطہ قائم کر دے، میں بہت ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

تب تم نے ریسیور پر کہا "ہیلو مسٹر تن سنگ کیا بات ہے؟"

میں نے پوچھا "کون بول رہا ہے اپنا نام بتاؤ؟"

تب تم نے سخت لہجے میں کہا "کیا تم میری آواز نہیں پہچان سکتے، میں سپر ماسٹر بول رہا ہوں"۔

یہ سنتے ہی میں ریسیور رکھ کر تمہاری قیام گاہ میں چلا آیا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو کہ میری بیٹی کس طرح تمہاری کھوپڑی میں آ بیٹھی ہے"۔

سپر ماسٹر اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ پھر اس نے کہا "ہاں اب میں سمجھ گیا اسی لیے وہ بعد میں انگریزی نہیں بول سکی۔ اپنی زبان میں کچھ بولتی رہی"۔

"ٹھیک سمجھے۔ اب میں تم دونوں کے درمیان انٹرپریٹر ہوں۔ میری بیٹی جو کہے گی وہ میں تمہاری زبان میں تمہیں سمجھاؤں گا۔ ہاں بیٹی رس ونتی! اب بتاؤ کیا کہہ رہی ہو؟"

میں سپر ماسٹر کے دماغ میں بیٹھ کر تن سنگ کی باتیں سن رہا تھا۔ اگر میں تن سنگ کے دماغ میں پہنچ کر رس وتی کی باتیں سننا چاہتا تو اس بوڑھے کے دماغی دروازے بند ہو جاتے، کیونکہ وہ یوگا کا ماسٹر تھا۔ سپر ماسٹر نے اسے اسی لیے قید کر رکھا تھا کہ وہ ماسٹروں کی تنظیم میں ایک یوگا فوج ترتیب دے رہا تھا۔

بہرحال ابھی میں تن سنگ اور رس وتی پر اپنی نادیدہ موجودگی ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تن سنگ نے سپر ماسٹر سے کہا "میری بیٹی کا حکم ہے کہ چوبیس گھنٹے کے اندر مجھے میری دھرم پتنی کو اور میری بیٹی وسنتی کو ہندوستان پہنچا یا جائے ورنہ وہ تمہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے پر مجبور کر دے گی"۔

سپر ماسٹر نے اپنے لیے شراب کا ایک جام بنایا پھر صوفے پر بیٹھ کر ایک گھونٹ پینے کے بعد کہا "میں تمہاری بیٹی کے حکم سے انکار نہیں کروں گا لیکن میری ایک التجا ہے کہ میری پچھلی غلطیوں کو معاف کر دو۔ میں دوستی کا تحریری معاہدہ کر دونگا اور بڑی سے بڑی قیمت ادا کر کے رس وتی کی خدمات حاصل کروں گا"۔

تن سنگ نے کہا "میں ایک امن پسند انسان ہوں صرف وسنتی کی حفاظت کے لیے اب تک تمہارے جرائم میں شریک رہا اب رس وتی کی سہارا پا کر تمہارے سائے میں بھی رہنا پسند نہیں کروں گا"۔

سپر ماسٹر نے ایک ہی سانس میں جام خالی کر دیا۔ پھر عاجزی سے بولا "ایشیا میں جہاں جہاں ہماری کٹھ پتلی حکومتیں ہیں میں رس وتی کو وہاں کی ملکہ بنا دوں گا۔ تم رس وتی کو میری طرف سے یہ آفر دو۔ اگر میری طرف سے کوئی بے ایمانی ہو تو وہ بیشک مجھے مار ڈالے"۔

تن سنگ خاموش رہا۔ یعنی وہ سوچ کے ذریعہ رس وتی کو سپر ماسٹر کا پیغام پہنچا رہا تھا۔ ذرا دیر بعد اس نے کہا "رس وتی کہہ رہی ہے کہ ایک شرط پر تمہاری آفر قبول کرے گی کہ پہلے تم عملی طور پر دوستی ثابت کرو"۔

سپر ماسٹر نے خوش ہو کر دوسرا پیگ بناتے ہوئے پوچھا "میں ضرور دوستی ثابت کروں گا۔ بتاؤ رس وتی کیا چاہتی ہے؟"

"وہ چاہتی ہے کہ ایٹمی توانائی کے سلسلہ میں تم ہمارے دیس کی بھرپور مدد کرو"۔

تن سنگ کی زبان سے رس وتی کا یہ مطالبہ سن کر میں چونک گیا۔ میں ایک پاکستانی ہوں۔ اگر ہمارا کوئی بھی پڑوسی ملک فوجی طاقت کے توازن کو بگاڑتا ہے اور ایٹمی توانائی حاصل کرنے کے پس پردہ غاصبانہ برتری حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہمارے لیے چونکنے اور سنبھلنے کا مقام ہوتا ہے۔

میں محتاط ہو کر ان کی باتیں سننے لگا۔ سپر ماسٹر کہہ رہا تھا۔ "تن سنگ! یہ تم سمجھ رہے ہو کہ کل جو اچانک ایٹمی دھماکہ ہوا ہے اس سے ہمیں اربوں ڈالر کا نقصان پہنچا ہے۔ اس ناقابل برداشت نقصان سے ہمیں سنبھلنے کے لیے تھوڑی سی مہلت چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ رس وتی ہماری موجودہ پوزیشن کو سمجھتے ہوئے مجھے ضرور مہلت دے گی۔ تم اسے سمجھا سکتے ہو"۔

تن سنگ پھر خاموش ہو کر سوچ کے ذریعہ اپنی بیٹی سے باتیں کرنے لگا۔ یہ فیصلہ کی گھڑی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور کچھ کرنے سے پہلے مجھے یہ سوچنا چاہیے تھا کہ ٹیلی پیتھی جاننے والی رس وتی میرے اور سونیا کے دماغ تک پہنچ سکتی ہے یا نہیں؟ سونیا نے اگرچہ میری صحبت میں رہ کر اچھی خاصی اردو سیکھ لی تھی

تاہم ہم دونوں سوچ کے ذریعہ انگریزی میں ہی گفتگو کرتے تھے۔ اس طرح یہ یقین ہو رہا تھا کہ دیوی رس وتی ہمارے دماغوں تک پہنچنے میں ناکام رہی ہے۔

تن سنگ نے سپر ماسٹر سے کہا "میری بیٹی نے تمہارے موجودہ نقصانات اور پریشانیوں کو سمجھ لیا ہے۔ وہ تمہیں مہلت دے گی۔ فی الحال تم ہماری روانگی کا انتظام کرو"۔

"مسٹر تن سنگ! ہمارے درمیان دوستی ہو رہی ہے۔ میں تمہاری بیوی اور بیٹی کو ہندوستان پہنچا دوں گا۔ مگر پلیز تم یہاں رہ کر میری یوگا فوج کو مکمل کر دو"۔

تن سنگ نے کہا "یوگا میں مہارت رکھنے والا کوئی بھی شخص میری بیٹی کے خلاف کھڑا ہو سکتا ہے۔ وہ تمہارے لیے کسی شخص کو زیر نہیں کر سکے گی۔ اس لیے تمہاری یوگا فوج بنانا تو دور کی بات ہے، میں تمہارے کسی ایک آدمی کو بھی یہ فن نہیں سکھاؤں گا"۔

سپر ماسٹر نے دل میں سوچا "اچھی بات ہے بڈھے۔ میں خفیہ طور سے کسی دوسرے یوگا ماسٹر کا انتظام کر دوں گا۔ میں تو صرف رس وتی سے دوستی کرنا چاہتا ہوں"۔

یہ سوچنے کے بعد وہ مسکرا کر بولا "تم درست کہتے ہو اب کہیں بھی ایسا کوئی یوگا کا ماہر نہ ہو جو رس وتی کے خلاف کھڑا ہو سکے۔ جب رس وتی مجھ سے دوستی کر رہی ہے تو پھر مجھے یوگا فوج کی ضرورت نہیں رہے گی"۔

اب میں نے سپر ماسٹر کی سوچ میں کہا "میں اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ ایٹمی دھماکہ سونیا کی شرارت سے ہوا ہے لیکن سونیا نے اب تک فاتحانہ انداز میں مجھ سے دماغی رابطہ قائم نہیں کیا۔ کیا اس دھماکے میں اس کا ہاتھ نہیں ہے؟"

تن سنگ نے پوچھا "سپر ماسٹر! کیا سوچ رہے ہو؟ کیا ہماری واپسی کا انتظام نہیں کرو گے؟"

سپر ماسٹر نے کہا "اپنی بیٹی سے کہو کہ میری ایک الجھن دور کر دے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر یہ ایٹمی دھماکہ کیسے ہوا ہے وہاں اتنا سخت پہرہ تھا کہ پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ کیا سوچ کا پرندہ وہاں پہنچا تھا؟"

تن سنگ نے کہا "یہ سب کچھ ماسک مین کا کیا دھرا معلوم ہوتا ہے"۔

سپر ماسٹر نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا "ماسک مین کا ایک طنزیہ پیغام مجھے مل چکا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مادام سونیا اس کی دوست بن گئی ہے۔ اُن کی دوستی کے مبارک موقعہ پر وہ دھماکہ کیا گیا ہے۔ اگر ماسک مین درست کہتا ہے تو پھر سونیا خاموش کیوں ہے۔ میں نے اسے موت کی سزا دی تھی۔ وہ انتقاماً اس دھماکے کا حوالہ دے کر مجھے پریشان کر سکتی تھی"۔

"ہاں واقعی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میں اپنی بیٹی سے پوچھتا ہوں۔ شاید وہ معلومات حاصل کر سکے گی"۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ اب مجھے صحیح معلومات حاصل ہو سکتی تھیں اس لیے میں بے چینی سے تن سنگ کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ سپر ماسٹر تیسرا پیگ بنانے کے بعد شراب کی ہلکی ہلکی چسکی لے رہا تھا۔ کافی دیر بعد تن سنگ نے کہا "میری بیٹی سونیا کے متعلق ایک لمبی داستان سنا رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ سونیا ماسک مین کا ساتھ دے رہی تھی۔ جب رس وتی کو معلوم ہوا کہ سونیا ٹیلی پیتھی جانتی ہے تو اس نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ سونیا کو اغوا کر لیا"۔

سپر ماسٹر خوشی سے اچھل پڑا "کیا واقعی؟ کیا سونیا تمہاری بیٹی کی قید میں ہے؟"

"نہیں اسے قید کرنا نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ میری بیٹی کے قبضہ میں ہے لیکن اتنی ضدی اور ذہین ہے کہ اس سے دوستی نہ کی گئی تو وہ فرار ہو جائے گی"۔

"آخر یہ قصہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا؟"

"میری بیٹی جو کچھ بتا رہی ہے وہ میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ سنو! میری بیٹی کے ایک خاص ماتحت شنکر نے رپورٹ دی تھی کہ سونیا ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ اس نے ریڈ پاور کی تنظیم میں اس کا مظاہرہ کیا اور کوبرا مین نامی ایک خطرناک شخص کی آنکھیں پھوڑ دیں۔ وہ مر گیا تو اس کی زہریلی بیوی نے انتقام لینے کے لیے سونیا کو اغوا کیا لیکن راستے میں شنکر کے آدمی سونیا کا تابوت چھین کر اپنی پناہ گاہ میں لے گئے۔

اس پناہ گاہ کے تہہ خانہ میں ایک بوڑھا جگ پال سونیا کو اپنی داستان سناتا رہا۔ لیکن سونیا اس سے انگریزی میں باتیں کرتی رہی۔ سپر ماسٹر! میری بیٹی نے انگریزی کے دو جملے سیکھنے سے پہلے تمہارے دماغ کو اس لیے نہیں چھیڑا تھا کہ تم سانس روک لیتے۔ تمہارے دماغ کو کنٹرول کرنے کے لیے تمہاری زبان کے چند الفاظ یاد کرنے ضروری تھے لیکن سونیا یوگا کی ماہر نہیں ہے۔ رس وتی بآسانی اس کے دماغ تک پہنچ گئی۔ جیسا کہ تم جانتے ہو وہ سونیا کے دماغ تک پہنچنے کے باوجود اس کی انگریزی زبان کی سوچ کو گرفت میں نہ لے سکی"۔

سپر ماسٹر نے کہا "وہ سونیا کو دماغی جھٹکے تو پہنچا سکتی تھی"۔

"بے شک لیکن دماغی جھٹکے پہنچا کر اسے کیا حاصل ہوتا؟ وہ دشمن بن جاتی۔ اور رس وتی اسے دوست بنانا چاہتی ہے۔

میری بیٹی دھیرج سے کام لے رہی ہے۔ اس نے سونیا سے ملاقات کرنے کے لیے اسے ایک جگہ بلایا ہے۔"

"کہاں بلایا ہے؟" سپر ماسٹر نے مضطرب ہوکر پوچھا۔

"سونیا۔۔۔ رس وتی کی اجازت نہیں ہے کہ وہ جگہ بتائی جائے۔" سپر ماسٹر بڑا ہی مصلحت اندیش تھا۔ اس نے جلدی سے کہا "کوئی بات نہیں۔ رس وتی اگر سونیا سے کہیں مل کر اس سے دوستی کرے تو اس میں ہم سب کا فائدہ ہے۔ رس وتی سے ایک بات پوچھو۔ کیا وہ سونیا کو ہندوستانی زبان بولنے پر مجبور نہیں کر سکتی؟"

"کر سکتی ہے۔ میں نے بتایا تا کہ زبردستی کی گئی تو وہ دشمن بن جائے گی۔ دوسری بات یہ کہ سونیا اپنے دماغ میں رس وتی کی سوچ پڑھ کر اس کے دماغ کو بھی چھیڑے گی۔ اگرچہ رس وتی حبسِ دم کی ماہرہ ہے۔ پھر بھی وہ سونیا سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہمیشہ سانس روکے بیٹھی نہیں رہ سکتی۔ سونیا سے بچنے کے لیے اپنی دوسری مصروفیات سے غافل نہیں رہ سکتی۔ اس لیے وہ سونیا کو اپنے پاس بُلا کر اس طرح دوستی کرے گی کہ سونیا اس کے دماغ تک نہ پہنچ سکے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ جب دونوں کا سامنا ہوگا تو سونیا ضرور ٹیلی پیتھی کا حربہ آزمائے گی۔"

تن سنگ نے تھوڑی دیر بعد مسکرا کر کہا "میری بیٹی سونیا کے سامنے نہیں آئے گی۔ ایک دوسری لڑکی کو دیوی بنا کر سونیا کے سامنے پیش کرے گی۔"

سپر ماسٹر نے کہا "میں سونیا کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ کبھی اس انداز میں دوستی نہیں کرے گی۔"

"دوستی کرے گی یا نہیں، یہ سوچنا سمجھنا رس وتی کا کام ہے۔"

سپر ماسٹر نے کہا "اپنی بیٹی سے ایک بات اور پوچھو۔ کیا سونیا اس تہ خانہ میں رہ کر ماسک مین سے دماغی رابطہ قائم کر رہی تھی؟ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی دوہری چال چل رہی ہو۔"

تن سنگ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا "سونیا بوڑھے جگ پال سے باتیں کرنے کے دوران سوچ کے ذریعہ کسی مرد سے بھی باتیں کرتی جاتی تھی۔"

یہ سن کر میں چونک گیا کیونکہ میں ہی سونیا سے باتیں کر رہا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ باتیں انگریزی زبان میں ہو رہی تھیں۔ رس وتی میرے دماغ تک پہنچ کر بھی میری سوچ کو گرفت میں نہیں لے سکی تھی۔ ہاں میرے دماغ کو ضرور چھیڑ سکتی تھی۔ پتہ نہیں وہ میری اصلیت معلوم کرنے کے لیے کب تک میرے دماغ میں چپ چاپ بیٹھی رہی ہو۔ میں مطمئن تھا کہ وہ میری سوچ کو نہ پاسکی۔ کیونکہ میں سونیا کے بعد سے یوگن سے بھی انگریزی زبان میں باتیں کرتا رہا تھا۔ رومانہ کی سوچ پڑھنے کے دوران بھی وہی انگریزی زبان تھی۔

بہرحال اگر رس وتی میری سوچ کو پڑھ چکی ہوتی تو یقیناً اب تک میرے دماغ سے کھیلنے کی کوشش کر ڈالتی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ یہی بات میرے لیے باعثِ اطمینان تھی۔

سپر ماسٹر نے کہا "اگر سونیا سوچ کے ذریعہ کسی مرد سے باتیں کر رہی تھی تو وہ یقیناً ماسک مین یا اس کا کوئی آدمی ہوگا کیا رس وتی نے اس مرد کے دماغ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی؟"

تن سنگ نے خاموش رہ کر اپنی بیٹی سے پوچھا پھر اس نے کہا "رس وتی تھوڑی دیر تک اس شخص کے دماغ سے بھی چپکی رہی لیکن وہ بدستور انگریزی بولتا رہا۔ اس وقت رس وتی کو اپنی دوسری مصروفیتوں کا بھی خیال رکھنا تھا۔ اس لیے وہ سونیا اور اس کے ساتھی کے دماغ سے نکل گئی۔"

سپر ماسٹر نے پوچھا "کیا رس وتی اپنی مصروفیات کے بعد پھر اس شخص کے دماغ میں نہیں پہنچی؟"

"نہیں، میری بیٹی انگریزی زبان کے لہجے اور تلفظ کو یاد نہیں رکھ سکتی کیونکہ یہ زبان اس کے لیے بالکل ہی اجنبی ہے۔ اسی لیے وہ دوبارہ اس شخص تک نہ پہنچ سکی۔ لیکن وہ اس بات کی منتظر ہے کہ سونیا سوچ کے ذریعہ پھر اس شخص سے باتیں کرے گی۔ ویسے ابھی میں نے ایک چونکا دینے والی بات تمہیں نہیں بتائی ہے۔"

"وہ کیا بات ہے؟" سپر ماسٹر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

افسوس کہ میں وہ چونکا دینے والی بات معلوم کرنے کیلئے تن سنگ کے دماغ میں نہیں گھس سکتا تھا۔ ورنہ میں اسے کہنے سے روک دیتا۔ لیکن اس وقت میں خود نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہنے والا ہے۔ اس نے سپر ماسٹر سے کہا "رس وتی کہتی ہے کہ سونیا سوچ کے ذریعہ گفتگو کرنے کے دوران کئی بار فرہاد کا نام لے چکی ہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ فرہاد سے مخاطب ہے۔"

سپر ماسٹر کے ہاتھ سے جام چھوٹ کر گر پڑا۔ میرے ہاتھوں کے طوطے بھی اڑ گئے تھے، میں نے اب تک اتنے پاپڑ بیل کر اپنی ذات کو دشمنوں سے چھپایا ہوا تھا اور یہ پوشیدگی ایک پل میں عیاں ہو رہی تھی۔

سپر ماسٹر اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا اور بے یقینی سے کہہ رہا تھا "یہ ناممکن ہے۔ فرہاد کی موت کی دستاویزی فلم ہمارے پاس موجود ہے۔ وہ مر چکا ہے۔ تم رس وتی سے اچھی طرح پوچھو کیا سونیا کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ فرہاد کو مخاطب کر رہی ہو؟"

"میں اس معاملہ میں رس وتی سے اچھی خاصی بحث کر چکا ہوں۔ وہ انگریزی نہیں جانتی اس لیے اندازہ نہ کر سکی کہ سونیا فرہاد کو مخاطب کر رہی ہے۔ لیکن ہم تم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ کسی شخص سے باتیں کرتے وقت فرہاد کا نام بار بار کیوں لے رہی تھی؟"

سپر ماسٹر نے کہا "ہم بھی اس وقت بار بار فرہاد کا نام لے رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس نامعلوم شخص سے فرہاد کے متعلق گفتگو کر رہی ہو۔ یا کسی اور وجہ سے فرہاد کا حوالہ دے رہی ہو۔"

سپر ماسٹر نے بڑے معقول دلائل پیش کیے تھے اور ایسے دلائل اس کے دماغ میں اس لیے آتے تھے کہ وہ میری موت کی دستاویزی فلم دیکھ چکا تھا اور یہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا کہ فائرنگ اسکواڈ کی گولیوں سے مرنے والا فرہاد دوبارہ زندہ ہو سکتا ہے۔

سپر ماسٹر نے مسکراتے ہوئے کہا "مسٹر تن سنگ! تمہارے دھرم میں یہ کہا جاتا ہے کہ مرنے والے دوبارہ جنم لیتے ہیں۔ شاید تم اسی عقیدہ کے مطابق سوچ رہے ہو۔"

"نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ پتہ نہیں کیوں میرے دماغ میں یہ بات آتی ہے کہ فرہاد مرا نہیں تھا۔ وہ اب بھی زندہ ہے اور اگر زندہ ہے تو رس وتی سے نہیں چھپ سکے گا۔ کل میری بیٹی کسی نہ کسی طرح سونیا کے دماغ سے حقیقت اگلوا لے گی۔"

"ہاں، شبہات کی تصدیق ہونا چاہیئے۔ میں خود اس نامعلوم شخص کے متعلق جاننا چاہتا ہوں، جس سے سونیا سوچ کے ذریعہ باتیں کرتی ہے۔ ایسا اسی وقت ہو سکتا ہے کہ سونیا تم لوگوں کی زبان میں گفتگو کرے۔"

تن سنگ نے کہا "شنکر کی رپورٹ ہے کہ جب وہ سونیا کو تہ خانہ میں چھوڑ کر اوپر اپنے کمرے میں آیا تو سونیا نے دیوی بن کر سوچ کے ذریعے اسے مخاطب کیا تھا۔ شنکر پہلے تو فریب میں آ گیا۔ پھر محتاط ہو گیا تو سونیا نے تسلیم کر لیا کہ وہ دیوی بن کر باتیں کر رہی تھی۔ لیکن افسوس اس وقت رس وتی شنکر کے دماغ میں موجود نہیں تھی۔ وہ تمہاری سوچ کو گرفت میں لینے کے لیے انگریزی کے جملے یاد کر رہی تھی۔"

"مسٹر تن سنگ! تم رس وتی کو مشورہ دو کہ وہ جلد از جلد انگریزی زبان سیکھ لے ورنہ سونیا پر کبھی برتری حاصل نہیں کر سکے گی۔ میں ایسے ٹیوٹرز کا انتظام کر سکتا ہوں جو اسے چار چھ ماہ میں یہ زبان سکھا دیں گے۔"

"یہ نہایت ہی معقول مشورہ ہے۔ میں رس وتی کو یہ زبان سیکھنے پر آمادہ کر لوں گا۔"

"ویری گڈ۔ اب تم اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ روانگی کی تیاری کرو۔ رس وتی جہاں رہے گی وہاں ٹیوٹرز پہنچ جائیں گے۔"

تن سنگ وہاں سے چلا گیا۔ سپر ماسٹر نے ریسیور اٹھا کر اپنے سیکرٹری کو کال کیا۔ پھر اسے حکم دیا کہ تن سنگ کو اس کی فیملی کے ساتھ ہندوستان بھیجنے کا فوراً انتظام کیا جائے۔ پھر وہ ریسیور رکھ کر سوچنے لگا "یہ کیسی مصیبتیں نازل ہو رہی ہیں؟ پہلے پتہ چلا کہ سونیا ٹیلی پیتھی کے ذریعے گرین لینڈ سے جان بچا کر آئی اور ریڈیا ور والوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ پھر ایٹمی دھماکہ نے ہماری کمر توڑ دی۔ اب یہ دوسری ٹیلی پیتھی جاننے والی بلا پیدا ہو گئی ہے۔"

وہ بڑی آزادی سے سوچ رہا تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ رس وتی اس کی زبان نہیں جانتی ہے۔ اس کی سوچ کو نہیں پڑھ سکے گی۔ وہ سوچ رہا تھا "اگر رس وتی سے دوستی ہو جاتے تو موجودہ نقصانات کی کسی حد تک تلافی ہو جائے گی۔ ہو سکتا ہے کہ سونیا بھی۔۔۔"

وہ سوچتے سوچتے ٹھٹھک گیا۔ پھر اس کی سوچ آگے بڑھی۔ "آخر یہ سونیا خاموش کیوں ہے؟ یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ ٹیلی پیتھی جانتی ہے۔ پھر وہ میرے دماغ کو کیوں نہیں چھیڑ رہی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ چپ چاپ میرے متعلق معلومات حاصل کر رہی ہو۔ اور ہمارے تمام منصوبوں سے واقف ہوتی جا رہی ہو۔"

وہ بے چینی سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ دشمن سامنے ہو تو زیادہ خطرناک نہیں ہوتا۔ چھپ کر رہے تو جان سے مارنے کی بجائے ہلکان کرتا رہتا ہے۔ اس طرح چھپ کر رہنے والی حرکت بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ سپر ماسٹر کا سکون برباد ہو رہا تھا اور وہ خود کو سمجھا رہا تھا کہ اس کے دماغ میں سونیا موجود نہیں ہے اگر ہوتی تو رس وتی سے ہونے والی دوستی کی حمایت یا مخالفت میں ضرور کچھ کہتی۔ وہ یقیناً کسی دوسرے اہم معاملہ میں مصروف ہو گئی ہے۔

اس نے اپنی تسلی کے لیے سانس روک لی تا کہ سونیا اس کے دماغ سے نکل جائے لیکن تین پیگ وسکی پینے کے بعد وہ چند ساعتوں کے لیے سانس روک تو سکتا تھا مگر سانسوں کے ساتھ دماغ کی سوچوں کو ایک جگہ نہیں روک سکتا تھا۔

تن سنگ نے کئی ماہ پہلے سپر ماسٹر کو سمجھا دیا تھا کہ سپر ماسٹر اور اس کے آدمی سانس رکنے میں مہارت حاصل نہیں کر سکتے۔ کیونکہ شراب اور عورت یہ دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو اندر سے کمزور بنا دیتی ہیں اور اس کی تنظیم کے سب ہی لوگ عیاش تھے۔ یوگا فوج کے چند نوجوان اپنے نفس پر قابو پانا چاہتے تھے مگر پھر بہک ہی جاتے تھے

یہ بات مجھ پر بھی صادق آتی ہے۔ میں شراب نہیں پیتا، لیکن حسین لڑکیاں آپ ہی آپ میری زندگی میں چلی آتی ہیں۔ میں شراب کی طرح شباب سے بھی پرہیز کر سکتا ہوں لیکن نہیں کرتا۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ مجھے اپنی اس کمزوری سے پیار ہے اور

یہی وجہ ہے کہ میں آج تک سانس رکنے کا فن نہ سیکھ سکا۔

بہر حال اس وقت سپر ماسٹر بھی سانس رکنے میں ناکام رہا۔ پھر جھنجھلا کر چو بھا پیگ بناتے ہوئے بولا "یو ڈرٹی سونیا! تم میری کھوپڑی میں بیٹھی رہو۔ میں تم سے خائف نہیں ہوں۔ جب تک تم مجھ سے رابطہ قائم نہیں کروگی، میں کوئی خفیہ منصوبہ نہیں بناؤں گا۔"

اس نے چند گھونٹ پیے۔ پھر ایک میز پر آکر بیٹھ گیا اور پیپر بیگ سے ایک کاغذ اور قلم نکال کر استعفیٰ لکھنے لگا کہ سونیا کے علاوہ ایک اور بلا اس کی کھوپڑی میں گھس آئی ہے اس بلا سے فی الحال اتنا خطرہ نہیں ہے کیونکہ وہ انگریزی زبان نہیں جانتی۔ لیکن سونیا ہر وقت اس کے دماغ سے خفیہ منصوبوں کو کرید سکتی ہے۔ لہٰذا اسے ماسٹروں کی تنظیم سے ریٹائر کیا جائے۔

تب میں نے اس کی سوچ میں کہا "ہاں استعفیٰ دینا بہتر ہے۔ ایٹمی دھماکے کے بعد اعلیٰ حکام کا اعتماد مجھ پر سے اٹھ گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھے میرے موجودہ عہدے سے ہٹا دیتے۔ میں نے استعفیٰ دے دیا ہے۔ لیکن میرے بعد اب سپر ماسٹر کون بنے گا؟"

میں آئندہ مقرر ہونے والے سپر ماسٹر کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ سوچنے لگا "آں! میں ابھی کیسے اندازہ کر سکتا ہوں کہ میری جگہ کون آئے گا۔ اس بار تو اتنی رازداری برتی جائے گی کہ اس تنظیم کا ایک بھی فرد سپر ماسٹر کی شخصیت سے واقف نہیں ہو سکے گا۔ حتیٰ کہ اس کی آواز بھی نہیں سن سکے گا۔ خاص طور سے نئے سپر ماسٹر پر میرا سایہ بھی نہیں پڑنے دیا جائے گا۔"

وہ درست سوچ رہا تھا۔ اب اس خطرناک تنظیم کا سامنا دو ٹیلی پیتھی جاننے والوں سے تھا۔ اس لیے اب وہ بہت زیادہ احتیاط اور رازداری سے کام لینے والے تھے۔ فی الحال مجھے اس ریٹائر ہونے والے سپر ماسٹر سے کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اس لیے میں اس کے دماغ سے نکل آیا۔

اب میں دماغی طور پر طیارے کے اندر حاضر تھا۔ اس وقت میں نے گھڑی دیکھی۔ طیارے کے اسپیکر سے مسافروں کو اطلاع دی جا رہی تھی کہ آدھ گھنٹہ بعد وہ طیارہ استنبول کے ہوائی اڈہ پر بخیریت اتر جائے گا۔ تمام مسافر اپنی اپنی سیٹ پر سیدھے بیٹھ کر سیفٹی بیلٹ باندھنے لگے۔ میں نے اپنا سیفٹی بیلٹ باندھتے ہوئے ایئر ہوسٹس ریٹا کو دیکھا۔ وہ دور کھڑی ہوئی ایک بوڑھی مسافر عورت کو بیلٹ سے باندھ رہی تھی۔

ریٹا سے نظریں ملیں تو وہ محبوبانہ انداز میں مسکرانے لگی۔

میں نے بڑی مشکل سے مسکراتے ہوئے اس کی مسکراہٹ کو ہضم کیا، کیونکہ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ البتہ اپنی غرض اس کے ساتھ وابستہ تھی۔ میں نے بیس ہزار ڈالر ریٹا کے پاس رکھوائے تھے۔ وہ ایئر ہوسٹس بہ آسانی کسٹم والوں سے اتنی بڑی رقم بچا کر لے جا سکتی تھی اور بعد میں مجھے واپس کر سکتی تھی۔ میں نے اسے لالچ دیا تھا کہ اگر ایئرپورٹ کے احاطے سے باہر نکل کر میرے بیس ہزار ڈالر مجھے واپس مل جائیں گے تو میں اسے پانچ ہزار ڈالر دوں گا۔

لیکن وہ ایئر ہوسٹس ریٹا خود کو بہت چالاک سمجھتی تھی۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے عاشقوں کو صرف ایک مسکراہٹ کے عوض کئی گران سے ساری رقم نکلوا سکتی ہے۔ وہ مجھے بھی دھوکا دے کر میری تمام رقم کو ہضم کر لینا چاہتی تھی اور میں فی الحال اس کی خوشی پوری کر رہا تھا۔

طیارے نے اپنے وقت پر لینڈ کیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد میں دوسرے مسافروں کے ساتھ طیارے سے باہر جانے لگا۔ ایک اندیشہ تھا کہ کہیں میں میک اپ کے باوجود پکڑا نہ جاؤں۔ اپنے اطمینان کے لیے میں نے دنود شرما کی سوچ پڑھی۔ وہ بدستور رومانہ کے کاٹیج میں قید تھا اور رومانہ کے آدمی اس کی نگرانی کر رہے تھے۔

میں نے سیکرٹری وشوا ناتھ اور منیجر دیال چند کی سوچیں بھی پڑھیں۔ سیکرٹری نے میری ہدایات کے مطابق منیجر کے سامنے میری روانگی کے متعلق لاعلمی ظاہر کی تھی یعنی اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ میرے خلاف رپورٹ نہیں کی گئی ہے۔ ایئر ہوسٹس ریٹا نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اپنے پاسپورٹ وغیرہ پر وہاں کی مہر لگوا کر ٹیکسی اسٹینڈ کے پاس اس کا انتظار کروں۔ وہ اپنی ڈیوٹی کی مکمل رپورٹ پیش کرنے کے بعد وہاں آئے گی اور مجھے اپنے فلیٹ میں لے جائے گی۔

میں چیکنگ کے مرحلہ سے بخیریت نکل آیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ریٹا نہیں آئے گی۔ میں ویٹنگ روم کے ایک صوفہ پر بیٹھ کر اس کی سوچ پڑھنے لگا۔ وہ اپنے فلیٹ تک جانے کے لیے ٹیکسی کی محتاج نہیں تھی۔ کیونکہ اس کی آمد و رفت کے لیے کمپنی کی ایک بس مخصوص تھی۔

پینتالیس منٹ کے بعد وہ کمپنی کے دوسرے ملازموں کے ساتھ اس بس میں بیٹھ کر جانے لگی۔ مجھے اس کی سوچ بتا رہی تھی کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف آیا۔ پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو پاشا اسٹریٹ کی طرف جانے کے لیے کہا۔ پھر پچھلی سیٹ سے ٹیک لگا کر دماغ کی اسکرین پر ریٹا کو دیکھنے لگا۔

وہ ایک بڑی سی عمارت کے سامنے بس سے اتر گئی تھی

عمارت کی پیشانی پر "مریم لاج" لکھا ہوا تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں اٹیچی اٹھائے اور اپنے شانہ سے بیگ لٹکائے مریم لاج کی دوسری منزل میں آئی۔ پھر بیس نمبر کے فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر چابی سے اسے کھولنے لگی۔ وہ بہت خوش تھی کیونکہ اپنی دانست میں بیس ہزار ڈالر کے ایک الو کو الو بنا کر آئی تھی اور اب اتنی بڑی رقم صرف اس کی اپنی ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ بڑی ترنگ میں گنگنا رہی تھی۔

اپنے فلیٹ میں آکر اس نے جھومتے لہراتے ہوئے اٹیچی کو فرش پر چھوڑا۔ بیگ کو پلنگ پر پھینکا۔ پھر ریکارڈ پلیئر کو آن کر کے اس کی موسیقی کی تال پر رقص کرنے لگی۔ دولت خوب نچاتی ہے اگر وہ دولت حرام کی ہو تو اور زیادہ لباس کے باہر نچانے لگتی ہے۔ وہ باتھ روم میں جانے کے لیے ناچتے ناچتے لباس اتارنے لگی۔

اتنے میں دروازے پر دستک سنائی دی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ کہیں دنود شرما نہ آگیا ہو۔ پھر اس کے دماغ نے سمجھایا "نہیں ابھی تو وہ ایئرپورٹ میں کم از کم آدھے گھنٹے تک انتظار کرے گا۔ پھر کسی سے میرا پتہ معلوم کرے گا۔ میرے دفتری ریکارڈ میں میرے اس فلیٹ کا پتہ نہیں لکھا ہوا ہے۔ دفتر سے اسے میری آنٹی کے گھر کا پتہ معلوم ہوگا اور وہ بے چارہ بھٹکتا ہی رہ جائے گا۔"

یہ سوچنے کے ساتھ اس نے سلیپنگ گاؤن نکال کر پہن لیا۔ دروازے پر دوسری دستک ہوئی۔ اس کے خیال کے مطابق کوئی پڑوسن ہو سکتی تھی۔ اس نے گنگناتے ہوئے دروازے کو کھولا۔ پھر ایک دم سے گھبرا گئی۔ کھلے ہوئے دروازے پر میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اس نے فوراً ہی دروازے کو بند کرنا چاہا۔ میں نے ایک پاؤں آگے بڑھا دیا۔ اب وہ چیخنا چاہتی تھی لیکن اس کا دماغ میرے کنٹرول میں تھا اس لیے اس کی چیخ حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ میں نے دروازے کو بند کرتے ہوئے کہا "بے شک تمہارے اس فلیٹ کا پتہ دفتر میں موجود نہیں ہے لیکن تمہاری جیسی عورتوں کے تمام خفیہ پتے میرے دماغ میں موجود رہتے ہیں۔"

وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ رہی تھی۔ پھر تھوک نگلتی ہوئی بولی۔ "تم... تم سمجھو گے کہ میں تمہیں دھوکا دے کر یہاں آگئی ہوں مگر میں سچ کہتی ہوں۔ تمہاری رقم کی حفاظت کے لیے مجھے بھاگ کر یہاں آنا پڑا۔ ایک آفیسر میرے پیچھے پڑ گیا تھا اور اس رقم میں سے حصہ مانگ رہا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ اسے دھوکا دے کر یہاں آؤں گی۔ پھر لباس بدل کر تم سے ملنے دوبارہ ایئرپورٹ کے ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف جاؤں گی۔"

"واقعی؟" میں نے خوشی کا اظہار کیا "پھر تو تم بڑی ایماندار ہو۔ اب میں تم پر شبہ نہیں کروں گا۔ ہم دوست ہیں کافی پلاؤ گی؟"

اسے مایوسی ہوئی کہ میں اس کی قربت سے بہک نہ سکا۔ وہ بظاہر مسکراتی ہوئی بولی "تم آرام سے بیٹھو، میں ابھی کافی بنا کر لاتی ہوں۔"

وہ جلدی سے کچن کی طرف چلی گئی۔ اب اس کے ذہن میں یہ بات تھی کہ خواب آور گولیاں کافی میں گھول کر مجھے پلائے گی۔ جب میں غافل ہو جاؤں گا تو بیس ہزار ڈالر کی رقم وہاں سے لے جا کر اپنی آنٹی کے ہاں پہنچائے گی تاکہ اس فلیٹ میں یہ ثبوت نہ رہے کہ وہ میرے بیس ہزار ڈالر لے کر یہاں آئی ہے۔

میں نے بستر پر پڑے ہوئے اس بیگ کو دیکھا جس میں وہ رقم رکھی ہوئی تھی۔ میں وہ بیگ اٹھا کر وہاں سے جا سکتا تھا لیکن وہ جگہ وقت گزارنے کے لیے اچھی تھی۔ وہیں میں دنود شرما کے میک اپ سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ پچیس منٹ بعد وہ کافی کی دو پیالیاں لے کر آئی۔ میرے سامنے میز پر وہ پیالی رکھی جسے میں خالی کر کے خواب خرگوش کے مزے لے سکتا تھا۔ دوسری پیالی اس نے بیٹھتے وقت اپنے سامنے رکھی۔

میں نے کہا "گھٹن کا احساس ہو رہا ہے۔ ذرا وہ کھڑکی کھول دو۔"

وہ پھر ایک بار مسکراتی ہوئی اپنی جگہ سے اٹھی اور کھڑکی کی طرف جانے لگی۔ اس کا دماغ میری مٹھی میں تھا اور وہ کھڑکی کھولنے تک پلٹ کر میری طرف نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں نے بڑے اطمینان سے پیالیاں بدل دیں۔ اس نے واپس اپنی جگہ آکر احتیاطاً دونوں پیالیوں کو سرسری نظروں سے دیکھا۔ پھر یہ دیکھ کر مطمئن ہو گئی کہ میں کافی کی چسکیاں لے رہا ہوں۔

وہ اپنی پیالی اٹھا کر پینے لگی۔ پینے کے دوران وہ بڑے رومانی انداز میں مجھے یقین دلا رہی تھی کہ زندگی میں پہلی بار وہ کسی مرد کے ساتھ تنہائی میں بیٹھی ہوئی ہے اور بے چاری کو شرم بھی آ رہی ہے۔ کافی پینے کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھی پھر باتھ روم میں چلی گئی۔ میں اپنے جوتے اور لباس اتارنے لگا۔

دوسری بار باتھ روم کا دروازہ کھلا۔ وہ کمرے میں آتے ہوئے جماہی لے رہی تھی۔ اس نے بستر کے سرے پر بیٹھتے ہوئے مجھے دیکھا کہ مجھ پر نیند کا غلبہ ہے یا نہیں؟ میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا "کیا تمہیں نیند آ رہی ہے؟"

وہ اپنے سر کو تھام کر بولی "ہاں کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے؟"

وہ اپنی نیند سے لڑ رہی تھی اور دوا اپنا اثر دکھا رہی تھی۔ میں بھی سوچ کے ہاتھوں سے اس کے ذہن کو تھپکنے لگا۔

جب اس کی آنکھیں بند ہوگئیں تو میں نے اس کے دماغ کو ہدایت دی کہ وہ دوسری صبح آٹھ بجے سے پہلے بیدار نہ ہو۔ اس کے بعد میں اس کی سنگار میز کے پاس آیا۔ پھر وہاں بیٹھ کر وینیشنگ کریم سے میک اپ اتارنے لگا۔

اس دوران میں نے سونیا سے رابطہ قائم کیا۔ اس کے ٹرین کے سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔ وہ ایک ائیر کنڈیشنڈ کیبن میں آرام سے لیٹی ہوئی روڈمانیہ سے استنبول کی طرف آ رہی تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا تو وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گئی "فرہاد! تم کہاں گم ہو گئے ہو۔ کیا اب میری یاد آئی ہے؟"

میں نے کہا "اب جھگڑا شروع نہ کر دینا۔ میں تمہاری خبر لیتا رہا ہوں۔ تم بخیریت تھیں۔ اس لیے میں نے تمہیں مخاطب نہیں کیا۔"

"اگر مخاطب کر لیتے تو کیا تمہاری عیاشی میں فرق آجاتا۔"

"تمہاری جلی کٹی باتوں سے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔ کیا تم کام کی باتیں نہیں سنو گی؟"

"چولھے میں گیا تمہارا کام۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کہاں ہو؟"

"تمہیں تو شاید میں نے بتایا تھا کہ آسٹریلیا میں ہوں۔ کل صبح استنبول کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔"

میں نے سونیا سے اس لیے جھوٹ کہا کہ وہ استنبول پہنچتے ہی میری طرف دوڑی چلی آئے گی۔ میں خود اس سے ملنے کے لیے بے تاب تھا لیکن حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہی مناسب ہوتا۔ اور سونیا ایسی تھی کہ وہ مجھ سے ملنے کی خاطر حالات کی پرواہ نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن جھوٹ بولنے کے بعد فوراً ہی خیال آیا کہ وہ استنبول پہنچنے سے پہلے ہی میری بُو سونگھ لے گی۔ میں استنبول میں اس سے چھپ کر نہیں رہ سکوں گا۔ وہ شکایتاً بولی "اگر کل بھی تم وہاں سے روانہ نہ ہو سکے تو میں کب تک انتظار کرتی رہوں گی؟"

"میں تمہیں انتظار کی زحمت سے بچاؤں گا۔ لو تمہاری محبت اور دیوانگی سے خوف زدہ ہو کر میں تم سے پہلے ہی استنبول پہنچ رہا ہوں بلکہ پہنچ گیا ہوں۔"

"دیکھو مذاق نہ کرو، تمہیں میری جان کی قسم بتاؤ کہاں ہو؟"

"میری تمہاری جان ایک ہی ہے اور اس ایک جان کی قسم میں استنبول میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔"

وہ خوشی سے اچھل پڑی "سچ۔ ہائی گاڈ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"جب تم یہاں پہنچتے پہنچتے میری بُو کو پا لو گی تو تمہیں یقین آجائے گا۔ اب کام کی بات سنو۔ وہ بوڑھا جگ پال سے زیادہ کتا ہے۔ اس کا نام رس ونتی ہے۔ میں نے اس کے متعلق معلومات حاصل کر لی ہیں۔"

"یہ تو میں پہلے ہی جانتی تھی کہ تم اس دیوی تک ضرور پہنچو گے۔ خدا کرے کہ وہ بوڑھی کھوسٹ ہو۔"

میں نے کہا "تمہاری دعا قبول ہو گئی۔ وہ سچ مچ بڑھیا ہے لیکن ٹیلی پیتھی کے ذریعہ دوسروں پر یہی ظاہر کرتی ہے کہ وہ سولہ برس کی چھوکری ہے۔"

سونیا خوشی سے نہال ہو گئی۔ عورت کی یہ سب سے بڑی تمنا ہوتی ہے کہ اس کے مرد سے ملنے والی ہر عورت بوڑھی ہو۔ میں نے سونیا کی یہ تمنا پوری کر دی۔ وہ خوش ہو کر بولی "اچھی بات ہے۔ جب مجھ سے سامنا ہو گا تو میں اس بڑھیا کو آنکھوں سے دیکھ لوں گی۔"

"تم اصلی رس ونتی سے نہیں مل سکو گی۔ وہ سمجھتی ہے کہ وہ تمہارے سامنے آکر باتیں کرے گی تو تم ٹیلی پیتھی کے ذریعہ اس کے دماغ تک پہنچ جاؤ گی۔"

"لیکن وہ تو حبسِ دم کی ماہرہ ہے۔ پھر مجھ سے کیوں ڈرتی ہے؟"

"اس لیے کہ وہ ہمیشہ سانس روک کر بیٹھی نہیں رہے گی۔ اس کے خیال کے مطابق اگر سونیا وقت بے وقت اس کی سوچ کو چھیڑتی رہے گی تو اس کا ذہنی سکون برباد ہو جائے گا۔ اس لیے وہ کسی دوسری لڑکی کو تمہارے سامنے پیش کرے گی۔"

"تم اس کے دماغ تک کیسے پہنچ گئے؟"

میں اسے تفصیلی واقعات بتانے لگا کہ میں سُپر ماسٹر کے ذریعہ کسی طرح رس ونتی کی باتیں سنتا رہا۔ میں نے ساری باتیں سمجھانے کے بعد کہا "سونیا! اب تمہیں محتاط رہنا چاہیے وہ انگریزی نہیں جانتی لیکن سیکھ سکتی ہے۔ لہٰذا آئندہ میں جاپانی زبان میں تمہیں مخاطب کروں گا۔ اچھا ہوا کہ ہم نے جاپان میں یہ زبان سیکھ لی تھی۔ اب ہم اسی زبان میں گفتگو کریں گے دوسری بات یہ کہ آئندہ مجھے فرہاد کہہ کر مخاطب نہ کرنا ورنہ وہ بوڑھی ٹیلی پیتھی جاننے والی مجھے ڈھونڈ نکالے گی۔"

سونیا نے پوچھا "کیا وہ بڑھیا اس وقت ہماری باتیں نہیں سن رہی ہو گی؟"

"ممکن ہے، سن رہی ہو۔ مگر میں نے بتایا نا کہ وہ انگریزی نہیں سمجھ سکتی۔ لہٰذا ہماری باتیں اس کے پلے نہیں پڑ سکتیں۔"

"تم ابھی کیا کر رہے ہو؟"

میں نے بتایا کہ غسل کر رہا ہوں۔ اس نے پوچھا "سچ سچ بتاؤ کیا کسی ہوٹل میں ہو؟"

"آں۔ ہاں۔۔۔" میں جواب دیتے وقت جھجک گیا۔

"دیکھو جھوٹ نہ بولو۔ میں تمہارے انداز سے جھوٹ پکڑ لیتی ہوں۔"

"بھئی مشکل تو یہ ہے کہ سچ بولتا ہوں۔ تب بھی تم یقین نہیں کرتیں۔"

"سچ کیا ہے بتاؤ، میں یقین کروں گی۔"

"نہیں، تم پھر جھگڑا کرو گی۔"

"قسم سے جھگڑا نہیں کروں گی۔ نہیں بتاؤ گے تو مجھے نیند نہیں آئے گی۔"

یہ سونیا کی عادت ہے، کسی بات کے پیچھے پڑ جائے گی تو پوچھ کر ہی رہے گی۔ میں نے کہا "اچھا تو سنو۔ میں ایک ائیر ہوسٹس ریٹا کے فلیٹ میں ہوں۔"

وہ جل کر بولی "اور وہ حرامزادی کہاں ہے؟"

"وہ سو رہی ہے۔"

"اور تم سونے کے بعد غسل کر رہے ہو؟"

"تمہاری جان کی قسم میں نے اسے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔"

"ارے بگلا بھگت! کیوں مجھے بے وقوف بناتے ہو۔ میں تمہارے جھوٹ سے بہلنے والی عورت نہیں ہوں۔"

"دیکھو سونیا! میں نے تمہیں اپنا سمجھ کر سچ کہا ہے۔ مجھ سے چاہے جیسی بھی قسم لے لو۔"

"ہمیشہ جھوٹ بولنے والا اگر ایک بار سچ کہہ دے تو اس کی قسم کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ نکل جاؤ میرے دماغ سے۔ میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

میں چپ رہا۔ وہ تھوڑی دیر تک انتظار کرتی رہی جب میں نے کچھ نہ کہا تو وہ ایک جھٹکے سے لیٹ گئی۔ ایک کروٹ کے بعد دوسری کروٹ بدلنے لگی۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس کی ناراضگی میں بھی پیار ہوتا ہے۔ اس نے تکیہ کو اٹھا کر سینے سے بھینچ لیا۔ پھر مجھے آواز دی "تم خاموش کیوں ہو؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ اس کا دل مایوسی سے دھڑکنے لگا کہ میں ناراض ہو کر چلا گیا ہوں۔ اس نے پھر آواز دی "فرہاد! کیا تم سچ مچ چلے گئے فرہاد۔۔۔!"

اس کے دماغ میں وہی سناٹا رہا جو محبوب کی جدائی کے بعد رہتا ہے۔ اس نے ایک سرد آہ بھری۔ پھر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ پچھتا رہے کے آنسو تھے کہ اس نے مجھ کو ناراض کر دیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ میرے پیچھے میری جان بھیگی آنکھیں لیے آہیں بھرتی ہے۔ بس جان لینا کافی ہے۔ عورت کے سامنے اپنی معلومات کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ وہ اور سر چڑھ جاتی ہے۔

کچھ دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ سونیا نے جلدی سے بھیگی آنکھوں کو اپنی آستین سے خشک کیا۔ پھر برتھ پر سے اٹھ کر دروازے تک آئی۔ پھر اس نے سوچ کے ذریعہ مجھے پکارا۔ "فرہاد! اگر تم میرے دماغ میں موجود ہو تو مجھے سہارا دو۔ میں بے خوف و خطر دروازہ کھولوں گی۔"

وہ خوف اور خطرات کو خاطر میں لانے والی عورت نہیں تھی۔ یونہی مجھے اپنے دماغ میں ڈھونڈ نکالنے کا بہانہ تراش لیا تھا۔ میں خاموش رہا تو اس نے اونہہ کہہ کر دروازے کو کھول دیا۔ دیوی رس ونتی کا قد آور اور خوبرو ماتحت شنکر وہاں کھڑا ہوا تھا۔ اس نے کیبن کے اندر آتے ہوئے کہا "ابھی تک سب خیریت ہے۔ ہم رات کے دو بجے تک بلغاریہ پہنچیں گے۔ وہاں سے استنبول جانے والی اورینٹ ایکسپریس میں دوبارہ ہمارا سفر شروع ہو گا۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم دیں۔"

"شکریہ! اب میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"مادام! میں نے سنا ہے کہ آپ ہندوستانی زبان جانتی ہیں۔ آپ میری زبان میں گفتگو کریں گی تو مجھے بڑی خوشی ہو گی۔"

سونیا فوراً ہی سمجھ گئی کہ رس ونتی، شنکر کے دماغ میں موجود ہے اور اپنی زبان کے ذریعے اس کی سوچ کو گرفت میں لینا چاہتی ہے۔ وہ ناگواری سے بولی "شنکر! اپنی زبان میں اپنی بڑھیا دیوی کو سمجھاؤ کہ بہت زیادہ چالاک بن کر مجھ سے کوئی چال نہ چلے۔ کبھی کبھی میرے دماغ میں آکر انگریزی جیسی اجنبی زبان سنتی رہے اور صبر کرتی رہے۔"

"مادام! آپ غلط سمجھ رہی ہیں۔ دیوی آپ کے خلاف کوئی چال نہیں چل رہی ہیں۔"

سونیا نے ہاتھ اٹھا کر کہا "بس، مجھے نہ سمجھاؤ۔ اپنی دیوی کو بتا دو کہ میرا ایک ماتحت ہے، جو فرہاد کا دوست رہ چکا ہے۔ اب میں اپنے ماتحت سے انگریزی کے بجائے کسی دوسری زبان میں گفتگو کروں گی۔"

شنکر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ میں نے چپ چاپ اس کے دماغ میں جھانکنا چاہا تو اس کی سانس ایک ساعت کے لیے رک گئی۔ اس نے مسکرا کر سونیا سے کہا "مادام! آپ میری سوچ کو پڑھنا چاہتی ہیں۔ پلیز ابھی آپ میرے دماغ سے دور رہیں۔ میں دیوی تک آپ کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔"

سونیا اطمینان کا سانس لے کر برتھ پر بیٹھ گئی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ ابھی میں اس کے پاس موجود ہوں، اور شنکر کے دماغ کو چھیڑ رہا ہوں۔ ایک منٹ کے بعد شنکر نے کہا "مادام! آپ کی باتوں سے دیوی کو معلوم ہو چکا ہے کہ جب وہ سُپر ماسٹر سے

باتیں کر رہی تھیں تو آپ بھی سپر ماسٹر کے دماغ میں موجود تھیں۔ اسی لیے آپ فرہاد اور اجنبی زبان کا ذکر چھیڑ رہی ہیں۔ ورنہ بات صرف اتنی سی ہے کہ دیوی اپنی زبان میں آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہیں۔"

سونیا نے کہا "مجھے منظور ہے۔ شرط یہ ہے کہ تمہاری دیوی میرے رُوبرو باتیں کرنے کے لیے آتے۔ اس سے یہ بھی کہہ دینا کہ فراڈ نہیں چلے گا۔ وہ کسی دوسری لڑکی کو دیوی بنا کر پیش کرے گی تو میں اس کی اصلیت معلوم کر لوں گی۔"

شنکر پھر خاموشی سے سونیا کی باتیں دیوی تک پہنچانے لگا۔ سونیا نے مجھ سے کہا "تم شنکر کے دماغ میں گھس نہیں سکتے اس لیے یہاں حاضر رہنے کے لیے میرے دماغ میں ضرور موجود ہو۔"

"ہاں موجود ہوں۔ لیکن میری تمہاری کُٹی ہے۔ میں تو صرف رس ونتی کی چالیں سمجھنے آیا ہوں۔"

"آخر میرے ہی سہارے کی ضرورت پڑ رہی ہے نا؟"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ میں تمہاری عزت رکھنے کے لیے تمہارے واسطے سے کام کر رہا ہوں۔ ورنہ ابھی سب کے سامنے پول کھل جائے گا کہ تم ٹیلی پیتھی نہیں جانتی ہو۔"

"تم اپنی ٹیلی پیتھی اپنے پاس رکھو۔ مجھے جھوٹی شہرت نہیں چاہیئے۔"

اتنے میں شنکر نے اسے مخاطب کیا "مادام! جب آپ سپر ماسٹر کے دماغ میں موجود تھیں تو کیا آپ نے اس کے دماغ میں دیوی کی آواز سنی تھی؟"

سونیا نے میری سوچ کے مطابق کہا "ہاں۔ میں نے سُنا تھا۔ دیوی سپر ماسٹر کو دماغی جھٹکے پہنچانے کے بعد کہہ رہی تھی۔ 'مورکھ (بیوقوف) میں سونیا نہیں ہوں۔ مجھے جاننا چاہتے ہو تو بابا تن سنگ کو بلاؤ۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولو۔ بابا باہر کھڑے ہوئے ہیں'۔ تمہاری دیوی یہ باتیں اپنی زبان میں کہہ رہی تھی، اور سپر ماسٹر یہ زبان نہیں سمجھ سکتا تھا۔"

شنکر پھر اپنی دیوی سے سوچ کے ذریعہ باتیں کرنے کے لیے خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا "مادام! آپ دیوی کی آواز اور سوچ کے انداز کو پہچان گئی ہیں، پھر بھی آپ دیوی کے دماغ تک نہیں پہنچ سکیں گی۔ کیونکہ ہم سب نے اپنے دماغوں پر حبسِ دم کا پردہ ڈال رکھا ہے لیکن آپ کو سانس روکنے میں مہارت حاصل نہیں ہے۔ یعنی دیوی یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آپ ان کے دماغ کو نہیں چھیڑ سکتیں۔ وہ آپ کے دماغ کو گڑبڑا سکتی ہیں۔"

میں نے اچانک ہی شنکر کے دماغ کو جھٹکا پہنچایا تو وہ پہلے لڑکھڑا گیا۔ پھر فوراً ہی سانس روکتے ہوئے اپنے سر کو تھام کر برتھ پر بیٹھ گیا۔ سونیا میری سوچ کے مطابق کہنے لگی "یہ چھوٹا سا نمونہ ہے کہ میں کس طرح تم سب کو سانس روک کر بیٹھنے پر مجبور کر سکتی ہوں۔"

سونیا کی بات ختم ہوتے ہی میں نے اس کے دماغ میں رس ونتی کی آواز سنی۔ وہ کہہ رہی تھی "سونیا! میں ایک سہیلی بن کر تمہیں مخاطب کر رہی ہوں۔ اگر تم میری زبان میں مجھ سے باتیں کرو تو مجھے بڑی خوشی ہوگی کیونکہ جس انداز میں تم نے شنکر کو ذہنی جھٹکا پہنچایا ہے اسی انداز میں میں تمہاری زبان کو سمجھے بغیر تمہیں دماغی جھٹکا پہنچا سکتی ہوں اور یہی سلوک تم میرے ساتھ بھی کر سکتی ہو۔ ہم آپس میں لڑ جھگڑ کر ایک دوسرے کی راہوں میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکیں گی۔ کیا یہ سمجھداری نہ ہوگی کہ ہم آپس میں بہنیں بن جائیں۔"

تب میں نے سونیا کی سوچ میں رس ونتی کو مخاطب کیا۔

"اچھا چلو میں تمہاری زبان میں بول رہی ہوں جیسا کہ تمہیں معلوم ہو چکا ہے۔ فرہاد میرا محبوب تھا۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین دو سال اس کے ساتھ گزارے پھر دشمنوں نے اسے ہلاک کر دیا۔ میں آخری سانسوں تک فرہاد سے اور اس کے ملک سے محبت کرتی رہوں گی۔ لیکن تم بڑی طاقتوں سے ایٹمی امداد حاصل کر کے اپنے دیس کو پاکستان کے لیے خطرناک بنانا چاہتی ہو اور میں تمہارے ان عزائم میں تمہیں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

رس ونتی تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ سونیا کی آواز اور اس کے لہجے کو اپنی یادداشت میں محفوظ کرتی گئی۔ پھر اس نے کہا "سونیا! مجھے نہیں معلوم تھا کہ سیاست کے میدان میں میرا ایک مطالبہ تم پر گراں گزرے گا۔ اگر تمہیں اعتراض ہے تو میں سپر ماسٹر سے ایٹمی امداد طلب نہیں کروں گی۔"

"سوچ ورس ونتی! تم دیس بھگت ہو۔ تم نے ہی ایٹمی طاقت حاصل کرنے کے لیے بوڑھے جگ پال کو بے وقوف بنایا پھر تمہارا مطالبہ سپر ماسٹر تک پہنچ گیا۔ ویسے میں تمہیں بتا دوں کہ اب وہ ریٹائر ہو گیا ہے اور اس کی جگہ ایک نیا سپر ماسٹر آنے والا ہے۔ وہ اتنا محتاط رہے گا کہ ہم دونوں اس کی سوچ تک نہیں پہنچ سکیں گی۔"

"یہ تو بہت بُری خبر ہے۔ کوئی بات نہیں، ابھی ہم اپنی دوستی کے بارے میں باتیں کرنا چاہیئں۔"

میں نے کہا "ایک دوسرے کو رفتہ رفتہ جان لینے کے بعد دوستی مستحکم ہوتی ہے۔ فی الحال دوستی کی ابتدا سمجھو اور کوشش کرو کہ مجھے کبھی تم سے کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔ پھر تم مجھے جان قربان

کرنے والی سہیلی پاؤ گی۔"

"تم بھی مجھے ایسی ہی پاؤ گی۔ آج مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے بھگوان کرے ہماری دوستی قائم رہے۔"

"انشاءاللہ...." میں نے بحیثیت ایک مسلمان بے اختیار انشاءاللہ کہہ دیا۔ جب کہ سونیا ایسا نہیں کہہ سکتی تھی۔ رس ونتی نے چونک کر پوچھا "کیا تم نے فرہاد کے ساتھ رہ کر اسلام قبول کر لیا تھا؟"

میں نے سونیا کی طرف سے جواب دیا "اسلام قبول تو نہیں کیا تھا، البتہ اس مسلمان کی ہر ادا مجھ میں سما گئی ہے۔ کیا تمہارا کوئی محبوب نہیں ہے؟"

رس ونتی نے ایک سرد آہ بھری پھر کہا "میں اس دنیا کے کسی انسان کو اپنا محبوب نہیں بنا سکتی کیونکہ میں دیوتاؤں کی داسی ہوں۔"

"پھر تو دیوتاؤں سے تمہاری ملاقاتیں ہوتی ہوں گی؟"

وہ جھینپ کر بولی "یہ بات نہیں ہے۔ میرے ماتا پتا نے مجھے بچپن سے مندر کی سیوا کے لیے وقف کر دیا تھا۔ اس لیے مجھ جیسی کنیاؤں (لڑکیوں) کو دیوتاؤں کی ملکیت کہا جاتا ہے۔ اس دنیا کا کوئی شخص ہمیں چھو نہیں سکتا۔"

"اگر کوئی تمہیں چھو لے تو؟"

"میں اسے دماغی عذاب میں مبتلا کر دوں گی۔"

"تم بہت دلچسپ ہستی ہو۔ بہرحال اب میں سونا چاہتی ہوں۔"

رس ونتی رخصت ہو گئی۔ ہو سکتا تھا کہ وہ بظاہر رخصت ہو کر سونیا کے دماغ میں موجود ہو۔ دماغ کے اندر چھپے ہوئے چور کو نہ تو میں پکڑ سکتا ہوں اور نہ ہی وہ پہچان سکتی ہے۔ سونیا اپنے دماغ میں ہماری باتیں سن رہی تھی۔ رس ونتی کے رخصت ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے مجھے جاپانی زبان میں مخاطب کیا "اے فریبی! سُن رہے ہو۔ یہ دیوی تو خود کو لڑکی کہہ رہی تھی۔ تم نے جھوٹ کیوں کہا تھا کہ وہ بوڑھی ہے۔"

"اس نے جھوٹ کہا تھا کہ وہ جوان لڑکی ہے۔"

"میں ہندوستان کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہوں۔ وہاں مندروں میں بوڑھی نہیں جوان داسیاں ہوتی ہیں۔ کیا تم اپنے جھوٹ اور فریب سے باز نہیں آؤ گے۔ میری آڑ لے کر ابھی کہہ رہے تھے کہ وہ بہت دلچسپ ہستی ہے۔ یعنی تمہاری دلچسپی شروع ہو چکی ہے۔"

"بھئی میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ اب آرام سے سو جاؤ۔"

"میرے سونے جاگنے کی فکر نہ کرو۔ اس دیوی کے پاس جا کر اسے سُلاؤ۔"

"میری جان! خوب غصہ دکھا لو۔ جب یہاں آؤ گی تو تمہاری اچھی طرح مرمت کروں گا۔ اب میں سونے جا رہا ہوں۔ خدا حافظ۔"

اس نے مجھے آواز دی مگر میں واپس آ گیا۔ ریٹا اپنے بستر پر محوِ خواب تھی۔ میں نے اسے اٹھا کر فرش پر ڈال دیا۔ پھر اس کے بستر پر آرام سے لیٹ کر رومانہ کی خبر لینے لگا۔ اس کا سفر بخیریت جاری تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مجھے استنبول میں تلاش کر سکے گی یا نہیں؟

میں نے اس کی سوچ میں اسے یقین دلایا کہ وہ کوشش کرے گی تو اس کا فرہاد اسے ضرور مل جائے گا۔ اس کی سوچ کی لہروں سے جذبے اُمنڈ رہے تھے۔ وہ جو ہمیشہ مرد بن کر زندگی گزارنا چاہتی تھی اور عورت بن کر رہنے میں اپنی کمزوری اور توہین محسوس کرتی تھی، وہی رومانہ مجھے پا لینے کے لیے مکمل عورت بن گئی تھی۔

اس کے جذبات کی تمام تصویریں میں اس کے دماغ کے آئینہ میں دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ تمام جذبے دماغ سے جنم لے کر جسم کی رگ رگ میں دوڑتے ہیں اور میں اس کے تپتے ہوئے کنوارے اچھوتے بدن کے ہر جذبہ کو سوچ کی انگلیوں سے چھو کر دیکھ رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا اور محظوظ ہو رہا تھا۔

ایسی قربت کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ میں اس کے پاس نہیں تھا مگر اس کے اندر موجود تھا۔ وہ پاس ہوتی تو اپنے بہت سے خیالات و جذبات کو شرمیلی اداؤں میں چھپا لیتی تھی۔ کیونکہ عورت خود کو سپرد کرنے کے باوجود خود کو اپنے اندر چھپائے رکھتی ہے لیکن اس وقت میں اسے ایک کھلی کتاب کی طرح پڑھ رہا تھا۔

وہ اپنی آگ سے آپ ہی گھبرا گئی۔ اس نے ایئر ہوسٹس سے ٹھنڈا پانی طلب کیا۔ پھر اسے ایک سانس میں پینے لگی۔ ایک گلاس پانی سے جذبوں کی تمام کائنات کو بجھانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

میں نے اس کی سوچ کے ذریعہ اس کے ذہن کو تھپکنا شروع کر دیا۔ بہت دیر بعد وہ آہستہ آہستہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ اس کے بعد میں نے مے یون کی خبر لی۔ وہ بے چاری اسی بُڑھیا کے مکان میں سو رہی تھی۔ مجھے اطمینان ہو گیا۔ اب میں بھی آرام سے اپنی نیند پوری کر سکتا تھا۔

سونے سے پہلے میں نے ریٹا کی جانب دیکھا۔ جس انداز میں وہ مجھے سُلانا چاہتی تھی، میں نے اس سے بہتر انداز میں اسے سُلا دیا تھا۔ گہری نیند کے باعث اس کے خواب کی اسکرین خالی تھی۔ یعنی ایسے الجھے ہوئے خیالات تھے جو واضح طور سے خواب کی

صورت میں نظر نہیں آتے۔

میں نے سوچ کے ذریعہ اسے مخاطب کیا "ریٹا! تم سو رہی ہو۔ مگر میری سوچ کی گونگی آواز سن رہی ہو۔ بولو سن رہی ہو؟"

وہ نیند میں ذرا سا کسمسائی۔ پھر خواب کی اسکرین پر اپنے آپ کو دیکھنے لگی۔ وہ کہہ رہی تھی "ہاں میں تمہاری آواز سن رہی ہوں۔ تم کون ہو؟"

"میں تمہارا ماضی ہوں۔ یاد کرو کہ تمہارا ماضی کیا تھا؟"

اس کے لاشعور نے ماضی کا سبق دہرانا شروع کیا۔ میں اس کے خواب کی اسکرین دیکھ رہا تھا۔ مجھے وہ ریٹا نظر آئی جو بچپن سے جوانی کی طرف قدم رکھ رہی تھی۔ دوسری لڑکیوں کی طرح پہلے پہل وہ بھی شرمیلی تھی اور کسی ایک محبوب کا خواب دیکھتی تھی۔ لیکن اس کے چچا نے اسے فلم کی ہیروئن بنانے کے لیے اسے ایک بوڑھے فلم پروڈیوسر کی خواب گاہ میں پہنچا دیا۔ وہیں سے اس کے رومانی خوابوں کو آگ لگتی رہی۔ اس نے مفاد کی خاطر خود کو بیچنے کا سلیقہ سیکھ لیا۔ پھر ایک اسمگلر نے اپنے ذرائع استعمال کرتے ہوئے اسے ایئر ہوسٹس بنا دیا تاکہ وہ اس کے کام آتی رہے اور اسمگلنگ کے مال کو بحفاظت کسٹم والوں سے بچا کر اس کے پاس پہنچاتی رہے۔

مجھ سے حاصل ہونے والی بیس ہزار کی آمدنی اس کی اپنی ہوتی۔ اس میں اسمگلر کا حصہ نہ ہوتا۔ لیکن میں اس سے وہ آمدنی چھیننے والا تھا۔ میں نے پوچھا "کیا تمہارے آدمی اسمگلنگ کے سلسلہ میں اس طیارے میں سفر کرتے ہیں، جس میں تمہاری ڈیوٹی ہوتی ہے؟"

"ہاں۔ ایسے کچھ لوگ ہیں، جو اکثر میری ڈیوٹی کے اوقات میں طیارے میں مسافروں کی حیثیت سے موجود رہتے ہیں۔"

"ویری گڈ! میں دو روز بعد یہاں سے ہانگ کانگ واپس جاؤں گا تم اپنے کسی آدمی کا پاسپورٹ اور ویزا میرے حوالے کرو گی؟"

"ہاں کروں گی، مگر تم کون ہو؟"

"میں کوئی بھی ہوں۔ اپنی ضرورت کے وقت تمہارے اس پرائیویٹ فلیٹ میں آجاؤں گا اور جو حکم دوں گا اسکی تعمیل کرو گی۔"

"ہاں تعمیل کروں گی۔"

"بس اب آرام سے سو جاؤ۔ صبح آٹھ بجے بیدار ہو جانا۔"

اسے ہدایات دے کر میں نے اپنے ذہن کو سونے کی ہدایت کی اور جاگنے کا وقت مقرر کیا۔ اس کے بعد آرام سے سو گیا۔ آرام کی نیند مجھے بہت کم نصیب ہوتی ہے۔

صبح منہ اندھیرے آنکھ کھل گئی۔ میں نے ضروریات سے فارغ ہو کر کچن میں اپنے لیے ناشتہ تیار کیا۔ ایک پیالی کافی پی۔ اس کے بعد ریٹا کا ہینڈ بیگ کھول کر دیکھا۔ اس میں پوری رقم موجود تھی۔ وہ قالین پر بدستور گہری نیند سو رہی تھی۔ سینے کے اتار چڑھاؤ سے سانسوں کی آمد و رفت کا پتہ چل رہا تھا۔ میں نے پانچ ہزار ڈالر نکال کر اس کے پاس رکھ دیئے۔ یہ اس کے کمیشن کی رقم تھی۔ وہ مجھے لوٹنا چاہتی تھی۔ لیکن حالات کے ہاتھوں وہ خود اتنی بار لٹ چکی تھی کہ میں اسے لوٹنا نہیں چاہتا تھا۔

میں نے فلیٹ کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ کاریڈور سنسان پڑا تھا۔ میں نے باہر آکر دروازے کو بند کر دیا۔ جب میں کاریڈور سے گزرنے لگا تو ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا۔ ایک بوڑھی عورت باہر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ پھر دور تک فلیٹس کے دوسرے دروازوں کو دیکھنے لگی۔ شاید اندازہ کرنا چاہتی تھی کہ میں کون سے فلیٹ سے نکل کر آ رہا ہوں۔ جب تک وہ اندازہ کرتی، میں اس عمارت سے باہر ایک گلی میں پہنچ چکا تھا۔ گلی کے اطراف چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔ وہاں صبح سویرے ہی کاروبار شروع ہو جاتا تھا۔ بلاؤز اور اسکرٹ پہنی ہوئی عورتیں ریڑھوں پر پھل اور سبزیاں فروخت کر رہی تھیں۔ میں شیو بنوانے کے لیے ایک باربر شاپ میں داخل ہو گیا۔ شیونگ کے دوران سونیا کی خبر لی۔ وہ ٹرین میں بخیریت سفر کر رہی تھی، اور بلغاریہ سے گزرتی ہوئی ترکی کی طرف آ رہی تھی۔

پھر میں نے یون کی خبر لی۔ وہ دن گن رہی تھی۔ اس کے حساب سے جدائی کا ایک دن گزر چکا تھا۔ آج دوسرا دن تھا اور تیسرے یا چوتھے دن میں اس کے پاس پہنچنے والا تھا اور یہ دن اور راتیں اس کے لیے پہاڑ بن گئی تھیں۔ میں نے اس کی سوچ میں سمجھایا "یہ دن تو گزر ہی جائیں گے۔ مجھے گھوم پھر کر بھی وقت گزارنا چاہیئے۔"

اس کی سوچ نے کہا "کسی تفریح میں میرا دل نہیں لگتا۔ میں اسی گھر میں اس کا انتظار کروں گی۔"

میں نے پھر سمجھایا "ایک جگہ قید ہو کر انتظار کرنے سے وقت نہیں گزرے گا۔ مجھے کم از کم اپنے باپ اور اپنی بہن سے ملاقات کرنا چاہیئے۔"

وہ جیسے چونک گئی۔ میرے پیار کی دیوانگی ایسی تھی کہ اس نے خون کے رشتوں کو بھی بھلا دیا تھا۔ اب وہ سوچ رہی تھی "ہائے میں دیوتا کے پیار میں کیسی خود غرض بن گئی ہوں۔ اپنوں کو بالکل ہی بھلا بیٹھی ہوں۔ ٹھیک ہے۔ مجھے ان سے ملنا چاہیئے رسے یون اور بابا میرے لیے پریشان ہوں گے۔"

میں نے اسے اب اپنے طور پر سوچنے کے لیے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ارادہ تھا کہ رومانہ سے رابطہ قائم کروں گا۔ لیکن شیو ہو چکا

تھا۔ میں بل ادا کر کے باہر آ گیا۔ اب میں کسی دوسری جگہ اطمینان سے بیٹھ کر ہی رومانہ کے خیالات پڑھ سکتا تھا۔ یوں تو چلتے پھرتے بھی یہ ممکن تھا لیکن وہ میرے لیے اجنبی جگہ تھی اس لیے میں راستہ چلتے دماغی طور پر حاضر رہنا چاہتا تھا۔

میں بھٹکتا ہوا گرانڈ بازار میں پہنچ گیا۔ یہ ایک بہت ہی وسیع و عریض عمارت کے اندر چھپا ہوا بازار ہے۔ اندر پہنچ کر باہر کے مناظر دکھائی نہیں دیتے۔ اس عمارت کے اندر دکانیں گلیاں اور فٹ پاتھ وغیرہ سب ہی کچھ تھے۔ اس کی چھتیں محراب نما تھیں۔ عاشق مزاج نوجوان فٹ پاتھ پر کھڑے ہوئے سامنے سے گزرنے والی عورتوں کو تکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ میں نے ایک جنرل اسٹور میں پہنچ کر میک اپ کا تمام سامان خریدا۔ اپنے لیے ایک ریڈی میڈ۔ سوٹ بھی لیا۔ پھر اس پوشیدہ بازار کی عمارت سے باہر آ گیا۔

میں اپنے اصل روپ میں تھا۔ روپ بدلنے کے لیے کسی بند کمرے میں یا کسی ویران مقام پر پہنچنا ضروری تھا۔ میں نے ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور سے کہا کہ مجھے شہر سے باہر کسی ویرانے میں لے چلے۔ وہ میرا منہ تکنے لگا۔ یعنی وہ انگریزی نہیں جانتا تھا میں نے اشاروں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ تب اس نے شہر کا نقشہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اس نقشہ کے باعث مجھے استنبول کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ میں نے ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا "یہاں لے چلو۔"

گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرنے کے بعد رومانہ کے پاس پہنچ گیا۔ وہ ایک خوبصورت سے سجے ہوئے کمرے میں ایک آرام دہ صوفہ پر بیٹھی ہوئی کسی کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کی سوچ سے پتہ چلا کہ وہ استنبول پہنچ گئی ہے۔ طیارے میں ایک عورت اس کی ہمسفر تھی۔ دونوں میں اس حد تک دوستی ہو گئی کہ اس عورت نے رومانہ کو یقین دلایا کہ وہ اس کے فرید کو استنبول میں تلاش کرنے کے سلسلے میں اس کی مدد کرے گی۔

میرا ارادہ تھا کہ میں میک اپ کرنے کے بعد دشمنوں کی طرف سے بے فکر ہو کر کسی بھی ایسی جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں رومانہ موجود ہو گی۔ ابھی اس بات کا ذرا اطمینان ہوا کہ اس نے کسی کو سہیلی بنا کر اپنے رہنے کا ٹھکانہ بنا لیا ہے۔ اتنے میں وہ عورت اس کے کمرے میں آ گئی۔ اس کے ساتھ تین مرد تھے۔ ایک ادھیڑ عمر کا آدمی چشمہ لگائے ہوئے تھا۔ باقی دو ہٹے کٹے جوان تھے۔ ان میں سے ایک کا سر منڈا ہوا تھا۔ اور وہ چہرے سے ہی درندہ نظر آتا تھا۔

رومانہ نادان بچی نہیں تھی۔ وہ منہ زور لہروں سے کھیلنے والی یوں سنبھل کر بیٹھ گئی تھی جیسے سمندر میں طوفان کی آمد کی خبر پا لی ہو۔

اس عورت نے مسکرا کر کہا "رومانہ ڈارلنگ! گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ استنبول کے چپہ چپہ سے واقف ہیں۔ تمہارے بولنے فرینڈ کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ تم نے سفر کے دوران فرید کے متعلق جو عجیب و غریب باتیں بتائی ہیں وہ ان لوگوں کو بھی بتا دو۔"

رومانہ نے کہا "یہ تو تم بھی بتا سکتی ہو۔ ایک تو یہ کہ وہ حیرت انگیز طور پر پھرتیلا ہے۔ اس پر اچانک حملہ کیا جائے تب بھی وہ اپنا بچاؤ کر لیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس میں سونگھنے کی حس غیر معمولی ہے۔ ہم کہیں بھی رہیں، وہ ہماری بو پا کر ہمارے پاس پہنچ سکتا ہے۔"

مجھے یاد آیا کہ میں نے بحری جہاز میں رومانہ اور سمندری عقاب سے اپنی ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو چھپانے کے لئے جھوٹ کہا تھا کہ مجھ میں سونگھنے کی حیرت انگیز صلاحیت ہے۔ وہ میری اسی جھوٹی صلاحیت کا ذکر کر رہی تھی اس ادھیڑ عمر کے آدمی نے اپنی ناک پر چشمہ کو درست کرتے ہوئے کہا "اگر اس میں سونگھنے کی صلاحیت ہے اور اگر وہ استنبول میں موجود ہے تو وہ تمہاری بو پا کر یہاں بھی آ سکتا ہے۔"

"ہاں آ سکتا ہے لیکن وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں اسے منانے آئی ہوں۔"

بوڑھے نے کہا "سنو لڑکی! ہماری معلومات کے مطابق صرف ایک ہی عورت سونگھنے کی غیر معمولی حس رکھتی ہے۔ اس عورت کا نام سونیا ہے۔ اور ایسا شخص جو اچانک حملوں سے بچ نکلتا ہو اور تمہارے پیا کو دی جانے والی زہریلی شراب کا علم حیرت انگیز طور پر جسے ہو گیا تھا، وہ صرف فرہاد علی تیمور ہی ہو سکتا ہے۔"

یہ باتیں سن کر ساری باتیں سمجھ میں آ گئیں کہ رومانہ ماسٹروں کی تنظیم کے لوگوں میں جا پھنسی ہے۔ اس نے کہا "میں کسی فرہاد علی تیمور کو نہیں جانتی۔"

اس شخص نے جیب سے ایک تصویر نکال کر پوچھا "کیا تمہیں اس شخص کی تلاش ہے؟"

رومانہ نے تصویر کو دیکھتے ہی اسے لے کر اپنے دھڑکتے ہوئے سینے سے لگا لیا "ہاں مجھے اسی کی تلاش ہے۔ یہی میرا فرید ہے مجھے اس کے پاس لے چلو۔"

"مس رومانہ! یہ فرید نہیں ہے۔ اس کا اصل نام فرہاد علی تیمور ہے۔"

"مجھے نام سے کیا لینا ہے۔ میں صرف اپنے محبوب کو چاہتی ہوں۔"

"صرف تم اسے نہیں چاہتیں۔ اس دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جتنے قاتل بدمعاش اور بین الاقوامی

طرز پر سازشیں کرنے والی تنظیمیں ہیں، ان سب کے افراد اسے چاہتے ہیں۔ زندہ یا مُردہ ...."

"اوہ!" روما نہ نے چونک کر پوچھا "اچھا تو تم سب وہی ہو، جن سے فرید چھپتا پھرتا ہے؟"

"ہاں۔ اس نے اپنی موت کا اتنا مکمل ڈرامہ پیش کیا تھا کہ ہم اب تک اسے مُردہ سمجھ رہے تھے۔ میں تمہاری اطلاع کے لیے یہ کہدوں کہ ہم اسے زندہ رکھنا چاہتے ہیں، بشرطیکہ وہ ماسٹروں کی تنظیم کا وفادار بن جائے۔"

روما نہ نے کہا "اسے جرائم سے نفرت ہے۔ اس لیے میں نے اپنا راستہ بدل دیا۔ بہتر ہے کہ تم لوگ بھی اپنا راستہ بدل دو۔ ورنہ فرید کو مُردہ دیکھنے کی تمنا رکھنے والے میرے ہاتھوں سے زندہ بچکر نہیں جائیں گے۔"

"ہاہاہا۔ واہ واہ واہ" اس سر منڈے وہ مذسے نے بڑی درندگی سے ہنستے ہوتے کہا "میری جان! سب سے پہلے میں تمہاری آغوش میں مرنا پسند کروں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی روما نہ صوفہ پر بیٹھے بیٹھے فرش کی جانب جھک گئی جیسے سجدے میں جا رہی ہو، پھر جمناسٹک کی شہزادی دو ہاتھوں کے بل پر فضا میں اچھلتی ہوئی سر منڈے کے پاس اس طرح پہنچی کہ دونوں ٹانگوں سے اس کی گردن میں قینچی ڈالتی ہوئی دوسری طرف فرش پر پہنچ گئی۔ یہ سب اتنی جلدی ہوا جیسے بجلی کوندی ہو۔ اور وہ بجلی سر منڈے کی گردن کی قینچی بن گئی تھی۔۔۔ وہ بڑا ہی شہ زور تھا۔ اس داؤ سے نکل سکتا تھا لیکن میں نے منڈی ہوئی کھوپڑی کے اندر پہنچ کر اس کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب کر دی تھیں۔ وہ کسی اندھے کی طرح دیدے پھاڑ کر ادھر اُدھر دیکھتا ہوا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن روما نہ کی گرفت سے اپنی گردن چھڑانے کا داؤ اسے یاد نہیں آ رہا تھا۔

سر منڈے کا دوسرا ساتھی روما نہ پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ بوڑھے آدمی نے ریوالور کی نال میں سائلنسر لگاتے ہوتے کہا۔ "رک جاؤ۔ میں ہنگامہ پسند نہیں کرتا۔" پھر اس نے اپنی ناک پر عینک کو درست کرتے ہوئے کہا "مس روما نہ! تم سیدھی طرح اپنی جگہ پر آکر بیٹھ جاؤ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔"

اس نے سر منڈے کو چھوڑ دیا۔ الٹی قلابازی کھا کر کھڑی ہو گئی۔ بوڑھے نے یہی سمجھا کہ وہ دھمکی میں آگئی ہے لیکن اچانک اس کے ریوالور پر [illegible]۔ ریوالور فضا میں اچھل کر [illegible] ہی دور تھے۔ مگر ان سے پہلے وہ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی ریوالور کو فرش پر سے اٹھاتی ہوئی صوفہ پر آرام سے بیٹھ گئی۔

وہ میزبان عورت سہم کر دیوار سے جا لگی تھی۔ وہ بوڑھا اور اس کے دونوں ہٹے کٹے ساتھی ابھی تک یوں فرش پر جھکے ہوئے تھے جیسے وہاں سے ریوالور اٹھا رہے ہوں۔ انھیں آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ حسین لڑکی اتنی پھرتیلی ہو سکتی ہے اور اب موت کا سامان اس کے ہاتھ میں آگیا ہے۔

وہ بوڑھا کھسیانی مسکراہٹ کے ساتھ سیدھا کھڑا ہو کر بولا "تم بہت باکمال لڑکی ہو۔ میں تو صرف دھمکی دے رہا تھا ورنہ میں تمہیں دوست بنانے آیا ہوں۔"

روما نہ نے سفاکی سے کہا "مجھے ہاتھ میں ریوالور لیکر دھمکی دینا نہیں آتا۔ اگر قتل کا فیصلہ کروں گی تو پہلی فرصت میں گولی مار دوں گی۔ لہٰذا میرے فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بتاؤ کہ آخر تم لوگ فرید کے پیچھے کیوں پڑے ہوتے ہو؟ دنیا میں اور بھی باکمال لوگ موجود ہیں۔"

بوڑھے نے کہا "بیشک اس دنیا میں ایک سے ایک باکمال لوگ موجود ہیں لیکن فرہاد سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ وہ ٹیلی پیتھی جانتا ہے۔"

"ٹیلی پیتھی؟" روما نہ نے چونک کر حیرانی سے پوچھا "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ کسی کے بھی دماغ میں چھپی ہوئی باتیں پڑھ لیتا ہے؟"

"ہاں، اس کے سامنے جو بھی آتا ہے۔ یا وہ جس کی آواز سُن لیتا ہے۔ اس کے دماغ کی سوچوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی محسوس نہیں کیا کہ وہ تمہاری بھی سوچیں پڑھتا رہا ہے؟"

"نہیں، میں نے کبھی دھیان نہیں دیا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ وہ میرے چھپے ہوئے خیالات پڑھتا رہا ہوگا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں...."

وہ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔ اچانک اسے یاد آیا کہ مے یون پُراسرار قوتوں کی مالکہ تھی۔ لیکن چھپی ہوئی سازشوں کا علم اسے نہیں ہوتا تھا۔ بیانے چائے میں خواب آور دوا گھول کر پلانا چاہا تھا۔ ٹھیک اسی وقت فرید آکر مے یون کو اپنے کیبن میں لے گیا تھا۔ کیا فرید نے بیانا کے خیالات کو پڑھ لیا تھا؟ ہاں ہو سکتا ہے۔ وہی مے یون کو بحری جہاز سے نکال کر لے گیا تھا۔ اس نے میرے خیالات کو بھی پڑھ لیا تھا کہ میں اپنے پیار کی خاطر مے یون کو اس سے الگ کرنا چاہتی ہوں۔

"اوہ فرید! تم کتنے گہرے ہو اور میں تمہاری گہرائی کو نہ پا سکی۔ تمہیں اوپر ہی اوپر سے دیکھتی، سمجھتی اور پیار کرتی رہی۔ میں پہلے سچ مچ اس قابل نہ تھی کہ تم مجھے اپنا رازدار بنا سکتے۔ میں نے اپنی نادانی سے تمہیں ناراض کر دیا۔ ایک بار صرف ایکبار مجھے مل جاؤ۔ میں تمہارے قدموں میں لوٹ کر اور تڑپ تڑپ کر یقین

دلاؤں گی کہ میں کتنی بدل گئی ہوں۔"

وہ سوچ میں میرے لیے تڑپ رہی تھی۔ اچانک اسے اپنے ذہن پر بوجھ محسوس ہوا۔ سر منڈا اسے غافل پاکر اس پر چھا گیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے روما نہ کے ریوالور والے ہاتھ کو گرفت میں لیکر دوسرے ہاتھ سے اس کا گلا دبوچ رہا تھا۔ ایسے وقت روما نہ کو پتہ چل رہا تھا کہ وہ کیسا فولادی انسان ہے اور اتنا وزنی ہے کہ وہ اسے ٹانگوں پر اچھال کر نہیں پھینک سکتی۔ میں اس کے گلا گھونٹنے کا تماشہ نہیں دیکھ سکتا۔ مجبوراً میں نے اسے ایک دماغی جھٹکا پہنچایا۔ وہ اچھل کر پیچھے گیا۔ پھر سینٹر ٹیبل سے ٹکرا کر گر پڑا۔ اسے اپنا سر تھام کر سوچنے سمجھنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ روما نہ نے اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی فائر کر دیا۔ کھٹ کی آواز کے ساتھ منڈی ہوئی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا۔ اس کا دوسرا ساتھی دروازے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ فائرنگ کی دوسری سرگوشی نے اسے دروازے پر ہی روک دیا۔ اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل کو تھام کر جھول گیا۔ پھر دروازے سے لگ کر پھسلتا ہوا فرش پر اوندھے منہ ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

اب اس کے ریوالور کا رُخ بوڑھے کی طرف تھا۔ بوڑھے نے مارے دہشت کے نہیں نہیں کی گردان کرتے ہوئے کہا "تت... تم میری بیٹی ہو۔ مجھے نہ مارو۔ میں تمہیں فرہاد سے ملاؤں گا۔"

اس وقت روما نہ کا دھیان میری طرف تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اس نے سر منڈے پر جوابی حملہ نہیں کیا تھا۔ وہ اس قابل نہیں تھی کہ اسے اچھال کر پھینک دیتی، پھر وہ کس طرح آپ ہی آپ کراہتے ہوتے پیچھے جا گرا تھا؟ کیا فرید اس کی مدد کر رہا ہے؟

میں نے اسے ایسا سوچنے سے نہیں روکا کیونکہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کا علم اسے ہو چکا تھا۔ میں بار بار اس کے سوچنے کے انداز کو بدلتا۔ وہ بار بار یہی سوچتی کہ میں اس کے خیالات پڑھتا رہا تھا، اور اب بھی پڑھ رہا ہوں۔ اسی لیے وہ میری طرف سے ملنے والی مدد پر غور کر رہی تھی اور جب امداد پہنچانے والی بات آئی تو اسے یہ بھی یاد آیا کہ بحری جہاز میں تمام لوگ دشمنوں کے نرغے میں تھے اور پرنس مے یون کی عزت سے کھیلنا چاہتا تھا۔ تب بھی فرید نے ہی اس کی مدد کی ہوگی۔ مے یون بذات خود پُراسرار قوتوں کی مالکہ نہیں ہے اسے فرید نے پُراسرار بنا دیا ہے۔

اس خیال کے ساتھ ہی وہ سوچنے لگی "مجھے پھر ایکبار آزمانا چاہیئے کہ خطرے کے وقت فرید میری مدد کرتا ہے یا نہیں ہے؟ میں یہ ریوالور اس بوڑھے کے سامنے پھینک دوں گی۔ یہ مجھ پر فائرنگ کرے گا۔ جیسا کہ پرنس نے مے یون پر فائرنگ کی کوشش کی تھی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ آزمائش بڑی خطرناک ہوگی۔ اگر فرید میری سوچ نہ پڑھ رہا ہو تو یہ بوڑھا سچ مچ مجھے مار ڈالے گا۔"

اس کی سوچ نے کہا "کیسے مارے گا؟ اس سے پہلے کہ یہ فائر کرے، میں اپنے کرتب دکھا کر اس کا تختہ کر دوں گی۔ مجھے صرف یہ دیکھنا ہے کہ فرید میری مدد کے لیے موجود ہے یا نہیں؟"

یہ سوچتے ہی اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر ریوالور کو بوڑھے کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا "ایک ہی صورت میں تمہاری سلامتی ہے اور وہ یہ کہ تم یہ ریوالور اٹھا کر مجھ پر گولی چلاؤ۔"

بوڑھا اور وہ میزبان عورت دونوں ہی اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔ بوڑھے نے ہچکچاتے ہوئے کہا "ن... نہیں! میں تم پر فائر نہیں کروں گا۔ میں یہ ریوالور تمہیں واپس دے رہا ہوں۔"

اس نے ریوالور کو اٹھانے کے لیے فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ میں فوراً ہی اس کے دماغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ وہ ریوالور اٹھاتے ہی فائر کر دے گا۔ لیکن اسی لمحہ اس کا ذہن بدل گیا۔ اب اس کی کھوپڑی میں میرا دماغ تھا۔ کیونکہ دماغ کی چار دیواری پر جس کی سوچ کا قبضہ ہوتا ہے، وہ دماغی گھر اس کا ہوتا ہے۔ اس نے جھک کر ریوالور کو گرفت میں لینا چاہا مگر اس کا ہاتھ ریوالور سے ایک انچ ادھر آگیا۔ وہ قالین کو پکڑ رہا تھا۔

اس نے دوسری بار کوشش کی۔ پھر تیسری بار، پھر چوتھی بار، لیکن ہر بار اس کا ہاتھ کبھی ریوالور کے اِدھر اور کبھی اُدھر جاتا رہا اور وہ جیسے مکھیاں مارتا رہا۔ تب میں نے اس بوڑھے کے دماغ میں بیٹھے بیٹھے روما نہ کی آواز سنی۔ وہ خوشی سے دیوانی ہو کر کہہ رہی تھی "مجھے یاد آگیا۔ مے یون کے سامنے بھی پرنس اسی طرح ریوالور کو فرش سے اٹھانا چاہتا تھا اور نہیں اٹھا سکا تھا۔ بیانا نے قہقہہ لگا کر کہا تھا کہ پرنس! ریوالور اٹھا رہے ہو یا مکھیاں مار رہے ہو؟"

وہ مسرتوں کے ہجوم میں پاگل ہو کر اس میزبان عورت سے لپٹ گئی "میرا فرید میرے پاس ہے۔ وہ دیکھو وہاں ہے۔ اسے ریوالور اٹھانے کا موقعہ نہیں دے رہا ہے۔ وہ یہاں موجود ہے۔ ہائے میں خوشی سے مر جاؤں گی۔ فرید! مجھے آواز دو۔ مجھے اپنے پاس بلاؤ۔"

وہ اپنی خالی آغوش کو بھرنا چاہتی تھی اسی لیے جذباتی انداز میں اس میزبان عورت کو اپنے بازوؤں میں بھینچ رہی تھی۔ اس کی قوت کا اندازہ وہ بیچاری عورت ہی لگا رہی تھی کیونکہ اسکی سانس رُکی جا رہی تھی۔

وہ بوڑھا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے لہجے میں بولنے لگا۔ "روما نہ! میں تمہارے پاس موجود ہوں۔"

وہ چونک کر بوڑھے کو دیکھنے لگی۔ کیونکہ اس کی زبان سے میں بول رہا تھا۔ وہ میرے لب و لہجہ کو پہچانتی تھی۔ اس بوڑھے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگی۔ میں نے کہا "میں اس بوڑھے کے دماغ میں موجود ہوں۔ اس کی زبان سے بول رہا ہوں اور اس کی آنکھوں سے تمہیں قریب آتے دیکھ رہا ہوں۔"

وہ بوڑھے کے قریب آ کر رک گئی۔ اس کے چہرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھتی ہوئی شدید حیرانی سے بولی "فرید! یہ کیا طلسم ہے؟ آنکھوں سے دیکھ کر بھی یقین نہیں آ رہا ہے۔"

"یقین آ جائے گا۔ مجھے فرید نہیں فرہاد کہو۔ یہی میرا اصلی نام ہے۔ اب فرش پر سے ریوالور اٹھا لو۔ میں تمہارے دماغ میں آ رہا ہوں۔"

اس نے فوراً ہی ریوالور اٹھا لیا۔ پھر گم صم ہو کر اپنے دماغ کے اندر میرا انتظار کرنے لگی۔ حالانکہ ٹیلی پیتھی کے ذریعہ سوچ کی لہریں انتظار نہیں کراتیں۔ میں تو اس کی پلک جھپکنے سے پہلے ہی اس کے اندر سما گیا تھا۔ میں نے بڑے پیار سے پوچھا "رومانہ! مجھے اپنے اندر تلاش کر رہی ہو؟"

وہ ایک دم سے صوفہ پر بیٹھ گئی "تم... تم فرید نہیں فرہاد! میرے فرہاد! کیا میرے دماغ میں ابھی تم نے کچھ پوچھا ہے۔ بالکل تمہارا لہجہ ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ میری سوچ تمہارا لہجہ یاد کر رہی ہو؟"

"نہیں میری جان! میں تمہارے اندر بول رہا ہوں اور اسی کا ثبوت پیش کر رہا ہوں۔"

یہ کہتے ہی میں نے اس کی سوچ میں کہا "مجھے اٹھنا چاہیے۔" وہ اچانک کھڑی ہو گئی۔ پھر میری دوسری ہدایت کے مطابق بیٹھ گئی۔ جب میں نے اس کے دماغ کو اپنی گرفت سے آزاد کیا تو وہ سوچنے لگی کہ وہ کیوں اچانک کھڑی ہوئی پھر بیٹھ گئی؟

میں نے کہا "یہ ٹیلی پیتھی کا کمال ہے۔ میں نے تمہاری سوچ اختیار کر کے تمہیں اٹھایا اور بٹھایا تھا۔"

"اوہ فرہاد! تم کتنے عجیب و غریب ہو۔ میں نے تمہاری قدر نہیں کی۔ مجھے معاف کر دو۔"

"تم نے میری قدر کی ہے اور کر رہی ہو۔ میں سوچ کی راہوں کا بھیدی ہوں۔ تم سے دور رہ کر بھی تمہاری سوچیں پڑھتا رہا۔ میں نے تمہیں پچھتاتے اور روتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ تم میری خاطر بحری جہاز کو فروخت کر کے میری پسند کی زندگی گزار رہی ہو۔ تم مجھ سے ملاقات کر کے زبان سے یہ سب کچھ بتانا چاہتی تھیں۔ دیکھ لو کہ میں بتائے بغیر ساری معلومات رکھتا ہوں۔"

"ہائے فرہاد! تم نے میرے دماغ کا بوجھ ہلکا کر دیا۔ میں یہ سوچ سوچ کر الجھ رہی تھی کہ کس طرح اپنے پچھتاوے کی داستان سناؤں گی اور کس منہ سے معافی مانگوں گی۔ مگر میری حالت زار سے واقف رہنے والے جادوگر تم بہت سنگدل ہو۔ تم نے سوچ کی انگلیوں سے بھی میرے آنسو نہیں پونچھے۔ کیا تم نے معاف نہیں کیا ہے؟"

"میں کبھی تم سے ناراض نہیں تھا۔ پھر معافی کیسی؟ ہاں یہ منظور ہے کہ میں ہمیشہ تمہارے پاس موجود رہا مگر تمہیں خبر نہ ہونے دی۔ میں چاہتا تھا کہ تم جدائی کی آگ میں جل کر کندن بن جاؤ تو محبت کا مفہوم اچھی طرح تمہاری سمجھ میں آ جائے گا۔"

"میں سمجھ گئی ہوں میرے جادوگر! اب تو آ جاؤ میرے پاس۔"

"آ جاؤں گا۔ ابھی تو میں شہر سے باہر ایک ویرانے میں اپنا روپ بدلنے جا رہا ہوں۔ واپسی میں تم جہاں بھی رہو گی میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

"کیا میں کسی ہوٹل میں قیام کروں؟"

"یہ بہتر ہو گا۔ اس مکان سے نکل جاؤ۔"

"میں قتل و غارت گری سے دور رہنا چاہتی تھی لیکن آج مجبوراً دو قتل کرنے پڑے۔ دو دشمن ابھی سامنے زندہ کھڑے ہیں۔ اگر انہیں بھی ٹھکانے نہ لگایا گیا تو یہ یا ان کے آدمی میرا پیچھا کریں گے۔"

"تم جو مناسب سمجھتی ہو کرو۔ میں فی الحال تمہارے دماغ سے رخصت ہو رہا ہوں۔"

"فرہاد! نہ جاؤ۔ میں بہت عرصہ تنہا رہ چکی ہوں۔ اب نہیں رہ سکتی۔"

"تم پہلے بھی تنہا نہیں تھیں۔ اب بھی نہیں رہو گی۔ اپنی مصروفیت سے فارغ ہوتے ہی پھر تمہارے وجود میں سما جاؤں گا۔ دیکھو مجھے اپنے اندر پا رہی ہو نا؟"

وہ سر جھکا کر شرمانے لگی۔ میں نے کہا "بس ٹھیک ہے۔ اسی طرح مجھے محسوس کرتی رہو۔ میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔ خدا حافظ۔"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ ٹیکسی شہر سے باہر نکل آئی تھی اور ایک پُرفضا مقام سے گزر رہی تھی۔ سڑک کے اطراف سرسبز شاداب جنگلوں میں لوگ پکنک مناتے نظر آ رہے تھے۔ پتہ چلا کہ چھٹی کے دن بڑے بڑے دولت مند لوگ ادھر جنگل میں منگل منانے آتے ہیں۔ خوش باش لوگ مسلّم دنبوں اور بکروں کی کھالیں اتار کر آگ پر بھونتے ہیں۔ میں نے دیکھا درختوں کی اونچی شاخوں پر کھالیں دھوپ میں سکھائی جا رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے تفریحی مقامات میں صرف مرد نہیں ہوتے، وہاں طرح طرح کے ڈیزائن کی حسین عورتیں بھی تھیں۔

ٹیکسی ڈرائیور عقب نما آئینہ میں مجھے دیکھ رہا تھا۔ مجھ سے نظریں ملتے ہی اپنی زبان میں مسکراتے ہوئے کچھ کہنے لگا۔ میں سمجھ نہ سکا۔ اس نے اشاروں کی زبان میں پوچھا۔ کیا مجھے نیند آ رہی ہے؟

میں بڑی دیر تک آنکھیں بند کیے خیال خوانی میں مصروف تھا۔ اس کی سمجھ میں یہی آیا کہ میں سو رہا ہوں۔ میں نے بھی مسکرا کر اشاروں کی زبان میں سمجھایا کہ میں اپنی نیند پوری کر چکا ہوں۔ تقریباً چار میل اور آگے جانے کے بعد اس نے گاڑی روک دی۔ وہاں دور دور تک گھنے درخت نظر آ رہے تھے۔ اس نے اشاروں سے کہا کہ وہ میری واپسی کا انتظار کر سکتا ہے لیکن میں انکار کرتے ہوئے ٹیکسی سے باہر آ گیا۔ اس بیگ کو شانہ سے لٹکایا جس میں پندرہ ہزار ڈالرز میرا نیا سوٹ اور میک اپ کے لوازمات موجود تھے۔ پھر میں نے جیب سے پچاس ڈالرز نکال کر اسے دے دیئے۔

اس نے خوش ہو کر سلام کرنے کے انداز میں سر کو جھکایا۔ میں اطمینان سے پلٹ کر درختوں کے جھنڈ کی طرف جانے لگا۔ یہ اطمینان مجھے بڑا مہنگا پڑا۔ اچانک ہی سر کے پچھلے حصہ پر ایسی زبردست چوٹ پڑی کہ میں دن میں تارے دیکھتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔ وہ تکلیف ناقابلِ برداشت تھی۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی۔ اوندھے منہ گرنے کے بعد ایک بار اٹھنا چاہا۔ لیکن دوسری چوٹ نے میرے حواس گم کر دیئے۔

میری غفلت نے مجھے نقصان پہنچایا، ورنہ یہ تو سب ہی سمجھتے ہیں کہ کم از کم ویرانے میں پہنچ کر بعض ٹیکسی ڈرائیوروں سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ اگر میں ٹیکسی میں سفر کے دوران آنکھیں کھلی رکھتا تو یہ بات سمجھ میں آ جاتی کہ وہ عقب نما آئینہ میں صرف مجھے نہیں سامان سے بھرے ہوئے بیگ کو بھی دیکھ رہا تھا۔ بہرحال اب تو میں اپنے مقدر کی تاریکی دیکھ رہا تھا۔

پتہ نہیں چلا کہ تاریکی کا سفر کتنا طویل رہا۔ پھر میں نے دماغ کی اسکرین پر دیکھا کہ میرا جسم ہلکا پھلکا ہو کر فضا میں غبارے کی طرح ڈول رہا ہے۔ میرے قدموں تلے زمین نہیں تھی اور سر سے آسمان کا سایہ اٹھ گیا تھا۔ دور دور تک کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ ایسی رس بھری آوازیں سنائی دے رہی تھیں جیسے بہت سی عورتیں ہم آواز ہو کر کوئی انجانا سا گیت گا رہی ہوں۔

اس وقت میں خود اپنی شخصیت سے پوری طرح واقف نہیں تھا۔ خواب دیکھنے کے دوران ہم بہت سے معاملات میں بے بس ہوتے ہیں۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتے۔ جو کچھ ہمیں ہمارا لاشعور دکھاتا ہے ہم خاموش تماشائی کی طرح خواب کے پردے میں وہ دیکھتے رہتے ہیں۔ ایسے وقت مجھے یہ بھی یاد نہ رہا کہ میں ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ اگر مجھے یاد رہتا تو میں ان گیت گانے والیوں کی آواز کے سہارے ان کے دماغ تک پہنچ جاتا۔

میں دماغ کی دھندلی کائنات میں بھٹکتا ہوا ایک بلند و بالا معبد کے آہنی پھاٹک کے سامنے پہنچ گیا۔ پھاٹک کے اونچے اور مضبوط پٹ آپ ہی آپ کھلتے جا رہے تھے۔ اب مندر کی گھنٹیاں سنائی دے رہی تھیں۔ عود و عنبر کے منڈلاتے اور بل کھاتے دھوئیں سے پرے معبد کا اندرونی دروازہ دو باہوں کی طرح کھل رہا تھا۔

اتنی دیر فضا میں بھٹکنے کے بعد میرے قدم مندر کی دہلیز پر پہنچ گئے۔ اندر دیوالی کا سماں تھا۔ چاروں طرف دیئے روشن تھے۔ گیروے رنگ کی ساڑھیاں پہنی ہوئی نوجوان اور حسین داسیاں پیتل کی تھال اپنی اپنی ہتھیلی پر رکھے رقص کر رہی تھیں۔ تھال پر سجے ہوئے پھول، پرشاد اور دیئے بھی ان کے ساتھ رقص کناں تھے۔

مجھے دیکھتے ہی وہ سب باری باری رقص کرتی ہوئی میرے پاس آنے لگیں۔ میرا ہاتھ تھام کر مجھے آگے بڑھانے لگیں۔ آگے مہادیو کا ایک بڑا سا مجسمہ تھا۔ ایک ناگ شیو کی گردن سے لپٹا ہوا اپنا پھن اٹھائے ہوئے تھا۔ رس بھری آوازوں کا گیت مندر کی چاردیواری میں بدستور گونج رہا تھا۔ جب ان داسیوں کے کنوارے ہاتھوں نے مجھے مہادیو کے مجسمہ کے پاس پہنچایا تو وہ مجسمہ ہولے ہولے ایک طرف سرکنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی پیچھے والی دیوار ایک دروازے کی طرح کھلتی چلی گئی۔

میں کھلی ہوئی دیوار سے گزرتا ہوا ایک بڑے سے ہال میں پہنچ گیا۔ ہال کے وسط میں ایک بڑا سا حوض تھا۔ وہاں کچھ لوگ ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ ان میں سے دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر میرا لباس اتارا۔ پھر مجھے حوض میں لے جا کر غسل کرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ حوض کا پانی ٹھنڈا اور صاف و شفاف تھا۔ پتہ نہیں اس میں کون سی خوشبو گھول دی گئی تھی کہ میرا دماغ معطر ہو رہا تھا۔

غسل کے بعد مجھے ایک نیا سوٹ پہنایا گیا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ وہی سوٹ تھا جسے میں نے خریدا تھا۔ جب میں نے لباس پہن لیا تو تین داسیاں میرے پاس آئیں۔ پھر میرے دونوں ہاتھوں کو تھام کر مجھے اس ہال سے باہر لے گئیں۔ دروازے کے دوسری جانب ایک بہت ہی خوبصورت اور پُرتکلف خوابگاہ تھی۔ فرش پر قالین اتنا ملائم اور دبیز تھا کہ چلتے وقت پاؤں دھنسنے لگتے تھے۔ داسیوں نے مجھے ایک وسیع و عریض پلنگ پر بٹھا دیا۔ اس پلنگ کے چاروں طرف حریری پردے لہرا رہے تھے اور معطر حوض میں غسل کرنے کے بعد بھی میرے جسم سے اب تک خوشبو کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

داسیاں چلی گئیں۔ دروازہ بند ہو گیا۔ تب مجھے ایک رس

بھری آواز نے مخاطب کیا۔ "فرہاد! میں آرہی ہوں۔ آرام سے لیٹ جاؤ۔"

میں آرام سے لیٹ گیا۔ مجھے اپنے آپ پر اختیار نہیں تھا۔ مجھ پر جو کچھ گزر رہی تھی، میں اسے چپ چاپ قبول کر رہا تھا۔ میں یا تو خواب دیکھ رہا تھا یا پھر دماغ کے خلا میں بھٹک رہا تھا۔ اس وقت میں کوئی بات یقینی طور سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

مجھے دوبارہ وہی رس بھری آواز سنائی دی۔ "فرہاد! کیا تم مجھے میری آواز سے پہچان سکتے ہو؟"

جب میں نے جواب دیا تو مجھے اپنی آواز کسی اندھے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے کہا۔ "ہاں مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں بہت پہلے سے تمہاری آواز سنتا آرہا ہوں۔"

"نہیں۔ تم نے میری آواز پہلے کبھی نہیں سنی اور اب سن کر مجھے نہیں پہچانو گے۔"

"ہاں۔ میں نہیں پہچانوں گا۔"

"تم میرے مطیع اور فرمانبردار ہو۔ میرے ہر سوال کا جواب دوگے۔"

"میں ہر سوال کا جواب دوں گا۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"فرہاد علی تیمور۔"

"جب سونیا ٹرین میں سفر کر رہی تھی، اس وقت تم نے اس سے دماغی رابطہ قائم کیا تھا؟"

"ہاں۔ میں نے سوچ کے ذریعہ اس سے گفتگو کی تھی۔"

"تم نے سونیا کا لب و لہجہ اختیار کر کے رس ونتی سے بھی گفتگو کی تھی؟"

"ہاں۔ میں نے رس ونتی کو دھوکا دیا تھا، مگر۔۔۔"

میں کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی آواز آئی۔ "میں تمہاری سوچ پڑھ رہی ہوں۔ تم پوچھنا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ سنو میں کوئی بھی ہوں۔ تم بیداری کے بعد میری آواز کو اور اس خواب کو بھول جاؤ گے۔"

"ہاں میں بھول جاؤں گا۔"

"اچھا تو سنو۔ میں ٹرین کے سفر کی بات کر رہی ہوں۔ رس ونتی نے سونیا سے دوستی کرنے کے بعد اسے الوداع کہا تھا لیکن وہ رخصت نہیں ہوئی تھی۔ چپ چاپ سونیا کے دماغ میں موجود رہی۔ تب اس نے تمہاری آواز سنی۔ تم اجنبی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ زبان سمجھ نہ سکی مگر تمہارے دماغ تک پہنچنے کے لیے تمہاری آواز کو سہارا بناتی رہی۔

کسی کی سوچ تک پہنچنے کے لیے صرف آواز کافی نہیں ہوتی۔ لہجہ یاد رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے لیکن اسی جسم دم کی ماہرہ نے تمہاری سانسوں کے ساتھ ساتھ سانس لینا شروع کر دیا۔ یہ انسان کی سانسیں ہیں، جو دماغ کو زندہ رکھتی ہیں۔ دماغ سے جو گہرا رابطہ ہے وہی رابطہ رس ونتی نے۔۔۔ تم سے قائم کیا۔ تمہارے ساتھ سانس لیتے لیتے وہ تمہارے دماغ کو چھوتی رہی تب تم نے سونیا سے رخصت ہوتے ہی اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اپنی مادری زبان میں سوچا کہ تم ریٹا کی خوابگاہ میں ہو اور اب ریٹا کو پلنگ سے اٹھا کر قالین پر ڈال دینا چاہتے ہو۔

اس اردو زبان کی سوچ کو سنتے ہی رس ونتی تمہارے لب و لہجہ سے آشنا ہو گئی۔ انسان اپنی تہذیب اور اپنی زبان کا بے اختیار مظاہرہ کرتا ہے۔ تم اس کے بعد اطمینان سے اپنی زبان میں سوچتے چلے گئے۔ رس ونتی پر سارے حقائق کھل گئے کہ دراصل تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ کیونکہ اس کے بعد بھی تم نے مے یون اور رومانہ کے دماغوں میں جھانک کر دیکھا تھا۔ ان سے اجنبی زبان میں باتیں کی تھیں۔ وہ باتیں سمجھ میں نہیں آئیں مگر آخر میں یہ معلوم ہوا کہ تم اپنے سونے اور جاگنے کا وقت مقرر کرتے ہو اور تمہارا دماغ ٹھیک مقررہ وقت پر تمہیں بیدار کرتا ہے۔

دوسری صبح رس ونتی ٹھیک اسی وقت تمہارے دماغ میں چپکے سے پہنچ گئی۔ وہاں رس ونتی نے تمہاری نیکی اور شرافت دیکھی۔ تم نے ریٹا جیسی جوان عورت کے ساتھ ایک کمرے میں رات گزاری مگر کوئی پاپ نہیں کیا اور نیکی یہ کہ ریٹا کے ماضی نے تمہیں متاثر کیا۔ وہ خود برباد نہیں ہوتی تھی، اسے برباد کیا گیا تھا۔ بہرحال اس کی مکاریوں کے باوجود تم کمیشن کے پانچ ہزار ڈالر اس کے پاس چھوڑ آئے۔

چونکہ تم تنہائی میں اپنی فطرت کے مطابق مادری زبان، میں سوچتے ہو، اس لیے رس ونتی تمہاری سوچ کو پڑھتی اور تمہارے ارادوں کو سمجھتی رہی۔ تم اپنا روپ بدلنے کے لیے میک اپ کا سامان خرید کر، پھر ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر کسی ویرانے کی طرف جا رہے تھے۔ راستے میں تم نے رومانہ کی سوچ پڑھی جہاں رومانہ تھی وہاں کچھ لوگ اور تھے اور انگریزی زبان میں باتیں ہو رہی تھیں۔ رس ونتی نہ سمجھنے کے باوجود اس حد تک سمجھ گئی کہ تم سوچ کے ذریعہ اپنی دوسری محبوبہ کی مدد کر رہے ہو۔ تیسری محبوبہ مے یون ہے۔ جواب دو کہ تم نے کتنی محبوبائیں پال رکھی ہیں؟"

"تین۔" میں نے جواب دیا۔

"آخر اتنی عورتیں کیوں رکھتے ہو؟"

"میں نہیں رکھتا۔ لڑکیاں خود کو رکھوانے آجاتی ہیں۔"

"تم ہوس کے غلام ہو؟"

"نہیں ہوں۔"

"ضرور ہو۔ بولو کہ تم ہوس کے غلام ہو۔"

"ہاں۔ میں ہوس کا غلام ہوں۔"

"آئندہ تم ان تینوں عورتوں سے دماغی اور جسمانی تعلق نہیں رکھو گے۔"

"میں ان تینوں عورتوں سے دماغی اور جسمانی تعلق نہیں رکھوں گا۔"

"تم ہمیشہ میرے مطیع و فرمانبردار بن کر رہو گے۔"

"میں ہمیشہ تمہارا مطیع و فرمانبردار بن کر رہوں گا۔"

"فرہاد! اگر رس ونتی تمہارے دماغ میں جھانکتی نہ رہتی تو وہ ٹیکسی ڈرائیور تمہارا کام تمام کر چکا ہوتا۔ رس ونتی ڈرائیور کی زبان بھی نہیں سمجھ سکتی تھی لیکن اس کی آواز سن چکی تھی۔ اس آواز کے سہارے اس نے اسے دماغی جھٹکے پہنچائے تو وہ بوکھلا کر بھاگ گیا۔ اب تم رس ونتی کی رہائش گاہ میں ہو۔ بیداری کے بعد تم خواب کی یہ باتیں بھول جاؤ گے اور صرف میرا یہ حکم یاد رکھو گے کہ جب بھی یہ آواز تمہارے دماغ تک پہنچے گی۔ تم اس آواز کے سامنے ایک تابعدار کی طرح جھک جاؤ گے۔"

"میں اس آواز کے سامنے ایک تابعدار کی طرح جھک جاؤں گا۔"

"اب تم آرام سے سوتے رہو۔ پانچ گھنٹے بعد بیدار ہو جانا۔"

میرے دماغ کی اسکرین دھندلی پڑ گئی۔ پھر تاریکی چھا گئی۔ میں اس نیند کی تاریکی میں پانچ گھنٹے کے لیے گم ہو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک ماڈرن قسم کے بیڈ روم میں پایا۔ ربر فوم کے ملائم بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ ائیرکنڈیشنڈ خوابگاہ کی محدود فضا میں بھینی بھینی سی خوشبو رچی ہوئی تھی۔ وہاں دیکھنے کے لیے بہت سے آرائشی سامان تھے لیکن میرے دماغ میں تجسس تھا کہ میں وہاں کیسے پہنچ گیا؟

اس وقت مجھے خواب کی باتیں یاد نہ آسکیں۔ یہ یقیناً ہپناٹزم کا ردِ عمل تھا لیکن میں خود ٹیلی پیتھی سیکھنے کیلئے ہپناٹزم کی مشقوں سے گزر چکا تھا۔ میری قوتِ ارادی اتنی مستحکم تھی کہ کوئی آسانی سے مجھے ہپناٹائز نہیں کر سکتا تھا۔ دراصل سر کے پچھلے حصے میں۔۔۔ شدید چوٹیں کھانے کے بعد میرا دماغ کمزور ہو گیا تھا اور ذہنی صلاحیتیں بیمار پڑ گئی تھیں، اسی لیے میں اس وقت ہپناٹزم کے عمل سے گزر رہا تھا اور وقتی طور پر خواب کی باتیں بھول چکا تھا۔

سب سے پہلے مجھے وہ ویرانہ یاد آیا، جہاں ٹیکسی ڈرائیور نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ یہ بات سمجھ میں آئی کہ خدا کا کوئی نیک بندہ مجھے اٹھا کر تیمارداری کے لیے اپنے گھر لے آیا ہے۔ میں نے وقت معلوم کرنے کے لیے اپنی کلائی دیکھی تو وہاں گھڑی نہیں تھی۔ میرے سر کے پچھلے حصے سے درد کی ہلکی ہلکی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ سر سے لے کر نیچے تک پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

ایسی تکلیف اور تنہائی کے وقت سونیا یاد آئی۔ جس ہستی سے زیادہ اپنائیت ہوتی ہے وہی ایسے وقت یاد آتی ہے۔ میں نے فوراً ہی اس سے دماغی رابطہ قائم کرنا چاہا۔ اپنی سوچ کی لہریں کو سونیا تک پہنچانے کی کوشش کی لیکن میرے دماغ کے اندر ہی وہ سوچ کی لہریں گم ہو گئیں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ "نہیں میں سونیا، رومانہ اور مے یون سے رابطہ قائم نہیں کروں گا۔ میں صرف ایک آواز کے احکامات کا پابند ہوں گا اور وہ آواز ہے۔۔۔"

آواز آنے لگی۔ میرے دماغ میں مندر کی گھنٹیاں بج رہی تھیں۔ سنکھ کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ پھر ان آوازوں کے ہجوم میں رس ونتی کی رس بھری آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "فرہاد! تم کسی سے دماغی اور جسمانی رابطہ قائم نہیں کرو گے اور تم میری آواز سے مجھے نہیں پہچانو گے۔"

میں سر کی تکلیف کے باوجود مسکرانے لگا۔ وہ میری مسکراتی ہوئی سوچ کو پڑھ کر حیرانی سے بولی۔ "اوہ! تم مجھے پہچان رہے ہو۔ مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔ کیا تم سپن کتھا کے سمے ہوش و حواس میں تھے؟"

شاید وہ ہپناٹزم کو سپن کتھا کہہ رہی تھی۔ لیکن میں نے سپن کے معنی سپنا ہی سمجھ کر سوچا کہ اپنی غفلت کے دوران میں کسی سپنے سے گزر چکا ہوں۔ میں خود دوسروں کے خوابوں سے فائدہ اٹھا کر بہت سی معلومات حاصل کرتا رہا ہوں۔ اس لیے یہ بات سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ رس ونتی میرے خوابیدہ خیالات سے فائدہ اٹھا چکی ہے۔

میں یہ سب کچھ سوچ رہا تھا اور رس ونتی یہ خیالات پڑھ رہی تھی۔ پھر وہ شکست خوردہ لہجے میں بولی۔ "میں جانتی تھی کہ ہپناٹزم اور ٹیلی پیتھی جاننے والوں کو ٹرانس میں نہیں لایا جا سکتا۔ لیکن جب تم سر کی چوٹوں کے باعث ٹرانس میں آگئے تو میں نے یہ تجربہ کیا۔ تمہارے دماغ سے اپنی آواز اور اپنی پہچان مٹانے کی کوششیں کیں لیکن افسوس یہ تجربہ ناکام ثابت ہو رہا ہے۔ تم نے مجھے پہچان لیا ہے تو گزرے ہوئے خواب کو بھی کبھی یاد کر لو گے۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میرے سامنے ایک شمع روشن کرو۔ میں بھولے ہوئے خواب کو یاد کر لوں گا۔ بہتر ہے کہ تم مجھے اس زحمت سے بچانے کے لیے خود ہی بیان کر دو۔"

اس نے بیان کر دیا۔ میرے چوٹ کھاتے ہوئے خوابیدہ

دماغ کو ٹرانس میں لانے کے بعد اس نے جو معلومات حاصل کی تھیں، وہ سب مجھے بتا دیں۔ چونکہ خیال خوانی کے دوران اس کے دماغ کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ اس لیے میں بھی بآسانی اس کی سوچ پڑھ سکتا تھا۔

جب اس کا بیان ختم ہوگیا تو میں نے پوچھا: "تم یہ کیوں چاہتی ہو کہ میں اپنی کسی محبوبہ سے رابطہ قائم نہ کروں؟"

"اب میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تمہارا دماغ اب تمہارے قابو میں نہیں ہے۔"

"اگر میں قابو میں رہتا تو تم محبوباؤں کے سلسلے میں پابندیاں کیوں عائد کرتیں؟"

"اس لیے کہ یہ بڑی بات ہے۔ انسان کو یا تو برہمچاری (سدا کنوارا) رہنا چاہیئے۔ یا پھر ایک دھرم پتنی کے ساتھ جیون گزارنا چاہیئے۔"

میں نے کہا: "ہمارے مذہب میں برہمچاریوں کا تصور نہیں ہے۔ ہم تو چار شادیاں کر سکتے ہیں اور ابھی میرے پاس چوتھی کی گنجائش ہے۔"

یہ کہتے وقت میں مسکرانے لگا۔ میرے تصور میں اور میری مسکراہٹ کے پیچھے کیا تھا، رس دنتی نے سوچ کے ذریعہ پڑھ لیا۔ چند لمحوں تک بالکل خاموش رہی۔ یہ سمجھتی رہی کہ میں اس کی خاموش سوچ کو پڑھ رہا ہوں۔ پھر وہ سخت لہجے میں بولی: "فرہاد! مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ تم کبھی سپنوں میں بھی مجھے چھو نہ سکو گے۔ میں دیوتاؤں کی امانت ہوں۔ تم کبھی مجھے عام عورتوں میں شمار نہ کرنا۔ میں اپنی توہین برداشت نہیں کروں گی۔"

"یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم دیوتاؤں کی امانت ہو۔ لوگ مجھے بھی دیوتا کہتے ہیں۔ میں زندگی کے کسی موڑ پر دیوتا کی حیثیت سے اپنی امانت ضرور واپس لوں گا۔"

وہ غصے سے بولی: "تم بہت ہی گھٹیا قسم کے آدمی ہو۔ میں تم پر تھوکتی ہوں۔"

"اگر میں بھی تم پر تھوکنا چاہوں تو ہمیں تھوکنے کے لیے ایک دوسرے کے سامنے آنا پڑے گا۔ اور تم میرے سامنے آنے کا حوصلہ نہیں کر سکتیں۔"

وہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ غصے میں یہ بھول گئی کہ اسے اپنے دماغ کے دروازوں کو بند کر دینا چاہیئے۔ اس کی ایک کمزوری سمجھ میں آگئی کہ اس کی توہین کی جائے تو وہ غصہ کی حالت میں ہوش سے بے گانہ ہو جاتی ہے۔ یعنی کسی موقع پر میں اس کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس کے دماغ تک پہنچ سکتا تھا۔

وہ غصے سے سوچ رہی تھی: "میں اس بدمعاش کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس کا دماغ ابھی کمزور ہے۔ میں دماغی جھٹکے پہنچا کر اسے بے موت مار دوں گی۔"

میں نے اس کی سوچ میں کہا: "ہاں اسے مار ڈالنا چاہیئے۔ میرے مقابلہ پر کوئی دوسرا ٹیلی پیتھی جاننے والا نہ رہے تو بہتر ہے۔"

"آں؟" وہ چونک کر سوچنے لگی: "کیا میں سچ مچ اسے مار ڈالوں؟"

اس سوال کے ساتھ ہی میری صورت اور میری شخصیت اس کے دماغ کے پردے پر ابھر آئی۔ اس سے پتہ چلا کہ میری غفلت کے دوران وہ کبھی میرے سامنے آئی تھی اور مجھے اچھی طرح دیکھ چکی تھی۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی: "اسے ایک بار اور آزمانا چاہیئے اگر یہ سونیا وغیرہ سے دور رہ کر صرف میری آگیا کا پالن (حکم کی تعمیل) کرتا رہے تو میں اس کی بدتمیزی کو معاف کر دوں گی۔"

میں نے کہا: "میری جان! تم دیوی یا مالکہ بن کر نہیں صرف محبوبہ بن کر فرہاد کو اپنا بنا سکتی ہو۔"

تب اسے ہوش آیا کہ میں اس کے خیالات پڑھ رہا ہوں۔ وہ طیش میں آکر بولی: "میں تمہیں ضرور سزا دوں گی ...."

اس سے پہلے ہی میں نے اسے سزا دی۔ اسے ایک زبردست دماغی جھٹکا پہنچایا۔ اس نے چیخ مارتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ پھر فوراً ہی اپنی سانس روک لی۔ اس کی چیخ سن کر میں نے اندازہ کر لیا کہ وہ پاس والے کمرے میں موجود ہے۔

میں آہستہ آہستہ بستر پر بیٹھ گیا۔ میرا سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا لیکن میں تکلیف برداشت کرتے ہوئے دروازے تک پہنچ گیا۔ مجھے اطمینان تھا کہ وہ سانس روکے اور اپنے دماغ کے دروازے بند کیے بیٹھی ہوگی۔ اور کسی بھی لمحے اچانک جوابی حملہ بھی کر سکتی ہے۔ اس لیے میں دماغی طور پر پوری طرح مستعد تھا اور بار بار اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

عورت کو اسی لیے صنف نازک کہا جاتا ہے کہ واقعی وہ نازک ہوتی ہے۔ ہلکی سی ٹھیس پہنچے تو شیشے کی طرح چیخ جاتی ہے جبکہ میں نے اسے زبردست دماغی جھٹکا پہنچایا تھا۔ وہ یقیناً سانس روکے اب تک دماغی تکلیف کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا تو وہ کھلتا چلا گیا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھامے میری نگاہوں کے سامنے ایک آرام دہ صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے پہلی نظر میں اعتراف کیا کہ اپنی زندگی میں کبھی میں نے اتنی حسین عورت نہیں دیکھی اس

کے چہرے کے نقوش ایسے تیکھے ایسے جاذب نظر تھے کہ نظریں جذب کے عالم میں اس پر جم کر رہ گئیں۔ دماغی تکلیف کے باعث اس کے چہرے پر کرب کے آثار نظر آرہے تھے۔ وہ موہنی سی مورت تکلیف برداشت کرتے ہوئے اور بھی حسین دکھائی دے رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کے گلدان میں اس پھول چہرے کو سجا کر اس کا دکھ دور کر دوں۔

دراصل میں نے دماغی جھٹکا پہنچاتے وقت اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا کہ مقابلے میں ایک نازک سی کنواری کنیا ہے۔ اس کی صلاحیتوں نے اسے مضبوط اور مستحکم بنا کر پیش کیا تھا۔ اب روبرو دیکھ کر پتہ چلا کہ وہ شیشے کا نازک سا خنجر ہے سنبھال کر اتارو تو دل میں اتر جائے گا نہیں تو ٹوٹ جائے گا۔

سانس روکنے کے باعث وہ صوفے پر بجھی ہوئی بے جان مورتی نظر آرہی تھی۔ ماتھے پر سونے کی بندیا جگمگا رہی تھی۔ بند آنکھوں کے بادامی خطوط بتا رہے تھے کہ جب وہ آنکھیں کھولے گی تو وہ آنکھیں کنول کٹوروں کی طرح کھل جائیں گی۔

سانس روکنے کا عمل کیسا ہوتا ہے؟ یہ میں بہت پہلے بتا چکا ہوں۔ آج بھی بتا دوں کہ اکثر حبس دم کے ماہر روحانی معلومات حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنے دماغ کو اپنے کنٹرول میں رکھنے کی مشقیں کرتے ہیں۔ اپنے اندر جھانک کر روح کا گیان حاصل کرنے کے لیے لازمی ہے کہ خیالات منتشر نہ ہوں۔ تمام فضول سوچیں رد ہو جائیں اور توجہ صرف ایک خیال پر مرکوز رہے۔ رس دنتی نے ... اپنے دھرم کے اصولوں کے مطابق سانس روکنے میں مہارت حاصل کی تھی اور ساری دنیا سے غافل ہو کر اپنی توجہ کسی ایک خیال پر مرکوز کر دیتی تھی۔

اس کے چہرے سے ظاہر ہونے والی پریشانی نے بتا دیا کہ ابھی اس کی توجہ صرف اپنی دماغی تکلیف پر مرکوز ہے۔ اس نے اپنی جگہ کے متعلق یہ نہیں سوچا تھا کہ فرہاد اس کے ذریعہ اس کا سراغ لگا سکتا ہے اور زخمی ہونے کے باوجود اس کمرے میں پہنچ سکتا ہے۔

میری سوچ کی لہریں اس کے دماغ کے آس پاس بھٹک رہی تھیں۔ تب اس نے بڑی دیر بعد ہولے سے سانس لیتے ہوئے آنکھیں کھولیں۔ نین کنول نے میری جھلک دکھلائی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ گھبرائی۔ میں نے اسے سنبھل کر جوابی حملے کا موقع نہیں دیا۔ اس بار اسے ہلکا سا جھٹکا پہنچایا تو اس نے کراہتے ہوئے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

میں نے کہا: "تم سانس روک کر دماغی رابطہ کو ختم کر سکتی ہو لیکن میری آواز کو اپنے کانوں تک پہنچنے سے نہیں روک سکتیں۔ سنو! میں نے تمہاری کمزوری پکڑ لی ہے۔ تم اپنے دماغ پر لگنے والی چوٹیں برداشت نہیں کر سکتیں۔ تم نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا ہے کہ جب بھی مجھے ذہنی اذیتیں پہنچانے کے لیے اپنے دماغ کے دروازے کھولو گی تو میں بھی برق رفتاری سے ان کھلے ہوئے راستوں سے گزر کر تمہارے دماغ کو پھوڑا بنا دوں گا۔"

وہ سانسوں کے بغیر ایک لاش بنی بیٹھی تھی۔ اور جواب دینے کے لیے اپنے ذہن کے دریچے کھولنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نے کہا: "تمہارا دعویٰ تھا کہ کوئی انسان تمہیں چھو نہیں سکتا۔ اب دیکھو میرے تمہارے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ ہے میں ہاتھ بڑھا کر تمہیں بازوؤں میں سمیٹ سکتا ہوں۔ مگر تمہارا حسن ظلم سے پیار کرنے کے لیے نہیں بلکہ پیار سے ظلم کرنے کے لیے ہے۔ میں تمہیں ہاتھ نہ لگا کر تمہارے غرور کی لاج رکھ رہا ہوں۔ اب تم سانس لو، اور دوستانہ انداز میں باتیں کرو۔ میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔"

میں نے دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ سانس لینے لگی تھی۔ مگر وہ آنکھ نہیں کھول رہی تھی۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا آنکھ نہیں کھولو گی؟"

وہ ہچکچانے لگی۔ پہلے اس نے سر پر آنچل ڈالا۔ پھر اس آنچل کو گھونگھٹ بنا کر اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ میں نے فرش پر گھٹنے ٹیک کر کہا: "تم کبھی مجھے اپنا غلام نہیں بنا سکو گی البتہ محبت سے جیت سکتی ہو۔ گھونگھٹ اٹھا لو۔ میں خداوند کریم کے تخلیقی شاہکار کو جی بھر کے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میں بڑی خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ حسین لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں۔ میری شخصیت سے متاثر اور مرعوب ہو کر میری آغوش میں چلی آتی ہیں۔ رس دنتی کے متعلق بھی میں نے سوچ لیا کہ وہ زیر ہوگئی ہے اور اب مجھے زیر بنا لے گی۔

تب اچانک ہی میری خوش فہمی کو زبردست جھٹکا پہنچا۔ میں اپنی چیخیں نہ روک سکا۔ فرش پر گر کر تڑپنے لگا۔ میرا سر پہلے ہی پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ اب وہ میرے دماغ پر آہنی سوچ کی ضربیں لگا رہی تھی۔ وہ گھونگھٹ کے پیچھے سے حملہ کرتے ہی فوراً... سانس روک لیتی تھی۔ پھر اچانک سانس لیتے ہوئے دوبارہ حملہ کرتی تھی۔ مجھے سنبھلنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔

وہ جیسے میرا آخری وقت تھا۔ فرہاد علی تیمور کی شخصیت صرف دماغی صلاحیتوں سے قائم ہے اور وہ میرے دماغ کی دھجیاں اڑا رہی تھی۔ اگر میری کھوپڑی صحت مند ہوتی تو شاید میں وہ حملے برداشت کر لیتا۔ لیکن زخم پر بار بار زخم لگائے جائیں تو فولادی حوصلے کے لوگ بھی ہمت ہار جاتے ہیں۔ میں اپنا دماغ ہار گیا۔

تاریکی، گہری تاریکی اور طویل تاریکی میرا مقدر بن گئی۔ پتہ نہیں میں کب تک دنیا والوں کے لیے مردہ بنا رہا۔ پھر میں

خوابوں میں زندہ رہنے لگا۔ رس ونتی نے حکم دیا تھا کہ میں سونیا، سلمانہ اور سے یوُں سے ہمیشہ کے لیے تعلقات توڑ لوں۔ میں نے تسلیم نہیں کیا تھا لیکن تعلقات اب خود بخود ٹوٹ گئے تھے۔ میں ان سے دماغی رابطہ قائم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرا زخم خوردہ دماغ اور کمزور سوچوں کی لہریں رس ونتی کی مٹھی میں تھیں۔

نہ جانے کتنے دن گزرتے جا رہے تھے۔ مجھے ذہنی بیداری کا موقع نہیں دیا جا رہا تھا۔ میں نیند میں ڈوبا رہتا تھا اور خواب کے عالم میں جاگتا رہتا تھا، اور ان خوابوں میں صرف رس ونتی نظر آتی تھی۔ مگر افسوس کہ وہ محبت کرنے نہیں، مجھ پر حکومت کرنے آتی تھی۔

اس کا لباس ایک ہی تھا۔ وہی گیروے رنگ کی ساڑھی اور ساڑھی کے پیچھے بالشت بھر کی چوٹی کبھی کبھی جھلکتی تھی۔ آجکل کے دور میں اسے منی ساڑھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گھٹنوں تک ہوتی تھی۔ گوری گوری پنڈلیاں اور سبک رو پاؤں دل کی دھرتی پر قدم رکھتے تھے۔

لیکن میں ابھی اس کے ظاہری حسن کو بیان نہیں کرونگا اس لیے کہ باطن میں وہ بہت ہی خطرناک بن چکی تھی۔ میں جو جھکنے کا عادی نہیں ہوں، جبراً اپنی صلاحیتوں کے سامنے جھکا رہی تھی۔ میں نے اکثر اسے خواب کے دھندلکوں میں دیکھا۔ وہ دوزانوں ہو کر کہیں بیٹھی رہتی تھی۔ آنکھیں بند کر کے سانس روک لیتی تھی۔ اس کے بعد میرے دماغ میں بسنے لگتی تھی۔

دوسرے لفظوں میں وہ مجھے تابع دار بن کر رہنے کا سبق پڑھاتی رہتی تھی۔ میرا ذہن اس کا تابع فرمان تھا۔ اس لیے میں وہ سبق پڑھتا اور یاد کرتا رہتا تھا۔ پھر ایک بار اس نے مجھ سے پوچھا۔ "جانتے ہو تم کتنے دنوں سے میری آگیا کا پالن کر رہے ہو؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"آہستہ آہستہ سب کچھ جان لوگے۔ میں پہلے دھوکا کھا گئی تھی۔ یہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ تم فولادی ارادوں کے مالک ہو۔ تم نے ہوش میں آتے ہی اپنی اصلیت دکھائی۔ آج تک مجھے کسی نے ذہنی عذاب میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تمہیں ذرا بھی ڈھیل دی گئی تو تم میری جان کے دشمن بن جاؤ گے۔

تمہارے کارن میں نے جو اذیتیں برداشت کی ہیں اس کے نتیجے میں تمہیں مار ڈالتی لیکن تم نے میرے ساتھ ایک نیکی کی تھی۔ تم نے میری بے بسی کے وقت مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔ میرے غرور کی لاج رکھ لی۔ اس لیے میں تمہیں ایک موقع اور دوں گی میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں بتاؤں کہ تمہیں کس طرح زندہ رکھا جائیگا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ایک طرف جانے لگی۔ میں نے دیکھا کہ میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں۔ وہ یقیناً جسمانی سفر نہیں تھا۔ صرف سوچ کا سفر جاری تھا۔ ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں پہنچ گئے۔ وہاں پہلوان قسم کے پنڈت بھنگ تیار کر رہے تھے۔ کچھ لوگ ڈنڈ بیٹھک میں مصروف تھے۔ ایک درخت کے سائے میں ایک وید راج ہاون دستے میں کوئی دوا تیار کر رہا تھا۔ اس کے سامنے درخت کی چھالیں، جڑی بوٹیاں اور پتے بکھرے ہوئے تھے۔

رس ونتی نے مجھے وہاں بیٹھنے کا حکم دیا۔ میں چپ چاپ بیٹھ گیا۔ وید راج نے ایک بڑا سا پیالہ اٹھا کر میری جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے پی جاؤ۔"

میں نے پیالہ ہاتھوں میں لے کر رس ونتی کی جانب دیکھا۔ اس نے پینے کا اشارہ کیا۔ میں پینے لگا۔ دوا بہت ہی کڑوی تھی لیکن میں حکم کا بندہ بنا ہوا تھا۔ زہر بھی پی سکتا تھا لہٰذا اس پیالے کی تمام دوا کو حلق میں اتار لیا۔

تب رس ونتی نے کہا۔ "اس دوا سے تمہارے سر کے زخم بھر جائیں گے لیکن ذہن کند ہو جائے گا۔ تمہاری قوتِ ارادی کمزور پڑ جائے گی یعنی تم اس طرح زندہ رہو گے کہ جسمانی طور پر طاقتور کہلاؤ گے لیکن دماغی طور پر احمقوں جیسی زندگی گزارو گے۔"

یہ باتیں سننے کے بعد مجھے آئندہ اس دوا کو ہاتھ بھی نہیں لگانا چاہیے تھا لیکن میں اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ رس ونتی جب بھی مجھے وید راج کے پاس لے جاتی اور پیالہ میری طرف بڑھا دیا جاتا تو میں بلا چون و چرا وہ دوا حلق سے اتار لیتا تھا۔

پھر ایک وقت آیا کہ میرے سر سے پٹیاں اتر گئیں۔ زخم بھر گئے اور میں شعوری طور پر بیدار ہو گیا۔ یعنی میں پہلے جس خواب گاہ میں موجود تھا اسی خواب گاہ میں میں نے آنکھ کھولی۔ رس ونتی اپنے مخصوص لباس میں میرے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

میں جیسے پہچان رہا تھا مگر یاد نہیں آ رہا تھا کہ اسے کہاں دیکھا ہے۔ میں اپنے ذہن پر زور ڈال کر سوچنے لگا۔ وہ فاتحانہ انداز میں مسکرا کر بولی۔ "مورکھ (احمق!) میں دیوتاؤں کی داسی اور تمہاری دیوی رس ونتی ہوں۔"

"ہاں مجھے یاد آیا۔ میں تمہیں خوابوں میں دیکھتا رہا ہوں۔"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنی آپ بیتی لکھتی جا رہی ہوں۔ اس آپ بیتی میں تمہارا ذکر بھی رہے گا کیونکہ تم ایک دلچسپ احمق بن چکے ہو۔ اب بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام؟" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ "ہاں یاد آیا ابھی

تم نے میرا نام پکارا تھا احمق۔ میرا نام احمق ہے۔"

وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ بڑی ہی میٹھی بڑی ہی سریلی ہنسی تھی۔ میں نے بے اختیار کہا۔ "تمہاری ہنسی میں کتنی مٹھاس ہے۔ میرا دل دھڑک رہا ہے۔"

وہ یکلخت خاموش ہو گئی۔ پہلے تو اس نے مجھے حیرانی سے دیکھا۔ پھر غصے سے بولی۔ "تم سب کچھ بھول گئے مگر عورتوں سے رہنے والی لگاوٹ کو نہیں بھولے۔"

"میں نہیں جانتا کہ میں کیا بھول چکا ہوں۔ صرف اتنا جانتا ہوں کہ جسے خوابوں میں دیکھتا رہا، وہ تعبیر بن کر سامنے کھڑی ہے اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی ہیں۔"

میری باتیں سن کر اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک رنگ جا رہا تھا۔ اگر میں خیالات پڑھنے والا فرہاد ہوتا تو اس کے دماغ میں جھانک کر دیکھ لیتا۔ وہ شاید کسی کشمکش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ آہستہ آہستہ پیچھے جاتی ہوئی ایک صوفے پر دھنس گئی۔ اس کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور میرے دماغ میں سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

بڑی دیر بعد اس نے پریشان ہو کر کہا۔ "میں مطمئن ہوں کہ تم مجھے بے وقوف نہیں بنا رہے ہو۔ تمہیں اپنا نام اور پچھلی زندگی سب کچھ یاد ہے مگر اس کے لیے تمہیں دماغ پر زور ڈال کر یاد کرنا ہوگا لیکن میں ایک بار پھر سمجھاتی ہوں کہ مجھ سے لگاوٹ کی باتیں نہ کرو، ورنہ میں بہت بری طرح پیش آؤں گی۔"

"مجھے اتنا بتا دو کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟"

اس نے کہا۔ "آنکھیں بند کرو تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تب مجھے اپنے اندر رس ونتی کی آواز سنائی دی۔ "فرہاد! میں تمہاری سوچ ہوں۔ تمہارے دماغ میں جو سوچ رہی ہوں اسے تم تصور میں دیکھ رہے ہو۔ دیکھو تمہیں سونیا نظر آ رہی ہے۔"

میں نے بند آنکھوں کے پیچھے دماغ کی اسکرین پر دیکھا۔ ایک بڑے سے ہال میں سونیا نظر آ رہی تھی۔ اس کے آس پاس جیکبزی، شیلا، مادام ویرا اور مسٹر بنکاک وغیرہ دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے بے اختیار سونیا کو مخاطب کیا۔ اسے آوازیں دیں۔ لیکن میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔

رس ونتی کی سوچ نے کہا۔ "تم ایک مدت سے دماغ کے پردے پر اپنے من چاہے لوگوں کو دیکھتے آ رہے تھے۔ لیکن اب تمہارا دماغ اس قدر کمزور ہو گیا ہے کہ تمہاری سوچ کی لہروں کو صرف میں ہی سونیا وغیرہ تک پہنچا سکتی ہوں۔ اس وقت بھی تم میری مدد سے اسے دیکھ رہے ہو۔ بہتر ہے کہ خاموشی سے تماشا دیکھتے رہو۔"

میں سونیا کے پاس پہنچ رہا تھا مگر اسے مخاطب نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ ریڈیادر سے بغاوت کرنے والے سبھی لوگ وہاں موجود تھے۔ وہ لوگ بھی پریشان نظروں سے سونیا کو تک رہے تھے۔ پھر مادام ویرا نے کہا۔ "مادام سونیا! ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ آپ ٹیلی پیتھی کی تمام صلاحیتیں بھول چکی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ دماغی پریشانیوں کے باعث وقتی طور پر اپ سیٹ ہو گئی ہوں۔ آپ آرام فرمائیں۔ بعد میں آپ کا ذہن کام کرنے کے قابل ہو جائے گا۔"

سونیا نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "اب میں تم لوگوں سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کبھی ٹیلی پیتھی جانتی ہی نہیں تھی۔"

سب ہی لوگ چونک کر اسے بے یقینی سے دیکھنے لگے۔ مسٹر بنکاک نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مادام! آپ مذاق کر رہی ہیں۔ آپ نے ٹیلی پیتھی کے جو تماشے دکھائے ہیں، ہم اُن چشم دید واقعات سے انکار نہیں کر سکتے۔"

سونیا نے کہا۔ "تم لوگ جو کچھ دیکھ چکے ہو، وہ درست تھا اور یہ بھی درست ہے کہ میں ٹیلی پیتھی نہیں جانتی۔ کوئی دوسرا جانتا ہے۔ وہ میرے دماغ کے ذریعہ تم لوگوں کو وہ تماشے دکھاتا رہا۔ یوں سمجھو کہ میں اس کی آلۂ کار تھی اور وہ میرے ذریعے ماسکو ہی کو ٹریپ کرنا چاہتا تھا۔"

سب لوگ ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ پھر آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ اس کے بعد ایک باس نے پوچھا۔ "کیا وہ ٹیلی پیتھی جاننے والا شخص فرہاد ہے؟"

سونیا نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔ "ہاں۔"

"لیکن وہ تو مر چکا ہے۔"

"ایسا نہ کہو۔" سونیا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ زندہ ہے اور کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے ورنہ مجھ سے رابطہ ضرور قائم کرتا۔"

مادام ویرا نے پوچھا۔ "کیا آپ دو ہفتے سے یہاں اسی کے رابطہ قائم کرنے کا انتظار کر رہی ہیں؟"

"دو ہفتے!" سونیا نے بوجھل سے لہجے میں کہا۔ "وہ ہمیشہ میرے دماغ میں موجود رہتا تھا۔ میں نے کبھی اتنی طویل جدائی برداشت نہیں کی۔ یہ سوچ سوچ کر تڑپ رہی ہوں کہ نہ جانے اس پر کیا افتاد آ پڑی ہے؟"

"کیا آپ اس کا پتہ ٹھکانہ نہیں جانتی ہیں؟"

"اس نے مجھ سے کہا تھا کہ استنبول میں موجود رہے گا۔ مجھ

میں سونگھنے کی صلاحیتیں ہیں کہ میں کسی بھی انسان کی بو سونگھ کر اس کے پاس پہنچ سکتی ہوں۔ لیکن یہاں مجھے اس کی بو نہیں مل رہی ہے۔"

وہ سب سونگھنے کی حیرت انگیز صلاحیتوں پر بحث کرنے لگے۔ پھر ایک نے کہا" فرہاد! یہاں موجود نہیں ہے اسی لیے اس کی بُو آپ کو نہیں مل رہی ہے۔"

" یہ سوچ کر میں خود کو تسلی دے سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے ہزاروں میل دور ہے۔ میں بُو نہیں سونگھ سکتی۔ لیکن وہ دماغی رابطہ قائم کر سکتا ہے اور اگر وہ کسی بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو چکا ہے تو میں اس کی مدد کے لیے کیسے پہنچوں؟ کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔"

جمپیزی نے کہا" ممی! ہو سکتا ہے کہ وہ مر گیا ہو۔"

" بکواس مت کرو۔" سونیا نے چیخ کر کہا" وہ نہیں مر سکتا۔ جب تک میں زندہ ہوں اسے مرنے نہیں دوں گی۔ کوئی مجھے وہ جگہ بتا دے جہاں وہ بے بسی کی زندگی گزار رہا ہے۔ میں موت بن کر دشمنوں تک پہنچوں گی۔"

یہ کہتے ہی اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے کیونکہ آنسو بے اختیار بہہ رہے تھے۔ اس بڑے سے ہال میں سناٹا چھا گیا تھا۔ سب اپنے اپنے سر جھکائے کچھ سوچ رہے تھے۔ میری حالت یہ تھی کہ میں بے بسی سے سونیا کے تڑپنے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ اب مجھے سب کچھ یاد آ گیا تھا کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں۔ ٹیلی پیتھی جانتا ہوں۔ اور سونیا سے میرے پیار کا ناقابلِ شکست رشتہ ہے۔

رس دنتی نے میری سوچ پڑھ کر کہا" ناقابلِ شکست رشتے بھی شکستہ ہو جاتے ہیں۔ تمہیں تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ تم ٹیلی پیتھی جانتے ہو۔ چلو میں تمہارے ذہن کو آزاد چھوڑ رہی ہوں۔ تم سونیا سے دماغی رابطہ قائم کرو۔"

یہ کہتے ہی خاموشی چھا گئی۔ میرے دماغ کی اسکرین پر اندھیرا چھا گیا تھا۔ میں نے سونیا کو یاد کیا تو وہ تصور میں دکھائی دی۔ میں نے اسے آواز دی لیکن تصور میں آنے والے کردار ہماری آواز نہیں سنتے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ دماغی رابطہ کیسے قائم کیا جاتا ہے؟

رس دنتی نے کہا" سونیا کی آواز کو اور لہجے کو یاد کرو۔ پھر اسی آواز اور لہجے میں اپنی سوچ کی لہروں کو اس کے دماغ تک پہنچاؤ۔"

میں نے ایسا ہی کیا۔ مگر ناکامی ہوئی۔ خیال خوانی کے پراسرار گر فراموش ہو گئے تھے کہ اپنی اڑان بھول گئے تھے۔ اس وقت میں ایک عام سا آدمی تھا۔ اپنی مرضی سے کسی کے ساتھ سوچ کے رشتے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ رس دنتی نے پوچھا" کیا تمہیں یاد ہے کہ تم نے ٹیلی پیتھی کا علم کیسے سیکھا تھا؟"

میں یاد کرنے لگا۔ اس یاد کے ساتھ ہی میرے دماغ کی اسکرین پر ایک شمع روشن ہو گئی۔ اسے دیکھ کر میرے اندر عجیب سی بے چینی پیدا ہونے لگی۔ میری نگاہیں شمع کی لو پر جم جانا چاہتی تھیں اسی وقت رس دنتی نے ایک پھونک ماری۔ میری سوچ کی لہریں گڑبڑا گئیں۔ اس کے ساتھ ہی جیسے شمع بجھ گئی ہو۔ میرے دماغ میں اندھیرا چھا گیا۔

پھر اس تاریکی میں رس دنتی نظر آئی۔ اس نے کہا" تمہارے سامنے شمع کبھی نہیں جلے گی اور نہ ہی میں کبھی تمہیں بھولا ہوا سبق یاد کرنے کا موقع دوں گی۔"

میں نے پریشان ہو کر کہا" میں نہیں جانتا کہ بھولا ہوا سبق کیا ہے۔ میں صرف سونیا سے ملنا چاہتا ہوں۔"

" ہاں۔ اگر تمہاری تقدیر اجازت دے گی تو تم اس سے ضرور ملو گے۔"

" تم کم از کم سوچ کے ذریعے مجھے اس کے پاس پہنچا سکتی ہو۔"

" ضرور پہنچاؤں گی۔ میں بھی اس سے باخبر رہنا چاہتی ہوں۔ آؤ میری سوچ کی انگلی تھام لو اور وہاں چلو۔ دیکھو وہ اسی ہال میں ہے اور اب اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹہل رہی ہے۔"

میرے دماغ کی اسکرین روشن ہو چکی تھی اور میں سونیا کو اضطراب کے عالم میں ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ ریڈ یادر کی ایک مادام کہہ رہی تھی" مادام سونیا! ہم نے آپ کی صلاحیتوں پر بھروسہ کر کے ماسک مین سے بغاوت کی۔ کیا آپ پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ آپ نے ٹیلی پیتھی کے بہانے ہم سے فراڈ کیا ہے۔ ہمیں ایسے مقام پر لا کر چھوڑ دیا ہے۔ جہاں ہم کسی تنظیم کے بغیر اپنی حفاظت نہیں کر سکتے۔"

مادام ویرا نے سونیا کی حمایت میں کچھ کہنا شروع کیا تو ایک باس نے کہا" انسان کی عزت اس کی ہنرمندی اور صلاحیتوں سے ہوتی ہے اور اب سونیا کے پاس ایسی کوئی صلاحیت نہیں ہے کہ یہ ہم سے برتری حاصل کر سکے۔ ہم محاسبہ کریں گے کہ سونیا نے ہمیں دھوکا کیوں دیا ہے"

ذرا سی دیر میں وہاں سونیا کے خلاف آوازیں اٹھنے لگیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ دنیا طاقت کی پجاری ہے۔ وہ لوگ پہلے ماسک مین کو پوجتے تھے۔ جب سونیا ان کے ماسک مین سے زیادہ طاقتور نظر آئی تو وہ سونیا کی پوجا کرتے ہوئے استنبول تک پہنچ گئے اب سونیا ... کا توازن بگڑ گیا تھا۔ اس بے چاری کی تقدیر بگڑ گئی تھی۔ میری گمشدگی کا صدمہ کم نہیں تھا۔ اس پر ستم یہ کہ دوست بھی دشمن بن رہے تھے۔

رس دنتی نے کہا" فرہاد! میں تمہاری سوچ کے ذریعے

ان لوگوں کی باتیں کسی حد تک سمجھ رہی ہوں۔ مجھے بتاؤ یہ جمپیزی کون ہے۔ یہ سونیا کو ممی کہہ رہا ہے اور اس کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔"

میں نے ذہن پر زور ڈال کر سوچنا شروع کیا پھر کہا" میں جمپیزی کو کسی حد تک پہچاننے لگا ہوں۔ مگر کیا تم نہیں سمجھ رہی ہو کہ میرا دل و دماغ سونیا کی طرف لگا ہوا ہے۔ پہلے اسے دشمنوں سے بچاؤ۔"

" میں اسے کیوں بچاؤں؟ اسے ایک دن مرنا ہے۔ آج ہی مر سکتی ہے۔"

میں نے جھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ بستر پر اٹھ بیٹھا۔ سامنے صوفہ پر رس دنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے غصہ سے کہا" میں ابھی سونیا کے پاس جاؤں گا۔"

وہ سرد لہجے میں بولی" چپ چاپ لیٹ کر آنکھیں بند کر لو۔"

مجھے یوں لگا جیسے میرا دماغ اس کے حکم کی تعمیل کرنے والا ہو۔ چشم زدن میں بغاوت کا خیال آیا۔ دماغ نے کہا" پلنگ کے پاس رکھا ہوا گلدان اٹھا کر رس دنتی پر حملہ کروں گا۔"

" بُری بات ہے۔" رس دنتی نے کہا" تمہارا دماغ وہی کرے گا جو میں کہہ رہی ہوں۔ لیٹ جاؤ۔" پھر اس نے تحکمانہ لہجے میں زور سے کہا" لیٹ جاؤ۔"

میں بے اختیار بستر پر لیٹ گیا۔ پھر میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ جسمانی طور پر قید کیے جانے والے کسی نہ کسی طرح فرار ہو جاتے ہیں لیکن مجھ جیسے دماغ کی کال کوٹھری میں قید ہونے والے کے لیے فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔

مجھے پھر وہی منظر دکھائی دیا۔ سونیا کے اطراف جمپیزی شیلا، مادام ویرا اور مسٹر بنکاک محافظ بن کر کھڑے ہوئے تھے۔ سونیا کے ان حمایتیوں کو میں ان کے نام سن کر کسی حد تک پہچان رہا تھا۔ مسٹر بنکاک نے کہا" دوستو! مادام سونیا آپ لوگوں کو دھوکا دینے کی نیت سے یہاں نہیں لائی ہیں۔ آپ لوگوں کو ہمدردی سے سوچنا چاہیئے کہ تقدیر نے مادام سے دھوکا کیا ہے۔ اگر آپ ہمدردی سے نہیں سوچیں گے تو پھر ہم ایک دوسرے سے لڑ جھگڑ کر مر جائیں گے۔ دانش مندی یہ ہے کہ ہم چپ چاپ اپنی اپنی راہوں پر واپس چلے جائیں۔"

ایک باس نے کہا" ہم ریڈ یادر میں واپس نہیں جا سکتے کیا تم نہیں جانتے کہ وہاں غداری کی کتنی عبرتناک سزائیں دی جاتی ہیں۔"

" میں جانتا ہوں مگر آپ سب باصلاحیت لوگ ہیں۔ ریڈ یادر میں نہ سہی۔ ماسٹروں کی تنظیم میں آپ سب اپنا مقام حاصل کر سکتے ہیں۔ میں خود بنکاک واپس جا رہا ہوں۔ جب بھی کسی بڑی تنظیم سے آفر ملے گا میں قبول کر لوں گا۔"

اس کی یہ باتیں قابلِ قبول تھیں۔ وہ سب بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے رخصت ہونے لگے۔ اتنے میں فون کی گھنٹی سنائی دی۔ جمپیزی نے ریسیور اٹھایا۔ پھر کچھ سننے کے بعد ریسیور کو سونیا کی طرف بڑھا دیا۔" ممی! آپ کی کال ہے۔"

سونیا نے فوراً ہی ریسیور اٹھا کر پوچھا" ہیلو، کون فرہاد؟"

فرہاد اس کے دل و دماغ میں بسا ہوا تھا۔ ایسی دیوانگی میں وہ یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ فرہاد تو خیال خوانی کے ذریعے رابطہ قائم کرتا ہے بھلا فون کے ذریعے کیوں کال کرے گا۔

اسی وقت رس دنتی میری سوچ کو اڑاتی ہوئی شنکر کے پاس پہنچ گئی۔ شنکر ایک ٹیلی فون بوتھ کے اندر ریسیور کو کان سے لگائے کہہ رہا تھا" سونیا! تم نے استنبول پہنچ کر مجھے نظرانداز کر دیا لیکن میں اب بھی تمہارا خیرخواہ ہوں۔ تمہیں فرہاد سے ملا سکتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ سونیا کی باتیں سننے لگا۔ پھر اس نے کہا" ہاں مگر ایک شرط ہے۔ میں جہاں بلاؤں گا۔ تم وہاں تنہا آؤ گی۔"

وہ میری خاطر کسی بھی خطرناک مقام پر تنہا جا سکتی تھی۔ اس کا جواب سن کر شنکر نے کہا" پرنسس آئی لینڈ پہنچ جاؤ۔ تم گلاٹا برج سے فیری کے ذریعہ وہاں بہ آسانی پہنچ سکتی ہو۔"

یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ساتھ ہی میرے دماغ کی اسکرین پر اندھیرا چھا گیا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا رس دنتی سامنے صوفے پر بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ میں نے مضطرب ہو کر کہا" تم نے رابطہ کیوں ختم کر دیا۔ مجھے سونیا کے پاس پہنچاؤ۔"

" جب وہ پرنسس آئی لینڈ میں آ جائے گی تو میں سوچ کے ذریعہ تمہیں اس کے پاس پہنچا دوں گی۔"

" کیا میں اس وقت پرنسس آئی لینڈ میں ہوں؟"

" ہاں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی۔ میں نے پوچھا" تم کہاں جا رہی ہو۔ سونیا یہاں کب پہنچے گی؟"

" جب پہنچے گی تو میں یہاں آ جاؤں گی۔"

وہ خوابگاہ سے باہر گئی۔ پھر دروازہ بند ہو گیا۔ وہ مجھے دماغ کی اسکرین پر سونیا کی ادھوری فلم دکھا کر ایک عذاب میں مبتلا کر گئی تھی۔ دوسرے لفظوں میں میری بے بسی کا مذاق اڑا کر گئی تھی کہ میں ہاتھ پاؤں رکھتے ہوئے بھی بے دست و پا ہوں۔ دماغ رکھتے ہوئے بھی سونیا کی حفاظت کے لیے پلاننگ نہیں کر سکتا۔

میں بڑی دیر تک اضطراب میں مبتلا رہا۔ پھر دماغ میں بات آئی کہ مجھے ایسے وقت پُرسکون رہنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔

آدمی سب کچھ بھولنے کے باوجود اپنی عادتیں نہیں بھولتا۔ یہ میری فطرت کا خاصا ہے کہ میں مصائب کے دوران ذہنی انتشار کا شکار نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو میں اپنے ذہن کو رفتہ رفتہ پُرسکون رکھنے میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔

اس وقت بھی یہی ہوا۔ میں سکون سے سوچنے لگا۔ میری کھوپڑی کا برین واش نہیں کیا گیا تھا۔ صرف نامعلوم جڑی بوٹیوں کے استعمال کا اثر تھا کہ میں کند ذہن ہو گیا تھا۔ ذہن پر زور ڈالنے کے بعد بھولی ہوئی باتیں یاد آ جاتی تھیں۔

جب میں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ میں استنبول کیسے آیا؟ تو مجھے ہانگ کانگ سے آنے کے واقعات یاد آئے۔ اس کے ساتھ ہی مے یون اور رُدمانہ بھی یاد آئیں۔ مجھ سے محبت کرنے والی دو ہستیاں نہ جانے میرے لیے کہاں کہاں بھٹک رہی ہوں گی۔ اب سونیا کے ساتھ ان دونوں کی فکر بھی لاحق ہو گئی۔

میں بستر سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ان حالات میں میں کچھ کر گزرتا ہوں۔ لیکن اس وقت دماغ میں کوئی تدبیر نہ آئی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اب تو میں ٹیلی پیتھی کے ہتھیار سے بھی خالی ہو گیا تھا۔ میں نے جھنجھلا کر وہاں سے باہر جانے کا ارادہ کیا۔ آگے بڑھ کر دروازے کے ہینڈل کو گرفت میں لیا لیکن وہ باہر سے مقفل تھا۔ میں نے ایک کرسی اٹھا کر زور سے دروازے پر ماری۔ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ دروازہ لرز گیا مگر اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑا رہا۔

تب میری سوچ نے کہا: "یہ کمزوری کی علامت ہے۔ جب ایک شہ زور اپنی طاقت سے کام نہیں لے سکتا۔ اپنے دماغ سے کام نہیں لے سکتا تو اسی طرح چیزوں کو خواہ مخواہ توڑتا پھوڑتا ہے۔ مجھے آرام سے بیٹھ کر سوچنا چاہیے۔"

میں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ مجھے یوں لگا جیسے آپ ہی آپ یہ سوچ میرے دماغ میں آئی اور میں آپ ہی آپ صوفے پر بیٹھ گیا۔ ایسا تو میں رس ونتی کے حکم پر کرتا ہوں۔ میں نے اپنا سر تھام لیا۔ میں ایسے جال میں پھنسا ہوا تھا جیسے دوسروں کو اپنی خیال خوانی کے ذریعہ نچاتا تھا۔ اب خود اسی طرح ناچ رہا تھا۔ رس ونتی اپنی مرضی کے مطابق کبھی اٹھا رہی تھی، کبھی بٹھا رہی تھی اور میں بے اختیار اس کے احکامات کی تعمیل کر رہا تھا۔

صوفے پر بیٹھے بیٹھے میرے ذہن میں کتنی ہی یادیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔ میں نے مے یون سے وعدہ کیا تھا کہ دو دن بعد واپس آ جاؤں گا اور سونیا کی باتیں سن کر پتہ چلا تھا کہ میں دو ہفتے سے لاپتہ ہوں۔ سونیا اور رومانہ تو خیر بڑی حوصلہ مند تھیں بیچاری مے یون جیسی جلد حوصلہ ہارنے والی لڑکی پر نہ جانے کیا گزر رہی ہو گی میرا دل درد سے چکنا چور ہو رہا تھا۔

اتنے میں رس ونتی کی سوچ میرے دماغ میں ابھری۔ وہ کہہ رہی تھی: "تم کس قسم کے آدمی ہو۔ کیا عورتوں کے علاوہ دوسری باتیں نہیں سوچ سکتے۔ میں کتنی دیر سے تمہاری کھوپڑی میں موجود ہوں۔ تمہاری تمام سوچیں گھوم پھر کر اپنی محبوباؤں کی طرف چلی آتی ہیں۔ تم ان کے ہی لیے یہاں سے بھاگنا چاہتے ہو۔ کیا اپنے لیے کچھ نہیں سوچ سکتے ہو؟"

میں نے کہا: "میری زندگی صرف انہی محبت کرنے والی ہستیوں کے لیے ہے۔ میں صرف ان کے لیے ہی جیتا اور مرتا رہوں گا۔"

"یہ زندگی کا کوئی اعلیٰ مقصد نہیں ہے۔"

میں نے جواب دیا: "جب تم سے کوئی پیار کرے گا، اور تمہارے لیے جان کی بازی لگائے گا تب تمہیں معلوم ہو گا کہ کسی کی محبت میں خوبصورتی سے گزر جانے کا نام زندگی ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم بیک وقت تین عورتوں سے انصافاً کیسے محبت کر سکتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ کسے چاہتے ہو؟"

"میں سب کو۔۔۔۔ سب سے زیادہ چاہتا ہوں۔"

"دیکھو فرہاد! اب تم میری مرضی کے مطابق زندگی گزارو گے۔ میرے دھرم میں صرف ایک عورت کو جیون ساتھی بنایا جاتا ہے۔ تم ان تینوں میں سے کسی ایک کو پسند کرو۔ باقی دو کو میں ہمیشہ کے لیے تمہاری دنیا سے دور بھیج دوں گی۔"

"بکواس مت کرو۔" میں نے غصے سے کہا۔ اسی وقت میرے ذہن کو جھٹکا پہنچا۔ میں اچھل کر کھڑا ہوا۔ پھر کٹے ہوئے شہتیر کی طرح صوفے پر گر پڑا۔ میرا سر دکھنے لگا تھا۔

رس ونتی کی سوچ نے کہا: "جب دیوی مخاطب ہو تو ادب سے باتیں کیا کرو۔ گستاخی کرو گے تو اس سے بھی بھیانک سزا ملے گی۔"

میں چپ چاپ اپنے سر کو سہلاتا رہا۔ اس نے پھر پوچھا کہ میں سونیا، رومانہ اور مے یون میں سے کس کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں؟ میں نے جواب دیا: "میں کسی کا بھی ساتھ چھوڑ کر اس سے بے وفائی یا ناانصافی نہیں کروں گا۔"

شاید میرا جواب سن کر اسے غصہ آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہی۔ پھر بولی: "اچھا یہ بتاؤ کہ سب سے پہلے تمہاری زندگی میں کون آئی تھی؟"

میں نے جواب دیا: "میری زندگی میں اتنی لڑکیاں آئیں کہ پہلا نمبر یاد نہیں ہے۔"

"دھتکار ہے تم پر۔ تم اوّل درجے کے عیاش اور بدمعاش ہو۔"

"شیر کو کٹہرے میں رکھ کر کتی ہی گالیاں دے لو۔ جس روز کٹہرے کی سلاخیں ٹوٹیں گی۔ میں تم سے گالیوں کا حساب ضرور کروں گا۔"

وہ بولی: "اونہہ! اسے کہتے ہیں کہ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ آہستہ آہستہ تمہاری سمجھ میں یہ آ جائے گا کہ میری خیال خوانی کے آہنی شکنجے سے تم کبھی نہیں نکل سکو گے۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی میری سوچ نے کہا: "مجھے رس ونتی سے بحث نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے اپنی تین محبوباؤں میں سے پہلی محبوبہ کے متعلق سوچنا چاہیے۔"

اس خیال کے ساتھ ہی سونیا کا تصور ذہن میں ابھرا۔ پھر رس ونتی کی ہنسی سنائی دی: "کہو فرہاد! میں نے کیسے تمہارے ذہن سے اگلوا لیا کہ سونیا پہلے تمہاری زندگی میں آئی ہے۔"

میں نے بے بسی سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "جب تک پہلی عورت زندہ رہے اور وفاداری سے ساتھ نبھاتی رہے، مرد کو اس وقت تک دوسری کا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیے۔ میں تمہیں ایک شریف آدمی بنا کر ہی دم لوں گی۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رس ونتی کی صورت میرے دماغ کی اسکرین پر تھی اور وہ خاموش تھی جیسے میرے جواب کا انتظار کر رہی ہو۔ پھر اس نے کہا: "اب میں جا رہی ہوں۔"

میں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا: "تم میرے دماغ سے اپنی سوچ کی لہریں لے کر واپس جا رہی ہو۔ لیکن یہ بدمعاش تمہیں تصور میں دیکھتا رہے گا۔ تمہاری کنول کٹوروں جیسی خوبصورت آنکھیں صرف میرے لیے۔۔۔"

میرے دماغ کو ایک زبردست جھٹکا پہنچا۔ میں صوفے سے اچھل کر آگے کی طرف جھک گیا۔ اس نے پھر ایک بار ٹیلی پیتھی کی ضرب لگائی۔ میں قالین پر اوندھے منہ گر پڑا۔ انسان جسم کی چوٹیں حوصلے سے برداشت کر لیتا ہے کیونکہ وہ حوصلہ دماغ سے ملتا ہے اور جب دماغ پر ہی چوٹیں پڑ رہی ہوں تو پھر حوصلہ کہاں سے ملے گا؟ میرے حلق سے بے اختیار چیخیں نکل رہی تھیں اور میں ادھر سے ادھر قالین پر مرغِ بسمل کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔

رس ونتی کی سوچ نے کہا: "تم اپنی بدمعاشی سے باز نہیں آؤ گے۔ میں تمہیں اسی طرح تڑپا تڑپا کر مار دوں گی۔"

میں نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا: "میں مرنا چاہتا ہوں۔ جب میں اپنے پیاروں کے کام نہیں آ سکتا تو مجھے اسی طرح مر جانا چاہیے۔ تم ایک بار میرے سامنے آؤ۔ میں تمہاری جوانی کی سیج پر مر جاؤں گا۔"

پھر میرے دماغ کو ایک جھٹکا پہنچا۔ میں نے تڑپتے اور چیختے ہوئے کہا: "میری بدمعاشیاں ختم کرنے کا صرف ایک راستہ ہے۔ سن لو ورنہ میں اسی طرح تمہیں چھیڑتے چھیڑتے مر جاؤں گا۔"

وہ غصے سے بولی: "تم مرنے کی دھمکی کیا دے رہے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں زندہ رکھوں گی۔"

"ہاں اگر مارنا ہوتا تو تم بہت پہلے مجھے مار ڈالتیں۔ تمہارا اپنا کوئی اہم مقصد ہے۔ جس کے لیے تم نے مجھے زندہ رکھا ہے۔"

"تمہیں بڑی خوش فہمی ہے۔ مجھے غصہ آئے گا تو ابھی تمہیں ختم کر دوں گی۔"

"اچھا تو تمہیں ابھی غصہ نہیں آ رہا ہے؟"

"بکواس مت کرو۔"

"نہیں کروں گا۔ اتنا بتا دو کہ مجھے زندہ کیوں رکھا ہے؟"

"تمہیں ایک شریف آدمی بنانے کے لیے۔"

"ہماری دنیا میں بدمعاشوں کا میلہ لگا ہوا ہے۔ تم کتنوں کو سدھارو گی؟"

"جنہیں سدھارنا ضروری سمجھوں گی۔"

"یہی تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم مجھے ضروری کیوں سمجھ رہی ہو؟"

"میں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔"

"اچھا اگر میں شریف آدمی بن جاؤں تو؟"

"مجھے خوشی ہو گی۔"

"تم نے ابھی کہا تھا کہ مجھے صرف ایک عورت کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیے۔ میں اس شرط پر تمہاری بات مان لوں گا کہ آئندہ تم سونیا، رومانہ اور مے یون کو کبھی ٹریپ نہیں کرو گی۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو گی۔ میں ان تینوں سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔"

"کیا تم مجھے نادان سمجھتے ہو؟ تمہاری ان باتوں کے پیچھے تمہاری جو سوچ چھپی ہوئی ہے اسے میں پڑھ رہی ہوں۔"

میں نے بوکھلا کر پوچھا: "کیا پڑھ رہی ہو؟"

"یہی کہ تم یہاں قید رہنے تک ان تینوں سے کوئی تعلق نہیں رکھو گے مجھے بے وقوف بناتے رہو گے۔ پھر یہاں سے فرار ہونے کا جب بھی موقع ملے گا، تم ان عورتوں کے پاس پہنچ جاؤ گے۔"

میں نے پوچھا: "کیا تم میری سوچ سے ڈر رہی ہو؟ تمہارا تو دعویٰ ہے کہ میں تمہاری خیال خوانی کے آہنی شکنجے سے کبھی نہیں نکل سکوں گا۔ کیا تمہیں اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہے؟"

"احمقو ہے۔ میں تمہارے دماغ کو کبھی آزاد نہیں چھوڑوں گی۔"

"ٹھیک ہے جب تم نے ہمیشہ کے لیے قید کر ہی لیا ہے تو پھر میں صرف تمہیں جیون ساتھی بنا کر زندگی گزاروں گا۔"

اسے چپ لگ گئی۔ وہ جواب نہیں دے رہی تھی۔ شاید غصے کو برداشت کر رہی تھی۔ شاید میری دیوانہ وار ضد اس کے دل کو جھنجھوڑ رہی تھی۔ کوئی ایسا راز یا کوئی ایسی کمزوری تھی کہ وہ بار بار سزائیں دینے کے باوجود میری جان کی دشمن نہیں بن رہی تھی۔

میں نے اسے پکارا "رس ونتی! خاموش کیوں ہو؟ جواب دو۔"

دوسری طرف بدستور خاموشی رہی۔ یا تو وہ غصے سے جھنجھلا کر چلی گئی تھی یا پھر چپ چاپ میرے خیالات پڑھ رہی تھی۔ میں نے کہا "اچھی بات ہے۔ میں اپنے ذہن کی کتاب کھولتا ہوں۔ تم خاموشی سے پڑھتی رہو۔ میرے دماغ کی کتاب میں تمہارے حسن کا قصیدہ ہے اور پیاسی جوانی کی صدائیں ہیں۔ جنہیں تم سنتی ہو مگر سمجھنے سے انکار کر دیتی ہو۔ تم دیوتاؤں کی پوجا کرتی رہو گی، تو جسم کا جہنم سلگتا ہی رہے گا۔ روحانی سکون کبھی حاصل نہ ہوگا۔ جب تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے تو تم پیار کو بدمعاشی سمجھ کر اپنے دل کو تسلی دیتی ہو۔ دوسروں کو شریف بنانا چاہتی ہو جبکہ تمہیں شرافت سے کسی ایک کی بن کر زندگی گزارنا چاہیے اور وہ ایک میں ہی ہوں۔"

میں بہت دیر تک بولتا رہا۔ دوسری طرف سے غصہ نہیں تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ نہ سن رہی ہو۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ رومانی داستان پڑھنے والی لڑکیاں اوپر سے چپ رہتی ہیں اندر سے خیالوں کے ہرے بھرے جنگل میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ کاش کہ میں رس ونتی کی سوچ پڑھ سکتا۔

دوپہر کو دروازہ کھل گیا۔ دو ہٹے کٹے نوجوان کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں بہت سے پیکٹس اور گتے کے ڈبے تھے۔ ایک نے کہا "ہم آپ کے لیے لباس، جوتے اور دوسری ضروریات کی چیزیں لائے ہیں۔ آپ غسل کر کے لباس بدل لیں کھانا تیار ہو چکا ہے۔"

میں نے پوچھا "رس ونتی کہاں ہے؟"

دوسرے نے کہا "آپ سے پوچھو کہ دیوی کہاں ہیں؟"

"وہ تم لوگوں کی دیوی ہو سکتی ہے۔ میں اسے صرف رس ونتی کے نام سے جانتا ہوں۔"

"تم دیوی کا احترام نہیں کرو گے تو ہماری طرف سے کوئی جواب نہیں ملے گا۔"

میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا "اچھی بات ہے۔ محترمہ دیوی سے جا کر کہو کہ میں سونیا تک پہنچنا چاہتا ہوں۔"

"ابھی سونیا فیری بوٹ میں سفر کر رہی ہے۔ جب اس جزیرے میں آئے گی تو تمہیں بتا دیا جائے گا۔"

وہ دونوں تمام سامان رکھ کر واپس چلے گئے۔ میں نے شیو کرنے کے بعد غسل کیا۔ پھر جوتے اور لباس پہن کر قد آدم آئینے کے سامنے خود کو دیکھا۔ بہت دنوں کے بعد حلیہ تبدیل ہوا تھا۔ نیوی بلو کلر کے سوٹ اور نکٹائی میں شخصیت نکھر آئی تھی۔ میرا ذہن بار بار کہہ رہا تھا کہ بہت عرصے بعد سونیا سے ملنے کے لیے میں بن سنور رہا ہوں۔ لیکن میں یہ خیال اپنے ذہن سے نکال رہا تھا یہ نہیں چاہتا تھا کہ رس ونتی میری سوچ کو پڑھ کر سونیا سے میری دلچسپی کو سمجھتی رہے۔ حالات کا تقاضہ یہ تھا کہ میں رس ونتی سے دلچسپی لیتا رہوں اور اس کی کمزوریوں کو سمجھتا رہوں۔"

یہ تمام باتیں ذہن میں پکتی رہی تھیں۔ دماغ سے باہر کوئی سوچ نہیں ہوتی۔ لہٰذا رس ونتی میری اس پلاننگ کو چپ چاپ پڑھ سکتی تھی۔ لیکن میں کیا کرتا؟ دماغ کو کہاں چھپا کر سوچتا؟ اس لیے چانس لے رہا تھا کہ شاید اس وقت رس ونتی میرے دماغ میں موجود نہ ہو۔ اگر ہوگی تو ضرور ٹوکے گی کہ میں انگریزی زبان میں کیا سوچ رہا ہوں۔

بس مجھے انگریزی اور جاپانی زبان کا سہارا تھا۔ میں انہی دو زبانوں میں چھپ کر کوئی پلاننگ کر سکتا تھا۔ اگر رس ونتی کو شبہ ہوتا تو وہ ضرور مداخلت کرتی۔ میرے تیار ہونے کے بعد وہی صحت مند نوجوان میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ساتھ کمرے سے باہر لے گئے۔ میں نے پہلی بار اس عمارت کے اندر سفر کیا۔ کئی کاریڈور، ڈرائنگ روم، لائبریری، سوئمنگ پول سب ہی اس عمارت کے اندر تھے۔ ہم زینے طے کرتے ہوئے دوسری منزل کی ایک لابی میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک بڑی سی میز پر پُرتکلف کھانا چنا ہوا تھا۔ میز کے ایک طرف ایک کرسی پر رس ونتی بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے اس کے سامنے دوسری طرف کرسی پر بیٹھتے ہوئے اسے دیکھا تو نظریں چار ہوئیں۔ پھر اس نے جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

ہائے۔ تب میں نے جھکی ہوئی نظروں کی کمزوری پکڑ لی۔ اس کے گلابی رخسار یوں سرخ ہو گئے تھے جیسے میں نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔ وہ خود پر قابو پانے کے لیے اپنے سامنے پلیٹ کو سرکا رہی تھی۔ پلیٹ دو ڈشوں کے درمیان ٹکراتی ہوئی بج رہی تھی۔ پھر اس ٹکراؤ میں پانی سے بھرا ہوا گلاس میز پر گر پڑا۔

میں نے مسکرا کر کہا "میں خیال خوانی بھول چکا ہوں لیکن نگاہوں کی ٹیلی پیتھی بھی اپنا کام دکھاتی ہے۔"

اس نے ہونٹوں کو بھینچ کر غصے سے میری جانب دیکھا۔

...ہن میری بدلی ہوئی شخصیت کو شاید دیکھنے کی تاب نہیں تھی۔ ...نظریں چرا کر جانے لگی۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ...جاؤ گی تو میں بھی کھانے کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔"

وہ رک گئی۔ میری جانب دیکھے بغیر بولی "مجھ سے بکواس ...اور چپ چاپ کھا کر اپنے کمرے میں چلے جاؤ۔"

وہ جانے لگی۔ میں بھی تیز قدموں سے چلتا ہوا اس سے ...آگے نکل گیا۔ پھر دروازے کو کھول کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ...سر جھکاتے ہوئے بولا "تشریف لائیے۔"

وہ لابی کی طرف گھوم کر بولی "فرہاد! میں آخری بار ...کہتی ہوں کہ یہ شوخیاں بھول جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔"

میں نے کہا "فرہاد کو اپنی شخصیت یاد نہ آتی تو شاید وہ اپنی ...جان بھی بھول جاتا۔ بہرحال تمہیں برا لگتا ہے تو میں آئندہ تمہارے ...مزاج کے خلاف ایسی باتیں نہیں کروں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ کھانے ...کی میز پر واپس چلو۔"

وہ چپ چاپ میز کی طرف چلی گئی۔ شاید اسے عقل آ گئی ...کہ مجھ سے کترائے گی تو خود بخود کمزوریاں ظاہر ہوتی چلی جائیں ...گی۔ ہم دونوں اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئے۔ میرے بائیں جانب دور جزیرے کی ہریالی نظر آ رہی تھی۔ بہت دور پرانی عمارتوں کے کھنڈرات دکھائی دے رہے تھے۔ میں نے رس ونتی کو ...دیکھا وہ سر جھکائے خود کو کھانے میں مصروف رکھ رہی تھی۔ ...میں نے پوچھا "اگر میں سنجیدگی سے باتیں کروں تو کیا جواب دو گی؟"

"ہوں۔" وہ کھانے میں مصروف رہی۔

میں نے پوچھا "تم یہ گیروے رنگ کی ساڑھی کیوں پہنتی ہو؟" اس نے مجھے گھور کر دیکھا، پھر بولی "یہی سنجیدہ گفتگو ہے؟ ...تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"تم بھی تو میرے پیچھے پڑ گئی ہو۔ اگر یہ جھوٹ ہے تو مجھے چھوڑ دو۔"

"لیکن تم سے اس انداز سے باتیں نہیں کرتی ہوں جس انداز سے ...تم کرتے ہو۔ تم میرے لباس کے متعلق پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟"

"تم میرے لیے یہ نیا لباس خریدنے والی کون ہوتی ہو؟ میں ...ابھی اسے جا کر یہ لباس اتار دوں گا۔ دیکھو رس ونتی! تم زبان ...سے ظاہر کرتی رہتی ہو لیکن تمہارا عمل چغلی کھاتا ہے کہ تم ...مجھے لباس میں دیکھنا...؟"

...میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ ایک جھٹکے سے ...کھڑی ہو گئی۔ پھر تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہاں سے جانے ...لگی۔ میں نے کہا "منہ پھیر کر جانے سے بہتر ہے کہ مجھے دماغی جھٹکے ...دو۔ میری زبان بند ہو جائے گی۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔ میں نے ایک لقمہ منہ میں رکھ کر چباتے ہوئے سوچ کے ذریعے کہا "ہیلو! کمرے سے باہر جا کر دماغ کے اندر آ گئی ہو۔ میرا دماغ تمہاری موجودگی کو محسوس نہیں کر سکتا لیکن میرے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی ہیں کہ تم میرے پاس ہو۔ آخر کب تک خیال خوانی کی آنکھ مچولی کھیلتی رہو گی؟"

چند لمحوں تک خاموشی رہی۔ پھر اس کی سوچ نے کہا "اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ نہ تم مجھے دیکھو گے اور نہ فضول باتیں کر سکو گے۔"

"تم میرے سامنے سے خود کو گم کرنا چاہتی ہو۔ مگر میرے دماغ سے اپنی موہنی مورت کو کیسے مٹاؤ گی؟"

میرا جواب ایسا تھا کہ وہ شاید سوچنے کے لیے چپ ہو گئی۔ پھر اس نے کہا "دوسری باتیں کرو۔ سونیا یہاں پہنچ گئی ہے۔"

اس نے بڑی ذہانت سے میری توجہ سونیا کی جانب منتقل کر دی۔ میں نے کہا "میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"تم براہ راست نہیں مل سکو گے۔ آنکھیں بند کر دو اور میری سوچ کی انگلی تھام لو۔"

وہی پہلے جیسا طریقہ کار تھا یعنی خیال خوانی کی تکنیک میں میری سوچ کی اڑان کمزور پڑ گئی تھی اس لیے رس ونتی میری سوچ کی لہروں کو سونیا تک پہنچاتی تھی۔ میں نے آنکھیں بند کیں۔ اس کے ساتھ ہی دماغ کی اسکرین روشن ہو گئی اور میں رس ونتی کے سہارے سونیا کی سوچ پڑھنے لگا۔

وہ ایک سرخ رنگ کی اسپورٹنگ کار میں بیٹھی ہوئی تھی شنکر اس کار کو ڈرائیو کر رہا تھا۔ سونیا نے اس سے پوچھا "ہمیں کتنی دور جانا ہوگا؟"

شنکر نے جواب دیا "صرف پندرہ منٹ کا راستہ ہے۔"

"کیا وہاں فرہاد موجود ہے؟"

"نہیں۔ وہاں ایک ایسی ہستی موجود ہے جو فرہاد کا پتہ جانتی ہے۔"

"اچھا سمجھ گئی۔ تمہاری دیوی رس ونتی نے ٹیلی پیتھی کے ذریعے فرہاد کا پتہ چلایا ہوگا۔"

شنکر خاموش رہا۔ میں سوچنے لگا کہ سونیا کو اسی عمارت میں لایا جا رہا ہے۔ رس ونتی اس سے ملاقات کرے گی۔ لیکن مجھ سے ملنے نہیں دے گی۔ ویسے یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ سونیا کو وہاں کیوں بلایا گیا تھا؟

پندرہ منٹ کے بعد وہ اسپورٹنگ کار ایک کھنڈر کے سامنے آ کر رک گئی۔ سونیا نے کار سے اترتے ہوئے پوچھا "کیا تمہاری دیوی اس کھنڈر میں رہتی ہے؟"

شنکر نے کہا۔" تم اس کھنڈر میں فرہاد کو پکارتی ہوئی جاؤ۔ تمہیں فرہاد تک پہنچانے کے لیے کوئی نہ کوئی مل ہی جائے گا۔"

سونیا گہری سنجیدگی سے سوچنے لگی۔ میں بھی سوچ میں پڑ گیا۔ کہ کوئی گہری چال ہے۔ شاید وہاں سونیا کو گھیر کر قتل کر دیا جائے گا۔ میں نے فوراً ہی رس ونتی کو آواز دی۔ اس نے کہا۔" میں تمہاری سوچ پڑھ رہی ہوں۔ تمہیں اس لابی سے بہت دور ایک کھنڈر نظر آئے گا۔ سونیا وہاں پہنچ گئی ہے۔ لیکن تم اس کی مدد کے لیے وہاں تک نہیں جا سکو گے۔ بہتر ہے کہ چپ چاپ تماشا دیکھتے رہو۔"

میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ جس لابی میں میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں سے وہ کھنڈر نظر آ رہا تھا۔ اندازاً دو میل کا فاصلہ ہوگا۔ اگر میں دوڑتا ہوا جاتا تب بھی سونیا کو انجانے خطرے سے نہ بچا سکتا۔ کاش کہ میری آواز ہی اس کے کانوں تک پہنچ سکتی۔

میں نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ سونیا کھنڈر میں پہنچ گئی تھی اور مجھے آوازیں دیتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ ویرانے میں اس کی آواز زخمی پرندے کی طرح پھڑ پھڑا رہی تھی۔" فرہاد! فرہاد۔ فرہاد..."

آواز کا پرندہ بہت دور تک پھڑ پھڑاتا ہوا گیا۔ پھر واپس آنے لگا۔ سونیا سنبھل کر کھڑی ہو گئی۔ اسے اپنی پکار کے جواب میں دوسری پکار سنائی دے رہی تھی۔ سونیا نے پوچھا۔" کون ہے؟"

جواباً ایک آواز نے پوچھا۔" تم کون ہو؟"

" میں کوئی بھی ہوں۔ تم سامنے آؤ۔"

" سامنے آؤ۔ آؤ۔ واؤ۔ واؤ۔ واؤ..."

دونوں کے سوال جواب اس کھنڈر میں گونج رہے تھے۔ یہ سمجھنا دشوار تھا کہ آوازیں کس سمت سے آ رہی ہیں۔ سونیا اس کی تلاش میں بھٹک رہی تھی۔ پھر ایک جگہ ٹھٹھک گئی۔ پچاس گز کے فاصلے پر سامنے ایک موٹے سے ستون کے پیچھے کسی کی موجودگی کا پتہ چلا۔ وہاں سے ایک پتھر لڑھکتا ہوا زینے کے نیچے جا رہا تھا۔

" کون ہے۔ سامنے آؤ۔ آؤ۔ واؤ۔ واؤ..."

بازگشت کی گونج میں وہ ستون کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گئی۔ سونیا کی سوچ نے بتایا کہ سامنے آنے والی بے حد حسین ہے۔ پتلون اور سلیولیس بنیان میں اس کے بدن کی رعنائیاں جگمگا رہی ہیں۔ صاف پتہ چل رہا تھا کہ اس کے بدن کو جمناسٹک کی انگلیوں نے تراشا ہے۔

سونیا نے پوچھا۔" کون ہو تم؟"

وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر بڑی رعونت سے بولی۔" میں ہوں سمندر کی بیٹی رومانہ۔ اگر تم کچھ عرصے زندہ رہنا چاہتی ہو تو مجھے فرہاد کا پتہ بتا دو۔"

سونیا نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔ پھر آگے بڑھ کر پوچھا۔" تم میرے فرہاد کا پتہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

" تمہارا نہیں میرا فرہاد۔ تم زبردستی اسے اپنی جاگیر نہیں [illegible] سکتیں۔ شنکر نامی ایک شخص نے مجھے بتایا ہے کہ اس کھنڈر میں [illegible] عورت آئے گی اسی نے فرہاد کو اپنے قابو میں کر رکھا ہے۔"

سونیا نے اپنے ہونٹ سکوڑ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا پھر کہا۔" تم ایک نادان بچی ہو۔ اگر ذرا عقل ہوتی تو [illegible] لیتیں کہ فرہاد میرے پاس ہوتا تو میں اسے پکارتی ہوئی یہاں بھٹکتی؟"

رومانہ اپنا سر سہلاتی ہوئی بولی۔" اوہ! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شنکر مجھے دھوکا دے کر یہاں لایا ہے۔"

" ہاں! اس نے مجھے بھی جھانسہ دے کر یہاں پہنچایا ہے۔"

تب اس کھنڈر میں شنکر کے قہقہے گونجنے لگے۔ دونوں نے [illegible] چکراتی ہوئی آواز کے ساتھ گھوم کر دیکھا۔ وہ کھنڈر کے ایک شکستہ دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔" تم دونوں کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ فرہاد [illegible] دیوی کی قید میں ہے۔ دیوی نے اس کی کھوپڑی یوں گھمائی ہے کہ وہ ٹیلی پیتھی بھول چکا ہے۔ وہ تم میں سے کسی کی مدد کے [illegible] یہاں نہیں آ سکے گا۔ البتہ تم دونوں میں سے کوئی ایک وہاں [illegible] سکتی ہے۔"

" میں جاؤں گی۔" رومانہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

" نہیں۔ میں جاؤں گی۔" سونیا نے رومانہ کو گھور کر کہا۔

رومانہ اس کی طرف پلٹ کر بولی۔" تم میرے ہاتھوں [illegible] مرنے کے لیے یہاں آئی ہو۔"

سونیا نے اسے ایسے دیکھا جیسے کوئی ضدی بچی جانے [illegible] ہو۔ پھر اس نے شنکر سے کہا۔" کیا رس ونتی ٹیلی پیتھی کے [illegible] معلوم نہیں کر سکتی کہ فرہاد پر میرا حق ہے۔ یہ رومانہ جیسی لڑکیاں [illegible] کے لیے محض تفریح کا سامان ہوتی ہیں۔"

شنکر نے جواب دیا۔" دیوی تمہاری سوچ کو پڑھ سکتی [illegible] لیکن یہ رومانہ ہندی اور اردو نہیں جانتی ہے۔ بس اس کی [illegible] کا علم ہے۔ یہ فرہاد کے لیے ہانگ کانگ سے یہاں آئی [illegible]"

" میں اس کی دیوانگی کو اسی کھنڈر میں دفن کر دوں [illegible]"

شنکر نے مسکراتے ہوئے کہا۔" ایسا ہو جائے تو بہتر [illegible] ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔ ایک ہی [illegible] [illegible] پاک، زندگی گزارنے والی دیوی کا حکم ہے کہ فرہاد کے [illegible] ہی جیون ساتھی ہوگی۔ تم دونوں فیصلہ کر لو کہ تم میں سے [illegible]

[illegible] ساتھ زندگی گزارے گی۔ فیصلے کے بعد جو زندہ رہے گی میں اسے [illegible] کے پاس پہنچا دوں گا۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی" ہا۔ ہپ۔ ہپ" کی آواز [illegible] دی۔ رومانہ دونوں ہاتھوں سے قلابازیاں کھاتی، جمناسٹک [illegible] کرتب دکھاتی ہوئی سونیا کے اطراف دائرے کی صورت میں [illegible] رہی تھی۔ سونیا اس کے لڑنے کے انداز سے واقف نہیں [illegible] کہ وہ کس زاویے سے حملہ کرے گی۔ لہٰذا جب حملہ ہوا تو وہ مار [illegible] گئی۔ اس کے منہ پر ایک زبردست ٹھوکر پڑی۔ وہ پھر [illegible] کھاتی ہوئی ایک پتھر کے پاس جا کر ٹک گئی۔

اس کی باچھوں سے ذرا سا خون نکل آیا تھا۔ وہ الٹی ہتھیلی [illegible] سے لہو کو پونچھتی ہوئی اور غراتی ہوئی بولی۔" بے بی! موت [illegible] سونیا سے دامن چھڑا کر بھاگتی ہے۔ میں آخری وار تک دیتی [illegible] بھاگ جا۔ یہاں سے بھاگ جا۔ مجھے تیری چڑھتی جوانی پر [illegible] آ رہا ہے..."

" ہا۔ ہپ۔ ہپ..." جمناسٹک کی چک پھیری شروع [illegible] اب وہ سونیا اور پتھر کے اطراف دائرے کی صورت میں [illegible] رہی تھی۔ اس بار سونیا نے گہری نظروں سے جائزہ لیا کہ وہ [illegible] ایک دائرے کی تکمیل کرتی ہے۔ اس نے دل ہی دل [illegible] حساب لگایا پھر اچانک ہی چھلانگ لگائی۔ فضا میں اچھلتی [illegible] ہوئی پیچھے شانے کی طرف گئی۔ لیکن کراہ کے ساتھ [illegible] اور پتھر دل کے فرش پر گر پڑی۔

[illegible] ایسی چوٹیں آئی تھیں کہ وہ فوراً ہی نہ اٹھ سکی۔ رومانہ [illegible] ہاتھ کمر پر رکھے ایک پتھر کی بلندی پر کھڑی ہوئی تھی۔ کون [illegible] ہے کہ سمندر کی کون سی لہر کتنی بلندی تک اٹھے گی اور کتنی پستی [illegible] کر ساحل کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گی۔

وہ بڑی رعونت سے بولی۔" مجھے سمندر کی لہروں نے اچھالا [illegible] اور فرہاد کے بازوؤں نے سنبھالا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ فرہاد [illegible] تمہارا قاتل کہے۔ میں اب بھی تمہیں زندگی کی خیرات دیتی ہوں [illegible] نکل جاؤ۔"

سونیا اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اپنے گلے سے بندھے ہوئے [illegible] اسکارف کو کھولتی ہوئی بولی۔" فرہاد ایک نشہ ہے جو مرنے کے بعد [illegible] اترتا ہے۔ اب میرے قریب آ کر دیکھ کہ میں یہ نشہ [illegible] تیرے ذہن سے اتارتی ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے اسکارف کو اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ رومانہ [illegible] حیرانی سے دیکھ رہی تھی کہ وہ اندھی کیوں بن رہی ہے۔ اور [illegible] ہو رہا تھا کہ وہ بند آنکھوں کی تاریکی میں اپنی ساری توجہ صرف [illegible] اس پر مرکوز کرے گی۔ وہ جو جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہے تو ان کرتبوں کے فریب میں نہیں آئے گی۔

پھر ایکبار جنگ کا آغاز ہوا۔ تاریکی میں" ہا۔ ہپ۔ ہپ" کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سونیا کراٹے کا پوز بنائے چپ چاپ ایک جگہ کھڑی ہوئی بو سونگھ رہی تھی۔ وہ بو کبھی دائیں کبھی بائیں، کبھی آگے اور کبھی پیچھے پہنچ رہی تھی۔ پھر وہ بو بڑی برق رفتاری سے سونیا کے پیچھے آئی۔ اس کے ساتھ ہی کراٹے کا ہاتھ چل گیا۔ رومانہ کی چیخ سنائی دی۔ وہ تکلیف کی شدت سے دوہری ہو رہی تھی۔ اسی وقت سونیا نے اس کی کلائی تھام کر اپنے شانے پر سے اسے اچھالا پھر ایک طرف پھینک دیا۔

رومانہ کنکروں اور پتھروں پر لڑھکتی ہوئی جا رہی تھی۔ شنکر نے بے اختیار چیخ کر کہا۔" ارے وہ اندھے کنوئیں میں گرنے جا رہی ہے۔"

رس ونتی نے شاید اسی لئے جنگ کا اہتمام کیا تھا کہ میری دو چاہنے والیوں میں سے ایک زندہ رہے اور دوسری میرے خیال سے باز آ کر بھاگ جائے یا مر جائے۔ جب شنکر نے بے اختیار چیخ کر بتایا کہ رومانہ اندھے کنوئیں میں گرنے والی ہے تو میں ایکدم سے تڑپ گیا۔ پھر چیخ کر رس ونتی کو مخاطب کیا:" رومانہ کو بچاؤ۔ اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں تمہارا دشمن بن جاؤں گا۔"

رس ونتی کی سوچ نے کہا۔" اچھی زبردستی ہے۔ رومانہ کو تو سونیا مار رہی ہے، تم میرے دشمن کیوں بنو گے؟"

" یہ تماشے تم ہی کر رہی ہو۔ سونیا سے کہو کہ وہ اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹا دے۔ نہ وہ دیکھ سکتی ہے، نہ رومانہ کے متعلق سوچ سکتی ہے۔ کچھ پتہ تو چلنا چاہیئے کہ رومانہ کس حال میں ہے؟"

میری بات ختم ہوتے ہی میں نے رومانہ کی زندگی کے آثار پائے۔ پہلے میں نے بدحواسی میں توجہ نہیں دی تھی۔ اب میں نے سونیا کی سوچ کے ذریعے معلوم کیا کہ وہ رومانہ کی بو محسوس کر رہی ہے یعنی وہ اندھے کنوئیں میں گرنے سے بچ گئی ہے!

رس ونتی نے میری سوچ کو سونیا کے دماغ تک محدود رکھا تھا، میں نے کہا۔" رس ونتی! مجھے رومانہ کے دماغ تک پہنچاؤ!"

" مجبوری ہے!" اس نے کہا۔" رومانہ کی اجنبی سوچیں میری گرفت میں نہیں آ رہی ہیں۔ کسی طرح تم اسے ہندی یا اردو بولنے پر مجبور کرو تو میں تمہیں رومانہ کے پاس پہنچا دوں گی!"

یہ بات رومانہ کے لئے مفید تھی کہ رس ونتی اس کی زبان نہیں جانتی۔ میں نے کہا۔" رومانہ ہماری زبان بالکل ہی نہیں بول سکتی ہیں اسے بولنے پر مجبور نہیں کر سکوں گا!"

" میں خوب سمجھ رہی ہوں۔ تم نہیں چاہتے کہ رومانہ کا دماغ میری گرفت میں آئے!"

"تم جو چاہو سمجھ لو۔ فی الحال اُن دونوں کا جھگڑا ختم کرو۔ میں اُن سے ملوں گا!"

"تم کسی ایک سے مل سکو گے۔ بولو کسے چاہتے ہو؟ سونیا کو یا رُومانہ کو۔؟"

وہ مجھے الجھا رہی تھی۔ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکتا تھا جو میرے لئے مرنا جانتی ہوں، میں اُن کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ رس ونتی نے کہا "میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ تم کسی ایک کے حق میں فیصلہ نہیں کر سکو گے اور نہ ہی موجودہ حالات میں ان کی مدد کر سکو گے۔ چلو انہیں آپس میں فیصلہ کرنے دو۔ آنکھیں بند کرو، میں تمہیں وہاں لے جا رہی ہوں۔"

میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ میں اس وقت دُعا مانگ رہا تھا کہ سونیا اور رُومانہ کو عقل آ جائے۔ کم از کم وہ یہ سمجھ لیں کہ ان میں سے کسی کی بھی جان جائے گی تو فرہاد کو صدمہ پہنچے گا۔ مشکل یہ ہے کہ عورتیں اپنی سوکن کو برداشت نہیں کرتی ہیں!

میں پھر سونیا کی بند آنکھوں کے پیچھے پہنچ گیا تھا۔ وہاں تاریکی ہی تاریکی تھی اور وہ رُومانہ کی بُو محسوس کر رہی تھی۔ اُس کے سونگھنے کی حِس بتا رہی تھی کہ رُومانہ قریب آ گئی ہے۔ اُسی وقت سونیا نے فلائنگ کِک ماری۔ ایک بار پھر رُومانہ کی کراہ سُنائی دی۔ وہ دُور چلی گئی تھی۔

سونیا نے اپنی آنکھوں پر سے اسکارف کو ہٹا دیا۔ رُومانہ چند قدم کے فاصلہ پر پینترے بدلتے ہوئے نظر آ رہی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "تم بڑی سخت جان ہو، ورنہ میرے یہ دو حملے دشمنوں کو سُلا دیتے ہیں!"

"میں بچپن سے سمندر کی لہروں سے کھیلتی آئی ہوں، میں تھکنا، ہانپنا اور گرنا نہیں جانتی!"

سونیا نے مُسکرا کر کہا "تو پھر آؤ ہم ہتھیار نیچے ڈال کر زور آزمائی کریں۔ میری یہ دعوت قبول کرو گی؟"

"ضرور!" رُومانہ نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیئے۔ سونیا بھی قریب آ گئی۔ دونوں کے پنجے آپس میں مل گئے۔ دونوں زور آزمائی کرنے لگیں۔ تب سونیا نے آہستگی سے کہا۔ "تمہیں انگریزی کے علاوہ کوئی دوسری زبان آتی ہے؟"

رُومانہ نے جاپانی زبان میں جواب دیا۔ سونیا نے جواباً کہا "اب رس ونتی اور شنکر ہماری باتیں نہیں سمجھ سکیں گے۔ اب ذرا عقل سے کام لو۔ کیا تم سمجھ رہی ہو کہ یہ ہمیں مار ڈالنے سے پہلے تماشہ کر رہے ہیں۔ ہم میں سے جو زندہ بچے گی، وہ بھی فرہاد تک نہیں پہنچ سکے گی!"

رُومانہ نے کہا "یہ بات میرے دماغ میں آئی تھی۔ مگر مجھ پر ایک ہی دُھن سوار ہے کہ کسی طرح فرہاد تک پہنچ جاؤں!"

"یہ جنون مجھے بھی ہے اور ہم دونوں اسی جنون میں ختم ہو جائیں گی!"

شنکر نے قریب آتے ہوئے پوچھا "اے، تم دونوں کس زبان میں بکواس کر رہی ہو؟"

"بکواس صرف زبان سے نہیں، ہاتھوں سے بھی کی جاتی ہے" قریب پہنچتے ہی سونیا کا ایک ہاتھ اس کے منہ پر پڑا۔ وہ جھٹکا تو ایک ٹھوکر منہ پر ایک ٹھوکر پڑی۔ سونیا تیسری بار حملہ نہ کر سکی۔ رس ونتی نے اُسے دماغی جھٹکا پہنچایا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر ڈگمگانے لگی....

شنکر کو سنبھل کر ریوالور نکالنے کا موقعہ مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی "ہا۔ ہپ۔ ہپ" کی آواز اُبھری۔ دوسرے لمحے گولی چلنے کی آواز گونجی۔ لیکن اُسی دوسرے لمحہ رومانہ نے ریوالور پر ٹھوکر ماری تھی۔ ریوالور گولی اُگلتا ہُوا آسمان کی طرف گیا، پھر زمین پر آ گیا۔

اس کے بعد ہی میرے دماغ کی اسکرین اندھی ہو گئی۔ رس ونتی اب میری سوچ کا سہارا نہیں بن سکتی تھی۔ وہ شنکر کی حفاظت کرنے کے سلسلہ میں مصروف ہو گئی تھی۔ میں نے رس ونتی کو پکارا تو جواب نہیں ملا۔ یقین ہو گیا کہ وہ فی الحال مجھ سے غافل ہو گئی ہے!

میں فوراً ہی اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر دوڑتا ہُوا دروازے کی طرف گیا۔ سونیا اور رومانہ کی سلامتی کے لئے میں یہی کر سکتا تھا کہ رس ونتی کو شنکر کی مدد کرنے کا موقع نہ دُوں۔ اس وقت وہ سونیا کے دماغ سے کھیل سکتی تھی لیکن رُومانہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ اگر اسے نقصان پہنچانا چاہتی تو صرف ایک ہی ساجھنکا بھی پہنچا سکتی تو... دوسری طرف سونیا سنبھل کر شنکر پر حملہ کر دیتی۔

میں دروازہ کھول کر کاریڈور میں آ گیا۔ دوسری طرف ایک کمرے کا دروازہ نظر آیا۔ میں نے اُسے آہستگی سے کھولا۔ وہاں رس ونتی پر آسن مارے پلتھی مارے، آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ ظاہر ہے کہ وہ شنکر تک پہنچی ہوئی تھی۔ دروازے کے قریب ایک صحت مند جوان اس کا بنا کھڑا تھا۔ اُس نے مجھے گھور کر دیکھا پھر ہاتھ ہلا کر اشارہ کیا کہ میں باہر چلا جاؤں۔ میں نے انکار کرتے ہوئے اشارے سے اُسے اپنے پاس بلایا۔ اُس نے جھلاہٹ کا اظہار کیا۔ پھر دبے قدموں دروازے سے باہر آ گیا۔

"کیا تمہیں نہیں معلوم کہ ایسے وقت دیوی کو ڈسٹرب نہیں کیا جاتا ہے؟"

میں نے اچانک ہی اس کے پیٹ میں گھونسہ مارا۔ دوسرا اُس کی ناک پر پڑا۔ وہ کافی جی دار تھا۔ مار کھانے کے باوجود سر سے ایک ٹکر میرے سینے پر ماری۔ میں لڑکھڑاتا ہُوا پیچھے دیوار سے لگا۔ وہ دوسری ٹکر مارنے کے لئے آیا۔ میں اچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔ نتیجہ کے طور پر وہ منہ کے بل دیوار سے ٹکرایا۔ میں نے گردن پر اتنی زور سے اُسے دیوار کے ساتھ ٹکرایا کہ وہ چیخ بھی نہ سکا سیدھا فرش پر چلا گیا۔

میں نے جھک کر اطمینان کر لیا کہ ابھی وہ آرام کرتا رہے گا۔ دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا ہُوا تھا۔ رس ونتی بدستور وہاں مراقبے میں تھی۔ شاید اس کا ماتحت شنکر ابھی تک سونیا اور رومانہ کے نرغے میں تھا۔ میں نے ایک پیتل کا گلدان اٹھایا پھر دبے قدموں چلتا ہُوا رس ونتی کے پاس پہنچ گیا۔ اب اس کی کھوپڑی گھومنے والی تھی۔

اس نے میری ٹیلی پیتھی کو نقصان پہنچایا تھا۔ میں یہ ترس نہیں کھا سکتا تھا جب کہ وہ بے حد حسین تھی۔ میں نے صرف یہ لحاظ کیا کہ سامنے سے حملہ نہیں کیا۔ کیونکہ پیشانی پر چوٹ آتی تو حسین چہرے پر داغ لگ جاتا۔ میں ایک حسین شاہکار کو بگاڑ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے سر کے پچھلے حصّہ پر زور کی ضرب لگائی۔

"آنک۔ آں۔ آ....!" اُس کے حلق سے کربناک آواز نکلی۔ اُس کے دیدے پھیل گئے۔ پھر وہ منہ کے بل فرش پر لڑھک گئی۔

میں نے اُس کی ناک کے پاس ہاتھ رکھ کر اُس کی سانسوں کو محسوس کرنا چاہا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ زندہ ہے یا مُردوں میں شامل ہو چکی ہے۔

صنفِ نازک پر ایسا ظلم کرنے کے بعد مجھے افسوس ہُوا لیکن وہاں بیٹھ کر افسوس کرنے کا موقعہ نہیں تھا۔ میں اُسے چھوڑ کر دروازے تک آیا۔ ایک حسرت بھری الوداعی نظر اس پر ڈالی پھر کاریڈور میں آ گیا۔

رس ونتی کا محافظ کراہتے ہوئے فرش سے اٹھنا چاہتا تھا۔ میں نے اُس کے منہ پر ایک ٹھوکر ماری۔ وہ پھر فرش پر پھڑپھڑانے لگا۔ میں نے دوسری ٹھوکر مار کر اُسے ٹھنڈا کر دیا۔ پھر اُس کی تلاشی لینے کے لئے اُس کی جیکٹ کھولی تو بغلی ہولسٹر سے ایک چھوٹا سا پستول مل گیا۔ میں اُسے جیب میں رکھ کر تیزی سے چلتا ہُوا زینے تک آیا۔ نیچے ہال میں کچھ لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آگے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لئے میں وہاں سے پلٹ آیا۔

پھر اُسی کاریڈور سے گزرتا ہُوا اس کمرے میں آیا جہاں بالکونی میں کھانے کی میز تھی۔ میں نے بالکونی سے جھانک کر دیکھا۔ وہاں سے ہرا بھرا لان پندرہ فٹ نیچے تھا۔ بالکونی سے لٹکنے کے بعد زمین صرف آٹھ فٹ کے فاصلے پر رہ جاتی تھی۔ میں وہاں سے لٹک کر بہ آسانی لان میں پہنچ گیا۔ ایک شخص ویگن کار کی صفائی کر رہا تھا۔ میرے کُودنے کی آواز پر چونک کر اُس نے مجھے دیکھا۔ شاید وہ مجھے قیدی کی حیثیت سے نہیں جانتا تھا۔ اس لئے میری اس حرکت پر مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے اُس کی جانب بڑھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "ہیلو! تم شاید ڈرائیور ہو؟"

اُس نے اثبات میں سر ہلا کر پوچھا "تم کون ہو؟"

میں نے بالکل قریب پہنچ کر پستول نکال لیا "میں تمہارا دوست ہوں۔ تم مجھے دُشمن بھی بنا سکتے ہو!"

میں نے ویگن کار کا اگلا دروازہ کھول کر اُسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اپنی زندگی کسے عزیز نہیں ہوتی۔ وہ اگلی سیٹ پر سے کھسکتا ہُوا اسٹیئرنگ کے پاس چلا گیا۔ میں نے اُس کے پاس بیٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔ اُس کے بعد گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھنے لگی۔

اوپری منزل میں رس ونتی اور اُس کے محافظ پر کیا بیت چکی ہے اس کا علم ابھی کسی کو نہ تھا۔ اس لئے میرے فرار کے راستے میں رکاوٹ پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ آہنی گیٹ پر کھڑا ہُوا دربان اس ڈرائیور کو اچھی طرح جانتا تھا اس لئے اُس نے کچھ پوچھے بغیر گیٹ کھول کر گزرنے کی اجازت دے دی۔

کچھ دُور جانے کے بعد میں نے ڈرائیور سے کہا "وہ جو سلسلے کھنڈرات نظر آ رہے ہیں، مجھے وہاں لے چلو!"

اُس نے پوچھا "کیا تم وہی ہو جسے دیوی نے مہمان بنا کر رکھا ہے؟"

"رکھا تھا۔ اب تو میں اُس کی مہمان نوازی سے نجات پا چکا ہوں۔ کیا تم اسی جزیرے میں رہتے ہو؟"

"میں استنبول کا رہنے والا ہوں۔ اس عمارت کو دیوی کے آدمیوں نے خریدا ہے۔ میں یہاں پچھلے چار ماہ سے ملازم ہوں۔ اب تمہاری وجہ سے یہ ملازمت بھی چلی جائے گی؟"

"فکر نہ کرو، میں تمہیں اُس سے زیادہ رقم دُوں گا!"

ایسا کہتے وقت مجھے یاد آیا کہ میری جیب خالی ہے۔ اس اجنبی ملک میں میں کہیں سے رقم حاصل نہیں کر سکتا۔ ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں نے فی الحال ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ میں کسی کے دماغ کی تجوری کھول کر منہ مانگی دولت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت مجھے اپنی بے بسی کا علم ہُوا۔ اب میں ایک عام سا آدمی تھا۔ اُس ڈرائیور کو ایک ڈالر دینے کے قابل بھی نہیں رہا تھا!

ڈرائیور نے کہا "تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟"

"میں مسلمان ہوں اور پاکستان سے آیا ہوں!"

اُس نے چونک کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا "الحمدُللہ! میں بھی مسلمان ہوں۔ میرا نام فرمان بیگ ہے۔ میرے مُسلم دوست کا نام کیا ہے؟"

"فرہاد علی تیمور— میں ان ہندوستانیوں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ اب انہیں میرے فرار کا علم ہوگا تو وہ پھر میرے پیچھے پڑ جائیں گے!"

"تعجب ہے کہ وہ تمہارے دُشمن کیوں ہیں۔ بظاہر تو وہ لوگ

بے ضرر نظر آتے ہیں۔ وہاں اچھے بھلے لوگ ہیں۔ لیکن سب دلوری کے سامنے جھکتے ہیں۔ وہ بھی بے حد معصوم نظر آتی ہے، پھر تم سے دشمنی کیا ہے؟"

اس کا جواب دینے کے لئے میں پوری رام کہانی سنانے کے موڈ میں نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "دلوری دوسروں کی طرح مجھے بھی جھکانا چاہتی تھی اور میں صرف خدا کے سامنے جھکنا جانتا ہوں۔ اس لئے وہاں سے نکل آیا۔"

"اچھا۔ پھر تم نے بہت اچھا کیا۔ تم واقعی خوددار ہو۔ لیکن اب کہاں جاؤ گے؟ وہ لوگ تمہیں ڈھونڈ نکالیں گے۔"

"مجھے کہاں جانا ہے؟ یہ فیصلہ میں کھنڈرات میں پہنچ کر کروں گا!"

میں بے چینی سے ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔ کھنڈرات قریب آرہے تھے۔ بے چینی اور پریشانی اس بات کی تھی کہ دلوری رس نتی ہوش میں آنے کے بعد ٹیلی پیتھی کے ذریعے پھر مجھے زیر کر سکتی تھی۔ میں جہاں جاتا میری سوچ اُسے وہاں پہنچا دیتی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ فرار میں ناکامی ہو سکتی ہے۔ چونکہ میں مایوسی سے ہاتھ پیر دھر کر بیٹھنا نہیں جانتا، اس لئے کوشش کر رہا تھا خواہ یہ کوشش ناکام ہی ہو جاتی۔

گاڑی رُک گئی۔ ہم دونوں اُتر کر کھنڈرات کے اونچے نیچے راستوں پر چلنے لگے۔ میں نے ایک جگہ پہنچ کر سونیا اور رومانہ کو پکارنا چاہا۔ اسی وقت سونیا ایک شکستہ ستون کے پاس کھڑی نظر آئی۔ ہماری نظریں ملتے ہی وہ دوڑتی ہوئی آنے لگی۔ میں بھی تیزی سے آگے بڑھا۔ ایک طویل عرصہ کی جدائی کے بعد ہم نے ایک دوسرے کو دیدہ دیکھا تھا۔ قریب پہنچتے ہی ہم دیوانہ وار لپٹ گئے۔

تھوڑی دیر تک ہمیں ہوش نہ رہا کہ ہم کہاں ہیں؟ میرے سامنے وہ تھی، اُس کے سامنے میں تھا۔ باقی ساری دنیا نابود ہو گئی تھی، وہ مارے خوشی کے رو رہی تھی۔

تب مجھے رومانہ کی بھی یاد آئی۔ سونیا کی دیوانگی نے رومانہ کی دیوانگی یاد دلائی کہ وہ بھی میرے لئے زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھٹکتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ میں نے پوچھا۔ "رومانہ کہاں ہے؟"

وہ میرے چہرے پر اپنے چہرے کو رگڑتی ہوئی بولی۔ "ابھی کچھ نہ پوچھو فرہاد۔ میں نہیں چاہتی کہ اس لمحہ تم میرے سوا کسی اور کو یاد کرو!"

"یہ دیوانگی اب ختم کرو سونیا! ہم سب خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ میں نے دلوری کے سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ وہ ہوش میں آئے گی تو پھر ہمارے ذہنوں کو شکار کرے گی۔ ہم فرار ہو کر جتنی دور جا سکتے ہیں، ہمیں چلے جانا چاہئے۔ بعد میں جو ہوگا، دیکھا جائیگا!"

یہ کہتے ہی میں نے رومانہ کو آواز دی۔ میری آواز کھنڈرات میں گونجنے لگی۔ "رومانہ ... نہ ... نہ ... نہ ...."

جواباً اُس کی آواز نہیں ملی۔ سونیا خاموشی سے میرا منہ تک رہی تھی۔ میں نے اُسے جھنجھوڑ کر پوچھا۔ "تم خاموش کیوں ہو؟ بولتیں کیوں نہیں — رومانہ کہاں ہے؟"

وہ بڑی آہستگی سے بولی۔ "اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔"

میرے دل پر گھونسہ سا لگا۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "تم جھوٹ بول رہی ہو — بتاؤ وہ کہاں ہے؟"

"اندھے کنوئیں میں ....."

ایک ساعت کے لئے میں جیسے اندھا ہو گیا۔ اس اندھیرے میں صرف رومانہ ہی رومانہ نظر آرہی تھی۔ پھر میں ایک پاگل کی طرح چیختے ہوئے دوڑنے لگا۔ "نہیں، وہ نہیں مر سکتی۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ، وہ اندھا کنواں کہاں ہے؟"

سونیا نے مجھے وہاں تک پہنچا دیا۔ اندھے کنوئیں کے پاس شنکر کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ سونیا نے کہا۔ "ہم دونوں اس سے لڑ رہی تھیں۔ لڑائی کے دوران رومانہ کنوئیں کے کنارے پہنچ گئی۔ میں دور پڑے ہوئے ریوالور کی طرف بھاگ کر جا رہی تھی۔ اسی وقت میں نے رومانہ کی چیخ سنی۔ پلٹ کر دیکھا تو شنکر اسے کنوئیں میں پھینک چکا تھا۔ میں نے ریوالور اٹھا کر اُسے گولی مار دی!"

میں کنوئیں میں جھانک کر آوازیں دینے لگا۔ "رومانہ۔ رومانہ..."

کنواں جواب دے رہا تھا، میرا منہ چڑا رہا تھا — رومانہ... رومانہ......"

پتہ نہیں وہ کنواں کتنا گہرا تھا۔ تاریکی میں اُس کی گہرائی کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ اُس کی تہہ تک پہنچ کر ہر چیز گم ہو جاتی تھی۔ شاید زندگی میں پہلی بار میری آنکھیں بھیگ گئیں!

وہ مجھ سے ملنے کی آرزو میں کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ اپنا راستہ چھوڑ کر میرے راستے پر آئی تو موت نے اس کی تمام حسرتوں کے ساتھ اپنی بستی میں بلا لیا۔ مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ البیلی حسینہ اتنی جلدی، اتنی آسانی سے مر سکتی ہے!

میری آنکھوں کے سامنے سمندر کی پُرزور لہریں تھیں، جو کبھی رومانہ کو شکست نہ دے سکیں۔ وہ لڑکی آسانی سے ہار جانے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھی!

"صبر کرو فرہاد! موت سے کوئی نہیں لڑ سکتا!" سونیا نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر صبر کی تلقین کی۔

میں نے پلٹ کر اُسے دیکھا۔ "سونیا! خدا کے لئے بتاؤ کہ سچ کیا ہے؟ میرا دل نہیں مانتا کہ وہ مجھ سے جدا ہو گئی ہے!"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تم سے جھوٹ بول رہی ہوں؟"

میں اُس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ کاش کہ میں اُس کے دماغ میں جھانک کر دیکھ سکتا۔ کسی چھپی ہوئی حقیقت کو اس کے دماغ کے چور خانہ سے نکال سکتا — سونیا اگرچہ فریبی نہیں تھی، اس نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی تھی، لیکن سوتاپے کی جلن اسے کسی حد تک فریب کے لئے مجبور کر سکتی تھی۔

سونیا نے کہا۔ "ہاں میں خاموش کھڑی ہوں۔ تم میری سوچ کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہو کہ میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے!"

"تمہیں پتہ چل گیا ہے سونیا! کہ میری ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں گم ہو گئی ہیں۔ میں تمہارے دماغ کو نہیں پڑھ سکتا اس لئے پوچھ رہا ہوں!"

"یہ تم جانتے ہو کہ میں تم سے کبھی جھوٹ نہیں بولتی۔ یقین کرو، مجھے خود اس کی موت کا افسوس ہے۔ ہم اس کنوئیں سے اسکی لاش نکالنے میں وقت ضائع نہیں کر سکتے، ہمیں فوراً ہی یہاں سے بھاگنا چاہیئے!"

ان حالات کے پیش نظر ہم وہاں ٹھہر کر خطرات کو دعوت نہیں دے سکتے تھے۔ کاش کہ میں آخری بار اُس کی لاش کو ہی دیکھ سکتا اور یہ ممکن نہیں تھا۔ میں بوجھل قدموں سے سونیا کے ساتھ واپس چلنے لگا۔

سونیا نے ویگن کار میں بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تمہاری خیال خوانی کی صلاحیتیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی ہیں؟"

میں نے جواب نہیں دیا۔ سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اُس وقت صرف رومانہ کی یادیں ذہن پر چھائی ہوئی تھیں، باتیں کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا — سونیا میری دلی کیفیات کو سمجھ کر فرمان بیگ سے باتیں کرنے لگی۔

پتہ نہیں ہم کتنی دیر تک ویگن کار میں سفر کرتے رہے۔ میں تو رومانہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میں بہتا جا رہا تھا۔ اس سے پہلے میرے کتنے ہی عزیز مجھ سے بچھڑتے رہے تھے، ان سے میرے گہرے تعلقات رہے۔ لیکن میں نے کسی کو دل کی گہرائیوں سے اتنا یاد نہیں کیا۔ شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ میں نے رومانہ کی موت اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی تھی، اس لئے یقین نہیں آرہا تھا — دماغ کے کسی گوشے سے سرگوشی سی سنائی دیتی تھی کہ وہ زندہ ہے، وہ ابھی میرے لئے کہیں سانس لے رہی ہے!

سمندر کے ایک ویران ساحل پر ویگن کار رُک گئی۔ سونیا کی آواز پر میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا پھر پوچھا۔ "ہم کہاں آگئے ہیں؟"

فرمان بیگ دور ساحل پر کھڑی ہوئی لانچ کی طرف جا رہا تھا۔ سونیا نے کہا۔ "ہم فیری کے ذریعہ استنبول نہیں جا سکتے۔ ہمارا تعاقب کرنے والے وہاں بھی موجود ہوں گے۔"

وہ اپنے پرس کو تھپتھپاتی ہوئی بولی۔ "میرے پاس کافی رقم ہے۔ میں نے فرمان بیگ کو سو ڈالر دیئے ہیں۔ وہ لانچ والے سے پانچ سو ڈالر میں سودا کرے گا۔ اگر وہ راضی ہو جائیگا تو ہم بے خوف و خطر استنبول کے گولڈن ہارن تک پہنچ جائیں گے۔"

میں نے سگریٹ سلگایا۔ پھر سونیا کے ساتھ لانچ کی طرف بڑھ گیا۔

"فرہاد! اتنے خاموش کیوں ہو؟ ٹھیک ہے کہ تم نے کسی کو کھو دیا ہے۔ لیکن ایک مدت کے بعد مجھے پایا ہے — کیا مجھے پانے کی خوشی نہیں ہے؟"

"تمہیں پالینے کا اطمینان ہے اور خوشی بھی ہو گی۔ لیکن ابھی رومانہ کا غم بھاری ہے۔ یہ غم رفتہ رفتہ ہی دور ہو گا!"

وہ چپ رہی۔ عورت کو یہ دیکھ کر دکھ پہنچتا ہے کہ اُس کا مرد اُس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت کو یاد کر رہا ہے — سونیا سمجھدار تھی، اس لئے خاموشی سے برداشت کر رہی تھی!

ہم لانچ میں آگئے۔ فرمان بیگ لانچ کے مالک سے باتیں کر رہا تھا۔ اُس نے بتایا کہ لانچ کا مالک پانچسو ڈالر پر راضی نہیں ہو رہا ہے۔ چھ سو ڈالر مانگتا ہے۔ سونیا نے فوراً ہی پرس سے اُس کی مطلوبہ رقم نکال کر دے دی۔ معاملہ طے ہو گیا۔ میں نے فرمان بیگ کا شکریہ ادا کیا۔ اُس نے کہا۔ "میں دلوری کے پاس جا کر بتاؤں گا کہ تم نے پستول دکھا کر مجھے مجبور کیا تھا اور فیری پورٹ کے قریب پہنچ کر مجھے چھوڑ دیا تھا!"

میں نے اُس کا دوبارہ شکریہ ادا کیا۔ وہ چلا گیا۔ پانچ منٹ کے بعد لانچ اسٹارٹ ہو کر وہاں سے روانہ ہو گئی۔ میں اور سونیا ایک کیبن میں آئے۔ سونیا ایک برتھ پر لیٹتی ہوئی بولی۔ "میں تو بہت تھک گئی ہوں!"

یہ کہہ کر وہ مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی نگاہیں دعوت دے رہی تھیں۔ میں نے دوسری برتھ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم ہے کہ ہم گولڈن ہارن کتنی دیر میں پہنچیں گے؟"

"میں فیری کے ذریعہ یہاں تین گھنٹے میں پہنچی تھی۔ فیری سست چلتی ہے، لانچ کی رفتار تیز ہے۔ شاید ہم دو گھنٹے میں پہنچ جائیں۔"

میں نے کہا۔ "پھر تو شمع بینی کے لئے خاصہ وقت ہے۔ اگر یہاں موم بتیاں مل جائیں تو میں اپنی صلاحیتوں تک واپس پہنچنے کی کوشش کروں گا!"

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ پھر ہچکچاتی ہوئی بولی۔ "کیا تمہاری خیال خوانی کی صلاحیتیں واپس آسکتی ہیں؟"

"ہاں رس نتی نے مجھے کچھ ایسی جڑی بوٹیوں کا عرق پلایا ہے کہ میرا دماغ قدرے کمزور ہو گیا ہے۔ شمع بینی کے ذریعہ دماغی مشقیں جاری رہیں گی تو میرا دماغ پھر خیال خوانی کی پرواز کو سمجھ لے گا!"

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولی۔ "ٹھیک ہے، استنبول پہنچ کر یہ مشغلہ کرتے رہنا۔ اتنی جلدی بھی کیا ہے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو ــــ اُس وقت تک رس وَنتی ہمیں شکار کر لے گی لیکن پتہ نہیں وہ اب تک خاموش کیوں ہے؟ کافی وقت گزر چکا ہے، وہ اتنی دیر تک بے ہوش نہیں رہ سکتی!"

وہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "وہ تمہاری یادوں کے نشے میں مدہوش ہو گی!"

میں اُٹھ کر جانے لگا۔ وہ فوراً ہی آگے بڑھ کر میرا راستہ روکتی ہوئی بولی۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"میں لانچ کے مالک سے پوچھوں گا۔ شاید اُس کے پاس موم بتیاں مل جائیں!"

وہ میری گردن میں باہیں ڈال کر بولی۔ "تم آرام سے بیٹھو، میں موم بتیاں لے کر آتی ہوں!"

میں نے کہا۔ "پہلے ہمیں اپنے بچاؤ کی فکر کرنا چاہیئے۔ میری صلاحیتیں مجھے واپس ملیں گی تو پھر رس وَنتی ہمیں اس طرح پریشان نہیں کر سکے گی!"

وہ کیبن سے باہر چلی گئی۔ میں بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ ایسے وقت میں اپنے بچھڑنے والوں کی سوچیں پڑھا کرتا تھا۔ وہ جہاں بھی ہوتے، میں ان کی خیریت دریافت کر لیتا۔ لیکن اب میرا دماغ اندھے کنوئیں کی طرح تھا جس کی تاریک گہرائیوں میں چھپی ہوئی ٹیلی پیتھی کو میں دوبارہ دریافت نہیں کر سکتا تھا۔

میرا ذہن اِدھر اُدھر بھٹکنے لگا۔ کبھی رُومانہ تصوّر میں کہتی۔ "بے شک موت کسی سے لحاظ مروّت نہیں کرتی۔ ہر رشتہ زندوں کو مٹی میں ملا دیتی ہے لیکن میں بھری جوانی میں اُٹھنے والی نہیں تھی۔"

میں نے محسوس کیا کہ اس طرح رومانہ کے متعلق سوچتا رہا تو پاگل ہو جاؤں گا، یا پھر میرا دماغ موجودہ خطرات کے متعلق سوچنے اور اپنی حفاظت کی تدبیر کرنے کے قابل نہیں رہے گا۔ یہ سوچتے ہی میں رومانہ کے تصوّر سے فی الحال پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

اُس وقت پتہ چلا کہ دماغ اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ سوچ کی لہروں میں اِدھر سے اُدھر بہا کر لے جاتا ہے۔ میرے دماغ نے کہا۔ "فرہاد! اب انسانوں... کی کیفیات کو سمجھو کہ جب وہ اپنے عزیزوں سے بچھڑتے ہیں تو ٹیلی پیتھی کے بغیر کس طرح زندہ رہتے ہیں۔ وہ اپنے عزیزوں کے لئے روتے ہیں، تڑپتے ہیں، جیسے یوں تڑپ رہی ہو گی۔ وہ تمہارے متعلق... پہلے بھی بہت سی باتیں نہیں جانتی تھی۔ اب تم بھی اندھے ہو۔ اُسے خیال خوانی کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے...!"

میں بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ ٹیلی پیتھی کے بغیر یوں لگ

رہا تھا جیسے میرا کاسۂ سر دماغ سے خالی ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سونیا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ میں کیبن سے نکل کر عرشے پر آیا۔ کیبن کی دوسری طرف سونیا ریلنگ کے پاس کھڑی تھی۔ اُس کی پشت میری جانب تھی، وہ مجھے نہ دیکھ سکی۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ کوئی چیز پانی میں پھینک رہی ہے۔

اُس نے کیا پھینکا ہے؟

میرے ذہن نے سوال کیا۔ میں فوراً ہی کیبن کی آڑ میں آ گیا۔ سونیا جب میرے پاس سے گئی تھی، تب اُس کے ہاتھوں میں کچھ نہیں تھا، پھر اُس کے ہاتھوں میں کیا تھا؟ جسے اُس نے پانی کی گہرائیوں میں پھینک دیا تھا؟

میں دبے پاؤں آگے بڑھ کر زینے سے اُترتے ہوئے انجن رُوم کی طرف جانے لگا۔ لانچ کے ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ لانچ کا مالک اُن سے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر وہ وہسکی کی بوتل منہ سے لگا کر پینے لگا۔ میں نے قریب جا کر پوچھا۔ "آپ کے پاس موم بتیاں ہوں گی؟"

"وہ لے گئی!" اُس نے بوتل منہ سے ہٹا کر پیچھے گھومتے ہوئے دیکھا پھر مجھے دیکھتے ہی چونک کر بولا۔ "کیا کہا تم نے؟ موم بتیاں؟ اوہ نو نو بھلا لانچ میں موم بتیوں کا کیا کام؟ سوری...!"

وہ پھر پینے لگا۔ میں نے جبراً ہنستے ہوئے کہا۔ "ہاں، جب وہ لے گئی ہے تو تمہارے پاس نہیں ہو سکتی ــــ میں نے یہاں آنے میں دیر کر دی۔ دراصل وہ ذہنی مریضہ ہے۔ وہ موم بتیاں چبا چبا کر کھا گئی ہے۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے آپ کو پہلے نہیں بتایا!"

وہ حیرانی سے دیدے پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ "کیا وہ واقعی ذہنی مریضہ ہے؟"

"ہاں! یوں تو وہ نارمل رہتی ہے۔ صرف موم بتیاں چبانے کا خبط ہے۔ ایسا خبط کہ وہ بھاری سے بھاری قیمت ادا کر کے بھی موم بتیاں حاصل کر لیتی ہے!"

اُس نے تیزی سے سر ہلا کر کہا۔ "ہاں۔ ہاں۔ اُس نے ایک پیکٹ موم بتیوں کے پچاس ڈالر ادا کئے ہیں۔ آج تک میں نے کسی کو اتنی مہنگی موم بتیاں خریدتے یا بیچتے نہیں دیکھا۔ اگر میرے پاس... مزید پیکٹس ہوتے تو میں انہیں بھی فروخت کر دیتا!"

"کیا آپ کے پاس اور موم بتیاں نہیں ہیں؟"

"کہہ تو رہا ہوں کہ اگر ہوتیں تو میں ساری کی ساری اُسے فروخت کر دیتا۔ وہ بہت چالاک ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ آ کر موم بتیاں طلب کریں تو میں کہہ دوں کہ لانچ میں موم بتیوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے ہمارے پاس نہیں ہیں!"

"بہرحال، میں ابھی اُس سے موم بتیاں چھین کر پانی میں پھینک دُوں گا!"

میں وہاں سے چلا آیا۔ اوپر عرشے میں سونیا مجھے تلاش کر رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی اُس نے کہا۔ "کہاں چلے گئے تھے؟"

وہ مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاید یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ لانچ کے مالک نے کہیں پول تو نہیں کھول دیا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں تلاش کرنے نیچے گیا تھا۔ لگے ہاتھوں موم بتی کے لئے بھی پوچھ لیا۔"

وہ جلدی سے بولی۔ "اُس نے انکار کر دیا ہو گا!"

میں نے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "ہاں! کہہ رہا تھا کہ لانچ میں موم بتیوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی چیزیں وہ نہیں رکھتے...!"

"ہاں، مجھ سے بھی یہی کہہ رہا تھا!"

میں نے گھوم کر سونیا کے منہ پر ایک طمانچہ رسید کیا۔ وہ گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا۔ "پچاس ڈالر میں موم بتیوں کا ایک پیکٹ... اور وہ پیکٹ بحیرۂ مرمرہ کی تہہ میں پہنچ گیا ہے!"

وہ ڈھٹائی سے بولی۔ "ہاں!"

میں نے غصے سے کہا۔ "اب مجھے تمہاری سازشوں کا علم ہو گیا ہے۔ تم نہیں چاہتیں کہ میں تمہاری سوچ پڑھ کر تمہارے چہرے پر رومانہ کی قاتلہ کا چہرہ دیکھ سکوں!"

"یہ جھوٹ ہے!" وہ چیخ کر بولی۔ "میں نے رومانہ کو قتل نہیں کیا ہے!"

میں نے پھر ایک طمانچہ رسید کرتے ہوئے پوچھا۔ "ٹیلی پیتھی کے بغیر میں تمہارے جھوٹ اور سچ کو کیسے سمجھوں؟"

وہ بڑے تحمّل سے بولی۔ "مجھ پر اُٹھنے والے ہاتھوں کو میں توڑ دیا کرتی ہوں۔ مگر تم میرے جسم و جان کے مالک ہو۔ مجھے مار ڈالو گے، تب بھی شکایت نہیں کروں گی!"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ استنبول پہنچ کر مجھے موم بتیاں نہیں ملیں گی؟"

وہ آگے بڑھ کر فرش پر آئی۔ پھر میرے قدموں سے لپٹ کر بولی۔ "نہیں فرہاد! خدا کے لئے ٹیلی پیتھی کا خیال دِل سے نکال دو۔ اُس منحوس علم کی وجہ سے تم دوسری لڑکیوں کے دِل و دماغ جیت لیتے ہو اور میرے لئے غیر بن جاتے ہو۔"

میں نے اُسے قدموں سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری محبت کی قدر نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تم نے رُومانہ کے پیار کی قدر نہ کی۔ نہیں سوچا کہ اُس لڑکی نے میرے لئے کتنی قربانیاں دی تھیں!"

"فرہاد! میں تمہارے پیار کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے رُومانہ کو قتل نہیں کیا ہے۔ بے شک میرے دِل میں حسد کا جذبہ تھا لیکن برداشت نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اُسے جان سے مار ڈالتی۔ اگر وہ زندہ رہتی تو میں ضرور اُسے تمہارے راستے سے ہٹا دیتی۔ کوئی ایسی تدبیر کرتی کہ وہ تم سے کبھی نہ مل سکتی!"

"تم یہی تدبیر کر رہی ہو کہ نہ میں ٹیلی پیتھی کی طرف واپس جاؤں اور نہ ہی گمشدہ رومانہ تک پہنچ سکوں!"

"فرہاد! رُومانہ کی اچانک موت نے تمہارا اعتماد مجھ پر سے اٹھا دیا ہے۔ ورنہ میں جانتی ہوں کہ ٹیلی پیتھی علم بھی اب تمہیں مرنے والی تک نہیں پہنچا سکے گا۔ مجھے یہ سوچ کر توہین کا احساس ہوتا ہے کہ تم مجھ پر اندھا یقین کرتے تھے، اب نہیں کر رہے ہو!"

"میں فی الحال ایک سوال کا جواب چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ تم نے مجھے موم بتیوں سے کیوں محروم کر دیا؟"

وہ ایک گہرا سانس لے کر بستر پر بیٹھ گئی پھر کہنے لگی۔ "دلیپ رس وَنتی نے آج صبح مجھ سے دماغی رابطہ قائم کیا تھا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ تمہارے دماغ کو کمزور بنا دیا گیا ہے۔ اگر میں دلیپ کو اس بات کی ضمانت دوں کہ میں تمہیں کبھی ٹیلی پیتھی کی طرف جانے کا موقع نہیں دُوں گی تو وہ مجھے تمہارے ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دے گی!"

"وہ کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"ایسے کہ وہ مجھے تمہارے ساتھ ایسے علاقے میں لے جا کر چھوڑ دے گی جہاں کوئی جوان لڑکی یا جوان عورت نہیں ہو گی البتہ بوڑھی عورتیں اور مرد رہیں گے۔ وہ بہت ہی خوبصورت علاقہ ہو گا۔ وہاں ہم اپنی بقیہ زندگی گزار سکیں گے!"

"میں اپنی زندگی کا آخری حصہ اپنے وطن میں گزاروں گا۔ بہرحال یہ بعد کی باتیں ہیں۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے رس وَنتی کو کیا جواب دیا؟"

"رس وَنتی میرے دِل کی بات کہہ رہی تھی، میں راضی ہو گئی۔ لیکن اس کی شرائط یہ تھیں کہ میں تمہیں دوبارہ ٹیلی پیتھی کی طرف جانے نہ دوں۔ دوسرے یہ کہ رُومانہ راستے میں آئے تو میں اُسے قتل کر دُوں!"

وہ ایک ساعت کے لئے چپ ہوئی، پھر بولنے لگی۔ "مجھے اُس کی پہلی شرط منظور تھی کہ تمہیں خیال خوانی کا دوبارہ علم حاصل نہیں کرنا چاہیئے۔ تمہارے اس علم کی وجہ سے میں نے بڑی مصیبتیں اٹھائی ہیں۔ تمہیں حاصل کرنے کے لئے منطقہ باردہ شمالی تک سزائیں پا کر آئی ہوں۔ سچ پوچھو تو اب میں تھک گئی ہوں۔ کسی گوشۂ تنہائی میں تمہارے ساتھ زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

میں نے اُس کی خواہش کو نظر انداز کر کے پوچھا۔ "تم رُومانہ کی ہلاکت کے متعلق بتاؤ!"

"میں نے اُس کی یہ دوسری شرط ماننے سے انکار کر دیا۔ میں نے رس وَنتی سے کہا۔ میں سچ مچ کسی لڑکی کو فرہاد کے قریب برداشت نہیں کر سکتی لیکن جب بھی فرہاد کو پتہ چلے گا کہ میں نے رُومانہ کو ہلاک کیا ہے، تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گا!"

رس ونتی نے مجھے سمجھایا کہ فرہاد پتلی بیتی کے علم سے محروم رہے گا۔ اُسے کبھی رُومانہ کے بارے میں علم نہیں ہو گا۔ لیکن فرہاد! میں تمہاری فطرت کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ تمہیں جس بات کے لئے روکا جاتا ہے، تم اسے ضرور کر گزرتے ہو۔ تمہیں جب بھی موقعہ ملے گا تم وہ بھولا ہُوا علم ضرور حاصل کرو گے۔ اس وقت میں رُومانہ کی قاتلہ کی حیثیت سے تمہارے سامنے نہیں آسکوں گی۔ اس لئے میں نے اس شرط کو تسلیم نہیں کیا۔"

"جب تم میری فطرت کو اچھی طرح سمجھتی ہو تو پھر تم نے موم بتیاں پانی میں کیوں پھینک دیں؟"

"صرف اس لئے کہ تمہیں اپنا بنا کر رکھوں۔ میں تمہارے لئے جیتی ہوں، تمہارے لئے مرتی ہوں۔ میرا اتنا تو مان رکھو کہ میرا فخر مجھ سے نہ چھینو۔ میں ایک پیار کرنے والی عورت ہوں، مجھے یہ فخر حاصل ہونا چاہئے کہ تم صرف میرے ہو۔ اور میری التجا مان کر پتلی بیتی کا خیال بھی دماغ میں نہیں لاؤ گے!"

وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر میرے سامنے فرش پر دوزانو ہو گئی۔

"فرہاد! میں نے تمہارے لئے بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں اور تم جانتے ہو کہ آئندہ بھی میں تمہارے لئے جان کی بازی لگاتی رہوں گی۔ میں اپنے پیار کی دیوانگی کا واسطہ دیتی ہوں کہ اس منحوس علم کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ۔ یہ علم مجھ جیسی وفادار عورت کو تم سے دُور کر دیتا ہے۔ یہ علم تمہیں ہرجائی بنا دیتا ہے۔ تم میری وفاؤں کو بھول کر حُسن پرست بن جاتے ہو!

مجھے سوتاپے کی آگ میں نہ جلاؤ فرہاد! نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ اگر میری زندگی چاہتے ہو تو اتنی سی التجا مان لو۔ پتلی بیتی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دو۔ مجھ سے زیادہ خوش نصیب رُومانہ ہے جو مر کر بھی تمہارے دماغ میں زندہ ہے۔ اگر یہی حال رہا تو تمہاری قسم! میں تمہارے دماغ میں ہمیشہ زندہ رہنے کے لئے کسی وقت بھی اپنی جان دے دُوں گی!"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں متاثر ہو کر اُسے دیکھنے لگا۔ وہ فرش پر دوزانو ہو کر التجا کے لئے دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھی۔ اُس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہُوا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر اُسکے دونوں بازوؤں کو تھام کر اُسے اٹھایا۔ پھر سینے سے لگایا۔ وہ ایک ننھی سی بچّی کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"فرہاد! تم مجھ سے ہزار باتیں منوالو۔ میری صرف ایک بات مان لو۔ صرف ایک ....!"

"سونیا! تم مجھے اپنا بنا کے رکھنے کے لئے خود غرض ہو کر نہ سوچو۔ اگر میں نے خیال خوانی کا علم حاصل نہ کیا تو رس ونتی پھر ہم پر غالب آجائے گی؟"

"نہیں! وہ خود چاہتی ہے کہ تم اس علم سے باز آجاؤ۔ جب وہ تمہارے دماغ میں جھانک کر دیکھے گی کہ تم ایک عام انسان کی طرح میرے ساتھ زندگی گزار رہے ہو، تو وہ ہمیں کبھی نہیں چھیڑے گی ...!"

میں خاموشی سے سوچنے لگا۔ سونیا نے کہا "میں یقین سے کہتی ہوں کہ وہ اس وقت بھی ہمارے دماغ میں جھانک رہی ہے۔ اور اس لئے نہیں چھیڑ رہی ہے کہ میں اُس کی خواہش کے مطابق تمہیں، ایک عام سی زندگی گزارنے پر مجبور کر رہی ہوں!"

ہاں یہی ہو سکتا تھا۔ رس ونتی کے سر پر ضرب لگائے تقریباً دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ اُسے ہوش میں آجانا چاہئے تھا اور وہ ہوش میں آجانے کے باوجود انتقاماً نہیں چھیڑ رہی تھی شاید اس لئے کہ سونیا مجھے اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

میں نے دماغ کے اندر اسے پکارا "ہیلو رس ونتی! کیا تم ہوش میں آگئی ہو؟"

میں نے جواب کا انتظار کیا مگر جواب نہ ملا۔ میں نے پھر کہا۔ "دیکھو میں نے بہت مجبور ہو کر تم پر حملہ کیا تھا۔ آزادی میرا حق ہے۔ میں آزاد ہو کر چلا آیا۔ میں نہیں چاہتا کہ اب ہمارے درمیان کوئی جھگڑا ہو۔ اگر تم مجھ سے دماغی رابطہ قائم کر کے ایک بار یہ کہہ دو کہ تم میری دوست ہو تو میں سونیا کی بات مان لوں گا!"

سونیا نے مجھ سے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو؟"

"میں رس ونتی کو مخاطب کر رہا ہوں مگر جواب نہیں مل رہا!"

"شاید وہ دانستہ خاموش ہے۔ تم بھی تو یہی کیا کرتے تھے۔ میں تمہیں پکارتی رہتی تھی اور تم چپ چاپ دماغ میں بیٹھے ہوئے تمہارے پنے کا تماشہ دیکھتے رہتے تھے!"

"وہ بات اور تھی، میں تم سے شرارتیں کرتا تھا لیکن رس ونتی کی خاموشی سمجھ میں نہیں آتی!"

"میں کہہ رہی ہوں کہ ابھی وہ ہم سے مطمئن ہے۔ اگر تم اس کی مرضی کے خلاف قدم اٹھاؤ گے تو وہ اپنی خیال خوانی کی دیوار کھڑی کرے گی؟"

سونیا کی یہ بات دُرست ہو سکتی تھی۔ میں نے اُس سے بحث نہیں کی صرف اتنا کہا "ٹھیک ہے، وہ ہمیں نہیں چھیڑ رہی ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمیں کہیں دُور نکل جانا چاہئے۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ تم بتاؤ ہمیں کہاں جانا چاہئے!"

میرے تصوّر میں رُومانہ آگئی۔ میں نے کہا "ہانگ کانگ!"

سونیا میری صُورت دیکھنے لگی جیسے کچھ پڑھ رہی ہو۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے لمبے لوں کے متعلق کبھی نہیں بتایا تھا لیکن وہ میرے چہرے سے دِلی تاثرات کو نہیں پڑھ سکتی تھی۔

وہ آہستگی سے بولی "رُومانہ ہانگ کانگ سے آئی تھی۔ یقیناً اُسی شہر میں تمہاری اُس سے دوستی ہوئی ہو گی!"

مجھے اقرار کرنا پڑا۔ وہ بولی "اور تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ تم ہانگ کانگ میں رہتے تھے!"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ تم نے ہانگ کانگ میں صرف رُومانہ سے نہیں، اور بھی کچھ لڑکیوں سے دوستی کی ہو گی۔ میں وہاں نہیں جاؤں گی!"

"تم مجھے جہاں بھی لے جاؤ گی وہاں لڑکیاں تو ضرور ہوں گی۔ آخر مجھے کہاں چھپا کر رکھنا چاہتی ہو؟"

"ہم ہندوستان جائیں گے۔ رس ونتی کبھی نہ کبھی ہم سے دماغی رابطہ قائم کر کے وہاں کسی پُرفضا مقام میں ہماری رہائش کا انتظام کر دے گی!"

میں بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا، اس لئے کہا "اچھی بات ہے، ہم ہندوستان جائیں گے!"

"تم اتنی آسانی سے میری بات مان رہے ہو، ضرور کوئی بات تمہارے دماغ میں ہے!"

"اب تمہاری بات ماننا بھی جُرم ہو گیا۔ ہر بات پر شک کرنا تو تم عورتوں کا اوّلین فرض ہے۔ کہو تو میں ہندوستان جانے سے انکار کر دُوں؟"

وہ گلے کا ہار بن گئی۔ "نہیں تم بہت اچھے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بات مان لیتے ہو!"

ایک گھنٹہ بعد ہم گولڈن ہارن کے ساحل پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہم نے ایک ٹیکسی لی۔ سونیا نے ڈرائیور کو کسی کمال پاشا کا ایڈریس بتایا۔ میں نے پوچھا۔ "یہ کمال پاشا کون ہے؟"

وہ جاپانی زبان بولنے لگی۔ "ریڈ پاور کی تنظیم میں اُس سے ملاقات ہوئی تھی۔ وہ میری بہت عزّت کرتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے ہندوستان جانے کے انتظامات کر دے گا!"

میں نے بھی اُسی زبان میں کہا "ریڈ پاور کے آدمی تمہیں تلاش کر رہے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کمال پاشا بھی اُن کی گرفت میں آگیا ہو۔ ہمیں احتیاطاً میک اَپ میں رہنا چاہئے۔"

"ہاں مجھے میک اَپ میں رہنا چاہئے۔ لیکن اس کا موقعہ ہی نہ ملا۔ میں تمہاری تلاش میں نکل پڑی تھی۔"

میں نے چونک کر پوچھا۔ "میں تو یہ پوچھنا ہی بھول گیا کہ جب تک میں رس ونتی کی قید میں رہا، اس وقت تک تم نے میری بُو تمہارا پتہ کیوں نہ چلایا؟"

"مجھے تمہاری بُو نہیں مل رہی تھی۔ پہلے تو مجھے حیرانی ہوئی پھر میں نے سوچا کہ تم استنبول میں نہیں ہو، تب رس ونتی نے سوپ کے ذریعہ بتایا کہ تم یہاں موجود ہو۔ لیکن تمہارے اطراف خوشبو حاوی رہتی ہے۔ جب شنکر نے ٹیلیفون کے ذریعہ خبر دی تو میں ان کھنڈرات میں جا کر چلی آئی۔"

مجھے یاد آگیا۔ رس ونتی کے ساتھ میں جس عمارت میں تھا وہاں ہمیشہ ایک خوشگوار سی مہک پھیلی رہتی تھی۔ رس ونتی نے اس طرح سونیا کی سونگھنے والی صلاحیت کو بے اثر کر دیا تھا۔

سونیا نے ایک جگہ ٹیکسی روکنے کے لئے کہا۔ ہم گاڑی سے اُتر گئے۔ ڈرائیور کو کرایہ ادا کر کے رُخصت کر دیا۔ میں نے پوچھا "کمال پاشا کی رہائش گاہ کہاں ہے؟"

وہ میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر آگے بڑھ گئی۔ پھر بولی "وہ سامنے دائیں طرف ہے۔ ہم کوٹھی کے پچھلے حصّے کی طرف ہیں۔ تم نے درست کہا ہے کہ مجھے ریڈ پاور والوں سے محتاط رہنا چاہئے۔ میں چپ چاپ اس کوٹھی کے اندر جاؤں گی!"

کوٹھی کے اطراف چھ فٹ اونچی چار دیواری تھی۔ اُسے پار کرنا ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ ہم نے آس پاس دیکھا۔ رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ پچھلی گلی میں اسٹریٹ لیمپ روشن نہیں تھے ہم دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کُود گئے۔ کوٹھی کے نچلے حصّے میں قدرے تاریکی تھی۔ اوپری منزل میں روشنی نظر آ رہی تھی۔

سونیا نے کہا "تم یہاں ٹھہرو۔ میں اندر جاتی ہوں۔ اگر کمال پاشا کا رویّہ بدل جائے اور وہ مجھے ریڈ پاور کے حوالے کرنا چاہے تو میں اونچی آواز میں باتیں کروں گی۔ اوپر کی کھڑکیاں کھلی ہیں۔ تم میری آواز سُن کر آجانا۔ اوکے!"

"اوکے!" میں نے کہا۔ وہ آگے بڑھ گئی۔ پھر آگے جا کر کوٹھی کے دائیں جانب گھوم کر گم ہو گئی۔ میں نیم تاریکی میں آس پاس دیکھنے لگا۔ چونکہ میں کمال پاشا سے متعارف نہیں تھا، اس لئے سونیا گئی تھی۔ میرے دماغ نے سوال کیا کہ اگر میں بھی اُس کے ساتھ چلا جاتا تو کیا فرق پڑتا؟

واقعی کیا فرق پڑ جاتا؟ اس سوال نے مجھے آگے سوچنے کا موقعہ دیا کہ میں بھی سونیا کے ساتھ چپکے سے کوٹھی میں داخل ہو سکتا تھا۔ اگر وہاں خطرہ ہوتا تو ہم دونوں اُس سے نمٹ سکتے تھے لیکن وہ تنہا نمٹنے گئی تھی جب کہ ریڈ پاور کے آدمی اُسے پہچانتے تھے۔ اس کیلئے خطرہ زیادہ تھا!

ان خیالات کے تحت میں بھی اُسی سمت بڑھ گیا۔ کوٹھی کے دائیں جانب گھوم کر سامنے والے دروازے پر پہنچا۔ سونیا اُسی راستے سے اندر گئی ہو گی۔ میں نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ وہ کھلتا چلا گیا۔ آگے ایک تنگ سی راہداری تھی۔ ایک طرف زینہ اوپر کو جا رہا تھا۔

میں اُس زینے پر دبے قدموں چڑھتا ہُوا اوپر ایک ٹی وی لاؤنج میں پہنچ گیا۔ کوئی آہستہ آہستہ باتیں کررہا تھا۔ میں اُس آواز کی سمت چور قدموں سے بڑھتا ہُوا ایک کھڑکی کے پاس پہنچ گیا۔

کھڑکی پر پردہ پڑا ہُوا تھا۔ میں کسی کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ ایک مرد کی آواز سُن سکتا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا "مادام! اگر آپ عین وقت پر نہ پہنچتیں تو یہ حرام کا پِلّا مجھے شوٹ کردیتا۔ میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟"

سونیا کی آواز سُنائی دی "پاشا! تم بار بار شکریہ ادا کرنے میں میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ باہر میرا ساتھی میرا انتظار کررہا ہے لہٰذا پہلے کام کی بات سمجھ لو!"

"میں سب سمجھ گیا ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں، میں کل صبح ہی آپ دونوں کو ہندوستان بھیج دوں گا۔ میرے پاس کتنے ہی جعلی پاسپورٹ ہیں!"

"اوہ پاشا! تم پھر شیخیاں بگھارنے لگے!"

"میں ڈینگیں نہیں مار رہا ہوں۔ میرا دھندہ ہی ایسا ہے کہ میرے پاس جعلی پاسپورٹ ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ میرا دھندہ ہی یہ ہے کہ....."

"بس آگے نہ بولو۔ اِس سے پہلے کہ میں اپنے ساتھی کو یہاں بُلا کر لاؤں، تم ایک ضروری بات سن لو۔ اگر میرا ساتھی موم بتیاں مانگے یا میں تم سے مانگوں تو کہہ دینا کہ تمہارے گھر میں نہیں ہیں!"

میں دبے قدموں لاؤنج کے آخری سرے پر پہنچ گیا کیونکہ سونیا اب مجھے بُلانے کے لئے نیچے جانے والی تھی۔ میں لاؤنج کی ریلنگ کے دوسری طرف جاکر نیچے لٹک گیا۔ اُسی وقت سونیا اور پاشا کمرے سے باہر آئے۔ پاشا نے کہا "آپ اپنے ساتھی کو کھڑکی سے جھانک کر بھی بُلا سکتی ہیں!"

سونیا نے کہا "اتنی عقل مجھ میں بھی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے نیچے جاکر واپس آنے تک تم تمام موم بتیوں کو اسٹور میں چھپا دو۔ جاؤ جلدی کرو۔"

پاشا کمرے میں واپس چلا گیا۔ سونیا زینے سے اترتی ہوئی اوجھل ہوگئی۔ میں نیچے لان میں کود گیا۔ پھر وہاں سے دوڑتا ہُوا اُس جگہ آکر کھڑا ہوگیا جہاں سونیا مجھے چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار مجھے یہ تجربہ ہو رہا تھا کہ خیال خوانی کا علم نہ ہو تو اپنوں کی سازشیں معلوم کرنے کے لئے کیسی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے!

سونیا کی سازش مجھے نقصان پہنچانے کے لئے نہیں تھی۔ وہ میری محبت کی دیوانگی میں ایسا کررہی تھی۔ میں اُس کی ان حرکتوں سے مشتعل ہوکر اُس سے نفرت نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی اُسے غصہ دکھانے کا ارادہ تھا۔ محبت کرنے والی عورتیں اپنی اور اپنے پیار کی سلامتی کے لئے اسی طرح پیار بھری سازشیں کرتی ہیں۔ سونیا بھی یہی کررہی تھی۔ اور میں بحیثیتِ مرد یہ سمجھتا ہوں کہ عورت کی محبت کی قدر تو کرنی چاہیئے لیکن اُس عورت کا پابند ہوکر زندگی نہیں گزارنی چاہیئے۔

میرے سوچنے کے دوران سونیا آگئی۔ میں نے پوچھا "خیریت تو ہے، اتنی دیر لگادی؟"

"اندر چلو، میں بتاتی ہوں!" ہم آگے بڑھ گئے وہ بولی "تم نے درست کہا تھا ریڈ پاؤڈر کا ایک قاتل کمالی پاشا کے سر پر سوار تھا۔ اُس سے میرا پتہ پوچھ رہا تھا اور اُسے دھمکی دے رہا تھا کہ میرا پتہ نہ بتایا گیا تو وہ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے شوٹ کردے گا!"

ہم کوٹھی کا دروازہ کھول کر اُسی زینے کی طرف بڑھ گئے۔ وہ کہہ رہی تھی "میں دبے قدموں اُس کے سر پر پہنچ گئی۔ پھر اپنے ریوالور کے دستے سے اُس کے سر پر ضرب لگائی۔ پاشا نے بھی بڑی پھُرتی دکھائی وہ فرش پر گرا تو پاشا نے اُس کے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور کو چھین لیا۔ پھر ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اُسے گولی مار دی۔ اُسی وجہ سے مجھے یہاں دیر ہوگئی۔"

اُس نے تاخیر سے آنے کا جواز پیش کردیا۔ میں نے بھی اسے تسلیم کرلیا۔ کیونکہ اس کے بیان کی سچائی ثابت کرنے کے لئے وہاں کمرے میں ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ آئے دن کے مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ بیان کی سچائی کے پیچھے اور بھی سچائیاں ہوتی ہیں جنہیں مصلحتاً چھپا دیا جاتا ہے۔

کمالی پاشا دوسرے کمرے سے نکل کر ہمارے پاس آیا۔ شاید اسٹور روم سے آرہا تھا۔ سونیا نے تعارف کراتے ہوئے کہا "پاشا! ان سے ملو، یہ فرہاد علی تیمور ہیں!"

پاشا میرا نام سُنتے ہی ایکدم سے چونک گیا۔ پھر بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا "اوہ مسٹر فرہاد! آپ اور میرے غریب خانے میں؟ مجھے یقین نہیں آرہا ہے!"

سونیا مسکراتی ہوئی بولی "میں نے کہا تھا کہ باہر میرا ایک ساتھی کھڑا ہے۔ میں نے اُس وقت جان بوجھ کر نام نہیں بتایا تھا۔ میں تمہیں چونکا دینا چاہتی تھی!"

پاشا نے میرے ہاتھ چُوم کر کہا "میرے خدایا! میں کتنا خوش نصیب ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ایک لاش کے ساتھ آپ کا استقبال کررہا ہوں؟"

میں نے کہا "افسوس تو مجھے بھی ہے کہ جہاں جاتا ہوں، وہاں استقبال کے لئے زندوں کے ساتھ مُردے بھی ہوتے ہیں!"

اُس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "آئیے، ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔ میں نے اپنے ماتحتوں کو فون کیا ہے، وہ یہاں سے لاش اٹھا کر لے جائیں گے؟"

ہم تینوں دوسرے کمرے میں آگئے۔ وہ کمرہ بڑے تکلف سے سجا ہُوا تھا۔ صوفے اتنے آرام دہ تھے کہ تھکا ہُوا انسان بیٹھتے ہی جیسے ماں کی گود میں پہنچ جاتا تھا۔ وہاں بیٹھ کر مجھے خیال آیا کہ میں بہت تھکا ہُوا ہوں اور سو جانا چاہتا ہوں۔

پاشا نے کہا "مسٹر فرہاد! میں نے رُومانیہ میں مادام سونیا کے ذریعہ آپ کی ٹیلی پیتھی کا تماشہ دیکھا ہے بھئی کمال ہے۔ حالانکہ میرا نام کمالی ہے، دُنیا کی خطرناک تنظیمیں آپ سے خوفزدہ رہتی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ ابھی ٹیلی پیتھی کا تھوڑا سا مظاہرہ کریں۔ کیا آپ بتانا پسند کریں گے کہ میں ابھی کیا سوچ رہا ہوں؟"

سونیا نے کہا "پاشا! تم بولتے ہو تو رُکنے کا نام نہیں لیتے۔ فرہاد ٹیلی پیتھی کا مظاہرہ نہیں کرسکیں گے؟"

"کیوں؟" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

میں نے کہا "ایک حادثہ میں میرا دماغ اس قدر متاثر ہُوا ہے کہ میں سوچ کی پروازیں بھول گیا ہوں۔ بھُولی ہوئی پروازوں کو یاد کرنے کے لئے مجھے دوبارہ خیال خوانی کی مشقوں سے گزرنا ہوگا۔" یہ کہتے ہی میں نے اچانک سوال کیا "کیا آپ کے پاس موم بتیاں ہوں گی؟"

شاید پاشا نے بے خیالی میں ہاں کہہ دیا۔ لیکن سونیا نے فوراً کہا "فرہاد! تم نے وعدہ کیا ہے کہ دوبارہ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل نہیں کروگے!"

پاشا نے کہا "لیکن مادام! یہ تو شہرت کی بلندیوں پر پہنچانے والا اور انسان کو حاکم بنانے والا علم ہے۔ آپ فرہاد صاحب کو منع کیوں کررہی ہیں؟"

"یہ علم فرہاد کو مجھ سے دُور لے جاتا ہے میں شہرت اور حکومت نہیں، صرف فرہاد کو چاہتی ہوں۔ تم کیوں اعتراض کررہے ہو؟"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بہتر سمجھتی ہیں مسٹر فرہاد! میرے گھر میں موم بتی نہیں ہے، بالکل نہیں ہے!"

میں نے کہا "میزبان اپنے گھر کی کوئی بھی چیز مہمان کو نہ دینے کے لئے ہزاروں بہانے تراش سکتا ہے۔ مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ میں کل صبح بازار سے لے آؤں گا!"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں میں بہانے نہیں کررہا ہوں۔ یقین نہ ہو تو آپ میری سوچ پڑھ لیں!"

میں مسکرانے لگا۔ سونیا میرے پاس آکر بیٹھتی ہوئی بولی "لانچ میں تم نے میری بات مان لی تھی۔ اب کیوں اپنی بات سے پھر رہے ہو؟"

"سونیا! میں اس علم کے بغیر خود کو بالکل نہتا اور خالی خالی سمجھ رہا ہوں۔ میں اپنے دماغ کے ویران خلاء میں زندہ نہیں رہ سکتا!"

اتنے میں کال بیل بجنے کی آواز سُنائی دی۔ پاشا نے اٹھتے ہوئے کہا "میرے ماتحت آگئے ہیں، میں ابھی آتا ہوں!"

وہ کمرے سے چلا گیا۔ اُس کے جاتے ہی سونیا نے کہا "فرہاد! میں جانتی ہوں کہ تم بے حد ضدی ہو، اپنی ہی من مانی کروگے۔ میں تو صرف اتنی سی التجا کررہی ہوں کہ کچھ عرصہ کے لئے میری بات مان لو۔ کہیں چل کر ایک عام سی سادہ سی زندگی گزار کر دیکھو، وہاں کوئی ہنگامہ نہ ہوگا، کوئی دشمن نہ ہوگا۔ جب تمہیں سکون ملے گا تو پھر سکون ہی کی تمنا کرتے رہوگے۔"

پھر وہ سرگوشی میں بولنے لگی "فرہاد! میری جان! رتی وتی اس لئے خاموش ہے کہ میں تمہیں اس علم کے حصول سے روک رہی ہوں۔ کیا تم کچھ عرصہ کے لئے میری بات نہیں مان سکتے؟ بولو تو میں اپنی جان دے کر تمہیں منالوں!"

"چلو کچھ عرصہ کے لئے کہتی ہو تو میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ اب خوش ہوجاؤ!"

مجھے رہ رہ کر یہ خیال پریشان کرتا تھا کہ رتی وتی خاموش کیوں ہے؟

میں نے کئی بار دماغ کے اندر سوچ کے ذریعے رتی وتی کو کبھی پکارا اور کبھی للکارا کہ میں دوبارہ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کروں گا۔ وہ روکنا چاہے تو مجھے روک لے لیکن مجھے اُس کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا تھا کہ رتی وتی نے میرا خیال چھوڑ دیا ہو۔ اگر وہ محبت سے یاد نہ کرتی تو نفرت سے ضرور انتقام لیتی لیکن اُدھر سے بالکل خاموشی تھی۔ ایک خیال آیا کہ کہیں وہ مر تو نہیں گئی؟

میں نے اُس کے سر پر ضرب لگاتے وقت اپنے ہاتھ کے وزن کا خیال نہیں رکھا تھا۔ وہ نازک اندام حسینہ شاید اس حملے کو برداشت نہ کرسکی ہو اور اس دُنیا سے کوچ کرگئی ہو۔ ایسا سوچتے ہوئے دل صدمے سے چُور ہوجاتا تھا کیونکہ وہ میری جان کی دُشمن نہیں تھی مجھے صرف ٹیلی پیتھی کے راستے سے ہٹانا چاہتی تھی۔ اگر میں نے اُس کی جان لی ہے تو پھر اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہوسکتا۔ میں ہمیشہ پچھتاتا رہوں گا! جس کی خیریت نہ معلوم ہوسکے اُس کے لئے طرح طرح کے وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہی دل سمجھاتا ہے کہ خیریت ہی ہوگی۔ رتی وتی کسی مصلحت سے خاموش ہے۔ کبھی نہ کبھی وہ میرے دماغ کے دروازے پر دستک ضرور دے گی!

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ سونیا کی بات مان کر میں ایسے علم سے محروم نہیں رہ سکتا تھا جس کے ذریعہ میں دماغوں کی چوریاں پکڑ لیا کرتا ہوں۔ میں جلد از جلد رتی وتی کی خاموشی کا سبب معلوم کرنا چاہتا تھا۔ یہ مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ میں سونیا کی لاعلمی میں شمع بینی کی مشق کروں۔

میں سوچتا رہا، منصوبے بناتا رہا۔ اُسی وقت کمرے کا دروازہ کھل گیا۔ پاشا نے مسکراتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ اب میں آپ

"لوگوں کی تنہائی میں مخل نہیں ہو رہا ہوں۔ ڈنر تیار ہے؟"

سونیا شرماتی ہوئی اٹھ گئی۔ ہم سب ڈائننگ روم میں آئے۔ میز پر کئی طرح کی ڈشیں سجی ہوئی تھیں۔ ایسی اشتہا انگیز خوشبو تھی کہ میں نے بیٹھتے ہی کھانا شروع کر دیا۔ پاشا نے کہا: "ایرانڈیا کا ایک طیارہ کل صبح آٹھ بجے یہاں سے روانہ ہوگا۔ میرے پاس ایک میاں بیوی کا پاسپورٹ ہے۔ آپ دونوں آسانی سے ان کا بہروپ اختیار کر سکتے ہیں!"

سونیا نے کہا: "تم میک اپ کا سامان منگوا دو، ہم اپنے چہرے اور شخصیت کو بدل لیں گے!"

"سامان آجائیگا۔ آپ دونوں کھانے کے بعد ذرا سو کر تازہ دم ہو جائیں۔ میں صبح چار بجے اٹھا دوں گا۔ میرا خیال ہے میک اپ کیلئے دو گھنٹے کافی ہوں گے!"

کھانے کے بعد کافی کی ٹرے آگئی۔ ملازم نے ہم سب کے سامنے ایک ایک پیالی رکھ دی۔ ایسے وقت ایک آہ بھر کر کہنا چاہتا ہوں ہائے ٹیلی پیتھی! کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو۔ مجھے تو ذرا ذرا سی باتیں یاد ہیں کہ اُدھر کوئی سازش کرتا تھا، اِدھر مجھے خبر ہو جاتی تھی!

ابھی کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے ایتھ ہکسٹس ریٹا نے کافی میں خواب آور دوا گھول کر مجھے پلانا چاہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ پڑھ لی تھی۔ پھر اُسے چکر دیکر خواب آور کافی اُسے ہی پلا دی تھی۔ اب وہی فرہاد علی تیمور پاشا ... اور اس کے ملازم کی سوچیں نہ پڑھ سکا۔ مہمان نوازی کے فریب میں آکر ساری کافی حلق سے نیچے اُتار لی۔ پینے کے دوران کچھ پتہ نہ چلا۔ ہم وہاں سے اٹھ کر ایک کمرے میں آئے۔ پاشا نے کہا۔

"یہ آپ لوگوں کا بیڈروم ہے آرام کریں! شب بخیر!"

سونیا دروازہ بند کر کے جماہی لینے لگی۔ اُسے دیکھ کر میں بھی جماہی لینے لگا... ہم دونوں ایک دوسرے کا مُنہ تکنے لگے۔ وہ پریشانی سے بولی: "میں تمہارے ساتھ جاگنا چاہتی ہوں یہ مجھے نیند کیوں آرہی ہے؟"

"میں بھی یہی محسوس کر رہا ہوں۔ شاید ہم نے بہت زیادہ کھا لیا ہے!"

وہ لڑکھڑا کر صوفہ پر بیٹھ گئی: "میں نے تو بہت تھوڑا سا کھایا ہے۔ فرہاد! ضرور کوئی گڑبڑ ہے اور یہ گڑبڑ یقیناً کافی میں تھی!"

اُس کے شُبہ نے مجھے بھی چونکا دیا۔ واقعی نیند غالب آرہی تھی۔ آنکھ کے پپوٹے بھاری ہو رہے تھے اور نیند اسطرح میری مرضی کے خلاف بے وقت نہیں آتی تھی۔ مجھے یقین کرنا پڑا کہ کافی میں خواب آور دوا گھول دی گئی تھی۔

میرے سوچنے کے دوران سونیا دروازے کے پاس گئی، اُسے کھولنا چاہا لیکن وہ باہر سے بند تھا۔ میں نے صوفہ پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیں اور اندر ہی اندر نیند سے لڑنے لگا۔ سونیا نے میرے قریب آکر مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا: "فرہاد! آنکھیں کھولو، ہمیں کسی طرح یہاں سے نکلنا ہوگا، ورنہ نیند میں مارے جائیں گے!"

میں نے کہا: "فرار کی راہیں مسدود ہیں اور خواب آور دوا ہمیں ضرور خوابوں کی دُنیا میں پہنچا دے گی!"

"نہیں! تم دروازے کے قریب جا کر پاشا کو پکارو۔ اسے باتوں میں الجھاؤ، میں کھڑکی کے راستے باہر جاؤں گی۔ لیمن پینے کے بعد نیند کا غلبہ کم ہو جائیگا۔ پھر میں واپس آکر پاشا سے نمٹ لوں گی!"

"میں باہر جاؤں گا، تم پاشا کو باتوں میں الجھاؤ!"

"نہیں فرہاد! میں عورت ہوں۔ باہر میرے بہت سے ہمدرد پیدا ہو جائیں گے۔ تم اس ملک میں غیر قانونی طور پر آئے ہو۔ نیند کی حالت میں پولیس کے ہتھے چڑھو گے تو جیل میں پہنچا دیئے جاؤ گے!"

میں صوفہ سے اُٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ میری حالت شرابی جیسی تھی۔ میں نے پلٹ کر سونیا کو دیکھا تو وہ لڑکھڑاتی ہوئی کھڑکی تک پہنچ گئی تھی۔ اپنے سر کو تھام کر نیند سے لڑ رہی تھی۔ پھر وہ کھڑکی پر چڑھ کر دوسری طرف گئی۔ اس کے بعد وہاں سے چھلانگ لگا دی۔

میں نے دروازے کو پیٹنا شروع کیا: "پاشا! دروازہ کھولو۔ پاشا!" بار بار چیخنے کے بعد پاشا کا قہقہہ سُنائی دیا: "مسٹر فرہاد! اگر تم ٹیلی پیتھی سے محروم نہ ہوتے تو میں تمہارا خادم بن جاتا!"

میں نے چیخ کر کہا: "میں اب بھی یہ علم حاصل کر سکتا ہوں۔ دروازہ کھولو!"

"تمہارے علم کے حصول تک بہت دیر ہو جائے گی۔ ریڈ پاور کے کتے مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ سُپر ماسٹر مجھے اپنی پناہ میں لینے کے لئے تیار ہے۔ میں سُپر ماسٹر کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے تمہیں تحفہ کے طور پر پیش کروں گا!"

وہ پھر قہقہے لگانے لگا۔ اس بار اس کے ماتحتوں کے قہقہے بھی شامل تھے۔ ایک نے کہا: "مسٹر! آرام سے سو جاؤ۔ نہیں سونا چاہو گے تو تقدیر تمہیں سلا دے گی!"

جبراً جاگتے رہنے کے باعث سر بھاری ہو رہا تھا۔ آنکھیں جل رہی تھیں۔ میں ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے کھڑکی کے پاس آگیا۔ باہر تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے سوئچ بورڈ کے پاس جا کر کمرے کی بتی بجھا دی۔ گہری تاریکی میں راستہ ٹٹولتا ہوا دوبارہ کھڑکی کے پاس آگیا۔

اب تاروں بھرے آسمان کی چھاؤں میں لان کی مٹی مٹی سی ہریالی نظر آرہی تھی۔ پھر وہاں دو آدمی نظر آئے۔ ایک شخص دوسرے کا سگریٹ سلگا رہا تھا۔ پتہ نہیں اُن کی موجودگی میں سونیا کو کس طرح فرار کا موقعہ ملا ہوگا۔ میرے لئے زیادہ سوچنے کا موقعہ نہ تھا۔ خطرہ ایسے بھی تھا اور ویسے بھی۔ لہٰذا خاموشی سے مُصیبت میں پھنسنا گوارہ نہ تھا!

میں نے سگریٹ سلگانے والوں پر چھلانگ لگا دی۔ ہم تینوں

گھاس پر گرے۔ اچانک حملے سے کون نہیں بوکھلا جاتا؟ میں نے ان کی بوکھلاہٹ سے فائدہ اٹھایا۔ گرنے کے بعد سنبھلتے ہی ایک کی ناک پر گھونسہ رسید کیا اور دوسرے کی گردن دبوچ لی۔

علامہ اقبالؒ نے یہ ناقابلِ انکار حقیقت بیان کی ہے کہ پلٹ کر جھپٹنا، جھپٹ کر پلٹنا، لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ۔ میرے بھی لہو میں گرمی آگئی تھی۔ وقتی طور پر نیند کا غلبہ کمزور پڑ گیا تھا۔ پاشا اور سُپر ماسٹر کے پنجوں سے نکلنے کا جوش اور غالب ہو گیا تھا۔ اس کے باوجود دماغ پوری طرح حاضر نہیں تھا۔ میں لڑنے کے فن کو مدِ نظر رکھے بغیر بے تکے انداز میں اُن دونوں سے الجھ رہا تھا۔ لیکن اناڑی پن کے باوجود میں اُن پر حاوی تھی۔ ایک نے ریوالور نکالا تو میں نے دوسرے کو اس پر دھکا دیا۔ فائر کی آواز کے ساتھ ہی دوسرے شخص کی چیخ سُنائی دی۔ ریوالور والا اُس سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔ میں نے پھولوں کا گملا اُٹھا کر اُس کے سر پر دے مارا۔ یقیناً اُسے رات کو دن کے تارے نظر آگئے ہوں گے۔ میں اُس کی حالتِ زار کو سمجھنے کے لئے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔ میں نے دوڑ لگائی۔ وہاں کی پچھلی دیوار پھلانگتے ہوئے ایک اور شخص کی لاش دیکھی۔ شاید سونیا وہ تحفہ پاشا کے لئے چھوڑ گئی تھی!

دیوار پھلانگ کر میں گلی میں آیا تو دُور دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دیں۔ پاشا کے ماتحت فائرنگ کی جگہ کی طرف جا رہے تھے۔ میں وہاں سے بے تحاشہ بھاگتا چلا گیا۔ بھاگنے کے دوران آگے پیچھے دیکھتا جا رہا تھا کہ شاید کوئی گاڑی نظر آجائے اور مجھے لفٹ مل جائے لیکن وہ گلی دُور تک ویران تھی۔

میں دوسری گلی میں مڑ گیا۔ چند کوٹھیاں پیچھے چھوڑنے کے بعد ایک کوٹھی کا پھاٹک نظر آیا۔ ایک کار پھاٹک سے باہر آرہی تھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر آواز دی: "پلیز! مجھے تھوڑی دُور تک ساتھ لے جاؤ!"

کار کی رفتار بڑھ گئی۔ میں نے اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے دوبارہ آواز دی لیکن وہ تیزی سے آگے نکلتی چلی گئی۔ میں کھڑا ہو کر ہانپنے لگا۔ تقدیر مجھے ہانپنے کا بھی موقعہ نہیں دینا چاہتی تھی۔ اندھیرے میں دُور بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ میں فوراً ہی کوٹھی کے احاطہ میں داخل ہو گیا۔

کئی ٹارچ کی روشنیاں گلی کو روشن کر رہی تھیں۔ میں بھاگتا ہُوا گیرج کے اندر آیا۔ پھر خیال آیا کہ میں نے پھاٹک بند نہیں کیا ہے۔ وہ لوگ خالی گیرج تک پہنچ سکتے ہیں۔ میں وہاں سے نکل کر دوڑتا ہُوا کوٹھی کے پیچھے گیا۔ کچن کا دروازہ کھلا ہُوا تھا۔ وہاں ایک عورت چولہے کے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ ایک چھوٹی سی بچی میز پر بیٹھی کچھ کھا رہی تھی۔ دونوں کی پشت میری جانب تھی۔ میں نے دبے قدموں کچن میں آکر سبزی کاٹنے والا چاقو اٹھایا تو عورت نے پلٹ کر دیکھ لیا۔

میں نے فوراً ہی بچی کے پاس پہنچ کر کہا: "خبردار شور نہ مچانا، ورنہ میں اسے چاقو سے...."

وہ گھبرا کر نفی میں سر ہلانے لگی: "نہیں، نہیں، میں چُپ رہونگی۔ چاقو میری بچی کے پاس سے ہٹا لو!"

وہ بچی پتہ نہیں کیا سمجھ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر پہلے مسکرائی، پھر اپنی زبان میں کچھ بول کر کھانے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے اس کی ماں سے کہا: "یہ دروازہ اندر سے بند کر دو!"

اُس نے آگے بڑھ کر حکم کی تعمیل کی۔ اُسی وقت کال بیل کی آواز سُنائی دی۔ میں نے کہا: "میرے دُشمن مجھے مار ڈالنا چاہتے ہیں، شاید وہی لوگ آئے ہیں!"

"میں ابھی معلوم کرتی ہوں!"

"تم میری نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتیں!"

"میں اسی کمرے سے باتیں کروں گی!"

"ٹھیک ہے۔ مگر کوئی اشارہ نہ دینا اور انگریزی زبان میں بولتی رہنا!"

اُس نے سوئچ بورڈ کے پاس جا کر ایک چھوٹے سے بکس کو کھولا۔ پھر اُس میں سے ایک مائیکروفون نکال کر ایک بٹن دبانے کے بعد بولی: "ہُو از دیئر؟"

چھوٹے سے اسپیکر سے آواز سُنائی دی: "ہمیں ایک چور کی تلاش ہے، وہ ادھر ہی آیا ہے!"

وہ بولی: "یہاں کوئی نہیں آسکتا۔ میں اپنے شوہر کی غیر موجودگی میں دروازے بند کر کے رہتی ہوں!"

"ہم... تلاشی لینا چاہتے ہیں!"

"چپ چاپ چلے جاؤ ورنہ پولیس کو کال کر دوں گی۔ گیٹ آؤٹ!"

اُس نے مائیکروفون کے بٹن کو آف کر کے رکھ دیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر میں نے آہستگی سے کہا: "میں چور نہیں ہوں۔ ان لوگوں نے مجھے دھوکہ سے خواب آور دوا پلا دی۔ میں پریشان ہوں کہ کہاں جاؤں؟ کہیں بھی جاؤں گا تو راستے میں نیند غالب آجائے گی!"

وہ بڑی سوچتی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا: "تم مجھ پر ایک احسان کر سکتی ہو، تمہارے ہاں لیمن ہو تو مجھے پینے کے لئے دو، اس سے نیند کا خمار جاتا رہے گا!" وہ چپ چاپ مجھے دیکھتی رہی، میں نے پوچھا: "کیا تم میری مدد نہیں کرو گی؟"

"آں! وہ چونک کر بولی: "میرے ہاں لیمن نہیں ہے، البتہ اینٹی سلیپنگ پلس ہیں۔ دو گولیاں کھانے کے بعد خواب آور گولیوں کا اثر زائل ہو جائیگا!"

وہ کپ بورڈ کے پاس گئی۔ پھر اُس میں سے ایک شیشی نکال کر میرے آگے میز پر رکھ دی: "دو گولیاں کافی ہوں گی، میں پانی دے رہی ہوں!"

میں نے شیشی سے دو ننھی ننھی گولیاں نکال کر انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مجھ سے دھوکہ تو نہیں کر رہی ہو؟"

وہ میری جانب پشت کئے کولر سے پانی نکال رہی تھی۔ وہاں سے پلٹ کر آتی ہوئی بولی۔ "اگر اس شیشی میں زہر ہوتا تو یہ کچن میں نہ ہوتی۔ اور میں تمہیں مزید خواب آور گولیاں کھلا کر اپنے گھر میں سونے کی جگہ نہیں دے سکتی۔ تمہیں یقین ہے تو کھاؤ مگر میری بچی کا پیچھا چھوڑ دو!"

اس وقت اس عورت کی دِلی تمنا یہی ہو سکتی تھی کہ میں جلد از جلد وہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے گولیوں کو نگل کر پانی پی لیا۔ وہ بولی۔ "اب جاؤ، خطرہ ٹل گیا ہے!"

میں نے بچی کو گود میں اٹھا کر کہا۔ "نہیں، پہلے سامنے والے دروازے تک چلو، باہر نکل کر دیکھو، کوئی آس پاس ہے یا نہیں!"

وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ میں اُس کے پیچھے بچی کو اٹھائے کوٹھی کے سامنے والے کمرے تک آیا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ میں دروازے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ وہ باہر چلی گئی، پھر پانچ منٹ کے بعد واپس آکر بولی۔ "کوئی نہیں ہے، پولیس والی دھمکی نے انہیں بھگا دیا ہے!"

میں نے بچی کو چُوم کر اس کی گود میں دے دیا۔ وہ ممتا بھرے انداز میں اُسے چومنے لگی۔ پھر میرے باہر جاتے ہی دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ میں نے آگے بڑھنے سے پہلے محتاط انداز میں اپنے آس پاس حدِ نظر تک دیکھا۔ اتنے میں دروازے کے پیچھے سے اُس عورت نے کہا۔ "یُو بلڈی فول! تم نے میری بیٹی کو چاقو دکھایا، میں نے تمہیں خواب آور گولیاں کھلا دیں۔ اب تم کہیں راستے میں جا کر گر پڑو۔"

میں نے پلٹ کر دروازے کو ایک زور کی ٹھوکر ماری۔ وہاں کے دروازے اور کھڑکیاں بڑی مضبوط تھیں۔ لوہے کی جالیاں لگی ہوئی تھیں اس لئے وہ دروازہ بند کرنے کے بعد دلیری سے للکار رہی تھی۔ اُس نے کہا۔ "میں قریبی پولیس اسٹیشن میں فون کر رہی ہوں۔ اگر تم نہ گئے تو پولیس والے تمہیں نیند کی حالت میں یہاں سے اٹھا کر لے جائیں گے!"

میں وہاں سے بھاگتا ہوا احاطے سے باہر آیا۔ میدان دشمنوں سے صاف تھا۔ مگر اب نیند میری سب سے بڑی دُشمن تھی۔ وہ کہیں بھی مجھے پٹخ سکتی تھی۔ میں تیزی سے چلنے لگا۔ اُس وقت پتہ چلا کہ انسان کی رفتار سے بھی زیادہ دوا کے اثر میں تیز رفتاری ہوتی ہے۔

اس عورت نے بڑی معصومیت دکھا کر مجھے دو گولیاں کھلائی تھیں۔ اب اگر وہ ہاتھ آجاتی تو اب یہ سوچنا ہی فضول تھا۔ مجھے اپنی حالت پر افسوس ہو رہا تھا کہ اب میں کتنی آسانی سے دھوکے کھا لیتا ہوں۔ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کوئی خلوص سے یا معصومیت سے کھانے کیلئے کچھ دے تو کیا میں نہ کھاؤں اور بھوکا رہوں!

میں اونگھتے ہوئے ذہن سے کچھ سوچنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ جھنجھلا کر سوچ رہا تھا کہ کھانا پینا ترک کر دُوں گا لیکن سازش کرنے والوں کے ہاتھوں اس طرح کھلونا نہیں بنوں گا۔

میں چلتے چلتے اونچی آواز میں بڑبڑانے لگا تاکہ بڑبڑاہٹ کے دوران نیند کو بھولتا رہوں۔ بڑی مشکل تھی۔ نیند مجھے نہیں بھول رہی تھی۔ اس وقت دِل مچل رہا تھا کہ جہاں ہوں، وہیں زمین پر لیٹ کر سو جاؤں وہاں کے فٹ پاتھ میں نرم نرم بستر سے زیادہ کشش تھی۔ صرف ایک خوف مجھے آگے اور آگے کہیں دُور ڈھونڈنے پر مجبور کر رہا تھا کہ میں سڑک پر سوتا ہوا پایا گیا تو کسی پولیس اسٹیشن پہنچا دیا جاؤں گا!

میں اُس علاقے سے باہر آگیا۔ اب میرے قدم بھی آگے نہیں بڑھنا چاہتے تھے۔ پہلے میں سونے کے لئے مجبور تھا۔ اب گر جانے کو جی چاہتا تھا۔ ایسے ہی وقت ایک پرانے ماڈل کی کار قریب آکر رُک گئی۔ میں نے کار کا سہارا لے کر التجا کی: "فار گاڈ سیک۔ مجھے سونے کے لئے جگہ دو۔ ورنہ نیند سے مر جاؤں گا!"

کار کا پچھلا دروازہ کھلا۔ ایک شخص نے باہر آکر مجھے بیٹھنے کے لئے کہا۔ پچھلی سیٹ پر ایک اور شخص تھا۔ میں اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ دوسرا شخص دروازے کو بند کرتا ہوا میرے پاس بیٹھ کر بولا۔ "تم کون ہو؟ کہاں جانا چاہتے ہو؟"

کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔ میں نے اونگھتی ہوئی آنکھوں سے اپنے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ سب دُھندلے سے نظر آرہے تھے۔ تیز رفتار گاڑی کی کھڑکی کے باہر روشنیاں تیزی سے گزرتی جا رہی تھیں اور میری نیند بھری آنکھوں میں چبھتی جا رہی تھیں۔

ایک نے پوچھا۔ "اس طرح کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا پوری آنکھیں نہیں کھول سکتے؟"

دوسرے نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے نشے میں ہے!"

وہ جُھک کر میرا منہ سونگھنے لگا۔ میں نے کہا۔ "میں نے سلیپنگ پلز کھائی ہیں۔ پلیز مجھے سو جانے دو!"

میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ اب میں نیند سے ہار گیا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کیں تو محسوس ہوا وہ دونوں میری جیبوں کی تلاشی لے رہے ہیں۔ پھر میرے سر پر ایک زور کی چپت پڑی۔ آواز آئی۔ "یہ سالا تو بالکل خالی ہے۔ گاڑی روکو...!"

گاڑی رُک گئی۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا دوسرے نے پیچھے سے دھکا دیا۔ پھر دوسرے ہی لمحے میں فٹ پاتھ پر پڑا ہوا تھا۔ گاڑی وہاں سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔

یہ یقین ہو رہا تھا کہ تقدیر فٹ پاتھ پر ہی سُلانا چاہتی ہے۔ دھکے کھا کر الیکٹرک پول سے ٹکرانے کے باعث سر میں کہیں چوٹ لگی

تھی۔ تکلیف کے احساس نے چند لمحوں کے لئے نیند کے حملے کو کمزور بنا دیا۔ میرے حوصلوں نے مجھے سمجھایا کہ میں ایک بے دست و پا کی طرح شکست کھا کر فٹ پاتھ پر نہیں گر سکتا۔ میں بے بسی سے گرنے اور مرنے کے لئے پیدا نہیں ہوا ہوں۔

میں نے پھر نیند کو شکست دینے کے لئے الیکٹرک پول سے سر کو زور سے ٹکرا دیا۔ میری کھوپڑی جھنجھنا کر رہ گئی۔ وہ تکلیف بڑی ہی ناقابلِ برداشت تھی۔ لیکن فائدہ یہ پہنچا کہ نگاہوں کے سامنے سے دھندلکا چھٹ گیا۔ اب ایک کشادہ سڑک اور گزرتی ہوئی گاڑیاں صاف طور سے نظر آرہی تھیں۔ میں تکلیف سے کراہ رہا تھا اور چہرے پر بہتے ہوئے لہو کی گرمی محسوس کر رہا تھا!

میں نے الیکٹرک پول کا سہارا لے کر ایک ہاتھ اٹھایا۔ شاید کوئی گاڑی میری مدد کے لئے رُک جائے۔ لیکن میرے لہو میں بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھ کر شاید وہ لوگ کسی پولیس کیس میں ملوث نہیں ہونا چاہتے تھے۔ اس لئے بے حسی سے گزرتے جا رہے تھے!

تب ایک کار کی رفتار سست ہونے لگی۔ پھر وہ میرے قریب آکر رُک گئی۔ ایک سُریلی آواز نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "مائی گاڈ یہ تم ہو، اندر آجاؤ!"

اگلی سیٹ پر لیٹنے اور سونے کی گنجائش نہیں ہو سکتی تھی میں پچھلا دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر گر پڑا۔ آرام دہ سیٹ پر لیٹتے ہی میں دِل کھول کر کراہنے لگا۔ بعض اوقات ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہماری تکلیف کا احساس کریں اس لئے ہم برداشت کی قوت رکھنے کے باوجود کراہتے ہیں۔ میں اُس مہربان عورت کی ہمدردیاں اسی طرح حاصل کر سکتا تھا۔

مجھے دروازہ بند ہونے کی آواز سُنائی دی۔ پھر گاڑی آگے بڑھ گئی۔ وہ مترنم سی آواز میں کچھ کہہ رہی تھی، مگر میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ مجھے جیسے ماں کی گود میسّر ہو گئی تھی۔ میں نے ذہن کو نیند سے شکست کھانے کے لئے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ اس نے چشم زدن میں دُنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا!

نیند بڑی نعمت ہے۔ جب سونے کی شدید خواہش ہوتی ہے تو زندگی کو داؤ پر لگا کر بھی سونے کو جی چاہتا ہے۔ شاید اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ نیند پھانسی کے تختے پر بھی آجاتی ہے۔ میں نے بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ مجھ پر احسان کرنے والی عورت کون ہے؟ وہ دشمن بھی ہو سکتی تھی اور مجھے دوبارہ غلامی کے جہنم میں لے جا سکتی تھی۔

بعد میں پتہ چلا کہ میں بارہ گھنٹے تک گہری نیند سوتا رہا۔ جب آنکھ کھُلی تو پہلے سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کہاں ہوں؟ سورج کی روشنی کار کی کھڑکی کے راستے میرے منہ پر آرہی تھی۔ دھوپ کی تمازت سے ہی میری آنکھیں کھل گئی تھیں!

میں نے تکلیف سے کراہتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھا۔ وہاں پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ یعنی زخم کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔ تب مجھے یاد آیا کہ ایک نامعلوم عورت نے مجھے اس کار میں جگہ دی تھی۔ اسکی مہربانی سے یہ مرہم پٹی ہوئی ہے۔ میں نے سر گھما کر اسٹیئرنگ کی جانب دیکھا۔ وہ سیٹ خالی تھی، کار میں کوئی نہیں تھا!

میں آہستہ آہستہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ کار کے اطراف ہرا بھرا جنگل تھا۔ دُور دُور تک خوش رنگ پھول کھلے ہوئے تھے۔ درختوں پر چہچہانے والے پرندوں کی آوازیں بڑی ہی بھلی لگ رہی تھیں۔ میرے ذہن کو ایسی آسودگی، ایسی تازگی حاصل ہو رہی تھی جیسے میں خواب آور گولیاں کھانے کے بعد جنت میں پہنچا دیا گیا ہوں اور اب دُنیاوی دشمنوں سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔

میں کار کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ سامنے ایک درخت کے سائے میں سرخ کام کی ایک پھولدار دری بچھی ہوئی تھی۔ اس پر بہت سے پھل اور کچی سبزیاں رکھی ہوئی تھیں۔ درخت کے تنے کے پاس کیروسین آئل کے چولہے پر ایک ہانڈی چڑھی ہوئی تھی، اس کی اشتہا انگیز خوشبو سے پتہ چل رہا تھا کہ گوشت کا سالن تیار ہو رہا ہے۔

میں نے دُور دُور تک نظریں دوڑائیں، میرے لئے زحمتیں اٹھانے والی ہستی کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔ میں سوچنے لگا کہ آخر وہ کون ہو سکتی ہے؟ دشمن تو نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ مندر کی داسی یا دیوی کا رجلانا نہیں جانتی تھی!

پھر یاد آیا کہ پچھلی رات الیکٹرک پول کے پاس کار رُکتے ہی اُس نے سریلی سی آواز میں کہا تھا: "مائی گاڈ! یہ تم ہو، اندر آجاؤ۔"

یہ بات وہی کہہ سکتی تھی جو مجھے جانتی ہو۔ رکمنی بھی مجھے جانتی تھی مگر انگریزی زبان نہیں جانتی تھی۔ رُدّمانہ ہو سکتی تھی۔ مگر اُس کا خیال آتے ہی پھر دل میں درد پیدا ہوا۔ وہ تو مجھ سے ملنے کی حسرت لئے اس دُنیا سے رخصت ہو گئی تھی۔

پھر سونیا کا خیال آیا۔ شاید وہ مجھے تلاش کرتی ہوئی الیکٹرک پول تک پہنچ گئی ہو۔ اور مجھے دشمنوں سے دُور یہاں لے آئی ہو۔ میں نے دُور تک دیکھتے ہوئے آواز دی: "سونیا ... سونیا ...!"

ایک چڑیا چوں چوں کرتی میرے سر پر سے گزر گئی۔ مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ میں نے کولر سے پانی نکال کر پیا۔ پھر ایک سیب اٹھا کر کھاتے ہوئے کار کے پاس آیا۔ اس کی ڈگی کھلی ہوئی تھی۔ اندر ایک سوٹ کیس کو کھول کر دیکھا۔ اُس میں بلاؤز، پیٹی کوٹ، میکسی، جینز پتلون، بنیان، انڈر ویئر اور برہنیر وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ سونیا کے پاس نہ تو کار تھی اور نہ ہی اتنا سامان تھا۔ وہ مجھ سے جُدا ہونے کے دو تین گھنٹے کے اندر اتنی چیزیں حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ بھی نیند کا شکار تھی۔ نیند اُسے اتنی مہلت نہ دیتی کہ وہ دیر تک جاگ کر میری مرہم پٹی بھی کر دیتی۔

نہیں، مجھے یہاں لانے والی سونیا نہیں ہو سکتی تھی۔ پتہ نہیں وہ کہاں پہنچ کر نیند کا شکار ہو گئی ہو۔ پھر ایک خیال آیا کہ اُسے میری طرح بیدار ہو کر لُو کو پا لینا چاہئیے۔ اگر وہ میری بُو کو نہیں پا رہی ہے، تو پھر اب تک نیند میں غافل ہو گی۔ یا پھر حالات نے اُسے سمندر پار پہنچا دیا ہو گا جہاں سے اُس کے سونگھنے کی حس کام نہیں آ سکے گی!

میں نے چولہے کی طرف دیکھا سالن پک رہا تھا۔ یقیناً وہ زیادہ دُور نہیں گئی ہو گی۔ اچانک مجھے ریتا کا خیال آیا۔ شاید وہ ایئر ہوسٹس مجھے یہاں لائی ہے۔ مگر... مگر نہیں....

ریتا نے مجھے دلوو شرما کے رُوپ میں دیکھا تھا جب وہ خواب آور کافی پی کر سو گئی تھی۔ تب میں نے میک اَپ اُتارا تھا۔ وہ فرہاد کے اس چہرے کو نہیں پہچان سکتی تھی۔

میں تھک ہار کر دری پر بیٹھ گیا۔ یہ معمّہ حل کرتے کرتے میرا سر دُکھنے لگا تھا۔ سوچ کی اُڑان قائم رہتی تو اتنی درد سری نہ ہوتی۔ میں نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔ جو بھی ہو گی، وہ سامنے آ ہی جائیگی۔ خواہ مخواہ سر کھپانے کا فائدہ نہ تھا!

مجھے جماہی آ گئی۔ میں دری پر لیٹ گیا۔ خواب آور دوا کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ سر سے کافی مقدار میں خون بہہ جانے کے باعث کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ کمزور اور بیمار کبھی سوتے ہیں، کبھی جاگتے ہیں، یہی میری حالت ہو گئی۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

اس دوران میرے لئے سبزیوں کا سالن اور چکن سُوپ تیار ہو گیا۔ مجھے اُس وقت پتہ چلا جب کسی کی سُریلی آواز میرے کانوں میں شہد کی طرح ٹپکنے لگی۔ میں نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ چاندنی سے دُھلا ہُوا ایک چہرہ میرے چہرے پر جھکا ہُوا تھا۔ ایسے چہرے کبھی خوابوں میں ہی نظر آتے ہیں۔ اُس کے رُخساروں پر گلابوں کی تازگی تھی، نیلی آنکھوں سے آسمان جھانک رہا تھا۔ ملائم لبوں کی پنکھڑیاں کانپ رہی تھیں جیسے کلی چٹکنے سے پہلے لرز رہی ہو۔ اُس کی سنہری زلفوں پر سورج کا سونا بکھرا ہُوا تھا۔ میں دم بخود دیکھتا رہا۔ یُوں لگ رہا تھا جیسے خواب آور گولیاں ابھی تک خواب دِکھا رہی ہوں!

پھر اُس کے لبوں کی پنکھڑیاں کھلنے لگیں۔ وہ کچھ کہہ رہی تھی۔ اُس کی مادری زبان میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اُس نے ایسی نظروں سے دیکھا جیسے اپنی بات کا جواب طلب کر رہی ہو۔ اُس کی آنکھوں میں بڑی گہرائی تھی، ڈوبنے کو جی چاہتا تھا!

وہ پھر کچھ بولی۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا: "زبانِ یارِ من تُرکی و مَن تُرکی نمی دانم!"

یہ فارسی زبان اس کی سمجھ میں نہیں آئی۔ تب اُس نے انگریزی زبان میں پوچھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں کہہ رہا ہوں کہ تمہاری زبان میری سمجھ میں نہیں آتی پہلے تم اپنا تعارف تو کراؤ، میں اپنی محسنہ کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین ہوں!"

وہ میٹھی ناراضگی سے بولی: "کیا تم مذاق کر رہے ہو؟"

"کیسا مذاق؟ میں سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں!"

وہ میرے سر کے بالوں کو اپنی مٹھی میں جکڑ کر بولی: "کیا یہ تمہاری سنجیدگی ہے؟ مجھ سے تعارف حاصل کرنا چاہتے ہو شریر کہیں کے۔ چلو اٹھو اور مجھے بتاؤ کہ تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے اور کس سے جھگڑا کرنے کے بعد لہو لہان ہو کر وہاں کھڑے ہوئے تھے؟"

اس کی باتوں سے یہی سمجھ میں آیا کہ میں اُس کے ساتھ تھا۔ پھر اُس سے بچھڑ گیا۔ اس کے بعد زخمی حالت میں دوبارہ اُس سے مل گیا۔ یعنی وہ مجھے بہت پہلے سے جانتی تھی بلکہ ہماری جان پہچان میں بے تکلفی بھی تھی!

میں نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا: "تمہاری باتیں مجھے اُلجھا رہی ہیں میں تمہیں نہیں جانتا ہوں۔ اور تمہاری باتوں سے ظاہر ہو رہا ہے کہ ہم ایک دوسرے کے شناسا رہ چکے ہیں!"

وہ شدید حیرانی سے بولی: "عازم بیگ! کیا تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ مذاق میں یہ نہ کہو کہ تم مجھے نہیں جانتے ہو۔ کیا ایسا ہی بھونڈا مذاق کرنے کے لئے تم نے مجھ سے شادی کی ہے؟"

"شادی؟" میں تقریباً چیخ پڑا: "بھئی تم کون ہو؟ مجھے اپنا شوہر کیوں بنا رہی ہو؟ یہ ڈرامہ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے!"

وہ غصّہ سے سُرخ ہو کر بولی: "ہماری شادی کو ابھی چوبیس گھنٹے گزرے ہیں اور تم ابھی سے اپنا رنگ دکھا رہے ہو۔ اچھا ہُوا کہ میں نے تمہارے ساتھ سہاگ رات نہیں گزاری۔ اب تم میری انگلی بھی نہیں پکڑ سکو گے۔ میں تم سے نفرت کرتی ہوں!!"

وہ میرے پاس سے اٹھی۔ پھر طنطناتی ہوئی چولہے کے پاس چلی گئی۔ اُس کے اٹھنے کے بعد میں نے اس کا سراپا دیکھا۔ اُس کے بدن کی تراش میں ایسا حُسن تھا کہ نگاہیں جم کر رہ جاتی تھیں۔ اس کی سنجیدگی اور غصّہ بتا رہا تھا کہ یہ کوئی ڈرامہ نہیں ہے۔ وہ حقیقتاً مجھ کو اپنا شوہر سمجھ رہی ہے!

اس طرح یہ بات سمجھ میں آئی کہ میں اُس کے شوہر سے مشابہت رکھتا ہوں، اسی لئے وہ دھوکہ کھا رہی ہے۔ اب میں جس قدر اُسے یقین دلاتا کہ میں عازم بیگ نہیں ہوں، تو وہ کبھی یقین نہ کرتی۔ میں سوچنے لگا کہ اُس کا غصّہ ٹھنڈا کرنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

میں اُسے دیکھے جا رہا تھا، اُس نے بھی کن انکھیوں سے مجھے ایک آدھ بار دیکھا۔ پھر ظاہر کرنے لگی کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اسے میری ذرا بھی پرواہ نہیں ہے۔ عورت اپنے مرد سے لاپرواہی ظاہر کرتی

ہے، مگر اس کا دِل نہیں مانتا۔ وہ اپنی محبت اور خدمت گزاری کے جذبوں سے مجبور ہوتی ہے۔ اُس نے ناراضگی کے باوجود ایک پیالے میں چکن سُوپ لا کر میرے سامنے رکھ دیا۔

میرے ذہن نے ایک تدبیر سوچی۔ میں اُس کے سامنے بڑبڑانے لگا۔ "مجھے کچھ یاد نہیں آ رہا ہے کہ میں کون ہوں؟ اور کہاں سے آیا ہوں؟ سوچتا ہوں تو سر دُکھنے لگتا ہے!"

وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ خود کو بھول گئے ہو؟"

میں اپنے سر سے بندھی ہوئی پٹی کو سہلانے لگا۔ وہ میرے قریب آئی۔ پھر مجھے غور سے دیکھتے ہُوئے بولی۔ "کیا واقعی تمہیں کچھ یاد نہیں آ رہا ہے؟"

"نہیں! میں بہت دیر سے سوچ رہا ہوں کہ تم کون ہو؟ اور مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو؟"

"اوہ عازم!" اُس نے پریشان ہو کر میرا ہاتھ تھام لیا۔ "معلوم ہوتا ہے سر کی چوٹ نے تمہارے دماغ کو بُری طرح متاثر کیا ہے۔ میں نے سُنا ہے کہ چوٹ اگر دماغ تک پہنچے تو آدمی کی یادداشت گُم ہو جاتی ہے، وہ ماضی کو بھول جاتا ہے!"

میں اتنی موہنی صُورت کو یوں تکنے لگا جیسے بھولے ہوئے چہرے کو یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ ہاتھ کو اپنے گلابی رخسار پر رکھتی ہوئی بولی۔ "نہیں عازم! تم مجھے نہیں بھول سکتے۔ میں تمہیں یاد دلاؤں گی کہ میں تمہاری شبانہ ہوں۔"

"شبانہ!" میں نے آہستگی سے اُس کے نام کو دہرایا۔ "کیا تم ثابت کر سکتی ہو کہ میں تمہارا شوہر ہوں اور میرا نام عازم بیگ ہے!"

وہ چند لمحوں تک میرا منہ تکتی رہی۔ پھر میرا ہاتھ چھوڑ کر بڑبڑاتی ہوئی کار کی ڈگی کی جانب گئی۔ "میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ کبھی تمہارے سامنے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ یہ تم ہو۔ کیسی عجیب بات ہے؟ انسان خود کو بھول جاتا ہے!"

ایک منٹ بعد وہ ایک تصویر لے کر آئی اور اُسے میرے سامنے کر دیا۔ اب میرے چونکنے کا موقعہ تھا۔ وہ میری تصویر تھی۔ میں نے اُسے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ اگر وہ صرف میری تصویر ہوتی تو یہ سوچا جاتا کہ شبانہ نے اُسے کہیں سے پا لیا ہے۔ لیکن اس تصویر میں وہ بھی موجود تھی۔ میں اُس کے شانہ پر ہاتھ رکھے کلوز اَپ میں مسکرا رہا تھا۔

"یہ... یہ... یہ میری تصویر ہے۔ لیکن میں نے تمہارے ساتھ کبھی تصویر نہیں کھنچوائی اور میرا نام عازم نہیں ہے!"

وہ بڑی ہمدردی سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی بولی۔ "سُوپ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اسے پی لو!"

میں پیالہ اٹھا کر پینے لگا۔ بڑا ہی لذیذ سُوپ تھا۔ میں نے پینے کے دوران سوچا کہ اسے حقیقت بتا دُوں۔ وہ مجھے عازم بیگ سمجھ کر بیکار سے چپکے جا رہی تھی۔ میں نے کہا۔ "شبانہ! میری یادداشت سلامت ہے۔ میں عازم نہیں ہوں میرا نام فرہاد ہے!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی: "تم نے سوچ کر بہت خوبصورت نام رکھ لیا ہے۔ اگر تمہاری یادداشت سلامت ہے تو تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ پہلے تمہارا نام سلطان تھا۔ تم نے چھ ماہ پہلے نام بدل کر عازم رکھ لیا۔ اب پھر نام بدل کر خود کو فرہاد کہہ رہے ہو!"

"میں سچ مچ فرہاد ہوں!"

وہ بولی: "کل صبح کورٹ میرج کے وقت تم نے فرہاد نام کیوں رکھ لیا؟ شادی عازم کے نام سے ہوئی اور میں فرہاد کے نام سے منسوب رہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ آخر تم مستقل مزاج کیوں نہیں ہو؟ کبھی نام بدلتے رہتے ہو، کبھی مشغلے بدلتے رہتے ہو!"

"مشغلے؟ میں نے کون سا مشغلہ بدلا ہے؟"

"تم خود ہی کہتے تھے کہ پہلے کرکٹ کے کھلاڑی تھے! پھر کھیل چھوڑ کر جوڈو کراٹے سیکھنے لگے۔ اُس کے بعد میں نے خود دیکھا ہے کہ تم ٹیلی پیتھی سیکھ رہے تھے!"

"ٹیلی پیتھی؟" میں نے چونک کر کہا۔ "کیا عازم بیگ یہ علم سیکھ رہا تھا؟"

"ہاں! تم سیکھ رہے تھے!"

"چلو یہی سہی۔ پھر تو یہاں موم بتیاں ضرور ہوں گی!"

"بہت ساری تھیں، میں نے پھینک دیں!"

میں نے سر تھام کر پوچھا۔ "کیوں پھینک دیں؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی۔ "ہو گئے نا پریشان! پہلے بھی موم بتیاں پھینک دینے سے تم جھنجھلایا کرتے تھے۔ میں پوچھتی ہوں کہ آخر یہ کیسا خبط ہے؟ موم بتی جلا کر اس کی لَو کو تکتے رہنے سے آنکھیں خراب ہو جاتی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تم اندھے ہو جاؤ اور مجھے کبھی نہ دیکھ سکو!"

میں نے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کیا میں تمہاری سوچ پڑھ لیا کرتا تھا؟ یعنی میں نے کس حد تک یہ علم سیکھا تھا؟"

"کیا خاک سیکھا تھا؟ کبھی کہتے تھے کہ میں یہ سوچ رہی ہوں کبھی کہتے تھے کہ میں وہ سوچ رہی ہوں۔ ساری باتیں غلط ہُوا کرتی تھیں۔ خواہ مخواہ شمع بینی کی عادت ڈال کر بینائی کمزور کر لی۔ تمہیں یاد نہیں کہ ڈاکٹر نے عینک لگانے کے لئے کہا تھا!"

"کہا ہو گا، مگر میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ میں عازم نہیں فرہاد ہوں... تم یقین کر لو!"

"اچھا یقین کر لیا۔ زیادہ نہ بولو۔ نام بدل کر تم اپنی شخصیت نہیں بدل سکتے!"

اُس نے مکھن سلائس اور سالن لا کر میرے سامنے رکھ دیا پھر میرے سامنے بیٹھ کر کھانے لگی۔ میں کھانے کے دوران سوچتا رہا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئیے اور کہاں جانا چاہئیے۔ سونیا کو تلاش کرنا یا علم اب

میرے پاس نہیں تھا۔ میری کوئی منزل بھی نہیں تھی۔ پتہ نہیں شبانہ مجھے اس جنگل میں کیوں لے آئی تھی!

میں نے پوچھا "کیا ہم اس جنگل میں پکنک منانے آئے ہیں؟"

"تمہیں تو کسی ہسپتال میں پکنک منانا چاہیئے تھا۔ کوئی نرس تمہاری تیمارداری کرتی۔ میں تمہارے ساتھ ہسپتال میں نہیں رہ سکتی تھی۔ کیا میں نے نہیں بتایا تھا کہ ہسپتال میں میرے ایک انکل سے سامنا ہو سکتا ہے، پھر سارے خاندان میں یہ خبر پھیل جائے گی کہ ہم نے چھپ کر شادی کر لی ہے!"

"کیا ہم نے چھپ کر شادی کی ہے؟"

"اوہ! میں تو بھول جاتی ہوں کہ تم سب کچھ بھول گئے ہو!"

"تو پھر تم مجھے یاد دلاؤ کہ میں کون ہوں؟ کہاں رہتا تھا؟ اور تم سے رشتہ کیسے ہو گیا؟"

شبانہ نے اٹھ کر چولہا جلایا۔ پھر چائے بنانے کی تیاری کرتے ہوئے بولی:

"میں ایک دولتمند باپ کی بیٹی ہوں۔ بچپن سے جوانی تک میں کبھی کسی چیز کی محتاج نہیں رہی۔ میں پڑھنے میں یا تفریحات میں زندگی گزارتی رہی۔ ایک بار میری ماں ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئی۔ اگر ماں کو فوری طور پر طبی امداد مل جاتی تو شاید وہ نہ مرتیں۔ ان کی موت نے میرے اندر یہ جذبہ پیدا کیا کہ مجھے نرسنگ کورس مکمل کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے میں لسٹر ٹیوڈ ہسپتال میں ٹریننگ حاصل کرنے کی غرض سے جانے لگی۔ وہاں ایک روز تم سے سامنا ہو گیا!"

اتنا کہہ کر اس نے مجھے دیکھا۔ اس کی نگاہیں پوچھ رہی تھیں۔ "کچھ یاد آیا؟"

بہر حال وہ آگے کہنے لگی "تم اس ہسپتال میں کسی اجنبی کو طبی امداد دلانے لائے تھے۔ جب میں اس زخمی کو اٹینڈ کرنے لگی تو تم خواہ مخواہ بے تکلف ہو کر مجھ سے باتیں کرنے لگے۔ میں نے تمہیں ڈانٹ کر کہا "مسٹر! میں کوئی معمولی نرس نہیں ہوں۔ انقرہ کے ایک مِل اونر کی بیٹی ہوں!"

تم نے ڈھٹائی سے کہا۔ "میں بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں یہاں کی حسین لڑکیاں مجھے انقرہ کا شہزادہ کہتی ہیں لیکن میں کسی کے آگے گھاس نہیں ڈالتا۔ جانتی ہو کیوں؟"

میں تمہارا منہ تکنے لگی۔ "کیوں؟"

"اس لئے کہ لڑکیاں گھاس نہیں کھاتیں!"

تمہارا جواب سن کر مجھے بے اختیار ہنسی آگئی۔ تم نے کہا "بائی دی وے میرا نام عازم بیگ ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں کسی اجنبی کو اپنا نام بتانا پسند نہیں کرتی!"

"میں تمہارا مریض بن کر آنا چاہتا ہوں ـــ یہاں آ کر کس نام سے پکاروں گا؟"

"سسٹر کہہ دینا۔ تمام مریض یہی کہتے ہیں!"

میرا جواب سُن کر تم جھینپ گئے۔ وہ ہماری پہلی ملاقات تھی۔ دوسری بار میں نے تمہیں ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں دیکھا۔ تم میرا انتظار کر رہے تھے۔ میں اپنی کار میں بیٹھ کر جانے لگی تو تم نے لفٹ مانگی۔ میں نے کہا "میرے ڈیڈی بہت غصے والے ہیں۔ کسی اجنبی کو میری کار میں برداشت نہیں کریں گے!"

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ دوست بنا کر اجنبیت ختم کر دو!"

"ڈیڈی میرے دوستوں کو گولی مار سکتے ہیں!"

"ایسا گولی مار ڈیڈی میں نے کہیں نہیں دیکھا!"

"میں تمہیں دکھانا نہیں چاہتی۔ تمہاری جوانی پر ترس آتا ہے!"

"خدا کا شکر ہے کہ جوانی نے جوانی پر ترس تو کھایا!"

میں کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھ گئی۔ تمہیں پیچھے چھوڑ دیا۔ تب میں نے محسوس کیا کہ میرا دل بھی پیچھے تمہارے پاس رہ گیا ہے۔ میں سمجھ نہ سکی کہ تم نے مجھے کیسا متأثر کر دیا۔ تمہارا قد، تمہارا ڈیل ڈول، مردانہ وجاہت یا تمہاری حاضر جوابی، پتہ نہیں تمہاری کونسی خوبی میری سوچ کو صرف تمہاری طرف اڑائے لئے جا رہی تھی۔

میں نے تیسری ملاقات میں تمہیں لفٹ دی پھر پوچھا "تم کیا کرتے ہو؟"

تم چند لمحوں تک خاموش رہے۔ پھر کہنے لگے "میں نے کبھی سچ نہیں کہا، مگر تم سے کہوں گا، خواہ تم نفرت کرو یا محبت ـــ میری حقیقت یہ ہے کہ میں اس دُنیا میں تنہا ہوں۔ ماں باپ مر چکے ہیں۔ جیسے میں نے ہوش سنبھالا، خود کو غنڈوں اور بدمعاشوں میں پایا، میں یہاں کا ایک بدنام جیب کترا ہوں!"

میں نے تمہاری باتیں سن کر گاڑی روک دی پھر حقارت سے کہا "میری سوسائٹی میں اتنی عزت ہے کہ میں تمہارا سایہ بھی اپنے قریب برداشت نہیں کر سکتی۔ گیٹ آؤٹ!"

"کمال ہے۔ سچ بولنے کی یہی سزا ہوتی ہے کہ گیٹ آؤٹ ہو جاؤ۔"

"جیب کتروں کو پولیس اسٹیشن میں سچ بولنا چاہیئے۔ دُور ہو جاؤ میری نظروں سے!"

تم بڑی شرافت سے دروازہ کھول کر باہر چلے گئے۔ میں نے کار آگے بڑھا دی۔ آدمی نظروں کے سامنے رہے تو اتنی قدر نہیں ہوتی جتنی کہ نظروں سے دُور ہو جانے کے بعد ہوتی ہے۔ پہلے تو مجھے اس بات پہ غصہ آتا رہا کہ تم ایک معمولی جیب کترے ہو کر مجھ جیسی اعلیٰ اور دولتمند خاندان کی لڑکی سے محبت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ یقیناً تمہارا دھندا نہیں چل رہا ہو گا، اس لئے مجھے پھانس رہے ہو۔

گھر پہنچ کر غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا۔ رات کو بستر پر کروٹیں بدلتے ہوئے میں نے سوچا کہ اگر تم فریب سے مجھے پھانسنا چاہتے تو اپنی حقیقت بیان نہ کرتے۔ تم ایک غلط آدمی ضرور ہو مگر میرے لئے سچے اور کھرے ہو!

اس حقیقت نے مجھے ستانا شروع کر دیا۔ تمہارا چہرہ میرے تصور کی آنکھ سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ تمہاری خوبروئی اور مردانہ وجاہت میرے جذبوں میں نشتر کی طرح اُتر رہی تھی۔ دوسرے دن توقع تھی کہ تم پھر ہسپتال میں ملو گے۔ لیکن تم نہیں آئے۔ میں جب تک کسی چیز کی محتاج نہ رہی تھی۔ اُس روز میں نے شدت سے تمہاری کمی محسوس کی۔

تیسرے دن بھی نہیں آئے تو میرے دل نے کہا۔ تم میری پہلی اور آخری ضرورت ہو۔ تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ اب میں کار چلانے کے دوران سڑکوں پر اِدھر اُدھر دیکھتی جاتی تھی شاید تم نظر آ جاؤ۔ مجھے تمہاری سچائی مار رہی تھی اور مجھے مار ڈالنے والا نظر نہیں آ رہا تھا!"

شبانہ اتنا کہنے کے بعد چائے کی پیالیاں لے کر میرے پاس آئی۔ اُس کی نگاہیں پھر پوچھ رہی تھیں "کچھ یاد آیا؟"

اگر میں عازم بیگ ہوتا تو شاید یاد دلانے پر بھولی ہوئی باتیں یاد آ جاتیں۔ مگر میں بحیثیت فرہاد علی تیمور کچھ نہیں بھولا تھا۔ اس لئے خاموشی سے چائے کی چسکی لینے لگا۔

وہ کہنے لگی۔ "ایک ماہ کے بعد ہسپتال میں تمہارا فون آیا۔ ریسیور پر تمہاری آواز سنتے ہی میں خوشی سے پاگل ہو گئی۔ تم کہہ رہے تھے: "شبانہ! تم نے اپنا نام نہیں بتایا تھا لیکن میں نے معلوم کر لیا۔ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو، اس لئے میں تمہارا وقت برباد نہیں کروں گا اگر تم جیسی دولتمندوں کی نظر میں سچائی کی ذرا سی بھی قیمت ہے تو آج وہ قیمت ادا کر دو!"

"میں بڑی سے بڑی قیمت ادا کروں گی۔ تم کہاں ہو؟"

"میں اتاترک بازار کے تھانے میں ہوں۔ میری ضمانت دینے والا کوئی نہیں ہے، اگر تم ...."

میں نے تمہاری بات کاٹ کر کہا "میں ابھی آ رہی ہوں!"

میں ریسیور رکھ کر تیزی سے چلتی ہوئی ہسپتال کے پارکنگ ایریا میں آئی۔ وہاں سے کار میں بیٹھ کر سیدھی تھانے پہنچ گئی۔ تم پولیس اسٹیشن کے باہر کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا "تمہاری ضمانت کس نے دی؟"

"کسی مہربان نے دے دی۔ میں نے تمہیں ناحق تکلیف دی، مجھے افسوس ہے۔ تم جا سکتی ہو!"

"اب میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی۔ آؤ کار میں بیٹھو!"

"تم اونچی سوسائٹی کی شہزادی ہو، بدنام ہو جاؤ گی!"

"مجھے شرمندہ نہ کرو عازم! بیٹھ جاؤ۔"

میں نے کار کا دروازہ کھول دیا۔ تم بیٹھ گئے۔ کار آگے بڑھی تو ہم خاموش تھے۔ میں انتظار کرتی رہی کہ شاید تم کچھ بولو گے۔ آخر میں نے ہی پوچھا "کیا ناراض ہو؟"

"نہیں!" تم نے مختصر سا جواب دیا۔

میں نے کہا "تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"جھوٹ بہتر ہوتا ہے سچائی مہنگی پڑتی ہے۔"

"مہنگی پڑتی ہے، مگر اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہاری طرف واپس نہ آتی!"

تم نے میری طرف گھوم کر کہا "شبانہ! میں بہت بڑا فریبی اور جھوٹوں کا سردار ہوں۔ مگر تمہاری تمنا میں میں جھوٹ سے سچائی کی طرف بہک رہا ہوں۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دینا چاہتا۔ میں نے اس روز آدھا سچ کہا تھا۔ کیا باقی آدھے سچ کی تلخی برداشت کر سکو گی؟"

"کر لوں گی!"

"تو پھر سنو! پہلے میرا نام سلطان بیگ تھا۔ میں ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ جیب کترا بننے کے بعد میں نے اپنا نام عازم رکھ لیا۔ ایک بار میں نے ایک بڑے آدمی کی جیب پر ہاتھ ڈالا اور پکڑا گیا۔ پھر وہی بڑا آدمی مجھے ضمانت پر رہا کرا کے اپنے کلب میں لے آیا۔ اس نے کہا "عازم! تم بہت خوبرو ہو۔ عمدہ لباس پہن کر بڑے گھرانوں کی لڑکیوں کو پھانس سکتے ہو اور ان کی دولت پر ہاتھ صاف کر سکتے ہو۔ یہ جیب کترنے کا ذلیل دھندا چھوڑ دو۔"

میں نے وہ دھندا چھوڑ دیا۔ اس بڑے آدمی نے مجھے عمدہ لباس پہنا کر میری حیثیت بڑھا کر مجھے اونچی سوسائٹی کا شہزادہ بنا دیا۔ میں نے اب تک تین دولتمند لڑکیوں سے پونے دو لاکھ ڈالر وصول کئے ہیں۔ وہ بڑا آدمی میری کمائی کا پچیس فیصد دیتا ہے۔ باقی وہ خود رکھ لیتا ہے!

پھر ایک دن اس بڑے آدمی نے مجھے تمہارا پتہ دیا۔ کہنے لگا! ہمارا ایک آدمی زخمی ہے اُسے لے کر ہسپتال جاؤ۔ اور شبانہ نامی نرس سے دوستی کرو۔ وہ ایک ارب پتی باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ میں اس زخمی کو لیکر ہسپتال پہنچا تو تمہیں دیکھتے ہی خود گھائل ہو گیا۔ میرے دل نے بے اختیار کہا کہ تم میرے لئے پیدا کی گئی ہو اور جو میرے لئے ہو، میں اُسے فریب نہیں دے سکتا، اپنی آمدنی کا ذریعہ نہیں بنا سکتا۔

تم اُس روز ناراض ہو کر چلی گئیں تو میرا دل ٹوٹ گیا۔ سچائی پر سے ایمان اٹھ گیا۔ لیکن یہ وقتی مایوسی تھی۔ اس دوران میں نے ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں چھپ چھپ کر تمہیں دیکھا ہے۔ تم روزانہ کار سے اُتر کر ہسپتال میں داخل ہونے سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھتی تھیں۔ میرے دل نے کہا۔ تم مجھے تلاش کر رہی ہو۔ سچائی اپنا اثر دکھا چکی ہے۔

وہ بڑا آدمی بار بار اصرار کر رہا تھا کہ میں تمہیں ڈھیل نہ دوں۔ فوراً ہی تمہیں اپنے دام میں لانے کے لئے کوئی چال چلوں۔ لہٰذا آج میں نے فون پر یہ کہا کہ ضمانت میں مجھے تمہاری ضمانت کی ضرورت ہے میں یہ آخری جھوٹ بول کر اپنی پچھلی سچائی کو آزمانا چاہتا تھا آزمائش ہو چکی ہے۔ اب پھر ایک بار سچ بول رہا ہوں۔ اگر غصہ آئے تو کار روک دو، میں چلا جاؤں گا۔"

میرے عازم! یہ کہہ کر تم خاموش ہو گئے۔ میں نے کار روک دی، تم دروازہ کھول کر جانے لگے تو میں نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا۔ تم نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ میری مسکراہٹ نے سمجھا دیا کہ میں ناراض نہیں ہوں، تمہاری قدر کر رہی ہوں۔

تم نے دروازہ بند کر دیا۔ اس لمحے سے ہماری دوستی کا آغاز ہو گیا۔ پہلی بار تم نے میرا ہاتھ تھام کر اسے چُوما تو میری رگ رگ میں جیسے انگارے سے دہکنے لگے۔ میں نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ کر کہا "میں بہکنا نہیں چاہتی۔ وعدہ کرو کہ شادی ہونے تک ہمارے درمیان شرافت کی دیوار قائم رہے گی۔"

"میں سمجھ نہیں سکتا کہ شرافت کی دیوار کیا ہوتی ہے؟ کیا شادی کے بعد میاں بیوی شریف نہیں رہتے — بدمعاشیاں شروع کر دیتے ہیں؟"

میں نے جھینپ کر گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ ہم بہت دیر تک اِدھر اُدھر گھومتے رہے۔ بڑی خوبصورتی سے وقت گزر رہا تھا۔ تم میرے ساتھ تھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے ساری دُنیا میرے ساتھ چل رہی ہے۔ ایسے وقت اپنے محبوب کی صحبت میں ساری دُنیا سمٹ آتی ہے۔

دوپہر کو ہم کیفے ابراہیم میں لنچ کے لئے گئے۔ وہاں تم نے میری پسند کے مطابق کھانے کا آرڈر دیا۔ آرڈر کی تعمیل ہونے تک ہم ہنستے بولتے رہے۔ اتنے میں ایک بیرے نے آ کر کہا "مس آپ کا فون ہے، کاؤنٹر پر تشریف لے جائیں۔"

میں نے کہا "تعجب ہے، میرے پروگرام کا کسی کو علم نہیں ہے۔ یہاں میرا فون کیسے آسکتا ہے؟"

میں اپنی حیرانی دُور کرنے کاؤنٹر تک آئی۔ وہاں ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے ڈیڈی کی آواز سُنائی دی۔ "ہیلو شوبی! تم ڈائننگ ہال میں کس کے ساتھ بیٹھی ہو؟"

میں نے حیرانی سے پوچھا۔ "آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں کسی کے ساتھ موجود ہوں؟"

"تم میری بات کا جواب دو!"

"سوری ڈیڈی! پہلے مجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ آپ نے کب سے مجھ پر پہرہ بٹھا رکھا ہے!"

"جب سے تم جوان ہوئی ہو۔ یہ نادانی کی عمر ہے — ایک ذمہ دار باپ کو محتاط رہنا پڑتا ہے۔"

"میں نادان نہیں ہوں۔ بڑی احتیاط سے ایک جیون ساتھی کا انتخاب کیا ہے۔"

"ہُوں۔ اس کا نام اور پتہ بتاؤ۔"

"نام عازم بیگ ہے۔ بلیو مون میں رہتا ہے۔"

ڈیڈی نے ریسیور رکھ دیا۔ میں اندیشوں میں گھر گئی کہ جانے اب کیا ہونے والا ہے۔ کاؤنٹر سے پلٹ کر تمہارے پاس آئی تو تم نے پوچھا۔ "کیا بات ہے، پریشان نظر آرہی ہو۔"

"ڈیڈی کو پتہ چل گیا ہے کہ میں تمہارے ساتھ وقت گزار رہی ہوں۔"

"ایک دن تو پتہ چلنا ہی تھا۔ اچھا ہے اب وہ میرے متعلق غور کریں گے۔"

"عازم! وہ تمہیں کبھی قبول نہیں کریں گے۔ تمہیں پا کر میں ڈیڈی کے مزاج کو بھول گئی تھی۔ اب سنجیدگی سے سوچنا ہوگا۔"

ہم کھانے کے دوران سوچتے رہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو اپنا اپنا فون نمبر دیا تاکہ ہمارے درمیان رکاوٹیں پیدا ہوں تو ہم فون کے ذریعہ رابطہ قائم کر سکیں۔ لنچ سے فارغ ہو کر میں گھر چلی آئی۔ وہاں ڈیڈی غصّے میں بھرے بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا "بلیو مون ایک بدنام کلب ہے اور وہ عازم بیگ کئی بار حوالات میں جا چکا ہے۔ کیا تم میری عزت کو خاک میں ملانا چاہتی ہو؟"

میں نے کہا "میں عازم کے متعلق سب کچھ جانتی ہوں۔ اُس نے اپنے متعلق سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ میں ساری عمر اس کی قدر کروں گی۔"

"اُس نے تمہیں متاثر کرنے کے لئے سچ کہا ہے۔ وہ تمہیں بیوی بنا کر میری دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔"

"آپ اپنی دولت کو میری ذات سے الگ کر دیں۔ وہ لالچی نہیں ہے۔"

"شوبی! میرے تجربات سے آگے نہ بولو۔ کل سے تم ہسپتال نہیں جاؤ گی اور نہ ہی اُس سے ملنے کی کوشش کرو گی۔ اگر تم میری بات نہ مانو گی تو میں اُسے حوالات میں بھیج دوں گا۔"

میرا اندیشہ درست نکلا۔ ڈیڈی نے مجھ پر پابندیاں عائد کر دیں۔ میں نے فون کے ذریعہ تم سے رابطہ قائم کیا۔ تم سے ملاقات کا وقت مقرر کیا۔ ڈیڈی بے خوابی کے مریض ہیں۔ وہ رات کو خواب آور گولیاں کھا کر سوتے ہیں۔ اُن کے سونے کے بعد میں بلیو مون میں تم سے ملنے آئی۔ تم اپنے کمرے میں فرش پر پالتی مارے بیٹھے تھے۔ تمہارے سامنے ایک موم بتی روشن تھی اور تم اُس کی لو کو ایک ٹک دیکھے جا رہے تھے۔

میں نے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ٹیلی پیتھی سیکھ رہا ہوں۔"

ایسے تو تمہاری آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔"

تم نے تسلیم کرتے ہوئے کہا "ہاں، ڈاکٹر نے مجھے عینک لگانے کو کہا ہے۔ مگر میں یہ علم سیکھ کر رہوں گا۔"

میں نے جلتی ہوئی موم بتی اٹھائی۔ پھر تمہارے پاس رکھی ہوئی موم بتیاں اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیں "میں نہیں چاہتی کہ تم اس حماقت میں اندھے ہو جاؤ۔ اور مجھے کبھی نہ دیکھ سکو۔"

شبانہ! میں اپنے اور تمہارے فائدے کے لئے سیکھ رہا ہوں۔ سیکھنے کے بعد تمہارے ڈیڈی کی سوچ کو اپنی گرفت میں لے لوں گا تو وہ ہماری شادی کرا دیں گے۔"

میں نہیں مانتی کہ دُنیا میں ایسا کوئی علم ہے۔ ان ناممکنات کو چھوڑو۔ ہم کورٹ میرج کریں گے۔"

میں وہاں سے چلی آئی۔ تم نے دُوسری شام فون پر بتایا کہ دو دن بعد ہمیں دس بجے صبح کورٹ میں حاضر ہونا ہے۔ میں نے اسی دن سے تیاری شروع کر دی۔ ایک دن پہلے اپنا تمام ضروری سامان نکال کر اپنی کار کی ڈکی میں چھپا دیا۔ ڈیڈی ایک بڑے خاندان میں میری شادی کی بات طے کر رہے تھے لیکن ہم نے اپنی من مانی کر لی۔

کورٹ میں شادی ہونے کے بعد میں نے ڈیڈی کو فون پر اطلاع دی۔ وہ غصّے سے گرجنے لگے انہوں نے تمہیں گولی مار دینے کی دھمکی دی لیکن ہم نے وہ شہر ہی چھوڑ دیا۔ انقرہ سے یہاں چلے آئے۔ تم راستے میں بضد تھے کہ کسی ہوٹل میں سہاگ رات گزاری جائے۔ تم میرا ہاتھ پکڑے رہتے تھے اور کبھی مجھے چُومنا چاہتے تھے۔ میں تمہاری ہو چکی ہوں مجھے انکار نہ تھا۔ لیکن ڈیڈی کا خوف تھا کہ اُن کے آدمی تعاقب کر سکتے ہیں۔ آخر رات کے آٹھ بجے ہم استنبول پہنچے۔ اب تم سوچو، یاد کرو کہ مجھ سے کیسے بچھڑ گئے تھے۔ میں نے ساری باتیں بتا دیں۔ کیا اب بھی تمہیں کچھ یاد نہیں آرہا ہے؟"

شبانہ ساری رُوداد سُنا کر خاموش ہو گئی۔ مجھے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ میں نے کہا "میں کیا بتاؤں؟ میں کچھ نہیں جانتا۔ تم بتا دو!"

"مجھے معلوم ہوتا تو یہ بھی بتا دیتی کہ ہم نے ایک جگہ کار پارک کی۔ تم ہوٹل میں ایک کمرہ ریزرو کرانے گئے تھے۔ میں قریب ہی جنرل اسٹور میں لپ اسٹک خریدنے گئی۔ واپسی میں تمہارا کافی انتظار کیا۔ پھر ہوٹل کے کاؤنٹر پر جا کر تمہارے متعلق پوچھا۔ کاؤنٹر والے نے تمہارے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا۔ میں پریشان ہو کر اس علاقے میں ایک گھنٹہ تک تمہیں تلاش کرتی رہی۔ پھر سوچا کہ شاید تم کہیں بھٹک گئے۔ میں تمہیں تلاش کرنے کار میں بیٹھ کر نکلی۔ آدھ گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد تم مجھے زخمی حالت میں مل گئے۔"

وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "مگر افسوس! تم آدھے ملے ہو اور آدھے اب تک گم ہو!"

یہ کہہ کر وہ قریب آئی۔ پھر اپنی مرمریں باہوں کا ہار عازم کی گردن میں پہنا دیا۔ میں فرہاد ہوں اور عازم کا انعام مجھے مل رہا تھا۔ وہ فریب کھا رہی تھی، لیکن میں فریب نہیں دینا چاہتا۔ میں نے پوچھا۔ "تم عازم کو دل و جان سے چاہتی ہو؟"

"ہاں! تمہیں اپنی جان سے زیادہ چاہتی ہوں!"

"اگر عازم کا کوئی ہم شکل تمہیں مل جائے تو کیا تم اُسے قبول کر لو گی؟"

"کیا نان سینس باتیں کر رہے ہو۔ اوّل تو میں نے آج تک کسی کا ہم شکل نہیں دیکھا، دوم یہ کہ میں احمق نہیں ہوں۔ اگر کوئی تمہارا ہم شکل ہو بھی تو میں اس سے دھوکہ نہیں کھا سکتی!"

"تم دھوکہ کھا رہی ہو۔ دیکھو میں سچ کہتا ہوں کہ میں فرہاد ہوں، پاکستان* کا باشندہ ہوں۔ میری یادداشت سلامت ہے۔ میں یہاں آ کر ایک دشمن کے جال میں پھنس گیا تھا۔ وہاں سے زخمی حالت میں فرار ہو کر میں فٹ پاتھ پر کھڑا ہوا تھا۔ تم مجھے عازم سمجھ کر یہاں لے آئیں۔"

وہ اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے چہرے کو چھو کر غور سے دیکھنے لگی۔ پھر بولی "میں کبھی یقین نہیں کر سکتی کہ تم کوئی اور ہو۔ صاف صاف کہو کیا تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو!"

"نہیں۔ تم میری محسنہ ہو۔ میں تم سے پیچھا چھڑانے کے بجائے تمہارے ساتھ رہ کر تمہارے عازم کو تلاش کروں گا!"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم یادداشت کے ساتھ ساتھ اپنا ذہنی توازن بھی کھو چکے ہو۔ خود عازم ہو کر تلاش کرنے کی بات کر رہے ہو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کل تک تم میرے قریب آنے کے لئے تڑپ رہے تھے۔ آج میں قریب آرہی ہوں تو تم کترا رہے ہو!"

شام کا اندھیرا جنگل کی ہریالی پر چھا رہا تھا۔ بڑھتی ہوئی رات کی تاریکی اور جنگل کا پُراسرار رومان پرور ماحول بہکا رہا تھا کہ بھرا ہُوا جام خود بخود ہاتھ آئے تو اسے چھلکنے سے پہلے نوش کر لینا چاہئے۔

بے شک میں حُسن و شباب کا رسیا ہوں۔ لیکن کسی کے پیار کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ کبھی شبانہ کو پتہ چلے گا کہ وہ دھوکے میں عازم کی حسین امانت میرے حوالے کر چکی ہے تو دونوں میاں بیوی کو زبردست صدمہ پہنچے گا۔ میں اُن کی اجلی محبت میں اپنی بدکرداری کا داغ نہیں لگانا چاہتا تھا۔

اُس کی قربت مجھے ڈبونا ہی چاہتی تھی کہ میں نے اُسے ایک جھٹکے سے الگ کر دیا۔ پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر جھنجھلا کر اٹھتی ہوئی بولی "تم کیسے ہو، شادی سے پہلے مجھے حاصل نہ کر سکے۔ اب شادی کے بعد مجھے ٹھکرا رہے ہو۔ میری توہین کر رہے ہو!"

وہ غصّہ میں پلٹیں اٹھا کر مجھ پر پھینکنے لگی۔ میں نے بچنے کی کوشش کی۔ مار بھی کھاتا رہا۔ وہ غصّہ میں چیخ رہی تھی۔ "تم نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میں ڈیڈی کی نظروں سے گر گئی۔ اب میرا اس دنیا میں کون ہے؟ میں کہاں جاؤں گی؟ میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہی نہیں رہی!"

وہ گھاس پر گر پڑی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے مار کھائی تھی۔ مگر مجھے غصّہ نہیں آیا۔ ترس آ رہا تھا۔ اتنی حسین دوشیزہ جوانی کی انگڑائیوں سے تراشا ہوا بدن لے کر میکے سے نکلی اور شوہر کے ساتھ سہاگ رات نہ منا سکی۔ بے چاری۔

اُس وقت میں بیچارہ تھا۔ بڑی مشکلوں سے اپنے عیاش جذبوں پہ قابو پا رہا تھا۔ اسے دیکھنے سے شیطان اور ضد کرتا تھا کہ یہ جنگل، یہ تنہائی اور یکجائی جوانی پھر نہیں ملے گی۔ آگے بڑھو....

میں نے شبانہ کی طرف سے منہ پھیر کر کہا۔ "میں بھی انسان ہوں۔ میرے اندر بھی خواہشات کا سمندر ہے۔ لیکن عازم کے لئے جو تمہاری محبت اور دیوانگی ہے، اُس نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں دو محبت کرنے والوں کے درمیان شیطان بن کر تمہارے تقدس کو پامال نہیں کرنا چاہتا۔ آج میں عازم بن کر تمہیں حاصل کر لوں گا۔ کل تمہارا عازم کہیں سے واپس آئیگا تو تم مجھے فریبی کہنے لگو گی!"

اتنا کہہ کر میں چند لمحوں کے لئے خاموش رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اُسکی سسکیاں سُنائی دے رہی تھیں۔ اور اب وہ سسکیاں میرے قریب آ رہی تھیں۔ میں نے کہا۔ "شبانہ! میں تمہارے عازم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میری یادداشت سلامت ہے۔ میرا نام فرہاد علی تیمور ہے۔ دُنیا کی خطرناک تنظیمیں میری جانی دشمن ہیں۔ شاید کسی تنظیم کے افراد نے عازم کو فرہاد سمجھ کر گرفتار کر لیا ہے۔"

مجھے اس کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس ہُوا۔ وہ بولی۔ "تم مجھے کوئی فلمی کہانی نہ سناؤ کہ دو ہم شکل ایک دوسرے کی جگہ اتفاقاً پہنچ گئے۔ ایک، دوسرے کی محبوبہ کے پاس آ گیا، دوسرا دشمنوں کے جال میں پھنس گیا۔ میں تم سے مزید بحث نہیں کروں گی۔ میں نے کبھی دو ہمشکل نہیں دیکھے اس لئے یقین نہیں کروں گی۔ تم میرے عازم ہو اور میرے ہی عازم رہو گے!"

اُس کا ہاتھ میرے شانہ پر سے ہٹ گیا۔ خاموشی چھا گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، وہ سبز گھاس پر بچھی ہوئی سرخ دری پر بیٹھ گئی تھی۔ مجھ سے روٹھنے کے انداز میں نظریں چرا رہی تھی۔ اُس کی ناراضگی بجا تھی۔ میں ہو بہو عازم تھا۔ پھر سر پر لگنے والی چوٹ نے اُسے یقین دلا دیا کہ میں ماضی کو بھول کر کرنل فرہاد علی تیمور بن گیا ہوں۔

وہ دری پر لیٹ گئی۔ ستاروں کی روشنی میں وہ مٹی مٹی سی نظر آ رہی تھی۔ ایک پُراسرار خزانے کی طرح دری پر بچھی ہوئی تھی۔ خزانہ للچانے کے لئے ہوتا ہے۔ میں نظریں پھیر کر دور چلا گیا۔ ایک درخت کے سائے میں پہنچ کر گھاس کے ملائم بستر پر لیٹ گیا۔

ہم دو اجنبی زندگی کے اس موڑ پر یوں ملے تھے کہ وہ میرے لئے اجنبی تھی۔ لیکن میں اس کا شناسا تھا۔ ایسا کب تک ہوتا؟ میں اس جنگل میں زندگی نہیں گزار سکتا تھا اور وہ اپنے ڈیڈی اور خاندان والوں سے یہاں چھپ رہی تھی۔ اس نے مجھے نیند کی حالت میں یہاں لا کر اور میری مرہم پٹی کر کے مجھ پر جو احسان کیا تھا اس کے پیش نظر میں اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر نہیں جا سکتا تھا۔ ستم یہ کہ ساتھ رہنے سے دل اُس کی طرف بے اختیار کھنچا جاتا تھا!

میں نے اُس کی طرف سے توجہ ہٹانے کے لئے رسّی وہتی کے متعلق سوچا۔ اب تو اُسے دماغی رابطہ قائم کرنا چاہئیے تھا۔ لیکن وہ مجھے ایسے نظر انداز کر رہی تھی جیسے کبھی ہماری جان پہچان نہ رہی ہو۔ میں نے کئی بار اُسے سوچ کی زبان سے پکارا لیکن جواب سے محروم رہا۔

سونیا اور سے یوتن کے متعلق سوچ کر میں صدق سے پریشان ہو سکتا تھا۔ لیکن ان کی خیریت دریافت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے اچانک اٹھ کر شبانہ کو آواز دی۔ "شبانہ! تم نے اپنی اور عازم کی تصویر دکھا کر یہ ثابت کر دیا کہ میں تمہارا عازم ہوں؟"

وہ فوراً ہی دری پر سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی میرے پاس آ کر بولی۔ "اب تم تسلیم کر رہے ہو نا؟"

"نہیں، میں بھی ثابت کر سکتا ہوں کہ میں فرہاد علی تیمور ہوں!"

وہ پھر ناراضگی سے بولی۔ "کیسے ثابت کرو گے؟"

"میں سے یوتن نامی ایک چینی دوشیزہ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ گواہی دے گی!"

"کہاں ہے وہ؟"

"ہانگ کانگ میں!"

وہ جھنجھلا کر بولی۔ "تم مجھے بے وقوف کیوں بنا رہے ہو؟ کچھ دیر پہلے کہا تھا کہ پاکستان سے آئے ہو۔ اب ہانگ کانگ کی کسی لڑکی کو محبوبہ بنا رہے ہو۔ میں ثبوت حاصل کرنے اتنی دور ہانگ کانگ نہیں جا سکتی اس لئے باتیں بنا رہے ہو!"

وہ غصّہ سے اٹھ کر جانے لگی۔ میں نے اُس کے پیچھے چلتے ہوئے کہا۔ "دیکھو تم اپنے ڈیڈی کے پاس واپس نہیں جا سکتیں۔ اگر کہو تو میں خود کو اپنے دشمنوں کے حوالے کر دوں۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ میں فرہاد ہوں!"

"کہاں ہیں تمہارے دشمن؟"

"وہ دُنیا کے ہر ملک، ہر شہر میں ہیں۔ استنبول واپس چلو۔ میں تمام دشمنوں کو نہیں پہچانتا۔ مگر وہ مجھے پہچان کر گھیرنے کی کوشش کریں گے!"

وہ مجھے دیکھتے ہوئے بولی۔ "پتہ نہیں کن بدمعاشوں نے تمہیں زخمی کیا تھا۔ میں ایسی سنگدل نہیں ہوں کہ ثبوت حاصل کرنے کی

خاطر میں تمہیں دشمنوں کی طرف جانے دوں گی۔ تمہاری شرٹ پر خون کے دھبے ہیں۔ اب تو لباس بدل لو!"

میں نے اپنے لباس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے فرہاد ہونے کا ثبوت یہ لباس ہے۔ عازم تم سے بچھڑنے کے وقت اس لباس میں نہیں ہو گا!"

"ہاں۔ وہ سُوٹ پہنے ہوئے تھا۔ تمہیں یہاں لا کر زخموں کی مرہم پٹی کے وقت میں نے سوچا تھا کہ تمہارا لباس کیسے بدل گیا؟"

"یہی تو سوچنے کی بات ہے۔ لباس نہیں بدلا۔ دو ہمشکل بدل گئے ہیں!"

"نہیں!" وہ بولی۔ "لباس بدل گیا ہے۔ بدمعاشوں اور حکومت کے کسی چور نے وہ سُوٹ بہت قیمتی تھا کسی نے اپنا لباس تمہیں پہنایا اور تمہارا سُوٹ پہن کر چلتا بنا..."

میں سر پکڑ کر رہ گیا۔ وہ کسی طرح یقین نہیں کر سکتی تھی۔ اُس کے خیال میں نہیں تھا عازم ہی عازم تھا۔ میں نے کہا۔ "اچھا تم تو ارب پتی باپ کی بیٹی ہو۔ اس وقت بھی تمہارے پاس کافی رقم ہو گی!"

"ہاں ضرور ہے!"

"تو پھر میری بات مانو۔ ہم بڑی رقم کی رشوت دے کر ذرا پاسپورٹ بنوائیں گے اور ہانگ کانگ جائیں گے۔ اور اگر میں وہاں خود کو فرہاد ثابت نہ کر سکا تو پھر کسی بحث و تکرار کے بغیر خود کو عازم تسلیم کر لوں گا۔"

"تمہیں یاد نہیں ہے۔ اپنا سُوٹ کیس کھول کر دیکھو۔ ہم دونوں کے پاسپورٹ موجود ہیں۔ ہم فار ایسٹ کے کسی بھی ملک میں جا سکتے ہیں لیکن میں اتنی دُور جانا فضول سمجھتی ہوں۔"

میں تیزی سے چلتا ہُوا کار کے پاس آ کر ڈکی کھولنے لگا۔ وہ بھی میرے پیچھے بڑبڑاتی ہوئی آئی۔ "تم خواہ مخواہ چکر دے رہے ہو۔ میں کہے دیتی ہوں کہ ہانگ کانگ نہیں جاؤں گی!"

میں نے عازم کا سوٹ کیس کھول کر تلاشی لی تو دو پاسپورٹ نکل آئے۔ میں نے انہیں کھول کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "پاسپورٹ رکھتے ہوئے بھی تم اس جنگل میں کیوں چلی آئیں؟ اپنے ڈیڈی سے دُور اس ملک سے باہر بھی جا سکتی تھیں۔"

"مجھے ڈر تھا کہ ایئر پورٹ جیسے اڈوں میں ڈیڈی کے آدمی مجھے تلاش کریں گے اور تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اس لئے ہم استنبول آئے۔ جنگل میں اس لئے چلی آئی کہ تمہیں زخمی حالت میں ہسپتال پہنچاتی تو وہاں اپنا نام پتہ اور رشتہ سب کچھ لکھوانا پڑتا!"

میں نے پاسپورٹ کو دوبارہ سوٹ کیس میں رکھا۔ پھر ڈکی کو بند کرتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں اس بات کا پورا یقین ہے کہ میں عازم ہوں تو تمہیں اپنے شوہر کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے میرے ساتھ ہانگ کانگ چلنا ہو گا!"

"مگر کیوں؟"

"ہم وہاں پہنچ کر اپنے ہنی مون کا آغاز کریں گے!"

"اور اگر ڈیڈی نے روکا تو...؟"

"تمہارے ڈیڈی نادان نہیں ہیں۔ اب انہیں عقل آ گئی ہو گی کہ تم عازم کے ساتھ شادی کرنے اور سہاگ رات گزارنے کے بعد اب اپنے شوہر کی ہو چکی ہو۔ اب تم پر ان کا حکم نہیں چلے گا!"

وہ تھوڑی دیر تک سوچتی رہی۔ پھر بولی۔ "اچھا ہم ابھی شہر جائیں گے۔ میں وہاں سے فون پر ڈیڈی سے باتیں کروں گی۔ اگر وہ رکاوٹ نہ بنیں تو اس کے بعد تم جہاں کہو گے میں ساتھ چلوں گی۔ اب تو نکاح کے بعد میں ساری عمر تمہارے ساتھ چلنے کی پابند ہو چکی ہوں۔"

وہ کھانے پینے کا سامان باندھنے لگی۔ میں نے اُس کا ہاتھ بٹایا۔ بیس منٹ کے بعد ہی ہم کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ استنبول بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ تقریباً دو گھنٹے کے بعد ہم شہر کی حدود میں داخل ہو گئے۔ ایک نائٹ پوسٹ آفس کے سامنے کار روک کر ہم اندر گئے۔ شبانہ نے وہاں سے ٹرنک کال کے ذریعے اپنے ڈیڈی سے رابطہ قائم کیا۔

میں چپ چاپ کھڑا رہا۔ وہ فادر سے مادری زبان میں باتیں کر رہی تھی۔ میری سمجھ میں وہ باتیں نہیں آئیں۔ البتہ شبانہ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ بڈھا مان گیا ہے۔ تھوڑی دیر بعد شبانہ نے ریسیور رکھ کر پوچھا۔ "تم نے خوشخبری سُن لی ہے نا!"

میں نے پوسٹ آفس کے احاطہ سے باہر آتے ہوئے کہا۔ "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تمہاری زبان نہیں جانتا۔ ہاں تمہاری خوشی دیکھ کر اندازہ کر رہا ہوں کہ ڈیڈی سے تمہاری صلح ہو گئی ہے!"

وہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تعجب ہے کہ تمہاری یادداشت کس انداز میں گم ہوئی ہے۔ تمہیں انگریزی زبان یاد ہے اور اپنی مادری زبان بھول گئے ہو!"

"میں اب بھی کہتا ہوں کہ میری مادری زبان پنجابی اور اُردو ہے۔ میں پاکستانی ہوں!"

"بکواس مت کرو۔ اب ہم ڈیڈی کے پاس جا رہے ہیں۔ اگر اُن کے سامنے تم نے ایسی بکواس کی تو مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا!"

"لیکن میں کیا کروں؟ اگر تمہارے ڈیڈی مجھ سے اپنی زبان میں گفتگو کریں گے تو میں کیا جواب دوں گا؟"

"کہہ دینا کہ تم یہاں کے باشندے ہو لیکن بچپن سے جوانی تک انگلینڈ میں رہے اس لئے صرف انگریزی بولتے ہو!"

"میں کبھی انگلینڈ نہیں گیا!"

"ہانگ کانگ ہی کہہ دینا۔ مگر خدا کے لئے یہ کبھی نہ کہنا کہ تم عازم نہیں ہو۔"

"اچھا۔ اب اپنے ڈیڈی کا جغرافیہ بتاؤ۔"

"اے تہذیب سے باتیں کرو۔ اب وہ تمہارے سسر ہیں!"

"میں نے بھولے سے بھی کبھی سُسرال کا خواب نہیں دیکھا تھا۔ تم نے ایک سُسر کو مجھ پر مسلّط کر دیا۔ کیا وقت آیا ہے۔ ایک لڑکی مجھے دولہا بنا کر سُسرال لئے جا رہی ہے!"

وہ ہنسنے لگی۔ قصّہ مختصر کہ ہم رات کے دو بجے انقرہ پہنچ گئے۔ کوٹھی کے احاطہ میں گاڑی کی آواز سُن کر شبانہ کا باپ یامین زبیری برآمدے میں آیا۔ اُس نے شبانہ کی پیشانی چُومی۔ پھر مجھ سے مصافحہ کرتے ہوئے کچھ کہا۔ شبانہ نے کہا کہ یہ صرف انگریزی بول سکتے ہیں۔

یامین زبیری نے مسکرا کر کہا "مسٹر عازم! جوانی کے سیلاب کے آگے بوڑھے بند نہیں باندھ سکتے۔ میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ آؤ.....!"

ہم تینوں ڈرائینگ رُوم میں آ گئے۔ اُس کوٹھی کی سجاوٹ اور قیمتی ساز و سامان دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ وہاں کے ذرّے ذرّے سے اُن کی امارت ظاہر ہو رہی تھی۔ ملازم کار کی ڈکی سے ہمارا سامان نکال کر لا رہے تھے۔ میں نے کہا "یہ سامان ڈکی میں رہے تو بہتر ہے ہم نے کل ہانگ کانگ جانیکا پروگرام بنایا ہے!"

یامین زبیری نے کہا "ہاں، تم دونوں کو ملک سے باہر کچھ وقت گزارنا چاہیئے۔ ایک طیّارہ تین گھنٹے کے بعد یہاں سے روانہ ہوگا میرا مشورہ ہے کہ ایک دِن یہاں گزار لو، پھر چلے جانا!"

شبانہ نے اپنے باپ کی تائید کی۔ لیکن میں جلد از جلد اپنی منزل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ہمارے درمیان بحث شروع ہو گئی۔ آخر مجھے باپ بیٹی کی بات ماننی پڑی۔ سُسرال میں جھکنا ہی پڑتا ہے۔ یامین زبیری نے کہا۔ "عازم! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔ غسل وغیرہ کر کے لباس تبدیل کرو، میں شبانہ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں!"

میں ایک ملازم کی رہنمائی میں کمرے تک آیا۔ اُس کا دروازہ کھولا۔ اندر تاریکی تھی۔ تب اندھیرے میں آواز آئی۔ "تم ریوالور کی زد میں ہو۔ واپس جانے کی پھرتی نہ دکھانا، ورنہ پچھتانے کی نوبت نہیں آئے گی۔ سیدھے چلے آؤ۔"

میں نے کھلے ہوئے دروازے کو پار کیا۔ تاریکی میں آیا۔ پھر دروازہ بند ہونے کی آواز آئی۔ اُس کے بعد سوئچ آن ہوتے ہی روشنی ہو گئی۔ سامنے ایزی چیئر پر ایک شخص ریوالور لئے بیٹھا تھا۔ ریوالور پر سائلنسر لگا ہُوا تھا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھنا چاہا۔ اُس سے پہلے ہی کسی نے میری دونوں بغلوں میں ہاتھ لے جا کر گردن میں قینچی ڈال دی۔

اُس کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ہی وہاں کی تاریکی نے میرے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بجا دی تھی۔ اس لئے میرے حواس قابو میں تھے۔ مجھے پیچھے سے گردن میں لینے والا شخص قدآور تھا۔ اس کی گرفت بتا رہی تھی کہ بلا کا طاقتور بھی ہے!

اس نے خود ہی کہا "میری گرفت میں آنے کے بعد لوگ مر کر ہی نجات پاتے ہیں۔ کم آن فائر کرو!"

بے شک وہ شہ زور تھا مگر میں بھی ایسا کمزور نہیں تھا کہ اُس کی گرفت میں تڑپنے کی سکت بھی باقی نہ رہتی۔ فائر کا حکم سُنتے ہی میں نے پوری قوّت سے اپنے وجود کو فرش کی طرف کھینچا۔ کھٹ کی آواز ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ فائر کرنے والا ایک ساعت کیلئے بوکھلا گیا تھا۔ میں فرش پر لڑھکتا ہُوا ایک تپائی کی طرف گیا۔ دوسری بار فائرنگ کا ہلکا سا کھٹکا ہُوا۔ میرے لڑھکتے رہنے کے باعث نشانہ خطا ہو گیا۔ پھر تیسرے فائر سے پہلے ہی میں نے تپائی اٹھا کر اس پر اچھال دی۔

اُدھر اس نے تپائی سے بچنے کی کوشش کی۔ اِدھر میں نے اُٹھ کر اس پر چھلانگ لگائی۔ اس سچویشن کے پیشِ نظر میں نے سب سے پہلے اُس کے ریوالور والے ہاتھ کو گرفت میں لیا تھا۔ وہ شاید صرف ایک اچھا نشانہ باز تھا، لڑنے کے فن سے واقف نہیں تھا۔ ایک منٹ کی جدوجہد میں میں نے اُس سے ریوالور چھین لیا۔

اب وہ سہما ہُوا ہانپ رہا تھا۔ میں نے اُس شہ زور کو دیکھا جس نے مجھے پیچھے سے گرفت میں لیا تھا۔ وہ فرش پر اوندھا پڑا ہُوا تھا اور اُس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ پہلی فائرنگ کی جو گولی مجھے لگنی چاہیئے تھی، وہ اُس کی کھوپڑی میں سوراخ بنا کر گزر گئی تھی۔

میں نے دوسرے شخص سے پوچھا۔ "یہ کیا چکّر ہے؟"

وہ رونے کے انداز میں بولا۔ "یہ چکّر تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے۔ تم کورٹ میرج کے بعد شبانہ کے ساتھ بھاگ کر استنبول گئے۔ یامین صاحب نے استنبول میں اپنے ماتحتوں کو فون کیا کہ تمہیں مار کر کہیں پھینک دیں۔ مگر اب اپنی موت نظر آ رہی ہے!"

وہ تھوک نگل کر بولا۔ "استنبول سے یامین صاحب کے ماتحتوں نے اطلاع دی کہ شبانہ ایک جنرل اسٹور میں شاپنگ کے لئے گئی تھی اور تم ایک ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ انہوں نے تمہیں ریوالور دکھا کر اپنی کار میں بٹھا لیا۔ وہ تمہیں ہلاک کرنے کسی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔ اچانک ایک کار نے اوورٹیک کیا۔ پھر اُن کا راستہ روک دیا۔ اگلی کار سے ایک نوجوان دوشیزہ نے اُتر کر انہیں للکارا۔ اُس کے ہاتھ میں ریوالور تھا اور وہ کار کی آڑ میں کھڑی کہہ رہی تھی۔

"فرہاد کو چھوڑ دو۔ ورنہ میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گی!"

میں فرہاد اُس کے سامنے کھڑا ہُوا تھا اور وہ کسی فرہاد کی داستان شروع کر رہا تھا۔

میں نے پوچھا۔ "وہ دوشیزہ کون تھی؟"

"ہم نہیں جانتے۔ ہمارے آدمیوں نے اُس دوشیزہ سے کہا کہ وہ خون خرابہ نہیں چاہتے۔ اگر وہ عازم کو لے کر اس ملک سے باہر چلی جائے تو اسے چھوڑ دیا جائیگا!"

"کیا عازم اُسے جانتا تھا؟"

"بھئی تم ہی تو عازم ہو!"

میں نے ڈانٹ کر کہا۔ "بکواس مت کرو۔ میرے سوال کا جواب دو۔"

"جواب کیا دُوں، ہمارے آدمیوں کا بیان ہے کہ تم نے کار سے نکل کر اُس دوشیزہ سے کہا۔ ہائے تم کہاں بچھڑ گئی تھیں۔ میں تمہارا فرہاد ہوں۔ خُدا کے لئے مجھے ان ظالموں سے بچا لو!"

میں اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ عازم بلا کا چالاک ثابت ہو رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اُسے فرہاد کہہ کر مخاطب کیا اور اُس نے فوراً ہی اپنی جان بچانے کے لئے تسلیم کر لیا کہ وہ فرہاد ہے!

میں نے اس شخص سے کہا۔ "مجھے یہ تو بتاؤ، کیا اُس لڑکی نے اپنا تعارف نہیں کرایا تھا؟"

"نہیں!" اُس شخص نے کہا۔ "اُس دوشیزہ نے اُس کی بات سن کر خوشی سے چیختے ہوئے کہا۔ "فرہاد! خُدا کا شکر ہے کہ تم نے اپنی رُومانہ کو پہچان لیا۔"

"رُومانہ....." میں تقریباً چیخ پڑا۔

رُومانہ تو اندھے کنوئیں میں فنا ہو چکی تھی!

زِندگی

ایک اندھا کنواں ہے۔ اس کی گہرائی کا پتہ نہیں چلتا کہ ہم کتنی گہرائی میں ڈوب چکے ہیں ہمیں ایک دوسرے کا پتہ نہیں چلتا۔

میرے سامنے جو شخص سہما ہوا فرش پر بیٹھا تھا۔ اس کی باتوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ رُومانہ اندھے کنوئیں میں نہیں گری تھی۔

میں نے سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے اس شخص کا نشانہ لیتے ہوئے پوچھا۔ "سچ سچ بتاؤ کیا تمہارے آدمیوں کو للکارنے والی رُومانہ تھی؟"

وہ ریوالور کو دیکھتے ہوئے تھوک نگلتے ہوئے بولا۔ "مجھے گولی نہ مارو۔ میں خود استنبول میں نہیں تھا۔ وہاں ہمارے آدمیوں نے جو بیان دیا، وہ میں بیان کر رہا ہوں۔ انہوں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ وہ لڑکی اپنا نام رُومانہ بتا رہی تھی۔"

میں نے پوچھا۔ "تمہارے آدمی عازم کو ہلاک کرنے کسی ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے عازم کو رُومانہ کے حوالے کیسے کر دیا ہے؟"

"ایسا کرنے کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم خود عازم ہو کر یہ باتیں کیوں پوچھ رہے ہو۔ وہ سب کچھ تو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔"

"میں عازم نہیں، فرہاد ہوں۔"

"آئیں۔" پہلے تو اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا "ہاں ایسا ہو سکتا ہے جب رُومانہ نے عازم کو فرہاد کہہ کر مخاطب کیا تو عازم نے فوراً ہی تسلیم کر لیا کہ وہ فرہاد ہے۔ کیا وہ پہلے سے جانتا تھا کہ وہ تمہارا ہمشکل ہے؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میں نے اور عازم نے ایکدوسرے کو کبھی نہیں دیکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی مکار ہے جو دشمنوں سے بچنے کے لیے فوراً ہی فرہاد بن گیا۔"

اس شخص نے کہا۔ "ہمارے آدمی رُومانہ پر فائرنگ نہیں کر سکتے تھے کیونکہ قریب ہی ایک چھوٹی سی بستی کا پولیس اسٹیشن تھا۔ پھر یہ کہ عازم نے رُومانہ سے شناسائی ظاہر کر کے اور خود کو فرہاد کہہ کر ہمارے آدمیوں کو مغالطے میں ڈال دیا تھا۔ وہ لوگ عازم کو چہرے سے نہیں پہچانتے تھے۔ اسے شہر میں شبانہ کی کار سے اترتے دیکھ کر اندازہ لگایا تھا کہ وہی عازم ہو سکتا ہے اور اسی عازم نے خود کو فرہاد کہہ کر انہیں الجھا دیا تھا۔ رُومانہ کو بھی بیوقوف بنا کر اس کے ساتھ چلتا بنا۔ وہ تو یہی سمجھ رہی ہو گی کہ تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہی ہے۔"

میں نے کن انکھیوں سے اس شہ زور کی جانب دیکھا جس کی کھوپڑی میں سوراخ ہو گیا تھا اور اس کی لاش فرش پر اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ صرف ایک لمحہ کے لیے میری توجہ بٹ گئی تھی۔ اس شخص نے اچانک ہی تپائی اٹھا کر مجھ پر حملہ کیا۔ وہ تپائی میرے بائیں بازو پر آ کر لگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آخری کراہ سنائی دی۔ کیونکہ میری انگلی ٹریگر پر چل گئی تھی۔ وہ فرش پر گر کر تڑپ رہا تھا۔

خس کم جہاں پاک۔ اب اس کمرے میں صرف مُردہ دشمن تھے۔ میں تیزی سے حالات کا جائزہ لے رہا تھا۔ مجھے یہ سوچ کر خوشی ہو رہی تھی کہ میری رُومانہ زندہ ہے۔ جنگریا سونیا نے اسے اندھے کنویں میں نہیں گرایا تھا البتہ سونیا نے غلط بیانی سے کام لے کر رُومانہ کو مجھ سے دور کر دیا تھا۔

اسی لیے وہ میری ٹیلی پیتھی کے خلاف تھی۔ میں دوبارہ وہ علم حاصل کر کے رُومانہ کی زندہ سوچوں تک پہنچ سکتا تھا افسوس کہ رُومانہ کو دور کرنے والی سونیا خود مجھ سے دور ہو گئی تھی۔ پتہ نہیں کہاں ہو گی۔ اپنی سونگھنے کی صلاحیتوں کو کام میں لا کر بھی مجھ تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔

بہر حال اب مجھے رُومانہ کی فکر تھی۔ وہ دھوکا کھا کر عازم کو اسی طرح فرہاد سمجھ رہی تھی جس طرح شبانہ مجھے عازم سمجھتے رہنے کے لیے بضد ہو گئی تھی۔ میں تو دیانتداری سے شبانہ کو عازم کی امانت سمجھ کر اس سے کترا رہا تھا۔ پتہ نہیں عازم بھی دیانتدار ہو گا یا نہیں؟

شبانہ اور عازم کا رومانس صرف اس حد تک تھا کہ انہیں

شادی کے بعد بھی سہاگ رات گزارنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ رُومانہ بھی شبانہ کی طرح کنواری اور اچھوتی تھی۔ بحری جہاز میں ہم ایک دوسرے کے قریب آئے تھے۔ مگر دو بدن کا تعارف باقی رہ گیا تھا۔ یعنی وہ دونوں ہی منہ زور آندھیاں تھیں۔ اِدھر شبانہ مجھے اور اُدھر رومانہ عازم کو بہا کر لے جا سکتی تھیں۔

میں نے آگے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھولا۔ پھر تیزی سے چلتا ہوا ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچ گیا وہاں یامین زبیری اپنی بیٹی شبانہ کو باتوں میں الجھائے ہوئے تھا اسے یقین تھا کہ اس کے آدمی مجھے ٹھکانے لگا دیں گے لیکن اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ مجھے دروازے پر دیکھتے ہی وہ سہم کر اچھل پڑا۔

شبانہ نے میرے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر پوچھا "کیا بات ہے؟"

"اپنے ڈیڈی سے پوچھو۔ یہ ریوالور مجھے ہلاک کرنے کے لیے تھا لیکن اب اس کی باقی گولیاں تمہارے مکار باپ کے سینے میں اتریں گی۔"

شبانہ جلدی سے باپ کے سامنے ڈھال بن کر بولی "نہیں عازم! غصہ میں ایسی حماقت نہ کرنا۔ میں کسی حد تک سمجھ گئی ہوں۔ ڈیڈی ہمارا نکاح نامہ منسوخ نہیں کر سکتے۔ اسی لیے تمہیں میری زندگی سے منسوخ کر دینا چاہتے ہیں۔ یہ جیسے بھی ہیں میرے باپ ہیں۔ انہیں میری خاطر معاف کر دو۔ میں ابھی تمہارے ساتھ یہ گھر چھوڑ دوں گی۔"

"اس کے بعد بھی تمہارے باپ کے کتے میرا پیچھا کریں گے۔"

یامین زبیری نے کہا "ہم... میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی تمہیں نقصان پہنچانے کے متعلق نہیں سوچوں گا۔"

"مسٹر یامین! کیا تم نے اپنی بیٹی کو یہ نہیں بتایا کہ استنبول میں تمہارے آدمیوں نے عازم کو پکڑ لیا تھا، پھر اسے ہلاک کرنے کہیں لے جا رہے تھے لیکن اسے فرہاد سمجھ کر کسی رُومانہ کے حوالے کر دیا تھا۔"

"آں... نن... نہیں،" یامین زبیری اپنی بیٹی سے حقیقت چھپانے کے لیے ہچکچاتے ہوئے بولا "استنبول میں میرے آدمی تمہیں چہرے سے نہیں پہچانتے تھے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ وہ تمہیں اور شبانہ کو میرے پاس لے آئیں لیکن انہوں نے غلطی سے فرہاد نامی کسی شخص کو پکڑ لیا تھا۔"

"وہ فرہاد میں ہوں۔ تمہارے آدمیوں نے عازم کو پکڑ کر چھوڑ دیا ہے۔"

وہ مجھے شدید حیرانی سے دیکھنے لگا۔ شبانہ میری جانب بڑھتی ہوئی بولی "عازم! تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ڈیڈی کے سامنے ایسی احمقانہ باتیں نہیں کرو گے۔ تم فرہاد نہیں، عازم ہو۔"

"ٹھہرو شبی!" یامین زبیری نے کہا "یہ شخص خود کو فرہاد کہہ رہا ہے۔ مجھے اس کی باتیں سننے دو۔"

شبانہ جھنجھلا کر بولی "آپ کیا سنیں گے؟ آپ عازم کے سر کی چوٹ سے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں۔ ڈیڈی صاف صاف سن لیجیے۔ میں اپنے معاملات میں آپ کو مداخلت کی اجازت نہیں دوں گی۔ چلو عازم!"

وہ میرے بازو سے آ کر لگ گئی۔ میں اسے یقین نہیں دلا سکتا تھا کہ میں فرہاد ہوں۔ یقین دلانے والا شخص میری گولی سے ہلاک ہو چکا تھا۔ وہ اپنے باپ کی ہر بات کو فریب سمجھتی۔ اس کے باپ نے مجھے ہلاک کر دینے کی جو سازش کی تھی اس کے پیشِ نظر وہ اعتماد کے قابل نہیں رہا تھا۔

میں نے کہا "مسٹر یامین! صرف اتنا بتا دو کہ استنبول میں جو شخص تمہارے آدمیوں کے ہاتھ آیا تھا وہ رُومانہ نامی لڑکی کے ساتھ کہاں گیا ہے؟"

وہ سوچنے لگا۔ میں نے تنبیہہ کی "دیکھو غلط نہ کہنا ورنہ شبانہ کا لحاظ کیے بغیر تمہیں گولی مار دوں گا۔"

وہ بولا "میں ایک باپ کی حیثیت سے اپنی بیٹی کو جس حد تک تم سے دور رکھنے کی کوشش کر سکتا تھا وہ کر چکا ہوں اب میں شبانہ کے راستے میں نہیں آؤں گا۔ اس لیے سچ کہہ رہا ہوں کہ وہ رُومانہ کے ساتھ ہانگ کانگ گیا ہے۔"

میں نے پوچھا "عازم کا پاسپورٹ میرے پاس ہے وہ کیسے جا سکتا ہے؟"

"ایک بحری جہاز میں ہمارے ایسے لوگ ہیں جو اسے پاسپورٹ کے بغیر کہیں بھی پہنچا دیں گے۔"

"کیا وہ رومانہ کے ساتھ جانے کے لیے راضی ہو گیا تھا؟"

"یقیناً۔ ہمارے آدمی اس وقت تک بندرگاہ میں موجود رہے، جب تک کہ جہاز انہیں لے کر روانہ نہ ہو گیا۔"

"اچھی بات ہے۔ میں ابھی شبانہ کے ساتھ پانچ بجے والی فلائٹ سے جاؤں گا۔ تم ابھی ہمارے لیے سیٹ ریزرو کراؤ۔"

وہ ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ میں نے سائیلنسر نکال کر ریوالور کو جیب میں رکھ لیا۔ شبانہ نے ایک ملازم کو بلا کر حکم دیا کہ ہمارا سامان واپس ڈکی میں رکھا جائے۔ تھوڑی دیر بعد یامین زبیری نے کہا "سیٹ مل جائے گی۔ تم دونوں کو ابھی ایئرپورٹ جانا ہو گا۔"

میں نے کہا "صرف ہم دونوں نہیں، تم بھی ہمارے ساتھ ایئرپورٹ تک چلو گے۔ میں نہیں چاہتا کہ تم ہمارے پیچھے کوئی سازش کرو۔"

"اگر تم عازم ہی ہو تو میں تم میاں بیوی کے خلاف پولیس کارروائی نہیں کر سکوں گا۔"

"کوئی اوچھا وار تو کر سکتے ہو۔ بحث نہ کرو۔ چپ چاپ چلو۔"

ہم تینوں کوٹھی کے باہر آ گئے۔ شبانہ نے اسٹیئرنگ سنبھالی۔ میں یامین زبیری کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ عام حالات میں سُسر اپنے دامادوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں۔ میں باسپتی داماد اپنے سُسر کا پہریدار بنا ہوا تھا۔ اگر سُسرال والے ایسے ہی ہوتے ہیں تو یہ میری دانشمندی ہے کہ میں نے اب تک شادی نہیں کی، اور نہ ہی کروں گا۔ مجھے عبرت دلانے کے لیے یہی ایک سُسر کافی تھا۔

ایئرپورٹ پہنچ کر بھی میں نے یامین زبیری کو اپنے ساتھ رکھا۔ ہم نے ٹکٹ حاصل کرنے کے بعد ایک ریسٹورانٹ میں وقت گزارا۔ وہ بہت مجبور تھا حالانکہ میں اسے ریوالور نہیں دکھا رہا تھا۔ اس کے باوجود اسے اپنی عزت کی خاطر خاموش رہنا پڑا۔ اگر وہ میرے خلاف کچھ کہتا تو اس کی بیٹی میری حمایت پر اتر آتی۔

پانچ بجنے میں... دس منٹ رہ گئے تھے تو میں نے یامین زبیری سے الوداعی مصافحہ کیا۔ شبانہ کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ سہاگن بن کر رخصت ہو رہی تھی لیکن باپ اسے مسکرا کر رخصت نہیں کر رہا تھا۔ میں اسے سہارا دے کر طیارے میں آ گیا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد وہ بہت دیر تک اداس رہی۔ جب طیارہ فضا میں بلند ہو گیا تو وہ سرد آہ بھر کر بولی۔ "پتہ نہیں میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ کل تک میں اپنے باپ کی لاڈلی بیٹی تھی۔ اور تمہاری جان سے زیادہ عزیز محبوبہ تھی۔ آج ڈیڈی نے مجھے پیار سے رخصت نہیں کیا اور تم خود کو فرہاد کہہ کر مجھ سے کترا رہے ہو۔ آہ! آج میں کتنی اکیلی ہوں۔"

وہ سر جھکا کر اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ واقعی وہ اپنی زندگی کے عجیب موڑ پر آ گئی تھی۔ اس نے باپ کی محبت اور دولت چھوڑ دی تھی۔ عازم کے ساتھ نئی منزل کی طرف چلی تو عازم کی جگہ میں آ گیا۔ اب وہ کبھی یقین نہیں کر سکتی تھی کہ میں فرہاد ہوں۔ شوہروں کے مزاج شادی کے بعد بدل جاتے ہیں لیکن یہ بات قابلِ یقین نہیں تھی کہ شوہر جسمانی طور پر بدل گیا ہے۔

میں نے ہولے سے کہا "شبانہ! حوصلہ رکھو اگر میں تمہارا عازم ہوں تو ایک دن تمہارا ہی بن کر رہوں گا۔ اب بھی اجنبیت کے باوجود تمہارے ساتھ ہوں اور جب تک تمہارا پیار تمہیں واپس نہیں کروں گا تب تک ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔"

وہ نظریں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگی۔ آنسوؤں سے دھلی ہوئی غزالی آنکھوں میں ایسی کشش تھی کہ میں نظریں نہ چرا سکا۔ اس کی آنکھیں جیسے بولتی تھیں "میں اکیلی ہوں۔ تم کیسے ہمسفر ہو کہ ساتھ ہو اور دور بھی ہو۔ کیا میری آنکھیں تمہیں یونہی پکارتی رہیں گی؟ آؤ مجھے اتنی زور سے پکڑو کہ میں مر جاؤں...!"

سچ تو یہ ہے کہ میں خود اس آزمائش کے دوران مر رہا تھا۔ اب سے پہلے میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شرافت سے کسی کی امانت کی حفاظت کروں گا۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا جیسے میں اپنے ساتھ ٹائم بم لیے چل رہا ہوں۔ پتہ نہیں وہ کس وقت مجھے دھماکے سے اڑا دے گی۔

وہ ہولے سے بولی "سچ بتاؤ، کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟"

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر کہا "اللہ تعالیٰ نے جتنی حسین اور شاہکار صورتیں بنائی ہیں ان میں سے تم ایک ہو۔ تمہارے خوبصورت سے دل میں محبت کا ایک سمندر ہے۔ تم نے پیار کے لیے سنسار چھوڑ دیا۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں۔ تمہیں پانے کے لیے میں بہک بھی سکتا ہوں۔ تم ذرا غور کرو کہ اگر میں عازم ہوں تو کس قدر دیانت دار ہوں کہ تمہیں پرائی لڑکی جان کر خود کو گمشدہ شبانہ کے لیے محفوظ رکھ رہا ہوں۔"

"مجھے یہی تو دکھ ہے کہ تم مجھے پرائی لڑکی سمجھ رہے ہو۔ میں گمشدہ نہیں ہوں، تم ہو۔"

"ایک ہی بات ہے۔ انسان خود کو بھول جاتا ہے تو اس کے لیے ساری دنیا گمشدہ ہو جاتی ہے۔"

"اچھا تو تم تسلیم کر رہے ہو کہ تم فرہاد نہیں بلکہ خود کو بھولے ہوئے عازم ہو؟"

"میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتا، اس لیے تسلیم کر لیتا ہوں۔"

"پھر ہانگ کانگ کیوں جا رہے ہو؟"

"یہ ثابت کرنے کے لیے کہ تمہارا عازم میری محبوبہ کے ساتھ وہاں گیا ہے۔"

"تم نے بحیثیت فرہاد یہ بتایا تھا کہ ہانگ کانگ میں مے یون نامی تمہاری ایک محبوبہ ہے لیکن یہاں استنبول میں کوئی فرہاد کسی رُومانہ نام کی لڑکی کے ساتھ گیا ہے۔ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ فرہاد کی دو محبوبائیں ہیں؟"

"دو نہیں تین۔ ایک کا نام سونیا، دوسری کا نام رُومانہ اور تیسری کا نام مے یون ہے اور وہ تینوں مجھ سے بچھڑ گئی ہیں۔"

وہ مجھے بیزاری سے یوں دیکھنے لگی جیسے کسی پاگل کی باتیں سُن رہی ہو۔ پھر اس نے کہا۔ "ابھی تو تم لستنے دیانت دار بن رہے تھے کہ مجھے پرائی سمجھ کر بہکنا نہیں چاہتے تھے۔ اب اتنے فراخدل بلے ایمان بن گئے کہ بیک وقت تین محبوبائیں رکھ لیں۔"

"بیک وقت نہیں، بلکہ زندگی کے مختلف موڑ پر ایک ایک لڑکی ایسے حالات میں ملتی گئی کہ میں کسی سے دامن بچا کر گزر نہ سکا۔ لیکن اب تجربات نے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔ کسی کے پیار کو دل میں بسا کر میں سنگدل نہیں بن سکتا۔ کسی کو روتے اور تڑپنے کے لیے چھوڑ نہیں سکتا۔"

"میں تمہاری باتیں صرف اس لیے سن رہی ہوں کہ تم صبح کے بھولے ہو، شام کو گھر واپس آجاؤ گے۔ پھر یہ کہ وقت بھی گزر رہا ہے۔ لہٰذا میں بحث برائے بحث کے لیے پوچھ رہی ہوں کہ اگر تم سنگدل اور ہرجائی نہیں ہو تو اُن تینوں کو چھوڑ کر ہمارے ملک میں بھٹکنے کیوں آگئے ہو؟"

"تمہارے اس سوال کے پیچھے ایک لمبی داستان ہے۔ تم یقین تو نہیں کرو گی لیکن وقت گزارنے کے لیے ہی سُن لو جب تمہارا عازم تمہیں واپس ملے گا تو میرا یہ فسانہ حقیقت بن جائے گا۔"

میں اسے ابتدا سے اپنی داستانِ حیات سنانے لگا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ میں کبھی ٹیلی پیتھی کا ماسٹر سمجھا جاتا تھا۔ اب بھی یہ علم حاصل کر سکتا ہوں اور اس کے لیے مجھے کہیں اطمینان سے بیٹھ کر کافی وقت گزارنا پڑے گا۔

میری داستان کی طوالت کا اندازہ اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ تین برس تین ماہ سے قسط وار بیان کرتا آرہا ہوں اور ابھی اس کا پہلا حصہ بھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ شبانہ کے سامنے میں نے اختصار سے بیان کیا۔ لیکن جب میں نے ایک گھنٹہ بعد پلٹ کر اسے دیکھا تو وہ آنکھیں بند کیے گہری نیند میں ڈوب چکی تھی۔

مجھے ہنسی آگئی۔ وہ مجھے جھوٹا سمجھ رہی تھی۔ میرا اسپیچ سنتے سنتے سوگئی۔ میں نے بھی اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ میں بھی تمام رات کا جاگا ہوا تھا۔ ذرا دیر بعد نیند کی آغوش میں چلا گیا۔

شام کے سات بجے شبانہ نے مجھے بیدار کیا "عازم اٹھو۔ سیفٹی بیلٹ باندھو۔ ہم دہلی پہنچ گئے ہیں۔"

میں نے آنکھیں کھول کر طیارے کے اندرونی ماحول کو دیکھا پھر جمائی لینے کے بعد سیفٹی بیلٹ باندھنے لگا۔ وہ بولی "تمہیں کچھ ہوش ہے۔ تم دس گھنٹے تک سوتے رہے۔ ہوسٹس کہہ رہی تھی کہ تمہیں لنچ کے لیے اٹھایا جائے لیکن میں نے یہ سوچ کر نہیں اٹھایا کہ شاید میرا کوئی خواب دیکھ کر تمہیں ماضی یاد آجائے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا "نیند کا نشہ ایسا تھا کہ خواب دیکھنے کا بھی ہوش نہ رہا۔"

وہ مایوس ہوگئی۔ دہلی کے ایئرپورٹ میں ہم نے دو گھنٹے گزارے۔ وہاں میں نے غسل کیا۔ عازم کا ایک بہترین سوٹ پہنا شبانہ نے بھی لباس تبدیل کیا۔ سیاہ اور نارنجی رنگ کے بلاؤز اسکرٹ میں اس کے حُسن کی چاندنی نکھر آئی تھی۔ وہ نئے سرے سے میرے سر کے زخموں کو صاف کرکے مرہم پٹی کرنے قریب آئی تو اس کی قربت نے بتایا کہ اس کے نشیب و فراز کمال صناعی سے تراشے گئے ہیں اور ہر پیچ و خم میں آگ بھری گئی ہے جس کی آنچ سے میں لرز رہا تھا۔

میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ دل کے چور نے سمجھایا کہ میں خواہ مخواہ پارسا بن رہا ہوں لیکن دماغ سمجھا رہا تھا کہ وہ محبت کی ماری فریب خوردہ ہے۔ اسے فریب نہ دو اور مزید محبوباؤں کی فوج نہ بناؤ ورنہ بُری طرح پچھتاؤ گے۔

دل اور دماغ کے درمیان کش مکش جاری رہی اور مرہم پٹی ہوگئی۔ ہم ویٹنگ رُوم سے نکل کر ریسٹورانٹ میں ڈنر کے لیے آئے تو شبانہ نے پوچھا۔ "بہت چپ چپ سے ہو کیا بات ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "تمہاری قربت مجھے اصولوں کی جنت سے نکالنا چاہتی ہے۔ تم ایسا حسین شاہکار ہو جس کے لیے توبہ توڑی جا سکتی ہے۔ لیکن ابھی میں چپ چاپ اپنی خواہشات سے جنگ کر رہا ہوں۔"

وہ سر جھکا کر شرماتی ہوئی بولی۔ "آخر کب تک؟"

"صرف ہانگ کانگ پہنچنے تک۔"

وہ خاموشی سے کھانے میں مصروف ہوگئی۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوگئے اور اپنے اپنے اٹیچی اٹھا کر طیارے کی طرف جانے لگے تو پرواز کے لیے ہمارے نام پکارے جا رہے تھے۔ طیارے کی سیڑھیاں چڑھتے وقت میں نے ایئرہوسٹس ریٹا کو دیکھا۔ اب سے پہلے میں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ جہاز کا اسٹاف بدل گیا تھا۔ ریٹا دہلی سے ہانگ کانگ تک اپنی ڈیوٹی انجام دینے کے لیے جا رہی تھی۔

میں نے اسے پہچان لیا مگر وہ مجھے فرہاد کے روپ میں نہیں جانتی تھی۔ مجھے ایک عام مسافر سمجھ کر اس نے خوش آمدید کہا۔ میں اس کے قریب سے گزر کر جانے لگا۔ اتنے میں اس کی آواز سنائی دی۔ "اوہ! اِٹ اِز یو مسٹر ونود شرما۔ کیا آپ نے مجھے پہچانا؟"

میں چونک گیا۔ کیا اس نے مجھے ونود شرما کے طور پر پہچان لیا ہے؟ نہیں یہ کیسے ممکن ہے؟

میں نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا۔ اب مجھے دوسری بار چونکنا

پڑا۔ میرے سامنے طیارے کے داخلی دروازے پر اصلی ونود شرما کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ایک حسین عورت ساڑھی پہنے، بالوں کے جوڑے میں پھولوں کی وینی سجائے کھڑی تھی۔

ونود شرما نے ریٹا سے کہا۔ "سوری! میں نے تمہیں نہیں پہچانا۔"

"اوہ مسٹر شرما! اتنی جلدی بھول گئے۔ آپ استنبول میں میرے فلیٹ میں آئے تھے۔"

"اچھا۔ تم پانچ دسمبر کی بات کر رہی ہو۔ پولیس اس معاملہ کی تحقیقات کر رہی ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے باتیں کروں گا۔"

میں شبانہ کے ساتھ اپنی سیٹ پر آگیا۔ میرے بائیں طرف مسافروں کے لیے چھوٹی سی گزرگاہ تھی۔ اس کے بعد دو خالی سیٹوں پر ونود شرما اپنی ساتھی کے ساتھ آکر بیٹھ گیا۔ اس کے فرشتوں کو بھی یہ علم نہ تھا کہ جس نقلی ونود شرما کی اسے تلاش ہے وہ اس کے قریب ہی بیٹھا ہے۔

اس کی باتوں سے پتہ چلا کہ ہانگ کانگ سے استنبول تک تمام ممالک کے پولیس والے میری تلاش میں ہیں۔ چونکہ میرا اصلی روپ انہوں نے نہیں دیکھا تھا اس لیے میں آزادی سے گھوم رہا تھا۔ پندرہ منٹ کے بعد طیارہ فضا میں بلند ہوگیا۔ طیارے کے بہت سے مسافر بدل گئے تھے۔ کتنے ہی نئے چہرے نظر آرہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ ونود شرما بار بار ہماری جانب دیکھ رہا ہے۔

بعد میں پتہ چلا کہ وہ مجھے نہیں، شبانہ کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مجھے یاد آیا۔ وہ شروع ہی سے حُسن پرست تھا اور شبانہ تو ایسی چیز تھی کہ وہ ارب پتی ونود شرما اس کے لیے اپنی دولت کو داؤ پر لگا سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ریٹا اس کے پاس آئی اور بولی۔ "مسٹر شرما! میں آپ کو دیکھتے ہی ذرا دیر کے لیے بھول گئی تھی کہ مجھ سے ملنے والا ونود شرما نقلی تھا۔ اس سلسلہ میں استنبول کی پولیس نے مجھ سے بھی سوالات کیے تھے لیکن وہ بہت پہلے ہی میرے فلیٹ سے جا چکا تھا۔"

"تم نے اسے جانے کیوں دیا؟"

"اس نے مجھے خواب آور کافی پلادی تھی۔ میں نے یہ تمام تحریری بیان پولیس کو دیا ہے۔"

"کیا تم اس کی کوئی خاص پہچان بتا سکتی ہو؟"

"اگر کوئی خاص پہچان ہوتی تو میں آپ کو دیکھ کر دھوکا نہ کھاتی۔ میں تو سمجھی تھی کہ وہی ہے۔"

وہ بیزاری سے بولا۔ "اچھا جاؤ میرے لیے بلیک ڈاگ کی ایک بوتل لے آؤ۔"

ریٹا وہاں سے پلٹ کر ہماری طرف آئی۔ پھر اس نے ہم سے پوچھا۔ "آپ لوگ کیا پینا پسند کریں گے؟"

شبانہ نے کافی کی خواہش کی۔ میں نے ٹھنڈا مشروب طلب کیا۔ ریٹا نے چونک کر مجھے دیکھا پھر پوچھا۔ "کیا آپ وہسکی وغیرہ سے شغل نہیں کرتے ہیں؟"

"نہیں، میں ایسی چیزوں سے پرہیز کرتا ہوں۔"

وہ حیرانی سے بولی۔ "مائی گڈنس۔ آپ کی آواز اور لہجہ بالکل اسی کی طرح ہے۔"

"کس کی طرح؟" میں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "وہ ایک اجنبی مہمان تھا۔ آپ ہی کے لہجے میں بولتا تھا۔ میں اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی۔"

وہ احکامات کی تعمیل کے لیے چلی گئی۔ شبانہ نے کہا۔ "معلوم ہوتا ہے اس ایئرہوسٹس کو کسی اجنبی مسافر نے عشق کا روگ لگا دیا ہے۔"

میں نے مسکراتے ہوئے ونود شرما کی جانب دیکھا۔ وہ اپنی ساتھی سے کچھ کہہ رہا تھا اور اس کی ساتھی کسی قدر ہچکچا رہی تھی۔ کاش کہ میں سوچ کے ذریعہ اس کی ہچکچاہٹ کے راز کو سمجھ سکتا۔ میں ایک سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔ اتنے میں ونود شرما نے مجھے مخاطب کیا۔

"مسٹر! ایک درخواست ہے۔ میری سیکرٹری آپ کی ساتھی سے گفتگو کرنا چاہتی ہے۔ اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو تھوڑی دیر کے لیے سیٹ بدل لیں۔"

میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

اس کی خوبصورت سیکرٹری ساڑھی سنبھالتی ہوئی میری سیٹ پر آگئی۔ میں اس کی سیٹ پر جا کر ونود شرما کے برابر بیٹھ گیا۔ وہ شبانہ کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔ "تم اتنی حسین ہو کہ بے اختیار تم سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میرا نام واسنا کماری ہے۔"

ونود شرما نے مجھ سے کہا۔ "میں ہندوستان کا ایک ارب پتی تاجر ہوں۔ مجھے ونود شرما کہتے ہیں۔ آپ کی تعریف؟"

"میرا نام عازم بیگ ہے اور وہ میری بیوی شبانہ ہے۔"

"بہت خوبصورت ہے۔ یو آر لکی۔"

"خوبصورت بھی ہے اور ایک ارب پتی باپ کی بیٹی بھی ہے۔ اس نے میری خاطر باپ کی دولت کو ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن یہ بات وہ آپ کی سیکرٹری کو نہیں بتائے گی۔"

"ہاں۔ محبت کرنے والی عورتیں اپنے باپ کی دولت پر نہیں صرف شوہر کی محبت پر فخر کرتی ہیں۔ بائی دی وے۔ آپ کا کیا بزنس ہے؟"

میں نے کہا۔ "ابھی تو کچھ نہیں ہے۔ میں بہت زیادہ

آمدنی کی توقع میں ہانگ کانگ جا رہا ہوں۔“

اس نے کہا۔ ”شبانہ جیسی دولت مند باپ کی بیٹی کے اخراجات برداشت کرنے کے لیے آپ کو کم از کم دس ہزار ڈالر ماہانہ کمانا ہوگا کیا آپ کسی قابلِ ذکر صلاحیت کے مالک ہیں؟“

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”فی الحال تو محبت کرنے کی صلاحیت تھی اس لیے شبانہ کا دل جیت لیا۔ اگر اس کے اخراجات برداشت نہ کر سکا تو شاید اسے چھوڑ دوں گا۔“

یہ بات میں نے ونود شرما کی عیاش طبیعت کو سمجھتے ہوئے کہی تھی۔ وہ فوراً ہی کھل گیا۔ اس نے پوچھا۔ ”کیا آپ سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہیں؟“

”بے شک۔ جو لوگ قیمتی کار اور پیٹرول کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے بالآخر اس کار کو فروخت کر دیتے ہیں۔“

وہ آہستگی سے بولا۔ ”یہ بات اب کسی سے نہ کہنا۔ میں ہانگ کانگ پہنچ کر تمہیں اتنی رقم دوں گا کہ تم نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔“

میں زیرِ لب مسکرانے لگا۔ انسان کی فطرت کو سمجھنے کے لیے ٹیلی پیتھی کا علم ضروری نہیں ہے۔ آپ اپنے اگلے والے سے اس کے مطلب کی باتیں کریں تو وہ جلد ہی کھلی کتاب کی طرح خود کو پیش کر دے گا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ”اچھا بیٹے! میں ہانگ کانگ پہنچ کر تمہاری سودے بازی کا جواب دوں گا۔“

اتنے میں ریٹا ایک ٹرالی کے ساتھ آ گئی۔ اس نے وہسکی کی بوتل اور گلاس شرما کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”آہا... آپ لوگوں نے سیٹ بدل لی ہے۔ یہ اچھی بات ہے۔ مسافروں کو ایک دوسرے سے دوستی کرنی چاہیے۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے مشروب کا گلاس میری طرف بڑھا دیا۔ ونود شرما نے حیرانی سے پوچھا۔ ”یہ کیا؟ آپ وہسکی نہیں پیئیں گے؟“

”میں شراب نہیں صرف شربت پیتا ہوں۔“

ریٹا نے کہا۔ ”مسٹر شرما! مجھے یاد آیا۔ وہ نقلی ونود شرما تھا، وہ بھی شراب نہیں پیتا تھا۔ میں نے سفر کے دوران اس سے وہسکی کے لیے پوچھا تو اس نے شربت طلب کیا تھا۔“

شرما نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”مسٹر عازم بھی شراب نہیں پیتے ہیں۔ کیوں نہ ہم انہیں وہی بہروپیا سمجھ لیں؟“

ریٹا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا۔ پھر مسکرا کر بولی۔ ”اوہ نو۔ مسٹر عازم ایک شریف انسان ہیں۔ مسٹر شرما! اس بہروپیے نے بے شک آپ کو پریشان کیا تھا لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ وہ بذاتِ خود بے حد شریف اور زبان کا دھنی تھا۔“

شرما نے ناگواری کا اظہار کیا، میں نے پوچھا۔ ”شرما صاحب کو پریشان کرنے والا شریف کیسے ہو سکتا ہے؟“

وہ بولی۔ ”آپ یقین کریں۔ اس بہروپیے نے میرے فلیٹ سے جاتے وقت کوئی چیز نہیں چرائی، میں بے خبر سو رہی تھی۔ وہ میرے سینے پر پانچ ہزار ڈالر کی گڈیاں رکھ کر چلا گیا۔ مائی گڈنس۔ میں اسے کبھی نہیں بھولوں گی۔“

شرما نے کہا۔ ”تمہارے یاد کرتے رہنے سے وہ آ نہیں جائے گا، اور آ بھی جائے تو پہچانا نہیں جائے گا۔“

ریٹا نے مجھے گہری نظروں سے دیکھا پھر بولی۔ ”عورت جب تنہائی میں کسی کو یاد کرنے بیٹھتی ہے تو کانوں میں اس کا لب و لہجہ بھولے ہوئے سبق کی طرح یاد آتا رہتا ہے۔ میں نقار خانہ میں بھی اس کی آواز پہچان لوں گی۔“

یہ کہہ کر وہ مجھے دیکھتے ہوئے چلی گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے پہچان چکی ہے یا پھر پہچاننے کی کوشش کر رہی ہے۔ میرے سامنے دعویٰ کرنے کا مطلب یہ ہو سکتا تھا کہ میں اس کی باتوں سے قائل ہو کر اس کے سامنے کھل جاؤں۔ لیکن میں بے حس اور انجان بنا بیٹھا رہا۔

اس دوران ونود شرما پہلا پیگ حلق سے اتار چکا تھا۔ اس نے دوسرا پیگ بناتے ہوئے کہا۔ ”میں اس بہروپیے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“

میں نے پوچھا۔ ”آخر قصہ کیا ہے؟“

”وہ بدمعاش میرے بہروپ میں مجھے اور میرے آدمیوں کو بیوقوف بناتا رہا۔ پھر میرا پاسپورٹ لے کر ہانگ کانگ سے استنبول چلا گیا۔“

میں نے کہا۔ ”اسے استنبول کے ایئرپورٹ پر پکڑا جا سکتا تھا۔“

”مجھے پولیس کو اطلاع دینے کا موقع ہی نہیں ملا۔ رومانہ نامی ایک لڑکی نے مجھے اپنے کاٹیج میں قید کر دیا تھا۔“

”تعجب ہے۔“ میں نے پوچھا۔ ”آپ مرد ہو کر ایک لڑکی کے سامنے کیسے بے بس ہو گئے؟“

وہ ایک گھونٹ پی کر بولا۔ ”وہ لڑکی نہیں، بلا تھی۔ میں سمجھا کہ وہ مجھ پر مرمٹی ہے۔ میں اس کے ساتھ موج کرنے کے لیے گیا تو کاٹیج میں اس کے آدمیوں نے مجھے پکڑ کر رسیوں سے باندھ دیا۔“

وہ دوسرا گھونٹ پی کر بولا۔ ”حسین عورتوں کو حاصل کرنے کی ہوس ختم نہیں ہوتی۔ اس ہوس نے مجھے بار ہا نقصان پہنچایا ہے۔ میں اس لڑکی کو حاصل کر کے ہی رہوں گا۔“

”کون سی لڑکی؟“

”وہی رومانہ۔ پولیس والے اس کی تلاش میں ہیں۔ اس کی کوئی تصویر حاصل نہ ہو سکی ورنہ استنبول میں ہی پکڑی جاتی۔“

”آپ رومانہ کے کاٹیج سے فرار کیسے ہوئے تھے؟“

”وہ خود ہی اپنے آدمیوں سے بول گئی تھی کہ مجھے اڑتالیس گھنٹے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ وہ اس بہروپیے کی دیوانی تھی اسی کے پیچھے استنبول گئی تھی۔ اب واپس ہانگ کانگ آئے گی، تو پکڑی جائے گی۔“

میں نے سوچا۔ وہ بحری جہاز سے آ رہی ہے۔ اسے ہانگ کانگ پہنچنے میں بیس پچیس دن لگ ہی جائیں گے۔ اس وقت تک میں اس کی حفاظت کی کوئی تدبیر سوچ لوں گا۔

رومانہ کے متعلق سوچتے وقت پھر مجھے خیال آیا کہ عازم مکار ہے۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے۔ اگر وہ فرہاد ہی بنا رہا تو رومانہ زیب میں آ کر میرا پیار اس کے حوالے کر دے گی پھر کیا ہوگا؟ کیا آئندہ کبھی وہ مجھے فرہاد یا اپنے محبوب کی حیثیت سے قبول کرے گی؟

میں نے ایک سانس میں شربت کا گلاس خالی کر دیا۔ ادھر میرے اور شبانہ کے ساتھ کیا ہوگا؟ ادھر رومانہ اور عازم کے ساتھ کیا ہو رہا ہوگا؟ یہ میں نہیں جان سکتا تھا۔ افسوس کہ ٹیلی پیتھی کی راہ دوبارہ تلاش کرنے کے لیے مجھے شمع بینی کا موقع نہیں مل رہا تھا۔

شرما بڑبڑا رہا تھا۔ ”وہ بہروپیا یقیناً خوبرو اور پرکشش شخصیت کا مالک ہوگا۔ تب ہی اس پر حسین لڑکیاں مرتی ہیں۔ وہاں پولیس والوں نے تحقیقات شروع کی تو اس کی ایک اور محبوبہ دریافت ہوگئی۔ اس کا نام مے یون...“

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ پینے میں مصروف تھا۔ میرے اضطراب کو نہ سمجھ سکا کہنے لگا۔ ”آہ! اس ننھی سی چینی دوشیزہ نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ میں اسے کبھی بھلا نہ سکوں گا۔“

میں نے پوچھا۔ ”کیا وہ ہانگ کانگ میں ہے؟“

اس نے مجھے دیکھا۔ ایک گہری سانس لی پھر کہا۔ ”ہوس نے میرے منہ پر زبردست طمانچہ مارا ہے۔ ہوائیوں کر انٹرپول کے ایک جاسوس نے ایک بوڑھی عورت کا پتہ لگایا۔ وہ بہت لالچی تھی۔ اس نے بتایا کہ مے یون ایک اجنبی کے ساتھ اس کے گھر آئی تھی، وہ اجنبی ایک دن اور ایک رات اس کے ساتھ گزارنے کے بعد کہیں چلا گیا۔ وہ اس کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ پھر ایک دن یہ کہہ کر چلی گئی کہ فرید واپس آئے تو اسے روک کر رکھنا۔ وہ اپنے خاندان والوں سے مل کر دوسرے دن آ جائے گی۔

پھر پتہ چلا کہ ہانگ کانگ کے ساحل پر اس کا بھائی اور ایک بہن ایک کشتی میں رہتے ہیں۔ میں نے اس بڑھیا کے ہاتھوں میں چند بڑے نوٹ رکھے۔ وہ میرے منصوبے کے مطابق مے یون کے پاس گئی اور اسے بتایا کہ اس کا فرید واپس آ گیا ہے اور ایک کشتی میں اس کا انتظار کر رہا ہے۔

وہ دیوانہ وار بھاگتی ہوئی میری کشتی میں آ گئی۔ میں کشتی پر بانس کے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے کیبن میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اندر آتے ہی ٹھٹھک گئی۔ بڑھیا نے بتایا کہ وہ بیمار ہے۔ میں نے دیکھا وہ ہانپ رہی تھی اور نقاہت سے کانپ رہی تھی۔ بیمار حسن بڑا ہی دلکش تھا۔ بے اختیار اس پر دل آ گیا۔ میں نے کہا۔ ”آؤ بیٹھو۔“

وہ کمزوری کے باعث فرشی بستر پر گر پڑی۔ ”فرید! میرے دیوتا تم کہاں رہ گئے تھے؟“

میں نے کہا۔ ”تمہارے دیوتا کو پولیس تلاش کر رہی ہے اور اب تم بھی پولیس کی حراست میں ہو۔“

وہ گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ”تمہارا دیوتا میرے ہی میک اپ میں یہاں سے فرار ہوا ہے۔ تم مجھے دیوتا سمجھ رہی ہو نا؟“

اس نے پریشان ہو کر اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر گر پڑی۔ اس بہروپیے میں پتہ نہیں کیسی کشش تھی کہ اسے وہاں تک کھینچ لائی تھی ورنہ اس میں چلنے پھرنے کی بھی سکت نہ تھی۔

میں نے بڑھیا کو بھگا دیا۔ کشتی کو کوئون کی طرف لے جانے کا حکم دیا۔ وہ بخار میں لرزتی ہوئی کہہ رہی تھی۔ ”مجھے جانے دو۔ وہ ضرور واپس آئے گا۔“

میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”تمہارے پیروں میں جانے کی قوت ہے تو چلی جاؤ۔ میں شراب اور شباب کو اپنے ہاتھوں سے کبھی نہیں جانے دیتا۔“

میں ہنستے ہوئے شراب کا ایک پیگ بنانے لگا۔ ہائے یہ جوانی کیا چیز ہے۔ انسان کو اندھا کر دیتی ہے۔ میں کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ بیمار، کمزور اور مجبور ہے۔ میں صرف اپنی ہوس کی تکمیل چاہتا تھا۔

ونود شرما کی باتیں سن کر میں غصہ سے کھول رہا تھا۔ میرے تصور میں محبت کی ماری بیمار مے یون میرے لیے تڑپ رہی تھی، اور شرما اس کے جسم سے کھیلنے کی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے مٹھیاں بھینچ لیں مگر صبر سے سنتا رہا کہ اگر مے یون کا انجام برا ہوا تو ونود شرما اسی طیارے میں میرے ہاتھوں کتے کی موت مرے گا۔

وہ کہنے لگا۔ ”ہانگ کانگ کی شام تھی، شباب تھا اور شراب تھی۔ اور دل میں انتقام کی آگ بھی بھڑک رہی تھی کہ میں اس بہروپیے کی ہر محبوبہ کی ایسی تیسی کر دوں گا۔ تب وہ روتی ہوئی بولی۔ ”میں صرف دیوتا کے لیے ہوں مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکے گا۔ میں مر جاؤں گی۔ میں مر جاؤں گی۔“

میں نے پہلا پیگ خالی کرنے کے بعد اسے دیکھا تو میرے

شرابی ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی آنسو بھری آنکھیں جیسے میرے دل میں چبھنے لگیں۔ حالانکہ وہ پہلے سے رو رہی تھی لیکن وہسکی کے ایک پیگ کے ایک جھٹکے نے مجھے وہاں سے آرتی کے پاس پہنچا دیا۔

آرتی بھی مے یون کی طرح ننھے سے قد کی بھولی بھالی سی لڑکی تھی۔ اسے چند غنڈے اٹھا کر لے گئے تھے۔ میں پولیس کی مدد لے کر جب ایک کھنڈر میں پہنچا تو غنڈے اس کی آبرو لوٹ چکے تھے۔

وہ مجھے دیکھتے ہی چیخ کر بولی "بھیا! میرے پاس مت آؤ۔"

ہاں وہ میری چھوٹی بہن تھی۔ اس کے سوا میرا دنیا میں اپنا سگا کوئی نہ تھا۔ میں اسے جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ میں اس کے قریب گیا تو مارے شرم کے اس نے اپنا سر پتھر پر دے مارا۔ میں نے اسے پکڑ کر سمجھایا "میری بہنا! اب تم اپنے بھیا کی پناہ میں ہو۔"

میں نے اسے بانہوں میں چھپانا چاہا مگر وہ مر چکی تھی۔ آہ! اس سمے پتہ چلا کہ عورت حیا سے بھی مر جاتی ہے جیتے جی اپنے بھائی اور باپ کو منہ نہیں دکھا سکتی..."

ونود شرما کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ پی رہا تھا مگر اس کے اندر سے ایک سچا انسان بول رہا تھا۔ میں نے نشیلی آنکھوں سے دیکھا تو فرشی بستر پر پڑی ہوئی لڑکی کبھی مجھے مے یون نظر آئی، کبھی آرتی دکھائی دی۔ میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑ کر کہا مے یون بھی کسی کی بہن ہوگی اور ابھی آرتی کی طرح اس کی عزت لٹے گی۔

میرے ہاتھ سے شراب کا جام چھوٹ گیا۔ میں نے مے یون کے پاس آکر فرش پر گھٹنے ٹیک دیئے۔ اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ وہ اکھڑی اکھڑی سی سانسیں لے رہی تھی۔ میں نے اس کے بازوؤں کو تھام کر کہا "مے یون! میں شیطان نہیں انسان ہوں، اور انسانوں کی بہنیں بھی ہوا کرتی ہیں۔ میں ابھی تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گا میری بہنا..."

یہ کہہ کر میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ وہ چپ تھی۔ جب میں نے آرتی کو اپنے بازوؤں میں چھپایا تھا۔ تب وہ بھی اسی طرح چپ تھی۔ میں نے گھبرا کر اسے آواز دی "مے یون! میں بہت دولتمند ہوں مگر بہن کی محبت سے خالی ہوں۔ مجھے بھائی کہہ کر آواز دو آرتی..."

مگر وہ چپ تھی۔ میری آواز سے بہت دور جا چکی تھی "میری بات سمجھ رہے ہو نا میری۔ میری دوسری آرتی بھی میرے بازوؤں میں دم توڑ چکی تھی..."

ونود شرما کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ وہ اپنی آستین سے آنکھیں پونچھنے لگا۔

اور میں... میں تو اپنے آپ کو بھول چکا تھا میری آنکھوں کے سامنے جو اندھیرا چھا گیا تھا اس اندھیرے میں صرف مے یون کی لاش نظر آرہی تھی۔ وہ مر چکی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میرے کانوں میں آواز آرہی تھی ؎

ہم نے تو بعد مرگ بھی رکھا وفا کا پاس!
آنکھیں کھلی ہوئی تھیں تیرے انتظار میں

میرے دل پر گھونسے لگ رہے تھے۔ اسے چھوڑ کر آتے وقت میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بھری جوانی میں اسے بیماری چاٹ جائے گی۔ اور مجھے وعدے کے مطابق پہنچنے میں دیر ہو جائے گی، مگر میں کیا کروں؟ میں اس دیوانی لڑکی کو فارموسا سے ہانگ کانگ تک سمجھاتا آیا تھا کہ میرا خیال دل سے نکال دے۔ مجھ سے سونیا جیسی عورت ہی دل لگا سکتی ہے یعنی ایسی عورت جو میری جدائی کو ہنستے ہنستے سہہ لے اور اپنے حوصلوں سے تنہا زندہ رہ سکے۔

میں جانتا ہوں مے یون کو بیماری نے نہیں میری جدائی کے دکھ نے مارا ہے۔ وہ لڑکی جس کی روح کی غذا صرف محبت تھی، محبت کے بغیر زندہ نہ رہ سکی۔

میرے اور شرما کے درمیان بڑی دیر تک خاموشی رہی شرما کا چہرہ گہرے صدمے کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اس وقت میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی اور محبت پیدا ہوئی، کیونکہ اس نے مے یون کو آرتی سمجھ کر اس کے آخری لمحات کو آسان بنا دیا تھا۔

اس نے ایک نیا پیگ بناتے ہوئے کہا "میں عیاش ہوں اور شاید اپنی جوانی کی آخری سانس تک عیاشی کرتا رہوں گا لیکن آرتی اور مے یون کی موت نے مجھے سمجھا دیا ہے کہ مجبور لڑکیوں کی مجبوریوں سے نہیں کھیلنا چاہیے۔ جو راضی خوشی آئے اس سے راضی خوشی سودا کرو ورنہ ایسے حسن و شباب کو ذہن سے نکال دو۔"

وہ ایک گھونٹ پی کر میری طرف دیکھتے ہوئے بولا "میں شبانہ کو دیکھ کر میں پھر بہک رہا ہوں۔ میں نے اپنی سیکرٹری کو اسی مقصد کے لیے شبانہ کے پاس بھیجا ہے کہ وہ تم دونوں کے حالات معلوم کرے۔ اگر وہ خریدی جا سکتی ہے تو میں بڑی سے بڑی قیمت ادا کروں گا ورنہ اس کا خیال دل سے نکال دوں گا۔"

میں نے کہا "مسٹر شرما! میں نے تمہاری نگاہوں سے ہم لیا تھا کہ تم عیاش ہو لیکن اب تمہارے اندر کے انسان کو دیکھ صاف کہہ دوں کہ میں تمہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ حقیقت یہ کہ میں بیوی کو فروخت کرنے والا بے غیرت آدمی نہیں ہوں لیکن خریداری کا انداز دیکھ کر غصہ آرہا تھا۔ میں تم سے زبردست انتقام لیتا، لیکن تمہارے اندر چھپی ہوئی شرافت نے مجھے دشمن سے دوست بنا دیا ہے۔"

وہ مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر گمبھیر سنجیدگی سے بولا "تم نے مجھ سے حقیقت بیان کر دی۔ یہ اچھا نہیں ہوا۔ اگر انتقام لیتے تو بہتر ہوتا۔ اس طرح مجھے پھر ایک ٹھوکر لگتی۔ پھر شاید میں کبھی کسی غیر کی بیوی کو بری نظر سے نہ دیکھتا۔"

"مسٹر شرما! انسان بار بار توبہ کرتا ہے اور پھر توڑ دیتا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں اپنی عورت سے زیادہ پرائی عورت حسین اور دلربا نظر آتی ہے۔ میں خود یہ کوشش کرتا ہوں کہ حسین عورتوں سے دور رہوں لیکن..."

میں نے بات ادھوری چھوڑ کر دور بیٹھی ہوئی شبانہ کی جانب دیکھا۔ اس حسینہ سے دور رہنے کی کوشش کرنے کے باوجود حالات مجھے اس سے قریب کرتے جا رہے تھے۔

شرما نے تائید میں سر ہلا کر کہا "میں سمجھ گیا۔ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ ہم توبہ کرتے ہیں اور توڑتے ہیں مگر یار! یہ کیا بات ہے کہ تم شراب نہیں پیتے۔"

میں نے کہا "شباب کا نشہ کیا کم ہے۔ میں تو اسی ایک نشہ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔"

"باتیں نہ بناؤ، آؤ مجھ سے دوستی کی ابتدا ایک جام سے کرو۔"

"جام تو خالی ہو جاتے ہیں مگر دوستی کبھی خالی نہیں جاتی مجھے اپنا دوست سمجھو۔"

اتنے میں شرما کی سیکرٹری واسنا اپنی جگہ سے اٹھ کر آئی اور بولی "مسٹر حازم! آپ کی وائف آپ کی ضرورت محسوس کر رہی ہیں۔"

میں نے واسنا کے لیے سیٹ خالی کر دی شرما نے کہا "تم میاں بیوی ہانگ کانگ میں میرے مہمان رہو گے۔"

میں اس کا شکریہ ادا کرتا ہوا شبانہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ شبانہ نے کہا "یہ ہندوستانی لڑکی بہت اچھی ہے۔ بڑی پیاری باتیں کرتی ہے۔"

"ہاں مسٹر شرما بھی بہت اچھے ہیں۔ دل کو چھو لینے والی باتیں کرتے ہیں۔"

"واسنا نے دعوت دی ہے کہ ہم ہانگ کانگ میں ان کے ہاں رہیں۔"

"بہت خوب! شرما نے بھی مجھ سے یہی کہا ہے۔"

"آخر وہ ہم سے اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں؟"

"ہم سے نہیں تم سے۔ میں بے چارہ مرد ہوں۔ مجھ سے کون دل لگائے گا۔"

"میں..." وہ میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتی ہوئی مسکرانے لگی۔ اس کا گلابی گلابی سا ہاتھ گرم تھا، نرم تھا، مکھن جیسی ملائم انگلیوں کے ناخنوں کی پالش چمکیلی تھی اور خون کی طرح سرخ تھی اور مجھ پر جیسے شب خون مار رہی تھی۔ میرے لہو کی حرارت بڑھنے لگی۔

میں نے بڑی آہستگی سے ہاتھ چھڑانا چاہا تو وہ اپنی گرفت مضبوط کرتی ہوئی بولی "تم تو یوں کترا رہے ہو جیسے میں تمہیں کہیں بھگا کر لے جا رہی ہوں۔"

"تقدیر ہم دونوں کو بھگا رہی ہے۔ ہانگ کانگ پہنچ کر حقیقت کھلے گی کہ کون سی منزل کس کی ہے۔"

"تم پھر وہی حازم اور فرہاد والی بحث چھیڑنا چاہتے ہو۔"

"نہیں باتوں سے بات نکل گئی اس لیے کہہ دیا۔ میں جب تک خود کو فرہاد ثابت نہیں کروں گا اس وقت تک تمہارا حازم بنا رہوں گا اور اس سلسلہ میں بحث نہیں کروں گا۔"

"اور مجھ سے ہاتھ بھی چھڑاتے رہو گے؟"

میں نے دھڑکتے ہوئے ارمانوں سے اپنے ہاتھ کو دیکھا جو اس کے ہاتھ میں تھا۔ پھر مسکرا کر کہا "اچھا کیا یاد کرو گی۔ جاؤ یہ ہاتھ میں نے تمہیں سونپ دیا سنبھال کر رکھنا۔"

وہ ہنسنے لگی۔ پھر اس نے میرا ہاتھ اٹھا کر اپنے رخسار پر رکھ لیا۔ اس کے شفاف رخساروں پر جوانی کی دھوپ تھی۔ میرا ہاتھ تپنے لگا۔ وہ دھوپ میرے دل تک پہنچ رہی تھی۔ میں نے تپش سے بچنے کے لیے پوچھا "یہ کیا حرکت ہے؟"

"نوآر گوشنٹس" وہ بولی "یہ ہاتھ تم نے مجھے سونپ دیا ہے تمہیں کچھ پوچھنے کا حق نہیں ہے۔"

میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ پتہ نہیں ایسے وقت میرا ردعمل کیا ہوتا۔ اس سے پہلے ہی وہ میرے ہاتھ کو چھوڑتی ہوئی بولی "تمہارا تو کچھ نہیں بگڑ رہا ہے۔ میں بگڑتی جا رہی ہوں۔ تم یہ پتھر کیسے بن گئے ہو؟"

"میں پتھر نہیں ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل مچل رہا ہے بات صرف اتنی سی ہے کہ میں اپنی قوت برداشت کو آزما رہا ہوں۔"

وہ چپ رہی۔ میں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔ غضب کا حسن تھا۔ دیکھنے والی نگاہوں کو اس کے وجود کا ہر زاویہ پکارتا تھا۔ میں تیزی سے چلتا ہوا طیارے کے آخری سرے میں آیا۔ پھر ٹائلٹ کے اندر چلا گیا۔

پندرہ منٹ کے بعد میں باہر آیا۔ چھوٹی سی راہداری کے دوسری طرف کچن اور ایئر ہوسٹس وغیرہ کے کیبن بنے ہوئے تھے ریٹا ایک کیبن کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی مسکرا کر بولی "ہیلو کیا تم میرے اکاؤنٹ میں کافی پینا پسند کرو گے؟"

"سوری! ابھی کافی کی خواہش نہیں ہے۔"

"لیکن میری خواہش ہے کہ میں تم سے دو چار باتیں کروں۔"

وہ دروازے پر ایک جانب سمٹ گئی۔ میرے گزرنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ میں کیبن کے اندر آیا۔ وہ دروازہ بند کرنے کے بعد پلٹ کر بولی۔ "ہیلو مسٹر ونود شرما...!"

وہ مجھے چونکا دینا چاہتی تھی۔ میں نے حیرانی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "تم بھول رہی ہو۔ ونود شرما پسنجر کے دوسری جانب والی سیٹ پر بیٹھا ہے۔"

وہ مسکرا کر بولی۔ "میں بھی اصلی نہیں نقلی ونود شرما سے مخاطب ہوں۔"

میں نے غصے سے کہا۔ "کیا تم مجھے ایک ناکردہ جرم میں ملوث کرنا چاہتی ہو؟"

وہ بدستور مسکرا کر بولی۔ "نہیں دوست! میں اپنی ندامت کا اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے تمہارے بیس ہزار ڈالر ہضم کرنے کی کوشش کی۔ تم میری غفلت سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ میرے جسم سے کھیل سکتے تھے۔ پورے بیس ہزار ڈالر لے جا سکتے تھے لیکن تم اپنے وعدے کے مطابق کمیشن کے پانچ ہزار ڈالر میرے لیے چھوڑ گئے تم ایک عظیم انسان ہو اور میں تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی۔"

میں نے انجان بن کر کہا۔ "کیا میرا لب و لہجہ نقلی ونود شرما جیسا ہے؟"

"ہاں۔ تم انجان نہ بنو۔"

"تمہیں اپنی یادداشت پر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔ اگر میں وہ ہوتا تو حیل و حجت کے بغیر تسلیم کر لیتا کیونکہ تم اس کی دشمن نہیں دوست ہو اور اس کی قدر کر رہی ہو لیکن میں عازم کے بجائے نقلی ونود شرما بن کر اپنی قدر نہیں کرانا چاہتا۔"

"مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ تمہارا نام عازم ہے لیکن تمہاری شخصیت کا دوسرا پہلو وہی ہے جو میں جانتی ہوں۔"

میں نے کہا۔ "تمہاری غلط فہمی دور ہو سکتی ہے۔ تم میری واقف شبانہ سے جا کر پوچھو۔ میرا پاسپورٹ دیکھو۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ میں انقرہ کا باشندہ ہوں اور پاسپورٹ کے مطابق پہلی بار بیرونی ممالک کا سفر کر رہا ہوں۔"

"ونود شرما کا پاسپورٹ بھی درست تھا صرف تم غلط تھے۔"

"کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں عازم کے پاسپورٹ پر نقلی عازم بن کر سفر کر رہا ہوں؟"

"ایسا ممکن ہے۔ تم زبردست بہروپیے ہو۔"

"تو پھر میرے چہرے پر دنیشنگ کریم لگا کر دیکھو میں میک اپ میں نہیں ہوں۔"

وہ میرے سانسوں کے قریب آگئی۔ دونوں ہاتھ اٹھا کر میرے چہرے کو چھونے اور ٹٹولنے لگی۔ پھر بے یقینی سے بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ تم نے ماسک والا میک اپ کیا ہو۔"

میں نے کہا۔ "ماسک کا جوڑ گردن پر بالوں کے پیچھے اور شانوں پر لباس کے نیچے ہوتا ہے۔ تم اس کی بھی تسلی کر لو۔"

میں نے کوٹ اتارا۔ نکٹائی کھولی۔ قمیض کے بٹن بھی کھول دیئے۔ وہ میرے گریبان میں ہاتھ ڈال کر میرے شانوں کو ٹٹولنے لگی۔ بڑے بوڑھے سچ کہتے ہیں کہ کسی کو اپنے گریبان میں ہاتھ ڈالنے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔

ایسی بات نہیں ہے کہ میں اچانک بہت زیادہ پارسا بن گیا تھا اور ہر عورت سے کترانا شروع کر دیا تھا۔ شبانہ کو پرائی امانت سمجھ کر اس کے ساتھ دیانتداری سے رہنے کے لیے میں اپنی ہوس کا رُخ ریٹا کی جانب موڑ سکتا تھا لیکن میرے دل و دماغ پر مسے یون کی ابدی جدائی کا صدمہ تھا اور اس وقت میں دنیا کی کسی عورت سے بھی دلچسپی نہیں لے سکتا تھا۔

ریٹا نے کہا۔ "لوگ میرے قریب آنے کے لیے ترستے ہیں۔ لیکن تمہارے کترانے کا انداز چغلی کھا رہا ہے کہ تم وہی ہو۔ اس نے بھی میرے فلیٹ میں میرے ساتھ رات گزاری مگر مجھے ہاتھ نہیں لگایا۔"

"تم گھوم پھر کر مجھے وہی بہروپیا سمجھ لیتی ہو۔ دنیا میں بے شمار لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پرائی عورتوں سے دور رہتے ہیں۔"

"لیکن لب و لہجہ بھی وہی، انداز بھی وہی، عادات بھی وہی ہیں۔ اچھا اگر تم عازم ہو۔ ترکی باشندے ہو تو ترکی زبان بولو۔"

میں چکرا گیا۔ اس نے میری دکھتی رگ پکڑ لی تھی۔ اب اگر میں کہتا ہوں کہ میں بحیثیت عازم یادداشت کھو بیٹھا ہوں تو یہ بات ناقابلِ یقین ہوتی کہ عازم اپنی مادری زبان بھول کر صرف انگریزی بولتا ہے۔

اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ مجھے سنبھلنے کا موقع مل گیا۔ ریٹا میرے پاس سے پلٹ کر گئی۔ پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔ کھلے ہوئے دروازے پر شبانہ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ میری حالت دیکھ کر پہلے تو سکتے میں رہ گئی کیونکہ میرا کوٹ اترا ہوا تھا، نکٹائی اور قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور میں ایک جوان عورت کے کمرے میں بند تھا۔

وہ غصے سے مٹھیاں بھینچتی ہوئی بولی۔ "اچھا تو یہاں رنگ رلیاں منائی جا رہی ہیں۔ بدکار مر جاؤ اگر تمہارا معیار یہی ایئر ہوسٹس تھی تو تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟"

میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"خبردار! میرے قریب نہ آنا۔" وہ پیچھے ہٹ کر دھاڑے

سے لگ گئی۔

"شبانہ! مجھ سے قسم لے لو۔ میں نے اس عورت کو ہاتھ تک نہیں لگایا ہے۔"

وہ ہاتھ نیچا کر کے بولی۔ "تبھی اس کی لپ اسٹک تمہارے چہرے پر نظر آ رہی ہے۔ جھوٹے، مکار، فریبی...!"

میں نے گال پر ہاتھ لگا کر دیکھا تو میری انگلیوں پر لپ اسٹک کی لالی آگئی۔ میں نے غصے سے ریٹا کو مخاطب کیا۔ "دیکھو تمہاری بے باکیوں نے ہمارے درمیان کیسی غلط فہمی پیدا کر دی ہے اب میں کیسے یقین دلاؤں کہ میں تم سے کترا رہا تھا۔"

شبانہ طنزیہ انداز میں بولی۔ "اچھا کترانے کے لیے تم نے یہ لباس اتارا تھا۔ دوبارہ پہن رہے تھے کہ میں آگئی۔ میں نے تمہیں رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔ اب میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں کہ تم میری دولت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب تم نے یہ دیکھا کہ میں نے شادی کے بعد گھر چھوڑ دیا ہے۔ ڈیڈی کی مخالفت مول لی ہے اور اب ڈیڈی مجھے اپنی دولت میں سے ایک ڈالر بھی نہیں دیں گے تو تم نے پھر باتیں بنانی شروع کیں۔ مجھے یہ بہلانے لگے کہ یادداشت کھو بیٹھے ہو۔ پھر خود کو عازم کی بجائے فرہاد کہنے لگے۔ میں پھر بھی تمہارے ساتھ لگی رہی تو تم میرے پاس سے اٹھ کر اس ایئر ہوسٹس کے پاس آگئے۔ میں ایک ارب پتی باپ کی لاڈلی بیٹی اور انقرہ کی حسین ترین لڑکی ہوں۔ میں یہ توہین برداشت نہیں کروں گی۔"

وہ دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ شبانہ کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو واقعی بدنصیبی اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ اس نے جس عازم کے لیے اپنا گھر اپنے باپ کی محبت اور دولت چھوڑی، اس عازم نے اس کے ساتھ سہاگ رات تک نہیں گزاری۔ وہ عازم، فرہاد بن کر اس سے کتراتا رہا۔ تقدیر ایک محبت کرنے والی لڑکی کی قدم قدم پر توہین کر رہی تھی۔ اور میری موجودہ حالت نے اس کے اعتماد کے تابوت پر آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ اب وہ گھر کی رہی تھی نہ گھاٹ کی۔ میکے سے بھاگنے والی لڑکی رو رو کر پچھتا رہی تھی۔

میں یہ ضرور چاہتا تھا کہ وہ مجھے عازم نہ سمجھے لیکن یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ مایوسی اور بدنصیبی کی انتہا کو پہنچ جائے۔ ریٹا نے شبانہ کو مخاطب کیا۔ "مسز عازم! ازدواجی زندگی اعتماد کے بغیر نہیں گزرتی اگر تم سچائی کو سمجھنا چاہو تو سچ یہ ہے کہ یہ عازم وہی بہروپیا ہے جسے ونود شرما تلاش کر رہا ہے۔"

شبانہ نے اپنے چہرے پر سے ہاتھ ہٹا کر آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ ریٹا نے کہا۔ "مجھے شبہ تھا کہ تمہارا شوہر ماسک میک اپ میں ہے۔ اسی لیے اس نے کوٹ اور نکٹائی اتاری تھی تاکہ میں گردن اور قمیض کے نیچے ماسک تلاش کر سکوں۔

میں نے ریٹا کو احسان مندی سے دیکھتے ہوئے قمیض اور نکٹائی درست کی۔ پھر کوٹ پہننے لگا۔ شبانہ مذبذب میں تھی۔ ریٹا نے اس سے کہا۔ "جو سچ تھا وہ میں نے کہہ دیا اور اب یہ بات دعوے سے کہتی ہوں کہ یہ ترکی باشندہ نہیں ہے۔ اگر ہوتا تو وہاں کی مادری زبان ضرور بولتا۔"

میں نے کہا۔ "ریٹا میرے سر کی پٹی کو دیکھو۔ شبانہ گواہی دے گی کہ میں اپنی یادداشت کھو چکا ہوں۔"

ریٹا نے کہا۔ "تم صرف یادداشت گم ہونے کی بات کر رہے ہو ورنہ جو لوگ پاگل ہو کر ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں وہ بھی اپنی مادری زبان نہیں بھولتے۔ تم مجھ سے ہزار بار کتراؤ مگر میں تمہیں ایک بار اپنا کر کے ہی رہوں گی۔"

شبانہ کو شاید عقل آگئی کہ ریٹا اس کے شوہر عازم کو جبراً اپنانا چاہتی ہے۔ وہ ریٹا سے بولی۔ "بکواس مت کرو۔ ابھی تم نے اعتراف کیا ہے کہ میرا عازم اتنا شریف ہے کہ تمہیں ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ کیا تم اسے زبردستی بہروپیا ثابت کرنا چاہتی ہو؟"

ریٹا کے جواب دینے سے پہلے ہی دروازے کو ایک زور کا دھکا لگا۔ شبانہ وہاں ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ دھکا لگتے ہی وہ لڑکھڑاتی ہوئی میرے بازوؤں میں آگئی۔ دروازہ پوری طرح کھل گیا تھا۔ وہاں دو شخص ریوالور اور اسٹین گن لیے کھڑے تھے۔

چند لمحوں کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پھر ایک ادھیڑ عمر کے آدمی نے حقارت سے ریٹا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم سمجھتی ہو کہ ہمارا ساتھ نہیں دو گی تو ہم قانون کے ہتھے چڑھ جائیں گے۔"

ریٹا نے پیچھے ہٹ کر پوچھا۔ "واسکر! میں نہیں سمجھی کہ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

ریٹا نے میری جانب دیکھا۔ پھر کہا۔ "میں باس کو بتا چکی ہوں کہ ایک ایماندار شخص نے میرے سوچنے کے انداز کو بدل دیا ہے۔ میں دیانتداری سے یہ ملازمت کروں گی اور آئندہ اسمگلنگ کے سلسلے میں باس کا ساتھ نہیں دوں گی۔"

واسکر نے دانت پیس کر کہا۔ "باس نے تمہیں زندہ چھوڑ کر غلطی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم پولیس والوں کی مخبر بن گئیں۔"

"یہ جھوٹ ہے۔" ریٹا نے چیخ کر کہا۔

"یہ سچ ہے۔ پولیس والوں کو دہلی میں پتہ چل گیا تھا کہ اس جہاز میں دو کروڑ کا مال جا رہا ہے۔ ہم سب ان کی نظروں میں آگئے ہیں۔ ہم اس وقت اس لیے مجبور ہو گئے کہ وہ مال اس جہاز میں پہنچ گیا تھا۔ اب ہمیں ملنے والی اطلاع کے مطابق ہانگ کانگ میں انٹرپول کے مسلح آدمی ہمارے استقبال کے لیے موجود رہیں گے۔ اور یہ سب

کچھ تمہارا کیا دھرا ہے"۔

"مجھے خواہ مخواہ الزام نہ دو۔ میں نے دہلی میں یہاں کا چارج سنبھالتے وقت تم لوگوں کو دیکھ لیا تھا پھر بھی انجان بنی رہی۔ میں نے پہلے ہی باس سے کہہ دیا تھا کہ کسی غیر قانونی مہم میں ساتھ نہیں دوں گی۔ اور نہ ہی مخبری کروں گی۔ میرا مقصد صرف یہی رہا کہ ایمانداری سے روزی حاصل کروں۔ اور اس ایماندار آدمی کو تلاش کرتی رہوں۔ جس نے میری دنیا بدل دی"۔

یہ کہہ کر وہ پھر مجھے دیکھنے لگی۔ واسکر نے پوچھا "تم اسے بار بار کیوں دیکھ رہی ہو۔ کیا یہی تمہاری دنیا کو بدلنے والا شخص ہے؟"

شبانہ مجھ سے چپک گئی۔ جیسے کوئی مجھے اس سے چھین رہا ہو۔ پھر وہ بولی "نہیں یہ میرے شوہر ہیں"۔

وہ پہلی بار میرے اتنے قریب آئی تھی۔ اس کا دل میرے سینے پر دھڑک رہا تھا مگر سچویشن ایسی تھی کہ میں دھڑکنوں کا تجزیہ نہیں کر سکتا تھا۔ واسکر نے مجھ سے کہا "مسٹر! اپنی وائف کو لیکر اپنی سیٹ پر جاؤ۔ یہ جہاز پوری طرح ہمارے کنٹرول میں ہے اور یہ ہماری منزل پر پہنچ کر لینڈ کرے گا"۔

مجھے اب حلال روزی کمانے والی ریٹا کی فکر ہو گئی۔ میں نے کہا "مسٹر واسکر! ہم بے ضرر مسافر ہیں اور ریٹا ہماری خوش اخلاق میزبان رہی ہے ہمیں بتا دو کہ ہمارا انجام کیا ہو گا؟"

اس نے کہا "ہم اپنی منزل پر پہنچ کر تمام مسافروں کو چھوڑ دیں گے۔ ریٹا کا فیصلہ وہیں ہمارا باس کرے گا"۔

شبانہ سہمی ہوئی تھی۔ میں اسے سہارا دے کر کیبن کے باہر لے آیا۔ وہاں تمام مسافر سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ طیارے کے اگلے اور پچھلے سرے پر چار آدمی اسٹین گنیں لیے کھڑے تھے۔ باقی دو مرد اور دو عورتیں مسافروں کی باری باری تلاشی لے رہی تھیں۔ میری اور شبانہ کی بھی تلاشی لی گئی۔ شبانہ کی کوٹھی میں جو ریوالور میں نے اپنے دشمن سے چھینا تھا۔ اسے میں نے یامین زبیری کی کار کی ایک سیٹ کے نیچے چھوڑ دیا تھا۔ اس طرح میں ایک معصوم اور بے ضرر مسافر سمجھا گیا۔ انہوں نے ہمیں بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

شبانہ جھجکتی ہوئی آہستگی سے بولی "عازم! یہ کیا ہو رہا ہے۔ تمہارے ساتھ شادی کرتے ہی ایسے حالات سے دوچار ہو رہی ہوں کہ عقل حیران ہے"۔

وہ پھر رونے لگی "میں کتنی بدنصیب ہوں کہ مجھے سہاگ کی سیج نہ ملی۔ اپنا شوہر میرا اپنا نہیں ہے۔ اپنی کوئی منزل بھی نہیں ہے۔ پتہ نہیں یہ جہاز اغوا کرنے والے اب مجھے کس جہنم میں پہنچائیں گے؟"

میرا دل بھر آیا۔ میں نے جیب سے رومال نکال کر شبانہ کو اپنے قریب کیا پھر اس کا سر اپنے شانے پر رکھ کر رومال سے اس کے آنسو پونچھنے لگا "شبانہ! تمہیں کوئی جہنم میں نہیں پہنچائے گا۔ تم میرے بازوؤں کی جنت میں رہو گی میرے جیتے جی تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی"۔

میری پناہ میں آ کر وہ اور زیادہ رونے لگی۔ کیونکہ بڑے انتظار کے بعد اسے عازم کی محبت اور توجہ مل رہی تھی۔ وہ سسکتی ہوئی بولی "میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ بس مجھے اسی طرح اپنے اندر چھپا کر رکھ لو۔ عازم! اب تم نے بے رخی دکھائی تو میں مر جاؤں گی"۔

میں اسے ہولے ہولے تھپکنے لگا۔ طیارے میں اور بھی جوڑے تھے جو اپنی اپنی بیویوں محبوباؤں اور بچوں کو تسلیاں دے رہے تھے وِنود شرما نے اپنی سیکرٹری واسنا کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ایک بار اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے کہا "پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ یہ اسمگلرز ہیں۔ صرف اپنی سلامتی کے لیے جہاز کو کہیں لے جا رہے ہیں۔ ہمیں نقصان نہیں پہنچائیں گے"۔

شرما نے پوچھا "تمہیں کیسے معلوم ہوا؟"

میں نے کہا "ابھی میں اور شبانہ ایئر ہوسٹس ریٹا کے کیبن میں تھے۔ وہاں ایک اسمگلر نے ہمیں یہ باتیں بتائی ہیں"۔

ہمارے آگے پیچھے کی تمام سیٹوں والے مسافر کان لگا کر ہماری باتیں سننے لگے۔ ایک عورت اپنے بچے کو سینے سے چمٹاتے مجھ سے بولی "یہ لوگ اس جہاز کو نیچے تو نہیں گرائیں گے نا؟"

میں نے مسکرا کر کہا "نہیں میڈم! اس طرح تو یہ لوگ بھی زندہ نہیں رہیں گے۔ یہ اپنی سلامتی کے لیے ہمیں بھی سلامتی سے زمین تک پہنچائیں گے۔ آپ اطمینان رکھیں۔ خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

"ہاں خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ وہ دیوانہ وار اپنے بچے کو چومنے لگی۔ طیارے کا ماحول ایکدم سے بدل گیا تھا۔ پہلے تمام مسافر ایک دوسرے سے بیگانے تھے۔ اب آپس میں بول رہے تھے۔ ایک دوسرے کی سن رہے تھے۔ بالکل گھر کا سا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

یہ انسان عجیب چیز ہے۔ زندگی میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا۔ موت کو سامنے دیکھتے ہی ایک دوسرے کا سہارا ڈھونڈنے لگتا ہے۔ ایسا خود غرض تو کوئی جانور بھی نہ ہو گا۔

اسپیکر سے آواز آنے لگی "توجہ فرمائیں۔ توجہ فرمائیں۔ میں اپنے گینگ کا لیڈر آپ لوگوں سے مخاطب ہوں۔ اگر آپ لوگ ہم سے تعاون کریں گے اور ہمارے خلاف کوئی غلط حرکت نہیں کریں گے تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ آپ لوگوں کو بخیریت ملایا کی سرزمین تک پہنچا دیا جائے گا"۔

سب لوگ دم سادھے وہ آواز سن رہے تھے۔ آواز جاری تھی "تمام مردوں سے درخواست ہے کہ وہ اپنی عورتوں کو سلامتی کا یقین دلائیں۔ اور عورتوں سے گزارش ہے کہ اپنے بچوں کو چپ

کرائیں۔ ایئر ہوسٹس اور اسٹیوارڈ آپ کی خدمات کے لیے پھر حاضر ہو رہے ہیں۔ آپ اطمینان سے کھائیں پئیں اور اپنا سفر جاری رکھیں وِش یُو آل ....."

اسپیکر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک اسٹیوارڈ اور دو ایئر ہوسٹس نظر آئیں۔ ان میں ریٹا بھی تھی۔ ان کے چہروں سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ جبراً مسکرا رہے ہیں اور مسافروں کے آرڈر نوٹ کر رہے ہیں۔ ریٹا ہماری طرف نہیں آئی۔ میں نے دوسری ایئر ہوسٹس کو کافی کا آرڈر دیا۔ جب وہ چلی گئی تو ونود شرما نے میری طرف پلٹ کر کہا "مسٹر عازم! تمہاری وائف نے میری سیکرٹری کو بتایا ہے کہ تم شراب پیتے ہو۔ تعجب ہے کہ میرے ساتھ پینے سے کیوں انکار کر رہے ہو؟"

میں اس نئی اطلاع سے پریشان ہو گیا۔ میں نے شبانہ سے پوچھا "تم نے واسنا سے یہ کیوں کہہ دیا کہ میں شراب پیتا ہوں؟"

وہ بولی "میں نے غلط تو نہیں کہا۔ کیا تم نے کورٹ میرج کے بعد استنبول جاتے وقت شادی کی خوشی میں نہیں پی تھی؟"

میں کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کہوں اور کیا کروں؟ شرما کے سامنے اگر شراب نوشی سے انکار کرتا تو وہ شبہ میں مبتلا ہو جاتا کیونکہ ریٹا اس سے کہہ چکی تھی کہ بہروپیا صرف شربت پیتا ہے۔

جب شامت آتی ہے تو پھر ہر طرف سے آتی ہے۔ اس وقت ریٹا ہمارے پیچھے بیٹھے ہوئے ایک بچے کو ٹافیاں دے رہی تھی۔ اس نے شبانہ کی بات سن لی میرے پاس آ کر بولی "مسٹر عازم صرف شادی کی خوشی میں نہیں، دوستوں کی فرمائش پر بھی پینا چاہیئے"۔

میں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تو ایک پل میں اعلان کر سکتی تھی کہ میں ہی بہروپیا ہوں۔ لیکن میری خاطر اپنی راہیں بدلنے والی عورت ایک دشمن کے سامنے میرا راز فاش نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے فوراً ہی شبانہ کی طرف جھک کر کہا "ایسے وقت جبکہ یہ جہاز اغوا کیا جا رہا ہے۔ آپ کے شوہر کو ہوش و حواس میں رہنا چاہیئے۔ ورنہ آپ کی حفاظت کون کرے گا؟"

اتنا کہہ کر وہ چلی گئی۔ اور اتنا ہی کہہ دینا کافی تھا۔ شبانہ کو عقل آ گئی۔ وہ شرما کی طرف دیکھ کر بولی "بے شک عازم پیتے ہیں۔ مگر میں ان حالات میں انہیں پینے کی اجازت نہیں دوں گی۔ ابھی ہم سب کو ہوش و حواس میں رہنا چاہیئے"۔

شرما نے شانے اچکا کر کہا "ایز یو پلیز۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ خطرات کے وقت آدمی کو خوب پی کر موڈ میں رہنا چاہیئے"۔

میں نے کہا "میں عادی نہیں ہوں۔ اس لیے موڈ بگڑ جائے گا۔ سوری"۔

وہ ہندوستانی زبان میں بڑبڑایا "یہ تو جورو کا غلام نکلا بھت تیری کی ....."

میں اس کی بولی سمجھ کر بھی ترکی باشندہ بنا رہا۔ مجبوری تھی شبانہ نے کہا "میں بور ہو رہی ہوں۔ مجھ سے باتیں کرو"۔

"کیا باتیں کروں۔ تم نے مجھے خواہ مخواہ شرابی بنا دیا"۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا عازم کہ تمہیں ماضی کیسے یاد آئے گا۔ اگر یہ اسٹین گن والے نہ ہوتے تو میں تمہیں خوب پلاتی۔ ہو سکتا ہے کہ نشہ کی زیادتی سے بھولی ہوئی باتیں یاد آ جائیں"۔

"نہ میں پیتا ہوں۔ نہ پیتوں گا مشکل یہ ہے کہ نہ پینے سے شرما مجھے وہی بہروپیا سمجھ سکتا ہے"۔

"تعجب ہے۔ وہ ریٹا بھی تمہیں بہروپیا سمجھ کر مری جا رہی ہے۔ اگر وہ انقرہ میں ہوتی تو میں اسے شوٹ کر دیتی"۔

"غصہ تھوک دو۔ ہم دوسری باتیں کریں گے"۔

گفتگو کا موضوع بدلنا ہی مناسب تھا۔ میں شرما کے سامنے بہروپیا نہیں بن سکتا تھا شبانہ کے لیے عازم نہیں بن سکتا تھا اور خود کو فرہاد کہہ کر عازم کے پاسپورٹ پر سفر نہیں کر سکتا تھا۔ اس طیارے میں صرف ریٹا مجھے پہچان گئی تھی۔ اور بڑی دانشمندی سے میرا بھرم رکھ رہی تھی۔

ایک گھنٹہ بعد اسپیکر سے ہدایات دی گئیں کہ تمام مسافر سیفٹی بیلٹ باندھ لیں - - - - - - - طیارے کو کہیں اتارنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہم نے ہدایات پر عمل کیا سیفٹی بیلٹ باندھ کر اپنی سیٹ پر جم گئے۔ رات کا پچھلا پہر تھا آٹھ بجنے والے تھے۔ کھڑکی کے باہر گہری تاریکی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہمیں کہاں پہنچایا جا رہا ہے۔

پھر طیارہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ڈولنے لگا۔ کبھی ایک طرف کبھی دوسری طرف جھکنے لگا۔ عورتیں رو رہی تھیں بچے چیخ رہے تھے۔ اور تمام مرد م بخود بیٹھے ہوئے تھے۔

طیارے کی پرواز نیچی ہو گئی تھی۔ کبھی کبھی کھڑکی کے باہر ایسی روشنی دکھائی دیتی تھی جیسے بہت سی مشعلیں جل رہی ہوں۔ دور تک جیسے دیئے ٹمٹما رہے تھے۔ وہ روشنیاں کبھی کبھی گم ہو جاتی تھیں۔ یعنی طیارہ دائرے کی صورت میں چکر لگا رہا تھا۔ کسی رن وے اور سگنل کے بغیر لینڈ کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ جہاز ایک پل میں تباہ ہو سکتا تھا۔

مجھے تو یوں لگا جیسے وہ میری زندگی کے آخری لمحات ہوں۔ شبانہ نے مضبوطی سے میرا ہاتھ تھام لیا تھا۔ مگر وہ بڑی پرسکون تھی۔ معلوم ہوتا تھا میرے ساتھ مرنے کی آرزو میں بیٹھی ہو۔ پھر اچانک ہی جہاز کو دھچکا سا لگا سارے مسافر لرز کر رہ گئے۔ طیارے کے پہیوں

نے زمین کو چھو لیا تھا۔ اس کی رفتار سست ہوتی چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے لیے گہری خاموشی چھا گئی۔ جیسے سب کو موت سونگھ کر گزر گئی ہو۔ پھر ایک ننھے سے بچے نے رو کر زندگی کا پتہ دیا۔ ہم سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پار دیکھنے لگے۔ معلوم ہوا کہ طیارے کے دونوں طرف مشعل بردار دور تک کھڑے ہوتے تھے۔ اس طرح انہوں نے اپنے درمیان ایک گجار ن سے بنا کر طیارے کو اترنے کا موقعہ دیا تھا۔

باہر کی گہری تاریکی میں ملایا کے صرف وہی ننگ دھڑنگ باشندے نظر آ رہے تھے۔ جو اپنے ہاتھوں میں مشعلیں تھامے ہوتے تھے۔ ان کے بدن پر صرف ایک لنگوٹ نما کپڑا بندھا ہوا تھا۔

اسپیکر سے آواز آنے لگی۔ "اٹینشن پلیز! ہم آپ کو بخیریت زمین تک پہنچنے کی مبارک باد دیتے ہیں۔ یہ ملایا کی سرزمین ہے اور آپ دریائے جندیرا کے قریب کلنتان کے گھنے جنگل میں ہیں۔ یہاں کے باشندے ہماری تہذیب سے ناآشنا ہیں۔ یہ دوست بن کر مہمان نوازی کر سکتے ہیں اور دشمن بن کر ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔"

مسافر عورتیں سہم کر اپنے آس پاس مردوں کو دیکھنے لگیں۔ آواز آ رہی تھی۔ "اب اس جنگل کی تہذیب سے گزر کر شہری تہذیب تک پہنچنا آپ کا کام ہے۔ آپ لوگوں کو ایک گھنٹہ بعد اس طیارے سے باہر نکلنے کی اجازت دے دی جائے گی۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ صبر و تحمل سے بیٹھے رہیں۔ اگر کوئی مقررہ وقت سے پہلے جبراً باہر آنا چاہے گا تو اسے بے دریغ گولی مار دی جائے گی۔ ہمیں توقع ہے کہ آپ ہمیں خون خرابے پر مجبور نہیں کریں گے۔ دیٹس آل۔"

اسپیکر کی ہدایت کے مطابق سب لوگ اپنی جگہ خاموش بیٹھے رہے۔ مسلح افراد اپنے ہاتھوں میں سوٹ کیس وغیرہ اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ میں نے آخر میں ریٹا کو دیکھا۔ اس کے پیچھے دو شخص اسٹین گن اٹھائے چل رہے تھے۔ ریٹا نے میرے پاس سے گزرتے وقت مجھے بڑی محبت اور سنجیدگی سے دیکھا۔ میرے اندر ہلچل سی پیدا ہو گئی۔ وہ لوگ ریٹا کو باہر لے جا کر شوٹ کر سکتے تھے۔ اور میں خاموش تماشائی کی طرح بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ دو مسلح افراد ریٹا کو لے کر جہاز کے اگلے حصے میں وی آئی پی کلاس کی طرف گئے تھے۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شبانہ نے ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"میں ابھی آتا ہوں۔"

"نہیں۔ میں تمہیں کہیں نہیں جانے دوں گی۔"

دوسری طرف ثریا نے کہا۔ "مسٹر عازم! آپ مقررہ وقت سے پہلے اٹھیں گے تو وہ لوگ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔"

تیسری طرف سے آواز آئی۔ "مسٹر! بیٹھ جاؤ۔"

میں نے کہا۔ "آپ لوگ خواہ مخواہ گھبرا رہے ہیں۔ اگر میں جاؤں گا تو وہ مجھے گولی ماریں گے۔"

"میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔" شبانہ اٹھ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

"شبانہ! مجھے چھوڑ دو۔ ریٹا معصوم اور بے قصور ہے۔ وہ لوگ اسے مار ڈالیں گے۔"

شبانہ نے ضد کی۔ "پہلے مجھے مار ڈالو۔ پھر اپنی سگی کے ساتھ مرنے چلے جانا۔"

چاروں طرف سے لوگ دبی دبی آوازوں میں مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ میں بیٹھ جاؤں۔ ورنہ وہ سب جبراً مجھے بٹھا دیں گے۔

میں اس خیال سے بیٹھ گیا کہ شبانہ اپنی جگہ بیٹھے گی تو میں اچانک دوڑتا ہوا ریٹا کی طرف چلا جاؤں گا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ اسی وقت وی آئی پی کلاس کا دروازہ کھلا۔ پھر ایک مسلح شخص نے پوچھا۔ "عازم کس کا نام ہے؟"

میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میں ہوں عازم۔"

"ایک منٹ کے لیے ادھر آؤ۔"

شبانہ نے پھر میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے اس کے ہاتھ کو تھپک کر تسلی دی۔ پھر آگے بڑھ کر مسلح شخص کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اسٹین گن سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازہ کھول کر وی آئی پی کلاس میں داخل ہو گیا۔ وہاں ریٹا کھڑی ہوئی تھی۔ ایک شخص اسٹین گن اٹھائے اس کے قریب تھا۔ دوسری اسٹین گن میرے پیچھے تھی۔ اس کلاس کا دروازہ باہر جانے کے لیے کھلا ہوا تھا۔

ریٹا نے مجھ سے کہا۔ "میرے اجنبی دوست میں نہیں جانتی کہ میرا انجام کیا ہو گا۔ مگر میں نے ان لوگوں سے صاف کہہ دیا ہے کہ جب تک تم مجھے پیار نہیں کرو گے میں اس طیارے سے باہر نہیں جاؤں گی۔"

ایک شخص نے کہا۔ "ریٹا! ہم مجبوراً تمہاری ضد پوری کر رہے ہیں۔ ورنہ تمہیں یہیں گولی مار دیتے۔ لیکن تمہاری زندگی اور موت کا فیصلہ باس کرے گا۔"

ریٹا نے دونوں بانہیں پھیلا کر کہا۔ "آؤ دوست! میں تمہاری آغوش میں تھوڑی دیر جی لینا چاہتی ہوں پھر نہ کہنا کہ محبت کرنے والی عورت اپنے محبوب کو نہیں پہچانتی ہے۔"

میں نے آگے بڑھ کر اسے بانہوں میں سمیٹ لیا۔ میرا دل دکھ رہا تھا۔ وہ زندگی کے آخری کنارے پر کھڑی اپنی محبت دے رہی تھی۔ میں نے اس سے کہا۔ "تم زندہ رہو گی یا پھر میں بھی تمہارے ساتھ مروں گا۔"

وہ بڑی آہستگی سے بولی۔ "میری [illegible] میں پستول ہے۔ ہاتھ ڈالو۔ سیفٹی کیچ آن ہے۔"

یہ بات سنتے ہی میرے جسم میں بجلی سی بھر گئی۔

میرا دایاں ہاتھ یونیفارم کے اندر پہنچا۔ ننھا سا پستول گرفت میں لیتے ہی میں نے پھرتی سے پلٹ کر فائر کیا۔ اس کے ساتھ ہی ریٹا کو لیے لیے فرش پر گر پڑا۔

یہ حکمت عملی اس لیے تھی کہ دوسرے شخص کی پہلی فائرنگ خالی جائے۔ اور میں فرش پر گرتے ہی اسے نشانہ بناؤں۔ پھر ایسا ہی نتیجہ سامنے آیا۔ اس کی اسٹین گن کا پہلا برسٹ خالی گیا۔ مگر شومئی قسمت سے ریٹا مجھ پر آ گری تھی۔ جب تک میں فائر کرتا۔ دوسرے برسٹ کی گولیاں اسے چھلنی کرتی چلی گئیں۔ میرا نشانہ بھی خالی نہیں گیا۔ لیکن ریٹا زندگی سے خالی ہو گئی تھی۔

میرا لباس اس کے لہو سے بھیگ رہا تھا۔ طیارے کے دوسری طرف عورتوں اور بچوں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ سب ہی فائرنگ کی آواز سن کر خوفزدہ تھے۔ میں نے بڑی آہستگی سے ریٹا کو فرش پر لٹا دیا۔ اس کا چہرہ خاموش اور پرسکون تھا۔ آہ! بیچاری نے میری شناسائی کے لیے اپنی زندگی کی شناخت سے انکار کر دیا تھا۔

آسمانوں پر میزبانی کرنے والی ریٹا! میں تجھے کبھی نہیں بھولوں گا۔

اچانک طیارے کے باہر سے فائرنگ ہوئی۔ میں فرش پر اوندھا لیٹا رہا۔ دروازے سے زینہ منسلک نہیں تھا۔ لہٰذا کسی کے اندر آنے کا خدشہ نہیں تھا۔ باہر سے واسکر کی آواز سنائی دی۔ اس نے کہا۔ "وہاں کیا ہو رہا ہے۔ فرانسس! ریڈی! تم دونوں خاموش کیوں ہو؟"

میں فرش پر لڑھکتا ہوا مردہ فرانسس اور ریڈی کے پاس پہنچا۔ وہاں سے ایک اسٹین گن اٹھائی۔ آہستگی سے اٹھ کر دروازے کی آڑ لی۔ مشعلوں کی روشنی میں واسکر اور اس کے ساتھی نظر آ رہے تھے۔ میں نے اچانک ہی دروازے کے سامنے آ کر اسٹین گن کا ایک برسٹ آن کیا۔ پھر چھلانگ لگا کر دوبارہ دروازے کی آڑ میں پہنچ گیا۔

باہر کتنی ہی چیخیں سنائی دیں۔ روشنی دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مشعل بردار مقامی باشندے بھاگ رہے تھے۔ پھر بھاری بھرکم گاڑیوں کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ دائیں جانب مڑتی ہوئی جا رہی تھیں۔ ہیڈ لائٹس کی گھومتی ہوئی روشنی میں واسکر اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں زمین پر نظر آئیں۔

میں نے دروازے کو آدھا بند کیا پھر دوبارہ کھول دیا۔ تاکہ باہر والے یہی سمجھیں کہ طیارے سے فائر کرنے والا دروازے پر آ گیا ہے۔ پھر وہ فائرنگ کریں گے تو مجھے ان کی موجودگی کا پتہ چلے گا۔ لیکن باہر خاموشی رہی۔ صرف دور جاتی ہوئی گاڑیوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں نے دوسری اسٹین گن اٹھائی۔ پھر وی آئی پی کلاس کا دروازہ کھول دیا۔ شبانہ نے میرے خون آلود کپڑوں کو دیکھ کر ایک چیخ ماری۔ پھر بھاگتی ہوئی میری طرف آنے لگی۔ دوسرے مسافر بھی مجھے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر شبانہ کو روکتے ہوئے کہا۔ "میرے قریب نہ آنا۔ تمہارے لباس پر لہو کے دھبے پڑ جائیں گے۔ اطمینان رکھو۔ میں زخمی نہیں ہوں۔"

میرے منع کرنے کے باوجود وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ "عازم! یہ کیا ہو رہا ہے۔ تم اپنی جان کے دشمن کیوں بن رہے ہو۔ اب میں تمہیں جانے نہیں دوں گی۔"

میں نے کہا۔ "خطرہ ٹل گیا ہے۔ میرے اندازے کے مطابق طیارے کو اغوا کرنے والے سات آدمی مارے گئے ہیں۔ باقی فرار ہو گئے۔"

پھر میں نے بلند آواز سے کہا۔ "دوستو! میرے پاس ایک اسٹین گن فاضل ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ اپنی زندگی داؤ پر لگانا چاہے تو باہر چلے۔ اگر آپ سب خاموش بیٹھے رہے تو فرار ہونے والے دوبارہ متحد ہو کر یہاں آ سکتے ہیں اور ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں۔"

میری آواز پر کتنے ہی لوگ کھڑے ہو گئے۔ دو نوجوان میرے قریب آئے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ "مسٹر! آپ نے ابتدا کی ہے ہم انتہا کریں گے۔ اب آپ کو اپنی وائف کے پاس رہنا چاہیے۔ ہم باہر جائیں گے۔"

دونوں نے میرے ہاتھوں سے اسٹین گن لے لی۔ ایک بوڑھے نے کہا۔ "آخر اس ہنگامے کی کیا ضرورت تھی۔ اغوا کرنے والے ہمیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ وہ چپ چاپ ہمیں ہمارے حال پہ چھوڑ کر جا رہے تھے۔"

میں نے کہا۔ "بڑے میاں! وہ اسمگلر اتنے احمق نہیں ہیں کہ وہ قانون کے محافظوں کے سامنے ان کی شناخت کے لیے ہمیں زندہ چھوڑ جاتے۔ وہ اس جہاز کے ساتھ ہم سب کو تباہ کر دیتے اور یہ ممکن ہے کہ انہوں نے اس مقصد کے لیے یہاں کسی جگہ ٹائم بم رکھ چھوڑا ہو۔"

میری یہ دلیل سنتے ہی سب خوفزدہ ہو کر چیخنے لگے۔ کتنے ہی باہر نکلنے کے لیے دروازے تک آ گئے۔ میں ان دو جوانوں کے ساتھ انہیں روک نہ سکا۔ ان کے سیلاب میں بہتا ہوا وی آئی پی کلاس میں پہنچ گیا۔ کھلے ہوئے دروازے کے پاس آ کر سب رک گئے۔ کیونکہ باہر جانے کے لیے زینہ نہیں تھا۔

کچھ ایسے دہشت زدہ بھی تھے۔ جو ٹائم بم سے ہلاک نہیں ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے اندھا دھند باہر کی طرف چھلانگ لگا دی! ان کے گرنے اور چیخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے ٹارچ روشن کی۔ نیچے پہنچنے والے بے تحاشہ طیارے سے دور بھاگ رہے تھے۔ اس طرح یہ اندازہ ہو گیا کہ باہر دشمن موجود نہیں ہیں۔

شبانہ اس بھیڑ میں بچھڑ گئی تھی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر چھلانگ لگا دی۔ زمین پر پہنچا تو میرے قریب دو چار افراد آ گرے۔ وہ لوگ تقریباً ہوش و حواس میں تھے۔ میں نے کہا۔ "عورتوں

اور بچوں کو فوراً ہی نیچے لانے کا انتظام کرنا ہوگا۔"

ایک جوان نے کہا: "اس کے لیے سیڑھی بنانی ہوگی۔ یا رسّی لٹکا کر انہیں اتارنا ہوگا۔"

ہم تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اتنے میں طیارے کے دروازے سے اسٹیوارڈ کی آواز آئی۔ وہ مسافروں سے کہہ رہا تھا: "آپ لوگ ایک طرف ہو جائیں۔ لگیج روم سے آپ لوگوں کے بستر کھول کر نیچے بچھائے جائیں گے۔ تاکہ آپ لوگوں کو چھلانگیں لگانے کے بعد چوٹ نہ پہنچے۔ ہٹ جائیے۔ پیچھے ہٹ جائیے۔"

پانچ منٹ کے بعد ہی اسٹیوارڈ اور طیارے کا پائلٹ فولڈنگ بستروں کو پھینکنے لگے۔ ہم انہیں کھول کھول کر بچھانے لگے۔ جب بستروں کا بہت ہی دبیز اسٹیج بن گیا تو پہلے بچوں کو نیچے پھینکا گیا۔ پھر عورتیں چھلانگ لگا کر اپنے بچوں کو سمیٹتی ہوئی طیارے سے دور بھاگنے لگیں۔ شبانہ میرے پاس آ گئی۔ آخر میں مردوں نے چھلانگ لگائی۔

طیارہ خالی ہوتا جا رہا تھا۔ لوگ ایک سمت بھاگتے جا رہے تھے۔ سب کے ذہن میں ایک ہی دہشت تھی کہ طیارے میں کہیں ٹائم بم رکھا گیا ہے اور کسی وقت میں قیامت خیز دھماکوں سے اس کے چیتھڑے اڑ سکتے ہیں۔ شبانہ میرے ساتھ دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگی۔ وہ بار بار گرنے لگتی تھی۔ میں سنبھالتا جاتا تھا۔

وہ ایک جگہ تھک ہار کر بیٹھ گئی۔ سانس تیزی سے چل رہی تھی۔ ہانپنے کے باعث منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ اس نے اشارے سے بتایا کہ آگے نہیں بڑھ سکے گی۔

میں نے آس پاس دیکھا۔ اندھیرے میں بہت سی عورتوں اور بچوں کی دھیمی دھیمی آوازیں سنائی دیں۔ سب ہی وہاں نڈھال ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ طیارہ وہاں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ پتہ نہیں ہم بھاگتے ہوئے کتنی دور آ گئے تھے کسی حد تک یہ اطمینان ہو گیا کہ دھماکے سے یہاں نقصان نہیں پہنچے گا۔

اندھیرے میں کسی نے کہا: "اسمگلروں نے ہمیں ایک گھنٹے تک طیارے میں خاموش بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ وہ ایک گھنٹہ گزر چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ٹائم بم نہیں رکھا گیا ہے۔"

کسی عورت نے تائید کی: "ہاں۔ اس عازم نامی شخص نے ہمیں خواہ مخواہ خوفزدہ کیا ہے۔ لعنت ہے اس پر..."

میں نے مسکرا کر کہا: "اگر میں نے خواہ مخواہ وہ بات کہہ دی تھی تو تم طیارے میں واپس جا کر اپنا سامان لے آؤ۔"

میری بات کا کسی نے جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا: "دشمنوں سے کسی بھی دشمنی کی توقع کی جا سکتی ہے۔ میں نے ایک شبہ کے تحت تم لوگوں کو طیارے سے دور پہنچا کر ایک حفاظتی تدبیر کی ہے۔ کوئی جرم نہیں کیا ہے۔"

کتنے ہی لوگ میری تائید کرنے لگے۔ پھر ایک ٹارچ روشن ہوئی۔ اس روشنی میں دور تک مسافر نظر آئے۔ کچھ گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لیٹے ہوئے تھے اور کچھ درختوں سے ٹیک لگائے کھڑے تھے۔ ایک نے پوچھا: "کیا سب یہاں آ گئے ہیں؟"

ایک عورت نے روتے ہوئے کہا: "میرا پانچ برس کا بچہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ رُومی۔ رُومی! تم کہاں ہو؟"

وہ ٹارچ والے کے ساتھ رومی کو تلاش کرنے لگی۔ اتنے میں شرما کی آواز سنائی دی: "میری سیکرٹری نظر نہیں آ رہی ہے۔ واسنا! تم جہاں بھی ہو۔ میری آواز سن کر چلی آؤ۔"

اس کے بعد ایک لڑکی کی آواز سنائی دی: "پپا! تم کہاں ہو۔ میں لوزی تمہیں آواز دے رہی ہوں۔ پپا پپا...."

میں نے کہا: "کچھ لوگ گم ہو گئے ہیں۔ شاید طیارے سے باہر نہیں لائے گئے۔ ہمیں واپس جانا چاہیے۔"

شبانہ نے کہا: "میں تمہیں نہیں جانے دوں گی۔ کہاں ہو تم؟ میرے قریب رہو۔"

وہ تاریکی میں میری آواز کی سمت بڑھی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر دبے قدموں اس سے دور ہوتا چلا گیا۔ وہ قافلے میں تھی۔ میں کچھ دیر کے لیے اسے وہاں چھوڑ سکتا تھا۔ دور اندھیرے میں اس کی آواز سنائی دی: "عازم! تم کہاں ہو؟ آواز کیوں نہیں دیتے؟"

کسی نے ہنستے ہوئے کہا: "لو۔ وہ بھی گم ہو گیا۔"

شبانہ کی غصہ بھری آواز سنائی دی: "ٹارچ روشن کرو۔ وہ ابھی یہاں تھا......"

مجھے ٹارچ کی ہلکی سی روشنی نظر آئی۔ لیکن میں درختوں کے جھنڈ میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔ جب ٹارچ بجھ گئی تو میں پھر بھاگتا ہوا طیارے کی سمت جانے لگا۔ تاریکی میں یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ میں صحیح سمت جا رہا تھا کیونکہ ہم اندھا دھند طیارے سے دور گئے تھے۔ ایک دوسرے کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز نے ہم سب کو ایک مقام پر پہنچایا تھا اور جنگل کی تاریکی میں کسی ایک مقام کو پہچاننا اور یاد رکھنا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔

میں تیزی سے آگے بڑھتا رہا۔ تاریک سناٹے کی طرح کھڑے ہوئے درخت قریب آتے وقت نظر آ جاتے تھے میں ان سے کتراکر آگے بڑھ جاتا تھا ہر لمحہ یہ یقین ہوتا تھا کہ دیوہیکل طیارہ ذرا دور سے نظر آ جائے گا۔

بہت دیر بعد اپنی حماقت کا احساس ہوا۔ مجھے پہلے سمجھ لینا چاہیے تھا کہ درختوں کے جھنڈ میں طیارہ لینڈ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تو ایسے میدانی علاقہ تھا۔ جہاں ہم نے طیارے کو چھوڑا تھا اور میں بیچ در بیچ

درختوں کے درمیان سے گزرتا جا رہا تھا۔ میں نے ایک جگہ ٹھہر کر دیکھا۔ مشرق کی سمت افق پر ہلکی سی لالی نظر آ رہی تھی۔ کسی دم صبح ہونے والی تھی۔ میں نے چاروں طرف گھوم کر آواز دی۔ "رومی۔ رومی..... واسنا واسنا....."

میری آواز دور تک گونج گئی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ میں ایک درخت سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ تب میری چھٹی حس نے کہا کہ جنگل خاموش نہیں ہے۔ قریب ہی کہیں خطرے کی آہٹ ہے۔ جسے میں محسوس تو کر سکتا تھا مگر خطرے کی سمت کا تعین نہیں کر سکتا تھا۔ کھلی جگہ بھاگ کر اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔

میں فوراً بیٹھ گیا۔ پھر زمین پر لیٹ کر آہستہ آہستہ رینگنے لگا جہاں کسی نے میری بو سونگھ لی تھی۔ وہ جگہ چھوڑ دینا ہی دانشمندی تھی۔ ویسے اس وقت خطرہ کہاں نہیں تھا؟ جنگل میں سانپ بھی تو ہوتے ہیں وہ بھی میری طرح پیٹ کے بل رینگتے ہوئے مجھ پر حملہ کر سکتے تھے۔ زمین سے اٹھ کر میں کسی دشمن کا ٹارگٹ نہیں بننا چاہتا تھا۔

میں ٹھہر ٹھہر کر پیٹ کے بل رینگتا ہوا ذرا دور نکل آیا۔ آسمان کا مشرقی کنارہ کچھ واضح ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر میں سویا ہوا جنگل جاگنے والا تھا۔ پھر میں اپنی روپوشی برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ یہی خدشہ میرے نادیدہ دشمن کو بھی تھا کہ وہ چھپ کر حملہ نہیں کر سکے گا۔ اسی لیے طویل انتظار سے جھنجھلا کر اس نے آواز دی: "یو ڈیم فول! تم کہاں مر گئے ہو؟ آواز دو۔ ورنہ میں اس عورت اور بچے کو گولی مار دوں گا۔"

میں نے اطمینان کی سانس لی۔ عورت اور بچے کہنے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ وہ واسنا اور رومی کے متعلق کہہ رہا ہے۔ بہت دیر پہلے میں نے ان دونوں کا نام لے کر آواز دی تھی۔ مجھے للکارنے والا سمجھ گیا تھا۔ کہ میں ان دونوں کی تلاش میں آیا ہوں۔ اسی لیے انہیں گولی مار دینے کی دھمکی دے رہا تھا۔

خوش قسمتی سے وہ میرے بالکل قریب تھا ہمارے درمیان موٹے تنے کا ناریل کا درخت کھڑا ہوا تھا۔ میں بڑی آہستگی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے ہلکی سی سسکی سنائی دی۔ پھر ایک مردانی آواز سرگوشی میں ابھری: "اسے اسے چپ کراؤ۔ ورنہ شوٹ کر دوں گا۔"

واسنا کی دھیمی سی آواز سنائی دی: "تم بار بار دھمکی دے کر بچے کو خوفزدہ کر رہے ہو۔ میں اب بھی کہتی ہوں۔ ہمیں تلاش کرنے والا جا چکا ہے۔ بھگوان کے لیے ہمیں جانے دو۔"

"بکواس مت کرو۔" مرد کی آواز آئی۔ "میں نے اس کے قدموں کی آواز نہیں سنی ہے۔ وہ واپس نہیں گیا ہے۔"

میں نے سر کو ذرا بائیں جھکا کر درخت کی آڑ سے دیکھا۔ آفتاب کی پہلی کرن بھی ہمیں دیکھنے لگی۔ بالکل ہی ہلکی سی روشنی تھی، جو تاریکی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے واسنا نظر آئی۔ وہ درخت سے دو قدم کے فاصلے پر رومی کو گود میں اٹھائے کھڑی تھی۔

اسی وقت درخت کے پیچھے سے ایک ریوالور والا ہاتھ آگے بڑھا۔ وہ درخت کے دوسری جانب دیکھنے کے لیے جھک رہا تھا۔ میں نے یکبارگی اس کی کلائی کو مضبوطی سے گرفت میں لے کر اوپر کی طرف جھٹکا دیا۔ ٹھائیں کی آواز کے ساتھ گولی چلی۔ درختوں کے پرندے شور مچاتے ہوئے اڑنے لگے۔

ٹھائیں...... دوسری فائرنگ کے ساتھ ہی میں نے ریوالور والے ہاتھ کو موڑ کر اسے گرفت میں لیا لیکن اسے اٹھا کر پھینکنے سے پہلے معاف کر دیا۔ کیونکہ وہ بوڑھا اور کمزور تھا۔ ریوالور آسانی سے میری گرفت میں آ گیا تھا۔ میں نے اسے ہولے سے دھکا دیا تو وہ گھاس پر گر پڑا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ وہی بوڑھا تھا جس نے طیارے میں مجھ پر اعتراض کیا تھا۔ کہ اسمگلروں کو گولیوں کا نشانہ بنا کر مجھے ہنگامہ نہیں کھڑا کرنا چاہیے تھا۔

وہ سہم کر گھاس پر سے اٹھتے ہوئے بولا: "مجھے مت مارنا۔ میں دشمن نہیں ہوں۔"

میں نے پوچھا: "کیا تم لوزی کے پپا ہو؟"

"ہاں۔ میں وہی ہوں۔ مجھے نہ مارو۔ نہیں تو میری بیٹی میرے غم میں مر جائے گی۔"

میں نے واسنا کی جانب دیکھا۔ صبح کا اجالا بالغ ہو کر اس کے بدن سے لپٹ رہا تھا۔ وہ رومی کو گود سے اتار کر اپنی ساڑھی درست کر رہی تھی اور مجھے احسانمندی سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پلٹ کر بوڑھے سے پوچھا: "تمہارا نام کیا ہے؟"

"وائن لیڈگر۔" اس نے کہا۔

"تم اپنی بیٹی کو چھوڑ کر واسنا اور رومی کو کہاں لے جا رہے تھے؟"

"کہیں نہیں۔ ہم راستہ بھٹک گئے تھے۔"

واسنا آگے بڑھ کر بولی: "یہ جھوٹ کہتا ہے۔ میں طیارے سے کودنے کے بعد مسٹر شرما کو تلاش کر رہی تھی لیکن وہاں سب لوگ ٹائم بم سے خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ میں اسے اٹھا کر بھاگنے لگی۔ مگر ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ تب یہ بوڑھا وائن میرے پاس آیا۔ یہ سب سے آخر میں طیارے سے اترا تھا۔ سب لوگ جا چکے تھے۔ اس نے اندھیرے میں میری ساڑھی کو چھو کر کہا۔

"اچھا تو تم وہی ہندوستانی لڑکی ہو؟"

"ہاں۔ یہ بچہ اپنے ماں باپ سے بچھڑ گیا ہے۔ اسے اٹھا کر لے چلو۔"

یہ بچے کو اٹھا کر تیزی سے چلنے لگا۔ میں نے کہا: "بھاگو۔ یہاں کسی وقت بھی ٹائم بم کا دھماکہ ہو سکتا ہے"۔

یہ ہنستے ہوئے بولا: "یہ سب بکواس ہے۔ آرام سے چلو۔"

لیکن میں اور تیزی سے چلنے لگی اور اس کے ہاتھ پکڑ کر کہا۔ "تنہا آگے بڑھو گی تو اس جنگل کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاؤ گی میں یہاں کے راستے جانتا ہوں"۔

"کیسے جانتے ہو؟"

"میں یہاں کئی بار آچکا ہوں۔ یہاں کے باشندے بھی مجھے پہچانتے ہیں"۔

داسنا کی باتیں سن کر میں نے وائن ایڈگر سے کہا۔ "ایسے وقت جبکہ سب ہی خوفزدہ ہو کر بھاگ رہے تھے۔ تم سب سے آخر میں اطمینان سے طیارے کے باہر آئے۔ تمہیں کیسے یقین ہوا کہ وہاں ٹائم بم نہیں رکھا گیا ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "بس یونہی میں نے سوچا کہ اسمگلر اس طیارے کو ٹائم بم سے تباہ کریں گے تو دھماکوں کی آواز اور لپکتے ہوتے شعلے دور تک جائیں گے۔ پھر وہ فرار ہونے سے پہلے ہی پکڑے جائیں گے۔ لہٰذا وہ طیارے میں ٹائم بم رکھنے کی حماقت نہیں کر سکتے"۔

میں نے پوچھا۔ "یہاں کے باشندے تمہیں کس طرح پہچانتے ہیں"۔

"میں یہاں سے ناریل ایکسپورٹ کیا کرتا تھا۔ اس لیے مقامی باشندوں سے واقفیت ہے۔ ابھی تم میرے ساتھ چلو۔ میں تم سے تعارف کراؤں گا"۔

مجھے شبہ ہوا کہ وہ باتیں بنا رہا ہے۔ وہ کوالالمپور یا دریا نگ جیسے ملایا کے شہر میں بیٹھ کر بزنس کر سکتا تھا۔ اس دور افتادہ جنگل میں غیر مہذب لوگوں میں آکر کاروبار کرنے والی بات کو ذہن تسلیم نہیں کر رہا تھا۔ میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی۔ میں داسنا کی طرف پلٹ کر باتیں کرتے ہوتے ریوالور کے چیمبر کو خالی کرنے لگا۔ میری پشت بوڑھے وائن کی طرف تھی۔ میں نے پوچھا۔ "داسنا! کیا خیال ہے؟ کیا ہمیں وائن کے ساتھ مقامی باشندوں کی بستی میں جانا چاہیے؟"

وہ بڑی محبت اور عقیدت سے مجھے دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم ذہین بھی ہو۔ اور دلیر بھی۔ اتنے سارے مسافروں میں کوئی ہماری تلاش کے لیے نہیں نکلا۔ میں کس منہ سے تمہاری تعریف کروں ---؟"

میں نے داسنا کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس ریوالور سے خوفزدہ ہو۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔ میں اسے یہیں پھینک دیتا ہوں"۔

میں نے ریوالور کو دور پھینکتے ہوئے کہا۔ "چلو وائن! بستی تک ہماری رہنمائی کرو"۔

وہ ہمارے پیچھے آگے بڑھا۔ پھر چند قدم چلنے کے بعد اچانک ہی پلٹ کر بھاگتا ہوا ریوالور کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ اس نے ریوالور تان کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اس بستی میں نہیں، جہنم میں --- پہنچاؤں گا۔"

میں نے سہم کر کہا۔ "مم۔ مسٹر وائن! مم۔ مگر تم مجھے مارنا کیوں چاہتے ہو؟"

وہ دانت پیس کر بولا۔ "مرنے سے پہلے سن لو کہ میں اسمگلروں کا باس ہوں۔ ریٹا جس باس کو جانتی تھی، وہ میرا پارٹنر ہے۔ یہ میری پلاننگ تھی کہ میرے ماتحت مجھے مسافروں کے درمیان چھوڑ کر جائیں گے۔ پہلے وہ تمام مال کو ایک محفوظ مقام تک پہنچائیں گے۔ اس وقت تک اگر تمام مسافر بغاوت پر اتر آئیں یا طیارے سے نکل پڑیں تو میں ان کے ساتھ رہ کر اپنے لوگوں کو خفیہ پیغام پہنچاؤں گا۔ تاکہ وہ تم سب کو اس جنگل میں گھیر کر مارتے رہیں اور چشم دید گواہوں کو مٹاتے رہیں۔

میں نے پوچھا۔ "پھر تو تمہیں ان مسافروں کے پاس جانا چاہیے تھا۔ داسنا اور روحی کے ساتھ ادھر کیوں آگئے؟"

"ہی ہی ہی"۔ وہ ہنستے ہوئے داسنا کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس کی جوانی پہ دل آگیا ہے۔ تمہارے آنے سے پہلے میں زبردستی کر رہا تھا۔ مگر یہ قابو میں نہیں آرہی تھی۔ ایسے ہی وقت مجھے احساس ہوا کہ ہمارے قریب کوئی ہے۔ پھر تمہارے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ کوئی بات نہیں۔ اب تمہاری موت کے بعد میرے ارمان پورے ہو جائیں گے"۔

یہ کہتے ہی اس نے ریوالور کے ٹریگر کو انگلی سے دبایا۔ کھٹ کی آواز ہوئی۔ مگر گولی نہ چلی۔ میں نے آگے ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی کھول دی۔ میری ہتھیلی پر چار کارتوس رکھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا۔ "بیوقوف بڈھے! اگر میں یہ چال نہ چلتا تو تم اپنی زبان سے اپنا پول نہ کھولتے۔ لاؤ۔ ریوالور واپس کر دو"۔

اس نے پتھر مارنے کے انداز میں ریوالور کھینچ کر مارا۔ پھر ایک سمت بھاگنے لگا۔ میں نے کارتوس پھینک کر اس کے پیچھے دوڑ لگائی۔ "رک جاؤ وائن! میں تمہاری بیٹی کے پاس تمہیں زندہ واپس لے جاؤں گا۔

لیکن وہ بے تحاشا بھاگتا جا رہا تھا۔ اس کے دوڑنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس جنگل کے چپے چپے سے واقف ہے۔ اور جنگلی باشندوں کی طرح اونچے نیچے راستوں پر دوڑتے رہنے کا عادی ہے۔ وہ کمبخت برابر فاصلہ رکھ کر بھاگ رہا تھا۔ اگر مجھے اس کی تیزی اور طراری کا علم ہوتا تو میں اسے دھمکی دینے کے لیے ریوالور ضرور ساتھ لاتا۔ [illegible] نے خواہ مخواہ اسے دھمکی دی۔ "رک جاؤ۔ ورنہ فائر کر دوں گا۔" بڈھا چالاک تھا۔ دھمکی میں نہیں آیا۔ اب میں اسے بڈھا نہیں کہوں گا کیونکہ وہ جوانوں کی طرح دوڑ لگا رہا تھا۔ بلکہ جوانوں سے زیادہ پھرتی دکھا رہا تھا۔

یقیناً اس کی کوئی منزل ہوگی۔ اس لیے وہ بے تکان منہ اٹھائے بھاگتا جا رہا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر اچانک ہی اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی جیسے کوئی نالہ پھلانگ رہا ہو۔ حالانکہ وہاں صرف گھاس پھوس کا ڈھیر تھا۔ چھلانگ لگاتے ہی وہ گر پڑا۔ میں اسے پکڑنے کی دھن میں تھا۔ اس لیے اس کی چھلانگ کے مقصد پر غور نہ کر سکا۔ سیدھا دوڑتا

چلا گیا۔ تب اچانک ہی میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

بے اختیار میرے حلق سے ایک چیخ نکلی میں گہری پستی میں گرتا ہوا ایک گڑھے کی تہہ میں پہنچ گیا۔ گڑھے کی تہہ پتھریلی نہیں تھی۔ پھر بھی میری ہڈیاں دکھنے لگیں۔ آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ تب سمجھ میں آیا کہ جانوروں کو یا دشمنوں کو شکار کرنے کے لیے جنگلی باشندے اسی طرح گڑھے کھود کر اوپر سے گھاس پھوس بچھا دیتے ہیں۔

میں نے ایسی جنگلی تدبیریں کتابوں میں پڑھی تھیں یا فلموں میں دیکھی تھیں۔ اب خود ایسے ایک گڑھے میں گر کر قید ہو گیا تھا۔ میں نے سر کو جھٹک کر اوپر کی جانب دیکھا۔ وائن گڑھے کے کنارے سے جھانکتے ہوئے ہانپ رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا۔ "الو کے پٹھے! میں ساری دنیا کی پولیس کو نچاتا ہوں۔ تم کس کھیت کی مولی ہو۔ اب یہاں آرام سے پڑے رہو۔ میرے ماتحت کسی وقت یہاں آکر تمہیں ٹھکانے لگا دیں گے"۔

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے اسے آواز دی۔ "وائن! میری بات سنو۔ مجھے دشمنی پر مجبور نہ کرو"۔

اس کی آواز سنائی دی۔ "دشمنی اور کسے کہتے ہیں؟ تم نے میرے چھ بہترین آدمیوں کو ہلاک کیا۔ اب میرے آدمی تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

اس کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔ میں نے اسے پھر آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں داسنا کو پکارنے لگا۔ وائن کا تعاقب کرتے ہوئے پتہ نہیں میں کتنی دور آکر پھنس گیا تھا۔ میں اس امید سے پکار رہا تھا کہ جنگل میں دور تک آواز گونجتی چلی جاتی ہے۔

میں پکارتے پکارتے تھک گیا۔ بے بس ہو کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اپنی قبر میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اس گڑھے کی چوڑائی تقریباً چھ فٹ اور گہرائی پندرہ فٹ تھی۔ میں پندرہ فٹ کی بلندی تک اچھل کر گڑھے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ اگر چاقو یا کوئی اور آہنی ہتھیار ہوتا تو اس سے آس پاس کی دیواروں کو ذرا کھود کر اوپر چڑھنے کی تدبیر کر سکتا تھا لیکن میں بالکل ہی نہتا تھا۔

میں اٹھ کر چاروں طرف کی دیواروں کو ٹٹولنے لگا۔ جانور گڑھے میں گرنے کے بعد بالکل میری طرح چاروں طرف گھومتے ہوں گے۔ اور راستہ نہ پا کر دیواروں سے سر ٹکراتے ہوں گے۔ میں دیواروں پر ہاتھ مار رہا تھا۔ وہ سخت مٹی کی دیواریں تھیں۔ انہیں ریت یا گیلی مٹی کی طرح انگلیوں سے کھودا نہیں جا سکتا تھا۔ میں پریشان ہو کر پھر بیٹھ گیا۔

وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا۔ داسنا نے یقیناً مجھے تلاش کیا ہوگا۔ اور راستہ بھٹک گئی ہوگی۔ اتنی دور چلی گئی ہوگی کہ میری آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ سکی ہوگی۔ میں اپنے طور پر سوچ رہا تھا۔ باہر کی دنیا کی خبر مجھے نہیں تھی۔ قبر کی دنیا میں میری ذہانت کام نہیں آرہی تھی۔ تجربہ ہو رہا تھا کہ قبر میں پہنچ کر انسان واپس آنے کی تدبیر نہیں کر سکتا۔

تقریباً پانچ گھنٹے گزر گئے۔ باہر تیز دھوپ کی جھلک دکھائی دے رہی تھی۔ اس دھوپ کے باوجود گڑھے میں ٹھنڈک تھی۔ اور اب مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں پھر اٹھ کر بے چینی سے سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ صرف آسمان نظر آرہا تھا۔ میری پریشانی بڑھنے لگی --- وائن ایڈگر کہہ گیا تھا کہ اس کے ماتحت یہاں آکر مجھے ہلاک کر دیں گے۔ وہ مقامی باشندوں کی بستی میں پہنچ گیا ہوگا۔ اور اپنے آدمیوں کے ساتھ واپس آرہا ہوگا۔ کاش کہ وہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی تدبیر سمجھ میں آسکتی۔

کتنی ہی پریشانیوں نے ایک ساتھ گھیر لیا تھا۔ شبانہ کو چھوڑ کر آتے وقت میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ کہ اس طرح گڑھے میں آگروں گا۔ پتہ نہیں وہ کس حال میں ہوگی۔ مجھے عازم سمجھ کر پیار کرنے والی میرے انتظار میں بھوکی رہ سکتی ہے۔ میں تصور میں اسے پریشان دیکھ رہا تھا۔

اب کیا ہونے والا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا۔ بس ہر لمحہ دشمنوں کی آمد کا دھڑکا لگا تھا۔ ایسی موت کے تصور ہی سے ذلت کا احساس ہو رہا تھا کہ مجھے چوہے کی طرح اس چوہے دان میں قید کر کے آسانی سے مارا جائے گا۔

میں جھنجھلا کر انگلیوں سے دیوار کو نوچنے کھسوٹنے لگا۔ اچھل اچھل کر اندازہ کرنے لگا کہ کتنی اونچائی تک پہنچ سکتا ہوں۔ میں اپنے قد کی مناسبت سے گڑھے کی تہہ سے آٹھ فٹ کی بلندی تک جا سکتا تھا۔ باقی سات فٹ کی بلندی منہ چڑا رہی تھی۔

اچھلنے کودنے کے باعث بھوک اور بڑھ گئی۔ میں سوچنے لگا۔ کیا میں وہی فرہاد علی تیمور ہوں جو ہمیشہ موت سے پنجے لڑاتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ آج کیا ہو گیا؟ کیا خیال خوانی کی کمی نے مجھے ایک حقیر کیڑا بنا دیا ہے؟

نہیں، ہماری دنیا میں ہزاروں ایسے انسان ہیں، جو ٹیلی پیتھی کے بغیر اپنے عزم و ہمت اور ذہانت سے قدم قدم پر مصائب کو شکست دیتے ہیں۔ مجھے ایسا ہی ایک مثالی انسان بننا چاہیے۔

میں نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ "خدایا! میں تجھ سے کیا مانگوں۔ اپنی آزادی؟ اپنی ذہانت؟ اپنے علم کی واپسی؟ اپنے چاہنے والوں کی خیریت؟ یا اپنے پیٹ کے لیے کھانا؟ میں کیا مانگوں؟ تو سنتا ہے تو مانگنے سے پہلے ہی دے دیتا ہے . . . ."

میں زیر لب دعا مانگ رہا تھا کہ اوپر آس پاس کے درختوں

آیا تھا۔ دوپہر کے دو بجے میں نے ہیلی کاپٹر کی آواز سنی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر صرف آسمان نظر آرہا تھا۔ ہیلی کاپٹر کی آواز کبھی قریب آتی تھی اور کبھی دور ہو جاتی تھی۔ وہ ہیلی کاپٹر یقیناً گم شدہ طیارے کی تلاش میں آیا ہوگا۔ میں قمیص اتار کر اوپر کی طرف اچھالنے لگا۔ وہ قریب سے گزرتے وقت میرے اس سگنل کو دیکھ سکتے تھے۔ لیکن تقدیر جب بے بسی کا مذاق اڑانے پر تل جائے تو کوئی تدبیر کام نہیں آتی۔ آدھ گھنٹے بعد ہیلی کاپٹر کی آواز ختم ہو گئی۔

میں نے وہ خون آلود قمیص ایک طرف پھینک دی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ دوسرے مسافروں نے ہیلی کاپٹر کو سگنل کیوں نہیں دیا؟ یا پھر ہیلی کاپٹر والوں کو وہ دیوہیکل طیارہ نظر کیوں نہیں آیا؟ کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ آخر باہر کیا ہو رہا ہے؟

میری تو یہ حالت تھی کہ کبھی کھڑا ہو رہا تھا کبھی بیٹھ رہا تھا۔ اور میں کر بھی کیا سکتا تھا؟ جھنجھلاہٹ ختم ہو گئی تھی۔ سنجیدگی سے ایک بات ذہن میں تھی کہ اس گڑھے میں یا تو مر جانا ہے۔ یا پھر دو فٹ کا آخری فاصلہ کسی طرح طے کرنا ہے۔

آہستہ آہستہ وقت گزرتا جا رہا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ اس وقت کہیں دور بہت دور سے ہلکی ہلکی فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ ایک طویل انتظار کے بعد اس جنگل میں انسانوں کی موجودگی کا پتہ چلا۔ لیکن آواز اتنی دور تھی کہ وہاں تک میری آواز نہیں جا سکتی تھی۔ پھر بھی میں نے چیخنا شروع کیا۔ میری توقع کے مطابق کسی نے میری چیخ و پکار نہیں سنی۔

آدھ گھنٹہ اور گزر گیا۔ تب مجھے دھپ دھپ کی آواز سنائی دی جیسے کوئی گھاس پر دوڑ رہا ہو۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "کون ہے؟ میری آواز سنو۔ میں یہاں گڑھے میں ہوں۔ مجھے یہاں سے نکالو...."

دھپ دھپ کی آواز تھم گئی۔ گڑھے کے کنارے کوئی زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ بھاگتے رہنے کے باعث ہانپ رہا تھا۔ پھر مجھے سیاہ اور اودے رنگ کا بلاؤز اسکرٹ نظر آیا۔ میں نے چیخ کر آواز دی۔ "شبانہ....."

وہ گڑھے کے کنارے گر پڑی تھی۔ اور بری طرح ہانپتی ہوئی گڑھے کے اندر میری طرف ہاتھ بڑھا رہی تھی۔ اشارتاً کہہ رہی تھی "مجھے اپنے پاس بلا لو"

"نہیں شبانہ! ادھر نہ آنا۔ حوصلہ کرو۔ تم مجھے یہاں سے نکال سکتی ہو۔"

میری بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ گڑھے کے کنارے دونوں ہاتھ رکھ کر لٹک گئی۔ پھر وہاں سے کود کر مجھ پر آئی۔ میں اسے سنبھالتا ہوا گڑھے کی تہہ میں بیٹھ گیا۔ وہ مجھ سے لپٹ کر ہانپنے لگی۔

چونکہ بری طرح سہمی ہوئی تھی۔ اس لیے میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ چپ چاپ اپنے سینے پر اس کی ہانپتی ہوئی جوانی کے دھماکوں کو محسوس کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد دور کسی مرد کی آواز سنائی دی۔ "اے تم کہاں ہو؟"

وہ سہم کر مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اسے چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ دوسری بار آواز آئی۔ "تم مجھ سے چھپ نہیں سکو گی۔ کسی درخت کے پیچھے ہو تو سامنے آجاؤ۔"

میں شبانہ کے ساتھ دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ اوپر گڑھے کے کنارے گھاس پھوس کے تنکے لٹکتے نظر آرہے تھے۔ شبانہ کا تعاقب کرنے والا کسی بھی لمحہ وہاں پہنچ کر ہمیں دیکھ سکتا تھا۔ شبانہ یقیناً اس سے چھپنے کے لیے گڑھے میں کود پڑی تھی۔ ورنہ اسے اتنی سمجھ تھی کہ مجھے وہاں سے نکالنے کی تدبیر کر سکتی تھی۔

ہم دم سادھے دیوار سے لگے کھڑے رہے۔ میں سوچتا رہا کہ آنے والے سے کس طرح نمٹنا چاہیے۔ میں نے شبانہ کے کان میں سرگوشی کی "کیا وہ مسلح ہے؟"

وہ میرے کان میں بولی۔ "اس کے پاس ایک پستول ہے۔"

مجھے رینا کا پستول یاد آیا۔ میں نے اس پستول سے طیارے میں دو اسمگلرز کو ہلاک کیا تھا۔ پھر اسے پھینک کر اسٹین گن اٹھائی تھی یقیناً اس پستول کو کسی نے اٹھا کر رکھ لیا تھا۔ جو کچھ بھی ہو۔ میں گڑھے کی تہہ میں رہ کر اس پستول والے سے نمٹ نہیں سکتا تھا۔

بہت دیر ہو گئی۔ گڑھے کا کنارہ ویران رہا۔ وہاں کوئی نہیں آیا۔ میں نے شبانہ سے پوچھا۔ "جب تم بھاگی آرہی تھیں تو کیا یہ گڑھا نظر آیا تھا؟"

"نہیں۔ دور تک گھاس بچھی ہوئی نظر آرہی تھی۔ تمہاری آواز سن کر قریب آئی۔ تب یہ گڑھا نظر آیا۔"

میں نے اطمینان کی سانس لے کر کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تمہیں تلاش کرتے دوسری طرف چلا گیا ہے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" وہ میرے سینے پر سر رکھ کر بولی۔ "تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے؟ کیا مجھ سے بیزار ہو؟"

"نہیں شبانہ! جب مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے قافلہ میں ردی اور واسا نہیں ہیں تو میں ان کی تلاش میں چلا گیا۔ تم سے اجازت لیتا تو تم جانے نہ دیتیں۔ اور میں اپنی فطرت سے مجبور رہوں۔ کسی کو اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر تمہارے ساتھ سکون سے نہیں رہ سکتا تھا۔"

"مجھے اسی بات کا دکھ ہے کہ تمہارے دل میں دوسروں کا درد ہے۔ دوسروں کے لیے تم اس مصیبت میں آ پھنسے ہو۔ آخر تمہیں کیا حاصل ہوا؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں نے واسا اور ردی کو ڈھونڈ نکالا تھا۔

میں شور سنائی دیا۔ میں چیخ چیخ کر آوازیں دینے لگا۔ "واسا! شبانہ! شرما....."

اچانک یوں لگا جیسے دشمنوں نے گولے پھینکنے شروع کر دیتے ہوں۔ میں دیوار سے چپک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک گولہ میری کمر پر اور دوسرا گولہ میری ٹانگ پر آ کر لگا۔ میں نے گھما کر دیکھا تو جیسے حضرت موسیٰ کی تاریخ دہرائی جا رہی ہو۔ خداوند کریم کو میری ایک دعا پسند آگئی تھی۔ آسمان سے من و سلویٰ اتر رہا تھا۔ تین عدد بڑے بڑے ناریل میرے قریب پڑے ہوئے تھے۔

میں تھوڑی دیر تک دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔ اندیشہ تھا کہ اور گولے پھینکے جائیں گے۔ جب دیر تک خاموشی رہی تو میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ پندرہ فٹ کی بلندی پر گڑھے کے کنارے ڈارون کے باپ دادا کھڑے ہوئے مجھے دیکھ رہے تھے۔

بندر کے ہاتھ میں ناریل والی بات تھی۔ مجھے تماشہ سمجھ کر دیکھنے والے بندروں نے درختوں سے ناریل توڑ کر میری طرف پھینکا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے ہم چڑیا گھر میں بندروں کے پنجرے میں کھانے کی چیزیں پھینکتے ہیں۔ آج وہ جانور بڑی فراخدلی سے انسان کے پنجرے میں کھانا پہنچا رہے تھے۔

میں نے مسکرا کر انہیں دیکھا۔ وہ سب دانت نکال کر کھیلنے لگے۔ میں دونوں ہاتھ اٹھا کر اچھلنے لگا۔ انہیں سمجھانے لگا کہ میں باہر آنا چاہتا ہوں۔ وہ بھی گڑھے کے کنارے اچھلنے لگے۔ میں نے سر کھجاتے ہوئے سوچا۔ یہ بندر ہیں۔ صرف نقل اتاریں گے۔ وہ بھی سر کھجا کر میری طرف دیکھنے لگے۔

میں مجبور ہو کر بیٹھ گیا۔ پہلے پیٹ کی آگ بجھانا ضروری تھا۔ میں ایک ناریل پر دوسرے ناریل کو مار کر توڑنے لگا۔ تھوڑی دیر میں ڈاب (ناریل) کے چھلکے اتنے کمزور ہو گئے۔ کہ میں انہیں انگلیوں سے نوچ کر الگ کرنے لگا۔ میں بار بار اوپر بھی دیکھتا جاتا تھا۔ ایک بار ایک بندر گڑھے کے کنارے اپنی لانبی سی دم لٹکا کر بیٹھ گیا۔ جیسے مجھے باہر نکالنے کے لیے رسی لٹکا رہا ہو۔

میں فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ حماقت ہی تھی۔ میں بندر کی دم پکڑ کر اوپر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ وہ میرا وزن کیا سنبھالتا، خود ہی نیچے آجاتا۔ پھر یہ کہ دم لٹکنے کے باوجود وہ میری پہنچ سے دور تھی تاہم میں اپنی احمقانہ حرکتوں سے انہیں سمجھانا چاہتا تھا کہ میں لٹکنے والی کوئی بھی چیز تھام کر اوپر آنا چاہتا ہوں۔

اس خیال سے میں دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے دم کی طرف اچھلا۔ اگرچہ وہ بہت دور تھی۔ لیکن اس بدمعاش نے اپنی دم موڑ کر اوپر اٹھالی۔ میری طرف منہ گھما کر ہنسا پھر اپنی دم سیدھی کر دی جیسے چیلنج کر رہا ہو۔ آؤ ہمت ہے تو میری دم پکڑ لو۔

میں جھنجھلا کر بیٹھ گیا۔ ڈاب کا اندرونی حصہ توڑ کر پہلے میں نے ٹھنڈا میٹھا پانی پیا۔ پھر ناریل کھرچ کر کھانے لگا۔ وہ سب کنارے بیٹھے جائزہ لے رہے تھے۔ کہ اگر تمام انسانوں کو اسی طرح کٹہروں میں بند کر دیا جائے تو وہ کھاتے پیتے وقت جانور نظر آئیں گے یا انسان ہی رہیں گے۔ مجھے تو وہ اسی انداز میں سوچنے والے فلسفی نظر آ رہے تھے۔

میرا پیٹ بھر گیا۔ جھنجھلاہٹ ختم ہو گئی۔ میں نے سر اٹھا کر احسانمندی سے بندروں کو دیکھا۔ یوں تو رزق خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ مگر مجھے یہ بات ہمیشہ یاد رہے گی کہ کبھی جانوروں نے مجھ تک کھانا پہنچایا تھا۔ میں ناریل کے چھلکوں کو سمیٹ کر اوپر پھینکنے لگا۔ بندر بھاگ گئے۔ ناریل کا اندرونی چھلکا لکڑی کی طرح سخت ہوتا ہے۔ میں اسے ہاتھ میں لے کر دیوار کو آہستہ آہستہ کھودنے لگا۔

دیوار کی مٹی گرنے لگی۔ میں وہاں دونوں ہاتھ رکھ کر اوپر کی جانب اٹھ سکتا تھا۔ لیکن مٹی ملائم نہیں تھی۔ ہاتھ رکھنے کی پہلی جگہ بننے سے پہلے ہی ناریل کا چھلکا ٹوٹ گیا۔ میں نے دوسرا چھلکا اٹھا کر کھودنا شروع کیا۔ اگر میں دو یا تین فٹ کے فاصلہ پر اسی طرح ہاتھ رکھنے کی جگہ، بلندی تک کھودتا چلا جاتا۔ تو اس گڑھے سے نکلنا آسان ہو جاتا۔

لیکن ناریل کے چھلکے ٹوٹتے جا رہے تھے۔ جب میں نے دس فٹ کی بلندی تک پہنچنے کے لیے کھدائی مکمل کر لی۔ تو اس وقت تک تمام چھلکے ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکے تھے۔ میں نے انہیں اٹھا کر گڑھے سے باہر پھینک دیا۔ کیونکہ وہ کسی طرح بھی کام نہیں آسکتے تھے۔

ایک بار میں پھر تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اب میں پہلے کی طرح مایوس نہیں تھا۔ سر اٹھا کر دس فٹ کی بلندی تک کھدے ہوئے ہتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد صرف پانچ فٹ کی اونچائی رہ جاتی تھی۔ اگر میں پوری طرح ہاتھ اٹھاتا تو اوپر کنارے کو تھامنے کے لیے دو فٹ کا فاصلہ رہ جاتا۔

اگرچہ اتنا سا فاصلہ بظاہر کچھ نہ تھا۔ مگر جن کے آگے لب بام پہنچنے کے لیے ایک بالشت کا فاصلہ بھی رہ جائے تو اس وقت وہ قیامت کا فاصلہ ہوتا ہے۔ کیسی بے بسی تھی کہ میں دو فٹ کا فاصلہ طے نہیں کر سکتا تھا۔ تمام بندر بھی غائب ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں آواز دی۔ "ارے اوڈارون کے رشتے دار — کہاں چلے گئے۔ دو چار ناریل اور پھینک دو۔ خدا تمہارا بھلا کرے گا۔"

میری آواز پر کوئی نہ آیا۔ انسان ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر جانوروں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ ایسا اس بات پر حیرانی تھی۔ کہ دشمن بھی مجھے ہلاک کرنے نہیں آرہے تھے۔ آدھا دن تو گزر رہی چکا تھا۔ پتہ نہیں وائن ایڈگر بستی میں جا کر خاموش کیوں بیٹھ گیا تھا۔ کم از کم وہی میری موت کا سامان کرنے آتا تو میں کسی تدبیر سے زندگی کا سامان کر لیتا۔ قسمت کی ستم ظریفی کہ دشمنوں کا سہارا بھی چھوٹ

لیکن وائن ایڈگر مجھے دھوکے سے اس گڑھے میں گرا کر چلا گیا۔ شبانہ نے پوچھا۔ "پھر وہ تمہیں ہلاک کرنے واپس کیوں نہیں آیا؟"

"میں کیا جانوں۔ میں تو صبح سے یہاں پڑا ہوں۔ اب ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ دیکھو میں تمہیں کاندھے پر چڑھا کر دس فٹ کی بلندی تک جا سکتا ہوں۔ تمہارا قد پانچ فٹ ہے۔ تم آسانی سے باہر جا کر میرے لیے کوئی رسی یا لکڑی یا کوئی آہنی چیز تلاش کر سکتی ہو۔"

"میں باہر نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھے دیکھ لے گا۔"

"وہ جا چکا ہے۔"

وہ بولی۔ "مگر باہر اور بھی لوگ ہیں۔ وہ اسمگلر ایک ایک کو چن چن کر قتل کر رہے ہیں۔"

"قصہ کیا ہے؟ آخر باہر کیا ہو رہا ہے؟"

وہ کہنے لگی۔ "تم مجھے اندھیرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ بھی نہ سوچا کہ مجھ پر بھی مصیبتیں نازل ہو سکتی ہیں۔ صبح تک تمام قافلے کے لوگ چپ چاپ بیٹھے رہے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ طیارے میں ٹائم بم نہیں رکھا گیا ہے۔ تم سے اسٹین گنیں لینے والے نوجوان ہماری حفاظت کے لیے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ چار آدمی وہاں سے جا کر طیارے سے کھانے کا سامان لے آئے۔ صبح سات بجے دو آدمیوں نے ان نوجوانوں سے اسٹین گنیں لے کر انہیں آرام کرنے کے لیے کہا۔ شرما میرے پاس آ کر بولا۔ "تمہارا عازم نہ جانے کہاں گم ہو گیا ہے۔ کیا تم اسے تلاش نہیں کرو گی؟"

اس نے میرے دل کی بات کہی تھی۔ میں نے کہا۔ "میں اس جنگل میں اکیلی کہاں تلاش کروں گی۔ کیا تم میرے ساتھ چلو گے؟"

وہ تیار ہو گیا۔ اسی وقت اسٹین گن والوں نے ہم سب کو للکارتے ہوئے کہا۔ "تم تمام لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی اپنی جگہ خاموشی سے لیٹ جاؤ۔ جو حکم عدولی کرے گا، اسے اسٹین گن سے بھون دیا جائے گا۔"

دو جوانوں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پوچھا۔ "یہ کیا حرکت ہے؟ کیا تم دونوں اسمگلروں سے مل گئے ہو؟"

جواب میں اسٹین گن سے گولیاں چلیں۔ ہم سب چیختے ہوئے لیٹ گئے۔ اب کوئی سوال کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ان نوجوانوں کی موت نے سب کو دہشت زدہ کر دیا تھا۔ ایک اسٹین گن والے نے کہا۔ "یہاں کے باشندے ہمارے غلام ہیں۔ اس وقت وہ جھاڑیاں کاٹ کر طیارے کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تم لوگوں پر بھی جھاڑیاں ڈال دی جائیں گی تاکہ سرچ ٹیم کا کوئی طیارہ یا ہیلی کاپٹر تم لوگوں کو نہ دیکھ سکے۔ اور تم لوگوں کو وارننگ دی جاتی ہے کہ اگر کسی نے کسی بھی طرح سگنل دینے کی کوشش کی تو اسے فوراً ہی ہلاک کر دیا جائے گا۔"

ہم تعداد میں زیادہ تھے۔ لیکن اسٹین گنوں کے سامنے ان دو آدمیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ کچھ دیر بعد وہاں جنگلی لوگ آ گئے۔ وہ کٹی ہوئی جھاڑیاں اٹھاتے ہوئے تھے۔ اور ہم سب پر لا کر ڈال رہے تھے۔ میں شرما کے قریب لیٹی ہوئی تھی۔ اس لیے جھاڑیوں میں چھپنے کے باوجود ایک دوسرے کو دیکھتے اور باتیں کرتے رہے۔ شرما نے کہا۔ "تقدیر میں جو لکھا ہے۔ وہ پورا ہو گا۔ تمہیں موجودہ حالات میں ڈرنا نہیں چاہیئے۔ اپنا دھیان ہٹانے کے لیے کچھ باتیں کرو۔"

میں نے کہا۔ "مجھے صرف عازم کی فکر ہے۔ جانے وہ کہاں گم ہو گیا ہے۔"

"تمہاری شادی کب ہوئی تھی؟"

"تین دن پہلے۔ اور جب سے شادی ہوئی ہے۔ کوئی نہ کوئی مصیبت آتی جا رہی ہے۔"

وہ مسکرا کر بولا۔ "مجھے افسوس ہے۔ ایسا ہنی مون کسی نے نہیں منایا ہو گا۔"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو؟"

"نہیں۔ تقدیر مذاق اڑا رہی ہے۔ تم نے باپ سے بغاوت کی۔ شوہر سے بھی کچھ نہ ملا۔"

شرما کی باتیں سن کر میرا دل رونے لگا۔ واقعی میں نے باپ کا دل دکھایا۔ تقدیر مجھے دکھوں میں مبتلا کر رہی ہے۔ میں نے ایک سرد آہ بھر کر شرما سے کہا۔ "ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ مجھے سزا مل رہی ہے۔ باپ کو چھوڑنے کے بعد شوہر بھی پرایا سا ہو گیا ہے۔ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔"

"کون؟" شرما نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا عازم اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے؟"

میں نے کہا۔ "ہاں۔ اس مصیبت کی گھڑی میں تم ہی میرے دکھ کو سمجھنے والے ہو۔ میں تم سے کیا چھپاؤں۔ وہ اپنا ماضی بھول گیا ہے۔ کہتا ہے میں عازم نہیں فرہاد ہوں۔"

میں شبانہ کی باتیں سن کر پریشان ہو گیا۔ میں نے پوچھا۔ "تمہیں شرما سے یہ باتیں کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

وہ بولی۔ "ضرورت میں سمجھتی ہوں۔ شرما مجھ پر مہربان تھا۔ میں زیادہ سے زیادہ اس کی ہمدردی حاصل کرنا چاہتی تھی تاکہ وہاں سے نکلنے کا موقع ملے تو میرے ساتھ وہ بھی تمہیں تلاش کرے۔"

میں خاموش رہا۔ اب اس پر تنقید کرنا فضول تھا۔ جو کچھ اسے کہنا تھا وہ کہہ چکی تھی۔ اسے خاموش دیکھ کر میں نے پوچھا۔ "چپ کیوں ہو؟ کیا یہ سن کر شرما کو تعجب نہیں ہوا کہ میں خود کو فرہاد کہتا ہوں؟"

وہ کہنے لگی۔ "ہاں اس نے تعجب سے کہا تھا۔ یادداشت کھونے والا ماضی کو بھول جاتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں سنا کہ ایسا شخص اپنی کسی دوسری شخصیت کا اظہار کرتا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارا شوہر نہ ہو۔ تمہارے شوہر کا ہمشکل ہو۔"

یعنی وہ شرما بھی کسی ہمشکل کی بات کر رہا تھا۔ مگر میں نہیں مان سکتی تھی۔ میں نے کہا۔ "اول تو میں اپنے شوہر کو اچھی طرح پہچانتی ہوں کسی ہمشکل سے دھوکہ نہیں کھا سکتی۔ دوسرے یہ کہ اگر کوئی اس کا ہمشکل ہے تو اسے رومانہ نام کی ایک لڑکی اپنے ساتھ لے گئی ہے۔"

"رومانہ؟" شرما نے ایک دم سے چونک کر پوچھا۔ "کیا تم رومانہ کو جانتی ہو؟"

"میں نہیں جانتی۔ میں نے ڈیڈی کی کوٹھی میں یہ نام سنا تھا۔ قصہ یہ ہے کہ ڈیڈی نے اپنے آدمیوں کے ذریعہ عازم کو ہلاک کرنا چاہا۔ ڈیڈی کے کرائے کے غنڈے عازم کو صورت شکل سے نہیں پہچانتے تھے۔ انہوں نے فرہاد نامی کسی شخص کو پکڑ لیا پھر اسے ہلاک کرنے ایک ویرانے کی طرف لے جا رہے تھے کہ رومانہ نے راستے میں ریوالور دکھا کر دعویٰ کیا کہ فرہاد اس کا ساتھی ہے۔ ڈیڈی کے غنڈوں نے فرہاد اور رومانہ سے سمجھوتہ کر لیا۔ وہ دونوں بحری جہاز کے ذریعہ ہانگ کانگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کا سفر ابھی جاری ہو گا۔"

شرما نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد پوچھا۔ "لیکن یہ عازم خود کو فرہاد کیوں کہتا ہے؟ کیا تم نے نہیں سوچا کہ وہ سچ مچ فرہاد ہو سکتا ہے اور تمہارا عازم، رومانہ جیسی حسین لڑکی کے ساتھ جا سکتا ہے۔ میں نے رومانہ کو دیکھا ہے۔ وہ حسین بھی ہے اور ذہین بھی۔ لیکن ایک ہمشکل سے وہ بھی دھوکہ کھا سکتی ہے۔"

"مسٹر شرما! مجھے خود پر اعتماد ہے کہ میں دھوکہ نہیں کھا رہی ہوں۔"

"اچھا تو پھر جو عازم شراب پیتا تھا وہ اب شراب نوشی سے انکار کیوں کرتا ہے؟"

"اگر وہ طیارے میں بیٹھ کر پیتا تو پھر اسمگلروں کو ٹھکانے نہ لگاتا۔ ٹائم بم کا خدشہ بھی اس نے ظاہر کیا تھا۔ بلا سے ٹائم بم نہیں تھا۔ لیکن ایسا ہو سکتا تھا۔ وہ دلیر بھی ہے اور ذہین بھی۔"

شرما نے کہا۔ "کیا وہ ترکی زبان بولتا ہے؟"

میں نے کہا۔ "نہیں۔ جب یادداشت گم ہو گئی ہے تو زبان بھی بھول گیا ہے۔"

"شبانہ صاحبہ! یہ بڑی مضحکہ خیز بات ہے کہ وہ انگریزی بولتا ہے اور اپنی مادری زبان بھول جاتا ہے۔ تم جان بوجھ کر دھوکہ کھا رہی ہو۔"

"عازم کیا بھولا ہے اور کیا نہیں بھولا؟ یہ بات ڈاکٹر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ میں نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر شادی کی۔ اور اب بھی اس کا وہی سراپا میرے ساتھ ہے۔"

شرما گہری سنجیدگی سے سوچ رہا تھا اور مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا کہ مجھے خوف آنے لگا۔ پھر وہ سخت لہجے میں بولا۔ "میں اس بہروپیے کی تلاش میں ہوں۔ وہ میری شکل بنا کر میرے پاسپورٹ پر استنبول گیا تھا۔ اور جس کے لیے رشانہ نے مجھے ہانگ کانگ کے ایک کاٹیج میں قید کیا تھا۔ اب میں یقین سے کہتا ہوں کہ جسے تم عازم سمجھ رہی ہو۔ دراصل وہی بہروپیا ہے۔"

"یہ جھوٹ ہے۔"

"یہ سچ ہے۔ اس کی پہچان یہی ہے کہ وہ شراب نہیں پیتا۔ انگریزی بولتا ہے اور ترکی زبان نہیں جانتا۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ رشانہ نے اپنے آخری وقت میں اسے کیوں بلایا تھا۔ وہ بہروپیے کو پہچان گئی تھی۔ اسے چاہتی تھی۔ اس لیے میرے سامنے انجان بنی رہی۔ تمہیں تسلیم کر لینا چاہیئے کہ یہ شخص تمہارے عازم کا ہمشکل ہے۔"

"میں یہ تسلیم کر سکتی ہوں کہ میرے عازم کا ہمشکل وہ فرہاد تھا جو رومانہ کے ساتھ چلا گیا۔"

"تم حقیقت کو لگاڑ رہی ہو۔ اب میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ اور تمہارے سامنے یہ ثابت کروں گا کہ وہ بہروپیا ہے۔"

"تم میرے شوہر کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟"

"وہ تمہارا شوہر نہیں ہے۔ اس وقت تم کسی کی بیوی نہیں ہو۔ دیکھو شبانہ! تم اس قدر حسین اور پرشباب ہو کہ میں نے پہلی ہی نظر میں تمہیں حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اب تک میں تمہیں پرایا مال سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر اب یہاں تمہارا کوئی دعویدار نہیں ہے۔ اس لیے میں تم سے کہوں گا کہ میری بن جاؤ... میں تمہارے باپ کی طرح ایک ارب پتی تاجر ہوں۔ تم تمام عمر عیش کرو گی۔"

"میں دولت کو ٹھکرا کر اور عیش و عشرت پر تھوک کر عازم... کے ساتھ آئی ہوں۔ مجھے لالچ نہ دو۔ شریف آدمی کی طرح کوئی دوسری گفتگو کرو۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "جنگل میں شرافت اور تہذیب کہاں ہوتی ہے۔ تم خود نہیں آؤ گی تو میں تمہارے پاس چلا آؤں گا۔"

یہ کہہ کر اس نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں لیٹے لیٹے پیچھے سرک گئی۔ اسی وقت ہیلی کاپٹر کی آواز آنے لگی۔ اسٹین گن والوں نے چیخ کر کہا۔ "کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے اور نہ ہی منہ سے آواز نکالے۔ یاد رکھو تمہاری مدد کو آنے والوں سے پہلے اسٹین گن کی گولیاں تم سب کو چھلنی کر دیں گی۔"

فائرنگ سنتے ہی گہرا سناٹا چھا گیا۔ ہم بھی خاموش تھے۔ شرما ہاتھ بڑھا کر مجھے پکڑ سکتا تھا۔ مگر وہ اوپر پڑی ہوئی جھاڑیوں کو دیکھتا ہوا ہیلی کاپٹر کی آواز سن رہا تھا۔ وہ اس لیے خاموش تھا کہ دست درازی کرے گا تو میں اپنا بچاؤ کروں گی۔ پھر جھاڑیاں ہلیں گی اور اس کے بعد ہم پر فائرنگ شروع ہو جائے گی۔

بہت دیر تک ہیلی کاپٹر کی آواز کبھی قریب آتی رہی کبھی دور جاتی رہی۔ پھر وہی پہلے جیسا سناٹا چھا گیا۔ شرما نے مسکرا کر پوچھا "کیا اپنے عازم کو تلاش کرنے نہیں جاؤ گی؟"

"تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔"

"ڈر لگتا ہے؟"

"شیطان سے سب ہی ڈرتے ہیں۔"

"شاید تمہیں یہ نہیں معلوم ہے کہ شیطان ڈرنے والوں کو اپنے آگے آگے دوڑاتا ہے۔"

یہ کہہ کر وہ میری طرف کھسکنے لگا۔ میں کچھ سوچے بغیر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرے دماغ میں صرف یہی بات تھی کہ تمہیں تلاش نہ کیا تو شرما جیسے کتنے ہی درندے میرے پیچھے پڑ جائیں گے۔ پتہ نہیں میرے ذہن میں یہ بات کیسے آئی۔ کہ میں نے چیخ کر "سانپ۔ سانپ" کہنا شروع کر دیا۔

میری چیخ کے ساتھ ہی تمام کٹی ہوئی جھاڑیوں میں ہلچل مچ گئی۔ سب نے یہی سمجھا کہ سانپ ان کی طرف ہے۔ سب ہی چیخ چیخ کر اٹھنے اور بھاگنے لگے۔ اسٹین گن والوں نے للکار کر رکنے کے لیے کہا لیکن میں دوسروں کی طرح ایک سمت بھاگتی چلی گئی۔

تڑا تڑ فائرنگ ہونے لگی۔ میں گھبرا کر گر پڑی۔ پھر میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ شرما ایک درخت کی آڑ میں پستول لیے کھڑا تھا اور اسٹین گن والوں کی طرف فائر کر رہا تھا۔ میں دوبارہ اٹھ کر بھاگنے لگی۔

میں نہیں جانتی کہ میرے پیچھے کیسی بھگدڑ مچی ہو گی۔ مجھے فائرنگ کی آواز کے ساتھ عورتوں مردوں اور بچوں کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ آوازیں رفتہ رفتہ دور ہوتی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد پھر سے چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔ میں ایک درخت کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی۔ اس وقت مجھے پتہ چلا کہ میں بہت دور چلی آئی ہوں۔ میرے اطراف درختوں اور جھاڑیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں زور زور سے تمہیں پکارنے لگی۔ میری پکار کے جواب میں دور کہیں سے شرما کی آواز سنائی دی "شبانہ! تم کہاں ہو۔ آگے تنہا نہ جاؤ۔ جنگل کے درندے تمہیں چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔"

مگر جنگل میں پہنچ کر مرد جانوروں سے زیادہ درندے بن جاتے ہیں۔ میں نے اس درندے کی آواز نہیں سنائی۔ چپ چاپ بھاگتی ہوئی یہاں تک چلی آئی۔ اگر تم آواز نہ دیتے تو میں بھٹک کر دوسری طرف نکل جاتی . . . . ."

یہ کہہ کر شبانہ نے میری گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ "آہ عازم! یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ میں کیسی سہاگن ہوں کہ شادی کے دن سے تمہارے پیچھے بھاگتی چلی آ رہی ہوں؟"

میں سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ آسمان روشن تھا۔ جنگل میں خاموشی چھائی ہوئی تھی اور ہم حالات کے گڑھے میں تقدیر کے فیصلے کا انتظار کر رہے تھے۔ شبانہ کی آگ لگاتی ہوئی قربت سمجھا رہی تھی کہ بس یہی لمحات رہ گئے ہیں۔ انہیں رنگینی میں گزار دیں یا حالات کی سنگینی سے خوفزدہ ہوتے رہیں۔ موت اٹل ہے، ضرور آتی ہے۔ جوانی اٹل ہے لازمی چلی جاتی ہے۔ پھر مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

شبانہ نے پوچھا "تم چپ کیوں ہو؟ اتنے بے حس کیوں بن گئے ہو؟"

"میں بے حس نہیں ہوں۔ دیکھو تمہیں معلوم ہو چکا ہے کہ میں عازم کی طرح شراب نہیں پیتا۔ اس کی مادری زبان نہیں بولتا پھر تم مجھے عازم سمجھنے پر بضد کیوں ہو؟"

"اس لیے کہ تم میرے عازم ہو۔ جب تمہاری یادداشت واپس آئے گی تو تم میرے اعتماد کو تسلیم کر لو گے۔"

"اچھا اب ایک آخری بات کہتا ہوں۔ اس کے بعد تمہیں اپنا لوں گا۔" وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس کی بڑی بڑی غزالی آنکھوں میں میری قربت کا نشہ تھا۔ میں نے پوچھا "اگر بعد میں تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم نے عازم کے دھوکے میں کسی اجنبی کو اپنا لیا تھا تو تم مجھے الزام نہیں دو گی ناں؟"

"تمہیں کبھی نہیں۔ بس اب کچھ نہ بولو۔"

میں کچھ نہ بولا۔ مگر اب بولوں گا کہ میں نے بہت برداشت کیا تھا۔ اسے بار بار سمجھانے کا فرض بھی ادا کر چکا تھا۔ اس لیے جذبوں کے فرائض ادا کرنے لگا۔ تقدیر کے تماشے انسان کو بڑی عبرتناک باتیں سکھاتے ہیں۔ ایک ارب پتی باپ کی بیٹی کو سہاگ کے پھولوں بھری ریشمی سیج کی بجائے ایک گڑھا مل رہا تھا۔ وہ جو تین دن پہلے دنیا کی ہر قیمتی شے خرید سکتی تھی۔ اپنی تقدیر کے اس موڑ کو نہ خرید سکی۔

شاید اسی کو جنگل میں منگل کہتے ہیں کہ اس منگل میں دشمنوں کا خوف جاتا رہتا ہے۔ دور بلندی پر پرندے اپنا گیت سنا رہے تھے۔ سبک رو ہوا کی زد میں جنگل کے درخت سرگوشیاں کر رہے تھے۔ میری آغوش میں سانسوں کی دھمک اور خواہشات کے دھماکے تھے۔ تین دنوں سے سہاگ کی آنچ میں پکنے والی نے مجھے دیوانہ بنا دیا تھا۔ میں ان لمحات میں خود کو بھول چکا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ میں کس طرح کائنات کے ایک ایک ذرے کو چومتا اور تسخیر کرتا رہا اور فتح کے جھنڈے

گاڑتا رہا۔

وقت کو کتنی ہی حسین ادا دکھائی جائے۔ وہ دیکھنے کے لیے ٹھہرتا نہیں۔ گزرتا چلا جاتا ہے۔ تب دھوپ ڈھلنے لگی۔ دوپہر کی گرمی ختم ہو چکی۔ شام کے سائے کہہ رہے تھے کہ تھوڑی دیر بعد رات کی تاریکی چھا جائے گی۔ شبانہ میرے بازوؤں میں حیا سے منہ چھپا رہی تھی۔ ہم اس خندق کی تہہ میں یوں پڑے ہوئے تھے کہ تہذیب کی آنکھ ہمیں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ایسا مدہوشی کے عالم میں ہوتا ہے۔ لیکن ہوش آتے ہی میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گڑھے کے کنارے ایک بندر اپنی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھے بیٹھا تھا اور بڑے غور سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

میں جھینپ گیا۔ وہ دانت نکال کر مسکرانے لگا۔ میں نے جلدی سے سر جھکا کر شبانہ کے کان میں کہا "کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔"

وہ ایک دم سے سمٹ گئی مجھ سے چپک کر رہ گئی۔ کیونکہ چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔ میں نے اسے اپنے وجود کے سائے میں چھپاتے ہوئے کہا "شرماؤ نہیں۔ دیکھنے والا بے زبان ہے۔ کسی سے کچھ نہیں کہے گا۔"

وہ شرماتی ہوئی بولی "تم مذاق کر رہے ہو۔ بھلا ایسا بے زبان کون ہو گا؟"

"بندر ہے۔ سر اٹھا کر دیکھ لو۔"

اس نے ہچکچاتے ہوئے سر اٹھایا۔ بندر کو دیکھ کر پھر اپنا منہ چھپاتی ہوئی بولی "شرم نہیں آتی۔ تماشہ دکھا رہے ہو۔ اسے بھگاتے کیوں نہیں ہو؟"

میں نے اٹھ کر بندر کو دونوں ہاتھوں کے اشاروں سے سمجھایا کہ وہ ناریل لائے۔ ہم پانی پینا اور ناریل کھرچ کر کھانا چاہتے ہیں۔ لیکن وہ میری نقل اتارنے لگا۔ میری طرح ہاتھ کے اشاروں سے ناریل کھرچ کر کھانے لگا۔ میں نے گڑھے کی تہہ سے خیالی پتھر اٹھا کر اسے مارا۔ وہ پلٹ کر بھاگا۔ دوسرے ہی لمحہ واپس آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ناریل تھا۔ اس نے پتھر کی طرح اسے ہماری طرف پھینکا۔ میں اور شبانہ دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔

دوسری بار بھی میں نے پتھر مارنے کی دھمکی دی۔ اس طرح دو تین ناریل ہمارے پاس پہنچ گئے۔ میں نے شبانہ سے کہا "دیکھو رزق کس طرح پہنچتا ہے۔ آؤ ہم ناریل سے پیٹ بھریں گے۔"

لیکن پیٹ بھرنے کا موقع نہیں ملا۔ اسی وقت بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس بندر کی حرکتوں نے دوسروں کو اس گڑھے کی طرف متوجہ کر دیا تھا۔ میں پھر دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ شبانہ مجھ سے لگی کھڑی تھی۔ پتہ نہیں اب کون سی مصیبت سامنے آنے والی تھی۔

گڑھے کی تہہ میں رہ کر زمین پر ہونے والی ہلکی سی آواز بھی سنی جا سکتی ہے۔ بندر خوفزدہ ہو کر بھاگ گیا تھا۔ اور ہمیں خوفزدہ کرنے والے دبے قدموں آ رہے تھے۔ انتظار کے لمحات بڑے صبر آزما تھے۔ تھوڑی دیر بعد گڑھے کے کنارے ایک چہرہ نظر آیا۔ اس کی دھنسی ہوئی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ گالوں پر لال رنگ تھپا ہوا تھا۔ جس طرح عورتیں ناک چھید کر نتھ وغیرہ پہنتی ہیں اس طرح اس شخص نے ناک کے نیچے اور ہونٹوں کے اوپر ہڈی کی لانبی سی تیلی پرو دی ہوئی تھی۔ سر منڈا ہوا تھا۔ دانت نکلے ہوئے تھے وہ ایسا ڈراؤنا لگ رہا تھا کہ اسے دیکھتے ہی شبانہ نے چیخ مار کر میرے بازوؤں میں منہ چھپا لیا۔

وہ گڑھے کے کنارے آ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ اس کی باتیں سن کر اور کچھ لوگ آ گئے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں۔ ان کی کمر سے نیچے تہہ بند تھی۔ باقی جسم ننگا تھا۔ ان کے سروں پر پھول کھل رہے تھے۔ اور گلے میں بھی پھولوں کی مالائیں تھیں۔ مرد نیزے تھامے ہوئے تھے۔ ہڈی کی تیلی پہننے والے شخص کے ہاتھوں میں بانس کا ایک لانبا سا پائپ تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ اس پائپ کے اندر ننھے سے زہریلے تیر ہوتے ہیں۔ وہ پائپ کو منہ سے لگا کر زور سے پھونکتے ہیں اور سامنے والے کو زہریلے تیر کا نشانہ بنا دیتے ہیں۔

وہ گڑھے کے کنارے چاروں طرف کھڑے ہوئے تھے اور آپس میں ایسی بولیاں بول رہے تھے جو ہماری سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی۔ البتہ یہ اندازہ ہوا کہ وہ کسی بات پر بحث کر رہے ہوں۔ میں نے شبانہ کو اپنے سے الگ کرتے ہوئے ہاتھوں کے اشارے سے انہیں سمجھایا کہ ہمیں اس گڑھے سے باہر نکالو۔ انہوں نے ہماری طرف دیکھا۔ مگر پھر بحث میں مصروف ہو گئے۔

پھر وہ شاید بحث کے کسی نتیجہ پر پہنچ گئے۔ اچانک ہی ایک عورت ایک بھدا سا راگ الاپنے لگی۔ اس کے ساتھ ڈھول پر ہلکی ہلکی تھاپ سنائی دینے لگی۔ میں نے چیخ کر کہا۔ "ہماری جان پر بنی ہے اور تم لوگ راگ الاپ رہے ہو۔ ہمیں باہر نکالو باہر۔ . ."

میرے چیخنے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ ایک دائرے میں گڑھے کے چاروں طرف ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر تھرکنے لگے۔ ڈھول کی تال پر رقص کرنے لگے۔ شبانہ سہم کر بولی "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ جنگلی باشندے کسی کو ہلاک کرنے سے پہلے اسی طرح ناچتے گاتے ہیں۔"

میں پریشان ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ میرے دماغ نے کہا۔ مرنا ایسے بھی ہے اور ویسے بھی پھر کیوں نہ انہیں وہاں سے بھگانے کی کوشش کی جائے۔ میں نے ایک تدبیر سوچی۔ بندروں کو اگر پتھر پھینک کر مارو تو وہ ناریل پھینک کر جوابی حملہ کرتے ہیں۔ اگر میں ان جنگلیوں کو ناریل کھینچ کر ماروں گا تو وہ نیزا پھینک کر مجھے ہلاک کرنا چاہیں گے۔ میں خود کو کسی

طرح بچاکر ان کا ایک نیزا حاصل کرلوں گا۔

اگرچہ اس تدبیر سے میری جان کو خطرہ تھا۔ ان کا نشانہ سچا ہوسکتا تھا لیکن میں نے چوہے کی موت مرنے کی بجائے مقابلہ کرتے ہوئے مرنا پسند کیا۔ ایک ناریل اٹھا کر ایک جنگلی کی طرف پوری قوت سے اُچھالا۔ میں نے زندگی میں کبھی ناریل کے گولے پھینکنے کی مشق نہیں کی تھی۔ اس لئے نشانہ چُوک گیا۔ جنگلی مرد کی بجائے جنگلی عورت اُس کی زد میں آکر چیختی ہوئی گر پڑی۔

رقص تھم گیا۔ ڈھول کی آواز بند ہوگئی۔ سب لوگ مجھے خونخوار نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنے نیزوں کا رُخ ہماری طرف کرنے لگے۔ شبانہ پھر ایک بار سہم کر مجھ سے چپٹ گئی۔ میں نے کہا۔ "ذرا حوصلہ رکھو۔ مجھ سے الگ رہو۔ میں ان میں سے کسی کا نیزا حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

لیکن میرا خیال غلط نکلا کہ وہ نیزا پھینک کر ماریں گے۔ ہوا یہ کہ نیزے اُن کے ہاتھوں میں ہی رہے۔ وہ لوگ چاروں طرف گڑھے کے کنارے سے اوندھے لیٹ گئے۔ تاکہ زیادہ سے زیادہ جُھک کر نیزے کی انی ہم تک پہنچا دیں۔ اس طرح پندرہ فٹ کی گہرائی تک اُن کے نیزے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ میں شبانہ کو لے کر بیٹھ گیا۔ وہ لوگ "ہو ہا۔ ہُو ہا" کہتے ہوئے نیزے یوں چلا رہے تھے جیسے کچوکے لگا رہے ہوں۔

میں نے شبانہ کو سمجھایا کہ وہ بے خوف و خطر بیٹھی رہے۔ میں اُٹھ کر اور لپک کر کسی کے نیزے کو گرفت میں لینا چاہتا ہوں۔ مگر وہ مجھ سے اور چپک گئی۔ "نہیں میں تمہیں اُٹھنے نہیں دوں گی۔ تمہیں کچھ ہوگیا تو یہ لوگ مجھے نیزوں سے چھلنی کردیں گے۔"

میں نے بے بسی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ نیزے اب بھی ہماری جانب تقریباً سات فٹ کی بلندی تک آتے تھے۔ اور واپس چلے جاتے تھے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہتے ہیں کہ شیطان ہلاک نہیں کرتا۔ ہلکان کرتا رہتا ہے۔ ان کا طریقۂ کار یہی اور تھا۔ وہ ہم دونوں کو گڑھے کی تہہ میں ایک جگہ بٹھا کر آسانی سے نشانہ لگانا چاہتے تھے۔

تب میں نے دیکھا کہ وہ ہڈی کی تیلی پہننے والا جنگلی زہریلے تیر کے پائپ کو منہ سے لگا رہا ہے۔ ہم نیزوں کے ڈر سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اِدھر سے اُدھر بھاگ کر اپنی جان نہیں بچا سکتے تھے۔ میں شبانہ سے لپٹ کر لیٹ گیا۔ تاکہ گڑھے کی تہہ میں لوٹ پوٹ کر شبانہ کے ساتھ زندہ رہنے کی جدوجہد کرسکوں۔ تاہم یہ قصہ کہانی کی باتیں ہوتی ہیں کہ دشمن زہریلے تیر برسائے اور ہیرو اپنی ہیروئن کے ساتھ نیزوں کے سائے میں بچ نکلے۔ مجھے بچ نکلنے کا یقین نہیں تھا لیکن امید کے سہارے ہر انسان اپنی سی کوشش کرلیتا ہے۔

میری نظریں زہریلے تیر کے پائپ پر جمی ہوئی تھیں کہ جیسے ہی وہ پھونک مارے گا میں شبانہ کے ساتھ دوسری کروٹ چلا جاؤں گا۔ تب مجھے ایسا لگا جیسے اُس نے پھونک نہ ماری ہو۔ بلکہ ریوالور سے فائر کیا ہو۔ اچانک ٹھائیں کی آواز آئی۔ اور میں شبانہ کے ساتھ لوٹتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ تقدیر نے عجب تماشہ دکھایا۔ دھپ کی آواز سے کوئی ہمارے قریب آکر گرا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو وہ زہریلا تیر پھونکنے والا ہمارے قریب مُردہ پڑا تھا۔

گڑھے کے اوپر جنگلی مرد اپنی عورتوں کے ساتھ چیختے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ ہمارے قریب پڑے ہوئے شخص کے سینے سے لہو رس رہا تھا۔ میں نے فوراً ہی شبانہ کو چھوڑ کر اُس زہریلے تیر کے پائپ کو اُٹھالیا۔ اس مردہ شخص کی تلاشی لی۔ اس کی کمر سے سات انچ کا ایک ترکش نکلا جس میں پانچ عدد زہریلے تیر رکھے ہوئے تھے۔

اتنا تو سمجھ میں آگیا تھا کہ کسی نے فائر کیا تھا۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ فائر کرنے والا ہمارا دوست ہو۔ میں نے پہلی فرصت میں اُس پائپ کے طریقۂ استعمال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ سیدھا سادہ سا سمجھ آیا تھا۔ اُسے استعمال کرنے کے سلسلے میں صرف ایک بات اہم تھی۔ یعنی زہریلا تیر پھونک کر پھینکنے والے کے پھیپھڑے میں بلا کی قوت ہونی چاہئے۔ میں اس وقت تک اپنے پھیپھڑے کی قوت کا اندازہ نہیں کرسکتا تھا جب تک کہ اُسے کسی ٹارگٹ پر آزما نہ لیتا۔

آزمانے کی نوبت نہ آئی۔ شرما کی آواز سنائی دی۔ "اس پائپ کو پھینک دو۔ ورنہ گولی ماردوں گا۔"

میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ گڑھے کے کنارے دونوں ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا۔ اُس کا ایک ہاتھ کمر پر تھا۔ اور وہ دوسرے ہاتھ سے پستول تھامے انتظار کر رہا تھا کہ جیسے ہی میں اس پائپ کو منہ تک لے جاؤں، وہ شوٹ کردے گا۔

شبانہ میری عادت کو سمجھ گئی تھی کہ میں ضد میں آکر خطرات مول لیتا ہوں۔ اُس نے فوراً ہی میرے ہاتھ سے پائپ چھین کر پھینک دیا۔ پھر چیخ کر بولی۔ "مسٹر شرما! فار گاڈ سیک۔ ہمیں یہاں سے نکالو۔"

جنگل کے سناٹے میں شرما کے قہقہے گونجنے لگے۔ پھر وہ یکلخت خاموش ہوگیا۔ اُس کے بعد اُس نے دانت پیس کر کہا۔ "بہ۔ رُو۔ پیا۔"

اُس نے لفظ بہروپیا کو اس طرح ادا کیا جیسے اپنے دانتوں تلے مجھے کچا چبا رہا ہو۔

"بہروپئے! میں وہ شخص ہوں کہ جسے بڑے بڑے لوگ جُھک کر سلام کرتے ہیں۔ لیکن تم نے مجھے اس طرح ذلیل کیا ہے کہ میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اُس نے نشانہ لیا۔ شبانہ دونوں ہاتھ پھیلا کر میرے سامنے ڈھال بنتی ہوئی بولی۔ "رک جاؤ۔ تم غلط فہمی کی بناء پر میرے شوہر کو نہیں مار سکتے۔ تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ بہروپیا ہے!"

"ثبوت ہا ہا ہا۔ بولو بہروپئے تم خود ہی بولو۔ مگر ترکی زبان میں بولو۔"

شبانہ میری طرف پلٹ کر میرے دونوں بازوؤں کو جھنجھوڑتی ہوئی ترکی زبان میں کچھ بولنے لگی۔ شاید وہ کہہ رہی ہوگی کہ مجھے اچھی طرح یاد کرکے اُس کی زبان بولنا چاہئے۔ تب میرے ذہن میں اچانک ہی ایک تدبیر آئی۔ میں جاپانی اور فارسی زبان کو گڈمڈ کرکے بولنے لگا۔

شبانہ نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ میں نے آنکھ ماردی۔ وہ فوراً ہی خوش ہوکر سر ہلاتی ہوئی اپنی بولی بولنے لگی۔ میں جواب میں وہی زبان بولنے لگا، جو میری اختراع تھی۔ وہ کیا بول رہی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا اور میں کیا بول رہا تھا۔ وہ نہیں سمجھ رہی تھی۔

شرما نے گرج کر کہا۔ "یہ تم دونوں کیا بکواس کررہے ہو؟"

میں نے کہا۔ "ہم دونوں اپنی مادری زبان بول رہے ہیں۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے؟"

وہ پریشان ہوکر مجھے ٹٹولتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ "شبانہ! تم نے تو کہا تھا کہ عازم اپنی یادداشت کھودینے کے باعث مادری زبان بھول گیا ہے۔"

میں نے کہا۔ "اس گڑھے میں گرنے کے بعد میرے دماغ کو شدید جھٹکا پہنچا تھا۔ مجھے ماضی کی ساری باتیں یاد آگئی ہیں۔ میں نے خود کو پہچان لیا ہے۔"

اُس نے مجھے مایوسی سے دیکھا۔ "اوہ! تو تم عازم ہو؟"

"ہاں۔" شبانہ نے کہا۔ "اب تو ہمیں یہاں سے نکالو۔ ورنہ وہ جنگلی واپس آجائیں گے۔"

شرما کو اچانک کچھ یاد آیا۔ وہ پتلون کی پچھلی جیب پر اپنا ہاتھ لے گیا۔ پھر وہاں سے ایک کوارٹر سائز کی بوتل نکالی۔ دور سے پتہ چل گیا کہ اُس میں وہسکی ہے۔ اُس نے کہا۔ "عازم تمہیں یہ بھی یاد آگیا ہوگا کہ تم شراب پیتے ہو۔ میں یہ بوتل پھینک رہا ہوں۔ ذرا مجھے دکھاؤ کہ تم کیسے نوش ہو۔"

میں بوکھلا گیا۔ جس چیز کو حرام سمجھتا ہوں۔ اُسے میں پی نہیں سکتا تھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "تم کچھ پریشان ہوگئے ہو۔"

میں نے کہا۔ "گڑھے میں گر کر تم بھی پریشان ہوسکتے ہو۔ ہمیں باہر نکالو۔ پھر ہم دونوں ساتھ پئیں گے۔"

میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اُس نے بوتل پھینکی۔ میں نے جان بوجھ کر کیچ نہیں کیا۔ تاکہ وہ نیچے گر کر ٹوٹ جائے۔ اور ساری شراب بہہ جائے۔ مگر تقدیر خراب تھی۔ وہ گڑھے کی تہہ میں گر کر بھی ثابت و سالم رہی۔ اُس کی آواز سنائی دی۔ "بوتل اٹھاؤ۔ اور فیصلہ کرو۔ تمہارے حلق میں شراب جائے گی۔ یا تمہارے سینے میں پستول کی گولی اترے گی۔"

میں نے جُھک کر بوتل اُٹھائی۔ پھر سر اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ شبانہ نے کہا۔ "عازم! پرہیز کی تو کوئی بات نہیں ہے۔ تم پیتے ہو۔ لہٰذا پی جاؤ۔"

وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "یہ اُن مسلمانوں میں سے ہے، جو شراب کو مرتے دم تک منہ نہیں لگاتے۔ یہ عازم نہیں ہے۔ یہ مرجائے گا۔ مگر اس بوتل کو منہ تک نہیں لے جائے گا۔"

اُس کا قہقہہ جنگل کے سناٹے میں گونجنے لگا۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ میں شراب کو منہ تک نہیں لگا سکتا تھا۔ اور پستول میرے سینے میں گولی اتارنے کے لئے تیار تھا۔ سخت آزمائش کی گھڑی تھی۔ کیا جان کی سلامتی کے لئے ایک حرام چیز حلال ہوسکتی ہے؟
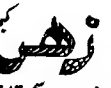
زہر کبھی آبِ حیات نہیں بن سکتا لیکن بعض بیماریوں میں دوا کا کام کرتا ہے۔ شراب کو میں اپنے لیے زہر سمجھتا تھا۔ ایسا زہر جو مجھے نہیں، میرے ایمان کو مار ڈالتی۔ اور وہ زہر پیش کرنے والا دنود شرما گڑھے کی بلندی پر کھڑا۔۔۔ اس تماشے کا انجام دیکھنا چاہتا تھا۔

تماشہ یہ تھا کہ اس وقت میں گڑھے کی تہہ میں شبانہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ شبانہ مجھے اپنا شوہر عازم سمجھ رہی تھی۔ عازم شراب پیتا تھا اور اس وقت دنود شرما میری طرف شراب کی چھوٹی سی بوتل پھینکنے کے بعد یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ میں عازم نہیں بلکہ اسے دھوکا دینے والا بہروپیا ہوں۔ ہاں اگر عازم ہوں تو مجھے بلاجھجک شراب پینا چاہیئے۔

میں فرہاد علی تیمور شراب نہیں پی سکتا تھا۔ انکار کی صورت میں دنود شرما مجھے گولی مار دیتا۔ اس کی ایک ہی شرط تھی کہ میرے شراب پی لینے کے بعد وہ مجھے عازم سمجھ کر زندہ چھوڑ دے گا۔ اس نے کہا۔ "تم وقت ضائع کررہے ہو۔ گزرنے والا ہر لمحہ یہ ثابت کررہا ہے کہ تم شراب پینے والے عازم نہیں، بلکہ بہروپئے ہو۔"

میں نے کہا۔ "شرما! میں تمہاری چال کو سمجھ رہا ہوں۔ اگر میں نے شراب پی لی۔ تب بھی تم مجھے اس گڑھے سے نہیں نکالوگے۔ تمہاری نیت شبانہ پر ہے۔ تم صرف اسے یہاں سے نکال کرلے جانا چاہتے ہو۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولا۔ "خوب سمجھے برادر! اب میں اپنی شرائط بدل دیتا ہوں۔ یعنی میں تمہیں گولی نہیں ماروں گا۔ تمہیں زندہ اسی گڑھے میں چھوڑ جاؤں گا۔ شرط یہ ہے کہ شبانہ کو اوپر بھیج دو۔"

میں نے اور شبانہ نے ایک دوسرے کو خاموش نگاہوں سے دیکھا۔ پھر وہ مجھ سے لپٹ کر بولی۔ "عازم! مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔ میں اس کمینے کے پاس چلی جاؤں گی۔ وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچائے گا۔"

"نہیں شبانہ! وہ مجھ سے خائف ہے۔ تمہیں حاصل کرنے کے بعد مجھے اس خوف سے مار ڈالے گا کہ میں کبھی اس گڑھے سے نکل آیا تو اسے نقصان پہنچاؤں گا۔"

"میں اوپر جاکر اسے گولی چلانے کا موقعہ نہیں دوں گی۔ میری بات مان لو عازم!"

میں نے اوپر کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "شرما! تم نے طیاسے

میں اپنی بہن کی دکھ بھری کہانی سنائی تھی کہ کس طرح بدمعاشوں نے اس کی عزت سے کھیل کر اس بیچاری کو مرجانے پر مجبور کیا تھا۔ دوسری بار مے یوئن نے بہن بن کر تمہاری آغوش میں دم توڑا تھا۔ تمہارا آنسوؤں بھرا دعویٰ ہے کہ تم اب ایسی کسی لڑکی کو ہاتھ نہیں لگاتے ہو جو پرائی امانت ہوتی ہے۔"

وہ ناگواری سے بولا "خواہ مخواہ میرے دل میں انسانی ہمدردی پیدا نہ کرو۔ میں بے شک ایسی لڑکیوں کو نہیں چھیڑتا لیکن شبانہ اپنے شوہر کی امانت تھی۔ کیا وہ امانت تم نے نہیں چھین لی۔ پھر میں کیوں محروم رہوں۔"

شبانہ نے چیخ کر کہا "بکواس مت کرو۔ میں اپنے شوہر کے پاس ہوں اور تمہارے لیے پرائی ہوں تمہیں ہماری مدد کرنا چاہیے۔"

"ضرور کروں گا۔" اس نے ذرا جھک کر آگے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا "آؤ! میں گڑھے سے تو کیا اس بہرو پیئے کے قریب سے بھی تمہیں نکال رہا ہوں۔"

میں نے سرگوشی میں شبانہ سے کہا "یہ ایسے نہیں مانے گا تم اوپر جانے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ۔ جب وہ تمہارا ہاتھ پکڑلے تو تم دونوں ہاتھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوری قوت سے اپنی طرف کھینچ لینا۔"

وہ راضی ہوگئی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ شرما کو ذرا سی طاقت صرف کرکے کھینچ لے گی کیونکہ وہ گڑھے کی جانب جھکا رہے گا اور گڑھے کے کنارے جھکنے والا بغیر کسی سہارے کے اپنی پوری قوت صرف نہیں کرسکتا۔ میں نے کہا "شرما! تمہاری یہ شرط منظور ہے۔ یہ اوپر آرہی ہے۔"

یہ کہہ کر میں اکڑوں بیٹھ گیا۔ شبانہ میرے کاندھے پر پاؤں رکھ کر گڑھے کی دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہوگئی۔ پھر میں آہستہ آہستہ اٹھنے لگا۔ وہ میرے کاندھے پر سوار اوپر کی طرف جانے لگی۔ جب میں پوری طرح کھڑا ہوگیا تو شبانہ کو گڑھے کے کنارے پہنچنے کے لیے تقریباً ساڑھے تین فٹ کا فاصلہ رہ گیا۔ ایسی صورت میں ونود شرما کو جھکنے کی بجائے کنارے پر چاروں ہاتھ پاؤں کے سہارے بیٹھنا پڑا۔ اب وہ پوری طرح اپنی قوت کو استعمال کرسکتا تھا۔

میں نے سر اٹھا کر وہ پوزیشن دیکھی۔ فیصلہ کیا کہ شبانہ کو واپس نیچے لے آؤں۔ مگر دیکھتے ہی دیکھتے شرما اور شبانہ کے ہاتھ مل گئے تھے اس سے پہلے کہ میں شبانہ کی ٹانگیں پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا۔ شرما نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ تڑپ رہی تھی۔ شاید اپنے بدن کی تمام قوت صرف کررہی تھی کہ شرما کے ساتھ نہ سہی اکیلی ہی میرے پاس واپس آجائے۔ میں اچھل اچھل کر شبانہ کے پاؤں تک پہنچنے کی کوشش کررہا تھا لیکن اس کا آدھے سے زیادہ وجود اوپر پہنچ چکا تھا۔ ایسے ہی وقت کوئی چیز میرے سر سے ٹکرائی۔ شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ میں نے سر جھکا کر دیکھا۔ گڑھے کی تہہ میں ونود شرما کا پستول پڑا ہوا تھا۔

ونود شرما نے شبانہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھینچنے کے لیے پستول چھوڑ دیا تھا۔ میں نے اسے اٹھاتے ہی للکار کر کہا "خبردار شرما! اپنی جگہ سے حرکت نہ کرنا۔ پستول میرے پاس ہے۔ میں گولی چلا دوں گا۔"

شبانہ اس کے قبضے میں پہنچ گئی تھی اور اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کررہی تھی۔ میری للکار سن کر وہ ساکت ہوگئی۔ ونود شرما نے سر جھکا کر میرے ہاتھ میں پستول کو دیکھا۔ پھر قہقہہ لگانے کے بعد بولا۔

"بہروپیے! میں تم سے زیادہ مکار ہوں۔ پستول کی آخری گولی تو میں نے جنگلیوں کو بھگانے کے لیے ضائع کردی تھی۔ شبانہ کی آواز نے مجھے ادھر آنے پر مجبور کیا تھا۔ جب میں نے تمہیں یہاں دیکھا تو پھر خالی پستول سے دھمکیاں دینا شروع کردیں۔ دیکھو میں کتنا کامیاب رہا۔ خالی پستول تیرے پاس بھری جوانی میرے پاس۔ بائے بائے...."

یہ کہہ کر وہ شبانہ کو کھینچتا ہوا وہاں سے لے گیا۔ پلک جھپکتے ہی دونوں میری نظروں سے اوجھل ہوگئے۔ شبانہ کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور میں خالی پستول لیے کاٹھ کے الو کی طرح گڑھے میں کھڑا ہوا تھا۔ میں نے جھلا کر پستول کو زمین پر دے مارا۔ سچ مچ وہ بہت زیادہ مکار نکلا۔ اتنی دیر تک خالی پستول دکھا کر مجھے مجبور اور بے بس بناتا رہا۔

شبانہ کی چیخیں گم ہوگئی تھیں۔ میں حیرت سے آسمان کی جانب دیکھنے لگا۔ گڑھے کے کنارے کی بلندی مجھے آسمان کی بلندی لگ رہی تھی۔ جسے میں کبھی چھو نہیں سکتا تھا۔ اس بستی میں پہنچنے کے بعد وہاں سے نکلنے کی کتنی ہی تدبیریں کرچکا تھا۔ میری اپنی تدبیروں کے علاوہ بندر بھی خوراک پہنچانے آتے تھے۔ مقامی باشندے بھی اپنا رقص دکھا کر چلے گئے تھے۔ آخر میں ونود شرما تو شبانہ کو ہی چھین کر لے گیا۔ تقدیر بُری طرح میرا مذاق اڑا رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے میں صدیوں سے اس گڑھے میں پڑا ہوا ہوں۔ دنیا کی ایک فالتو چیز ہوں۔ شاید میری بقیہ زندگی اسی... گڑھے میں گزر جائے گی۔

میں تھک ہار کر بیٹھ گیا۔ اگر چاند نہ نکلا ہوتا تو میں رات اندھیرے میں اندھے کی طرح بیٹھا رہ جاتا۔ خدا کا شکر ہے کہ چاندنی میں گڑھے کا کنارہ نظر آرہا تھا لیکن جہاں میں بیٹھا ہوا تھا وہاں گہری تاریکی تھی اور وہاں دیکھنے کے لیے رہ کیا گیا تھا؟ مجھے یاد تھا کہ وہاں تین عدد ناریل ہیں۔ ایک خالی پستول اور ایک شراب سے بھری بوتل ہے۔ میں نے آگے کی جانب جھک کر دونوں ہاتھوں سے ٹٹول کر پستول اور بوتل اٹھالی۔ پھر پستول کے دستے سے بوتل کے اگلے حصے کو توڑ دیا۔

بوتل کے ٹوٹتے ہی گڑھے کی محدود فضا میں شراب کی بدبو پھیل گئی۔ پتہ نہیں لوگ کس طرح اس بدبودار چیز کو پی لیتے ہیں اور ہضم بھی کرلیتے ہیں۔ مجھے تو ابکائی سی آرہی تھی۔ میں پہلے بتاچکا ہوں کہ بندروں نے جو ناریل میری طرف پھینکے تھے، میں نے ان کے سخت چھلکوں سے گڑھے کی دیوار کو جگہ جگہ کھودا تھا۔ اس کھودی ہوئی جگہ پر میں ہاتھ پاؤں رکھ کر تقریباً دس گیارہ فٹ کی بلندی تک پہنچ

سکتا تھا۔ باقی بلندی کو سر کرنے کے لیے اب میرے ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل تھی۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

دور کہیں سے گیدڑوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ "ہو۔ وا۔ ہو۔ وا...." شہر میں بیٹھ کر یہ آواز سنو تو کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ لیکن جنگل کے سناٹے میں یہ آواز بھی بڑی ہیبت ناک لگتی ہے۔ میں ایک ہاتھ میں ٹوٹی ہوئی بوتل لے کر دوسرے ہاتھ سے دیوار کو ٹٹولنے لگا تاکہ کھودی ہوئی جگہ دریافت کرسکوں۔

میں نے کہا نا کہ تقدیر میرا مذاق اڑانے پر تلی ہوئی تھی ٹھیک اسی وقت "فوں۔ فوں۔ فوں...." کی پھنکار سنائی دی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ چاندنی میں گڑھے کے کنارے ایک بڑا سا کالا ناگ پھنکار رہا تھا۔ گویا وہ میرے سر پر موجود تھا۔ بلندی پر پہنچنے کا ایک ذریعہ ہاتھ آیا تھا مگر وہاں زہریلا ناگ پہریدار بن کر بیٹھا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو "خبردار! تمہاری تقدیر میں گڑھا ہے، تم وہیں... مروگے۔"

میں دم سادھے دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا۔ پتہ نہیں اس زہریلے سانپ کی منزل کونسی تھی؟ وہ کہاں جانا چاہتا تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ ڈسنے کے لیے مجھے پسند کرلیا ہے۔ وہ پھن کاڑھے گڑھے کی طرف جھک کر فوں فوں کررہا تھا، جیسے خیالی شکار کو ڈس رہا ہو۔

تیسری بار فوں فوں کرتے وقت اس کے جسم کا بوجھ گڑھے کی طرف زیادہ پڑا۔ دوسرے ہی لمحہ وہ تیزی سے لڑھک کر گڑھے کی تہہ میں پہنچ گیا۔ بے اختیار میرے حلق سے چیخ نکل گئی۔ اگرچہ میں خود کو بڑا ہی دلیر سمجھتا ہوں۔ اب تک موت سے آنکھیں ملا کر زندگی گزارتا آیا ہوں۔ تاہم دشمن کے اچانک حملوں سے بے اختیار چیخ نکل ہی جاتی ہے۔ مزید خوف و ہراس کی بات یہ تھی کہ گڑھے کی تہہ میں اندھیرا تھا۔ چاند کی روشنی نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس تاریکی میں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھ سے کتنے فاصلہ پر آکر گرا ہے؟

میرے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹنے لگا۔ گڑھے کا قطر تقریباً آٹھ فٹ رہا ہوگا۔ وہ مجھ سے جتنی بھی دور ہو، سات فٹ سے زیادہ دوری نہ ہوگی۔ وہ میرے قریب ہی کہیں رینگ رہا ہوگا یا کنڈلی مارے پھن کاڑھے ڈسنے کی تیاری کررہا ہوگا۔ میں کیا کرسکتا تھا؟ میرا حلق خشک ہونے لگا۔

اس موذی سے نمٹنے کے لیے میرے پاس لاٹھی نہیں تھی۔ پستول خالی تھا۔ تقدیر بے رحم تھی۔ نہ وہ تاریکی میں نظر آرہا تھا اور نہ ہی میں قریب جاکر ٹوٹی ہوئی بوتل سے اس پر حملہ کرسکتا تھا سنا ہے سانپ بڑے پھرتیلے ہوتے ہیں کوئی سپیرا ہی منتر پڑھ کر انکی گردن پکڑ سکتا ہے۔

انتظار کے لمحات بڑے جان لیوا تھے۔ نہ موت آرہی تھی نہ جارہی تھی۔ فرہاد علی تیمور کی تمام صلاحیتوں کا مذاق اڑا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے پاؤں کے قریب سرسراہٹ سی محسوس کی۔ میں ایک دم سے ساکت ہوگیا۔ سانس روک لی۔ وہ میرے جوتوں پر سے رینگتے ہوئے گزر رہا تھا۔

یہ میری خوش فہمی تھی کہ وہ گزر رہا ہے۔ نہیں وہ گھوم رہا تھا۔ میرے دونوں پیروں سے لپٹ رہا تھا۔ بہ الفاظ دیگر مجھے زنجیر پہنا رہا تھا۔ موت کی زنجیر...

مجھ جیسے لوگ اس دنیا میں ضرور ہیں جنہوں نے میری طرح موت کو اپنی شہ رگ کے قریب دیکھا ہوگا اور وہ لوگ اس منظر کو کبھی بھولتے نہ ہوں گے۔ میں بھی ان بے رحم لمحات کو کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اس وقت مجھے اپنی ہر سانس آخری سانس لگ رہی تھی۔

میں اپنی داستان کے کسی بھی واقعہ کو زیادہ طول نہیں دیتا۔ لیکن اس واقعہ کو محض اس لیے طول دے رہا ہوں کہ میرے پڑھنے والے میری اس حالتِ زار کو میری طرح محسوس کرسکیں جس فرہاد کو ہمیشہ شہباز کی طرح جھپٹتے دیکھا گیا ہے وہ اس وقت ایک بیجان بُت کی طرح خاموش کھڑا تھا۔ اگر ذرا بھی حرکت کرتا تو وہ موذی مجھے دشمن سمجھ کر ڈس لیتا۔ گویا دوست بن کر گلے لگنے کی بجائے قدموں سے لگ رہا تھا۔

پھر موت کے لمحات سرکنے لگے۔ وہ میرے قدموں سے زنجیر کھول رہا تھا۔ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا کہیں جارہا تھا۔ میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ ٹھیک ہے کہ اس نے مجھے چھوڑ دیا لیکن کہاں گیا؟ کدھر جاکر انتظار میں بیٹھا ہے کہ میں حرکت کروں اور وہ حملہ کرے۔

کیا میں ساری رات اسی طرح کھڑا رہوں گا۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ دن نکلے گا تو ہم ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے خوش آمدید کہیں گے جب تک ہم ایک گڑھے میں ہیں۔ موت ہم میں سے کسی ایک کا مقدر بنے گی اور ہم میں سے کوئی ایک نئی زندگی پاکر اس گڑھے سے نکلے گا۔

تب میں نے بڑی آہستگی سے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی۔ بہت آہستہ آہستہ بٹن کھول کر قمیض اتاری۔ شراب کی بوتل بڑی جلدی آگ پکڑتی ہے۔ اور آگ کو دیکھ کر سانپ بھاگتے ہیں میں نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اپنا لائٹر نکالا۔ پھر قمیض کے ایک حصے کو بوتل کے ٹوٹے ہوئے حصے میں ڈال کر لائٹر سے شعلہ بھڑکایا۔ پلک جھپکتے ہی بوتل اور قمیض نے آگ پکڑ لی۔ اس کے ساتھ ہی سانپ کے پھنکارنے کی آواز آئی۔ گڑھے کا اندرونی حصہ روشن ہوگیا تھا۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا۔ وہ زہریلا ناگ زمین پر سر مار کر

بل کھاتا ہوا دور جا رہا تھا لیکن دوسری کی حد گڑھے کی چار دیواری تھی۔ ہم دونوں کے لیے فرار کا راستہ نہیں تھا۔

آگ سے انسان بھی ڈرتا ہے۔ قمیض کی آگ جلتی ہوئی میرے ہاتھ کی طرف آئی تو میں نے اسے سانپ کی طرف پھینک دیا۔ وہ دوسری طرف بھاگنے لگا۔ وہ روشنی تھوڑی دیر کی تھی۔ اگر مختصر سی مہلت میں میں اس پر حملہ نہ کرتا تو اب کی بار وہ اندھیرے میں ضرور ڈس لیتا۔ میں نے اس کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھا کر اس کے سر کو ٹارگیٹ بناتے ہوئے ایک چھلانگ لگائی۔ دوسرے ہی لمحے اس کا سر میرے جوتوں کے نیچے آ گیا۔ یوں کہنا چاہیے کہ میرے پونے دو من کے بوجھ تلے آ گیا۔

چند ساعتوں تک میں قدم جمائے کھڑا رہا۔ وہ دم کی طرف سے بل کھانے لگا۔ میں نے ایک پاؤں اٹھا کر اس کے سر کو کچلنا شروع کر دیا۔ ہر جاندار اپنی آخری سانس تک جدوجہد کرتا ہے۔ ایک طرف اس کا سر کچلا جا رہا تھا دوسری طرف اس نے دُم سے میری ایک ٹانگ کو لپیٹ میں لے لیا تھا۔ وہ ایسی مضبوط گرفت تھی کہ مجھے اپنی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں گر پڑا۔ میرا ہاتھ جلتی ہوئی قمیض پر گیا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا تو میں نے جلتی ہوئی قمیض اٹھا کر اپنی ٹانگ پر ڈال دی۔ آگ نے مجھے تھوڑا سا ضرور جلایا مگر سانپ کے پیچ ڈھیلے پڑ گئے۔ میں لڑھکتا ہوا اس سے دور چلا گیا۔ پتلون کا پائنچہ اٹھا ہوا تھا لہٰذا وہ آگ کی زد سے بچ گیا۔

میں تھوڑی دیر تک بیٹھا یوں ہانپتا رہا جیسے موت کے آگے بہت دور تک بھاگتا رہا ہوں لیکن موت دوسری طرف چلی گئی تھی۔ وہ میرے سامنے مُردہ پڑا ہوا تھا۔ میں اپنی ٹانگ کو آہستہ آہستہ سہلانے لگا۔ قمیض تقریباً جل چکی تھی۔ آگ بجھتی جا رہی تھی۔ اندھیرا پھر ایک بار مسلط ہو رہا تھا۔

میں نے فوراً ہی بجھتی ہوئی روشنی میں لائٹر اٹھا کر جیب میں رکھا۔ ٹوٹی ہوئی بوتل کو اٹھانا چاہا۔ وہ اتنی گرم ہو چکی تھی کہ اسے چھوڑنا پڑا۔ میں نے سوچا خالی پستول بھی کام آ سکتا ہے، اسے رکھ لینا چاہیے۔ میں رینگتے ہوئے پستول کی طرف بڑھنے لگا۔ اسی وقت ایک نسوانی آواز سنائی دی "خبردار! وہیں رک جاؤ۔ پستول اٹھاؤ گے تو فائر کر دوں گی۔"

پھر کوئی مصیبت نازل ہو رہی تھی۔ میرے جی میں آیا کہ اپنا سر پیٹ لوں۔ میں چند لمحوں تک اسی طرح رینگنے کی پوزیشن میں سر جھکائے ساکت رہا۔ آواز آئی "کون ہو تم؟ اس گڑھے میں کیا کر رہے ہو؟"

اس بار میں نے آواز پہچان لی۔ خوش ہو کر سر اٹھایا۔ گڑھے کی بلندی پر ساڑھی پہنی ہوئی واسنا کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور نظر آ رہا تھا۔ وہ مجھے نہ دیکھ سکی کیونکہ میرے سر اٹھانے سے پہلے ہی آگ بجھ گئی تھی۔ میں اندھیرے میں گم ہو گیا تھا۔ واسنا وہی ونود شرما کی سیکریٹری تھی۔ جو ایک چھوٹے سے بچے کی ہمدردی میں قافلے سے بچھڑ گئی تھی۔ میں اس بچے کی تلاش میں خود قافلے سے بچھڑ کر جنگل میں بھٹکتا ہوا واسنا اور بچے تک پہنچا تھا۔ وہاں بوڑھے وائن ایڈگر کی مکاری سمجھ میں آئی تھی کہ وہ طیارے کو اغوا کرنے والوں کا ساتھی تھا۔ بہرحال میں اسے پکڑنے کے لیے اس کے پیچھے دوڑتا ہوا اس گڑھے میں آ گرا تھا۔ یعنی میں صبح واسنا سے بچھڑا تھا اور اب رات کے اندھیرے میں وہ سامنے آئی تھی۔

میں نے کہا "واسنا! میں وہی ہوں جس نے تمہیں اس بوڑھے وائن ایڈگر کے چنگل سے نجات دلائی تھی۔ شاید اسی بوڑھے کا ریوالور تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

وہ حیرانی سے بولی "اوہ مسٹر عازم! یہ تم ہو۔ میں تمہارے لیے کہاں کہاں بھٹکتی رہی ہوں۔"

"یہ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔ تم بھٹک رہی ہو مگر آزاد ہو، اور میں اس گڑھے میں صبح سے قید ہوں۔ میں اسی بوڑھے کا تعاقب کر رہا تھا۔ اس نے مکاری سے مجھے یہاں گرا دیا۔"

"اوہ کاش کہ مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں ہو۔ یہ جنگل بھول بھلیاں ہے۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون کہاں گم ہو گیا ہے۔"

"کیا میں گڑھے میں باتیں کرتے اچھا لگ رہا ہوں؟"

"وہ جھینپ کر بولی "سوری! میرا کم تو (فرض) ہے کہ پہلے تمہیں گڑھے سے نکالنے کی تدبیر کروں۔"

"چاندنی رات سے فائدہ اٹھاؤ۔ کوئی بانس، درخت کی کوئی ٹوٹی ہوئی ٹہنی یا رسی تلاش کرو۔"

"اچھا۔ میں ابھی آتی ہوں۔" یہ کہتے ہی وہ چلی گئی۔

پھر وہی انتظار اور انتظار جیسے میں صدیوں سے اس گڑھے میں پڑا باہر نکلنے کی حسرت میں سانس لیتا چلا آ رہا تھا۔ پندرہ منٹ بعد وہ واپس آ گئی۔ اب اس کے بدن پر ساڑھی نہیں تھی۔ صرف ایک پیٹی کوٹ اور بلاؤز میں بدن کی چاندنی کھل رہی تھی۔ وہ بولی "اس بھیانک جنگل میں اب اکیلے بھٹکتے ڈر لگتا ہے۔ اب تک ایک ریوالور کا سہارا تھا اور حوصلہ بھی تھا۔ جانے کیوں تمہیں دیکھ کر پھر ایک عورت کی طرح کمزور ہو گئی ہوں۔ اگر اس گڑھے میں آگ کی روشنی نظر نہ آتی تو نہ جانے اس جنگل میں رات کیسے گزرتی؟"

"کیا اسی طرح گزرے گی کہ تم وہاں اور میں یہاں؟"

"نہیں میں نے اپنی ساڑھی کا ایک سرا درخت سے باندھ دیا ہے۔ یہ لو دوسرا سرا..."

اس نے ساڑھی کا دوسرا سرا گڑھے کے اندر چھوڑ دیا۔ میں دیوار پر کھودی ہوئی جگہ پر پہنچا۔ پھر وہاں ہاتھ اور پاؤں جما کر دیوار سے چپک کر اوپر اٹھنے لگا۔ بارہ فٹ کی بلندی تک پہنچتے ہی ساڑھی ہاتھ آ گئی۔ اس کے بعد گڑھے سے نکل آنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ باہر نکلتے ہی میں چند لمحوں تک بیٹھا رہا۔ چاروں طرف کھلی فضا کو یوں دیکھتا رہا جیسے قید میں ایک طویل عمر گزار کر آیا ہوں۔

میں نے احسان مندی سے واسنا کا ہاتھ تھام کر کہا "میں مایوس ہو چلا تھا کہ اس گڑھے سے نہیں نکل سکوں گا۔ میں کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کروں؟ تم نے مجھے یہ آزادی دی ہے۔"

"شکریے کی کیا بات ہے؟ تم نے بھی مجھے وائن ایڈگر کی بُری نیت سے بچایا تھا۔ آدمی تو ایک دوسرے کے کام آتا ہی ہے۔"

میں نے پوچھا "تمہارے ساتھ جو بچہ تھا وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنی ماں کے پاس ہے۔ جب تم وائن ایڈگر کے پیچھے دوڑتے ہوئے گئے تو میں نے زمین پر گرے ہوئے کارتوس اور ریوالور اٹھائے۔ پھر رُومی کا ہاتھ تھام کر اُدھر گئی، جدھر تم گئے تھے۔ لیکن میں یہاں کی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔ تمہیں بار بار پکارا کہ شاید میری آواز ہی تمہارے پاس پہنچ جائے۔ بھوک پیاس سے بُرا حال تھا۔ دوپہر تک پکارنے کی ہمت بھی نہ رہی۔ سہ پہر کو میں نے فائرنگ کی آواز سنی۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ میں رومی کو اٹھا کر ایک طرف بھاگنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے رومی کی ماں کو دوسرے لوگوں کے ساتھ دیکھا۔ وہ سب بدحواسی میں بھاگتے آ رہے تھے۔

رومی کی ماں نے بیٹے کو دیکھتے ہی سینے سے لگا لیا۔ ہانپتی ہوئی بولی "بھاگو۔ دشمن فائر کر رہے ہیں۔"

میں بھی ان کے ساتھ دوڑنے لگی۔ کبھی ہم رُک کر ہانپتے تھے۔ کبھی بھاگتے تھے۔ پھر ایک جگہ درختوں کے جھنڈ میں ہم سب بے دم ہو کر گر پڑے۔ وہاں کچھ لوگوں کے پاس پانی کی بوتلیں تھیں اور کھانے کا کچھ سامان تھا۔ بھاگ کر آنے والوں نے پہلے سے ہی اپنے اپنے بیگ میں کھانے پینے کی چیزیں رکھ لی تھیں۔ وہاں مجھے کھانا نصیب ہوا۔ رومی کی ماں نے مجھے بتایا کہ طیارے کو اغوا کرنے والے مسافروں کے درمیان موجود تھے۔ جب تمام مسافر ایک جگہ جمع ہو گئے تو انہوں نے اسٹین گن دکھا کر حکم دیا کہ ہم سب کانٹے دار جھاڑیوں کے نیچے چھپ جائیں۔"

واسنا کی باتیں سن کر میں نے کہا "ہاں یہ واقعہ مجھے شبانہ نے بتایا ہے۔ وہ بھاگتی ہوئی میرے پاس گڑھے میں آ کر گر گئی تھی۔ ابھی دو گھنٹے پہلے تمہارا باس ونود شرما اسے گڑھے سے نکال کر لے گیا ہے۔"

"تم نے اپنی بیوی کو اس کے ساتھ کیوں جانے دیا؟"

میں نے اسے ونود شرما کی مکاری تفصیل سے سنائی تو وہ بولی۔ "وہ مکار بھی ہے اور عیاش بھی۔ تمہاری دھرم پتنی اس سے نہیں بچے گی۔"

میں نے کہا "اسے خدا بچائے گا۔ بائی دی وے تمہیں کیسے معلوم ہے کہ وہ عیاش ہے؟"

واسنا نے سر جھکا لیا۔ میں نے اپنے سوال کا جواب مانگنے کے لیے اصرار نہیں کیا۔ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا "چلو مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ ناریل سے جی بھر گیا ہے۔ شاید آگے کچھ پھل دار درخت مل جائیں۔"

اس نے اٹھ کر درخت سے ساڑھی کے دوسرے سرے کو کھولا۔ پھر اسے پہننے لگی۔ میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "یہ رات، یہ تنہائی، کیا تمہیں اس جنگل میں ڈر نہیں لگ رہا تھا؟"

"میں ڈر رہی تھی مگر ڈرتے ڈرتے بھی جینا پڑتا ہے۔ یہ ریوالور نہ ہوتا تو میں شاید ایک قدم بھی آگے نہ بڑھتی۔"

"تم دوبارہ قافلے سے کیسے بچھڑ گئیں؟"

اس نے اپنی بڑی بڑی ہرنی جیسی آنکھوں سے مجھے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چاند اتر آیا تھا۔ وہ نظریں جھکا کر بولی "تمہیں تلاش کرنے کے لیے میں دوسروں سے خود ہی بچھڑ گئی۔"

میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "آؤ اب ہم شبانہ کو تلاش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ شرما اس کے ساتھ کہیں آس پاس بھٹک رہا ہو۔"

"مگر ہم کدھر جائیں گے؟"

میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چاندنی ہمارے پاس تھی۔ لیکن چاروں طرف درختوں کے سائے میں اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ میں واسنا کے ساتھ ایک طرف چل پڑا۔ وہ بولی "یہاں ایسے لگتا ہے کہ ہر درخت کے پیچھے دشمن چھپے ہوتے ہیں۔"

واقعی ایسا لگ رہا تھا۔ درختوں کی شاخوں سے بندر ادھر سے ادھر چھلانگیں لگاتے تو ہم ٹھٹھک جاتے۔ خوف طاری ہو جاتا کہ اچانک کہیں سے حملہ ہو رہا ہے۔ ہم آگے بڑھتے وقت بار بار پیچھے پلٹ کر دیکھتے تھے۔ اس وقت چاند کی چاندنی اور ریوالور نے بڑا سہارا دیا تھا۔

ایک جگہ واسنا میرا بازو تھام کر کھڑی ہو گئی "میں تھک گئی ہوں۔ آخر ہم کب تک چلتے رہیں گے؟"

میں نے واسنا سے ذرا الگ ہو کر کہا "میں اس وقت تک چلتا رہوں گا جب تک کہ شبانہ نہ مل جائے۔ آؤ..."

میں آگے بڑھنے لگا۔ وہ میرے آگے آ گئی۔ بولی "تھوڑی دیر رک جاؤ۔ تھکن دور ہو جائے گی

تو پھر آگے بڑھیں گے۔"
"واسنا! یہ جنگل ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ کس طرح ایک زہریلے ناگ سے سامنا ہوا تھا۔ اگر ہم یہاں گھاس پر آرام کرینگے تو کہیں سے کوئی زہریلا سانپ آکر ہمیشہ کے لیے ہمیں سُلا دے گا۔"
وہ سہم کر آس پاس دیکھنے لگی۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ وہ کچھ دور جاکر بولی "کیا میں اچھی نہیں ہوں؟"
میں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا "بہت اچھی ہو۔"
"صرف اچھی؟ اور کچھ نہیں؟"
"باقی تعریفیں میری بیوی کے لیے ہیں۔"
یہ جواب سن کر وہ چپ ہو گئی۔ پھر کچھ نہ بولی۔ آخر عورت تھی، دوسری عورت کی تعریف نہیں سن سکتی تھی۔ اس لیے ناراض ہو گئی تھی۔ ہم مسلسل چلتے جا رہے تھے۔ اگر دن کا وقت ہوتا تو شاید وہ میرا ساتھ چھوڑ دیتی۔ رات کے وقت وہ ساتھ تو نہ چھوڑ سکی، ایک جگہ تھک کر گر پڑی۔ اپنا پاؤں پکڑ کر کراہنے لگی۔
"کیا کانٹا چبھ گیا ہے؟"
وہ جھلا کر بولی "تم سے بڑا کانٹا کوئی نہ ہوگا۔ اچھا ہوتا جو میں تمہیں گڑھے سے نہ نکالتی۔"
میں نے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھا "تمہیں کس بات پر غصہ آرہا ہے؟"
"تمہاری سنگدلی پر۔ تم یہ نہیں سوچتے کہ میں صبح سے کبھی رومی اور اس بوڑھے کے ساتھ بھٹک رہی ہوں اور کبھی تمہاری تلاش میں چلتی آئی ہوں۔ کیا میں انسان نہیں ہوں؟ کیا مجھے ذرا دیر بھی آرام نہیں کرنا چاہیے؟"
وہ سچ کہہ رہی تھی۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔ میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا "سوری! مجھے ایک تو شدت کی بھوک لگی ہے، دوسرے شبانہ کی فکر ہے۔ ان پریشانیوں میں تمہاری تھکن کو بھول گیا تھا۔ کوئی بات نہیں، آرام کرو۔"
"سچ مچ انسان خود غرض ہوتا ہے۔ میں اپنے آرام کے لیے بھول گئی تھی کہ تم بھوکے ہو۔ چلو میں آگے چلوں گی۔"
وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میں نے کہا "مگر تم بہت زیادہ تھک گئی ہو۔"
وہ ہنستی ہوئی بولی "میں برابر چلتی نہیں رہی۔ کبھی کبھی کہیں بیٹھ کر آرام بھی کر لیتی تھی۔ میں تو چاہتی تھی کہ ... کہ ... جانے دو تم بھوکے ہو، آؤ چلیں۔"
ہم پھر چلنے لگے۔ گڑھے سے نکلنے کے تقریباً تین گھنٹے بعد بہت دور روشنی نظر آئی جیسے دو چار دیئے ٹمٹما رہے ہوں۔ ہماری رفتار تیز ہو گئی۔ پندرہ منٹ کی مسافت کے بعد چاندنی میں بانس کی جھونپڑیاں نظر آئیں۔ بانس کی دیواریں اور پھونس کی چھتیں تھیں۔ تین جھونپڑیوں کے سامنے مشعلیں روشن تھیں مگر کوئی آدمی یا کوئی جانور نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے کہا "یہاں کھانا مل سکتا ہے۔"
وہ بولی "دشمن بھی مل سکتے ہیں۔"
"ہاں، ہم مقامی باشندوں کی بولی نہیں سمجھتے ہیں ورنہ انہیں دوست بنا لیتے۔ آج یہ حقیقت کس قدر سامنے ہے کہ انسان پیٹ کے لیے پاپ کرتا ہے۔ مجھے کھانا چُرا کر لانا ہوگا۔"
"نہیں۔ پکڑے جاؤ گے۔"
"بھوکا بھی نہیں رہا جائے گا۔ تم اس درخت کے پاس کھڑی رہو۔ ریوالور مجھے دیدو۔ میں جلدی واپس آنے کی کوشش کروں گا۔"
"تم بھی چلے جاؤ گے، ریوالور بھی نہیں رہے گا۔ پھر میں اکیلی کیسے رہوں گی؟"
"بس تھوڑی دیر کی بات ہے۔ یوں بھی تم تنہا اس جنگل میں رہ چکی ہو۔ لاؤ ریوالور، وقت ضائع نہ کرو۔"
میں نے ریوالور لے کر اسے سمجھایا، تسلّی دی۔ پھر سب سے پہلی جھونپڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ ایک جھاڑی کے پاس پہنچ کر میں نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھایا۔ پھر اسے جھونپڑی کے برآمدے میں پھینک دیا۔ رات کے سناٹے میں پتھر گرنے کی آواز زور سے ابھری۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے انگریزی زبان میں پوچھا "ہُو از دیئر۔ بلاڈی باسٹرڈ۔"
جھونپڑی کا دروازہ کھل گیا۔ ایک انگریز شراب کا جام تھامے نشہ میں لڑکھڑاتا ہوا باہر آیا۔ اس کے پیچھے دراز پر سانولے رنگ کی ایک مقامی عورت نظر آئی۔
وہ دونوں تھوڑی دیر تک ادھر اُدھر دیکھتے رہے۔ آس پاس کی جھونپڑیوں سے اجنبی بولیاں سنائی دے رہی تھیں اور انگریز کی ساتھی عورت ان کے جواب میں کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر آوازیں بلند ہو گئیں۔ وہ عورت انگریز کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔
میں زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر گھٹنوں کے بل رینگتے ہوئے جھونپڑی کی جانب بڑھنے لگا۔ شاید وہاں ایک ہی انگریز تھا کیونکہ وہاں کسی دوسرے نے انگریزی میں سوال جواب نہیں کیا تھا۔ میں رینگتے رینگتے برآمدے میں آیا۔ پھر دروازے سے جھانک کر دیکھنے لگا۔ وہ شراب کے ساتھ شباب کو گھول رہا تھا۔
ان کے قریب ہی اسٹین گن اور کارتوس کی پیٹی رکھی ہوئی تھی۔
میں نے ریوالور کو جیب میں رکھا۔ دبے قدموں آگے بڑھا۔ پھر اس کے پیچھے ایک زوردار لات ماری۔ وہ اپنی ساتھی پر سے الٹ کر قلابازی کھاتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ اتنی دیر میں اسٹین گن میرے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ وہ دونوں ہی مجھے دیکھ کر بوکھلا گئے تھے۔

چونکہ شور مچانے کے انجام کو سمجھتے تھے لہٰذا ان کی زبانیں چپ تھیں۔
میں نے اس انگریز سے پوچھا "کیا یہاں کھانے کے لیے کچھ مل جائے گا؟"
اس نے ہاں کے انداز میں سر ہلایا۔ میں نے حکم دیا کہ فوراً اس عورت کو رسیوں سے باندھ دیا جائے۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ اسے رسیوں سے باندھنے کے بعد اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔ میں اسے اسٹین گن کی زد میں لے کر دوسرے کمرے میں گیا۔ وہاں کھانے کی میز پر ڈبل روٹی، مکھن، فرائی فش، جیلی اور جام رکھے ہوئے تھے۔ میرے حکم سے انہیں ایک بیگ میں رکھ دیا گیا۔ میں نے اسے دیوار کی طرف منہ کرنے کے لیے کہا۔ جیسے ہی وہ دیوار کی طرف گھوما، میں نے اسٹین گن کے دستے سے اس کے سر پر بھرپور ضرب لگائی۔ وہ ایک کراہ کے ساتھ بے ہوش ہوتا چلا گیا۔
میں نے کھانے کے بیگ اور بوتل کو شانے سے لٹکایا۔ دوسرے کمرے میں آکر کارتوس کی پیٹی اٹھائی۔ وہ عورت دیدے پھاڑ پھاڑ کر سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے آنکھ ماری، پھر مسکرایا تو وہ بھی مسکرانے لگی۔ لیکن میں جھونپڑی سے نکل کر دبے قدموں چلتا ہوا دور جھاڑی کے پاس آیا۔ اس کے بعد دوڑتا ہوا واسنا کے پاس پہنچ گیا۔ وہ خوش ہو کر بولی "تم تو پکے چور نکلے۔"
میں نے اس کے ہاتھوں میں اسٹین گن اور کارتوس کی پیٹی دیتے ہوئے کہا "یہاں سے بھاگ چلو۔ میں راستے میں کھاتا چلوں گا۔"
وہ ہنسنے لگی۔ میں نے یہی کیا۔ چلتے چلتے بیگ میں سے روٹی اور فرائی فش نکال کر کھانے لگا۔ سوکھا نوالہ حلق میں پھنستا تو پانی کی بوتل منہ سے لگا لیتا تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ہم اس راستے پر نہیں جا رہے ہیں جو گڑھے کی طرف جاتا تھا۔ ہمارا راستہ اب بدل گیا تھا۔ واسنا نے پوچھا "کیا ہم اسی طرح بھٹکتے رہیں گے؟"
"کیا پتہ کہ تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ ہو سکتا ہے اس راستے پر شبانہ اور تمہیں مل جائیں۔"
ہم ایک گھنٹہ تک چلتے رہے۔ پھر وہ بیٹھ گئی۔ "اب تو میں آگے نہیں جاؤں گی۔"
میں نے بھی بیٹھتے ہوئے کہا "ہاں تم نے میری بھوک کا احساس کرتے ہوئے آرام نہیں کیا تھا۔ اب آرام سے لیٹ جاؤ۔"
"اگر سانپ رینگتے ہوئے آجائیں تو؟"
"میں محتاط رہوں گا۔" میں نے کھانے کا بیگ رکھ کر اس سے اسٹین گن لے لی۔ وہ ملائم گھاس پر میرے سامنے لیٹ گئی۔ اس کے چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔ دن رات چلتے رہنا بچوں کا کھیل نہیں ہوتا۔ بے چاری کے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا ہوگا مگر وہ جبراً مسکراتی ہوئی مجھے دیکھ رہی تھی۔
میں اٹھ کر ہاتھ میں اسٹین گن لیے ٹہلنے لگا۔ چاندنی میں دور تک جنگل کی ہریالی نظر آرہی تھی۔ کوئی رینگنے والی مخلوق دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ دو چار بار ٹہلنے کے بعد میں نے واسنا کو دیکھا۔ وہ گہری نیند میں ڈوب گئی تھی۔ نیند کے عالم میں بھری جوانی بڑی ہی جذبات انگیز تھی۔ چاند اس کے بدن پر چاندی لٹا رہا تھا۔ میرے کترانے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ حسین نہ تھی۔ نہیں وہ بے حد حسین اور دلنشین تھی۔ دل اس کی طرف کھنچا چلا جاتا تھا لیکن میں حتی الامکان اس کوشش میں تھا کہ محبوباؤں کی مزید فوج نہ بناؤں۔ اب تک کے تجربات یہی تھے کہ جس کے ساتھ تعلقات ہوتے تھے وہ آئندہ دردِ سر بن جاتی تھی۔ اس لیے میں دردِ سر سے ذرا دور جاکر گھاس پر لیٹ گیا۔
آرام سے لیٹتے ہی جب میرے کان زمین سے لگے تو میں چونک گیا۔ کان لگا کر سنو تو جنگل کی زمین بولتی ہے۔ آنے جانے والوں کے قدموں کی دھمک کا پتہ دیتی ہے۔ مجھے مسلسل دھیمی دھیمی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے زمین کے اندر کوئی انجن یا مشین چل رہی ہو۔ اس جنگل میں کسی بھاری مشین کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ دور کہیں کوئی موٹر گاڑی چل رہی ہو۔
میں کارتوس کی پیٹی اور اسٹین گن لے کر اٹھ گیا۔ واسنا کی جانب دیکھ کر افسوس ہوا۔ بیچاری ابھی سوئی تھی۔ ابھی اسے جھنجھوڑنا پڑے گا۔ میں نے سوچا۔ اسے آرام پہنچانا میرا فرض ہے وہ میرے لیے صبح سے بھٹکتی رہی ہے۔ اسے جگانا زیادتی ہوگی۔ یہ سوچ کر میں آگے بڑھ گیا۔ واسنا سے دور جانے کا ارادہ نہیں تھا۔ ذرا قریب ہی چکر کاٹ کر معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کوئی گاڑی کہاں سے گزر رہی ہے۔
تھوڑی دیر بعد ہی وہ آواز واضح ہو گئی۔ ساتھ ہی روشنی نظر آئی۔ مجھ سے تقریباً آدھ فرلانگ کے فاصلے پر گاڑی کی ہیڈلائٹس میرے چہرے سے بائیں طرف جا رہی تھی۔ یقیناً وہ طیارے کو اغوا کرنے والوں کی گاڑی ہو سکتی تھی۔ جب وہ ذرا آگے نکل گئی تو میں تیزی سے ادھر جانے لگا۔ اس بار میں نے راستہ یاد رکھنے کے لیے راستے کے خاص درختوں کو اچھی طرح پہچان لیا تاکہ واسنا کے پاس واپس پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔
گاڑی کی رفتار سُست تھی اور میں دوڑنے کے انداز میں چل رہا تھا اس لیے جلد ہی میں نے اسے پا لیا۔ وہ ایک بڑے سے برگد کے درخت کے سائے میں جاکر رک گئی تھی۔ میں نے ایک درخت کی آڑ سے دیکھا۔ وہ ایک جیپ تھی اور اس میں چار مسلح افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ میں انتظار کرنے لگا کہ اب وہ جیپ سے اُتر کر کیا کریں گے یا کدھر جائیں گے؟ لیکن وہ چپ چاپ بیٹھے رہے۔

تب میں نے ایک حیرت انگیز منظر دیکھا۔ میرے پاؤں تلے کی زمین ہولے ہولے لرز رہی تھی اور ادھر برگد کے سامنے میں جیپ کا پہیہ آہستہ آہستہ زمین میں دھنستی جا رہی تھی حتیٰ کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہونے لگی۔ میں نے فوراً ہی ادھر دوڑ لگائی۔ برگد کے قریب زمین کی لرزش اور بڑھ گئی تھی۔ اس درخت کے پاس پہنچ کر ایک مستطیل گڑھا نظر آیا۔ جو جیپ کی ہیڈ لائٹس سے روشن تھا۔ میں زمین پر بیٹھ کر رینگتا ہوا گڑھے کے کنارے پہنچا۔ اس وقت تک زمین کی لرزش ختم ہو گئی تھی۔ خندق کی گہرائی میں جیپ اور اس کے سوار نظر آ رہے تھے۔ وہ ہیڈ لائٹس کی روشنی میں تھے۔ اگر سر اٹھا کر اوپر دیکھتے تب بھی مجھے نہ دیکھ پاتے۔ چند لمحوں بعد جیپ کے سامنے والی دیوار ایک طرف ہٹنے لگی۔ زمین پھر لرزنے لگی۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر دیوار کے خلا سے گزر گئی۔ جہاں جیپ کھڑی ہوئی تھی، زمین کا وہ حصہ پھر اوپر کی طرف اٹھنے لگا۔

میں پیچھے ہٹ کر برگد کے تنے سے لگ گیا۔ ذرا سی دیر میں زمین کا وہ حصہ اوپر آ کر جنگل کے فرش کے برابر ہو گیا۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا جہاں جیپ کھڑی ہوئی تھی، وہ جگہ دلدلی نظر آ رہی تھی۔ اس مستطیل حصے میں دلدل کے بلبلے ایسے ابھر رہے تھے کہ وہاں دھنس جانے کے خوف سے کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

وہ جگہ انسانی ذہانت اور تیکنک کا بے مثال نمونہ تھی۔ اسے دیکھ کر کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسی کی تہہ میں مجرموں نے خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے۔ میں اس دلدل کے چاروں طرف گھوم کر دیکھنے لگا۔ ایسے میکنزم کے لیے کوئی ایسی کل ہوتی ہے جس کے ذریعہ دیوار یا فرش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ سرکایا جاتا ہے مگر مجھے ایسی کوئی کل نظر نہ آئی۔ اس زمین دوز اڈے میں پہنچنے کا طریقہ کچھ ایسا تھا جسے صرف مجرم ہی جانتے تھے۔

میں مایوس ہو کر وہاں سے لوٹ گیا۔ راستہ پہچان کر واسنا کے پاس آ گیا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا۔ میری سوچ میں وہی دلدل گردش کر رہی تھی۔ اگر آج ٹیلی پیتھی کا ساتھ ہوتا تو میں زمین پر بیٹھ کر زمین کی تہہ میں چھپے ہوئے انسانوں کی شہ رگ پر انگلی رکھ دیتا۔ اب تو کوئی دوسرا ہی طریقہ کار اختیار کرنا تھا۔ اس سے پہلے ضروری تھا کہ میں قافلے کے بچھڑے ہوئے لوگوں کو تلاش کروں۔ واسنا کو ان کے پاس چھوڑ دوں، پھر اس دلدل کے قریب کہیں چھپ کر بیٹھ جاؤں۔ میں اسی طرح ان کے متعلق کچھ معلومات حاصل کر سکتا تھا۔

کے پاس چھوڑ دیا جاتے؟ میرے دماغ میں یہ سوالات گونجنے لگے۔ کتنی ہی چاہنے والی ہستیاں کتنے ہی سوالات بن کر راستے میں آجاتی

تھیں۔ کہتی تھیں پہلے ہماری فکر کرو۔ سونیا اور رُومانہ کے لیے صبر کر لیا تھا کہ وہ دونوں میری پہنچ سے دور نہ جانے کہاں تھیں۔ سے یون اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ اب اس جنگل میں شبانہ نے اپنا پیار دے کر فکر اور پریشانیاں بڑھا دی تھیں۔ واسنا مجبوریہ کی فہرست میں نہیں تھی لیکن مجھے گڑھے سے نکال کر ایک نئی زندگی دے کر اخلاقاً پابند بنا لیا تھا کہ میں خانہ بدوشی اور بے سروسامانی کے عالم میں اسے تنہا نہ چھوڑ دوں۔

میں تھک ہار کر گھاس پر لیٹ گیا۔ سونے کا ارادہ نہیں تھا لیکن شبانہ کی تلاش میں آگے بڑھنے کے متعلق سوچتے سوچتے آنکھ لگ گئی۔ تھکن ایسی ہی ہوتی ہے۔ نیند آنے کے بعد تن بدن کا ہوش نہیں رہتا۔ ہم دونوں ہی ایسے بے خبر سوئے کہ دوسرے دن کا سورج سر پر آ گیا۔ ایسی طویل بے ہوشی کی نیند پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔

جب میری آنکھ کھلی تو میرے منہ پر ساڑھی کا آنچل تھا۔ واسنا مجھے دھوپ سے بچانے کے لیے آنچل کا سایہ کیے خود دھوپ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ خدا نے عورت کو پیار کے کیسے کیسے انداز سکھائے ہیں۔ مرد کو اس کی وفاؤں کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ میں واسنا سے متاثر ہو گیا۔ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ”یہ کیا؟ تم کب سے اس طرح بیٹھی ہو؟“

”جب سے سورج دیوتا تمہیں پریشان کر رہے ہیں۔“

میں نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے حیرانی سے کہا۔ ”تعجب ہے، میں اس جنگل میں بے ہوشی کی نیند سوتا رہا۔ مجھ سے پہلی بار ایسی حماقت ہوئی ہے۔“

”شکر کرو کہ ادھر کوئی دشمن نہیں آیا۔ نہیں تو ہم سوتے ہی رہ جاتے۔ چلو اٹھو مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ میں پہلے اشنان (غسل) کروں گی۔“

”غسل کرنے کے لیے تمہیں پانی کہاں سے ملے گا؟“

”میں صبح ٹہلتی ہوئی ادھر گئی تھی۔ میرے ساتھ چلو، ہم دریا کے قریب ہیں۔“

میں سامان اٹھا کر اس کی راہنمائی میں چل پڑا، وہ بولی۔

”کیا صرف شبانہ ہی تمہاری زندگی کی پہلی عورت ہے؟“

”نہیں، بہت سی عورتیں میرے ساتھ وقت گزار چکی ہیں۔“

”کیا ایسے ہی جیسے میں نے کل رات گزاری ہے؟“

اس کے لہجے میں چھپا ہوا طنز تھا۔ میں نے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ بھی یادگار لمحات گزار سکتا تھا لیکن سوچتا ہوں کہ تمہارا شرما

میری عورت کو لے گیا ہے۔ اگر وہ اس کی عزت سے کھیلے گا تو میں یہ کہہ کر اس سے انتقام لے سکتا ہوں کہ میں نے اس کی سیکرٹری واسنا کی آبرو سلامت رکھی ہے۔“

”آبرو؟“ وہ ہنسنے لگی۔ ”شرما نے مجھ سے کھیلنے کے لیے مجھے اپنی سیکرٹری بنایا ہے لیکن میں اب تک اس کی دست درازی سے بچتی رہی۔ آخر دہلی سے روانگی کے وقت میں نے وعدہ کیا کہ ہانگ کانگ پہنچ کر اس کی بات مان لوں گی۔“

”کیا کسی مجبوری کے تحت اس کا مطالبہ پورا کرو گی؟“

”ہاں، دہلی میں میرے بوڑھے ماں باپ اور ایک جوان بہن ہے۔ شرما مجھے دس ہزار روپے ماہوار دے گا تو میری بہن کی شادی کسی اچھے گھرانے میں ہو جائے گی۔ میرے ماں باپ کا بڑھاپا سکھ چین سے گزر جائے گا۔ میں عورت ہوں۔ ویسے بھی مجھے کسی دن کسی مرد کے پاؤں کی جوتی بننا ہے اس لیے دس ہزار کا سودا برا تو نہیں ہے۔“

ہم دریا کے ساحل پر پہنچ گئے۔ وہاں گھنے درختوں کا سلسلہ نہیں تھا صرف ناریل کے قد آور درخت نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ”تم اس درخت سے اُس درخت تک ساڑھی کو باندھ دو۔ پردہ ہو جائے گا۔ میں پردے کے ادھر رہوں گا، تم ادھر جا کر غسل کر لینا۔“

وہ میرے مشورے پر عمل کرنے لگی۔ میں منہ پھیر کر درخت کے سائے میں ریت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آواز آئی۔

”اچھا میں جا رہی ہوں، تم یہیں رہنا۔“

وہ چلی گئی۔ میں نے اپنی قمیص زہریلے ناگ سے نمٹنے کے لیے جلا دی تھی۔ میرے بدن پر صرف ایک بنیان، ایک انڈرویئر اور ایک پتلون تھی۔ میرا خیال تھا کہ وہ جلد ہی غسل سے فارغ ہو کر آ جائے گی، اس لیے خود نہانے کے خیال سے بنیان اور پتلون اتار دی۔ اسی وقت مجھے واسنا کی چیخ سنائی دی۔ ”بچاؤ۔ بچاؤ۔ ہائے میں مر گئی.....“

میں تیزی سے دوڑتا ہوا گیا۔ وہ گردن تک پانی میں ڈوبی ہوئی ہاتھ ہلا رہی تھی۔ مجھے مدد کے لیے پکار رہی تھی۔ میں نے پانی میں چھلانگ لگا دی۔ تیرتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو وہ بدحواسی میں مجھ سے لپٹ گئی۔ میں اس کو اٹھا کر ساحل پر لے آیا۔

جب ہم غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر ناشتہ کرنے بیٹھے تو دور طیارے کے کچھ مسافر نظر آئے۔ ان میں مرد عورتیں اور بچے بھی تھے۔ کھانا دیکھتے ہی وہ سب دوڑے چلے آئے۔ اگر میرے پاس اسٹین گن نہ ہوتی تو وہ ہمیں مار پیٹ کر کھانا چھین لیتے۔ وہ پچھلی رات کے بھوکے تھے۔ اپنے اپنے ملکوں اور شہروں کے دولت مند افراد تھے لیکن اس وقت بھکاریوں کی طرح کھانا مانگ رہے تھے۔

واسنا نے انہیں آرام سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر ان میں کھانے کی چیزیں تقسیم کرنے لگی۔ وہ کئی دنوں کے بھوکے جانوروں کی طرح جلدی جلدی کھانے پر منہ مار کر کھانے لگے۔ اپنی دولت سے دنیا کی ہر چیز خریدنے والے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ کبھی وہ کسی جنگل بیابان میں پہنچ کر ایک ایک دانے کے لیے ترستے رہیں گے۔ وہ تعداد میں پچیس تھے جن میں اٹھارہ مرد، پانچ عورتیں اور دو بچے تھے۔ ان سب کا پیٹ تو نہیں بھرا مگر تسلی ہو گئی۔

میں نے ان سے کہا۔ ”ہمیں اس جنگل میں چھتیس گھنٹے گزر چکے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ درختوں کی شاخیں اور جھاڑیاں کاٹ کر طیارے کو چھپا دیا گیا ہے۔ کل دوپہر کو ایک ہیلی کوپٹر ہماری تلاش میں یہاں چکر لگاتا رہا۔ لیکن ہم میں سے کوئی اسے سگنل نہ دے سکا۔ کیونکہ دشمنوں نے تم سب کو جھاڑیوں تلے چھپنے پر مجبور کر دیا تھا اور اس وقت میں ایک گہرے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔“

واسنا نے کہا۔ ”میں آزاد تھی۔ میں نے بھی ہیلی کوپٹر کو دیکھا تھا مگر وہ مجھ سے اتنی دور تھا کہ میں سگنل نہ دے سکی۔ ریوالور سے ایک فائر بھی کیا تھا پھر دوسرا فائر اس لیے نہیں کیا کہ میرے لیے ایک ایک گولی قیمتی تھی۔“

میں نے کہا۔ ”بہرحال ہماری امداد کو آنے والے مایوس ہو کر جا چکے ہیں۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ سرکاری طور پر کوئی ٹیم دوبارہ ہماری تلاش میں یہاں آئے گی لہٰذا ہمیں اپنے طور پر زندہ رہنے کے لیے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام کرنا ہوگا۔ یہاں قریب ہی مقامی باشندوں کی چند جھونپڑیاں ہیں وہاں ایک انگریز بھی ہے کیوں نہ ہم اس چھوٹی سی بستی پر قبضہ کر لیں وہاں زندہ رہنے کی کچھ سہولتیں حاصل ہو جائیں گی۔“

سب نے میری تائید کی۔ میں نے ایک نوجوان کو واسنا کا ریوالور دے دیا۔ پھر وہاں سے ہمارا قافلہ چل پڑا لیکن وہاں شہری راستے نہیں تھے کہ ہم جہاں جاتے وہاں پہنچ جاتے۔ جنگل کے راستوں نے ہمیں پھر بھٹکا دیا۔ آدھ گھنٹے بعد ہم کسی دوسری بستی کی طرف پہنچ گئے۔ میں نے کہا۔ ”تم سب وہاں پناہ مانگنے کے لیے جاؤ۔ ہم ہتھیار والے دو بندے بعد میں آئیں گے۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہاں صرف مقامی باشندے ہیں یا مہذب دشمن بھی موجود ہیں۔“

ایک عورت نے کہا۔ ”تم ہمیں قربانی کا جانور بنا کر آگے دھکیل رہے ہو۔ میں نہیں جاؤں گی۔“

ایک اور شخص نے ریوالور اور اسٹین گن کے بغیر اس بستی میں جانے سے انکار کیا۔ ان کا خوف بجا تھا۔ وہ نہتے رہ کر جنگلی باشندوں کے درمیان نہیں جا سکتے تھے۔ میں نے بھی سوچا کہ اگر انہوں نے دوستی کے بجائے دشمنی شروع کر دی تو میں اسٹین گن سے اندھادھند

فائرنگ نہیں کر سکوں گا۔ ایسی فائرنگ میں اپنے لوگ بھی ہلاک ہو سکتے تھے۔

میں نے کہا" اچھی بات ہے۔ تم سب یہاں چھپے رہو۔ میں آگے جا کر اس بستی کا جائزہ لوں گا۔ انہیں دوست بنانے کی کوشش کروں گا"

واسنا میرا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی" میں تمہیں اکیلے نہیں جانے دوں گی"

"مجھے جانا ہی ہو گا ورنہ سب بھوک کے مریں گے"

وہ نوجوان سے ریوالور واپس لے کر بولی" میں بھی چلونگی"

میں نے بحث نہیں کی۔ اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ بولی" ہم ساتھ جائیں گے تو ایک ساتھ پھنس جائیں گے۔ پہلے میں جاتی ہوں۔ تم میری مدد کے لیے کہیں چھپ کر رہو"

ہمارے راستے الگ ہو گئے۔ وہ سیدھی بستی کی طرف گئی۔ میں ایک لمبا چکر کاٹ کر جھاڑیوں کی طرف جانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دیکھا وہ بستی میں داخل ہو گئی تھی۔ مقامی مرد عورتیں اور بچے اسے گھیر رہے تھے۔ واسنا اپنی زبان میں اور اشاروں کی زبان میں انہیں دوستی کا پیغام دے رہی تھی۔ شاید وہ نہیں سمجھ رہے تھے۔ اسے گھیرے میں لے کر بستی کے اندر لیجا رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

تب میں نے اس کی چیخ سنی۔ میں نے فوراً ہی اسٹین گن سنبھالتے ہوئے دوڑ لگائی۔ ایسے وقت میں بھول گیا کہ جنگلوں میں بھاگتے وقت ایسی جگہ سے نہیں گزرنا چاہیے جہاں گھاس پھوس کے ڈھیر ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ایک ڈھیر سے گزرتے وقت میں گڑھے میں گر پڑا تھا۔ اس بار میں گڑھے میں نہیں گیا۔ بھاگنے کے دوران گھاس پھوس کے ڈھیر میں اچانک میرے ایک پاؤں کو جھٹکا پہنچا اسٹین گن ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ میں کسی بستی میں جانے کی بجائے آسمان کی بلندی پر تیزی سے جا رہا تھا۔ اس طرح کہ میری ٹانگیں اوپر تھیں اور سر نیچے۔ میری ایک ٹانگ میں مضبوط رسی کا پھندا تھا۔ جنگلوں میں جانوروں یا دشمنوں کو شکار کرنے کا یہ بہت پرانا طریقہ ہے۔ الٹا لٹکنے کے بعد یہ بات میری سمجھ میں آئی کہ کس طرح گھاس پھوس کی تہہ میں کمند بچھائی گئی تھی۔

تناور درخت کے سب سے اونچی شاخ سے گزرنے والی رسی مجھے ادھر سے ادھر جھلا رہی تھی۔ کبھی میں جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ کبھی جھولتا ہوا جھونپڑیوں کی چھتوں پر سے گزر رہا تھا۔ بستی کے بچے مجھے دیکھ کر خوشی سے اچھلنے لگے۔ مرد عورتیں قہقہے لگا رہے تھے۔ میں اتنی بلندی پر جھول رہا تھا کہ دور تک جنگل اور بستی نظر آ رہی تھی۔ ایک بار جھولتا ہوا بستی کی طرف گیا تو دیکھا۔ وہ لوگ واسنا کو گھسیٹتے ہوئے ایک جھونپڑی کے اندر لے جا رہے تھے۔ پھر جھولتا ہوا جھاڑیوں پر سے گزرتا ہوا جنگل کی طرف گیا تو ہمارے ساتھ آنے والے طیارے کے مسافر دور ساحل کی طرف بھاگتے جا رہے تھے۔ انہوں نے قصاب کی دکان پر الٹے لٹکے ہوئے بکرے کی طرح مجھے دیکھ لیا تھا۔ اب اپنی جان بچا کر بھاگ رہے تھے۔

میں نے بستی کی طرف جھولتے ہوئے چیخ کر کہا" میں دشمن نہیں دوست ہوں۔ مجھے نیچے اتار دو۔ میں تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آیا تھا۔ تم مجھے نقصان نہ پہنچاؤ"

میں تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا تھا کہ وہ میری بولی نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ان کے سامنے میری التجائیں ایسی تھیں جیسے کوئی جانور شکار ہونے کے بعد اپنی زبان میں چیخ رہا ہو۔ اب وہ لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ کوئی میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا البتہ بچے میری طرف پتھر پھینک رہے تھے۔ چونکہ میں کافی بلندی پر جھول رہا تھا اس لیے پتھروں سے محفوظ تھا۔ پھر بھی میری کیا گت بن گئی تھی کہ بچے پتھر مار رہے تھے۔ ہائے رے فرہاد علی تیمور!

ایسی بلندی کوئی نہیں چاہتا جہاں پہنچ کر آدمی الٹ جائے

میں نے کمر کی طرف سے خم کھا کر اوپر اٹھنے کی کوشش کی، تاکہ پاؤں سے بندھی ہوئی رسی کو پکڑ لوں۔ ایسے وقت رُدما نہ یاد آئی۔ وہ میری جگہ ہوتی تو جمناسٹک کے کرتب دکھا کر بہ آسانی درخت کی شاخوں تک پہنچ جاتی۔ میں اپنی کوشش میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ آہستہ آہستہ خم کھا کر اپنے پاؤں تک پہنچ گیا۔ پھر پاؤں سے بندھی ہوئی رسی کو تھام لیا۔

اسے تھامنے کے بعد پتہ چلا کہ اس کے ذریعہ درخت کی کسی شاخ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ کیونکہ رسی کو کسی تیل یا چربی میں بھگو کر خشک کیا گیا تھا۔ اب اس میں ایسی چکناہٹ پیدا ہو گئی تھی کہ اسے مضبوطی سے تھامتے وقت ہاتھ پھسل پھسل جاتے تھے۔ میں نے کئی بار اسے جم کر پکڑنا چاہا مگر ناکامی ہوئی۔ میں تھک ہار کر پھر الٹ گیا۔

سر نیچے اور ٹانگیں اوپر....

بستی کے کچھ لوگ سر اٹھائے مجھے دیکھ رہے تھے اور میری ناکامی پر ہنس رہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ انہوں نے مجھے الٹا لٹکا کر کیوں چھوڑ دیا ہے۔ وہ مجھے ہلاک کر سکتے تھے یا نیچے اتار کر سزا دے سکتے تھے لیکن وہ ایسے مطمئن تھے جیسے جانور کو باندھ کر چھوڑ دیا ہو کہ اب وہ کہیں نہیں جا سکتا۔

کافی وقت گزر گیا۔ اب رسی کا جھولا تھم گیا تھا۔ میں تڑپ کر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ چاروں طرف دیکھنے لگا۔ رسے کی لمبائی تک دوسری سمت ایک اور درخت نظر آیا۔ یعنی میں بستی کی سمت جھولنے کے بجائے دوسرے درخت کی طرف جھولنا شروع کر دیتا تو

اس کی کسی شاخ تک پہنچ سکتا تھا لیکن میں ایسا نہ کر سکا۔ اسی بلندی سے میں نے ایک ویگن کار دیکھی جو بستی کی طرف آ رہی تھی۔

پہلے تو دل نے تسلی دی کہ امدادی پارٹی پہنچ گئی ہے جو کہ محض خوش فہمی تھی۔ جب ویگن کار قریب آئی تو بستی کے باشندے اسے چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ پھر اس میں سے باہر آنے والوں کے سامنے گھٹنے ٹیکنے لگے۔ تمام گورے صاحب سر اٹھا کر مجھے دیکھ رہے تھے اور آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک گورا صاحب میری اسٹین گن اٹھا کر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے بستی کے ایک شخص سے کچھ کہتے ہوئے میری طرف اشارہ کیا۔

صاحب کے حکم کے مطابق بستی کے کچھ لوگ درخت کے اس تنے کے پاس گئے جہاں رسی کا دوسرا سرا بندھا ہوا تھا۔ وہ لوگ وہاں سے رسی کھول کر آہستہ آہستہ ڈھیل دینے لگے۔ میں آہستہ آہستہ سر کے بل نیچے آنے لگا۔ پہلے ایک جھونپڑی کی چھت تک پہنچا۔ پھر اس سے نیچے ایک کھڑکی کے پاس پہنچتے ہی صاحب بہادر کے حکم پر رسی روک کر پھر تنے سے باندھ دی گئی۔ یعنی اب میں زمین سے پانچ فٹ کی بلندی پر لٹک رہا تھا۔

تمام صاحب بہادر میرے قریب آ گئے۔ ایک نے اسٹین گن دکھاتے ہوئے مجھ سے کہا" یہ جوزف کی گن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کل رات تم نے ہی اسے زخمی کیا تھا اور کھانے کا تمام سامان اٹھا کر لے گئے تھے"

"میں بھوک سے مجبور تھا"

میرا جواب سنتے ہی ایک نے میرے منہ پر گھونسہ جڑ دیا۔ ایک گھونسے نے مجھے ادھر سے ادھر جھلانا شروع کر دیا۔ اس نے جھولتی ہوئی رسی کے مطابق نشانہ باندھ کر پھر ایک گھونسہ مارنا چاہا لیکن میں نے الٹا لٹکنے کے باوجود اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ اس کے قدم اکھڑ گئے۔ وہ میرے ساتھ لٹکتا اور گھسٹتا ہوا دور جا کر گر پڑا۔ اس کے ساتھیوں کو غصہ آ گیا۔ وہ چاروں طرف سے گھونسے اور کراٹے کے ہاتھ مارنے لگے۔ میں کسی سے بچ رہا تھا۔ کسی سے مار کھا رہا تھا۔ بلکہ زیادہ کھا رہا تھا۔ میری گردن، کمر اور بازو پھوڑے کی طرح دکھنے لگے۔ چہرہ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سوج گیا ہو۔

پھر ایک نے حکم دیا کہ تمام ساتھی اپنے ہاتھ روک لیں۔ اس کا حکم مان لیا گیا۔ اس نے پوچھا" وہ بریف کیس کہاں ہے؟" میں نے کراہتے ہوئے جواب دیا" میرے پاس کوئی بریف کیس نہیں ہے"

مجھے پھر مار پڑنے لگی۔ ایک نے کہا" تم نے جوزف کے کاٹیج سے کھانا چرایا تھا۔ وہیں سے بریف کیس بھی اٹھا کر لے گئے ہو۔" دوسرے نے کہا" اسے واپس کر دو۔ ہم تمہیں جان سے نہیں ماریں گے"

وہ لوگ جان لے کر ایسا ظلم نہ کرتے جیسا کہ اب کر رہے تھے۔ اب تو دو آدمیوں نے ہاتھ میں ڈنڈے لے کر ادھر ادھر سے مارنا شروع کر دیا تھا۔ میں چیخنا نہیں چاہتا تھا مگر تکلیف کی شدت سے آپ ہی آپ حلق سے آوازیں نکل رہی تھیں۔ مار برداشت کرنے کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا رہا تھا۔ پتہ نہیں میرے جسم کے کون کون سے حصے کی جلد پھٹ گئی تھی۔ کہاں کہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ مجھ پر بیہوشی طاری ہو رہی تھی۔

کسی کی آواز کانوں میں آئی۔ وہ کہہ رہا تھا" طیارے کے کسی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ صرف اس صورت میں جان بخشی جا سکتی ہے کہ وہ بریف کیس ہمارے حوالے کر دو...."

وہ آخری آواز میں نے سنی۔ پھر میرے کان بند ہو گئے۔ میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس کے بعد یہ دنیا میرے لیے مر گئی۔ میری بے ہوشی نے مجھے بچا لیا۔ ورنہ وہ کسی بریف کیس کے بارے میں پوچھتے پوچھتے مجھے مار ہی ڈالتے۔ یوں بھی وہ مجھ جیسے طیارے کے کسی بھی مسافر کو زندہ نہیں چھوڑ سکتے تھے کیونکہ ہم عینی شاہد تھے کہ انہوں نے طیارے کو اغوا کیا ہے۔ وہ تو جانے کہاں سے بریف کیس کا مسئلہ درمیان میں آ گیا تھا۔ میں کھانے کا چور تھا۔ وہ مجھے بریف کیس کا چور سمجھ رہے تھے۔ وہ بریف کیس یقیناً اتنا اہم تھا کہ اسے حاصل

کیے بغیر وہ مجھے جان سے نہیں مار سکتے تھے۔

مجھے آہستہ آہستہ ہوش آنے لگا۔ پہلے تو یوں محسوس ہوا کہ میں اندھا ہوں۔ کچھ نظر نہیں آ رہا ہے اور میں انسان کے بجائے اندھیرے میں الٹا لٹکنے والی چمگادڑ بن گیا ہوں۔ ان ظالموں نے مجھے بیہوشی کی حالت میں بھی اسی طرح لٹکا چھوڑ دیا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ سمجھ میں آیا کہ میں اندھا نہیں ہوں بلکہ اندھیرا ہو چکا ہے اور اب رات کو بھی اسی طرح الٹا لٹکتے رہنا ہوگا۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ میں اسی طرح لٹکتے لٹکتے اپنی مشکل آسان کروں۔ میری آسانی کے لیے اس معبود کی رضا سے اچانک ہی میرے سامنے ایک موم بتی آ گئی۔ کئی دنوں کے بعد میری مراد خود بخود پوری ہو گئی۔ میں کھڑکی کے سامنے لٹک رہا تھا۔ کھڑکی کے ساتھ ایک میز تھی اور ایک صاحب بہادر موم بتی روشن کر کے اس میز پر رکھ رہا تھا۔ اس نے کھڑکی کے باہر مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا اب بھی نہیں بتاؤ گے کہ بریف کیس کہاں ہے؟"

میں نے کچھ کہنا چاہا مگر حلق خشک ہو رہا تھا۔ میں صرف "پانی" کہہ کر رہ گیا۔

اس نے حقارت سے کہا "تم پیاسے مرو گے۔ تمام رات اسی طرح لٹکتے رہو گے۔ اگر صبح تم نے زبان نہ کھولی تو ہم تمہیں گولی مار دیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر میز پر جھک کر لکھنے پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ موم بتی کی لو عین نگاہوں کے سامنے تھی۔ میں نے اس پر نظریں جما دیں۔ بڑی خاموشی سے اپنا بھولا ہوا سبق یاد کرنے لگا۔

میری یادداشت کمزور نہیں ہے۔ پتہ نہیں رس ونتی نے کیسی جڑی بوٹیوں کا عرق پلایا تھا کہ میں سوچ کی پرواز بھول گیا تھا۔ اسے یاد کرنے کے لیے ارتکاز توجہ کی ضرورت تھی اور یہ توجہ شمع بینی سے ہی حاصل ہو سکتی تھی۔ میں بڑی دیر تک شمع کی لو پر نظریں جمائے رہا۔ اپنی توجہ کو صرف سوچ کی اڑان پر مرکوز کرتا رہا جیسے کسی چڑیا کا بچہ پہلی بار اپنے ننھے ننھے پر اٹھاتا ہے۔ پھُدکتا ہے، اڑنے کے لیے اوپر اٹھ کر پھر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح میری سوچ ہمک رہی تھی۔ پر تول رہی تھی۔ ذرا اونچی اڑتی تھی پھر گر جاتی تھی۔ اس طرح یہ ہوا کہ سوچ کو پرواز کا سلیقہ آتا گیا۔

تقریباً پندرہ منٹ تک مشق جاری رہی۔ پھر اچانک ہی صاحب بہادر نے موم بتی اٹھالی۔ میں پریشان ہو گیا۔ میری محنت رائیگاں جا رہی تھی۔ میری منزل قریب آ کر دور جا رہی تھی۔ وہ موم بتی کو دور لے گیا۔ ایک الماری کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔ دور کسی جھونپڑی سے موسیقی کی آواز آ رہی تھی۔ ساتھ ہی شرابی قہقہے بلند ہو رہے تھے۔

ایک منٹ بعد وہ الماری سے ایک کتاب نکال کر لے آیا پھر موم بتی کو اسی جگہ میز پر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے مجھ پر ایک نظر ڈالی۔ مجھے ایک گندی سی گالی دی۔ پھر کتاب کھول کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ میں مجبور تھا۔ اس کی گالی ہضم کرنی پڑی۔ پھر سب کچھ بھول کر میں نے شمع کی لو پر نظریں جما دیں۔

وقت گزرتا نہیں بلکہ انسان اسے گزار دیتا ہے۔ وہ صاحب بہادر کسی خاص مقصد کے لیے کتابیں پڑھ کر وقت گزار رہا تھا۔ میری لہریں شمال سے آنے والی مقناطیسی ہواؤں کے دوش پر کھڑکی کے اس پار پہنچ گئیں۔ وہ میرے جواہرات کے متعلق ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔

پھر جیسے مدتوں بعد میری سوچ نے اس کے دماغ کے دریچے میں داخل ہو کر کہا "ذرا مسکراؤ۔"

وہ کتاب سے نظریں اٹھا کر مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ میں نے ہنسنا شروع کیا۔ وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگا۔

جو لوگ دشمنوں کو احمق بنانے کا فن نہیں سیکھتے، وہ میری طرح ساری زندگی تقدیر کے پھندے پر الٹے لٹکتے رہتے ہیں۔ اب میرے سیدھے ہونے اور ان کے الٹے ہونے کی باری آئی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ قیدی ہنس رہا ہے۔ اگر میں ہمدردی سے پیش آؤں گا تو یہ بریف کیس کا پتہ بتا دے گا۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بولا "پانی پیو گے؟"

"میں الٹا لٹک کر نہیں پی سکوں گا۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی سوچ میں کہا "یہ بُری طرح زخمی ہے۔ اس میں اتنی ہمت نہیں رہی کہ آزاد ہو کر مجھ پر حملہ کر سکے۔ میں اسے ریوالور کی زد میں رکھوں گا۔"

اس نے کہا "میں ایک شرط پر تمہیں زمین پر لے آؤں گا۔"

میں نے کہا "میں سمجھ گیا۔ میں تمہیں اس بریف کیس تک پہنچا دوں گا۔"

وہ کھڑکی کے پاس سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چار مقامی باشندوں کے ساتھ آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ریوالور اور پانی کا جگ تھا۔ دو مقامی باشندوں نے درخت کے پاس جا کر رسی کھولی مجھے آہستہ آہستہ زمین پر پہنچا دیا۔ بیشک انہوں نے مجھے اتنا مارا تھا اور اتنے زخم پہنچائے تھے کہ میں ادھ موا نظر آ رہا تھا لیکن میری قوت برداشت اور قوتِ ارادی کو وہ لوگ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ میں اب بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا تھا اور ایک آدھ سے نمٹ سکتا تھا مگر میں نے خود کو بہت ہی کمزور ظاہر کیا۔ زمین پر پڑا کراہتا رہا۔

ایک شخص نے چاقو کھول کر پاؤں کی رسی کاٹ دی۔ دوسرے نے مجھے سہارا دے کر بٹھایا اور پانی کا جگ منہ سے لگا دیا۔ اس وقت

میرے لیے پانی سے بڑی کوئی نعمت نہ تھی۔ میں نے غٹا غٹ پینا شروع کر دیا۔ مگر چند ہی گھونٹ کے بعد انگریز بہادر نے پانی کے جگ کو ٹھوکر مار دی۔ جگ اچھل کر دور جا گیا۔ اس نے پوچھا "اب بتاؤ اسے کہاں رکھا ہے؟"

میں نے اس کی سوچ میں کہا "بیٹھ جاؤ۔"

وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "ریوالور کو میں قیدی کی طرف پھینک رہا...."

اس نے ریوالور میری طرف اچھال دیا۔ پھر خود بھی حیرانی سے اچھل پڑا۔ میں نے ریوالور سے اس کا نشانہ لیتے ہوئے حکم دیا "چپ چاپ بیٹھے رہو اور اپنے آدمیوں سے کہو۔ مجھ سے دور رہیں۔"

وہ دوبارہ بیٹھ کر حیرانی سے بولا "ہم... میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں نے اپنا ریوالور تمہیں کیوں دے دیا۔ کیا تم کالا جادو جانتے ہو؟"

"ہاں اپنے ان غلاموں کو بتاؤ کہ میں افریقہ کا وچ ڈاکٹر ہوں۔ ان کے دکھوں کا علاج بھی کر سکتا ہوں اور انہیں جان سے مار بھی سکتا ہوں۔"

انگریز بہادر نے سوچا "یہ مقامی باشندوں کی بولی نہیں سمجھتا ہے۔ میں انہیں ان کی زبان میں حکم دوں گا کہ یہ سب اچانک اس پر حملہ کر دیں...."

میں نے اس سے کہا "میں تمہاری مکاری کو سمجھ رہا ہوں۔ جیسے ہی یہ مجھ پر حملہ کریں گے میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

اس کی حیرانی بڑھتی جا رہی تھی کہ میں کیسے اس کے دل کی بات سمجھ رہا تھا۔ میں نے حکم دیا "اپنے غلاموں سے وہی بات کہو جو میں کہہ چکا ہوں۔"

وہ ان کی زبان میں کہنے لگا "جنگل کے باسی بھوت پریت اور کالے جادو سے ڈرتے ہیں۔ ملایا کے جنگلی اپنی پیشانی یا گالوں پر لال رنگ لگاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ سرخ رنگ کو دیکھ کر نادیدہ بلائیں قریب نہیں آتیں۔ انگریز بہادر نے جب انہیں بتایا کہ میں کالا جادو جانتا ہوں تو وہ سب سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

میں نے انگریز بہادر سے کہا "اپنے غلام کے ہاتھ سے چاقو لے لو۔"

اس نے چاقو لے لیا۔ اس کے ساتھ ہی میں اس انگریز کے دماغ میں جا کر بیٹھ گیا۔ یعنی اب ظاہری جسم اس کا تھا اور دماغ کی سوچ میری تھی۔ میں جو کرتا، وہی وہ بھی کرتا۔ لہٰذا میں نے ایک خیالی چاقو کے دستے کو دونوں ہاتھوں سے اس طرح پکڑا کہ چاقو کی نوک انگریز کے سینے کی طرف ہو گئی۔ وہ بے بس تھا۔ اس کی کھوپڑی میں میری عقل کام کر رہی تھی۔ یکبارگی میں نے ایک جھٹکے سے خیالی چاقو کی نوک اپنے سینے میں پیوست کر دی۔

انگریز بہادر کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔ اس کے دیدے پھیل گئے۔ وہ بیٹھے بیٹھے زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ اس کا لباس لہو سے بھیگتا جا رہا تھا۔ دوسری جانب وہ چاروں مقامی باشندے اپنے سینے پر ہاتھ باندھ کر میرے سامنے جھک گئے تھے۔ انہوں نے ایکبار سر اٹھا کر سہمی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ میں نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں تسلی دی۔ انہیں اشاروں کی زبان سے سمجھایا "تم سب میرے فرمانبردار رہو۔ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔"

انہوں نے پھر گھٹنے ٹیک کر سر جھکا دیے۔ میں کراہتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگا۔ مجھے اتنی مار پڑی تھی کہ سارا بدن پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ کئی جگہ خون کی پپڑیاں جم گئی تھیں۔ میں نے ان سے واسنا کے متعلق پوچھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ میں نے خیالی ساڑھی پہن کر انہیں بتایا۔ اشاروں میں پوچھا کہ ایسا لباس پہننے والی کہاں ہے؟

ان کا اشارتی جواب سمجھ کر میرے دل کو دھچکا سا لگا۔ وہ طیارے کے اغوا کی عینی شاہد تھی اس لیے ظالموں نے اسے گولی مار دی تھی۔ میں نے دانت پیس کر اس انگریز کی لاش کو دیکھا۔ دور کسی جھونپڑی سے اب تک موسیقی رقص اور قہقہوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"قاتلو! تم نے اپنے جرم پر پردہ ڈالنے کے لیے واسنا جیسی محبت کرنے والی ہستی کو مار ڈالا۔ میں تم سب کو چن چن کر قتل کروں گا۔"

میں غصے میں آگے بڑھا مگر میرے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ کمزوری کے باعث سر چکرانے لگا۔ دوپہر سے رسی بندھی ہوئی تھی۔ اس لیے میرا ایک پاؤں بے کار سا ہو گیا تھا۔ میں ایک مقامی باشندے کا سہارا لے کر لنگڑاتے ہوئے اس جھونپڑی کی طرف چلنے لگا، جہاں موسیقی کی آواز آ رہی تھی، اور جہاں دشمن اپنی زندگی کا آخری جشن منا رہے تھے۔

میرے ایک مقامی وفادار نے کچھ کہا۔ میں اس کے اشاروں سے سمجھ گیا۔ وہ مجھے آرام کرنے کے لیے کہہ رہا تھا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ جھونپڑی کی کھڑکی اور دروازے سے گانے بجانے کا شور بلند ہو رہا تھا ساتھ ہی کوئی زور زور سے بول رہا تھا۔ میں اس کی آواز اور لہجے کی ڈور تھام کر اس کے دماغ تک پہنچ گیا۔ اب جھونپڑی کے اندر جانا ضروری نہیں تھا۔ میں باہر ہی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میرے وفادار بھی میرے آس پاس گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے۔

میں نے جس انگریز کی سوچ کو گرفت میں لیا تھا، اب اس کی دماغی آنکھوں سے جھونپڑی کا اندرونی منظر دیکھ رہا تھا۔ وہاں اس کے تین ہم زبان مرد اور دو عورتیں تھیں۔ ایک میز پر ٹیپ ریکارڈر

سے آرکسٹرا کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اس کے قریب ہی اسٹین گن اور ریوالور وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ دوسری میز پر شراب کی بوتلیں، شیشے کے ساغر اور کھانے کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں اور وہ جھونپڑی کے وسط میں کھلی جگہ پر ڈانس کر رہے تھے۔

میں جس کے دماغ میں تھا، وہ ایک لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈال کر رقص کرتا ہوا اونچی آواز میں بول رہا تھا۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "جانتی ہو میرا نام...."

"ہیرالڈ ہے۔" اس کی سوچ نے بات مکمل کر دی۔

لڑکی نے کہا "میں نے تم سے نام تو نہیں پوچھا تھا۔ تمہیں نشہ ہو رہا ہے۔"

"روزی! میں پوری بوتل پی لوں تب بھی ہوش میں رہوں گا۔ میرا نام...."

میں نے ہیرالڈ بن کر روزی کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ وہ چیخ مار کر الگ ہو گئی۔ غصے کی شدت سے گالیاں دینے لگی۔ دوسرے نوجوان نے اس کی حمایت میں کچھ کہنا چاہا تو ہیرالڈ نے اسے ایک گھونسے میں دوسری طرف الٹا دیا۔ اس وقت ہیرالڈ اپنی ذات میں تنہا نہیں تھا اس کی ذات پر میری سوچ کا سکہ چل رہا تھا۔ ذرا سی دیر میں وہاں اچھا خاصہ ہنگامہ برپا ہو گیا۔ وہ لوگ ہیرالڈ کو پکڑ کر اسے سمجھانا چاہتے تھے لیکن میری سوچ نے اسے اسٹین گن کے پاس پہنچا دیا۔ پہلے اس نے ٹیپ ریکارڈر اٹھا کر ان کی طرف پھینکا۔ وہ منتشر ہو کر دور ہٹ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھتے ہیرالڈ نے اسٹین گن سنبھال لی۔

وہ "اپنی طاقت اور اسلحے پر گھمنڈ کرنے والو! تمہارا دماغ تمہارا نہیں، میرا ہوتا ہے۔ اس دنیا کے ہر انسان کی کھوپڑی سے فرہاد بولتا ہے۔ مجھ سے بچ کر کہاں جا سکو گے؟"

ایک نے چیخ کر کہا "ہیرالڈ! تم نشے میں ہو۔ اسٹین گن پھینک دو۔"

اس کی بات ختم ہوتے ہی تڑاتڑ گولیاں چلنے کی آوازیں آئیں۔ انسانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔ دو عورتیں چیختی ہوئی باہر آ گئیں ہیرالڈ ان کے پیچھے دوڑتا ہوا آیا۔ پھر چیخ کر بولا "ہالٹ!"

وہ دونوں رک گئیں۔ روزی موت کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے ساتھ والی ادھیڑ عمر کی عورت نے گڑگڑا کر کہا "ہیرالڈ! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ فار گاڈ سیک ہوش میں آؤ۔"

میں ہیرالڈ کے دماغ سے نکل آیا۔ اس نے چونک کر جھونپڑی کے اندر دیکھا۔ وہاں تینوں ساتھیوں کی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ بڑے حیرت کے اس کے ہاتھوں سے اسٹین گن چھوٹ گئی۔ اس نے ایک نظر ہم پر ڈالی۔ ہم زمین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے ہمیں نظر انداز کرتے ہوئے ادھیڑ عمر کی عورت سے پوچھا "میری! مجھے کیا ہو گیا تھا؟ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہا تھا اور خواب میں گولیاں چلا رہا تھا۔"

میری نے آگے بڑھ کر پوچھا "اب تو ہوش میں آ گئے ہو؟ ہم پر تو گولیاں نہیں چلاؤ گے؟"

میرے وفاداروں میں سے ایک اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ میری اس کی زبان سمجھتی تھی وہ حیرانی اور بے یقینی سے میری جانب دیکھتے ہوئے سوچنے لگی "کیا واقعی یہ کالا جادو جانتا ہے کیا ابھی جو کچھ ہوا یہ سب جادو کا اثر تھا؟"

میں نے کہا "میری! تم درست سوچ رہی ہو۔ ابھی تمہارے سامنے ہیرالڈ اپنی جان دے گا۔"

وہ پریشان ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ ہیرالڈ نے میری بات سنتے ہی فوراً اسٹین گن اٹھا کر کہا "یو وچ ڈاکٹر! میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

میں نے اسے دماغی جھٹکا پہنچایا۔ اس کے حلق سے چیخ نکلی۔ اسٹین گن ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام کر آگے پیچھے جھولنے لگا۔ میں نے پھر اس کے دماغ میں ہلچل مچائی۔ وہ چیختا ہوا گر پڑا۔ زمین پر ادھر ادھر تڑپنے لگا میں نے میری سے پوچھا "اس ساڑھی والی ہندوستانی عورت کو کس نے گولی ماری تھی؟"

وہ مارے دہشت کے تھوک نگلتے ہوئے سوچنے لگی۔ "میں ہیرالڈ کا نام نہیں لوں گی۔ اس کی جان بخشی کی التجا نہیں کروں گی۔"

میں نے اپنے ریوالور کو ہیرالڈ کی جانب اچھال دیا۔ وہ زمین پر پڑا دماغی تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ریوالور کو قریب دیکھتے ہی اس نے اسے اٹھا لیا لیکن مجھے نشانہ نہ بنا سکا۔ جو اس کے دماغ میں موجود ہو، بھلا اسے کیسے ٹارگیٹ بنا سکتا تھا البتہ وہ خود اپنے دماغ سے یا اپنی کھوپڑی سے باہر تھا۔ ریوالور کی نال اس کی کھوپڑی سے لگ گئی۔

میری نے چیخ کر کہا "نہیں ہیرالڈ نہیں...!"

دھائیں کی آواز رات کے سناٹے میں گونجتی چلی گئی۔ پھر یکلخت خاموشی چھا گئی۔ میری دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر رونے لگی۔ میں نے بڑی سفاکی سے کہا "اس ہندوستانی عورت کی موت پر آنسو بہانے والا کوئی نہ تھا۔ چپ ہو جاؤ، ورنہ تمہاری موت پر بھی کوئی نہیں رونے گا!"

وہ سہم کر جلدی جلدی اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ روزی مجھے دیکھ کر تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میرے وفادار مارے وحشت کے بار بار میرے سامنے جھک رہے تھے اور بلند آواز میں کچھ کہہ رہے تھے۔ میں نے میری سے پوچھا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

وہ میرے آگے گھٹنے ٹیک کر بولی "یہ تمہیں قہر کا دیوتا سمجھ کر بستی کے

لوگوں کو آوازیں دے رہے ہیں اور اُن سے کہہ رہے ہیں کہ وہ تمہارے سامنے آ کر جھک جائیں!"

وہ درست کہہ رہی تھی، ذرا سی دیر میں بستی کے تمام دروازے کھل گئے۔ مرد، عورتیں میرے اطراف جمع ہو کر سر جھکانے لگے۔ میں نے میری سے کہا۔ "انہیں سمجھاؤ کہ سر صرف ایک خُدا کے آگے سر جھکایا جاتا ہے۔ میرے سامنے کوئی نہ جھکے۔ میری عزت کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ میرے سامنے مسکرا دیا کریں!"

میری انہیں سمجھانے لگی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ چاروں طرف دانتوں کی نمائش ہونے لگی یعنی وہ مسکرا رہے تھے۔ نوجوان روزی بھی سہمی ہوئی مسکرا رہی تھی، میں نے اُسے حکم دیا کہ میرے لئے کھانے کا انتظام کرے۔ میری سے کہا کہ وہ میرے زخموں کے لئے فرسٹ ایڈ کا سامان لے آئے، پھر میں اپنے وفاداروں کا سہارا لے کر ایک جھونپڑی میں آیا۔ وہاں مجھ دیوں نے اپنے عیش و آرام کا تمام سامان مہیا کر رکھا تھا۔ میں آرام دہ بستر پر لیٹ گیا۔

میں میری اور روزی کی طرف سے مطمئن نہیں تھا، وہاں باری باری ان کی سوچیں پڑھتا جا رہا تھا۔ بستی کے بڑے بوڑھے میرے بستر کے اطراف کھڑے ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک بوڑھے نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا "صاحب! تمہارا کپڑا خون خون ہو گیا۔ اِدھر گورا لوگ کا بہت کپڑا ہے، بدل لی کر لو!"

میں نے کہا۔ "تم انگریزی سمجھ لیتے ہو، یہ اچھا ہی ہُوا۔ اب تم میرے ساتھ رہا کرو گے اور میری باتیں اپنے لوگوں کو سمجھایا کرو گے۔ ابھی میرے لئے کپڑے منگوا دو، تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام مانگلا ہے۔ یہاں کے اور بھی نوجوان انگریزی سیکھ رہے ہیں، تم تو بہت اچھا بولتا ہے!! اسے سے تُو اِدھر آ جا!"

ایک صحت مند نوجوان میرے سامنے آ کر مسکرانے لگا۔ میں نے کہا "میرے لئے کپڑے لے آؤ۔ اور گورے لوگوں کے ہر سامان کو مقفل کر دو۔ میری اجازت کے بغیر میری اور روزی بھی کسی سامان کو ہاتھ نہ لگائیں اور نہ ہی ان دونوں کو بستی کے باہر جانے کا موقعہ دیا جائے۔ اب جاؤ!"

وہ چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میری فرسٹ ایڈ کا سامان لے آئی۔ پھر میرے زخموں کو صاف کر کے دوائیں لگانے لگی۔ اس دوران روزی ایک مقامی باشندے کے سر پر کھانے کی بڑی سی ٹرے رکھ کر لے آئی۔ اس ٹرے کو میرے بستر کے سرہانے والی میز پر رکھ دیا گیا۔ مرہم پٹی کے بعد میری ایک انجکشن تیار کرنے لگی۔

میں نے کہا۔ "روزی! اس ٹرے میں جو دودھ کا جگ رکھا ہوا ہے، اسے تم پیو گی۔ کیوں ٹھیک ہے نا روزی!"

روزی کا چہرہ فق ہو گیا۔ وہ ہچکچانے لگی۔ میں نے کہا "اور جو انجکشن میرے لئے تیار ہو چکا ہے، وہ تمہیں لگایا جائیگا۔ کیوں ٹھیک ہے نا میری!"

میری کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اُن دونوں نے آپس میں مشورہ نہیں کیا تھا، اپنے اپنے طور پر مجھے ہلاک کرنے کے لئے ایک دُودھ میں زہر ملا کر لائی تھی، دوسری نے زہریلا انجکشن تیار کیا تھا۔ میں نے مانگلا کو صورتِ حال سے آگاہ کیا، اُس نے اپنے آدمیوں سے کچھ کہا تو کہتے ہی لوگوں نے آگے بڑھ کر میری اور روزی کو پکڑ لیا۔ وہ دونوں گڑگڑا کر معافی مانگنے لگیں۔

انہیں معاف نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن مجرموں کے متعلق اُن سے بہت سی معلومات حاصل کرنا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ابھی انہیں کسی جگہ قید کر دیا جائے۔ میں کل صبح ان کی زندگی اور موت کا فیصلہ کروں گا۔ وہ لوگ انہیں وہاں سے لے گئے۔ ستے تو میرے لئے لباس لے آیا۔ میں لباس تبدیل کر کے کھانے کے لئے بیٹھ گیا اور مانگلا اور ستے تو کو سمجھاتا رہا کہ وہ کسی گورے آدمی سے خوف نہ کھائیں، جو بھی بستی میں دُشمن بن کر آئے گا، میں انہیں خاک میں ملا دُوں گا!

دُشمنوں کو خاک میں ملانے کا تماشہ وہ دیکھ چکے تھے اور مجھ سے ایسے مرعوب تھے کہ میں سجدہ کرنے سے نہ روکتا تو نعوذ باللہ مجھے پوجنا شروع کر دیتے۔ مانگلا چند آدمیوں کو میرے کاٹیج کے باہر پہرہ دار بنا کر چلا گیا۔ ستے تو کو میں نے دوسرے کمرے میں سونے کے لئے کہا۔ پھر اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے بستر پر لیٹ گیا۔

اب اطمینان سے اپنوں کی خیریت معلوم کرنے کا وقت آ گیا تھا، سونیا اور رومانہ کے لئے میں کبھی فکر مند نہیں ہُوا کیوں کہ وہ دونوں ہی اپنے وجُود میں آتش فشاں تھیں۔ آگ اور خون کے دریا سے گزرنے کا سلیقہ جانتی تھیں، لہٰذا میں آنکھیں بند کر کے سب سے پہلے شبانہ کے دماغ میں پہنچ گیا۔

وہ رات کے وقت کھلے جنگل میں ایک برگد کے تنے سے لگی بیٹھی تھی، اُس کے قریب وِنود شرما زمین پر اوندھا لیٹا ہُوا تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ ایک بیاہتا عورت تنہائی میں اپنے جُدا ہونے والے شوہر کے متعلق سوچتی ہے، وہ میرے متعلق سوچ رہی تھی۔ میں نے اس کی سوچ میں کہا "میرے بھی کیا نصیب ہیں، شادی ہوتے ہی سکون برباد ہو گیا۔ دوسری عورتوں کو پھولوں کی سیج ملتی ہے مجھے کانٹوں کا یہ جنگل ملا ہے!!"

وہ سرد آہ بھر کر سوچنے لگی "اگر عازم مل جاتے تو یہ کانٹوں کا جنگل پھر ایک بار پھولوں کا مسکن بن جائیگا۔ وہ درست کہتا تھا۔ آخر وقت تک مجھے سمجھاتا رہا کہ وہ میرا شوہر نہیں ہے۔ میں نے اُس کی ایک نہ مانی، جذبات میں اندھی ہو رہی تھی۔ خود ہی اپنا سب کچھ اُس کے حوالے کر دیا!"

میں نے اُس کی سوچ میں کہا "ہو سکتا ہے کہ اب میں غلط سوچ رہی ہوں، وہی میرا عازم ہو!"

"نہیں! وہ کوئی اور ہے مستقل مزاج اور فقیری آدمی ہے۔ شرما کی پستول کے سامنے بھی وہ شراب پینے سے کتراتا رہا، عازم ہوتا تو فوراً ہی پینا شروع کر دیتا۔ میں اب اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، یہ وہی فرہاد ہے جسے

رُومانہ نامی کوئی لڑکی چاہتی ہے اور وہ رُومانہ عازم کو فرہاد سمجھ کر اپنے ساتھ لے گئی ہے۔ یقیناً اُس نے بھی اپنا سب کچھ عازم کے حوالے کر دیا ہو گا!"

میں نے کہا۔ "پتہ نہیں، ہم کیسے چکر میں پڑ گئی ہیں، اب انجام کیا ہو گا؟"

"ہو گا کیا، جسے میں نے اپنے جسم کا مالک بنا دیا ہے، اب وہی میرا رہے گا۔ میں عازم کے سامنے نہیں جاؤں گی۔ مگر فرہاد؟ فرہاد کو میں کہاں تلاش کروں؟"

میں نے چپکے سے اس کی سوچ میں کہا "گڑھا!"

اس کی سوچ کہنے لگی، وہ گڑھے سے نکلنے کے بعد شرما سے نجات حاصل کرنا چاہتی تھی اور شرما اُس کی جوانی سے کھیلنے پر تُلا ہُوا تھا۔ وہ بار بار اسکی گرفت سے نکل کر بھاگ رہی تھی۔ اس بھاگ دوڑ میں شرما کے جُوتے کا اگلا حصّہ پھٹ گیا، اس طرح اس کی تیز رفتاری میں فرق آ گیا۔ شبانہ اس سے دُور نکلتی چلی گئی۔

وہ اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی، وہ جنگل بیچ بیچ بھول بھلیاں تھا۔ چک پھیری کی طرح شبانہ کو گھما کر پھر اُسی گڑھے کے پاس پہنچا دیا۔ اُس نے گڑھے کے کنارے جُھک کر دیکھا، میں وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ چیخ چیخ کر مجھے آوازیں دینے لگی۔ اُس پر سچ مچ آزمائشی وقت آ پڑا تھا، شوہر بچھڑ گیا تو میں اُسے ملا۔ میرے ساتھ اُس نے سہاگ کے مختصر سے لمحات گزارے تو میں بھی بچھڑ گیا، وہ اپنی بدنصیبی پر آنسو بہانے لگی۔

رونے سے مسائل حل نہیں ہوتے جب تک سانس چلتی رہتی ہے۔ جبراً جینا پڑتا ہے۔ جُدا ہونے والوں سے دوبارہ ملنے کی آس میں آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ وہ میری تلاش میں آگے بڑھ گئی۔ رات ہو چکی تھی۔ قدم قدم پر خوف اور دہشت سے دِل دھڑک رہا تھا۔ اگر چاند کی روشنی نہ ہوتی تو شاید جنگل کی تاریکی میں دہشت سے مر ہی جاتی!

بہت دیر بعد جنگل کے سناٹے میں اُس نے کسی کے کراہنے کی آواز سُنی، کسی انسان کے کراہنے کی آواز سُن کر ہمت حوصلہ ہُوا، وہ آواز کی سمت بڑھتی گئی، تب اُس نے ایک درخت کی آڑ سے ونود شرما کو دیکھا۔ وہ گھٹنوں کے بل رینگتا اور کراہتا ہُوا ایک طرف بڑھ رہا تھا!

اُس بھیانک جنگل کی تنہائی میں دوست نہ سہی، دُشمن کا ساتھ بھی بڑا سہارا ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ دشمن اپنے قابو میں رہے۔ شبانہ کے قریب ہی ایک درخت کی ایک ٹوٹی ہوئی شاخ پڑی ہوئی تھی۔ اُس نے شرما کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے درخت کی اُس ٹہنی کو اُٹھا لیا، پھر للکار کر بولی۔ "شرما! ہمت ہے تو اب مجھے پکڑنے آؤ!"

وہ شبانہ کی آواز سُن کر چونک گیا۔ فوراً ہی پلٹ کر گھگھیانے لگا۔ "مجھے معاف کر دو۔ میری مدد کرو، میں بڑی مصیبت میں ہوں!

میری مدد کرو، طیارے کی طرف چلو۔ وہاں دوائیں مل جائیں گی، اسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا کہ تم نے نرسنگ کا کورس کیا ہے!"

وہ آگے بڑھ کر بولی "کھڑے ہو جاؤ!"

"میرے پاؤں میں کانٹا چبھا ہُوا ہے، میں کھڑا نہیں ہو سکتا!"

"تو پھر کانٹا نکال لو!"

"نہیں، میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ملایا کے جنگل میں ایسے کانٹے ہیں جو اگر چبھ جائیں تو اس وقت تک نہ نکالے جائیں جب تک آپریشن اور دواؤں کا معقول انتظام نہ ہو!"

"تمہیں کیسے معلوم ہُوا کہ یہ وہی کانٹا ہے؟"

میں نے کتاب میں رنگین تصویر دیکھی ہے۔ اس کانٹے کا رنگ اور اس کی ساخت بالکل وہی ہے، اس کے چبھنے کے بعد جو اثر ہوتا ہے، وہی میں محسوس کر رہا ہوں یعنی جلن نہیں ہوتی، درد نہیں ہوتا، صرف کھجلی ہوتی ہے۔ ہی ہی ہی ہی ....!"

وہ رونے کے انداز میں ہنسنے لگا۔ شبانہ نے پوچھا "تم رو رہے ہو یا ہنس رہے ہو؟"

"پتہ نہیں، کھجلی ہو رہی ہے!"

"میں نے نرسنگ کورس کیا ہے۔ بیٹھ جاؤ، میں کانٹے کو دیکھوں گی!"

"میں بیٹھ بھی نہیں سکتا، بیٹھنے کی جگہ بھی ایک کانٹا چبھا ہُوا ہے ہی ہی ہی ہی ....!"

"کیا تمہیں طیارے تک جانے کا راستہ معلوم ہے؟"

"نہیں، یہاں کے راستوں کو سمجھنا ہی ہی ہی سمجھنا مشکل ہے۔ ہم سیدھے ایک سمت چلیں گے، کہیں نہ کہیں پہنچ ہی جائیں گے!"

وہ ایک سمت چل پڑے لیکن اس طرح کہ شبانہ انسانوں کی طرح دو پاؤں سے چل رہی تھی اور شرما دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل اس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ اس کے وجود میں صرف ایک دُم کی کمی رہ گئی تھی!

شبانہ نے پوچھا "یہ کانٹے کیسے چبھ گئے؟"

"میرا ایک جوتا پھٹ گیا تھا۔ میں نے تمہارا پیچھا کرنے کے لئے جُوتے اُتار کر پھینک دیئے۔ اتنی دیر میں تم نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ ہی ہی ہی ہی ... میں نے اندھا دھند دوڑ لگاتے وقت یہ نہیں دیکھا کہ کہاں سے گزر رہا ہوں۔ جب پاؤں میں کانٹا چبھا تو میں چیخ مار کر بیٹھ گیا۔ میرے بُرے نصیب کہ جہاں بیٹھا، وہاں بھی کانٹا تھا۔ اس لئے بیٹھنے کی جگہ .... ہی ہی ہی ....!"

جب کھجلی ہوتی تو وہ چوپائے کی طرح چلتے چلتے کمر سے نیچے بیٹھنے کی جگہ کو دائیں بائیں ہلاتا تو اُس وقت وہ بڑا مضحکہ خیز لگتا تھا۔

"تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا مل رہی ہے!"

وہ سرد آہ بھر کر بولا: "میں شرمندہ ہوں ہُو ہُو ہُو ہُو..."!

"تم معذور ہو، اس لئے انسان کی طرح شرمندگی ظاہر کر رہے ہو۔ اچھا اگر زور ہوتے تو میرے لئے شیطان ہی بنے رہتے!"

وہ سر جھکائے چوپائے کی طرح چپ چاپ چلتا رہا۔ نہ جانے وہ دونوں کتنی دیر تک چلتے رہے۔ آخر شہ ماتھک ہار کر اوندھا لیٹ گیا، وہ انسانوں کی طرح چاروں شانے چت نہیں لیٹ سکتا تھا! اب میں آگے نہیں ہی ہی ہی ہی بڑھ سکتا۔ بھگوان کے لئے کچھ کرو کسی کو تلاش کرو، نہیں تو میں مر جاؤں گا!"

پھر وہ خود ہی زور زور سے چیخنے لگا: "ہیلپ ہیلپ..."!

شبانہ بھی بھوک اور تھکن سے نڈھال ہو کر وہیں بیٹھ گئی صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ رات وہیں گزر گئی، دوسری صبح وہ نیند سے بیدار ہو کر آگے بڑھ گئے۔ اس بار وہ دوپہر تک منزلِ مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ انہیں تھوڑی دُور پر کٹی ہوئی شاخوں، پتوں، اور جھاڑیوں کا ایک پہاڑ سا نظر آیا۔ یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہاں طیارے کو چھپایا گیا ہے۔ اُس طیارے کے اندر فرسٹ ایڈ اور کھانے کا سامان مل سکتا تھا۔ شبانہ نے قریب جا کر دیکھا تو ان جھاڑیوں کے اندر جانے کا حوصلہ نہ ہوا کیونکہ وہاں بے شمار کلنٹے بھی تھے!

مجبوراً انہیں وہاں سے بھی آگے بڑھنا پڑا۔ یہ درست ہے کہ وہ معبود چاہے تو جنگل میں بھی روزی مل جاتی ہے۔ دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں دریا نظر آیا۔ ساحل پر پھل دار درخت تھے: انہوں نے پھل توڑ کر کھائے، اگرچہ وہ لذیذ نہیں تھے، تاہم بھوک مٹ گئی دریا کے پانی نے پیاس بجھا دی۔ پھر وہ اندھیرا ہونے سے پہلے انسانوں کی تلاش میں چل پڑے۔ تعجب کی بات تھی کہ دوست تو دُور رہے دشمن بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ پھر ایک بار رات مسلط ہونے لگی وہ ایک برگد کے سائے میں ٹھہر گئے۔

یہ شبانہ کی : نے مجھے بتا رہی تھی کہ وہی برگد کا درخت تھا

جس کے سائے میں پُراسرار دلدل تھی کسی وقت بھی مجرم اس دلدل کی تہہ سے باہر آکر انہیں دیکھ سکتے تھے اور اپنے خفیہ اڈے کو خفیہ رکھنے کے لئے انہیں ہلاک کر سکتے تھے۔ میں نے فوراً ہی بستر سے اٹھ کر دروازے کو کھولا۔ سے تو کو طلب کیا، پھر اُسے برگد والی جگہ کی تفصیل بتائی اور اسے حکم دیا کہ اپنے چند آدمیوں کے ساتھ وہاں جا کر میرے دوساتھیوں کو عزت سے یہاں لے آئے۔

سے تو کے جانے کے بعد میں دروازے کو بند کر کے دوبارہ بستر پہ آکر لیٹ گئی۔ اب میری سوچ کی لہریں رُومانہ کے دماغ تک پہنچ رہی تھیں!

رُومانہ کے متعلق سونیا نے مجھے یہی بتایا تھا کہ وہ شنکر سے مقابلہ کرتے وقت اندھے کنوئیں میں گر گئی تھی مجھے پہلے ہی سے شبہ تھا کہ سونیا نے غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اسی نے رومانہ کو ہلاک کر دیا ہے لیکن سونیا ایسی حماقت نہیں کر سکتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کسی نہ کسی دن میں دوبارہ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کروں گا تو اسے رومانہ کی قاتلہ کی حیثیت سے پہچان لوں گا۔

بہرحال قصہ یوں ہے کہ سونیا اور رُومانہ جب شنکر کی پٹائی کر رہی تھیں اس دوران شنکر کا پستول سونیا کے ہاتھ آگیا تھا اس نے پہلی فرصت میں شنکر کو گولی مار دی۔ پھر اس نے رُومانہ کو ریوالور کی زد میں رکھ کر کہا: "میں دشمنوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیتی ہوں۔ میں نے کسی پر رحم کرنا نہیں سیکھا ہے تمہیں صرف اس لئے ذرا سی چھوٹ دوں گی کہ تم فرہاد کے لئے بھٹکتی ہوئی یہاں تک آئی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ فرہاد مجھے تمہاری قاتلہ کی حیثیت سے پہچانے۔ لہٰذا ایک منٹ کی مہلت دیتی ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

رُومانہ نے کہا: "میں موت سے نہیں ڈرتی لیکن بے موت مرنا بھی پسند نہیں کرتی کیا ہم آپس میں سہیلیاں نہیں بن سکتیں...؟"

سونیا نے بڑی سفاکی سے کہا: "تمہاری زندگی کا آخری ایک منٹ تیزی سے گزر رہا ہے۔"

وہ الٹے قدموں پیچھے جاتی ہوئی بولی: "میں جا رہی ہوں اور جاتے جاتے پھر ایک بار دوستی کی پیشکش کر رہی ہوں میں نہیں چاہتی کہ ہم آئندہ زندگی کے کسی موڑ پہ بدترین دشمن کی طرح ملیں۔"

"وہ تو ہم ضرور ملیں گے اور وہ تمہاری زندگی کا آخری موڑ ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے ٹھائیں سے گولی چلائی رُومانہ نے جمناسٹک کا ایک کرتب دکھایا۔ "ہیپ۔ ہیپ ہا" کی آواز کے ساتھ کھنڈر کے ایک ستون کے پیچھے گئی پھر وہاں سے چھلانگ لگا کر ٹوٹی ہوئی دیواروں کے پیچھے گم ہوگئی پہلے اس نے سوچا کہ کھنڈرات میں اِدھر اُدھر سے چھپ کر کسی طرح سونیا کے قریب پہنچے اور اس کے ہاتھ سے ریوالور گرا دے۔ پھر اسے کچھ دیر پہلے کی جنگ یاد آئی۔ سونیا نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس کے جوابی حملوں کو روکا تھا۔ رُومانہ یہ نہیں جانتی تھی کہ سونیا اس کی بُو پالیتی ہے مگر وہ سمجھ گئی کہ جو عورت آنکھوں پر پٹی باندھ کر دشمن کی آمد کی سمت پہچان لیتی ہے وہ بھلا کھلی آنکھوں سے دیکھتی ہوئی کب رُومانہ کو قریب آنے کا موقعہ دے گی۔

رُومانہ بھی بلا کی ضدی تھی۔ کبھی ہارماننا نہیں جانتی تھی لیکن مجھے پالینے کی آس میں اور سونیا سے انتقام لینے کی ضد میں اس نے میدان چھوڑ دیا۔ وہ کھنڈرات سے نکل کر دوڑتی ہوئی اسی عمارت کی طرف گئی۔ جہاں رس وتی نے مجھے قید کر رکھا تھا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے میں وہاں سے فرار ہو [illegible] کھنڈرات میں پہنچ کر سونیا کا بیان سن کر صدمہ سے چور تھا کہ رُومانہ [illegible] کنوئیں میں گر چکی ہے۔

اور وہ بے چاری اس عمارت کی جانب بڑھتی ہوئی سوچ رہی

تھی کہ انسانی دماغوں کو پڑھنے والی رس وتی خاموش کیوں ہے؟ اسے گرفت میں لینے کے لئے دماغی جھٹکے کیوں نہیں پہنچا رہی ہے؟ رُومانہ نہیں جانتی تھی کہ جس عمارت میں وہ پناہ لینے جا رہی ہے وہی رس وتی کی رہائش گاہ ہے۔ گیٹ پر دربان نے اسے روکا لیکن برآمدے میں کھڑے ہوئے ایک شخص نے اسے اندر بلایا جب وہ برآمدے میں پہنچی تو اس شخص نے پوچھا: "کیا تم سونیا ہو؟"

اچانک رُومانہ کو خطرے کا احساس ہوا وہ بولی: "نہیں میرا نام سلمیٰ ہے میں اس جزیرے میں تفریح کے لئے آئی ہوں۔"

اس شخص نے اسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا: "ابھی تمہارے سچ اور جھوٹ کا پتہ چل جائے گا ہماری دیوی دماغ میں چھپی ہوئی باتیں پڑھ لیتی ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔"

اب رُومانہ اچھی طرح سمجھ گئی تھی کہ وہ دشمنوں میں آپھنسی ہے اس نے وہاں سے فرار ہونے کا فیصلہ کیا۔ ٹھیک اسی وقت ایک مسلح باڈی گارڈ دوڑتا ہوا آیا اس نے اس شخص سے کہا: "رندھیر صاحب غضب ہو گیا وہ قیدی دیوی کو بُری طرح زخمی کر کے فرار ہو گیا ہے۔"

یہ سنتے ہی رُومانہ نے فرار ہونے کا فیصلہ بدل دیا اسے اطمینان ہو گیا کہ رس وتی ابھی اس کی سوچ پڑھ کر اسے پہچان نہیں سکے گی۔ فی الحال وہاں لڑائی جھگڑا مناسب نہیں ہے یوں بھی باڈی گارڈ ایک ہاتھ میں ریوالور پکڑے کھڑا تھا۔ وہ دونوں رُومانہ کو عمارت کے اندر لے گئے۔ ایک کمرے میں رس وتی فرش پر بے ہوش پڑی خون میں لت پت نظر آئی۔ رندھیر نے چیخ کر کہا: "فوراً ویدراج کو بلاؤ۔ خون تیزی سے بہہ رہا ہے۔ ارے یہ تو مر جائیں گی۔"

اس نے ایک کپڑا لے کر رس وتی کے سر کے پچھلے حصہ میں رکھ کر دبا دیا۔ تاکہ خون بہنے کی رفتار کم ہو جائے پھر اس نے باڈی گارڈ کو حکم دیا کہ فوراً ہی فرہاد کا تعاقب کیا جائے۔ وہ فیری بوٹ کی طرف گیا ہو گا۔

رُومانہ نے کہا: "رندھیر صاحب! میرے پاپا میرے لئے پریشان ہوں گے خدا کے لئے مجھے جانے دیجئے۔"

اس نے باڈی گارڈ سے کہا: "اس کا شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ چیک کرو اگر یہ سونیا یا رُومانہ نہ ہوئی تو اسے چھوڑ دو۔ ورنہ اسے گولی مار دو۔"

رُومانہ نے کہا: "میں پاسپورٹ ساتھ لے کر نہیں گھومتی۔ وہ تو میرے ہوٹل میں ہے۔"

"ہمارے آدمی ہوٹل میں جا کر چیک کریں گے۔"

بہرحال رُومانہ کو اس عمارت سے نکلنے کا موقع مل گیا وہ چار آدمیوں کے ساتھ ایک کار میں بیٹھ کر فیری بوٹ کی طرف گئی وہ فرہاد کو پالینا چاہتی تھی مگر اس وقت دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ وہ فیری اسٹیشن پر نہ ملے۔ اور نہ دوبارہ رس وتی کے جال میں پھنسے۔ سونیا کی سوکن کی حیثیت سے یہ سوچ کر بھی اسے اطمینان ہونے لگا کہ فرہاد تو فرار ہو رہا ہے اب سونیا بھی اسے نہ پاسکے گی۔

وہ کار کی پچھلی سیٹ پر دو آدمیوں اور دو ریوالوروں کے درمیان بیٹھی ہوئی تھی۔ اگلی سیٹ سے ایک شخص نے کہا: "ہم قانوناً تمہیں حراست میں رکھ سکتے ہیں۔ پولیس اسٹیشن میں یہ رپورٹ درج کرا سکتے ہیں کہ تم اور تمہارے ساتھی نے عمارت میں داخل ہو کر دیوی کو مرنے کی حد تک زخمی کیا اور لاکھوں روپے کے زیورات چرا لئے تمہارا ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا مگر ہم نے تمہیں پکڑ لیا۔"

"میں کسی فرہاد کو نہیں جانتی۔"

"ہم تمہاری زبان پر نہیں، تمہارے پاسپورٹ پر بھروسہ کریں گے اگر ہوٹل پہنچ کر تم نے ہمیں مطمئن نہ کیا تو ہم تمہیں گولی مار دیں گے اگر ایسا نہ کر سکے تو پولیس اسٹیشن پہنچا دیں گے۔"

پاسپورٹ میں اس کا نام رُومانہ ہی لکھا ہوا تھا لہٰذا وہ ہوٹل پہنچنے سے پہلے ہی ان سے نجات حاصل کر لینا چاہتی تھی۔ فیری اسٹیشن پہنچ کر معلوم ہوا کہ فیری بوٹ دیر سے روانہ ہو گی وہاں دور دور تک فرہاد نظر نہیں آیا۔ یہ بات سمجھ میں آگئی کہ وہ پرائیویٹ لانچ یا موٹر بوٹ سے گیا ہو گا انہوں نے بھی ایک موٹر بوٹ کے مالک سے سودا کیا اسے گولڈن پیلس تک کا منہ مانگا کرایہ ادا کیا پھر رُومانہ کو لے کر وہاں سے روانہ ہو گئے۔

موٹر بوٹ میں رُومانہ کے علاوہ چار آدمیوں کی گنجائش نہیں تھی اس لئے دو جزیرے میں رہ گئے۔ ایک نے رُومانہ کو اپنے ساتھ اگلی سیٹ پر بٹھا کر اسٹیئرنگ سیٹ سنبھالی۔ دوسرا پچھلی سیٹ پر بیٹھا۔ تاکہ بوقت ضرورت ریوالور نکال کر رُومانہ کو قابو میں رکھ سکے۔ وہ جو سمندر وں کی آغوش میں پلی بڑھی تھی اس کے سامنے بحر مر ایک مردہ سمندر تھا جس کی چھاتی پر وہ زندگی اور موت کا کھیل کھیل سکتی تھی۔

اس نے چھوٹی سی عمر میں سمندری عقاب کے دیو ہیکل جہاز کو کنٹرول کرنا سیکھا تھا موٹر بوٹ کو کنٹرول میں رکھنا اس کے لئے محض بچوں کا ایک کھیل تھا جب پرنسس آئی لینڈ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو اس نے خود کو پوری طرح مستعد رکھ کر موٹر بوٹ کے اسٹاپ بٹن کو اچانک ہی دبا دیا۔ موٹر بوٹ یکبارگی سمندر کی سطح سے اچھلتی ہوئی فضا میں اڑتی ہوئی دور تک جا کر پھر پانی کی سطح پر آئی۔ وہ دونوں بے خبری میں مارے گئے۔ پیچھے بیٹھنے والا اپنی سیٹ سے اچھل کر سمندر میں چلا گیا۔ دوسرا اسٹیئرنگ پر سے ہوتا ہوا ڈیش بورڈ سے ٹکرایا۔ پھر سنبھلنے سے پہلے اس کی گردن میں کراٹے کا ہاتھ پڑا۔ رُومانہ نے ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ کو پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے سیٹ کی پشت کا سہارا لے کر اسے زور سے لات ماری وہ بڑے آرام سے کروٹ کروٹ سمندر کی سیج پر چلا گیا۔

اب وہ تنہا تھی اس نے پوری طرح اسٹیئرنگ سنبھال لی بوٹ کی رفتار بڑھا دی اس کا دل کہہ رہا تھا کہ فرہاد کو وہاں سے فرار ہوئے

زیادہ دیر نہیں ہوئی ہے وہ گولڈن ہارن تک اسے پالے گی گلاٹا برج کے پاس سے گزرتے وقت وہ پس و پیش میں مبتلا ہو گئی۔ گلاٹا پل کے ایک کنارے آیا صوفیہ کا علاقہ تھا۔ دماغ نے سمجھایا کہ فرار ہونے والا سب سے پہلے والے ساحل کی طرف جائے گا اور گولڈن ہارن کا ساحل تو میلوں دُور ہے اور اسے بھی جلد از جلد موٹر بوٹ چھوڑ دینا چاہئے ہو سکتا ہے، کہ سمندر میں ڈوبنے والوں کو کوئی امدادی کشتی بچالے۔ پھر وہاں کی پولیس موٹر بوٹ کے نام اور نمبر سے اسے پکڑ لے گی۔

تقدیر میں ابھی فرہاد سے دوری لکھی تھی اگر وہ گولڈن ہارن کی طرف جاتی تو فرہاد اور سونیا تک پہنچ جاتی لیکن وہ آیا صوفیہ پہنچ گئی موٹر بوٹ کو چھوڑتے وقت پچھلی سیٹ کے نیچے ریوالور پڑا ہوا نظر آیا اس نے اسے اٹھا کر اپنے لباس میں چھپا لیا وہاں سے وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ہوٹل پہنچی اپنا سفری بیگ لے کر ہوٹل کا بل ادا کیا پھر اپنے محبوب کی تلاش میں نکل پڑی۔

رات کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ وہ فٹ پاتھ پر پیدل چل رہی تھی ایک شخص نے اس کے قریب کار روک دی: "کہاں جاؤ گی۔ میں پہنچا دوں۔؟"

وہ بلا جھجک اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی: "میں اپنے ایک فرینڈ کو تلاش کر رہی ہوں کیا تم میری خاطر شہر کی سڑکوں پر گھومنا پسند کرو گے۔؟"

وہ خوش ہو کر کار اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا: "چلو اسی بہانے ایک حسین ساتھی کا ساتھ رہے گا۔"

کار آگے بڑھ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب فرہاد اور سونیا کمال پاشا کی رہائش گاہ میں رات کا کھانا کھانے کے بعد اعلیٰ میں خواب آور کافی پی رہے تھے دوسری طرف شبانہ، عازم کے ساتھ اپنی کار ڈرائیو کرتی ہوئی استنبول میں داخل ہو چکی تھی۔ تقریباً پینتالیس منٹ کے بعد رُمانہ نے محسوس کیا کہ کار چلانے والا شہر کی حدود سے نکل رہا ہے اس کی باتوں سے ہی ظاہر ہو چکا تھا کہ اس کی نیت خراب ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہی کی تقدیر خراب ہے۔

رُمانہ نے کہا: "عشق کرنے کے لئے اور کتنی دور لے جاؤ گے کیا یہ جگہ کافی نہیں ہے؟"

وہ فوراً ہی کار روک کر بولا: "تم بہت ہی سمجھ دار لڑکی ہو۔"

اس نے ہاتھ آگے بڑھایا وہ پیچھے ہٹ گئی دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ وہ پھر ہاتھ بڑھا کر بولا: "کیوں تڑپا رہی ہو۔"

رُمانہ نے [illegible] ہوئے اپنا ہاتھ اسے پیش کیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ صنفِ نازک کی طرح وہ بھی نازک ہوگی۔ ایک جھٹکے میں آغوش میں بکھر جائے گی۔ لیکن اچانک ہی اس کے ہاتھ کو جھٹکا سا لگا۔ دروازہ زور سے بند ہونے کی آواز کے ساتھ اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ شکار کھیلنے والا ہاتھ دروازے سے کچل گیا تھا۔

رُمانہ نے دوبارہ دروازے کو کھول دیا۔ پھر دوڑتی ہوئی کار کے دوسری طرف گھومتی ہوئی اسٹیئرنگ سیٹ کے دروازے تک آئی اسے کھول کر بولی: "سوری! بھول سے دروازہ بند ہو گیا تھا ادھر آؤ۔ میں سہارا دیتی ہوں۔"

وہ گالیاں دیتے ہوئے اٹھنے لگا رُمانہ نے اس کے دوسرے ہاتھ کو تھام لیا پھر ایک جھٹکے سے کھینچ کر دروازے کو زور سے بند کر دیا اس کی فلک شگاف چیخوں سے کار کی محدود فضا گونجنے لگی وہ دروازہ کھول کر بولی: "افسوس! مجھے ویرانے میں لاتے وقت تم نے تو سوچا ہی ہوگا کہ یہاں چیخیں سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔"

پھر وہ ایک لات مار کر بولی: "چلو! اس سیٹ پر بیٹھ جاؤ۔"

اس کے دونوں ہاتھ کلائی سے جھول رہے تھے وہاں سے لہو رِس رہا تھا، انگلیوں کی ہڈیاں بھی ٹوٹی ہوں گی۔ وہ تکلیف کی شدت سے تڑپتا ہوا کھسکتا ہوا پاس والی سیٹ پر پہنچ گیا۔ رُمانہ اسٹیئرنگ سیٹ پر بیٹھ کر دروازہ بند کرتی ہوئی بولی: "دنیا کی ہر عورت شیشے کی گڑیا نہیں ہوتی۔ میں صرف ایک ہی فولاد کو مانتی ہوں اور اسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ اب تم بھی میرے ساتھ بھٹکتے رہو گے پولیس میں رپورٹ درج کرانے کے لئے میں تمہیں آزاد نہیں چھوڑوں گی۔"

اس نے لباس کے اندر سے ریوالور نکال کر اپنی گود میں رکھ لیا پھر بولی: "تم راستے میں چیخنا چاہو گے تو اس کی ایک گولی تمہیں خاموش کر دے گی۔"

اس نے کار اسٹارٹ کر دی اسے یوٹرن دے کر پھر استنبول کی طرف جانے لگی۔ وہ بے چارہ ہاتھ کیا بڑھاتا؟ دونوں ہی ہاتھ بے کار ہو چکے تھے۔ وہ تکلیف کی زیادتی سے کراہ رہا تھا رُمانہ نے چیخنے چلانے سے منع کر دیا تھا اس سے زیادہ ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ فریاد کی بھی... اجازت نہیں تھی۔

وہ بولی: "اب تم تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے سوچو کہ تمہارے ہاتھ ہوتے تو میں ایک کمزور عورت کی طرح چیختی رہتی تم سب اپنے بازوؤں پر گھمنڈ کرتے ہو۔ اگر یہ بازو توڑ دیئے جائیں تو تم سب بڑے آرام سے شرافت کی زندگی گزارو گے۔"

"خدا کے لئے مجھ پر ترس کھاؤ۔ مجھے فوری طبی امداد کی.... ضرورت ہے۔"

"اگر تم ایک عورت کی آبرو کو زخمی کر دیتے تو اسے کون طبی امداد پہنچاتا۔؟"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ ٹریفک کے ہجوم میں گاڑی روکنا پڑی وہ ایک تنگ سا راستہ تھا مخالف سمت جانے والی گاڑیاں قریب سے گزر رہی تھیں۔ دوسری گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس کی اتنی روشنی تھی کہ رُمانہ کو ایک کار کی پچھلی سیٹ پر فرہاد نظر آ گیا جو درحقیقت عازم تھا اس کے آس پاس دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے رُمانہ نے اسے آواز دی مگر وہ گاڑی اسے تیزی سے کراس کرتی ہوئی نکل گئی۔

اس نے بھی اپنی گاڑی کو پیچھے کیا۔ پھر اسے موڑتی ہوئی آگے جانے والی کار کے پیچھے لگ گئی۔ کار کی رفتار تیز تھی لیکن رُمانہ بہت دور جا کر اسے اوور ٹیک کرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اوور ٹیک کرتے وقت اس نے دوسری کار کی پچھلی سیٹ پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے دیکھا ایک شخص نے عازم کی پسلی سے ریوالور لگا رکھا تھا اس نے اپنی گاڑی بہت آگے لے جا کر سڑک پر ترچھی کھڑی کر دی۔

پیچھے آنے والی کار کو رکنا پڑا۔ رُمانہ نے پھرتی دکھائی کار سے نکل کر اس کی آڑ میں جا کر للکارتی ہوئی بولی: "فرہاد کو میرے حوالے کر دو.....؟"

پچھلی کار سے دو آدمی ریوالور لئے باہر آ گئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ فرہاد نہیں عازم ہے۔"

اسی وقت عازم نے چیخ کر کہا: "یہ جھوٹ بول رہے ہیں، میں فرہاد ہوں، فرہاد......؟"

"بکواس مت کرو۔" ایک نے ڈانٹ کر کہا: "دیکھو لڑکی! یہاں قریب ہی ایک پولیس چوکی ہے فائرنگ کے نتیجے میں ہم پکڑے جائیں گے۔ تم اسے اچھی طرح دیکھ لو اگر یہ تمہارا آدمی ہے تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔"

عازم کو کار سے باہر نکالا گیا۔ وہ تو سر سے پاؤں تک فرہاد ہی نظر آ رہا تھا۔ رُمانہ نے کہا: "یہ میرا ہی آدمی ہے۔ میں بہت عرصے سے اس کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں۔ تم نے اسے کیوں پکڑا ہے۔؟"

جواب ملا: "یہ ایک ارب پتی کی بیٹی کو بہکا کر استنبول لے آیا ہے ہمیں اس کا حلیہ بتایا گیا تھا اسی کے مطابق ہم نے اسے پکڑا ہے۔"

رُمانہ نے کہا: "صرف کسی کا حلیہ ذہن میں رکھ کر تم نے ایک شریف آدمی کو حراست میں رکھا ہے اسے میرے حوالے کر دو ہم ہانگ کانگ سے آئے ہیں واپس چلے جائیں گے۔"

وہ لوگ تذبذب میں پڑ گئے یہی بات سمجھ میں آ رہی تھی۔ کہ انہوں نے فرہاد کو عازم سمجھ کر پکڑ رکھا ہے وہ سب آپس میں مشورے کرنے لگے پھر ایک نے کہا: "ہم ایک شرط پر اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ تم ابھی اسے لے کر اس ملک سے چلی جاؤ۔ اگر یہ عازم بھی ہوا تو ہمیں اطمینان رہے گا کہ ہمارے باس کی بیٹی کو بہکانے والا یہاں سے دور جا چکا ہے۔"

"میں آج ہی نہیں جا سکتی کیونکہ فرہاد کا پاسپورٹ اور ویزا گم ہو چکا ہے۔"

دوسرے نے کہا: "فکر نہ کرو۔ یہاں سے دو گھنٹے بعد ایک بحری جہاز جاپان جانے والا ہے ہمارے اسمگلر تمہارے ساتھی کو بھی اسمگل کر کے لے جائیں گے۔ بولو منظور ہے۔"

"منظور ہے۔ لیکن یہاں اس کار میں میرا ایک شکار ہے جس کے دونوں ہاتھ میں نے بے کار کر دیئے ہیں۔ کیا جہاز کی روانگی تک تم لوگ اسے حراست میں رکھو گے؟"

ایک شخص نے آگے بڑھ کر دونوں ہاتھوں کے اپاہج کو دیکھا۔ پھر کہا: "فکر نہ کرو اس کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔"

پھر دونوں طرف سے معاملات طے ہوئے رُمانہ نے کہا کہ فرہاد اس کے ساتھ کار میں بیٹھے گا انہوں نے دھمکی دی کہ اگر وہ فرہاد کے ساتھ فرار ہونا چاہے گی تو وہ اس طرح قانونی گرفت میں لے آئیں گے کہ فرہاد بغیر پاسپورٹ کے اس ملک میں آیا ہے اور رُمانہ نے اس ملک کے ایک شہری کو دونوں ہاتھوں سے اپاہج بنا دیا ہے۔

رُمانہ بات نہیں بڑھانا چاہتی تھی اسے فرہاد مل گیا تھا۔ وہ اسے سونیا سے دور لے جانا چاہتی تھی اس لئے معاملات طے ہو گئے وہ سب دوستانہ انداز میں بندرگاہ تک پہنچے۔ عازم کو اغوا کرنے والے دو شخص رُمانہ کا پاسپورٹ اور ویزا لے کر گئے آدھے گھنٹے بعد واپس آ کر انہوں نے بتایا کہ رُمانہ کے لئے ایک کیبن مخصوص ہو چکا ہے عازم کو جہاز کے ایک خلاصی کی حیثیت سے ملازم رکھ لیا گیا ہے ملازمت کے جعلی کاغذات بھی تیار ہو چکے ہیں۔

اگر قانونی طور پر یہ سب کچھ ہوتا تو ہفتے اور مہینے گزر جاتے۔ غیر قانونی کام منٹوں میں ہو جاتا ہے اس کے لئے رُمانہ کو بیس ہزار ڈالر ادا کرنے پڑے۔ جو اس کے لئے بیس پیسے کے برابر تھے۔ ایک گھنٹہ بعد وہ جہاز میں روانہ ہو گئے۔ رُمانہ عازم کے ساتھ ریلنگ کے پاس کھڑی دور ہوتے ہوئے ساحل کو دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ فرہاد کا رویہ کچھ بدلا ہوا ہے اس نے کار میں سفر کرنے کے دوران اس سے گفتگو کی تھی مگر وہ ہر بات کے جواب میں ہوں ہاں کہہ کر خاموش ہو جاتا تھا۔

وہ بڑے دکھ سے اسے دیکھتی ہوئی بولی: "فرہاد! پپا کی زندگی میں میں نے ایک غلطی کی۔ تم پر اعتماد نہیں کیا۔ اس ایک غلطی کے باعث تم اب تک ناراض ہو۔ تم یہ نہیں دیکھتے کہ میں کس قدر پچھتاتی رہی تمہاری تلاش میں کہاں کہاں بھٹکتی رہی۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گے؟"

عازم نے کہا: "مس! میں فرہاد نہیں ہوں وہ لوگ درست کہہ رہے تھے میرا نام عازم ہے۔"

"کیا مجھ سے دور رہنے کا یہ نیا بہانہ ہاتھ آ گیا ہے؟"

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے کار میں بیٹھ کر تم سے سچ کہنا چاہا مگر وہ اپاہج موجود تھا میرے دشمنوں کو میری حقیقت بتا دیتا۔ اس لئے تمہاری باتوں کا گول مول سا جواب دیتا رہا۔ میں اس موقع کی تاک میں بھی تھا کہ مجھے فرار ہونے کا موقع مل جائے۔ مگر مجھے اغوا کرنے والے بے حد محتاط تھے میں بری طرح پھنس گیا ہوں میری بیوی شبانہ ادھر

مجھے تلاش کر رہی ہو گی۔"

"شبانہ نہیں سونیا کہو۔ تم سونیا سے ملنے استنبول آئے تھے۔"

"تم کس سونیا کی بات کر رہی ہو۔ میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ میں فرہاد نہیں ہوں۔ مجھے غور سے دیکھو اگر وہ فرہاد میرا ہم شکل ہو گا تب بھی ہمارے درمیان تھوڑا بہت ضرور فرق ہو گا۔ ذرا مجھے پہچاننے والی نظر سے دیکھو۔"

رومانہ ذرا پیچھے ہٹ کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھنے لگی۔ جہاز میں کافی روشنی تھی۔ رات میں دن کا سماں تھا اس نے بار بار عازم کے چہرے کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ ہر پہلو سے فرہاد ہی تھا۔ اگر کہیں ہلکا سا فرق بھی ہو تو وہ اسے سمجھ نہیں سکتی تھی کیونکہ ایک طویل عرصہ کے بعد فرہاد کی کاربن کاپی کو دیکھ رہی تھی۔

وہ اداسی سے سر ہلا کر بولی: "نہیں، مجھے ایسے جھوٹ سے نہ بہلاؤ جس پر کوئی بچہ بھی یقین نہ کرے۔ سنو! میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی کہ تم سونیا اور سے یون کو چھوڑ دو اور مجھے اپنا لو۔ نہیں تم مجھے نہ اپناؤ جب تک مجھ سے نفرت کر سکتے ہو۔ کرتے رہو بس ایک التجا کرتی ہوں۔ کہ اپنے ساتھ رہنے دو کیونکہ میں نے تمہارے لئے دنیا والوں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔ اب میں اکیلی کہاں جاؤں گی؟"

وہ حالات سے شکست کھا کر آنسو بہانے والی لڑکی نہیں تھی لیکن جس کے لئے اس نے اسمگلنگ کا دھندا چھوڑ دیا تھا اپنے بحری جہاز کو فروخت کر دیا تھا۔ خطرناک لیڈی سارا کے بجائے محبت کرنے والی رومانہ بن کر اس کی تلاش میں استنبول آئی تھی وہی بے مروت بن گیا تھا اسے اپنی رومانہ کہنا تو دور کی بات ہے۔ خود کو بھی فرہاد تسلیم کرنے سے انکار کر رہا تھا اور یہ سب محض پیچھا چھڑانے والی بات تھی اس کی بے مروتی سے رومانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ آنسو پونچھتی ہوئی اپنے کیبن میں آ گئی۔ اس کے اندر کی لیڈی سارا بول رہی تھی: "ایک مرد کے پیار نے تجھے کمزور بنا دیا ہے ورنہ تو وہی لڑکی ہے جو کبھی رونا نہیں جانتی تھی دانش مندی یہی ہے کہ اسے دل سے نوچ کر پھینک دے۔"

کسی کو دل سے نکال دینا آسان نہیں ہوتا۔ وہ باتھ روم میں آ کر آئینہ میں اپنے آپ کو دیکھنے لگی سوچنے لگی: "میں اس کا پیار نہیں بھول سکتی لیکن اس کی بے رخی کے جواب میں بے رخی ظاہر کر سکتی ہوں۔ میں اتنی گئی گزری تو نہیں ہوں کہ اس کی خوشامد ہی کرتی رہوں۔"

دروازے پر دستک سنائی دی اس نے باتھ روم سے نکل کر دروازہ کھولا۔ سامنے عازم کھڑا ہوا تھا ابھی وہ بے رخی برتنے کی بات سوچ رہی تھی مگر اسے دیکھتے ہی موم ہو گئی۔ دل نے کہا وہ اپنی سنگدلی کی معافی مانگنے آیا ہے۔ عازم نے کیبن میں داخل ہو کر کہا: "مجھ سے تمہارے آنسو نہیں دیکھے جاتے۔ مجھے بتاؤ کہ میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟"

"یہی کرو کہ کچھ اور فریب دو۔"

"یقین کرو۔ میں فریبی نہیں ہوں۔"

"تو پھر اس وقت تم نے خود کو فرہاد کیسے تسلیم کر لیا۔ جب دشمن تمہیں پکڑ کر لے جا رہے تھے؟"

"سنو مس! میں وقت اور موقع دیکھ کر رنگ بدلنے والا آدمی ہوں اس وقت تم نے دشمنوں سے فرہاد کا مطالبہ کیا تو میں اپنی جان بچانے کے لئے فرہاد بن گیا۔ اگر تم الّو کے پٹھے کا مطالبہ کرتیں تو میں وہ بھی بن جاتا۔ آؤ ہم اطمینان سے بیٹھ کر اپنی اپنی داستان سنائیں۔ اس طرح ہم ایک دوسرے کو صحیح معنوں میں سمجھ لیں گے۔"

"میں نے تمہیں خوب سمجھ لیا ہے۔ تم نے کوئی نئی کہانی گھڑ لی ہے تو سنا دو۔"

"میں کیا سناؤں۔ آج ہی میں نے شبانہ سے شادی کی۔ اس کا ارب پتی باپ میرا مخالف تھا اس لئے ہم ہنی مون منانے استنبول آئے مگر میرے نصیب میں میری دلہن نہیں تھی ان بدمعاشوں نے مجھے پکڑ لیا اگر تم نہ بچاتیں تو وہ لوگ مجھے کسی ویرانے میں لے جا کر مار ڈالتے میں تمہارا احسان مند ہوں۔"

"بس ختم ہو گئی کہانی ۔۔۔؟"

"یہ کہانی نہیں حقیقت ہے۔ شبانہ استنبول میں میرے لئے بھٹک رہی ہو گی۔"

"اگر یہ سچ ہے تو تم کیسے مرد ہو اپنی نو بیاہتا عورت کو بھٹکنے کے لئے چھوڑ کر یہاں آ گئے ہو؟"

"میں تقدیر سے نہیں لڑ سکتا۔ اگر شبانہ کے عشق میں دیوانہ بن کر بھاگنے کی کوشش کرتا تو وہ لوگ مجھے گولی مار دیتے۔ شبانہ مجھ کو نہ ملتی۔ میں شبانہ کو نہ ملتا خواہ مخواہ مر جاتا۔ اب زندہ ہوں تو اس کے پاس واپس جانے کی تدبیر کروں گا۔"

"تو پھر اس کے پاس واپس جاؤ۔ یہاں کیوں کھڑے ہو۔"

"یعنی تمہیں اب بھی یقین نہیں آیا کہ میں عازم ہوں؟"

"دیکھو فرہاد! تم ایک بار کہہ دو کہ مجھ سے نفرت ہے میں وعدہ کرتی ہوں کہ اس کے بعد پھر تمہیں اپنی صورت نہیں دکھاؤں گی۔"

"تم اتنی حسین ہو کہ فرہاد تو کیا میں بھی جھوٹ موٹ نفرت نہیں کر سکتا چلو ایسا کرتے ہیں کہ ہم دوست بن جاتے ہیں میں کوشش کروں گا کہ تمہارا فرہاد بن سکوں۔"

"مجھے ہمدردی والی دوستی نہیں چاہئے۔ چلے جاؤ یہاں سے۔"

وہ سر جھکا کر جانے لگا۔ پھر دروازے پر رک گیا اس نے فوراً ہی ایک فیصلہ کیا اس کے بعد قہقہہ لگاتے ہوئے پلٹ گیا اپنے دونوں بازو پھیلا کر آگے بڑھتے ہوئے بولا: "میری جان رومانہ! میں اتنی دیر سے مذاق کر رہا تھا۔ بھئی میں تمہارا فرہاد ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے رومانہ کو آغوش میں سمیٹ لیا۔ پہلے تو وہ

حیران ہوئی پھر پیار بھرے بازوؤں نے اسے سمجھایا کہ فرہاد واقعی مذاق کر رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے الگ ہو کر بولی: "یہ بھی کوئی مذاق ہے۔ جاؤ میں تم سے نہیں بولوں گی۔"

وہ فرطِ محبت سے رونے لگی۔ عازم نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پھر بازوؤں میں لے لیا۔ وہ آغوش میں پگھل گئی۔

اچانک دروازے پر دستک ہونے لگی۔

وہ ہڑبڑا کر الگ ہو گئے دونوں کو وہ دستک گراں گزر رہی تھی۔ مجبوراً عازم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ باہر اسٹیوارڈ کھڑا ہوا تھا اس نے پوچھا: "کیا آپ ہی مسٹر فرہاد ہیں؟"

"جی ہاں۔ فرمائیے؟"

وہ آہستگی سے بولا: "آئیے! آپ کی ایک ایک تصویر اتاری جائے گی۔ تاکہ جعلی پاسپورٹ مکمل ہو سکے۔"

رومانہ نے کہا: "جاؤ فرہاد! یہ کام پہلے مکمل ہو جانا چاہئے میں تم سے ڈائننگ ہال میں ملوں گی۔"

وہ چلا گیا۔ رومانہ کو جیسے اس بحری جہاز میں جنت مل گئی تھی۔ روٹھا ہوا فرہاد مان گیا تھا۔ وہ خوشی سے جھومتی ہوئی، گنگناتی ہوئی دروازہ بند کر کے باتھ روم میں گئی۔ وہاں سے منہ ہاتھ دھو کر لباس بدلنے کے لئے بیگ کھولا تو اس میں ایک پتلون اور بنیان تھی۔ فرہاد اسے عورتوں کے لباس میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ لیکن اس نے شرارتاً پتلون پہن لی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ اتنے عرصہ بعد فرہاد اس لباس پر اعتراض کرے گا یا نہیں؟

جمناسٹک کی انگلیوں سے تراشا ہوا بدن، اس پر چست پتلون اور بنیان ایسی تھیں کہ غضب کا شبابی حسن امڈ آیا تھا۔ وہ کیبن سے باہر آئی تو مسافر مردوں کی نگاہیں اس سے چپک کر رہ گئیں۔ عورتیں اسے رشک آمیز نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ ڈائننگ ہال میں بڑی چہل پہل تھی۔ ایک جانب بار کے کاؤنٹر پر لوگ شراب پی رہے تھے۔ عورتیں چند مردوں کے ساتھ ڈانس فلور پر رقص کر رہی تھیں۔ رومانہ کو دیکھتے ہی کتنی ہی شرابی نظریں شباب کے نشہ میں بہک گئیں۔ ایک قد آور شخص ہاتھ میں جام لے کر اس کی جانب بڑھا۔ وہ ایک میز کے پاس بیٹھ گئی تھی اس شخص نے میز پر جام رکھتے ہوئے پوچھا: "جانِ من! ساتھ دو گی ۔۔۔؟"

رومانہ نے سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ چہرے سے بے حد خوفناک لگ رہا تھا۔ لال لال آنکھیں، پھیلے ہوئے جبڑے، ناک کے نتھنے اتنے بڑے تھے جیسے اژدھے کی طرح سانس کھینچ کر رومانہ کو ناک کے ذریعے نگل لے گا اس کے ہاتھ پاؤں پتھر کی طرح سخت نظر آ رہے تھے۔

وہ بولی: "نو سوری! میں اپنے بوائے فرینڈ کا انتظار کر رہی ہوں۔"

"میرے ہوتے ہوئے کون سالا فرینڈ بنے گا۔"

عازم کی آواز سنائی دی: "بھئی میں ہوں۔ خواہ مخواہ گالی کیوں دے رہے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

وہ شرابی کے سامنے آ گیا لیکن پھر اسے الٹے قدموں واپس جانا پڑا۔ کیونکہ شرابی کا ایک الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا تھا۔ رومانہ حیرانی سے عازم کو دیکھنے لگی۔ اسے یاد تھا کہ فرہاد حیرت انگیز طور پر پھرتیلا ہے دشمن کا ہاتھ چلنے سے پہلے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لیتا تھا پھر آج فرہاد کیسے مار کھا گیا؟

عازم نے اپنے چہرے کو سہلاتے ہوئے کہا: "دیکھو مسٹر شرابی! میرا غصہ بہت خراب ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر رکھ ..... دوں گا۔"

"شرابی نے کہا: "آؤ بیٹے! میں موم کا بنا ہوں۔ مجھے توڑ دو۔"

عازم نے اچانک اچھل کر فلائنگ کِک ماری۔ شرابی میز پہ جھک گیا نتیجہ یہ ہوا کہ عازم اس کے اوپر سے گزرتا ہوا دور فرش پہ جا گرا۔ رومانہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ پہلی بار اس کے دماغ میں یہ سوال پیدا ہوا: "کیا یہ ... یہ فرہاد ہے؟"

عازم اپنی کمر کو سہلاتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر تنبیہہ کے انداز میں انگلی دکھاتے ہوئے بولا: "دیکھو میری عادت ہے پہلے دو بار مار کھاتا ہوں، پھر تیسری بار پٹائی شروع کر دیتا ہوں۔"

شرابی نے کہا: "ابے مارے گا بھی یا دھمکیاں ہی دیتا رہے گا؟"

وہ آگے بڑھ کر گھونسہ دکھاتے ہوئے بولا: "ماروں گا مگر میرا حلق سوکھ رہا ہے۔ تھوڑی سی وہسکی دو۔"

شرابی نے اپنا جام بڑھاتے ہوئے کہا: "لے، تو بھی کیا یاد کرے گا کہ ڈراگون نے اپنا جھوٹا تجھے پینے دیا تھا۔"

رومانہ توہین کے احساس سے تلملا رہی تھی۔ وہ بہت پہلے ہی ڈراگون سے الجھ پڑتی۔ مگر جسے فرہاد سمجھ رہی تھی اسے تول رہی تھی عازم اس سے شراب کا جام لینے کے بعد سر جھکا کر شکریہ ادا کر رہا تھا پھر اس نے سر اٹھاتے ہی جام کی شراب کو ڈراگون کی آنکھوں پر پھینک دیا۔

وہ چیخ مار کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہوا پیچھے ہٹ گیا شراب اس کی آنکھوں میں آگ کی طرح جل رہی تھی عازم نے اس کے پیٹ پر ایک لات ماری۔ ڈراگون پیٹ پکڑ کر جھکا تو اس نے منہ پر گھونسہ رسید کیا وہ ڈکراتا ہوا پیچھے ایک میز سے ٹکرا کر الٹ گیا عازم آگے بڑھ کر اسے ٹھوکروں پر رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن رومانہ درمیان میں آ گئی۔

"ہٹ جاؤ رومانہ! اس وقت میں بہت غصے میں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں لیکن جب دشمن جوابی حملہ کرنے کے قابل نہ ہو اس پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے۔ چلو ادھر بیٹھو!"

وہ دونوں ایک میز کے اطراف آ کر بیٹھ گئے اس وقت تک ڈائننگ ہال میں اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی تھی وہ بدمعاش قسم کے آدمی

ڈراگون کو سہارا دے کر لے جا رہے تھے کیونکہ اس کی آنکھیں بدستور بند تھیں عازم نے فخر سے کہا: "تم لڑکی ہو نا، مار پیٹ سے گھبرا گئیں۔ کوئی بات نہیں۔ اب وہ آئے گا تو تم کیبن میں چلی جانا۔"

رومانہ بولی: "ہاں فرہاد! تم تو جانتے ہو کہ میں بہت ہی کمزور دل کی لڑکی ہوں کوئی آنکھ دکھاتا ہے تو ڈر جاتی ہوں۔"

وہ ہنستے ہوئے میز پر ہاتھ مار کر بولا: "اب ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے جب تک فرہاد تمہارے ساتھ ہے کوئی تمہیں آنکھ نہیں دکھا سکتا۔"

رومانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی: "فرہاد! میں اس لباس میں کیسی لگتی ہوں؟"

وہ چاروں طرف گھوم کر خود کو ہر زاویے سے دکھانے لگی۔ عازم نے کہا: "اس پتلون اور بنیان میں غضب ڈھا رہی ہو۔ بس ایسے ہی لباس پہنا کرو۔"

"لیکن تم لیڈی سارا کو ایسے لباس میں پسند نہیں کرتے تھے؟"

"ارے وہ، وہ لیڈی سارا کو مارو گولی۔ اس کا جسم کیسا بھدا سا تھا پتلون پہن کر کارٹون لگتی تھی۔ تم اپنی بات کرو۔"

رومانہ ایک گہری سانس لے کر بیٹھ گئی۔ پھر وہ بیرے کو بلا کر کھانے کا آرڈر دیتی ہوئی بار بار عازم کو دیکھتی رہی۔ وہ حیران تھی: "کیا ایسے بھی ہم شکل ہوتے ہیں کہ ان میں ذرا بھی فرق نہیں ہوتا۔ اگر اس کی عادت مختلف نہ ہوتی تو میں اسے فرہاد سمجھ کر اپنا سب کچھ ہار جاتی کم بخت مجھے احمق بنا کر مجھے پیار کرنا چاہتا تھا۔ مگر نہیں، میں خود ہی دھوکہ کھا رہی تھی اس نے تو پہلے ہی فرہاد بننے سے انکار کیا تھا۔"

اس کے سوچنے کے دوران جہاز کا کیپٹن ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا اس نے کہا: "مسٹر فرہاد! آپ نہیں جانتے کہ مسٹر ڈراگون کتنے خطرناک ہیں مجھ جیسا ذمہ دار افسر بھی آپ کو ان کے قہر سے نہیں بچا سکے گا۔"

عازم نے پوچھا: "اچھا اس بھینسے سے ڈرنے کی کون سی ایسی بات ہے؟"

"مسٹر! آپ نے اسے آنکھوں سے معذور کر دیا۔ ابھی وہ ڈاکٹر کے پاس گیا ہے واپس آ کر خود ہی بتائے گا کہ وہ کس طرح ہڈی پسلیاں توڑنا چاہتا ہے۔"

رومانہ نے کہا: "یہ سراسر غنڈہ گردی ہے آپ کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو قانون کے حوالے کریں۔"

"محترمہ! آپ کے فرہاد صاحب غیر قانونی طور پر سفر کر رہے ہیں۔ اس لئے ایک غیر قانونی بات اور بتا دوں کہ مسٹر ڈراگون ایک بدنام اسمگلر ہیں اس جہاز کے مالک کو اپنی دولت اور طاقت سے خرید رکھا ہے۔ سمندر کے سینے پر جب تک جہاز چلتا رہتا ہے، یہاں مسٹر ڈراگون کی حکومت رہتی ہے۔ مسٹر فرہاد! وہ آپ کو سمندر میں پھینک دے گا اور کسی کو خبر نہ ہوگی۔ جنہیں خبر ہوگی وہ خوف سے زبان نہیں کھولیں گے۔"

عازم نے کہا: "پھر تو اس سے نمٹنے کی کوئی تدبیر کرنی ہوگی۔"

کیپٹن نے کہا: "صرف ایک ہی تدبیر ہے آپ تھوڑی دیر کے لئے کہیں چھپ جائیں۔ وہ یہاں آئیں گے تو رومانہ صاحبہ ان سے معافی مانگ لیں گی۔ مسٹر ڈراگون حسن پرست ہیں۔ میرا مطلب آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے اب میں جاتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ عازم نے مٹھیاں بھینچ کر کہا: "نان سینس! مجھے سمجھا کر گیا ہے کہ میں تمہیں رشوت کے طور پر پیش کروں۔ میں بے غیرت نہیں ہوں اس کا سر توڑ دوں گا۔"

رومانہ نے کہا: "ڈراگون کا سر بہت مضبوط ہے۔"

بیرا میز پر کھانے کی ڈشیں رکھنے لگا عازم نے کہا: "تم مجھے تاؤ دلا رہی ہو۔"

"میں تمہیں تاؤ دلا کر تمہاری ٹوٹ پھوٹ دیکھنا پسند نہیں کروں گی۔ جلدی سے کھانے کے بعد کیبن میں جا کر آرام کر دیں ڈراگون سے معافی مانگ لوں گی۔"

"میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ وہ تمہیں معاف کرنے کے لئے اپنے کیبن میں لے جائے گا۔"

"بکواس مت کرو۔ چپ چاپ کھاتے رہو۔"

لیکن اسے کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ڈائننگ ہال میں اچانک بھگدڑ مچ گئی۔ ہال کے داخلی راستے پر ڈراگون ایک پہاڑ کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ اس کے آس پاس اس کے چند حواری موجود تھے دیکھتے ہی دیکھتے... ڈائننگ ہال خالی ہو گیا۔ ڈراگون کے حواری آگے بڑھ کر میز اور کرسیاں ایک طرف ہٹا کر میدان صاف کرنے لگے۔

عازم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ رومانہ بیٹھی رہی۔ ڈراگون نے آگے بڑھ کر عازم کو سرخ انگاروں جیسی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یا میرے ساتھی تمہیں ہاتھ لگانا اپنی توہین سمجھتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ تم خود ہی مر جاؤ۔"

اس کے حواریوں نے اشارہ پا کر شراب کی چار بوتلیں لا کر عازم کے سامنے میز پر رکھ دیں ڈراگون نے کہا: "تم نے دھوکہ دے کر میری آنکھوں میں شراب پھینکی تھی۔ اب تم بوتلیں کھول کر اس وقت تک پیتے رہو، جب تک کہ تمہارا دم نہ نکل جائے۔ تمہارے بہکنے کے لئے میدان صاف کر دیا گیا ہے۔"

رومانہ جانتی تھی کہ فرہاد شراب کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا ہے لیکن اس نے دیکھا عازم نے بوتل کھول کر پینا شروع کر دیا تھا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد وہ بولا: "مسٹر ڈراگون یہ نہ سمجھنا کہ میں دھونس

میں آگیا ہوں میری عادت ہے کہ پہلے مفت کے دو پیگ چپ چاپ پی لیتا ہوں۔ پھر تیسرے پیگ کا بل دشمنوں کی جیب سے ادا کرتا ہوں۔"

ڈراگون نے رُمانہ سے طنزیہ سوال کیا: "تم نے کس بزدل مسخرے کو اپنا یار بنایا ہے؟"

رُمانہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈراگون سے ذرا دور چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہو گئی پھر بولی: "مسٹر! مسخرے کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ یہ ہمارا تمہارا معاملہ ہے۔ اگر تم مجھے حاصل کر لو تو سارا جھگڑا ختم ہو جائے گا۔"

وہ قہقہہ لگا کر بولا: "معلوم ہوتا ہے میری اصلیت معلوم ہو گئی ہے۔ اسی لئے خود کو پیش کر رہی ہو۔"

"ہاں مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سمندر کی چھاتی پر حکومت کرتے ہو اتفاق سے میں سمندر کی بیٹی کہلاتی ہوں۔"

عازم نے نشیلی زبان سے پوچھا: "اچھا تو تمہارے باپ کا نام سمندر ہے؟"

کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ ڈراگون نے آنکھیں سکیڑ کر پوچھا: "لڑکی! کون ہو تم؟"

"مجھے چھو کر دیکھ لو، موم ہوئی تو پگھل جاؤں گی آگ ہوئی تو جلا ڈالوں گی۔"

"وہ ایک قصائی کی طرح مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔" ہا۔ ہپ ہپ ہا۔ ہپ ہپ ....." وہ لڑکی سے شعلہ بن گئی۔ جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی بھڑکتے ہوئے شعلے کی طرح ڈراگون کے اطراف چکرانے لگی۔ وہ حیرانی سے دیکھ رہا تھا۔ غضب کا لچکتا ہوا بدن تھا، غضب کی پھرتی تھی۔ بندوق کی گولی کی طرح سنسناتی ہوئی گزرتی تھی۔ ٹھائیں ٹھائیں۔ جیسے گولی چلتی ہو۔ ویسے ڈراگون کے منہ پر یکے بعد دیگرے دو ٹھوکریں پڑیں پھر "ہپ ہا ہپ" کی آواز کے ساتھ وہ دور جا کر کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔

چند لمحوں کے لئے ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ ڈراگون کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اس کے ساتھیوں نے رُمانہ کی جانب بڑھنا چاہا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "نہیں، کوئی اسے ہاتھ نہ لگائے۔ سنو لڑکی! میرے ایک دوست رُوزو برانڈو نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ اس کی لڑکی جمناسٹک کے کرتب دکھاتی ہوئی دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتی ـــــ [illegible] ی سارا ہو ـــ؟"

"ہاں، میں رُوزو برانڈو عرف سمندری عقاب کی بیٹی لیڈی سارا ہوں بلکہ ہوں نہیں تھی۔ پپا کے مرنے کے بعد میں نے اسمگلنگ کا دھندا چھوڑ دیا ہے اب شرافت کی زندگی گزار رہی ہوں بہتر ہے کہ میرے راستے میں نہ آؤ۔ اس مسخرے کو معاف کر دو۔ اور اپنے دھندے سے لگے رہو ـــ"

ڈراگون نے سنجیدگی سے کہا: "افسوس! تمہارا باپ مر گیا۔ وہ بلاشبہ عقاب تھا۔ ہم سب اس کے نقش قدم پر اب تک چل رہے ہیں اس کی دوستی کے ناطے تم میری بیٹی ہو۔ آج سے تم مجھے پپا کہا کرو۔"

اس نے رُمانہ کے قریب آ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔ پھر جھک کر اس کی پیشانی چوم لی۔ رُمانہ اپنا رومال نکال کر ڈراگون کی ناک سے بہنے والے لہو کو پونچھتی ہوئی بولی: "پپا.....!"

عازم نے تیسرا پیگ خالی کرنے کے بعد کہا: "مسٹر ڈراگون! میں نے اسی وقت کے لئے تم پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ میں جانتا تھا کہ تم رُمانہ کے دوسرے پپا ہو۔ ویسے رُمانہ! برا نہ ماننا باپ ایک ہی ہونا چاہئے۔ یو شٹ اپ۔ پینا چھوڑ دو اور یہ کھانا ختم کرو۔"

وہ لوگ میز کے اطراف بیٹھ گئے۔ ڈراگون رُمانہ سے باتیں کرتا رہا اور اسے دوبارہ سمندری عقاب کے جیسی زندگی گزارنے کا مشورہ دیتا رہا۔ رُمانہ نے کہا: "مجھے صرف ایک شخص کی تلاش ہے میں اسے جیت کر ساری دنیا ہارنا چاہتی ہوں۔"

"وہ خوش نصیب کون ہے؟" ڈراگون نے پوچھا۔

عازم نے کہا: "میں، تمہاری یہ تازہ ترین بیٹی مجھے چاہتی ہے۔"

ڈراگون نے اسے ناگواری سے دیکھا۔ رُمانہ نے کہا: "اس کی آدھی بات درست ہے میں اسے اپنا فرہاد سمجھ کر ساتھ لے آئی ہوں کیونکہ یہ فرہاد کا ہم شکل ہے۔"

عازم نے چونک کر پوچھا: "اچھا تو اب تم مجھے فرہاد نہیں سمجھ رہی ہو ـــ؟"

"تم اس کے پاؤں کی دھول بھی نہیں ہو ـــ"

"آہ! میں گھر کا رہا نہ گھاٹ کا۔ مجھے میری بیوی شبانہ یاد آ رہی ہے۔"

رُمانہ حیرانی سے بولی: "ارے تم کتنی جلدی رنگ بدلتے ہو۔ چند لمحے پہلے میرے عاشق تھے۔ اب پھر شبانہ کو یاد کر رہے ہو۔"

"وہ میری بیوی ہے۔ اسے پیار کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ میں اس کے پاس واپس جاؤں گا یہ جہاز اب کہاں جا کر رکے گا؟"

"عدن کے ساحل پر لنگر ڈالے گا۔"

"آہ! میں شبانہ کے دانتوں کو دُرِ عدن کہتا تھا جب وہ ہنستی تو اس کے دانت عدن کے موتیوں [illegible] ح چمکتے تھے۔"

رُمانہ اور ڈراگون [illegible] سے اٹھ گئے۔ عازم ان کے پیچھے بڑبڑاتے ہوئے آنے لگا۔ ڈراگون نے پوچھا: "تم نے یہ مصیبت کیوں پال رکھی ہے؟"

وہ بولی: "جب یار نہیں ہوتا تو تصویرِ یار سے جی بہلتا ہے پھر عازم تو فرہاد کا جیتا جاگتا اور ہنستا بولتا کٹھ پتلا ہے مجھے تسلی ہوتی کہ میں فرہاد کو دیکھ رہی ہوں۔ اور اس کے ساتھ وقت گزار رہی ہوں۔"

وہ لوگ ریلنگ کے قریب آ کر ایزی چیئرز پر بیٹھ گئے۔ چاندنی رات میں سمندر کی لہریں دور تک نظر آ رہی تھیں۔ ڈراگون نے کافی کا آرڈر دیا۔ رُمانہ نے کہا: "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فرہاد کو کہاں تلاش کروں۔ اگر سونیا نے اسے پا لیا ہے تو پھر اسے ترکی سے باہر لے گئی ہوگی۔"

"کیا سونیا بھی اسے چاہتی ہے؟"

"ہاں......" رُمانہ ڈراگون کو سونیا کے متعلق بتانے لگی اس دوران کافی کا دور چلتا رہا۔ پھر رُمانہ نے کہا: "پپا! آپ میری باتیں چھوڑیں اب اپنے متعلق بتائیں۔ اس مسافر بردار جہاز کے ذریعے بھلا اسمگلنگ کیا ہوتی ہوگی؟"

وہ ہنستے ہوئے بولا: "میں تمہارے باپ کی طرح جان بوجھ کر کھلے سمندر میں خطرات سے کھیلنا نہیں چاہتا۔ میرا طریقہ کار دوسروں سے مختلف ہے یعنی میں دوسری پارٹیوں کا مال ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا ہوں تمہیں شاید یقین نہ ہو اکثر مجھے ایک چھوٹا سا بریف کیس اسمگل کرنے کے لاکھوں ڈالر ملتے ہیں۔"

رُمانہ نے کہا: "یقیناً ایسے بریف کیس میں کسی ملک کی اہم... دستاویزات ہوتی ہوں گی۔"

"ہاں، مگر مجھے اتنا زیادہ معاوضہ ملتا ہے کہ میں کسی کے راز کی تہہ تک پہنچنا مناسب نہیں سمجھتا ایسی باتیں معاہدے کے خلاف ہوتی ہیں اس وقت ہمارے جہاز میں پچپن مسافر جعلی پاسپورٹ کے ذریعے سفر کر رہے ہیں میں نے تمہارے اس نقلی فرہاد کو اسمگل کرنے کے سولہ ہزار ڈالر لئے ہیں اب حساب کر لو کہ پچپن غیر قانونی مسافروں سے مجھے کتنی آمدنی ہو چکی ہے یعنی جہاز کی روانگی سے قبل ہی میں آٹھ لاکھ اسی ہزار ڈالر حاصل کر چکا ہوں۔"

"کیا یہ جعلی پاسپورٹ والے گرفت میں نہیں آتے؟"

"نہیں۔ اگر گرفت میں آ بھی جائیں تو مجھ پر حرف نہیں آتا ساری ذمہ داری اس پارٹی پر عائد ہوتی ہے جو جعلی پاسپورٹ کے ذریعے انہیں میرے جہاز پر سوار کراتی ہے اس جہاز میں صرف ایک ناگن ایسی ہے جو پاسپورٹ کے بغیر سفر کر رہی ہے۔"

"ناگن اور پاسپورٹ؟" رُمانہ نے حیرانی سے پوچھا۔

ڈراگون نے سنجیدگی سے کہا: "کچھ پُراسرار پارٹیاں ایسی ہوتی ہیں جو میرے سامنے نہیں آتیں۔ بڑی رازداری سے کوڈ ورڈز میں معاملات طے کرتی ہیں۔ وہ ناگن ایک عورت ہے لیکن کوڈ ورڈز میں اسے ناگن کہا جا رہا ہے میں نہیں جانتا کہ کیا راز ہے ہملے ایک تابوت میں یہاں پہنچایا گیا ہے۔"

"تابوت میں؟" رُمانہ حیرانی سے بولی: "میں اس ناگن کو ضرور دیکھوں گی۔"

"آؤ۔ میں نے اسے ایک کیبن میں لاک کر دیا ہے فی الحال وہ خطرناک نہیں ہے گہری نیند میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر کیبنوں کی طرف جانے لگے عازم بھی ان کے ساتھ تھا۔ ڈراگون نے کہا: "جس پارٹی نے اس ناگن کو میرے پاس پہنچایا ہے اس نے وارننگ دی ہے کہ جب وہ نیند سے بیدار ہو تو اس سے دوستانہ رویہ اختیار کیا جائے ورنہ وہ اپنے زہریلے غیض و غضب میں خود تو ڈوبے گی، پورے جہاز کو بھی ڈبو دے گی۔"

رُمانہ چلتے چلتے گہری سوچ میں ڈوب گئی تھی ایک کیبن کے سامنے پہنچ کر ڈراگون نے چابی نکالی پھر دروازے کو کھولا اندر تاریکی تھی وہ ڈراگون کے پیچھے عازم کے ساتھ کیبن میں داخل ہوئی۔ چند ساعتوں کے بعد سوئچ آن ہونے کی ہلکی سی آواز آئی کیبن روشن ہو گیا رُمانہ کے سامنے ایک برتھ پر سونیا سو رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی رُمانہ کی رگوں میں لہو کی حرارت اور روانی تیز ہو گئی اس سے برداشت نہ ہو سکا وہ چیخ کر بولی: "سونیا! اٹھو ہماری زندگی کا وہ موڑ آ گیا ہے جہاں ہم بدترین دشمنوں کی طرح مل رہی ہیں۔ اٹھ جاؤ......"

ڈراگون نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا: "سارا! چپ ہو جاؤ۔ یہ ابھی سو رہی ہے۔"

رُمانہ بڑبڑانے لگی: "سارا، ہاں میں سارا ہوں۔ میں نے رُمانہ بن کر اپنا سب کچھ کھو دیا اب اس دشمن عورت کے سامنے سارا بن کر فرہاد کو حاصل کر لوں گی۔"

ڈراگون نے پوچھا: "کیا اس کا نام سونیا ہے؟"

"ہاں، پپا! مجھے بتاؤ۔ تم اسے کہاں سے لائے ہو یہ آسانی سے گرفت میں آنے والی عورت نہیں ہے کیا اسے خواب آور گولیاں کھلائی گئی ہیں ـــ؟"

"میرا اندازہ یہی ہے۔ ورنہ یہ اتنی گہری نیند نہ سوتی۔"

"مجھے بتاؤ کہ اسے یہاں لانے والی پارٹی نے اسے کہاں پہنچانے کے لئے کہا ہے۔"

"باہر چلو۔ میں بتاتا ہوں۔"

وہ تینوں باہر جانے لگے۔ عازم نے سونیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ جتنی خطرناک لگتی ہے، اتنی ہی حسین بھی ہے۔ میں نے اب سے پہلے سانولے حُسن میں اتنی کشش نہیں دیکھی۔"

وہ باہر آ کر رُمانہ سے بولا: "تمہارا حُسن بھی بے مثال ہے مجھے بتاؤ کہ آخر یہ فرہاد کون ہے؟ جس پر تم جیسی حسینائیں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بھٹکتی رہتی ہیں؟"

ڈراگون نے کیبن کے دروازے کو دوبارہ لاک کر دیا پھر رُمانہ کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولا: "میرے جہاز میں بہت سی پُراسرار ہستیاں سفر کرتی رہتی ہیں یہ ناگن بھی ان میں سے ایک ہے، میں اسے ناگن ہی کہوں گا۔ کیونکہ اسے پہنچانے والی پارٹی نے کوڈ ورڈز میں بتایا ہے کہ

یہ ناگ اور ناگن کا جوڑا ہے۔ ناگ اس سے بچھڑ گیا ہے۔ کہیں گم ہو گیا ہے وہ اس کے ذریعے ناگ کو پکڑنا چاہتے ہیں۔"

رُومانہ چونک کر بولی "اوہ پیّا! میں سمجھ گئی۔ فرہاد کو ہی ناگ کہا جا رہا ہے۔ اسے گرفت میں لینے کے لئے دنیا کی خطرناک تنظیمیں سرگرم عمل ہیں۔ مجھے بتاؤ وہ فرہاد کو کس طرح پکڑنا چاہتے ہیں"

"کوئی پارٹی اپنا راز یا طریقۂ کار نہیں بتاتی۔ مجھ سے صرف اتنا کہا گیا ہے کہ کسی دن ہمارے سفر کے دوران ایک آبدوز کشتی ہمارے جہاز کے قریب آئے گی۔ اور یہاں سے ناگ اور ناگن کو لے جائے گی"

"مگر ناگ کہاں ہے۔؟"

"پتہ نہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ جہاں یہ بلا رہے گی، وہاں وہ ناگ خود پہنچے گا یا ٹیلی پیتھی کے ذریعے اپنی ناگن کو پکارے گا۔ اور اب یہ زہریلا تماشہ بیچ سمندر میں ہو گا"

رُومانہ دانت پیس کر بولی "اس سے پہلے میں تماشہ دکھاؤں گی۔ ذرا اسے بیدار ہونے دو"

ڈراگون نے کہا "سارا! میں تمہارے غصّہ اور انتقام کے جذبات کو سمجھتا ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ تم سونیا سے انتقام نہ لو، تب بھی وہ اپنے بُرے انجام کو پہنچے گی! اگر وہ ایسی ہی خطرناک ہے تو اسے یہاں پہنچانے والی پارٹی پہلی فرصت میں اُسے ہلاک کر دیتی۔ لیکن وہ لوگ فرہاد کا انتظار کر رہے ہیں!"

رُومانہ نے پوچھا "پیّا! تم کیا چاہتے ہو، کیا وہ پُراسرار لوگ فرہاد کو پکڑ کر لے جائیں؟"

اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "یہ بچّوں کو بہلانے والی باتیں ہیں تم بچّی نہیں ہو، ذرا عقل سے سوچو، یہ جہاز کھلے سمندر میں آ گیا ہے، فرہاد کوئی جادوگر تو نہیں ہے کہ سمندر کی لہروں پہ چلتا ہوا یہاں آ جائے؟"

وہ بولی "ہو سکتا ہے کہ وہ جعلی پاسپورٹ کے ذریعے یہاں میک اپ میں موجود ہو!"

"ہاں یہ ممکن ہے، میں ابھی چیک کرتا ہوں!"

ڈراگون نے دُور کھڑے ہوئے اپنے ایک ماتحت کو بُلا کر حکم دیا:

"تم اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر جعلی پاسپورٹ پر سفر کرنے والے تمام مسافروں کو چیک کرو۔ جو بھی میک اپ میں اپنی اصلیت چھپائے ہوئے ہو، اُسے میرے پاس لے آؤ"

وہ حکم کی تعمیل کے لئے چلا گیا۔ عازم نے کہا "تم دونوں اپنی اپنی گا رہے ہو، یہ نہیں سمجھتے کہ میں نے فرہاد کی شکل میں پیدا ہو کر کیسی مصیبت مول لی ہے۔ اگر وہ اپنی ناگن کے پیچھے یہاں نہ آیا تو وہ آبدوز والے مجھے فرہاد سمجھ کر لے جائیں گے"

رُومانہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے بھول گئی تھی کہ فرہاد کی ایک مکمل نقل وہاں موجود ہے۔ وہ عازم کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔ اُس کے دماغ میں ایک منصوبہ پک رہا تھا۔ عازم نے تعجب سے پوچھا۔ "تم مجھے اس طرح گھور کر کیوں دیکھ رہی ہو؟"

وہ چونک کر مسکرائی۔ پھر بولی "مجھ سے بڑی بھول ہوئی کہ میں نے تمہیں نہیں پہچانا، تم ہی تو میرے فرہاد ہو!"

"ایں؟" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا "مَ... نہیں میں عازم ہوں"

وہ پچکارتی ہوئی بولی "نہیں میری جان! تم ہی فرہاد ہو!"

"میں اپنے ماں باپ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ انہوں نے مجھے عازم بنا کر پیدا کیا ہے!"

"تمہاری اس بات پہ فرہاد کے دُشمن یقین نہیں کریں گے، وہ تمہیں دیکھتے ہی شوٹ کر دیں گے یا پھر یہاں سے اُٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے!"

"کیا مصیبت ہے؟" وہ پریشان ہو کر بولا "رُومانہ! انسانی ہمدردی کا تقاضہ ہے کہ مجھے فرہاد کی جگہ قربانی کا بکرا نہ بناؤ!"

"میں نہیں بنا رہی ہوں۔ کوئی بھی فرہاد کا جاننے والا تمہیں فرہاد ہی کہے گا۔ میرے اور پیّا کے کہنے سے دشمن یقین نہیں کریں گے!"

عازم آگے بڑھ کر ڈراگون سے التجا کرنے لگا "مسٹر! آپ چاہیں تو مجھے اتنے بڑے جہاز میں کہیں چھپا سکتے ہیں، یا پھر میک اپ کا سامان مہیا کر دیں، میں رُوپ بدل لوں گا!"

رُومانہ نے کہا "نہیں عازم! تم اپنے اصلی رُوپ میں رہو گے۔ اس جہاز میں صرف ایک ہی ہستی ہے جو تمہیں دشمنوں سے بچا سکتی ہے، اور وہ ہے سونیا!"

"تم مجھے بہلا رہی ہو، وہ تو خود قیدی ہے، وہ مجھے کیسے بچائے گی ——؟"

"عازم! تم نے سُنا نہیں، پیّا تھوڑی دیر پہلے کیا کہہ رہے تھے، جس پُراسرار پارٹی نے سونیا کی نیند سے فائدہ اٹھا کر اسے یہاں پارسل کیا ہے، خود اُس پارٹی کا بیان ہے کہ سونیا نیند سے بیدار ہو تو اس سے دوستانہ رویّہ اختیار کیا جائے، ورنہ وہ اپنے زہریلے غیض و غضب سے خود کو ڈبو دے گی اور سارے جہاز کو بھی ڈبو دے گی"

عازم نے اوپر نیچے سر ہلاتے ہوئے کہا "ہاں، اُسے تو دیکھتے ہی سے پتہ چلتا ہے کہ بڑی خطرناک ہے!"

رُومانہ مسکرا کر بولی "صرف خطرناک ہی نہیں، حسین اور پُرکشش بھی ہے، تم کیبن میں خود ہی کہہ رہے تھے!"

"ہاں، یہ بات بھی ہے کہ اُسے دیکھ کر دل دھڑکنے لگتا ہے، سانپ کی جلد بڑی خوبصورت اور چکنی چکنی ہوتی ہے، مگر اس کے زہر سے بچنا پڑتا ہے!"

"اگر تم ناگ بن جاؤ تو وہ ناگن تمہیں کبھی نہیں ڈسے گی بلکہ تمہارے لئے جان کی بازی لگا دے گی!"

"لیکن میں فرہاد کیسے بن سکتا ہوں، صرف صورت ایک جیسی ہے قد و قامت ایک ہو تو بات نہیں بنتی۔ تم لوگوں کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ فرہاد بہت ہی ذہین، باصلاحیت اور خطرناک آدمی ہے جسے دُنیا کی خطرناک تنظیمیں گرفت میں لینا چاہتی ہیں، میں ایسا تو نہیں بن سکتا!"

"تم ایسے نہ ہو، تب بھی فرہاد کا رول ادا کر سکتے ہو۔ سُنو فرہاد، ٹیلی پیتھی جانتا تھا لیکن ایک دشمن عورت نے اُسے جڑی بوٹیوں کا عرق پلا دیا ہے کہ اُس کے دماغ سے خیال خوانی کی صلاحیتیں دُھل گئی ہیں، لہٰذا تم فی الحال ایسے فرہاد ہو جو ٹیلی پیتھی کی صلاحیتیں کھو چکا ہے!"

عازم نے کہا "عجیب بات ہے میں بھی ٹیلی پیتھی سیکھ رہا تھا، مگر شمع بینی کی مشقیں ادھوری رہ گئیں۔"

رومانہ نے ڈانٹ کر کہا "تم ادھوری مشقوں کی باتیں نہ کرو۔ اب یہی کہتے رہو کہ تم خیال خوانی کے ماہر تھے، مگر یہ صلاحیتیں کھو چکے ہو!"

"کیا ایسا کہنے سے دُشمن مجھے زندہ چھوڑ دیں گے؟"

"تم دُشمنوں کی پرواہ نہ کرو، صرف سونیا کا دِل جیت لو، پھر وہ تمہیں دُشمنوں سے جیت لے گی۔ تمہیں رفتہ رفتہ معلوم ہو گا کہ وہ کس طرح فرہاد کے لئے خطرناک تنظیموں سے لڑتی آئی ہے!"

"لیکن سونیا اگر مجھ سے ماضی کی باتیں پوچھے یا اپنے تعلقات کا ذکر چھیڑ دے تو میں کیا جواب دُوں گا!"

"صرف ایک جواب دو گے اور وہ یہ کہ تمہاری یادداشت کمزور ہو گئی ہے۔ دیوی رتی ونتی نے تمہارے دماغ سے ٹیلی پیتھی کی صلاحیتوں کو مٹانے کے لئے جو دوائیں پلائی تھیں، اُن کے اثر سے اب تمہارا دماغ اس قدر کمزور ہوتا جا رہا ہے کہ تم ماضی کی ہر بات بھولتے جا رہے ہو۔ صرف ایک سونیا تمہیں یاد رہ گئی ہے!"

عازم نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھام کر کہا "مجھے سچ مچ ایسا لگ رہا ہے کہ میں سب کچھ بھول گیا ہوں۔ میں عازم ہوں یا فرہاد ہوں، خدایا میں کیا ہوں؟"

"شاباش!" رومانہ نے کہا "اگر اس طرح پاگل بن جاؤ تب بھی میرا مقصد پُورا ہو جائیگا!"

عازم نے پوچھا "تمہارا مقصد کیا ہے؟"

ڈراگون نے سخت لہجے میں کہا "تم مقصد نہ پوچھو، جو کچھ کہا جا رہا ہے، اُس پر عمل کرو!"

وہ بےبسی سے بولا "یہ تو زبردستی ہے، ظلم ہے!"

"بکواس مت کرو، اس لمحہ سے تم کبھی خود کو عازم نہیں کہو گے، ورنہ میرے آدمی تمہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دیں گے۔ بولو"

طرح مرنا چاہتے ہو یا سونیا کے عاشق بن کر زندہ رہنے کا ایک چانس لینا چاہتے ہو!"

وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا "انسان اُمید پر جیتا ہے میں فرہاد بن کر چانس لوں گا۔ شاید سونیا مجھے دشمنوں سے بچالے!"

ڈراگون نے کہا "اب عقل آئی ہے۔ غور سے سنو، سونیا کے بیدار ہونے کے بعد جب بھی اُن سے تمہارا سامنا ہو گا، میرے مسلح آدمی کہیں نہ کہیں موجود رہیں گے۔ جیسے ہی تم سونیا کو اپنی حقیقت بتاؤ گے، وہ تمہیں گولی مار دیں گے!"

"میں کبھی اپنی اصلیت ظاہر نہیں کروں گا!"

"ٹھیک ہے!" ڈراگون نے اپنے ایک ماتحت کو اشارے سے بُلایا۔ پھر اُس سے کہا "مسٹر فرہاد کو لے جاؤ اور اس کے سونے کا انتظام کر دو!"

عازم نے کہا "اگر سونیا نے پوچھا، میں کہاں تھا؟ اور اس جہاز میں کیسے پہنچ گیا تو میں کیا بتاؤں گا؟ ٹھیک ہے کہ میں اپنی یادداشت کمزور بتاؤں گا لیکن یادداشت ایسی بھی کمزور نہیں ہوتی کہ میں آج شام کی بات بھول جاؤں۔"

وہ ایک اہم نکتہ بیان کر رہا تھا۔ رُومانہ اور ڈراگون سوچ میں پڑ گئے۔ رُومانہ نے کہا "مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ مجھے کھنڈرات سے بھگنے کے بعد سونیا فرہاد سے مل سکی تھی یا نہیں؟ جب تک یہ نہ معلوم ہو، اس وقت تک عازم کوئی معقول جواب نہ دے سکے گا!"

ڈراگون نے کہا "بھئی سیدھی سی بات ہے ... کا چکر چھوڑو۔ اس بناسپتی فرہاد کو پاگل بنا دو!"

"پاگل؟" عازم گھبرا کر بولا "نن ... نہیں، مجھے پاگل نہ بناؤ!"

"ہم تمہیں سچ مچ پاگل نہیں بنا رہے ہیں!"

رُومانہ بولی "پپا، یہ پاگل کی ایکٹنگ کرے گا تو جہاز کے دوسرے مسافر یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ آج شام تک ہوشمند تھا، اچانک یہ تبدیلی کیسے آئی؟ بہتر یہ ہے کہ یہ بالکل ہی یادداشت گم ہونے کی بات کرے یعنی یہ اتنا بھی نہیں بتاسکے گا کہ اس جہاز میں کیسے پہنچا؟ جب سونیا ہم سے پوچھے گی تو میں اُسے جواب دے دُوں گی!"

"ٹھیک ہے!" ڈراگون نے کہا "عازم! اب تم جاؤ!"

وہ ڈراگون کے ماتحت کے ساتھ چلا گیا۔ رُومانہ اُسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ سر سے پاؤں تک فرہاد ہی نظر آتا تھا۔ وہ بولی۔ "قدرت کے عجیب تماشے ہیں، ایک فرہاد وہ پیدا کیا ہے جو ذہین، دلیر اور باصلاحیت ہے۔ ایک یہ فرہاد پیدا کیا ہے جو بزدل اور عقل سے پیدل ہے، ہمارے اشاروں پر کٹھ پتلی کی طرح ناچ رہا ہے!"

ڈراگون نے ہنستے ہوئے کہا "سارا! میں تمہاری چال سمجھ گیا تم چاہتی ہو کہ سونیا اس نقلی فرہاد کو پاکر مطمئن ہو جائے اور تمہارے فرہاد کے راستے میں نہ آئے۔"

"ہاں پپا! سونیا میری طرح ایک اچھی فائیٹر ہے، اگر وہ فرہاد کے لئے لڑتے ہوئے مجھے شکست دے دیتی تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا۔ میں انتقام لینے کی بجائے اُس کی دلیری کی قدر کرتی لیکن اُس نے مجھے فرہاد کی راہ سے ہٹانے کے لئے ریوالور کا سہارا لیا۔ کیا اصولاً یہ غلط نہیں ہے؟"

"بالکل۔ اگر دو فری اسٹائل لڑنے والوں میں سے ایک شکست سے بچنے کے لئے ریوالور نکال لے تو یہ بالکل اصُول کے خلاف ہے!"

"سونیا یہ سمجھتی ہے کہ محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہے، تو پھر یہ بھی جائز ہے کہ میں ایک نقلی فرہاد پیش کر کے اُسے دھوکہ دوں۔ وہ اس فرہاد کو بکھ دشمنوں کے چھکے چھڑا دے گی۔ یا تو اس فرہاد کے ساتھ مر جائے گی یا پھر زندہ بچی تو اسے لے کر مجھ سے دُور چلی جائے گی!"

ڈراگون کے ایک ماتحت نے آکر کہا "باس! ہم نے یہاں کے تمام مسافروں کو چیک کیا ہے۔ کوئی بھی میک اپ میں نہیں ہے!"

"ٹھیک ہے!" ڈراگون نے جیب سے چابی نکال کر اُسے دیتے ہوئے کہا۔ "ناگن کے کیبن کا دروازہ کھول دو۔ جب وہ بیدار ہو تو اسے قیدی ہونے کا شبہ نہ ہو۔ تم دُور ہی سے اس کی نگرانی کرو گے۔ کوئی مسئلہ درپیش ہو تو مجھے خبردار کرنا۔ میں ... سونے جا رہا ہوں!"

وہ ماتحت چلا گیا۔ رُومانہ اور ڈراگون باتیں کرتے ہوئے وی آئی پی کیبنوں کے پاس آئے۔ ڈراگون نے ایک کیبن کا دروازہ کھول کر کہا "یہ اسپیشل کیبن میری بیٹی کے لئے ہے۔ تمہارا سامان یہاں پہنچا دیا گیا ہے۔"

وہ اپنے پپا کے ساتھ کیبن میں داخل ہو گئی۔ وہاں آرام و آسائش کا ہر سامان موجود تھا۔ وہ تھکے ہوئے انداز میں بستر پر گر پڑی۔ اتنے میں ایک ماتحت نے آکر ڈراگون سے کہا "جناب! وہ فرہاد صاحب وسکی طلب کر رہے ہیں! کیا انہیں شراب دے دی جائے!"

رُومانہ پریشان ہو کر اٹھ بیٹھی۔ "اس کی شراب نوشی سارا کھیل بگاڑ دے گی، فرہاد شراب نہیں پیتا ہے!"

ڈراگون نے کہا "تعجب ہے فرہاد کو جیسا فائیٹر بتایا جا رہا ہے، ایسے شخص کو تو لازماً پینا چاہئے۔ وہ پئے بغیر کیسے لڑتا ہو گا؟"

"اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ ہوش و حواس میں رہتا ہے۔ دماغوں سے کھیلنے والا خود اپنے دماغ کو نشے کا غلام نہیں بناتا!"

"میری خواہش ہے کہ میں کبھی اُسے قریب سے دیکھوں۔ ہاں! ڈیئر! اب تم آرام کرو، میں عازم کو ڈانٹ ڈپٹ کر شراب نوشی سے باز رکھوں گا۔ او کے سو فار ...؟"

وہ چلا گیا۔ رُومانہ نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا پھر لباس اتار کر باتھ رُوم میں گئی۔

جب وہ اپنے جہاز پر ہوتی تھی تو روزانہ صبح مختصر سے لباس میں ورزش کرتی تھی۔ فرہاد کی جُدائی نے اُس کے ہوش اڑا دیئے تھے۔ کئی ماہ سے اُس نے جسمانی ورزش کی طرف توجہ نہیں دی تھی، اس کے باوجود اس کے تراشیدہ بدن کا ہر زاویہ ایسا واضح اور اتنا دلکش تھا کہ اُسے دیکھ کر چھُونے کو اور چھُو کر سمیٹنے کو جی چاہتا تھا!

وہ باتھ رُوم سے آکر بستر پر لیٹ گئی۔ وہ پُرسکون نہیں تھی، اس کے اندر اضطراب تھا کہ کب صبح ہو گی؟ سونیا کب بیدار ہو گی؟ اور کب عازم کو فرہاد سمجھ کر اپنا لے گی؟ ایک بات کا اُسے بڑا دکھ تھا کہ فرہاد اور سونیا کی جوڑی دُنیا بھر میں مشہور تھی۔ چور، بدمعاش، قاتل، اسمگلر اور سیاست کے بازی گر غرضیکہ دُنیا کے جتنے شاطر اور خطرناک لوگ ہیں، اُن دونوں کو ناگ اور ناگن کہتے ہیں۔ رُومانہ کے اندر حسد کی آگ بھڑک رہی تھی کہ سونیا، فرہاد کے نام سے پہچانی جاتی ہے اور فرہاد کا پتہ اکثر سونیا کے نقشِ قدم سے ملتا ہے!

... خود کو تسلّی دینے لگی "غلطی میری ہے کہ میں نے فرہاد کی قدر نہیں کی تھی۔ لیکن اب اُس نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ ایک بار استنبول میں اس نے دماغی رابطہ قائم کیا تھا اور بتایا تھا کہ مجھ سے دُور رہنے کے باوجود وہ میری سوچ کو پڑھتا رہا ہے اور میرے پچھتاوے کو سمجھتا رہا ہے۔ اُس نے اپنی دلی محبت کا یقین دلایا اور کسی وقت ملاقات کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن اُس دشمن دیوی نے ہمیں پھر جُدا کر دیا۔ فرہاد کی صلاحیتیں چھین لیں، ورنہ وہ اس وقت ... میرے دماغ میں حاضر ہو کر مجھے اپنا پتہ ضرور بتاتا۔ خُدا کرے اس کی صلاحیتیں اُسے واپس مل جائیں اور وہ مجھے سوچ کے ذریعے اپنا پتہ بتا دے!

ایسا سوچتے وقت اُسے خیال آیا کہ وہ دوبارہ ٹیلی پیتھی کا علم حاصل کرے گا تو سونیا سے بھی دماغی رابطہ قائم کرے گا، اس وقت ... عازم کو فرہاد سمجھ کر اُس پر اپنا تن من نچھاور کر چکی ہو گی۔ پھر فرہاد اس کی بے وفائی سے بدظن ہو کر صرف رُومانہ کا ہو جائیگا!

"لیکن نہیں" وہ سوچنے لگی "فرہاد سوچیں پڑھنے کے بعد یہ سمجھ لے گا کہ میں نے ہی سونیا کو نقلی فرہاد کے جال میں پھنسایا ہے، پھر وہ مجھے سازشی لڑکی سمجھ کر مجھ سے نفرت کرے گا۔ لیکن کیوں؟ سونیا نے بھی میرے خلاف سازش کی تھی۔ فرہاد کی لاعلمی میں مجھے اُس کے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ مکاری کی ابتداء سونیا نے کی، انتہا میں کر رہی ہوں ... کو انصاف کرنا ہو گا، اُسے دونوں کو سزا دینا ہو گا یا دونوں کو معاف کرنا ہو گا!

بڑی دیر تک رُومانہ کا ذہن اُلجھتا رہا۔ وہ سوچتی رہی۔ پھر وہ سوچتے سوچتے سو گئی۔ چونکہ دل و دماغ میں تجسس بھرا ہوا تھا اس لئے صبح جلد ہی آنکھ کھل گئی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر لباس بدلنے کے بعد وہ کیبن سے باہر آئی۔ دُور مشرقی افق پر جہاں آسمان اور سمندر مل رہے تھے، وہاں سے سنہرا سورج طلوع ہو رہا تھا۔ نیلے آسمان پر دُو رنگ

شرمیلی دوشیزہ کے رخساروں جیسی لالی چھائی ہوئی تھی۔ منظر خواہ کتنا ہی حسین ہو، رومانہ کو اس سے دلچسپی نہیں ہوسکتی تھی!

اس نے سونیا کے کیبن کے پاس جاکر ڈراگون کے ماتحت سے پوچھا۔ "کیا ناگن بیدار ہوگئی ہے؟"

"نہیں مادام! وہ ابھی تک سو رہی ہیں!"

رومانہ ناشتہ کرنے کے لئے ڈائیننگ ہال میں آگئی۔ ابھی جہاز میں مسافروں کی چہل پہل نہیں تھی، بہت کم مسافر نظر آرہے تھے باقی خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ عازم اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ "رومانہ! مجھ پر ظلم ہو رہا ہے۔ پچھلی رات مجھے پینے کے لئے ایک گھونٹ شراب نہیں دی گئی۔ میں فرہاد کا رول ادا کرسکتا ہوں لیکن شراب ضروری ہے!"

وہ ناشتہ شروع کرتے ہوئے بولی۔ "کھاؤ اور نشیلی چیزوں کو بھول جاؤ۔ ضد کروگے تو پیٹا کے آدمی تمہیں سمندر میں پھینک دیں گے اور میں چپ چاپ تماشہ دیکھتی رہوں گی!"

وہ ایک سلائس اٹھا کر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیسے مکھن لگاؤں کہ پینے کی اجازت مل جائے۔ میں سچ کہتا ہوں اس کے بغیر میرا دماغ کام نہیں کرے گا!"

"یہ تو اچھی بات ہے کہ آج سے تمہارا دماغ کام نہ کرے، تم صرف میرے دماغ سے کام کرو یعنی ایسے فرہاد کا رول ادا کرو جس کی یادداشت گم ہوچکی ہے، تمہارا نام کیا ہے؟"

"عازم! عازم بیگ...!"

"اُف۔ گدھے...!" وہ غصہ سے بولی۔

"یہ نام مجھے پسند نہیں ہے، اب مجھے کچھ اور نہ بنانا!"

"یو شٹ اپ! میں تمہیں سمجھا چکی ہوں کہ عازم کو بھول جاؤ۔ معلوم ہوتا ہے تم سمندر ہی میں ڈوب کر مروگے!"

"بالکل ٹھیک... اگر سونیا پوچھے تو کہہ دینا کہ کل رات چند بدمعاش تمہیں پکڑ کر کہیں لے جارہے تھے۔ رومانہ نام کی ایک لڑکی تمہیں ان سے چھڑا کر یہاں لے آئی۔ اب وہ کہتی ہے کہ میں تمہاری محبوبہ ہوں۔ لیکن تمہیں یاد نہیں آتا کہ تم نے رومانہ کو کہیں دیکھا ہے!"

"سمجھ گیا، میں یہی کہوں گا!"

"اگر ذرا سی بھی بھول ہوئی تو کہیں سے ایک سنسناتی ہوئی گولی آئے گی اور تمہاری زندگی کو چاٹ کر گزر جائے گی!"

"چاٹ کی بات نہ کرو، مجھے پینے پلانے کی باتیں یاد آجاتی ہیں!"

وہ اسے ناگواری سے دیکھ کر کافی پینے لگی۔ "جلدی سے کافی پی کر سونیا کے کیبن کی طرف ٹہلتے ہوئے جاؤ۔ کسی سے اس کے متعلق کچھ نہ پوچھنا۔ میں چاہتی ہوں کہ وہ خود ہی تمہیں دیکھ کر تمہاری طرف بڑھے...!"

وہ کافی پی کر چلا گیا۔ رومانہ وہاں ایک گھنٹہ تک بیٹھی رہی۔ عازم نے بھی واپس آکر یہی کہا کہ اس کے کیبن کا دروازہ بند ہے۔ شاید وہ سو رہی ہے۔ رومانہ کی بے چینی بڑھ گئی۔ وہ وقت گزارنے کے لئے وہاں سے اٹھ کر جہاز کی سیر کرنے لگی۔ دن کے دس بجے تھا جب یہ خبر ملی کہ وہ ابھی تک سو رہی ہے تو رومانہ کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ گالی دے کر سوچنے لگی "حرامزادی شہزادیوں کی طرح بے فکری سے سو رہی ہے۔ میں جیسے اس کی باندی ہوں کہ جاگنے کا انتظار کر رہی ہوں۔"

ڈراگون نے کہا۔ "بیٹی! میں خود حیران ہوں کہ وہ اب تک کیسے گہری نیند سو رہی ہے۔ میں ابھی جاکر اسے بیدار کرتا ہوں!"

وہ رومانہ کو... جہاز کے عرشہ پر چھوڑ کر تیزی سے چلتا ہوا کیبنوں کی طرف آیا۔ پھر اس کیبن کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ اگر موت کہیں آرام سے سو رہی ہو تو اس سے کترا کر نکل جانا چاہئے۔ مگر کچھ لوگ ہوتے ہیں جو ہمیشہ زندہ رہنے کی خوش فہمی میں اپنے پیروں پر چل کر آتے ہیں اور اپنے ہاتھوں سے موت کے دروازے پر دستک دیتے ہیں۔

وہ دستک دے رہا تھا!

❖

سونیا نیند میں کسمسانے لگی۔ اسے محسوس ہوا جیسے خوابیدہ ذہن پر کوئی ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ کھٹ... کھٹ... کھٹ... کھٹ...

وہ آنکھیں بند کئے بڑبڑائی۔ "اسٹاپ ناٹنگ یو فول...!"

لیکن کھٹ کھٹ کی آواز آتی رہی۔ اس نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھول دیں۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں ہے؟ یہ بھی خواب ہے یا حقیقت؟ وہ کیبن کی جس برتھ پر لیٹی ہوئی تھی، وہ برتھ کبھی کبھی آہستہ آہستہ جھکتا تھا، پھر کبھی آہستہ آہستہ اٹھتا تھا۔ وہ فوراً ہی سمجھ گئی کہ کسی جہاز کے کیبن میں ہے۔

وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ چشم زدن میں یاد آگیا کہ کمال پاشا نے اسے اور فرہاد کو دھوکے سے خواب آور کافی پلائی تھی۔ اگر وہ کمال پاشا کے گھر ہی میں سو جاتے تو ان کی موت یقینی تھی، وہ انہیں نیند کی حالت میں ماسٹروں کی تنظیم میں پہنچا دیتا۔ "مگر... مگر اب میں کہاں ہوں؟"

وہ برتھ سے اٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ "کیا میں ماسٹروں کے ہتھے چڑھ گئی ہوں؟ کل رات جس کمرے میں میں اور فرہاد نیند سے لڑ رہے تھے، وہاں کی ایک کھڑکی سے میں نے چھلانگ لگادی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ نیند کا غلبہ ختم کرنے کے لئے کہیں جاکر کھٹی چیز کھاؤں گی یا لیمن اسکوائش پیوں گی، پھر تازہ دم ہوکر فرہاد کی مدد کے لئے واپس آؤں گی اور کمال پاشا کو اس کے فریب کی سزا دوں گی!"

کھڑکی سے باہر چھلانگ لگانے کے بعد کمال پاشا کے ایک آدمی سے ٹکرا گئی تھی۔ لیکن میں اسے ٹھکانے لگا کر باؤنڈری وال کو پھلانگتی ہوئی بھاگتی چلی گئی۔ ہر لمحہ نیند کی گولیاں اپنا اثر دکھا رہی

تھیں، مجھے یاد نہیں کہ میں بھاگتے بھاگتے کہاں گر پڑی تھی، جہاں دھی گری تھی، بس وہیں پہ تھک کر سو جانے کو دل چاہا... میں نیند سے ہار گئی تھی۔

اب آنکھ کھلتے ہی جہاز کا کیبن نظر آ رہا ہے۔ میں یہاں کیسے پہنچ گئی؟ فرہاد کہاں چھوٹ گیا؟ کیا میں پھر دشمنوں میں آ پھنسی ہوں؟

یہ سوچتے ہی اس نے ایک جھٹکے سے دروازے کو کھولا۔ اسی لمحہ ڈراگون پھر دستک دینے کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ سونیا کے ہاتھ میں وہ ہاتھ آ گیا۔ یکبارگی ڈراگون کے جسم کو زبردست جھٹکا لگا، وہ جوڈو کے داؤ سے گزرتا ہوا کیبن کے اندر پہنچ کر فرش پہ صاحبِ فراش ہو گیا۔

"ہائے... !" وہ کراہتا ہوا، اپنی کمر پکڑ کر اٹھا۔ سونیا دروازے کو اندر سے بند کرنے کے بعد دونوں ہاتھ کمر پہ رکھے کھڑی تھی۔ وہ ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی بولی: "اپنے اس پہاڑ جیسے جسم پہ ناز نہ کرنا، منٹوں میں تمہیں اپاہج بنا کر چھوڑ دوں گی۔ چپ چاپ اُس بستر پہ آدمی کی طرح بیٹھ جاؤ۔"

وہ بیٹھتے ہوئے بولا: "میں نے آدمی کی طرح ہی دستک دی تھی، تم نے کھلونے کی طرح اچھال دیا۔ یقین نہیں آتا کہ تم عورت ہو!"

"یقین کرنا بھی نہیں۔ اتنی بڑی دُنیا میں صرف ایک مرد کے لئے میں عورت بن جاتی ہوں۔ چلو اب بتاؤ، مجھے یہاں کون لایا ہے؟"

"اگر میں یہ کہہ دوں کہ تمہیں یہاں بھیجنے والے کا نام اور پتہ میں نہیں جانتا تو تم کبھی یقین نہیں کرو گی۔ بہتر ہے کہ تم پہلے میرے متعلق سُن لو۔ میرا نام پیابو برانڈو ہے۔ عرفِ عام میں ڈراگون کہلاتا ہوں۔ اس جہاز کا مالک تو کوئی اور ہے، لیکن کھلے سمندروں میں میں یہاں کا حاکم بن کر رہتا ہوں۔ اسمگلنگ میرا دھندا ہے۔ اسمگل ہونے والے مال میں زندہ اور مُردہ انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو پارٹیاں میرے ذریعہ تم جیسی عورتوں یا مردوں کو اسمگل کراتی ہیں، وہ میرے سامنے نہیں آتیں، کسی دلال کے ذریعہ معاملات طے ہوتے ہیں!"

سونیا نے پوچھا: "میرے معاملات کس طرح طے ہوئے؟"

"چار آدمی تمہیں ایک تابوت میں میرے پاس لائے تھے، ہیں اپنے ساحلی وقت میں تھا۔ میں نے کہا کسی کی لاش جہاز میں نہیں جا سکے گی۔ انہوں نے بتایا کہ تم زندہ ہو، مگر گہری نیند سو رہی ہو۔ میرے مشورے پہ تمہیں اسٹریچر پہ ڈال کر جہاز میں پہنچایا گیا۔ یہاں کے ڈاکٹر نے جعلی سرٹیفکیٹ دے دیا کہ مریضہ سفر کے قابل ہے۔ اس سلسلے میں مجھے بہت بڑی رقم دی گئی ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آتا کہ کچھ لوگوں نے مجھے یہاں کیوں پہنچایا۔ اگر وہ دشمن تھے تو مجھے وہیں مار ڈالتے۔ اگر انسان دوست ہوتے تو کسی اچھی پناہ گاہ میں پہنچا کر میرے بیدار ہونے کا انتظار کرتے!"

"وہ تمہارے دشمن تھے۔ انہوں نے مجھے تمہارا نام نہیں بتایا، صرف کوڈ ورڈز میں اتنا کہا کہ ناگ اور ناگن ایک دوسرے سے بچھڑ گئے ہیں، لہٰذا ناگ کو پکڑنے کے لئے ناگن کو زندہ رکھنا ضروری ہے!"

"اوہ!" سونیا پُرخیال انداز میں بولی: "اچھا تو وہ جلنے پہچانے دشمن ہیں! یہ بتاؤ مجھے کہاں پہنچانے کے لئے کہا گیا ہے؟"

"کہیں نہیں، یہیں سمندر میں ایک آبدوز نمودار ہو گی۔ اُن کا خیال ہے کہ اس وقت تک ناگ خود تمہارے پاس آئے گا یا تم سے رابطہ قائم کرے گا، پھر وہ آبدوز والے تمہیں یہاں سے لے جائیں گے!"

سونیا نے اُسے بے یقینی سے دیکھتے ہوئے پوچھا: "تمہاری ان باتوں میں کتنے فیصد سچائی ہے؟"

"تم یقین نہ کرو، اپنے وقت پہ میری سچائی ثابت ہو جائے گی!"

"کیا مجھے اس کیبن میں قید رکھا گیا ہے؟"

"نہیں تم آزاد ہو، باہر نکل کر دیکھ لو!"

"تم کمزور اور بُزدل نظر نہیں آتے، پھر اتنی عاجزی سے کیوں باتیں کر رہے ہو؟"

"میں کاروباری آدمی ہوں، تمہارے سلسلہ میں مجھے اسی لئے بھاری معاوضہ دیا گیا ہے کہ آبدوز کے آنے تک میں تم سے دوستانہ رویہ رکھوں اور تمہیں کبھی غصہ نہ دلاؤں!"

وہ چند ساعتوں تک اُسے گھورتی رہی، پھر پلٹ کر دروازے کے پاس گئی۔ اُسے کھول کر دیکھا، باہر کاریڈور میں کوئی نظر نہیں آیا۔ ڈراگون نے کہا: "تم دوسروں کی... طرح ایک مسافر عورت ہو۔ باہر جا کر آزادی سے گھوم سکتی ہو!"

وہ بولی: "میرا لباس میلا اور شکن آلود ہے۔ کیا یہاں دوسرا لباس مل سکتا ہے؟"

"تمہیں یہاں بھیجنے والوں نے تمہارا سامانِ سفر بھی بھیجا ہے، اُوپر دیکھو!"

اوپری برتھ پہ ایک سوٹ کیس رکھا ہوا تھا۔ سونیا نے اُسے نیچے اتار کر کھولا۔ اُس میں مختلف قسم کے لباس، سینڈلیں، میک اپ کا سامان اور دوسری ضروریات کی چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔ سوٹ کیس کے اوپری پاکٹ میں ایک تہہ کیا ہوا کاغذ رکھا تھا۔ سونیا نے اُسے کھول کر پڑھا، لکھا تھا:

● سُپر ماسٹر کی طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔ ہم چاہتے ہیں کہ تم بن سنور کر خود کو ماسٹروں کے سامنے پیش کرو! ●

سونیا نے اُس کاغذ کو ایک پھونک سے اُڑا دیا۔ پھر بولی: "مسٹر ڈراگون! باہر جاؤ، میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی!"

وہ چلا گیا۔ سونیا نے دروازے کو اندر سے بند کیا، پھر ہاتھ رُوم

میں چلی گئی۔ اُسے نہیں معلوم تھا کہ باہر رُومانہ اور عازم اُس کے انتظار میں سُلگ رہے ہیں۔ ایک گھنٹہ بعد جب وہ کیبن سے باہر آئی تو شوخ رنگوں کے بلاؤز اسکرٹ میں کھل رہی تھی۔ اُس نے بڑی نفاست سے ہلکا سا سوبر سا میک اپ کیا تھا، پیروں میں اونچی ایڑی کے سینڈل تھے۔ ہاتھ میں موتیوں سے سجا ہوا پرس تھا اور اُس کے بدن پہ بیش قیمت زیورات جگمگا رہے تھے۔ جس طرح دُنبے کو قربانی سے پہلے پھولوں کا ہار وغیرہ پہنا کر سجایا جاتا ہے، اسی طرح سُپر ماسٹر نے اسے سنوارنے کے لئے وہ آرائشی سامان بھیجا تھا اور سونیا بخوشی سپر ماسٹر کی خواہش پوری کر رہی تھی!

وہ ناشتہ کرنے کے لئے ڈائننگ ہال میں آئی، وہاں اچھی خاصی چہل پہل تھی۔ مختلف ممالک اور مختلف قوم و مذہب کے لوگ وہاں کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے نظر آ رہے تھے۔ عازم کو دانستہ ایسی میز کے پاس بٹھایا گیا تھا کہ وہ داخلی دروازے سے ہی نظر آ جائے۔ سونیا اُسے دیکھتے ہی خوشی سے اچھل پڑی۔ مسرتوں کے ہجوم میں چیختی ہوئی آگے بڑھی۔ "فرہاد، فرہاد! تم یہاں ہو...؟"

عازم انجان بنا چپ چاپ۔۔ تبکاتے کافی پی رہا تھا۔ سونیا نے قریب آ کر اُسے جھنجھوڑا: "ارے بہرے ہو گئے ہو؟ میری آواز نہیں سُن رہے ہو؟ کیا تمہیں مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہو رہی ہے؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولا: "مجھے یوں لگتا ہے جیسے میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔ کیا تم مجھے پہچانتی ہو؟"

وہ ناراض ہو کر بولی: "دیکھو فرہاد! مذاق نہ کرو، ہمیں سنجیدگی سے موجودہ سچویشن پہ غور کرنا ہو گا!"

"کیسی سچویشن؟ پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم مجھے کیسے پہچانتی ہو؟ شاید تم میری مشکل آسان کر سکو!"

"کیسی مشکل؟"

"مشکل یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو بھول گیا ہوں۔ پچھلی رات سے سوچ رہا ہوں، آئینہ دیکھ رہا ہوں، مگر خود کو نہیں پہچان رہا ہوں۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں نے کل ہی رات اس جہاز میں جنم لیا ہے!"

سونیا پریشان ہو کر اس کا منہ تکنے لگی۔ وہ ہو بہو فرہاد تھا۔ اُس نے عازم کے شانہ پہ ہاتھ رکھ کر کہا: "اوہ فرہاد! معلوم ہوتا ہے دشمنوں نے پھر کسی طرح تمہارا برین واش کر دیا ہے!"

وہ محبت اور ہمدردی کے مارے اُس کے گلے لگ گئی۔ اُس وقت اُس کا فرہاد اس کے لئے ایک معصوم بچہ تھا جس سے ذہانت اور انٹیلی جینس کے تمام کھلونے چھین لئے گئے تھے۔ وہ اُسے ایک بچے کی طرح سینے سے لگا کر تسلی دینا چاہتی تھی، لیکن چند لمحوں کے بعد ہی وہ چونک کر گہری گہری سانس لینے لگی۔ پھر ایک دم سے الگ ہو گئی۔

سونگھنے کی حیرت انگیز حِس رکھنے والی کو چونکنا ہی تھا، کیوں کہ اُسے فرہاد کی کوئی بُو نہیں مل رہی تھی۔

وہ پریشان ہو کر بولی: "سمجھ میں نہیں آتا کہ میں تمہیں کیا سمجھوں؟ اور یہ یقین بھی نہیں آتا کہ فرہاد کا ایک ایسا ہم شکل بھی ہو سکتا ہے!"

وہ آگے بڑھ کر اُس کے چہرے کو ٹٹولنے لگی۔ پھر گردن پہ ہاتھ لے جا کر محسوس کرنے لگی کہ کہیں عازم نے فرہاد کا ماسک نہ پہنا ہو۔ عازم نے ہنستے ہوئے اپنی گردن پر سے اُس کا ہاتھ ہٹا کر کہا: "مجھے گد گدی ہوتی ہے!"

وہ حیرانی سے بولی: "تم نے ماسک نہیں پہنا ہے۔ تم بالکل فرہاد ہو، مگر تمہارے بدن کی مخصوص بُو کیسے ختم ہو گئی ہے؟"

"بُو؟" عازم نے حیرانی سے پوچھا۔ "کیا تم شکاری کتوں کی طرح بُو سونگھتی ہو؟"

"شٹ اَپ!" وہ پھر ٹٹولتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ "تمہیں اس جہاز میں کون لایا ہے؟"

"ایک لڑکی۔ وہ بھی تمہاری طرح مجھے فرہاد کہتی ہے، مجھ سے عشق کرتی ہے!"

سونیا چونک کر بولی: "تم سے عشق کرتی ہے، کون ہے وہ؟"

"وہ؟" عازم اپنی پیشانی پہ ہاتھ رکھ کر سوچنے لگا۔ "ہاں، یاد آیا۔ اُس نے اپنا نام رُومانہ بتایا ہے!"

ایک دم سے سونیا کے کانوں میں خطرے کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ سر سے پاؤں تک تن گئی۔ چاروں طرف دیکھنے لگی، رُومانہ نظر نہیں آئی، مگر جہاز میں اُس کے وجود کا پتہ مل گیا تھا۔ وہ ذرا سر اٹھا کر سونگھنے لگی۔ یُوں تو وہ بہت پہلے رُومانہ کی بُو پا سکتی تھی لیکن وہ جانوروں کی طرح ہمیشہ مخصوص انداز میں سونگھنے کی عادی نہیں تھی۔ خاص موقعہ پہ خاص طور سے کسی کی بُو پا لیتی تھی!

اُس نے نتھنے پھیلا کر بُو سونگھنے کے بعد ایک سمت انگلی اٹھا کر بلند آواز میں کہا: "رُومانہ! تم اُدھر ہو، تم مجھ سے چھپ نہیں سکو گی، سامنے آ جاؤ!"

ڈائننگ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ سب لوگ سونیا کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اُس کی انگلی ایک سمت سے دوسری سمت جا رہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رُومانہ اپنی جگہ بدل رہی ہے، کسی دوسری طرف جا رہی ہے۔ سونیا تیزی سے چلتی ہوئی ڈائننگ ہال سے باہر آ گئی۔ عازم بھی اس کے پیچھے تھا۔ ڈائننگ ہال کے باہر ڈراگون کھڑا تھا۔ اُس نے بھی سونیا کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا: "مادام! آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"اپنے کیبن میں۔ کیوں کہ میری دشمن مسلح ہے!"

"آپ دیکھے بغیر کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

"مجھے اس لڑکی کے ساتھ بارود کی بُو بھی مل رہی ہے۔ یقیناً اُس کے پاس ریوالور ہے۔ ایک بار میں نے ریوالور دکھایا تھا، اب وہ

آ رہی ہے!"

سونیا چلتے چلتے رک گئی۔ پھر یہ کہتی ہوئی راستہ بدل دیا کر وہ اُدھر سے آ رہی ہے۔ ڈراگون اور عازم کھڑے رہے۔ وہ دوسری طرف جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ چند لمحوں کے بعد رُومانہ وہاں پہنچ گئی۔ واقعی اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔ اس نے پوچھا: "بتاؤ! وہ کدھر گئی ہے؟"

ڈراگون نے شدید حیرانی سے کہا: "بیٹی! میں نے پچاس برس کی زندگی میں ایسی بلا دیکھی نہ سُنی، وہ تمہیں دیکھے بغیر سمجھ لیتی ہے کہ تم کہاں ہو اور کدھر سے آ رہی ہو اور اس نے واقعی درست کہا تھا کہ تمہارے پاس ریوالور ہے۔ اُسے بارُود کی بُو مل رہی تھی۔"

تب رُومانہ کو یاد آیا ایک بار استنبول میں وہ ماسٹروں کی تنظیم والوں کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ وہیں پہلی بار اُسے معلوم ہُوا کہ فرہاد ٹیلی پیتھی جانتا ہے اور سونیا سونگھنے کی حیرت انگیز حس رکھتی ہے!

عازم نے کہا: "وہ مجھے سُونگھ کر کہہ رہی تھی کہ میرے جسم سے فرہاد کی بُو نہیں آ رہی ہے۔"

"آں؟" رُومانہ پریشان ہو کر بولی۔ "کیا اس نے تمہیں فرہاد تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے؟"

"انکار تو نہیں کیا ہے، لیکن اُسے کچھ شبہ ہو رہا ہے۔"

وہ ذرا مطمئن ہو کر بولی: "اوہ پھر تو کوئی بات نہیں، صرف فرہاد کی بُو نہ ملنے سے وہ ذرا شُبہ تو کرے گی مگر تمہارے ساتھ ضرور لگی رہے گی۔ تاکہ تم مجھ میں دلچسپی نہ لے سکو۔"

پھر وہ اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "وہ کس طرف گئی ہے؟"

"اپنے کیبن میں ..."

رُومانہ نے کہا۔ "تم لوگ ٹھہرو، میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے چلتی ہوئی کیبنوں کے درمیان ایک راہداری میں آئی۔ سونیا کے کیبن کا دروازہ بند تھا۔ وہ سوچنے لگی: "وہ میری بُو سے سمجھ رہی ہوگی کہ میں دروازے تک پہنچ گئی ہوں۔ کیا وہ میرے ریوالور کے سامنے آنے کے لئے کیبن میں اطمینان سے بیٹھی ہوگی؟ نہیں، وہ نادان چھوکری نہیں ہے کسی دوسری جگہ میری تاک میں ہوگی لیکن اندر جا کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟"

وہ بلند آواز میں بولی: "سونیا! بدترین دُشمنوں کی طرح ملنے کا وقت آ پہنچا ہے، باہر آ جاؤ!"

اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ دروازے کو آہستگی سے کھول کر محتاط انداز میں اندر آ گئی۔ کیبن خالی تھا۔ پھر وہ باتھ رُوم کی طرف بڑھی۔ اُسی وقت کھٹاک کی زوردار آواز سُنائی دی۔ وہ اچھل پڑی کیبن کا دروازہ بند ہو گیا تھا۔ باہر سے سونیا کی آواز سُنائی دی: "بے بی! کیبن میں آرام کرو، میری مرضی کے بغیر تم باہر نہیں آ سکو گی!"

رُومانہ دروازے کو پیٹتے ہوئے بولی: "چڑیل! دروازہ کھول دے۔ تُو نے یہ دوسری بار مکاری سے مجھے بے بس کیا ہے۔ تجھ میں ہمت ہے تو مجھ سے دو دو ہاتھ کر لے!"

"تیری یہ حسرت ضرور پوری کروں گی، مگر ابھی نہیں، ابھی میں فرہاد کی یادداشت واپس لانے کی کوشش کروں گی۔ ہاں، یہ تو میں بھول ہی گئی۔ یہ بتاؤ، فرہاد تمہیں کہاں ملا تھا؟"

"پہلے دروازہ کھولو!"

"دیکھو، میں فرہاد کے لئے پریشان ہوں۔ اس کے متعلق کچھ معلوم کرنے کے لئے دروازہ ضرور کھولوں گی۔ لیکن یہ جو فرہاد ہے نا...."

اُس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ رُومانہ نے بے چینی سے پوچھا۔ "ہاں کیا ہُوا، تم چُپ کیوں ہو گئیں؟"

سونیا نے آہستگی سے کہا۔ "میں زور سے نہیں بول سکتی۔ بات ہی کچھ ایسی ہے آہستگی سے بول رہی ہوں غور سے سُنو!!"

رومانہ غور سے سُننے کے لئے دروازے سے لگ گئی۔ سونیا نے گہرا سانس لے کر معلوم کر لیا کہ شکار بالکل قریب آ گیا ہے۔ نشانہ خالی نہیں جائے گا۔ اُس نے بڑی پھرتی سے لاک میں چابی گھما کر دروازے پہ ایک زور کی لات ماری۔ رومانہ کی چیخ سُنائی دی۔ کھلنے والے دروازے سے نظر آیا، وہ کیبن کے اندر دُور جا کر گر پڑی تھی — ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

سونیا چھلانگ لگا کر ریوالور تک پہنچی مگر وہ بھول گئی تھی کہ رُومانہ جمناسٹک کے آسمان کی بجلی ہے۔ آسمان سے آنے والی بجلی کو بہت کم زمین پہ گرتے دیکھا گیا ہے۔ رُومانہ کی برق رفتاری سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کب گرتی ہے اور کب سنبھلتی ہے سونیا ریوالور اٹھانے کے لئے جھکی تو اس کے منہ پہ ایک ٹھوکر پڑی۔ وہ کراہتی ہوئی سیدھی ہوئی۔ رُومانہ نے گھوم کر دوسری لات ماری۔ سونیا لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے دیوار سے لگ گئی۔

دیوار سے لگ کر اس نے ناک پونچھی کیونکہ وہاں سے لہو بہہ رہا تھا، رُومانہ کا اسٹارٹنگ پوائنٹ یہی ہوتا ہے۔ پہلے ہی حملے میں مقابل کی ناک سے لہو کے آنسو ٹپکتے ہیں۔ وہ دونوں ہاتھ کمر پہ رکھتی ہوئی بولی: "سونیا! فرہاد کو مجھ سے جُدا کرنے والی چڑیل! میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آئندہ زندگی کے کسی موڑ پہ ہماری ملاقات بدترین دشمنوں کی طرح ہوگی ...."

اس دلچسپ داستان کے بقیہ واقعات چوتھے حصے میں ملاحظہ فرمائیے

ٹائٹل مطبوعہ ایف اے ایم پرنٹرز پریڈی اسٹریٹ کراچی